احمدی انصار کی تعلیم و تربیت کیلئے

حضرت خلیفة المسیح الثانی نمبر

ماہنامہ

انصار اللہ

مئی، جون، جولائی ۲۰۰۹ء

ہجرت، احسان، وفا ۱۳۸۸ ہش

جلد -------------------- 50

شمارہ ---------------------- 5

ansarullahpakistan@gmail.com

فون نمبر 047-6212982

فیکس نمبر 047-6214631

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائیننگ

فخر احمد

ایڈیٹر: نصیر احمد انجم

نائبین

- ریاض محمود باجوہ
- صفدر نذیر گولیکی
- محمود احمد اشرف

پبلشر

عبدالمنان کوثر

پرنٹر

طاہر مہدی

امتیاز احمد وڑائچ

اس پرچہ کی قیمت دوصد روپے ہے۔ سالانہ خریداران کو اُسی قیمت پر ملے گا۔

مقام اشاعت: دفتر انصار اللہ دار الصدر جنوبی چناب نگر (ربوہ)، مطبع: ضیاء الاسلام پریس

اس شمارہ میں

نمبر شمار	مضمون		صفحہ نمبر
1-	اداریہ۔ ہوتی نہ اگر روشن وہ شمع رُخِ انور	(مکرم نصیر احمد انجم صاحب)	۵
2-	پیشگوئی مصلح موعود		۷
3-	حضرت مصلح موعود کے بارہ میں انبیاء سابقہ و صلحاء اُمت کی بشارات	(مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب)	۱۰
4-	خلافت کے بعد پہلی تقریر	(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...)	۲۱
5-	میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں	(حضرت مصلح موعود ...)	۲۴
6-	دین .... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کو علوم ظاہری و باطنی میں غیر معمولی برتری عطا فرمائی۔	(حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ)	۵۹
7-	حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز روایات	(مکرم فضل احمد شاہد صاحب)	۷۰
8-	سوانح حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب	(مکرمہ صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ)	۱۴۱
9-	مکتوب بنام حضرت اماں جان	(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...)	۲۴۲
10-	حضرت مصلح موعود کے دو عظیم کارنامے رسالہ تشحیذ الاذہان اور اخبار الفضل کا اجراء	(مکرم عبد السمیع خان صاحب)	۲۴۳
11-	انجمن انصار اللہ، صدر انجمن احمدیہ مجلس معتمدین، نظارتیں	(مکرم ڈاکٹر عبد الخالق خالد صاحب)	۲۵۹
12-	تحریک جدید، آغاز و پس منظر	(مکرم خالد محمود الحسن صاحب بھٹی)	۲۶۹
13-	وقف جدید	(مکرم حافظ خالد افتخار صاحب)	۲۹۵
14-	جماعت احمدیہ کا نظام مشاورت	(مکرم ملک یوسف سلیم صاحب)	۲۹۹
15-	لجنہ اماء اللہ کی تشکیل۔ ایک عظیم کارنامہ	(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب)	۳۱۵
16-	حضرت مصلح موعود کا ایک گراں بار احسان عظیم، مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام	(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب)	۳۳۴
17-	حضرت مصلح موعود کا ایک عظیم کارنامہ۔ جوانوں کے جوانوں کی تنظیم انصار اللہ کا قیام	(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب)	۳۵۲

نمبر شمار	مضمون		صفحہ نمبر
18-	دار القضاء کا قیام	(مکرم حافظ راشد جاوید شاہد صاحب)	۳۶۷
19-	جماعت احمدیہ میں نظام افتاء	(مکرم فضل احمد صاحب)	۳۷۶
20-	تحریک شدھی کے مقابل پر حضرت مصلح موعود ...... کی بے مثال جدوجہد	(مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب)	۳۸۵
21-	تحریک آزادی کشمیر اور سیدنا حضرت مصلح موعود کی مساعی	(مکرم حنیف احمد محمود صاحب)	۴۱۲
22-	حضرت مصلح موعود کی قیام پاکستان کیلئے جدوجہد	(مکرم مرزا خلیل احمد صاحب)	۴۵۴
23-	مکتوب بنام حضرت اماں جان	(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...)	۴۸۰
24-	پاکستان میں نئے مرکز احمدیت کا قیام	(مکرم محمد محمود طاہر صاحب)	۴۸۱
25-	تاریخ احمدیت کی تدوین واشاعت کا انتظام	(مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب)	۵۰۲
26-	حضرت مصلح موعود ...... کی ملی خدمات	(مکرم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب)	۵۰۸
27-	سیدنا حضرت مصلح موعود ...... اور علم قرآن	(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب)	۵۹۶
28-	''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا''	(مکرم خلیل احمد صاحب)	۶۲۲
29-	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...... ایک صاحب طرز و فکر مصنف کی حیثیت سے	(مکرم اختر اورینوی صاحب ایم اے)	۶۵۰
30-	حضرت مصلح موعود ...... کا اسلوب نثر	(مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب)	۶۶۳
31-	تعارف کتب حضرت مصلح موعود	(مکرم محمد صادق ناصر صاحب)	۶۷۵
32-	ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے۔	(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...)	۷۱۱
33-	میں تو کمزور تھا اس واسطے آیا نہ گیا	(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...)	۷۱۲
34-	کلام محمود کا ادبی پس منظر	(مکرم راجہ غالب احمد صاحب)	۷۱۳
35-	کیا بیاں ہو مرے اس قلب حزیں کی حالت	(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...)	۷۱۸
36-	حضرت مصلح موعود ...... کے سفر یورپ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۵۵ء کی روئیداد	(مکرم محمد محمود طاہر صاحب)	۷۱۹

سیرت

نمبر شمار	مضمون		صفحہ نمبر
	سیرت		۷۴۳
37-	اے ...... قرب تو معلوم شد۔ دیر آمدہ زرہ دور آمدہ	(مکرم حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب)	۷۴۵
38-	عرش پر نور سے لکھا گیا نام محمود	(حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ)	۷۵۱

نمبر شمار	مضمون		صفحہ نمبر
39-	حضرت مصلح موعود......کی یاد میں	(حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب)	۷۵۲
40-	کچھ یادیں کچھ باتیں	(مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب)	۷۵۹
41-	یاد آئے گا تیرا حسن ہمیں (نظم)	(مکرم عبدالمنان ناہید صاحب)	۷۷۲
42-	تجزیے	(مکرم ثاقب زیروی صاحب)	۷۷۳
43-	منظوم کلام بیاد حضرت مصلح موعود......	(مکرم نسیم سیفی صاحب۔مکرم پرویز پروازی صاحب)	۷۷۴
44-	کچھ یادیں کچھ باتیں	(مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب)	۷۷۵
45-	منظوم کلام	(مکرم محمود ایمن آبادی صاحب۔مکرم عبدالحمید شوق صاحب)	۷۸۲
46-	حضرت مصلح موعود کی سیرت طیبہ کے چند پہلو۔واقعات کی روشنی میں	(مکرم مبشر احمد خالد صاحب مربی سلسلہ)	۷۸۳
47-	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود......کی یاد میں	(مکرمہ صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ)	۸۱۲
48-	سیرت حضرت مصلح موعود......	(مکرمہ صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ)	۸۱۳
49-	تو فخر روزگار تھا، تو قلب کائنات	(مکرمہ سیدہ منیرہ بخاری صاحبہ)	۸۶۷
50-	حضرت مصلح موعود......	(مکرم عبدالسلام اسلام صاحب)	۸۶۸
	حضرت مصلح موعود غیروں کی نظر میں		۸۶۹
51-	ایک غیر از جماعت دوست کے تاثرات۔ایک علم دوست بزرگ	(مکرم حکیم یوسف حسن صاحب)	۸۷۱
52-	ایک غیر از جماعت دوست کے تاثرات۔اظہار حقیقت	(مکرم سید ابو ظفر نازش صاحب رضوی صاحب)	۸۷۳
53-	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وصال پر تعزیتی نوٹ	(مدیر صدق جدید)	۸۷۹
54-	سفر سندھ ۱۹۳۸ء اور ایک ایمان افروز شہادت	(مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب)	۸۸۰
55-	کس لئے وقف الم ہے آج ربوہ کی زمین (نظم)	(مکرم منظور حسین صاحب او۔ٹی۔لالیاں)	۸۸۳
56-	خوشا اس جماعت کا رہبر ہے تو (نظم)	(صہبا اختر)	۸۸۴
57-	ذرے ذرے میں بپا انتشار ہے آج (نظم)	(راس لاسینی)	۸۸۶

ہوتی نہ اگر روشن وہ شمع رُخِ انور

میں جب حضرت مصلح موعود کی شخصیت کا تصور کرتا ہوں تو ایک پہاڑ کی مشابہت ذہن میں اُبھرتی ہے۔

پہاڑ بلند و بالا ہوتے ہیں، مضبوط اور زمین میں پیوست ہوتے ہیں۔ کوئی ان کو ہلا نہیں سکتا۔ پہاڑ سرسبز و شاداب ہوتے ہیں جہاں جا کر انسان فرحت و انبساط پاتا ہے۔ یہ صحت افزا مقام ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں سونا، چاندی اور دیگر قیمتی معدنیات پائی جاتی ہیں جو انسان کی معاشی بقا کے لئے ناگزیر ہیں۔

آپ غور کریں تو حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ کی ذات بابرکات میں مندرجہ بالا خصوصیات نظر آتی ہیں۔ بلند عزم و ہمت اور کردار کے مالک جو اپنے عظیم المرتبت باپ کی میت کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ عہد کرتے ہیں کہ اگر ساری دُنیا بھی آپ کو چھوڑ جائے تو میں اکیلا آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے کوشاں رہوں گا۔

آپ کی علمی وسعت اور روحانی طاقت ایسی تھی کہ ہزارہا اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوئے۔ بہتوں کو راہِ راست پر لائے۔ جب کشمیریوں کے حقوق کا سوال آیا تو کشمیر کمیٹی قائم ہوئی۔ اس کی صدارت کے لئے ممبران یک زبان بولے کہ مرزا صاحب (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد) سے بڑھ کر کوئی اہل نہیں ہے۔ آپ کی فیض رسانی ایسی عدیم المثال ہے کہ خدا نے ہر علم آپ کو سکھایا اور آپ نے ایک عالم میں بانٹا۔ یہ روحانی خزائن جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل آپ کے اس بیٹے اور مَثِیْلُهٗ وَ خَلِیْفَتُهٗ کے مصداق آپ کو ملے آپ نے دُنیا بھر میں وافر تقسیم کئے۔ آپ کے ولولہ انگیز خطبات اور آپ کی بصیرت افروز تصنیفات تنِ مردہ میں جان ڈال دینے کی صلاحیت سے معمور ہیں۔

غرضیکہ آپ غور کرتے جائیں تو حضرت مصلح موعود کی شخصیت کا سحر آپ پر طاری ہوتا جائے گا اور جس طرح پہاڑوں کی رفعتیں انسان کو مرعوب کرتی ہیں اسی طرح حضور کی شخصیت کے سامنے انسان ادب و احترام کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔

آپ کی عظمت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ صحفِ سابقہ میں آپ کی آمد کے بارے میں پیش خبریاں موجود ہیں۔ اسی طرح آپ کے والد ماجد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چالیس روزہ ریاضت و عبادت کے ثمر کے طور پر خدائے علیم و خبیر نے آپ کو ایک عظیم الشان بیٹے کی خبر دی۔ یہ پیشگوئی ایک طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ریاضت و عبادت کی قبولیت اور آپ کی سچائی کی دلیل ہے وہیں یہ پیشگوئی حضرت مصلح موعود کی عظمت کو واضح کرتی ہے۔ پیشگوئی میں موجود باون علامات پر غور کریں تو ہر علامت اپنی ذات میں ایک پیشگوئی ہے۔ اس طرح یہ پیشگوئی خدا تعالیٰ کی عطا کردہ عنایتوں کا ایک گلدستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت ہمہ گیر اور شش جہت دکھائی دیتی ہے اور ہے بھی۔

قارئین کرام! کون انسان ہے جو یہ دعویٰ از خود کر سکتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہوگی کیونکہ دُنیا میں ہزارہا جوڑے

بے اولاد رہتے ہیں۔

کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ اگر اولاد ہو بھی تو لازماً بیٹا ہوگا۔ کتنے ماں باپ ہیں جو اولاد نرینہ کے لئے ترستے پھرتے ہیں۔

کون یہ بات شائع کر کے ساری دُنیا میں پھیلا سکتا ہے کہ ہونے والا بیٹا لمبی عمر پائے گا۔

کتنے لوگ ہیں جن کے بچے صغرسنی میں ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ کتنے بوڑھے ہیں جو جوان میت کاندھوں پر اُٹھانے کے صدمے سہتے ہیں۔

کتنے انسان یہ دعاوی کرسکتے ہیں کہ بیٹا باعمر بھی ہو تو وہ نیک پارسا ہوگا۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ نیک والدین کے ہاں کج رو بیٹے جنم لیتے ہیں جو اپنے والدین کے لئے قرۃ العین بننے کی بجائے ان کی شرمندگی کا باعث ٹھہرتے ہیں۔

محترم قارئین! یہ دعویٰ کرنے کو تو کوئی مجنون کرسکتا ہے لیکن ان کے ایفاء پر وہ ہرگز قادر نہیں ہوسکتا۔ پس اگر یہ دعاوی کوئی کرتا ہے اور وہ وقت پر پورے ہوتے ہیں تو اس بات میں ذرہ بھی شک نہیں رہتا کہ یہ خبریں خدا نے عطا فرمائیں اور خدا تعالیٰ کی قدرت وعظمت کے نشان کے طور پر دنیا میں ظاہر ہوئیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو مندرجہ بالا دعاوی کے علاوہ اور بڑے دعوے اس بیٹے کے متعلق کئے جیسا کہ عرض کیا کہ باون علامات یا دعوے اس بچے کے متعلق ہیں جو خدا کے فضل سے حضرت مصلح موعود کے وجود میں سب کے سب پورے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ان پاک روحوں پر بے شمار افضال نازل فرمائے۔ آمین

شکرِ خدا اور شکریہ احباب

خدا تعالیٰ کا بے حد احسان ہے کہ ماہنامہ انصار اللہ کو حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ کی سیرت وسوانح پر ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کی توفیق ملی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

گزشتہ سال حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا نمبر شائع ہوا تھا اور امسال حضرت مصلح موعود نمبر شائع ہوا ہے۔ خدا کرے یہ سلسلہ جاری رہے۔

خاکسار تہہ دل سے ممنون ہے ان تمام حضرات کا جنہوں نے کسی بھی رنگ میں اس رسالہ کی تیاری میں معاونت کی۔ مضمون نگار حضرات میرے خصوصی شکریہ کے حقدار ہیں۔ اسی طرح محترم قائد صاحب اشاعت، مینجر صاحب، محترم عبدالمالک صاحب، کمپوزر اور میرے ساتھی محترم ریاض محمود باجوہ صاحب، محترم صفدر نذیر گولیکی صاحب اور محترم محمود احمد اشرف صاحب نے بھی بھرپور معاونت کی۔ لیکن اس نمبر کی اشاعت میں خاص الخاص مساعی مکرم ومحترم صدر صاحب مجلس انصار اللہ پاکستان نے فرمائی۔ عناوین اور مضمون نگاروں کے انتخاب سے لے کر ان سے رابطہ، مسلسل نگرانی اور خصوصی ذاتی دلچسپی ہر گام پر آپ نے راہنمائی فرمائی۔ میں برملا عرض کروں کہ آپ کی ذاتی دلچسپی کے بغیر اس نمبر کی اشاعت بہت مشکل تھی۔ اللہ تعالیٰ سب احباب کو جزائے خیر دے اور ہماری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائے۔ اس خصوصی اشاعت کو نافع الناس بنائے۔ آمین

(مدیر ماہنامہ انصار اللہ)

پیشگوئی مصلح موعود

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

خدائے رحیم وکریم بزرگ وبرتر نے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔(جلشانہ وعز اسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا۔ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا۔ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین ...... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ؐ کو انکار اور تکذیب کی راہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت ونسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔

وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری وباطنی سے پر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وکان امرا مقضیا۔

پھر خدائے کریم جلشانہٗ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہریک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہو جائے گی۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے۔ اُن کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور اُن کی دیواروں پر غضب نازل ہوگا۔ لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔ خدا تیری برکتیں اردگرد پھیلا دے گا اور ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا۔ اور ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دے گا۔ تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخر دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے۔ عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ میں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلاؤں گا۔ پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی

سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود

فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے نا کام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود نا کام رہیں گے اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس واموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا اور وہ...... کے اس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل (یعنی ظلی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندہ کی نسبت شک میں ہو۔ اگر تمہیں اس فضل واحسان سے کچھ انکار ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر کیا تو اس نشان رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم پیش نہ کرسکو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے۔"

راقم خاکسار

غلام احمد مؤلف (براہین احمدیہ) ہوشیارپور طویلہ شیخ مہر علی صاحب رئیس ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء

(ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر یکم مارچ ۱۸۸۶ء بحوالہ روحانی خزائن جلد پنجم صفحہ ۶۴۷، ۶۴۸)

حضرت مصلح موعود کے بارہ میں انبیاء سابقہ اور صلحاء اُمّت کی

بشــــارات

(مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب)

خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے سے آئندہ زمانے میں آنے والے انبیاء صلحاء اور دوسرے رُوحانی وجودوں کی خبر دیتا ہے۔ خدا کے یہ برگزیدہ بندے اس علیم وخبیر ہستی سے اطلاع پاکر بعد میں ظاہر ہونے والی روحانی شخصیات کی وہ خاص صفات اور نشانیاں بیان کرتے ہیں جن سے ان رُوحانی وجودوں کے ہم عصر لوگ ان کی شناخت کر سکتے ہیں۔ ان روحانی وجودوں کے ظہور کی قبل از وقت خبر دینے کا خدائی طریق یہ معلوم ہوتا ہے کہ موعود نبی، مامور یا مصلح کی شخصیت جتنی عظیم، مقتدر اور ہمہ گیر ہوگی۔ اتنی ہی کثرت سے اس کے متعلق قدیم نوشتوں میں پیشگوئیاں کی گئی ہوں گی۔ اگر کسی مامور کا زمانہ ماموریت محدود اور مختصر ہے اور اس کا حلقہ اثر کسی خاص قوم تک محدود ہے تو اس کے بارے میں اس کثرت سے ذکر نہیں ہوگا جس کثرت سے کسی ایسے مامور کی خبر دی جائے گی جس کی شخصیت اپنی قوت قدسی روحانی تاثیر اور اثر وجذب کے اعتبار سے ایک لمبے زمانے اور ایک بڑے حلقے کے لئے فیض رساں بنائی گئی ہو۔ گویا قدیم نوشتوں میں کسی خاص رُوحانی شخصیت کے بارے میں کثرت اور تکرار کے ساتھ خبروں کا پایا جانا اس خاص وجود کی عظمت اور عالم روحانی میں اس کی بلندیٔ مرتبہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کثرت اور تکرار اور تواتر کے ساتھ حضرت خاتم النّبیین سرور کونین سید الانبیاء والاصفیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر آپ کی بعثت سے قبل کے تمام انبیاء اور صلحاء اور اولیاء نے دی ہے اس کثرت اور تکرار کے ساتھ کسی اور روحانی وجود کی خبر نہیں دی گئی۔ یہ کثرت اور تکرار آپ کے اس بلند مرتبہ روحانی مقام کی طرف اشارہ کرتی ہے جس پر خدا تعالیٰ نے آپ کو فائز فرمایا ہے اور جس سے آگے بڑھنا ابن آدم کے لئے مقدر نہیں۔

اسی طرح موجودہ زمانہ میں بھی جسے مذہبی نوشتوں میں آخری زمانے کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ایک نبی کے ظہور کی خبر تمام سابقہ انبیاء کرام وصلحاء عظام دیتے آئے ہیں۔ آج ہر قوم اور ہر مذہب کے پیرو ایک موعود کے انتظار میں چشم براہ ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ زمانہ کرشن کے دوبارہ ظہور کا ہے، یہودی ایلیا اور عیسائی مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں۔ مسلمان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور مہدی کی بعثت کا انتظار کر رہے ہیں۔

انتظار اور امید کی یہ کیفیت ان پیش خبریوں کے زیر اثر پیدا ہوئی ہے جو ان اقوام کے بزرگ مامورین نے اپنے پیروؤں کو آخری زمانے کے ایک مامور کے متعلق دی تھیں اور جس کے قبول کر لینے کی ہدایت کی تھی۔ دراصل یہ تمام

خبریں ایک ہی روحانی وجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کو اس زمانے کی اصلاح اور مذہب کے احیاء کے لئے خدا کی طرف سے ماموریت کی خلعت پہنائی جانی مقدر تھی۔ اس مامور کے متعلق اس کثرت سے خدائی نوشتوں میں خبروں کے پائے جانے کی وجہ اس موعود کی عظمت اور اس کے رُوحانی مرتبہ کی بلندی ہے۔ چونکہ اس موعود نے سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر اور آپؐ کی متابعت میں آپؐ کی نیابت کے لئے تمام انبیاء سابقہ کی جملہ صفات سے متصف ہوکر اور خود ان سب کے لباس میں ملبوس اور ان کے رنگ میں رنگین ہوکر آنا تھا اس لئے خدائی سنت کے مطابق اس کے ظہور کی خبر بھی ابتداء سے ہی تمام رُوحانی وجودوں کی طرف سے دی جاتی رہی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ زمانہ حاضرہ کے لئے قدیم کتب مقدسہ میں پائی جانے والی ان پیشگوئیوں کے مصداق اس زمانے کے امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ذات بابرکات ہے۔ جن کا نزول ہندوؤں کے لئے بطور کرشن یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے بطور مسیح اور مسلمانوں کے لئے بطور مسیح و مہدی ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس موعود نبی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جہاں اور بہت سے نشانات اور معجزات آپ کی تائید میں ظاہر فرمائے ہیں وہاں ایک نشان جو خاص شان اور اہمیت کا حامل ہے وہ اس مسیح کی اولاد کے بارے میں بشارات ہیں۔ چنانچہ جہاں قدیم نوشتوں میں اس موعود نبی کی بعثت کی خبریں دی گئی ہیں۔ وہاں ان صحف سابقہ میں اس کی اولاد کے بارے میں بھی خاص خبر دی گئی ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کی اولاد میں ایک ایسے شخص کی پیدائش کی خبر ملتی ہے جو خدا تعالیٰ کی خاص تقدیر کے تحت اس موعود کی تائید اور اس کے جاری کردہ سلسلہ کی خدمت اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہے گا اور خدا تعالیٰ کے دین کی احیاء اور اصلاح خلق کے لئے کوشش اور جدوجہد کرتا رہے گا۔ جیسا کہ ان صفحات کے مطالعہ سے ثابت ہوجائے گا مسیح موعود اور مہدی مسعود علیہ السلام کے یہ خاص فرزند جن کے لئے انبیائے سابقہ اور اولیائے امت اپنے اپنے وقت میں پیشگوئی فرماتے رہے ہیں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی...... ہیں۔

خدائی بشارات کے سلسلے میں ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس کی طرف سے صرف اس صورت میں کسی مامور کو اولاد کی بشارت دی جاتی ہے۔ جب اس موعود اولاد کا نیک اور صالح ہونا مقدر ہو۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''اِنّ اللہ لا یُبشّر الانبیاء والاوْلیاء الا اذا قدر تولید الصالحین''

کہ ''خدا تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو اولاد کی بشارت صرف اسی صورت میں دیتا ہے جب نیک اور صالح اولاد کی ولادت مقدر ہو''۔ (آئینہ کمالات ...... روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۷۸ حاشیہ)

پس انبیائے کرام اور صلحائے سابقین کی زبان مبارک سے اس زمانے کے موعود کے ایک لڑکے کی پیدائش کی صرف خبر دینا ہی اپنی ذات میں اس بات کی ضمانت ہے کہ اس لڑکے کا غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہونا اور عالم روحانی میں

عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہونا مقدر تھا لیکن یہ ایک عجیب امر ہے کہ ان قدیم نوشتوں میں نہ صرف یہ کہ اس موعود بیٹے کی پیدائش کی خبر دی گئی ہے بلکہ اس کی مختلف النوع صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ایک نقشہ بھی کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے اور ان عظیم روحانی انقلابات کا ذکر بھی ان پیشگوئیوں میں پایا جاتا ہے جو اس عظیم المرتبہ مصلح کے ذریعے اس زمانے میں رونما ہونے تھے۔

۱- اس موعود فرزند کے متعلق حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کے علاوہ جن کا ذکر بعد میں آئے گا قدیم روحانی صحیفوں میں بھی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد ثانی کی پیشگوئی کے تذکرہ میں یہود کی شریعت کی بنیادی کتاب طالمود میں لکھا ہے:

> ترجمہ: ''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (یعنی مسیح) وفات پا جائے گا اور اس کی سلطنت اس کے بیٹے اور پوتے کو ملے گی۔ اس رائے کے ثبوت میں یسعیاہ باب ۴۲ کی آیت ۴ کو پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے وہ ماند نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا۔ جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے''۔ (طالمود مرتبہ جوزف برکلے باب پنجم صفحہ ۳۷ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء)

۲- بائبل کی دوسری پیشگوئی جس میں المصلح الموعود...... کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔ انجیل متی میں مذکور ہے۔ جہاں آخری زمانے کی نشانیاں اور مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے موقع پر واقعہ ہونے والے آسمانی انقلابات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے:

> ''اس وقت آسمان کی بادشاہی ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کو نکلیں۔ ان میں پانچ بے وقوف اور پانچ عقل مند تھیں۔ جو بے وقوف تھیں انہوں نے اپنی مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا مگر عقلمندوں نے اپنی مشعلوں کے ساتھ اپنی کپیوں میں تیل بھی لیا اور جب دُولہا نے دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں۔ آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دُولہا آ گیا! اس کے استقبال کو نکلو۔ اس وقت وہ سب کنواریاں اٹھ کر اپنی اپنی مشعل درست کرنے لگیں اور بے وقوفوں نے عقلمندوں سے کہا کہ اپنے تیل میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو۔ کیونکہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں۔ عقلمندوں نے جواب دیا کہ شاید ہمارے تمہارے دونوں کے لئے کافی نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ بیچنے والوں کے پاس جا کر اپنے واسطے مول لے لو۔ جب یہ مول لینے جا رہی تھیں تو دولہا آ پہنچا اور جو تیار تھیں وہ اس کے ساتھ شادی کے جشن میں اندر چلی گئیں اور دروازہ بند ہو گیا۔ پھر وہ باقی کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں اے خداوند! اے خداوند! ہمارے لئے دروازہ کھول دے۔ اس نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تم کو نہیں جانتا''۔ (انجیل متی باب ۲۵ آیت ۱ تا ۱۳)

حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی ...... نے جلسہ مصلح موعود منعقدہ ہوشیار پور بتاریخ ۲۰ رفروری ۱۹۴۴ء کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے اپنی ایک رویا بیان کی جو حضور نے اسی سال ۵، ۶ رجنوری کی درمیانی رات کو دیکھی تھی۔ حضور فرماتے ہیں:

> ''میں نے ان سے کہا میں وہی ہوں جس کے ظہور کے لئے انیس سو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں۔ یہ دراصل انجیل کی ایک پیشگوئی ہے جس میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام فرماتے ہیں۔ جب میں دوبارہ دنیا میں آؤں گا تو بعض قومیں مجھ پر ایمان لائیں گی اور بعض انکار کردیں گی......
>
> ''اس تمثیل میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ''جب میں دوبارہ دنیا میں آؤں گا تو کچھ قومیں جو ہوشیار ہوں گی وہ مجھے مان لیں گی لیکن کچھ اپنی غفلت کی وجہ سے مجھے ماننے سے محروم رہ جائیں گی۔ پس اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رویاء کی حالت میں مَیں ان سے کہتا ہوں کہ وہ مَیں ہوں جس کے ظہور کے لئے انیس سو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں وہ ہوں جس کے لئے انیس سو سال سے کنواریاں انتظار کررہی تھیں تو کچھ نوجوان عورتیں جو سات یا نو ہیں اور جو کنارۂ سمندر پر بیٹھی ہوئی میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان الفاظ کے سنتے ہی دوڑتے ہوئے میری طرف آئیں اور انہوں نے میرے اردگرد گھیرا ڈال لیا اور کہا۔ ہاں ہاں تم سچ کہتے ہو۔ ہم انیس سو سال سے تمہارا انتظار کررہی تھیں''۔

پھر اسی تقریر میں حضور فرماتے ہیں:

> ''میں آج اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ وتصرف میں میری جان ہے کہ میں نے جو رویاء بتائی ہے وہ مجھے اسی طرح آئی ہے...... اور میں نے اس کشف میں خدا کے حکم سے یہ کہا کہ میں وہ ہوں جس کے ظہور کے لئے انیس سو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں''۔ (الفضل مصلح موعود ...... نمبر مورخہ ۱۹ رفروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰)

۳۔ بائبل کی ان پیشگوئیوں کے بعد ہم زرتشت علیہ السلام (جو مسیح علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل ایران میں گذرے ہیں) کی بڑی واضح پیشگوئی درج کرتے ہیں۔ یہ پیشگوئی زرتشتی مذہب کے صحیفہ دساتیر میں دین زرتشت کے مجدد ساسان اوّل نے تحریر کی ہے۔ اس پیشگوئی میں زرتشت علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دیتے ہیں۔ نیز ایک فارسی الاصل نبی کے ظہور کی خبر دیتے ہوئے آپ کی اولاد میں خلافت و پیشوائی کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اصل پیشگوئی پہلوی زبان میں ہے۔ جس کو زرتشتی اصحاب نے فارسی میں یوں ڈھالا ہے۔

''چوں چنیں کارہا کنند از تازیان مردی پیدا شود..... کہ از پیرووان او دیہیم وتخت وکشور وآئین ہمہ برافتد.....وشوند سرکشان زیر دستاں.....ببیند بجائے پیکرگاہ وآتشکدہ خانہ آبادے پیکر شدہ نماز برون......

وبازستانند جائے آتشکدہ ہائے مدائن وگردہائے آں وتوس وبلخ وجاہائے بزرگ......

آئین گرایشاں مردے باشد سخنور وسخن او درہم پیچیدہ......

چون ہزار سال تازی آئین را گذرد چناں شود آئین از جدائی ہا کہ اگر بآئین گرنمایند نداندش.....پس افتند درہم......وکنند خاک پرستی در روز بروز جدائی ودشمنی در آنہا افزوں شود......

پس یا بید شا خوبی ازیں...... واگر ماند یکدم از مہین حرج انگیزم از کسانِ تو کسے وآئین وآب بتو رسانم.....وپیغمبری وپیشوائی ازفرزندانِ تو برنگیرم''۔

ترجمہ: جب (ایرانی) ایسے کام کریں گے تو عربوں میں ایک مرد پیدا ہوگا۔ جس کے ماننے والوں کے ہاتھوں سے ایران کا تاج وتخت، سلطنت اور قانون سب درہم برہم ہو جائے گا اور سرکش مغلوب ہو جائیں گے اور وہ بتکدہ یا آتشکدہ کے بجائے خانہ آباد کو بتوں سے پاک کر کے اس کی طرف نماز پڑھیں گے اور اس کو اپنا قبلہ بنائیں گے۔

اور وہ (نبی عربیؐ کے پیرو) آتشکدوں کی جگہوں پر اور مدائن اور اس کے نواحی علاقے اور توس وبلخ اور ان کے مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ کر لیں گے اور وہ شارع بہت سخنور ہوگا اور اس کا کلام پیچیدہ۔

پھر شریعت عربی پر ہزار سال گذر جائیں گے تو تفرقوں سے دین ایسا ہو جائے گا کہ اگر اسے خود شارع کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ بھی اُسے پہچان نہ سکے گا.....اور ان کے اندر انشقاق اور اختلاف پیدا ہو جائے گا اور وہ روز بروز اختلاف اور باہمی دشمنی میں بڑھتے چلے جائیں گے......

جب ایسا ہوگا تو تمہیں خوشخبری ہو کہ اگر زمانہ میں ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو تیرے لوگوں میں سے (فارسی الاصل) ایک شخص کو کھڑا کروں گا۔ جو تیری گمشدہ عزت وآبرو واپس لائے گا اور اسے دوبارہ قائم کرے گا۔ اور پیغمبری وپیشوائی (نبوت وخلافت) تیری نسل سے نہیں اٹھاؤں گا''۔

مندرجہ بالا پیش گوئی کے آخری فقرہ کہ ''پیغمبری وپیشوائی فرزندان تو برنگیرم'' میں یہ اشارہ ہے کہ آخری زمانے کا موعود جب آئے گا تو اس کی اولاد اس کی جانشین ہوگی۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین ونبیین وائمہ واولیاء وخلفاء ہے تا ان کی اقتداو ہدایت سے لوگ راہِ راست پر آجائیں اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں۔ سو

خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعے سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں"۔

(سبز اشتہار، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۴۵۲ حاشیہ)

۴- ان تمام پیشگوئیوں سے زیادہ اہم وہ پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسیح علیہ السلام کی بعثت ثانی اور اس کی موعود اولاد کے بارے میں ملتی ہیں۔ ان میں بڑی وضاحت کے ساتھ آخری زمانے میں مسیح کے آنے اور اس کو خدا کی طرف سے مبارک طیب اولاد دیئے جانے کا ذکر ہے۔

احادیث نبویؐ کے مستند اور صحیح ترین مجموعہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں:

"کُنّا جلوسًا عند النّبی صلی اللہ علیہ وسلم فانزلت علیہ سورۃ الجمعۃ و آخرین منھم لمّا یلحقوا بھم. قال قلت من ھم یا رسول اللہ. فلم یراجعہ حتّٰی سأل ثلاثاً و فینا سلمان الفارسی وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَدہٗ علیٰ سلمان ثمّ قال لو کان الایمانُ عند الثّریّا لنا لہٗ رجالٌ او رجُلٌ من ھٰؤلاء"۔

(بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ جمعہ۔ زیر آیت: وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم)

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی اور اس میں یہ آیت بھی تھی وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ میں نے آپؐ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! یہ آخرین کون ہوں گے۔ حضورؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے تین بار دریافت کیا۔ پھر کہتے ہیں:

اور ہم میں سلمان فارسی بھی موجود تھے۔ حضورؐ نے سلمان پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "اگر ایمان ثریا پر بھی چلا جائے تو ان میں سے ایک شخص یا چند اشخاص اسے پالیں گے"۔

امت محمدیہ کے اکثر علماء نے اس آیۃ کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ آخری زمانے میں..... کے احیاء کے لئے مسیح کا آنا مقدر ہے۔ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس مسیح کے مشن کی تکمیل اور اس کے مذہب کی اشاعت کے لئے خدا تعالیٰ اس کے خاندان اور اولاد میں سے بعض اور وجود بھی کھڑے کرے گا۔ جو اس کے نقش قدم پر چل کر اس کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔

۵- مشکوۃ المصابیح میں حضرت عبداللہ بن عمرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"ینزل عیسیٰ بن مریم الی الارض یتزوج ویولد لہ"۔

(مشکوۃ مجتبائی صفحہ ۴۸۰، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے اور شادی کریں گے اور ان کو اولاد دی جائے گی"۔

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''قد اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المسیح الموعود یتزوج و یولد لہ ففی ھذا اشارۃ الی ان اللہ یوتیہ ولداً صالحاً یشابہ اباہ و لا یاباہ ویکون من عباداللہ المکرمین''۔ (آئینہ کمالات ..... روحانی خزائن جلد۵ صفحہ۵۷۸ حاشیہ)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر فرمایا کہ مسیح موعود شادی کریں گے اوران کے ہاں اولاد ہوگی۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک ایسا نیک بیٹا عطا کرے گا جو نیکی کے لحاظ سے اپنے باپ کے مشابہ ہوگا نہ کہ مخالف اوروہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندوں میں سے ہوگا''۔

ایک اورمقام پر اسی پیشگوئی پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کی اولاد ہوگی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا ان کی نسل سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو اس کا جانشین ہوگا اوردین..... کی حمایت کرے گا۔جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں یہ خبرآ چکی ہے''۔ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد۲۲ صفحہ۳۲۵)

۶۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے قدیم انبیاء کرام اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوآخری زمانے کے ماموراوراس کے موعود فرزند کے بارے میں خبر دی تھی۔ اسی طرح امت محمدیہؐ کے مجددین اورعلماء کوبھی اس مامور کی آمد اوراس کے عظیم فرزند کی خبر دی جاتی رہی ہے۔چنانچہ روضہ قیومیہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک کشف کا ذکر ہے:

''ایک دن حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی کسی جنگل میں مراقبہ فرمائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ناگہاں آسمان سے ایک عظیم نورظاہر ہوا۔جس سے تمام عالم نورانی ہوگیا۔ یہ نور ساعۃً فساعۃً بڑھتا گیا اورروشن ہوتا گیا۔ اس سے امت مرحومہ کے اولین وآخرین اولیاء نے روشنی حاصل کی۔ حضرت نے تامل فرمایا کہ اس مثال میں کس صاحب کمال کا وجود باجود مشاہدہ کرایا گیا ہے۔القاء ہوا کہ اس نور کا صاحب تمام اُمت کے اولیاء اولین وآخرین سے افضل تر ہے۔ پانسو سال بعد ظہور فرما ہوکر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تجدید کرے گا۔ جو اس کی صحبت سے فیضیاب ہوگا۔وہ سعادت مند ہوگا۔اس کے فرزند اورخلیفہ بارگاہ احدیت کے صدرنشینوں میں سے ہیں''۔ (حدیقہ محمودیہ ترجمہ روضہ قیومیہ صفحہ ۳۲)

۷۔ اسی طرح حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب ولی نے بھی اس آخری زمانے کے مامور کے بارے میں پیشگوئی

فرمائی ہے۔آپ امت مسلمہ کے مشہور صاحب کشف والہام بزرگ گزرے ہیں۔چنانچہ آپ کے درجات اور مراتب کا ذکر کرتے ہوئے ''اربعین فی احوال المہدیین'' میں تحریر ہے:

''نعمت اللہ ولی کہ مرد صاحب باطن واز اولیائے کامل در ہندوستان مشہور اند۔ووطن اوشان اطرافِ دہلی است۔زمانہ شان پانصد وشصت ہجری۔از دیوانِ اوشان معلوم مے شود''۔

(اربعین فی احوال المہدیین۔المرقوم ۲۵ محرم الحرام ۱۲۶۸ھ مصری گنج کلکتہ)

کہ ''نعمت اللہ ولی جو مرد صاحب باطن بزرگ تھے اور ہندوستان کے اولیائے کاملین میں سے مشہور ہیں۔آپ کا وطن دہلی کے مضافات میں تھا۔آپ کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۵۶۰ ہجری کے قریب ہوئے ہیں''۔

آپ نے آخری زمانہ میں مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی منظوم کلام میں فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

قدرت کردگار مے بینم　　　حالتِ روزگار مے بینم
از نجوم ایں سخن نمی گویم　　　بلکہ از کردگار مے بینم

''یعنی جو کچھ میں ان ابیات میں لکھوں گا وہ منجمانہ خبر نہیں بلکہ الہامی طور پر مجھ کو خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا ہے''۔

غین رے سال چوں گزشت اوسال　　　بوالعجب کاروبار مے بینم

''یعنی بارہ سو سال کے گزرتے ہی عجیب عجیب کام مجھ کو نظر آتے ہیں۔مطلب یہ کہ تیرھویں صدی کے شروع ہوتے ہی ایک انقلاب دنیا میں آئے گا اور تعجب انگیز باتیں ظہور میں آئیں گی۔''

گرد در آئینۂ ضمیر جہاں　　　گرد و زنگ و غبار مے بینم

''یعنی تیرھویں صدی سے دنیا سے صلاح وتقویٰ اُٹھ جائے گی۔فتنوں کی گرد اُٹھے گی۔گناہوں کا زنگ ترقی کرے گا اور کینوں کے غبار ہر طرف پھیلیں گے یعنی عام عداوتیں پھیل جائیں گی۔تفرقہ اور عناد بڑھ جائے گا اور محبت اور ہمدردی اُٹھ جائے گی۔''

ظلمت ظلمِ ظالمانِ دیار　　　بے حد و بے شمار مے بینم

''یعنی ملکوں میں ظلم کا اندھیرا انتہا کو پہنچ جائے گا اور حاکم رعیت پر اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر اور ایک شریک دوسرے شریک پر ظلم کرے گا اور ایسے لوگ کم ہوں گے جو عدل پر قائم رہیں''۔

جنگ و آشوب و فتنہ بیداد　　　　درمیان و کنار مے بینم

''یعنی ہندوستان کے درمیان میں اور اس کے کناروں میں بڑے بڑے فتنے اٹھیں گے اور جنگ ہوگا اور ظلم ہوگا''۔

بندہ را خواجہ وش ہمے یابم　　　　خواجہ را بندہ وار مے بینم

''یعنی ایسے انقلاب ظہور میں آئیں گے کہ خواجہ بندہ اور بندہ خواجہ ہو جائے گا یعنی امیر سے فقیر اور فقیر سے امیر بن جائے گا''۔

سکہ نوزنند بر رخِ زر　　　　درہمش کم عیار مے بینم

''یعنی ہندوستان کی پہلی بادشاہی جاتی رہے گی اور نیا سکہ چلے گا۔ جو کم عیار ہوگا اور یہ سب کچھ تیرہویں صدی میں ظہور میں آجائے گا''۔

بعض اشجارِ بوستانِ جہان　　　　بے بہار و ثمار مے بینم

''یعنی قحط پڑیں گے اور باغات کو پھل نہیں لگیں گے''۔

غم مخور زانکہ من درین تشویش　　　　خرمی وصلِ یار مے بینم

''یعنی اس تشویش اور فتنے کے زمانے میں جو تیرھویں صدی کا زمانہ ہے غم نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ وصل یار کی خوشی بھی ان فتنوں کے ساتھ اور ان کے درمیان ہے۔ مطلب یہ کہ جب تیرہویں صدی کے یہ تمام فتنے کمال کو پہنچ جائیں گے تو وصلِ یار کی خوشی اخیر صدی میں ظاہر ہوگی یعنی خدا تعالیٰ رحمت کے ساتھ توجہ کرے گا''۔

چوں زمستانِ بے چمن بگذشت　　　　شمسِ خوش بہار مے بینم

''یعنی جب کہ زمستانِ بے چمن مراد یہ ہے کہ جب تیرہویں صدی کا موسم خزاں گذر جائے گا تو چودھویں صدی کے سر پر آفتاب بہار نکلے گا۔ یعنی مجدد وقت کا ظہور ہوگا''۔

دَور اوچوں شود تمام بکام　　　　پسرش یادگار مے بینم

''یعنی جب اس کا زمانہ کامیابی کے ساتھ گزر جائے گا تو اس کے نمونہ پر اس کا لڑکا یادگار رہ جائے گا''۔

ان اشعار میں مسیح موعود اور مہدی مسعود کے ظہور سے قبل کے انقلابات کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ پھر مسیح موعود کے زمانے اور نام کی تعیین کی گئی ہے۔

ا ح م د ے خوانم　　　　نامِ آں نامدار مے بینم

اور واضح طور پر پیشگوئی کی گئی ہے کہ اس کے کام کی تکمیل کے لئے اس کے بعد اس کا ایک خاص بیٹا اس کا جانشین ہوگا۔ خود حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

دور اوچوں شود تمام بکام   پسرش یادگار مے بینم

کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

''یعنی مقدر یوں ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ایک لڑکا پارسا دے گا۔ جو اسی کے نمونہ پر ہوگا اور اسی کے رنگ سے رنگین ہو جائے گا اور وہ اس کے بعد اس کا یادگار ہوگا۔ یہ درحقیقت اس عاجز کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو ایک لڑکے کے بارے میں کی گئی ہے''۔

(نشانِ آسمانی، روحانی خزائن جلد۴ صفحہ۳۷۴)

۸۔ آٹھویں پیشگوئی حضرت امام یحییٰ بن عقبؒ کی ہے۔ آپ پانچویں صدی ہجری میں بلند پایہ بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے اپنی نظم میں آخری زمانے میں نمودار ہونے والے انقلابات کا ذکر کرتے ہوئے مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اور آپ کے موعود فرزند کی پیدائش کی خبر دی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

رَئیتُ من الاسرار عجیب حال   واسباب سیظهرها مَقال
ویظهرنی السّماء عظیم نجمٍ   له زنب کمثل الریح العالی
فتلک دلائل الافرنج حقًا   ستملک السواحل والقلال
فتلک دلائل المهدی حقًا   سیملک للبلاد بلامحال
ویحضرا لغیب راحته   وَتانَسَه الوحوش من الجبال
ویاتی بالبراهین اللّواتی   بسلمة البریة بالکمال
ومحمود سیظهر بعد هذا   ویملک الشام بلا قتال

تطِیعُ لهُ حصون الشام جمعاً
وینفق مالهُ فی کلّ حال

میں نے اسرار سے عجیب حالات واسباب مطالعہ کئے ہیں جن کو میں اپنے اس کلام میں ظاہر کرتا ہوں۔ آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ظاہر ہوگا جس کی دم ہوا کی طرح بلند ہوگی۔ یہ نشان فرنگیوں کے غلبہ کے زمانے میں ظاہر ہوں گے۔ جو اس زمانے میں دریاؤں کے ساحلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک کے مالک ہو جائیں گے اور یہ علامات اس بات کی دلیل ہوں گی کہ مہدی

کا ظہور ہو گیا ہے۔ وہ تمام شہروں کا مالک ہو جائے گا۔ پہاڑوں میں رہنے والے وحشی اس سے محبت رکھیں گے اور شہروں کے باشندے اس کی اطاعت قبول کریں گے۔ وہ کفر اور ضلالت کو دنیا سے نابود کر دے گا اور اپنے ساتھ ایسے زبردست دلائل اور براہین لے کر آئے گا کہ ان لوگوں کے کمال کا اعتراف کرنا پڑے گا''۔

اور پھر

ومحمود سیظھر بعد ھذا ویملک الشام بلا قتال

تطیعُ لہٗ حصون الشام جمعاً وینفق مالہٗ فی کلِّ حال

''اس کے بعد محمود ظاہر ہوگا جو ملک شام کو بغیر جنگ کے فتح کرے گا۔ شام کے قلعے اس کی اطاعت قبول کریں گے اور وہ اپنے مال کو بے حساب اور ہر حالت میں خرچ کرتا رہے گا''۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس عظیم فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد...... کے بارے میں اپنے ایک کشف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ ''محمود''۔

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۴)

حضرت امام یحیٰ بن عقبؒ کی پیشگوئی کے آخری دو اشعار میں شام کی فتح کا تذکرہ ہے۔ اس پیشگوئی کا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت سیّدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی......کو مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے دس سال بعد ۱۹۲۴ء میں شام جانے، وہاں کے علماء کو پیغامِ حق پہنچانے اور وہاں مشن کھولنے کی توفیق ملی۔ اس امر کی تائید کہ حضرت امام یحیٰ بن عقبؒ کی اس پیشگوئی کی مندرجہ بالا تشریح درست ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:

''وقد اشیر فی بعض الاحادیث ان المسیح الموعود والدَّجال المعھود یظھران فی بعض البلاد الشرقیة یعنی فی ملک الھند ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفة من خلفائہ الیٰ ارض دمشق''۔ (حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۲۲۵)

کہ ''بعض احادیث میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسیح موعود اور دجال معہود کسی مشرقی ملک میں ظاہر ہوں گے۔ پھر مسیح موعود یا ان کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ دمشق کی طرف سفر کرتا ہوا جائے گا''۔

بشکریہ مجلۃ الجامعہ

حضرت مصلح موعود کی ''بیعت خلافت'' کے وقت پہلی تقریر

(مورخہ ۱۴؍مارچ ۱۹۱۴ء)

سنو دوستو! میرا یقین اور کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میرے پیارو! پھر میرا یقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ میرا یقین ہے کہ آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آ سکتا جو آپ کی دی ہوئی شریعت میں سے ایک شوشہ بھی منسوخ کر سکے۔

میرے پیارو! میرا وہ محبوب آقا سیّد الانبیاء ایسی عظیم الشان شان رکھتا ہے کہ ایک شخص اس کی غلامی میں داخل ہو کر کامل اتباع اور وفاداری کے بعد نبیوں کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایسی شان اور عزت ہے کہ آپ کی سچی غلامی میں نبی پیدا ہو سکتا ہے اور میرا ایمان ہے اور پورے یقین سے کہتا ہوں۔

پھر میرا یقین ہے کہ قرآن مجید وہ پیاری کتاب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور وہ خاتم الکتب اور خاتم شریعت ہے۔ پھر میرا یقین کامل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہی نبی تھے جس کی خبر مسلم میں ہے اور وہی امام تھے جس کی خبر بخاری میں ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ شریعت اسلامی سے کوئی حصہ اب منسوخ نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال کی اقتداء کرو۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور کامل تربیت کا نمونہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا اجماع جو ہوا وہ وہی خلافت حقہ راشدہ کا سلسلہ ہے۔ خوب غور سے دیکھ لو اور تاریخ اسلام میں پڑھ لو کہ جو ترقی اسلام کی خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئی جب وہ خلافت محض حکومت کے رنگ میں تبدیل ہوگئی تو گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اب جو اسلام اور اہل اسلام کی حالت ہے تم دیکھتے ہو۔ تیرہ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی منہاج نبوۃ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کے موافق بھیجا اور ان کی وفات کے بعد پھر وہی سلسلہ خلافت راشدہ کا چلا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح مولانا مولوی نور الدین صاحب (ان کا درجہ اعلیٰ علّیین میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کروڑوں کروڑ رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل کرے جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت ان کے دل میں بھری ہوئی اور ان کے رگ و ریشہ میں جاری تھی جنت میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں پاک وجودوں اور پیاروں کے قرب میں آپ کو اکٹھا کرے) اس سلسلہ کے پہلے خلیفہ تھے اور ہم سب نے اسی عقیدہ کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پس جب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اسلام مادی اور روحانی طور پر ترقی کرتا رہے گا۔ اس وقت جو تم نے پکار پکار کر کہا ہے کہ میں اس بوجھ کو اٹھاؤں اور تم نے بیعت کے ذریعہ اظہار کیا ہے میں نے مناسب سمجھا کہ میں تمہارے آگے اپنے عقیدہ کا اظہار کروں۔

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک خوف ہے اور اپنے وجود کو بہت ہی کمزور پاتا ہوں۔ حدیث میں

آیا ہے کہ تم اپنے غلام کو وہ کام مت بتاؤ جو وہ کر نہیں سکتا۔ تم نے مجھے اس وقت غلام بنانا چاہا ہے تو وہ کام مجھے نہ بتانا جو میں نہ کرسکوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں کمزور اور گنہگار ہوں۔ میں کس طرح دعویٰ کرسکتا ہوں کہ دنیا کی ہدایت کرسکوں گا اور حق اور راستی کو پھیلا سکوں گا۔ ہم تھوڑے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم اور غریب نوازی پر ہماری امیدیں بے انتہاء ہیں۔ تم نے یہ بوجھ مجھ پر رکھا ہے تو سنو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے میری مدد کرو اور وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے فضل اور توفیق چاہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں میری اطاعت کرو۔

میں انسان ہوں اور کمزور انسان مجھ سے کمزوریاں ہوں گی تو تم چشم پوشی کرنا۔ تم سے غلطیاں ہوں گی میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کرتا ہوں کہ میں چشم پوشی اور درگزر کروں گا اور میرا اور تمہارا متحد کام اس سلسلہ کی ترقی اور اس سلسلہ کی غرض و غایت کو عملی رنگ میں پورا کرنا ہے۔ پس اب جو تم نے میرے ساتھ ایک تعلق پیدا کیا ہے اس کو وفاداری سے پورا کرو۔ تم مجھ سے اور میں تم سے چشم پوشی خدا کے فضل سے کرتا رہوں گا۔ تمہیں امر بالمعروف میں میری اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ہوگی۔ اگر نعوذ باللہ کہوں کہ خدا ایک نہیں تو اسی خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں ہم سب کی جان ہے وہ وحدہٗ لاشریک اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:۱۲) ہے کہ میری ایسی بات ہرگز نہ ماننا۔

اگر میں تمہیں نعوذ باللہ نبوت کا کوئی نقص بتاؤں تو مت مانیو۔ اگر قرآن کریم کا کوئی نقص بتاؤں تو پھر خدا کی قسم دیتا ہوں مت مانیو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو خدا تعالیٰ سے وحی پا کر تعلیم دی ہے اس کے خلاف کہوں تو ہرگز ہرگز نہ ماننا۔ ہاں مَیں پھر کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ امر معروف میں میری خلاف ورزی نہ کرنا۔ اگر اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لو گے اور اس عہد کو مضبوط کرو گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا فضل ہماری دستگیری کرے گا۔

ہماری متحدہ دعائیں کامیاب ہوں گی اور میں اپنے مولیٰ کریم پر بہت بڑا بھروسہ رکھتا ہوں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میری نصرت ہوگی۔ پرسوں جمعہ کے روز میں نے ایک خواب سنایا تھا کہ میں بیمار ہوگیا اور مجھے ران میں درد محسوس ہوا اور میں نے سمجھا کہ شاید طاعون ہونے لگا تب میں نے اپنا دروازہ بند کرلیا اور فکر کرنے لگا کہ یہ کیا ہونے لگا ہے۔ مَیں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ سے وعدہ کیا تھا۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ (تذکرہ صفحہ ۴۲۷) یہ خدا کا وعدہ آپ کی زندگی میں پورا ہوا۔ شاید خدا کے مسیحؑ کے بعد یہ وعدہ نہ رہا ہو کیونکہ وہ پاک وجود ہمارے درمیان نہیں۔ اسی فکر میں مَیں کیا دیکھتا ہوں یہ خواب نہ تھا بیداری تھی میری آنکھیں کھلی تھیں میں در و دیوار کو دیکھتا تھا کمرے کی چیزیں نظر آ رہی تھیں میں نے اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ ایک سفید اور نہایت چمکتا ہوا نور ہے۔ نیچے سے آتا ہے اور اوپر چلا جاتا ہے نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہاء اس نور میں سے ایک ہاتھ نکلا جس میں ایک سفید چینی کے پیالہ میں دودھ تھا جو مجھے پلایا گیا جس کے بعد معاً مجھے آرام ہوگیا اور کوئی تکلیف نہ رہی۔ اس قدر حصہ میں نے سنایا تھا۔ اس کا دوسرا حصہ

اُس وقت میں نے نہیں سُنایا اب سُناتا ہوں وہ پیالہ جب مجھے پلایا گیا تو معاً میری زبان سے نکلا

"میری امت بھی کبھی گمراہ نہ ہوگی"

میری امت کوئی نہیں تم میرے بھائی ہو مگر اس نسبت سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح موعودؑ کو ہے یہ فقرے نکلے۔ جس کام کو مسیح موعودؑ نے جاری کیا اپنے موقعہ پر وہ امانت میرے سپرد ہوئی ہے۔ پس دعائیں کرو اور تعلقات بڑھاؤ اور قادیان آنے کی کوشش کرو اور بار بار آؤ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنا اور بار بار سُنا کہ جو یہاں بار بار نہیں آتا اندیشہ ہے کہ اس کے ایمان میں نقص ہو۔ اسلام کا پھیلانا ہمارا پہلا کام ہے مل کر کوشش کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور فضلوں کی بارش ہو۔ میں پھر تمہیں کہتا ہوں پھر کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں اب جو تم نے بیعت کی ہے اور میرے ساتھ ایک تعلق حضرت مسیح موعودؑ کے بعد قائم کیا ہے اس تعلق میں وفاداری کا نمونہ دکھاؤ اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھو۔ مَیں ضرور تمہیں یاد رکھوں گا۔ ہاں یاد رکھتا بھی رہا ہوں۔ کوئی دُعا میں نے آج تک ایسی نہیں کی جس میں مَیں نے سلسلہ کے افراد کے لئے دُعا نہ کی ہو مگر اب آگے سے بھی بہت زیادہ یاد رکھوں گا۔ مجھے کبھی پہلے بھی دُعا کے لئے کوئی ایسا جوش نہیں آیا جس میں احمدی قوم کے لئے دُعا نہ کی ہو۔ پھر سنو! کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عہد شکن کیا کرتے ہیں۔ ہماری دُعائیں یہی ہوں کہ ہم مسلمان جئیں اور مسلمان مریں۔ آمین

الفاظ بیعت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل جس طرح پر ہاتھ میں ہاتھ لے کر فرماتے جاتے تھے اور طالب تکرار کرتا تھا۔ اسی طرح پر اب بیعت لیتے ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (۳بار) آج میں احمدی سلسلہ میں محمود کے ہاتھ پر اپنے ان تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں جن میں مَیں گرفتار تھا اور مَیں سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آئندہ بھی گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا اور دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ شرک نہیں کروں گا، اسلام کے تمام احکام بجا لانے کی کوشش کروں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کروں گا اور مسیح موعودؑ کے تمام دعاوی پر ایمان رکھوں گا۔ جو تم نیک کام بتاؤ گے ان میں تمہاری فرمانبرداری کروں گا۔ قرآن شریف اور حدیث کے پڑھنے یا سُننے اور یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ (۳بار) رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اے میرے رب! مَیں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور بہت ظلم کیا اور مَیں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں میرے گناہ بخش کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ (آمین)

میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں

(تقریر فرمودہ ۱۲؍ مارچ ۱۹۴۴ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

سورہ فاتحہ بھی ایک دعا ہے مگر قرآن کریم نے ہمیں کچھ اور دعائیں بھی سکھائی ہیں۔ چونکہ خدائے عزوجل کی تمام برکات اُس کے بندوں کے عجز اور اُن کی اِنابت اور انکسار کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہیں اس لئے میں وہ دعائیں پڑھتا ہوں ہماری جماعت کے احباب بھی میرے ساتھ ان دعاؤں میں شریک ہوں اور خدا تعالیٰ کے حضور عجز و انکسار سے آمین کہیں۔

۱۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۔(آل عمران:۵۴)

۲۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ۔(آل عمران:۹)

۳۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔(آل عمران:۹)

۴۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔(البقرة:۲۰۲)

۵۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۔(البقرة:۲۸۷)

۶۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۔

۷۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۔

۸۔ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔(البقرة:۲۸۷)

۹۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔(آل عمران:۱۴۸)

۱۰- رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔(آل عمران:۱۹۴)

۱۱- رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔(آل عمران:۱۹۵)

۱۲- رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔

یہ وہ دعائیں ہیں جو پہلے انبیاء کی اُمتوں نے قرآن کریم کے فرمان کے مطابق کی ہیں یا ہماری اُمت کو اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہمیشہ یہ دعائیں اُس سے مانگتے رہتے تھے چونکہ اب میں ایک ایسی پیشگوئی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور......کی صداقت کا ایک زندہ نشان ہے اس لئے قرآن کریم کے الفاظ میں ہی وہ اقرار خدا تعالیٰ کے حضور کرتا ہوں جو اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ کے جواب میں مسلمانوں کے منہ سے قرآن کریم میں دُہرایا گیا ہے۔ دوست بھی آہستہ آہستہ میرے ساتھ وہ الفاظ کہیں تا کہ ہم سب کی طرف سے خدا تعالیٰ کے حضور یہ اقرار ہو جائے کہ ہم اُس کے کلام پر ایمان لائے اور ہم اپنی زندگیاں اُس کے احکام کے مطابق بنانے کے لئے تیار ہیں۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔(البقرۃ:۱۳۷)

برادران! اللہ تعالیٰ کے حضور ہندو، عیسائی، سکھ اور مسلمان سارے ہی اُس کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے ایک جیسے ہیں اور وہ سب کا خیر خواہ اور سب سے ہی محبت کرنے والا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ لوگ تو اُس کی باتوں کو سن کر اُس کی رحیمیت والے احسان کو قبول کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف خدا تعالیٰ کی رحمانیت والے احسان کو (یعنی اللہ تعالیٰ کے اُس احسان کو جو بغیر محنت کے نازل ہوتا ہے) حاصل کرتے ہیں۔ محنت اور کوشش والے انعام کو حاصل کرنے کی جد وجہد نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کی اس غفلت کی وجہ سے چھوڑ نہیں دیتا بلکہ جب کبھی اُن کے دل اُس سے پھر جاتے ہیں، جب کبھی غفلت اور تاریکی دنیا میں چھا جاتی ہے، جب کبھی لوگوں میں جہالت، دین سے بُعد اور خدا تعالیٰ سے منافرت پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے ماموروں کو مبعوث فرماتا ہے تا کہ وہ لوگوں کے

دلوں کو صاف کریں۔ اُن کو خدا تعالیٰ کی طرف واپس لائیں، نیکی اور تقویٰ دنیا میں قائم کریں اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت اسی طرح اس زمین پر آجائے جس طرح وہ آسمان پر ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ تھے اور جس طرح خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہمیشہ اُس کی طرف سے آنے والے لوگ ادنیٰ حالت سے ترقی کیا کرتے ہیں، ویسی ہی حالت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا خاندان بادشاہوں کی نسل میں سے ہے۔ چنانچہ ہمارے خاندان کا مورثِ اعلیٰ مرزا ہادی بیگ صاحب حاجی برلاس کی اولاد میں سے تھے جو امیر تیمور کے چچا تھے اور جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ علاقہ کش کے اصل بادشاہ حاجی برلاس ہی تھے، تیمور نے حملہ کر کے ان کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے ہمارے خاندان کے افراد جاہلیت کے زمانہ میں جبکہ احمدیت ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھی اور جبکہ قرآنی تعلیم ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی تھی، تیموری نسل کی لڑکیاں تو لے لیتے تھے مگر تیموری نسل کے مغلوں کو اپنی لڑکیاں نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ اُن کو اپنے مقابلہ میں ادنیٰ سمجھتے تھے۔ لیکن بہرحال جہاں تک ظاہری وجاہت کا سوال ہے وہ قریباً قریباً تباہ اور برباد ہو چکی تھی۔ مغلیہ سلطنت کے مٹنے کے بعد جب سکھوں کا دَور شروع ہوا تو اُس وقت ہماری تمام ریاست سکھوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ اس کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب نے ہمارے پانچ گاؤں واگزار کر دیئے۔ مگر جب انگریزی حکومت کا دَور شروع ہوا تو اُس وقت پھر ہماری خاندانی ریاست کو صدمہ پہنچا اور ہماری وہ جائداد بھی ضبط کر لی گئی جو کسی قدر باقی رہ گئی تھی۔ یہ ہمارے خاندان کی حالت تھی جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کے سامنے اپنا دعویٰ پیش فرمایا۔ اگر ہماری یہ ریاست اپنی پہلی حالت میں قائم ہوتی تب بھی ایک چھوٹی سی ریاست ہوتی اور اتنی چھوٹی ریاست کو بھلا پوچھتا ہی کون ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اتنی ریاست بھی پسند نہ کی تا کہ اُس کی صفات پر کوئی دھبہ نہ آئے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ سابقہ عزت کی وجہ سے انہیں ترقی حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے دادا کو بڑا فکر رہتا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو کسی ایسے کام پر لگا دیں جس سے وہ اپنا گزارہ آسانی کے ساتھ کر سکے۔ مہاراجہ کپورتھلہ کے شاہی خاندان سے بھی ہمارے خاندان کے چونکہ پُرانے تعلقات ہیں اس لئے انہوں نے کوشش کر کے بانی سلسلہ احمدیہ کے لئے وہاں ایک معزز عُہدہ تلاش کر لیا۔ چنانچہ ان کے لئے انسپکٹر جنرل آف ایجوکیشن کے عُہدہ کی منظوری آ گئی۔ قادیان کے قریب ہی ایک گاؤں ہے وہاں ایک سکھ صاحب رہا کرتے تھے جو اکثر ہمارے دادا کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ انہوں نے خود سنایا کہ مَیں اور میرا بھائی اکثر بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لئے آجایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ہم دونوں ان سے ملنے کے لئے گئے تو وہ کہنے لگے کہ مرزا غلام احمد کو دنیا کی طرف کوئی توجہ نہیں میں حیران ہوں کہ میرے مرنے کے بعد اس کا کیا حال ہوگا۔ میں نے اس کے متعلق کپورتھلہ میں کوشش کی تھی جس کے نتیجہ میں وہاں سے آرڈر آ گیا ہے کہ اسے ریاست کا افسر تعلیم مقرر کیا جاتا ہے۔ میں اگر اسے کہوں تو شاید مجھے جواب نہ دے تم دونوں اس کے ہم عمر ہو تم اس

کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ اس عُہدہ کو قبول کر لے۔ وہ سناتے ہیں کہ ہم دونوں بھائی ان کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ مبارک ہو ریاست کپورتھلہ کی طرف سے چٹھی آئی ہے کہ آپ وہاں کے افسر تعلیم مقرر کئے گئے ہیں۔ آپ کے والد صاحب کی خواہش ہے کہ آپ یہ نوکری اختیار کر لیں اور ریاست کپورتھلہ میں چلے جائیں۔ وہ کہتے ہیں جس وقت ہم نے یہ بات کہی اُنہوں نے ایک آہ کھینچی اور کہا والد صاحب تو خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں مَیں نے تو جس کا نوکر ہونا تھا ہو گیا اب مَیں کسی اور کی نوکری کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ وہ کہتے ہیں ہم دونوں واپس آ گئے اور آپ کے دادا صاحب کو کہا کہ وہ تو کہتے ہیں کہ والد صاحب یونہی بے فائدہ فکر کر رہے ہیں میں نے تو جس کی نوکری کرنی تھی کر لی اب مَیں کسی اور کی نوکری کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس پر وہ کہتے ہیں کہ آپ کے دادا صاحب نے کہا اگر اس نے یہ کہا ہے تو خیر رہنے دو وہ جھوٹ نہیں بولا کرتا۔

پھر جب آپ بڑے ہوئے تو اُس وقت بھی ساری جائداد آپ کے بھائی کے قبضہ میں رہی۔ آپ نے اُس میں سے اپنا حصہ نہ لیا۔ جائداد خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی تھی بلکہ اب تک اس قدر جائداد ہے کہ باوجود اس کے کہ ایک لمبے عرصے تک ہم اس کو بیچ کر کھاتے رہے ہیں، پھر بھی وہ لاکھوں روپیہ کی موجود ہے۔ غرض جائداد تھی مگر وہ سب ہمارے تایا صاحب کے قبضہ میں تھی۔ بانی سلسلہ احمدیہ اس جائداد میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ جب ہمارے تایا صاحب فوت ہو گئے تو آپ نے پھر بھی جائداد نہ لی اور وہ تائی صاحبہ کے پاس چلی گئی۔ آپ کو کھانا ہماری تائی صاحبہ ہی بھجواتی تھیں اور چونکہ وہ آپ کی شدید مخالف تھیں ادھر آپ بہت بڑے مہمان نواز تھے اس لئے بسا اوقات جب آپ ہماری تائی صاحبہ کو کہلا بھیجتے کہ آج ایک مہمان آیا ہوا ہے اُس کے لئے بھی کھانا بھجوا دیا جائے تو وہ صرف آپ کا کھانا بھجوا دیتیں اور مہمان کے لئے کوئی کھانا نہ بھجواتیں۔ اس پر ہمیشہ آپ اپنا کھانا مہمان کو کھلا دیتے اور خود چنوں پر گزارہ کر لیتے۔

اُس زمانہ کے آدمی سنایا کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی مہمان آپ کے پاس آتا آپ چُپ کر کے اپنا کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیتے اور خود بھوکے رہتے یا چنوں وغیرہ پر گزارہ کر لیتے۔ ایک شخص نے سنایا کہ میں ایک دفعہ قریباً چالیس دن تک آپ کا مہمان رہا۔ آپ باقاعدہ صبح و شام اندر سے جو کھانا آتا وہ مجھے کھلا دیتے اور آپ دانے چبا کر گزارہ کر لیتے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

لُفَاظَاتُ الْمَوَائِدِ کَانَ اُکُلِیْ

وَصِرْتُ الْیَوْمَ مِطْعَامَ الْاَھَالِیْ

(آئینہ کمالات ..... صفحہ ۵۹۶ روحانی خزائن جلد ۵)

کہ اے لوگو! تم کو یاد نہیں ایک دن میرا یہ حال تھا کہ دستر خوانوں کے بچے ہوئے ٹکڑے میرے کھانے میں آیا کرتے تھے یعنی دوسروں کے رحم و کرم پر میرا گزارہ تھا لیکن آج یہ حال ہے کہ میرے ذریعہ سے کئی خاندان پرورش پا رہے ہیں۔

ایسی حالت میں آپ کو خبر دی گئی کہ...... کی خدمت کے لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو چُن لیا ہے۔ جس وقت یہ آواز آپ کے کان میں پڑی آپ کی حالت یہ تھی کہ اور لوگ تو الگ رہے خود قادیان کے لوگ بھی آپ کو نہیں جانتے تھے۔ میں نے خود قادیان کے کئی باشندوں سے سُنا ہے کہ ہم سمجھتے تھے بڑے مرزا صاحب کا ایک ہی بیٹا ہے دوسرے کا ہمیں علم نہیں تھا۔ آپ اکثر...... کے حجرے میں بیٹھے رہتے اور دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے۔ اُس وقت خدا تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ وہ آپ کو بہت بڑی برکت دے گا اور آپ کا نام عزت کے ساتھ دنیا کے کناروں تک پھیلائے گا۔ یہ الہام بھی ایک عجیب موقع پر ہوا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو اہلحدیث کے ایک مشہور لیڈر تھے جب وہ نئے نئے مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی سے پڑھ کر آئے تو اُس وقت حنفیوں کا بہت زور تھا اور اہلحدیث کم تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب جب تعلیم سے فارغ ہو کر بٹالہ میں آئے تو ایک شور مچ گیا کہ یہ مولوی لوگوں کو...... سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ اتفاقاً اُنہی دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے کسی کام کے لئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ لوگوں نے زور دیا کہ آپ چلیں اور مولوی محمد حسین صاحب سے بحث کریں کیونکہ وہ بزرگوں کی ہتک کرتا ہے اور ...... پر تبر چلا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن کے ساتھ جامع...... میں چلے گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی وہیں موجود تھے۔ آپ نے اُن سے کہا کہ مولوی صاحب! مجھے معلوم نہیں آپ کے کیا عقائد ہیں۔ پہلے آپ اپنے عقائد بیان کریں اگر وہ غلط ہوئے تو میں ان کی تردید کروں گا اور اگر صحیح ہوئے تو اُنہیں تسلیم کرلوں گا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر کی جس میں بیان کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر، قرآن کریم پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن چونکہ خدا تعالیٰ کا ایک یقینی اور قطعی کلام ہے اِس لئے ہم اسے سب سے مقدم قرار دیتے ہیں اور جو کچھ قرآن میں لکھا ہے اسے مانتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہمارے لئے قابلِ عمل ہے اور اگر کوئی حدیث قرآن کے مخالف ہو تو اس صورت میں ہم قرآن کریم کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں اور اگر کوئی بات ہمیں قرآن اور حدیث دونوں میں نظر نہ آئے تو پھر قرآن اور حدیث کی روشنی میں جو کچھ ہمیں سمجھ آئے اس پر ہم عمل کرتے ہیں۔ جب انہوں نے یہ تقریر کی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سن کر فرمایا یہ تو بالکل ٹھیک باتیں ہیں ان میں سے کسی کی تردید کی ضرورت نہیں۔

وہ ہزاروں آدمی جو آپ کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے اُن سب نے کھڑے ہو کر آپ کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور بُرا بھلا کہنے لگے کہ تم ڈرپوک ہو، بزدل ہو، ہار گئے ہو۔ غرض آپ پر خوب فقرے کسے گئے۔ آپ گئے تھے ہزاروں کے ہجوم میں اور نکلے ایسی حالت میں جبکہ لوگ آپ کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ گئے تھے ایسی حالت میں کہ لوگ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہتے جا رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ہم ...... کا ایک پہلوان اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں مگر نکلے ایسی حالت میں کہ لوگ آپ کو ایک بھگوڑا قرار دے رہے تھے اور آپ کے خلاف فقرے کس رہے تھے۔ مگر آپ نے

ان باتوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور وہاں سے واپس چل پڑے۔ اُسی رات آپ پر الہام نازل ہوا کہ:

”تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔“ (تذکرہ صفحہ ۱۰۔ایڈیشن چہارم)

غرض آپ پر یہ الہام ہوا اور آپ نے اُسی وقت اس الہام کو دنیا میں شائع کر دیا۔ تب دنیا میں چاروں طرف سے آپ کے خلاف آوازیں اُٹھنی شروع ہو گئیں۔ بعضوں نے کہا مکار ہے اور اس ذریعہ سے اپنی عزت بڑھانا چاہتا ہے، بعضوں نے کہا یہ شخص یونہی ...... کی تائید کر رہا ہے ورنہ درحقیقت ...... میں سچائی پائی ہی نہیں جاتی۔ غرض جو لوگ ...... کے قائل تھے انہوں نے بھی اور جو لوگ ...... کے قائل نہیں تھے انہوں نے بھی ہر رنگ میں آپ کی تضحیک شروع کر دی۔ اُس وقت خصوصیت سے پنڈت لیکھرام نے شور مچایا کہ یہ جو معجزات دکھانے کے دعوے کئے جا رہے ہیں سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اگر ...... سچا ہے، اگر قرآن سچا ہے اور اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تو ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے۔ اسی طرح ایک منشی اندرمن صاحب مراد آباد کے رہنے والے تھے انہوں نے بھی شور مچایا کہ یہ نشان نمائی کے دعوے سب غلط ہیں اگر ...... کی صداقت میں نشان دکھایا جا سکتا ہے تو ہمیں نشان دکھایا جائے۔ اسی طرح قادیان کے ہندوؤں نے بھی یہ مطالبہ کیا اور مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہو گئے۔ چنانچہ انہی میں سے لدھیانہ کا ایک خاندان ہے جو اپنی مخالفت پر ہمیشہ فخر کیا کرتا ہے اُس کے خیال میں اُس کا یہ فعل قابلِ فخر ہے مگر ہمارے نزدیک یہ اس خاندان کی بدقسمتی ہے کہ وہ ابتدا سے جماعت احمدیہ کی مخالفت کر رہا ہے۔

بہر حال جب ان لوگوں نے بہت شور مچایا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خدا میرے ہاتھ پر ...... کی تائید میں کوئی ایسا نشان دکھا جسے دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو کہ ایسا نشان انسانی تدبیر اور کوشش سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں یہ نشان ایسا ہو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی حقانیت کو روشن کرے اور خدا کا جلال دنیا میں ظاہر ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ ہوشیار پور جائیں اور وہاں اس مقصد کے لئے دعا کریں۔ اس پر آپ صرف تین آدمیوں کے ساتھ ہوشیار پور تشریف لے گئے۔ ان میں سے ایک کھانا پکاتا تھا، ایک سَودا لاتا تھا اور ایک دروازے پر بیٹھا رہتا تھا تا کہ کوئی شخص آپ سے ملنے کے لئے اندر نہ جائے۔ وہاں ایک مکان میں جو اُن دنوں شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کا طویلہ کہلاتا تھا آپ فروکش ہوئے۔

اَب یہ مکان ایک معزز ہندو دوست سیٹھ ہرکشن داس صاحب کی ملکیت میں ہے۔ سیٹھ صاحب بڑے بھاری تاجر ہیں۔ ان کی چین میں بھی تجارت ہے اور بعض دوسرے ممالک میں بھی، ان کے چائے کے باغات بھی ہیں۔ غرض اس کے بالا خانہ پر بیٹھ کر آپ چالیس دن مسلسل اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا کرتے رہے کہ اے خدا! ...... کی شوکت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے اظہار کے لئے مجھے کوئی ایسا نشان دے جو لوگوں کے لئے ناقابلِ انکار ہو

اور جس کو دیکھ کر وہی لوگ انکار کر سکیں جو ضد کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ چنانچہ اُس وقت آپ پر وہ الہامات نازل ہوئے جو ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں درج ہیں۔ جس وقت آپ نے یہ اعلان کیا اُس وقت آپ کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہ تھا، جبکہ جماعت احمدیہ کا وجود بھی ابھی تک قائم نہیں ہوا تھا۔ یہ اشتہار ۱۸۸۶ء کا ہے اور آپ نے لوگوں سے بیعت اِس اشتہار کے تین سال بعد ۱۸۸۹ء میں لی ہے۔ گویا بیعت سے تین سال پہلے ۱۸۸۶ء میں خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ تمہارے ہاں ایک بیٹا ہوگا اور وہ یہ یہ صفات اور کمالات اپنے اندر رکھتا ہوگا جیسا کہ میں ابھی اُن کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کروں گا۔ بہر حال آپ نے یہ پیشگوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت شائع فرما دی اور دنیا میں اعلان فرما دیا کہ میرے ہاں ایک ایسا لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور ...... کے عروج کا باعث ہوگا۔ جب آپ نے یہ پیشگوئی شائع فرمائی لوگوں نے شور مچا دیا کہ بیٹا ہونا کونسی بڑی بات ہے ہمیشہ لوگوں کے ہاں بیٹے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب آپ کو یہ الہام ہوا اُس وقت آپ کی عمر ۵۲ سال کی تھی اور اُس وقت آپ نے یہ بھی شائع فرما دیا تھا کہ میری اور بھی بہت سی اولاد ہوگی جن میں سے کچھ زندہ رہیں گے اور کچھ بچپن میں فوت ہو جائیں گے اور یہ بھی پیشگوئی کی تھی کہ چار لڑکوں کا میرے ہاں پیدا ہونا ضروری ہے۔ غرض آپ نے یہ پیشگوئی اُس وقت کی جب آپ کی عمر ۵۲ سال کی تھی اور ۵۲ سال کی عمر میں خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کی آئندہ اولاد ہونی بند ہو جاتی ہے لیکن اگر اولاد ہو بھی تو کون کہہ سکتا ہے کہ میرے ہاں بیٹے پیدا ہوں گے۔ یا اگر بیٹے ہوں تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ زندہ رہیں گے۔ اور اگر بعض بیٹے زندہ بھی رہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ چار ضرور ہوں گے۔ غرض کوئی شخص اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ سکتا جب تک خدا اُسے خبر نہ دے۔ بہر حال لوگوں نے اعتراض کیا کہ بیٹا ہونا کونسی بڑی بات ہے لوگوں کے ہاں ہمیشہ بیٹے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں اور کبھی کسی نے اِس کو نشان قرار نہیں دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ اوّل تو میری عمر اِس وقت بڑھاپے کی ہے۔ جوانی میں بھی انسان کی زندگی کا اعتبار نہیں ہوتا مگر بڑھاپے میں تو ایک دن کے لئے بھی انسان وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ رہے گا کجا یہ کہ وہ اِس قدر لمبا عرصہ رہے کہ اُس کے ہاں چار بیٹے پیدا ہو جائیں۔

پھر اصل سوال یہ نہیں کہ اِس عمر میں بچے پیدا ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ بعض دفعہ سَو سال کی عمر میں بھی انسان کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن کیا اِس شان کا بیٹا بھی اتفاقی طور پر پیدا ہو سکتا ہے جس شان کا بیٹا پیدا ہونے کی مَیں خبر دے رہا ہوں۔ کیا یہ میرے اختیار کی بات ہے کہ میں بیٹا پیدا کروں اور وہ بیٹا بھی ایسا جو دنیا کے کناروں تک شہرت پائے اور خدا تعالیٰ کا کلام اُس پر نازل ہو۔ اگر ایسی پیشگوئی کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی طرف سے بنالی تو ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا ہیں کیونکہ باتیں آپ نے وہ کہیں جو خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں کہہ سکتا اور اگر وہ خدا نہیں اور اگر مرزا صاحب کو خدا قرار دینا یقیناً شرک ہے، وہ اُس کے بندوں میں سے ایک بندے تھے تو پھر

یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ باتیں جو انہوں نے کہیں ناممکن ہے کہ کوئی انسان اپنی طرف سے کہے اور پھر وہ پوری ہو سکیں۔ چنانچہ انہی پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی یہ بھی تھی کہ وہ لڑکا تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اس کے معنی اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سمجھ میں نہیں آئے مگر ان الفاظ میں جو بات بیان کی گئی تھی وہ ۱۸۸۹ء میں آ کر پوری ہوگئی۔ پیشگوئی میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اُس لڑکے کا نام محمود ہوگا اور چونکہ اُس کا ایک نام بشیر ثانی بھی رکھا گیا تھا اس لئے میرا پورا نام بشیر الدین محمود احمد رکھا گیا اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ وہ جو پیشگوئی میں بتایا گیا تھا کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا یہ امر کئی رنگوں میں میرے ذریعہ سے پورا ہوگیا۔ چنانچہ انہی میں سے ایک بات یہ ہے کہ یہ پیشگوئی ۱۸۸۶ء میں شائع کی گئی تھی۔ پس ۱۸۸۶ء ایک، ۱۸۸۷ء دو، اور ۱۸۸۸ء تین اور ۱۸۸۹ء چار ہوئے اور ۱۸۸۹ء ہی وہ سال ہے جس میں میری پیدائش ہوئی۔ پس تین کو چار کرنے والے کا مطلب یہ تھا کہ آج سے چوتھے سال وہ لڑکا تولد ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین چوتھے سال ۱۲؍ جنوری ۱۸۸۹ء کو میری پیدائش ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان شائع کیا کہ وہ جو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیٹے کی پیدائش کی خبر دی گئی تھی وہ پیدا ہوگیا ہے۔ مگر ابھی اس بارے میں انکشاف تام نہیں ہوا کہ یہی وہ لڑکا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ دیا گیا تھا یا وہ کسی اور وقت پیدا ہوگا اور آپ نے تفاؤل کے طور پر میرا نام بشیر اور محمود رکھ دیا۔

پھر تین کو چار کرنے والی پیشگوئی ایک اور رنگ میں بھی میرے ذریعہ سے پوری ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی بیوی سے مرزا سلطان احمد صاحب اور مرزا فضل احمد صاحب دو بیٹے ہوئے تیسرا بیٹا ہماری والدہ سے بشیر احمد اوّل پیدا ہوا اور چوتھا میں پیدا ہوا۔ گویا پیشگوئی میں بتایا یہ گیا تھا کہ وہ چوتھا بیٹا ہوگا اور اپنی پیدائش کے ساتھ تین بیٹوں کو چار کر دے گا۔

اَب یہ جو پیشگوئی ہے اس کے دو بہت بڑے اور اہم حصے ہیں۔ پہلا حصہ اس پیشگوئی کا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی تھی کہ میں تیرے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ اَب خالی بیٹا ہونے سے آپ کا نام دنیا کے کناروں تک نہیں پہنچ سکتا تھا جب تک ایسے کام آپ سے ظاہر نہ ہوتے جن سے ساری دنیا میں آپ مشہور ہو جاتے۔ بعض بڑے بڑے مصنف ہوتے ہیں اور وہ ساری عمر تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے ہیں۔ اس وجہ سے اُن کا نام مشہور ہو جاتا ہے۔ بعض بُرے کام کرتے ہیں اور اس وجہ سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ بعض بڑے بڑے چوروں اور ڈاکوؤں کے نام سے بھی لوگ آشنا ہوتے ہیں لیکن بہرحال اُن کی اچھی یا بُری شہرت ساری دنیا تک نہیں ہوتی کسی ایک علاقہ یا ایک حصہ ملک میں اُن کی شہرت ہوتی ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خبر دی تھی کہ وہ آپ کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔

پس یہ پیشگوئی اسی صورت میں عظیم الشان پیشگوئی کہلا سکتی تھی جب آپ کی شہرت غیر معمولی حالات میں ہوتی،

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ جب میں پیدا ہوا تو اس کے دو اڑھائی ماہ کے بعد آپ نے لوگوں سے بیعت لی اور اس طرح سلسلہ احمدیہ کی بنیاد دنیا میں قائم ہو گئی۔

۲۳؍ مارچ ۱۸۸۹ء کو ہمارے سلسلہ کی بنیاد پڑی ہے اور اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو حالت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ تمام مسلمان آپ کے دشمن تھے۔ اپنے کیا اور بیگانے کیا، رشتہ دار کیا اور غیر رشتہ دار کیا، سب آپ کی مخالفت کرنے لگ گئے یہاں تک کہ گورنمنٹ کی نظروں میں بھی آپ کا دعویٰ کھٹکنے لگا کیونکہ آپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں مہدی ہوں اور مہدی کے متعلق مسلمانوں میں مشہور تھا کہ وہ کفار کا خون بہائے گا۔ پس گورنمنٹ کو شبہ پڑا کہ ایسا نہ ہو اس کے ذریعہ دنیا میں کوئی فساد پیدا ہو۔ چنانچہ گورنمنٹ کی طرف سے اُس وقت قادیان میں ہمیشہ ایک کانسٹیبل رہتا تھا اور جو شخص بھی آپ سے ملنے کے لئے آتا اُس کا نام نوٹ کر کے وہ گورنمنٹ کو اطلاع دے دیتا اور اگر کبھی کوئی سرکاری افسر احمدی ہو جاتا تو بالا افسر اُسے اشاروں ہی اشاروں میں سمجھاتے کہ گورنمنٹ کی نظر میں یہ فرقہ اچھا نہیں سمجھا جاتا تمہیں اس میں شامل ہونے سے اجتناب اختیار کرنا چاہئے۔ یہ مخالفت آخر بڑھتے بڑھتے اتنی شدید ہوئی کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بچپن سے آپ کے دوست تھے اور ہمیشہ آپ سے تعلقات رکھتے تھے جنہوں نے براہین احمدیہ پر ایک زبردست ریویو بھی لکھا تھا وہ بھی آپ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں یہ الفاظ لکھے کہ مَیں نے اس شخص کو بڑھایا تھا اور اب مَیں ہی اس کو گراؤں گا۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۳ نمبر ۱، ۱۸۹۰ء صفحہ ۴)

اسی شہر لاہور کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مریض کی عیادت کیلئے شہر کی مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور بند گاڑی میں سوار ہوئے۔ اُن دنوں بند گاڑی کو شکرم کہا جاتا تھا۔ جب آپ دہلی دروازہ سے روانہ ہوئے تو وہاں اُن دنوں ایک چبوترہ ہوا کرتا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ اس چبوترے پر کھڑے ہو کر ایک شخص شور مچا رہا تھا کہ دیکھو! یہ شخص مرتد ہے، کافر ہے، اس پر پتھر پھینکو گے تو ثواب حاصل ہوگا اور اُس کے اردگرد بہت بڑا ہجوم تھا۔ جب گاڑی قریب سے گزری تو لوگ آپ پر لعنتیں ڈالنے لگے اور آوازیں کسنے لگے۔ بعض نے آپ پر پتھر بھی پھینکے اور گالیاں دینی شروع کر دیں۔ میرے لئے بچپن کے لحاظ سے ایک عجیب بات تھی۔ میں نے گاڑی سے اپنا سر باہر نکالا اور مَیں نے دیکھا کہ اُس شخص کے پاس جو یہ شور مچا رہا تھا ایک اور شخص کھڑا تھا اور بڑا سا جبہ پہنے ہوئے تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی کوئی مولوی ہے مگر اُس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اور اُس پر زرد زرد ہلدی کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں مَیں نے دیکھا کہ وہ بڑے جوش سے اپنے ٹنڈے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا مرزا نٹھ گیا، مرزا نٹھ گیا۔ گویا وہ اپنے زخمی ہاتھ کو بھی دوسرے ہاتھ پر مار کر یہ سمجھتا تھا کہ وہ ایک ثواب کا کام کر رہا ہے۔

پھر یہیں لاہور میں میلا رام کے منڈوہ میں ۱۹۰۴ء میں آپ کا ایک دفعہ لیکچر ہوا۔ محمود خان صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس کے والد رحمت اللہ خان صاحب اُن دنوں شہر کے کوتوال تھے انہوں نے پولیس کا بڑا اچھا انتظام کیا مگر پھر بھی

سیدنا محمود بچپن میں

یدنا محمود المصلح الموعود

190 ء کے وسط آخر کی ہے جبکہ
موعود علیہ السلام گورداسپور میں
ین کے مقدمہ کے دوران مقیم تھے۔
د اس وقت مدرسہ تعلیم السلام کی
ں جماعت میں پڑھتے تھے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے (رفقاء) کے ساتھ (جون 1899ء)

ں :۔ (کرسیوں پر) حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت سیدنا محمود مصلح موعود **حضرت مسیح موعود علیہ السلام** ۔(گود میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب) حضرت حکیم الامـ
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ حضرت پیر منظور محمد صاحب موجد قاعدہ یسرنا القرآن۔ (کھڑے ہوئے) حضرت منشی کرم علی صاحب کاتب۔ مولوی عبداللہ عرب صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ حضرت
ت حکیم فضل دین صاحب بھیروی۔ حضرت حکیم محمد حسین صاحب ''مرہم عیسیٰ''۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی (تراب) مفتی فضل الرحمن صاحب۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب نواحمدی۔
ت پیر سراج الحق صاحب نعمانی۔ حضرت حکیم قطب الدین صاحب۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب۔ ملک شیر محمد صاحب بی۔اے۔ جموں۔(؟)

سیدنا محمود
اور آپ کے بھائی

قمرالانبیاء
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم
(1893ء تا 1963

ضرت مرزا سلطان احمد صاحب
(1853ء تا 1931ء)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب
(1889ء تا 1965ء)

حضرت مرزا شریف احمد صاحب
(1895ء تا 1961ء)

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب
(1899ء تا 1907ء)

بشیر احمد صاحب کی کوٹھی بمقام لاہور کا وہ کمرہ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پر مصلح موعود کا انکشاف ہو
وہ چارپائی بھی کمرہ میں موجود ہے۔

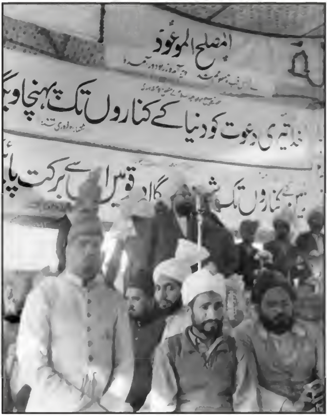

حضرت مصلح موعود لاہور (1944ء) جلسہ مصلح موعود میں خطاب فرمارہے ہیں

پہلی بار جلسہ خلافت جوبلی (1939ء) پر لوائے احمدیت لہرانے کی تقریب

.... نور قادیان

چاروں طرف سے اُنہیں اس قدر فساد کی رپورٹیں پہنچیں کہ انہوں نے چھاؤنی سے گورا سپاہی منگوائے اور آپ کے آگے پیچھے کھڑے کر دیئے۔ پھر مجھے وہ نظارہ بھی خوب یاد ہے جبکہ قادیان میں جس کا واحد مالک ہمارا خاندان ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بائیکاٹ کیا گیا اور لوگوں کو آپ کے گھر کا کام کرنے سے روکا گیا، چوڑھوں کو کہا گیا کہ وہ صفائی نہ کریں، کمہاروں کو کہا گیا کہ وہ برتن نہ بنائیں، سقوں کو کہا گیا کہ وہ پانی نہ بھریں، نائیوں کو کہا گیا کہ وہ حجامت نہ بنائیں، قلعی گروں کو کہا گیا کہ وہ آپ کے برتنوں پر قلعی نہ کریں۔ غرض نہ کوئی صفائی کرتا، نہ کوئی قلعی کرتا بڑی مصیبت سے اردگرد کے گاؤں والوں سے ان ضروریات کو پورا کیا جاتا۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دروازے پر آپ کی...... کے سامنے دیوار کھینچ دی گئی تا کہ کوئی شخص اس میں نماز پڑھنے کے لئے نہ آ سکے۔

اسی طرح آپ پر مختلف قسم کے مقدمات دائر کئے گئے اور بڑوں اور چھوٹوں سب نے مل کر چاہا کہ آپ کو مٹا دیا جائے۔ یہاں تک کہ ایک پادری نے آپ پر اقدامِ قتل کا نہایت جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا اور ایک شخص کو پیش کیا جو کہتا تھا کہ مجھے مرزا صاحب نے اس پادری کو قتل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ آخر اسی شخص نے عدالت کے سامنے اقرار کیا کہ مجھے جھوٹ سکھایا گیا تھا تا کہ کسی طرح مرزا صاحب سزایاب ہوں ورنہ وہ اس الزام سے بالکل بَری ہیں۔ کرنل ڈگس جو ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر تھے اُن کے سامنے ہی مقدمہ پیش ہوا اور باوجود اس کے کہ یہ مقدمہ عیسائیوں کی طرف سے تھا اور اس بناء پر تھا کہ مرزا صاحب...... کی تائید کرتے اور عیسائیوں کو دجال قرار دیتے ہیں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی عیسائیوں کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف گواہی دینے کے لئے عدالت میں پیش ہوئے۔ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے کہا تھا کہ میں نے ہی مرزا صاحب کو بڑھایا تھا اور اب میں ہی انہیں گراؤں گا۔

مسٹر ڈگس جن کے سامنے یہ کیس پیش ہوا پہلے ایسے متعصب عیسائی تھے کہ جب وہ گورداسپور آئے تو انہوں نے آتے ہی اس بات پر اظہارِ تعجب کیا کہ ابھی تک اس شخص کو کیوں گرفتار نہیں کیا گیا جو اپنے آپ کو مسیح موعود کہتا ہے۔ لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام بٹالہ میں اُن کے سامنے پیش ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھتے ہی اُن کی طبیعت پر ایسا اثر پڑا کہ اُنہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص مجرم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مسٹر ڈگس ڈپٹی کمشنر نے ڈائس پر اپنے پہلو میں کرسی بچھوائی اور اُس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو تشریف رکھنے کے لئے کہا۔ یہ وہی دن تھا جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت تھی وہ اس امید پر آئے تھے کہ مرزا صاحب کو ہتھکڑی لگی ہوئی ہوگی اور وہ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے۔ مگر جب وہ اندر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ مدعی اور اُس کے ساتھی تو باہر کھڑے ہیں اور ملزم کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر اُن کو آگ لگ گئی اور اُنہوں نے ڈپٹی کمشنر سے کہا کہ میرے لئے بھی کرسی کا انتظام کیا جائے۔ ڈپٹی کمشنر نے جواب دیا کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو کیوں کرسی دی جائے۔ آپ ایک

گواہ کی حیثیت سے آئے ہیں اور گواہوں کو کرسی نہیں ملا کرتی۔ اس پر وہ زیادہ اصرار کرنے لگے کہ نہیں مجھے ضرور کرسی دی جائے۔ مسٹر ڈگس کہنے لگے میں نے کہہ جو دیا ہے کہ آپ کو کرسی نہیں ملے گی۔ اس پر بھی وہ خاموش نہ ہوئے اور کہنے لگے میں لاٹ صاحب کے پاس ملنے جاتا ہوں تو وہ بھی مجھے کرسی دے دیتے ہیں آپ مجھے کیوں کرسی نہیں دیتے۔ یہ سن کر ڈپٹی کمشنر کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا اگر ایک چوڑھا بھی ہم سے مکان پر ملنے کے لئے آئے تو ہم اُسے بھی کرسی دے دیتے ہیں مگر یہ عدالت کا کمرہ ہے یہاں تمہیں کرسی نہیں مل سکتی۔ وہ اس پر بھی خاموش نہ ہوئے اور پھر کرسی کے لئے اصرار کرنے لگے۔ آخر ڈپٹی کمشنر نہایت غصہ سے کہنے لگا بک بک مت کر، پیچھے ہٹ اور جوتیوں میں کھڑا ہو جا۔

یہ اُس شخص کا حال ہوا جس نے کہا تھا کہ مَیں نے ہی اس شخص کو بڑھایا تھا اور اَب میں ہی اس کو گراؤں گا۔ وہاں سے اپنی ذلّت کروا کے باہر نکلے تو برآمدہ میں ایک کرسی پڑی ہوئی تھی اُس پر آ کر بیٹھ گئے۔ مگر مشہور ہے کہ نوکر آقا کے پیچھے چلتے ہیں۔ چپڑاسی جو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ اندر ڈپٹی کمشنر ان پر سخت ناراض ہوئے ہیں اُس نے جب دیکھا کہ برآمدہ میں یہ کرسی پر آ کر بیٹھ گئے ہیں تو وہ دَوڑا دَوڑا آیا اور آ کر کہنے لگا مولوی صاحب! کرسی سے اُٹھیے یہاں آپ کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ وہاں سے اُٹھے تو باہر ہجوم میں آ گئے۔ وہاں کسی شخص نے زمین پر چادر بچھائی ہوئی تھی۔ یہ جاتے ہی اُس پر بیٹھ گئے اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے یہاں چادر پر بیٹھا دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ مجھے کمرہ عدالت میں بھی اچھی جگہ ملی ہوگی۔ مگر وہ جس نے خدا کے مامور کے متعلق کہا تھا کہ مَیں نے ہی اسے بڑھایا ہے اور اَب میں ہی اسے نیچے گراؤں گا خدا نے اُسے یہاں بھی ذلیل کیا۔ ابھی وہ چادر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک باغیرت مسلمان دَوڑا دَوڑا آیا اور کہنے لگا میری چادر پلید مت کرو تم ایک ...... کے خلاف ایک عیسائی کے حق میں گواہی دینے آئے ہو۔ آخر مولوی صاحب کو وہاں سے بھی ذلّت کے ساتھ اُٹھنا پڑا۔

پھر میں نے خود انہی مولوی محمد حسین صاحب کو اس حالت میں دیکھا کہ عجز اور مسکنت ان کی صورت سے ظاہر ہوتی تھی۔ میں ایک دفعہ بٹالہ گیا تو وہ کسی کام کے لئے مجھ سے ملنے کے لئے آئے مگر انہیں شرم آتی تھی کہ جس شخص کی ساری عمر مَیں شدید مخالفت کرتا رہا اُس کے بیٹے سے کس طرح ملوں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ کمرے میں آتے اور پھر گھبرا کر نکل جاتے پھر آتے اور پھر گھبرا کر نکل جاتے چار پانچ دفعہ انہوں نے اسی طرح کیا۔

ہمارے ہاں ایک ملازم ہوا کرتا تھا پیرا اُس کا نام تھا وہ بالکل اَن پڑھ اور جاہل تھا۔ نماز تک اُسے یاد نہیں ہوتی تھی بیسیوں دفعہ اُسے یاد کرائی گئی مگر وہ ہمیشہ بھول جاتا۔ اُسے کبھی تاریں دے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بٹالہ بھجوایا کرتے تھے یا کوئی بلٹی آتی تو اُسے چھڑوانے کے لئے اُسے بٹالہ بھجوایا جاتا۔ ایک دفعہ اسی طرح وہ کسی کام کے سلسلہ میں بٹالہ گیا ہوا تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب اُسے مل گئے۔ مولوی صاحب کی عادت تھی کہ وہ اسٹیشن پر جاتے اور لوگوں کو قادیان جانے سے روکا کرتے ایک دن انہیں اور کوئی آدمی نہ ملا تو پیرے کو ہی انہوں نے پکڑ لیا اور کہنے

لگے۔ پیرے تم مرزا صاحب کے پاس کیوں رہتے ہو وہ تو کافر اور بے دین ہیں۔ وہ کہنے لگا مولوی صاحب میں تو پڑھا لکھا آدمی نہیں نماز تک مجھے نہیں آتی کئی دفعہ لوگوں نے مجھے سکھائی ہے مگر مجھے یاد نہیں ہوتی پس مجھے مسائل تو آتے ہی نہیں لیکن ایک بات ضرور ہے جو میں نے دیکھی ہے۔ مولوی صاحب کہنے لگے وہ کیا؟ پیرے نے کہا میں ہمیشہ تاریں دینے یا بلٹیاں لینے کے لئے بٹالے آتا رہتا ہوں اور جب بھی یہاں آتا ہوں آپ کو یہاں پھرتے اور لوگوں کو ورغلاتے دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص قادیان نہ جائے۔ مولوی صاحب! اب تک آپ کی اس کوشش میں شاید کئی جوتیاں بھی گھس گئی ہوں گی مگر کوئی شخص آپ کی بات نہیں سنتا۔ دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ مرزا صاحب اپنے حجرے میں بیٹھے رہتے ہیں اور پھر بھی ساری دنیا اُن کی طرف کھنچی چلی جاتی ہے۔ آخر اُن کے پاس کوئی سچائی ہے تبھی تو ایسا ہو رہا ہے ورنہ لوگ آپ کی بات کیوں نہ سنتے۔

تو دنیا جس قدر مخالفت کر سکتی تھی اُس نے کی مگر باوجود اس کے ایک کے بعد ایک، ایک کے بعد ایک اور ایک کے بعد ایک اس سلسلہ میں داخل ہونا شروع ہوا۔ ہندوستان کے ہر گوشہ سے لوگ آئے اور اس جماعت میں شامل ہوئے۔ پھر صرف ہندوستان میں ہی نہیں افغانستان میں بھی یہ سلسلہ پھیلا۔ یہاں تک کہ وہ شخص جس نے امیر حبیب اللہ خان کے سر پر تاج رکھا تھا وہ بھی آپ کی بیعت میں شامل ہو گیا اور اسی ایمان کی وجہ سے کابل میں سنگسار کیا گیا۔ ان کی سنگساری سے پہلے امیر حبیب اللہ خان نے اُن کو بار بار کہا کہ ایک دفعہ لوگوں کے دکھانے کے لئے ہی کہہ دیں کہ میں احمدی نہیں، میں آپ کی ہتھکڑی اُتارنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر وہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ بادشاہ! تم کو کیا پتہ کہ یہ ہتھکڑی مجھے سونے کے کڑوں سے زیادہ قیمتی معلوم ہوتی ہے۔ جب اُنہیں سنگسار کرنے کے لئے پتھر پھینکے گئے تو وہ لوگ جو اُس وقت پاس موجود تھے بتاتے ہیں کہ اِدھر اُن پر پتھر پڑ رہے تھے اور اِدھر اُن کی زبان سے یہ کلمات نکل رہے تھے کہ اے خدا! میری اس قوم کو بخش دے اور اسے ہدایت دے کیونکہ اسے پتہ نہیں کہ میں سچائی پر قائم ہوں۔

بہر حال اُس وقت صرف افغانستان تک ہی جماعت احمدیہ پہنچی تھی اور ممالک میں صرف اِکا دُکا کوئی احمدی تھا۔ خود ہندوستان میں اُس وقت جماعت احمدیہ کی یہ حالت تھی کہ گو اس کے اکثر حصوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچ چکا تھا مگر جماعت کا رُعب ابھی قائم نہیں ہوا تھا۔ لوگ مخالفت کرتے اور شدت سے کرتے تھے۔ اسی شہر لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر جو کچھ کیا گیا وہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ جماعت احمدیہ کی اُس وقت کیا حالت تھی۔ اور اے لاہور کے لوگو! ہم نے آپ لوگوں کو گو اپنے دل سے بخش دیا ہے مگر آپ لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر جو سلوک ہم سے کیا وہ دنیا میں کوئی شریف انسان کسی دوسرے شریف انسان سے نہیں کیا کرتا۔ دنیا میں ایک انسان کا معمولی باپ مر جاتا ہے جس پر اُس کا گزارہ بھی نہیں ہوتا، دنیا میں کسی شخص کی ماں مر جاتی ہے، دنیا میں کسی شخص کا بچہ مر جاتا ہے تو سب لوگ اُس سے ہمدردی کرنے کے لئے

آتے ہیں۔ مگر ہم میں اُس شخص کی وفات ہوئی جو میرے لئے ہی نہیں ساری جماعت کے لئے خدا کا ایک نور تھا، ہمارا مقتدا اور پیشوا تھا جس سے ہماری نجات وابستہ تھی مگر اُدھر آپ کی وفات ہوئی اور ہم آپ کی نعش کو قادیان لے جانے کی تیاری کرنے لگے اور ادھر لاہور کے ہزاروں آدمیوں نے چارپائی پر ایک شخص کو لٹا کر اور اُس پر کفن کی طرح کپڑا ڈال کر اپنے کندوں پر اٹھا لیا اور ہمارے دل دُکھانے کے لئے ان ہزاروں آدمیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہائے ہائے مرزا۔ ہائے ہائے مرزا۔ مگر ہمارے حوصلے ہیں کہ ہم نے کبھی اس کا گلہ نہیں کیا۔ ہمارے دل سے کبھی اے لاہور والو! تمہارے متعلق بددعا بھی نہیں نکلی۔ ہم نے تمہارا یہ فعل اپنی آنکھ سے دیکھا مگر پھر ہم نے اپنے خدا سے یہی کہا کہ خدایا! یہ ناواقف لوگ ہیں ان کو پتہ نہیں کہ جس شخص کی یہ مخالفت کر رہے ہیں وہ تیرا ...... اور دنیا کا نجات دہندہ ہے۔ اے ہمارے ربّ! انہوں نے جو کچھ کیا یہ سمجھ کر کیا کہ وہ ایک سچائی کی تائید کر رہے ہیں پس تو بھی ان کو معاف فرما دے اور ان کو اپنے کسی عذاب میں مبتلا مت کر بلکہ ان کو ہدایت دے اور ان کے دل اپنی سچائی کیلئے کھول دے تا کہ یہ تیرے نبی کا جھنڈا بلند کرنے کا باعث ہوں اسے گرانے اور دین کو رُسوا کرنے کا موجب نہ ہوں۔

بہرحال یہ وہ حالت تھی جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اب مرزا صاحب تو فوت ہو گئے ہیں اس سلسلہ کا اب خاتمہ سمجھو۔ تب اللہ تعالیٰ نے جماعت کے لوگوں کے دلوں میں ڈالا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک خلیفہ مقرر کریں۔ چنانچہ سب جماعت نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ خلیفہ اوّل مقرر ہوئے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ جماعت کا شیرازہ بکھرا نہیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا ہے تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ سب ترقی حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وجہ سے اس سلسلہ کو حاصل ہو رہی تھی۔ وہ پیچھے بیٹھ کر کتابیں لکھتے اور مرزا صاحب اپنے نام سے شائع کر دیتے تھے۔ بس اس کی زندگی تک اس سلسلہ نے ترقی کرنی ہے۔ مولوی نورالدین صاحب کے مرتے ہی یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ مگر خدا کی قدرت ہے اپنے تمام زمانہ خلافت میں حضرت خلیفہ اوّل نے ایک کتاب بھی نہ لکھی اور اس طرح وہ اعتراض باطل ہو گیا جو مخالف کرتے رہتے تھے کہ کتابیں مولوی نورالدین صاحب لکھتے ہیں اور نام مرزا صاحب کا ہوتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کا طرزِ تحریر ہی بالکل اور رنگ کا تھا۔ مگر بہرحال لوگوں نے یہ سمجھا کہ حضرت مولوی صاحب تک ہی اس سلسلہ کی زندگی ہے اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا مگر وہ خدائے واحد و قہار جس نے بانی سلسلہ احمدیہ کو خبر دی تھی کہ تیرا ایک بیٹا ہوگا جو تیرا نام دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا اور دین...... کی شوکت قائم کرنے کا موجب ہوگا اُس نے مخالفوں کی اس امید کو بھی خاک میں ملا دیا۔ آخر وہ وقت آ گیا جب حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہوئی۔ اُس وقت جماعت میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جماعت کے ایک برسراقتدار حصہ نے جس کے قبضہ میں صدر انجمن احمدیہ تھی، جس کے قبضہ میں خزانہ تھا اور جس کے زیرِ اثر جماعت کے تمام بڑے بڑے لوگ تھے کہنا شروع کر دیا کہ خلافت کی ضرورت نہیں۔ خواجہ

کمال الدین صاحب جیسے سحر البیان لیکچرار، مولوی محمد علی صاحب جیسے مشہور مصنف، شیخ رحمت اللہ صاحب جیسے مشہور تاجر، مولوی غلام حسین صاحب جیسے مشہور عالم جن کے سرحدی علاقہ میں اکثر شاگرد ہیں، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جیسے بارسوخ اور صاحب جائداد ڈاکٹر یہ سب ایک طرف ہو گئے اور ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک بچہ کو بعض لوگ خلیفہ بنا کر جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

وہ بچہ جس کی طرف ان کا اشارہ تھا مَیں تھا۔ اُس وقت میری عمر بیس سال کی تھی اور اللہ بہتر جانتا ہے مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ میرے متعلق یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ میں جماعت کا خلیفہ بنوں۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے نہ میں ان باتوں میں شامل تھا اور نہ مجھے کسی بات کا علم تھا۔ سب سے پہلے میرے کانوں میں یہ آواز شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس کی طرف سے آئی۔ میں نے سنا کہ وہ...... میں بڑے جوش سے کہہ رہے تھے کہ ایک بچہ کی خاطر سلسلہ کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ مجھے اُس وقت اُن کی یہ بات اتنی عجیب معلوم ہوئی کہ باہر نکل کر میں نے دوستوں سے پوچھا کہ وہ بچہ ہے کون جس کا آج شیخ رحمت اللہ صاحب ذکر کر رہے تھے۔ وہ میری اس بات کو سُن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے وہ بچہ تم ہی تو ہو۔ غرض میں ان باتوں سے اتنا بے بہرہ تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مَیں زیرِ بحث ہوں اور میرے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت تباہ ہو رہی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی مشیّت یہی تھی کہ وہ مجھے دنیا کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود آگے کرے اور میرے سپرد جماعت کی نگرانی کا کام کرے۔ میں نے امن قائم رکھنے اور جماعت کو تفرقہ سے بچانے کی بڑی کوشش کی مگر خدا تعالیٰ کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ آخر وہی ہوا جو اُس کا منشاء تھا۔ جوں جوں حضرت خلیفہ اوّل کی وفات نزدیک آتی گئی ان لوگوں نے جماعت میں کثرت کے ساتھ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ آئندہ خلافت کا سلسلہ جاری نہیں ہونا چاہئے۔ جس دن حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے دنیا نے کہا اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا کیونکہ جس شخص پر اس سلسلہ کا تمام انحصار تھا وہ اُٹھ گیا۔ اُس دن جب مخالفوں کی زبان پر یہ تھا کہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ میں نے جماعت کو تفرقہ سے بچانے کے لئے مولوی محمد علی صاحب سے گفتگو کی اور میں نے اُن سے کہا کہ آپ کسی شخص کو خلیفہ مقرر کریں میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ جب میں بیعت کر لوں گا تو وہ لوگ جو میرے ساتھی ہیں وہ بھی میرے ساتھ ہی خود بخود بیعت کر لیں گے اور اس طرح تفرقہ پیدا نہیں ہوگا۔ مگر باوجود میری تمام کوششوں کے آخری جواب مولوی محمد علی صاحب نے یہ دیا کہ آپ جانتے ہیں جماعت والے کس کو خلیفہ مقرر کریں گے اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے۔ حالانکہ میری نیک نیتی اس سے ظاہر ہے کہ جس دن عصر کی نماز کے وقت لوگوں نے میری بیعت کی اُسی دن صبح کے وقت میں نے اپنے تمام رشتہ داروں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ ہمیں ضد نہیں کرنی چاہئے اگر وہ خلافت کو تسلیم کر لیں تو کسی ایسے آدمی پر اتفاق کر لیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو پھر ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے اور میرے اصرار پر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام اہلِ بیت نے اِس امر کو تسلیم کر لیا۔ پھر میری یہ حالت تھی کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات سے چند دن پہلے میں اُس مقام پر گیا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اور میں نے وضو کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ میری عمر اُس وقت اتنی چھوٹی نہ تھی مگر بڑی بھی نہ تھی۔ ۲۵ سال میری عمر تھی، میری والدہ موجود تھیں، میری بیوی موجود تھیں اور میرے بچے بھی تھے مگر مَیں نے اُس وقت نیت کر لی کہ چونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری وجہ سے جماعت میں تفرقہ پیدا ہو رہا ہے اِس لئے میں خاموشی سے کہیں باہر نکل جاؤں گا تا کہ میں تفرقہ کا باعث نہ بنوں۔ چنانچہ میں نے دعا کی کہ خدایا! مَیں اِس جماعت میں فتنہ پیدا کرنے والا نہ بنوں تُو میرے دل کو تقویت عطا فرما تا کہ مَیں پنجاب یا ہندوستان کے کسی علاقہ میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر نکل جاؤں اور میری وجہ سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ اِس کے بعد میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کہیں نکل کر چلا جاؤں گا مگر خدا کی قدرت ہے دوسرے تیسرے دن ہی اچانک حضرت خلیفہ اوّل کی وفات ہو گئی اور میں اِس جھگڑے میں پھنس گیا۔ تب جماعت کے غریب طبقہ نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ جو بڑے بڑے لوگ کہلاتے تھے جماعت سے الگ ہو گئے۔ اِن میں سے ایک ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تھے۔ انہوں نے وہاں سے روانہ ہوتے وقت ہماری عمارتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو جاتے ہیں کیونکہ جماعت نے ہم سے اچھا سلوک نہیں کیا لیکن تم دیکھ لو گے کہ دس سال کے عرصہ میں ان جگہوں پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا اور احمدیوں کے ہاتھ سے یہ تمام جائدادیں نکل جائیں گی۔ اُس وقت میرے ہاتھ پر دو ہزار کے قریب آدمیوں نے بیعت کی، باہر کی اکثر جماعتیں ابھی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ ''پیغام صلح'' میں لکھا گیا کہ پچانوے فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے اور صرف پانچ فیصدی جماعت مرزا محمود احمد کے ساتھ ہے۔ مگر ابھی دو مہینے نہیں گزرے تھے بلکہ ابھی صرف ایک مہینہ ہی ہوا تھا کہ ساری کی ساری جماعت میری بیعت میں شامل ہو گئی اور پیغام صلح نے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ ۹۵ فیصدی جماعت مرزا محمود احمد کے ساتھ ہے اور صرف پانچ فیصدی ہمارے ساتھ۔ پھر میری مخالفت بھی تھوڑی نہیں ہوئی میرے قتل کی کئی بار کوششیں کی گئیں۔

احرار کی شورش کے ایام میں ہی ایک دفعہ قادیان میں سرحد کی طرف سے ایک پٹھان آیا اور میرے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر اُس نے لڑکا اندر بھیجا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ مَیں تو ان باتوں کی پرواہ نہیں کیا کرتا مَیں آنے ہی لگا تھا کہ مجھے باہر کچھ شور کی آواز سنائی دی۔ معلوم ہوا کہ ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست جو پٹھان ہیں اُنہوں نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کے نیفے میں سے چھرا نکال لیا۔ بعد میں اُس نے تسلیم کیا کہ میں واقع میں قتل کرنے کی نیت سے ہی آیا تھا۔

اِسی طرح یہاں لاہور میں ایک دفعہ ایک دیسی عیسائی کو پھانسی ہوئی۔ جے میتھوز اُس کا نام تھا۔ اُس نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا جس کی پاداش میں سیشن جج نے اُسے پھانسی کی سزا دی۔ اُس نے اپنے بیانات میں اِس اَمر کا اظہار کیا

کہ میں ایک دفعہ پستول لے کر مرزا محمود احمد کو مارنے کے لئے قادیان گیا تھا مگر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ میں اُن سے مل نہ سکا اور وہ دریا پر چلے گئے۔ پھر میں پستول لیکر اُن کے پیچھے پیچھے دریا پر گیا۔ وہاں ایک دن میں نے اُن کے ایک ساتھی کو بندوق صاف کرتے دیکھا جس سے میں ڈر گیا کہ بندوق تو دُور تک وار کر جاتی ہے، ایسا نہ ہو میں خود ہی مارا جاؤں چنانچہ میں واپس آ گیا اور اپنی بیوی سے کسی بات پر لڑ کر میں نے اُسے قتل کر دیا۔ یہ ایک عدالتی بیان ہے جو سیشن جج کی عدالت میں اُس نے لاہور میں دیا۔ اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ لوگوں کی جوش دلانے والی باتیں سن کر میں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

پھر اسی قسم کا ایک اور کیس ہوا۔ ایک شخص ہماری دیوار پھاندتے ہوئے پکڑا گیا۔ بعد میں پولیس نے اُسے پاگل قرار دیکر چھوڑ دیا حالانکہ وہ دیوار پھاندتے ہوئے پکڑا گیا تھا اور جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا وہ قتل کرنے کی نیت سے ہی آیا تھا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ میں ایک دفعہ اپنے سالانہ جلسہ میں تقریر کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی شخص نے ملائی دی کہ جلدی سے حضرت صاحب تک پہنچا دی جائے آپ تقریر کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ چنانچہ گھبراہٹ میں لوگوں نے جلدی جلدی ملائی آگے پہنچانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ وہ سٹیج پر پہنچ گئی۔ سٹیج پر کسی شخص کو ہوش آیا اور اُس نے ذرا سی ملائی اپنی زبان پر لگائی تو لگاتے ہی اُس کی زبان کٹ گئی۔ تب ادھر اُدھر تلاش کیا گیا کہ ملائی دینے والا کون تھا مگر وہ نہ ملا۔ غرض ہر رنگ میں دشمنوں نے مجھے مٹانے اور گرانے کی کوشش کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُن کو ناکام و نامراد رکھا۔

گزشتہ سالوں میں ہی لاہور میں سر سکندر حیات خاں نے اپنی کوٹھی پر مجھے اس غرض کے لئے بُلا بھیجا کہ اگر کشمیر کمیٹی اور احرار میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو حکومت کسی نہ کسی رنگ میں فیصلہ کر دے گی۔ اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا آپ کو ایسی میٹنگ میں شامل ہونے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟ میں نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں اور نہ مجھے سیاسیات سے کوئی دلچسپی ہے۔ میں تو ایک مذہبی آدمی ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس قسم کے جھگڑے جلد دُور ہو جائیں۔ وہاں احرار کی طرف سے چوہدری افضل حق صاحب شامل ہوئے اور انہوں نے بڑے غصہ سے کہا کہ میں ان سے ہرگز صلح نہیں کر سکتا کیونکہ میں جب الیکشن کے لئے کھڑا ہوا تھا تو انہوں نے میری دو دفعہ مخالفت کی تھی۔ میں نے اُن سے کہا کہ مخالفت کرنا ہر شخص کا حق ہے مگر یہ درست نہیں کہ مَیں نے آپ کی دو دفعہ مخالفت کی ہے۔ ایک دفعہ مخالفت کی ہے اور ایک دفعہ تائید کی ہے۔ سر سکندر حیات خاں بھی ان سے کہنے لگے کہ آپ بھولتے ہیں آپ نے خود مجھے کہا تھا کہ امام جماعت احمدیہ سے چونکہ میرے دوستانہ تعلقات ہیں اس لئے میں آپ کے متعلق ان کے پاس سفارش کر دوں اور میں نے آپ کے کہنے پر سفارش کی اور انہوں نے آپ کی مدد کی۔ پس یہ درست نہیں کہ انہوں نے دو دفعہ مخالفت کی ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے مخالفت کی ہے اور ایک دفعہ تائید کی ہے۔ اس پر چوہدری افضل حق صاحب کہنے لگے خواہ کچھ ہو مَیں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ میں جماعت احمدیہ کو کچل کر رکھ دوں گا۔ اسی طرح وہ غصہ میں اور بھی بہت کچھ کہتے چلے گئے میں مسکراتا

رہا اور خاموش رہا۔ جب وہ اپنا غصہ نکال چکے تو میں نے کہا چوہدری صاحب! ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہمارا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اگر ہمارا یہ دعویٰ جھوٹا ہے تو آپ کی کسی کوشش کی ضرورت نہیں خدا خود ہمارے سلسلہ کو کچل دے گا لیکن اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ سلسلہ ہے تو پھر آپ کی کیا حیثیت ہے دنیا کے سارے بادشاہ مل کر بھی ہمارے سلسلہ کو کچلنا چاہیں تو وہ خود کچلے جائیں گے مگر ہمارے سلسلہ کو کچل نہیں سکتے۔ اُس وقت مجلس میں نواب مظفر خان صاحب موجود تھے، شیخ محمد صادق صاحب موجود تھے، نواب احمد یار خاں صاحب دولتانہ موجود تھے، جب مجلس ختم ہوئی تو شیخ محمد صادق صاحب چوہدری افضل حق صاحب کے ساتھ اُن کے گھر تک گئے اور انہیں کہا کہ چوہدری صاحب! آپ نے اچھا نہیں کیا۔ گھر پر بُلا کر امام جماعت احمدیہ کی آج شدید ہتک کی گئی ہے چنانچہ بعد میں واپس آ کر انہوں نے خود ہی ذکر کیا کہ میں چوہدری افضل حق صاحب کے ساتھ اُن کے دروازہ تک گیا تھا اور اُن سے کہا تھا کہ آپ نے آج جو کچھ کیا ہے اچھا نہیں کیا اور چوہدری افضل حق صاحب کہتے تھے کہ اب میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یہ الفاظ نہیں کہنے چاہئے تھے اصل بات یہ ہے غصہ میں میری زبان قابو میں نہیں رہی تھی۔ تو لوگوں نے ہر طرح زور لگایا کہ ہمارے سلسلہ کو مٹا دیں۔

یہاں تک کہ ۱۹۳۴ء میں انگریزی گورنمنٹ بھی ہماری جماعت کی مخالف ہوگئی۔ سر ایمرسن جو گورنر پنجاب رہ چکے ہیں گورنری سے پہلے میرے بڑے دوست تھے۔ یہاں تک کہ لندن سے انہوں نے مجھے چٹھی لکھی کہ میں اب گورنر بن کر آ رہا ہوں اور امید کرتے ہیں کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں گے مگر یہاں آتے ہی ہماری جماعت کے شدید مخالف ہوگئے یہاں تک کہ سر فضل حسین صاحب نے ایک ملاقات کے دَوران میں مجھ سے کہا کہ نہ معلوم سر ایمرسن کو کیا ہوگیا ہے وہ تو آپ کے سلسلہ کو بہت کچھ بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں۔ پھر انہوں نے کریمنل لاء ایمنڈمنٹ (CRIMINAL LAW AMENDMENT) ایکٹ مجھ پر لگانا چاہا اور قادیان میں احرار کا جلسہ کرایا جس میں ہمارے سلسلہ کی شدید ہتک کی گئی۔ غرض ہر رنگ میں ہماری مخالفت ہوئی اور ہر طبقہ نے مخالفت کی۔ افغانستان میں میرے زمانہ میں جماعت احمدیہ کے چار آدمی یکے بعد دیگرے شہید کئے گئے حالانکہ افغانستان کے وزیر خارجہ نے خود ہمیں چٹھی لکھی تھی کہ افغانستان میں آپ کو تبلیغ کی اجازت ہے بے شک اپنے مبلّغ بھجوائیں۔ مگر جب ہم نے اپنے مبلّغ بھجوائے تو حکومت نے اُن کو سنگسار کر دیا۔ غرض جتنا زور دنیا لگا سکتی تھی اُس نے لگا کر دیکھ لیا مگر باوجود اس کے خدا نے ہمیں بڑھایا اور ایسی ترقی دی جو ہمارے وہم اور خیال میں بھی نہیں تھی۔

جب میں خلیفہ ہوا اُس وقت ہمارے خزانہ میں صرف چودہ آنے کے پیسے تھے اور ۱۸ ہزار کا قرض تھا یہاں تک کہ میں نے اپنے زمانہ خلافت میں جو پہلا اشتہار لکھا اور جس کا عنوان تھا۔ ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے'' اُس کو چھپوانے کے لئے بھی میرے پاس کوئی روپیہ نہ تھا۔ اُس وقت ہمارے نانا جان کے پاس کچھ چندہ تھا جو انہوں نے ...... کے لئے لوگوں سے جمع کیا تھا انہوں نے اُس چندہ میں سے دو سَو روپیہ اس اشتہار کے چھپوانے کے لئے دیا اور کہا

کہ جب خزانہ میں روپیہ آنا شروع ہو جائے گا تو یہ دو سَو روپیہ ادا ہو جائے گا۔ غرض وہ روپیہ اُن سے قرض لے کر یہ اشتہار شائع کیا گیا۔ مگر اُس وقت جب جماعت کے سرکردہ لوگ میرے مخالف تھے، جب جماعت کے لیڈر میرے مخالف تھے، جب خزانہ خالی تھا، جب صرف چودہ آنے کے پیسے اس میں موجود تھے، جب اٹھارہ ہزار کا انجمن پر قرض تھا، جب انجمن کی اکثریت میری مخالف تھی، جب انجمن کا سیکرٹری میرا مخالف تھا، جب مدرسہ کا ہیڈ ماسٹر میرا مخالف تھا میرے یہ الفاظ ہیں جو میں نے خدا کے منشاء کے ماتحت اُس اشتہار میں شائع کئے کہ:

> ’’خدا چاہتا ہے کہ جماعت کا اتحاد میرے ہی ہاتھ پر ہو اور خدا کے اِس ارادہ کو اب کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کے لئے صرف دو ہی راہ کھلے ہیں یا تو وہ میری بیعت کر کے جماعت میں تفرقہ کرنے سے باز رہیں یا اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اُس پاک باغ کو جسے پاک لوگوں نے خون کے آنسوؤں سے سینچا تھا اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ جو کچھ ہو چکا ہو چکا مگر اب اِس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کا اتحاد ایک ہی طریق سے ہو سکتا ہے کہ جسے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے ورنہ ہر ایک شخص جو اُس کے خلاف چلے گا تفرقہ کا باعث ہوگا‘‘۔

پھر میں نے لکھا:

> ’’اگر سب دنیا مجھے مان لے تو میری خلافت بڑی نہیں ہو سکتی اور سب کے سب خدانخواستہ مجھے ترک کر دیں تو بھی خلافت میں فرق نہیں آ سکتا۔ جیسے نبی اکیلا بھی نبی ہوتا ہے اسی طرح خلیفہ اکیلا بھی خلیفہ ہوتا ہے۔ پس مبارک ہے وہ جو خدا کے فیصلہ کو قبول کرے۔ خدا تعالیٰ نے جو بوجھ مجھ پر رکھا ہے وہ بہت بڑا ہے اور اگر اُس کی مدد میرے شاملِ حال نہ ہو تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اُس پاک ذات پر یقین ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرے گی۔‘‘

غرض طرح طرح کی مخالفتیں ہوئیں سیاسی بھی اور مذہبی بھی، اندرونی بھی اور بیرونی بھی مگر خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں جماعت کو اَور زیادہ ترقی کی طرف لے جاؤں۔ چنانچہ یہ جماعت بڑھنی شروع ہوئی یہاں تک کہ آج دنیا کے کونے کونے میں یہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے پھیل چکی ہے۔ اسی شہر لاہور میں پہلے جماعت احمدیہ کے صرف چند افراد ہوا کرتے تھے مگر آج ہزاروں کی تعداد میں یہاں جماعت موجود ہے اسی طرح دنیا کے ہر گوشہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام اور...... کا پیغام میرے ذریعہ سے پہنچ چکا ہے اور وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے متعلق فرمائی تھی وہ میرے وجود میں بڑی شان سے پوری ہو چکی ہے۔ اس پیشگوئی میں اُنسٹھ باتیں بتائی گئی ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے متعلق اس وقت تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ صرف ایک دو باتیں میں بیان

کر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ جس طرح میرا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اسی طرح میرا بیٹا دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ دنیا کے کناروں کے لحاظ سے امریکہ ایک طرف ہے اور جاپان دوسری طرف۔ درمیان میں یورپ اور افریقہ کا علاقہ ہے۔ ہماری جماعت ایک غریب جماعت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے مطابق مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں دنیا کے مختلف ممالک میں احمدیہ مشن قائم کروں۔ چنانچہ اس وقت امریکہ میں احمدیہ مشن قائم ہے، انگلستان میں احمدیہ مشن قائم ہے، شمالی اور جنوبی افریقہ میں احمدیہ مشن قائم ہے، چین اور جاپان میں بھی احمدیہ مشن قائم کئے گئے تھے مگر جنگ کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے بند کر دیئے ہیں، سماٹرا اور جاوا میں احمدیہ مشن قائم ہیں، اسی طرح جرمنی میں اور ہنگری میں، ارجنٹائن میں، یوگوسلاویہ میں، البانیہ میں، پولینڈ میں، زیکوسلوا کیہ میں، سیرالیون میں، گولڈ کوسٹ میں، نائیجیریا میں، مصر میں، فلسطین میں، ماریشس میں، شام میں، روس میں، سٹریٹ سیٹلمنٹس☆ میں، ایران میں، کابل میں، ملایا میں اور دوسرے کئی ممالک میں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے احمدیت کا پیغام پہنچایا اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے کے متعلق فرمائی تھی کہ دنیا کے کناروں تک وہ...... اور احمدیت کا نام پہنچائے گا۔ یہ پیشگوئی جس نے شائع کی اُس کا اپنا نام اُس گاؤں کے رہنے والے بھی نہیں جانتے تھے جو اُس کا وطن تھا مگر اُس نے کہا نہ صرف میرا نام دنیا کے کونہ کونہ میں مشہور ہوگا بلکہ میرا ایک بیٹا ہوگا اور اُس کا نام بھی دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ یہ پیشگوئی جس شان کے ساتھ پوری ہو چکی ہے اس سے کوئی شخص جس کے دل میں سچائی اور دیانت کا ایک ذرہ بھر بھی مادہ ہو انکار نہیں کر سکتا۔

۱۸۸۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۸۶ء کے اشتہار کی مزید تشریح کرتے ہوئے ایک اشتہار شائع فرمایا تھا جو سبز رنگ کے کاغذوں پر شائع ہوا۔ ہماری جماعت میں اس اشتہار کا نام ہی ''سبز اشتہار'' مشہور ہے اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ مکان جس میں آپ نے چالیس روز اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جو اب ایک ہندو دوست کے قبضہ میں ہے اور جسے ہم ہوشیارپور میں دیکھ آئے ہیں اُس کا رنگ بھی سبز ہی ہے۔ گویا ۱۸۸۸ء کا اشتہار بھی سبز رنگ کے اوراق پر شائع ہوا اور اُس مکان کا رنگ بھی سبز ہی ہے جو اُس ہندو دوست کے قبضہ میں ہے۔ سیٹھ صاحب قادیان مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیونکر خیال آ گیا کہ اس مکان پر سبز رنگ کیا جائے کوئی اور رنگ نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہمارا کاروبار چونکہ بہت وسیع ہے (چنانچہ ایک ہسپتال انہوں نے بنایا ہوا ہے جس میں سینکڑوں مریضوں کو روزانہ مفت دوا دی جاتی ہے اسی طرح اُن کی ایک سرائے ہے) اس لئے جب یہ مکان بنا تو ایک کمپنی جس کا نام انہوں نے غالباً ڈیکو بتایا اُس کا ایجنٹ ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا ہماری فرم آپ کی کوٹھی پر مفت پینٹ کرنا چاہتی ہے بتایئے آپ کونسا روغن کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کوئی روغن کر دیں۔ اُس نے

☆ سٹریٹ سیٹلمنٹس (STRAITS SETTLEMENTS) ملایا میں برطانیہ کی سابق شاہی نوآبادی۔

روغنوں کی کاپی نکال کر میرے سامنے رکھ دی کہ ان میں سے کوئی سا روغن پسند کر لیں۔ اُس وقت بے اختیار میری اُنگلی سبز رنگ کی طرف اُٹھ گئی اور میں نے کہا کہ یہ رنگ ہماری کوٹھی پر کر دیں چنانچہ سبز رنگ کر دیا گیا اور وہ اشتہار بھی سبز رنگ کا ہی تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصلح موعود کی خبر کی مزید تشریح فرمائی تھی۔

بعض لوگ کہتے ہیں مصلح موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی آئندہ نسل سے تین چار سُو سال کے بعد آئے گا موجودہ زمانہ میں نہیں آ سکتا۔ مگر ان میں سے کوئی شخص خدا کا خوف نہیں کرتا کہ وہ پیشگوئی کے الفاظ کو دیکھے اور ان پر غور کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو لکھتے ہیں اس وقت ...... پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ...... اپنے اندر نشان نمائی کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام اعتراض کر رہا تھا کہ اگر ...... سچا ہے تو نشان دکھایا جائے اندر من اعتراض کر رہا تھا کہ اگر ...... سچا ہے تو نشان دکھایا جائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہیں اور کہتے ہیں اے خدا! تو ایسا نشان دکھا جو ان نشان طلب کرنے والوں کو ...... کا قائل کر دے، تو ایسا نشان دکھا جو اندر من مراد آبادی وغیرہ کو ...... کا قائل کر دے۔ اور یہ معترض ہمیں بتاتے ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی تو خدا نے آپ کو یہ خبر دی کہ آج سے تین سُو سال کے بعد ہم تمہیں ایک بیٹا عطا فرمائیں گے جو ...... کی صداقت کا نشان ہوگا۔ کیا دنیا میں کوئی بھی شخص ہے جو اس بات کو معقول قرار دے سکے؟ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص سخت پیاسا ہو اور کسی شخص کے دروازہ پر جائے اور کہے بھائی! مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے خدا کے لئے مجھے پانی پلاؤ اور وہ آگے سے یہ جواب دے کہ صاحب! آپ گھبرائیں نہیں میں نے امریکہ خط لکھا ہوا ہے وہاں سے اسی سال کے آخر تک ایک اعلیٰ درجہ کا ایسنس آ جائے گا اور اگلے سال آپ کو شربت بنا کر پلا دیا جائے گا۔ کوئی پاگل سے پاگل بھی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ کوئی پاگل سے پاگل بھی ایسی بات خدا اور اُس کے رسول کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ پنڈت لیکھرام، منشی اندر من مراد آبادی اور قادیان کے ہندو تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ...... کے متعلق یہ دعویٰ کہ اس کا خدا دنیا کو نشان دکھانے کی طاقت رکھتا ہے ایک جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ ہے اگر اس دعویٰ میں کوئی حقیقت ہے تو ہمیں نشان دکھایا جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خدا! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے رحمت کا نشان دکھا، تو مجھے قدرت اور قربت کا نشان عطا فرما۔ پس یہ نشان تو ایسے قریب ترین عرصہ میں ظاہر ہونا چاہئے تھا جبکہ وہ لوگ زندہ موجود ہوتے جنہوں نے یہ نشان طلب کیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں جب میری پیدائش اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت ہوئی تو وہ لوگ زندہ موجود تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے یہ نشان مانگا تھا پھر جوں جوں میں بڑھا اللہ تعالیٰ کے نشانات زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتے چلے گئے۔ بچپن میں میری صحت نہایت کمزور تھی پہلے کالی کھانسی ہوئی اور پھر میری صحت ایسی گر گئی کہ گیارہ بارہ سال کی عمر تک میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہا اور عام طور پر یہی سمجھا جاتا رہا کہ میری زیادہ لمبی عمر نہیں ہو سکتی۔ اسی دَوران میں میری آنکھیں دُکھنے آ گئیں اور اس قدر

دُکھیں کہ میری ایک آنکھ قریباً ماری گئی۔ چنانچہ اس میں سے مجھے بہت کم نظر آتا ہے۔ پھر جب میں اور بڑا ہوا تو متواتر چھ سات ماہ تک مجھے بخار آتا رہا۔ اور سل اور دق کا مریض مجھے قرار دے دیا گیا۔ ان وجوہ سے میں باقاعدہ پڑھائی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ لاہور کے ہی ماسٹر فقیر اللہ صاحب جن کی مسلم ٹاؤن میں کوٹھی ہے ہمارے سکول میں حساب پڑھایا کرتے تھے۔ اُنہوں نے ایک دفعہ میرے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس شکایت کی کہ پڑھنے نہیں آتا اور اکثر غائب رہتا ہے۔ میں ڈرا کہ شاید حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ناراض ہوں گے مگر آپ فرمانے لگے ماسٹر صاحب! اس کی صحت کمزور رہتی ہے ہم اتنا ہی شکر کرتے ہیں کہ یہ کبھی کبھی مدرسہ میں چلا جاتا ہے اور کوئی بات اس کے کانوں میں پڑجاتی ہے زیادہ زور اس پر نہ دیں۔ بلکہ مجھے یاد ہے آپ نے یہ بھی فرمایا ہم نے حساب سکھا کر اسے کیا کرنا ہے۔ کیا ہم نے اس سے کوئی دُکان کرانی ہے۔ قرآن اور حدیث پڑھ لے گا تو کافی ہے۔ غرض میری صحت ایسی کمزور تھی کہ دنیا کے علم پڑھنے کے میں بالکل ناقابل تھا میری نظر بھی کمزور تھی مَیں پرائمری مڈل اور انٹرنس کے امتحان میں فیل ہوا ہوں کسی امتحان میں پاس نہیں ہوا۔ مگر خدا نے میرے متعلق خبر دی تھی کہ میں علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جاؤں گا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ دُنیوی علوم میں سے کوئی علم میں نے نہیں پڑھا اللہ تعالیٰ نے ایسی عظیم الشان علمی کتابیں میرے قلم سے لکھوائیں کہ دنیا ان کو پڑھ کر حیران ہے اور وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس سے بڑھ کر...... مسائل کے متعلق اور کچھ نہیں لکھا جاسکتا۔ ابھی تفسیر کبیر کے نام سے میں نے قرآن کریم کی تفسیر کا ایک حصہ لکھا ہے اسے پڑھ کر بڑے بڑے مخالفوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس جیسی آج تک کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ پھر ہمیشہ میں لاہور میں آتا رہتا ہوں اور یہاں کے رہنے والے جانتے ہیں کہ مجھ سے کالجوں کے پروفیسر ملنے آتے ہیں، سٹوڈنٹس ملنے آتے ہیں، ڈاکٹر ملنے آتے ہیں، مشہور لیڈر اور وکیل ملنے آتے ہیں مگر آج تک ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بڑے سے بڑے مشہور عالم نے میرے سامنے...... اور قرآن پر کوئی اعتراض کیا ہو اور میں نے ...... اور قرآن کی تعلیم کی روشنی میں ہی اُسے ساکت اور لاجواب نہ کردیا ہو اور اسے یہ تسلیم نہ کرنا پڑا ہو کہ واقعہ میں ...... کی تعلیم پر کوئی حقیقی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو میرے شامل حال ہے ورنہ میں نے دُنیوی علوم کے لحاظ سے کوئی علم نہیں سیکھا لیکن میں اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ خدا نے مجھے اپنے پاس سے علم دیا اور خود مجھے ہر قسم کے ظاہری اور باطنی علوم سے حصہ عطا فرمایا۔

مَیں ابھی بچہ ہی تھا کہ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک گھنٹی بجی ہے اور اُس میں سے ٹن کی آواز پیدا ہوئی ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک تصویر کے فریم کی صورت اختیار کر گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ اُس فریم میں ایک تصویر نمودار ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تصویر ہلنی شروع ہوئی اور پھر یکدم اُس میں سے کود کر ایک وجود میرے سامنے آ گیا اور اُس نے کہا میں خدا کا فرشتہ ہوں اور تمہیں قرآن کریم کی تفسیر سکھانے کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا سکھاؤ۔ تب اُس نے

سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی شروع کردی وہ سکھاتا گیا، سکھاتا گیا اور سکھاتا گیا یہاں تک کہ جب وہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (الفاتحہ:۵) تک پہنچا تو کہنے لگا آج تک جتنے مفسر گزرے ہیں اُن سب نے صرف اس آیت تک تفسیر لکھی ہے لیکن میں تمہیں اس کے آگے بھی تفسیر سکھاتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے ساری سورۃ فاتحہ کی تفسیر مجھے سکھادی۔

اس رؤیا کے معنی درحقیقت یہی تھے کہ علمِ قرآن کا ملکہ میرے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ ملکہ میرے اندر اس قدر ہے کہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں اور جس مجلس میں چاہو میں یہ دعویٰ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ سورۃ فاتحہ سے ہی میں تمام اسلامی علوم بیان کرسکتا ہوں۔

میں ابھی چھوٹا ہی تھا سکول میں پڑھا کرتا تھا کہ ہمارے سکول کی فٹ بال ٹیم امرتسر کے خالصہ کالج کی ٹیم سے کھیلنے کے لئے گئی۔ مقابلہ ہوا اور ہماری ٹیم جیت گئی۔ اس پر باوجود اُس مخالفت کے جو مسلمان ہماری جماعت کے ساتھ رکھتے ہیں چونکہ ایک رنگ میں مسلمانوں کی عزت افزائی ہوئی تھی اس لئے امرتسر کے ایک رئیس نے ہماری ٹیم کو چائے کی دعوت دی۔ جب ہم وہاں گئے تو مجھے تقریر کرنے کے لئے کھڑا کردیا گیا۔ میں نے اس تقریر کے لئے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ جب مجھے کھڑا کیا گیا تو معاً مجھے یہ رؤیا یاد آ گیا اور میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خدا! تیرا فرشتہ مجھے خواب میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھا گیا تھا۔ آج میں اس بات کا امتحان لینا چاہتا ہوں کہ یہ خواب تیری طرف سے تھا یا میرے نفس کا دھوکا تھا۔ اگر یہ خواب تیری طرف سے تھا تو مجھے سورہ فاتحہ کا ہی آج کوئی ایسا نکتہ بتا جو اس سے پہلے دنیا کے کسی مفسر نے بیان نہ کیا ہو۔ چنانچہ اس دعا کے معاً بعد خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ایک نکتہ ڈالا اور میں نے کہا دیکھو! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی ہے کہ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ (الفاتحہ:۷) اے مسلمانو! تم پانچ نمازوں میں اور اپنی نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کیا کرو کہ ہم مَغۡضُوۡبِ اور ضالّ نہ بن جائیں۔ مَغۡضُوۡبِ کے معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں میں خود بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں مَغۡضُوۡبِ کے معنی ہیں اَلْیَھُوْد اور ضالّ کے معنی ہیں نصاریٰ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن۔ باب ومن سورۃ فاتحۃ الکتاب) پس غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ سے مراد یہ تھا کہ الٰہی! ہم یہودی نہ بن جائیں اور وَلَا الضَّآلِّیۡنَ سے مراد یہ تھا کہ ہم نصاریٰ نہ بن جائیں۔ اس امر کی مزید وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس اُمت میں ایک مسیح آئے گا۔ پس جو لوگ اُس کا انکار کریں گے وہ لازماً یہود صفت بن جائیں گے۔ دوسری طرف آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عیسائیت کا فتنہ ایک زمانہ میں خاص طور پر بڑھ جائے گا لوگ روٹی کے لئے، ملازمت کے لئے، سوسائٹی میں عزت حاصل کرنے کے لئے عیسائیت اختیار کرلیں گے یا دھوکا کھا کر اور اپنے مذہب کی تعلیم کو نہ سمجھ کر عیسائیت قبول کرلیں گے۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن۔ باب ومن سورۃ فاتحۃ الکتاب) مگر یہ عجیب بات ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اور اُس

وقت نہ عیسائی اسلام کے زیادہ مخالف تھے اور نہ یہودی اسلام کے زیادہ مخالف تھے۔ اُس وقت سب سے زیادہ مخالفت مکہ کے بُت پرستوں کی طرف سے کی جاتی تھی۔ مگر دعا یہ نہیں سکھائی گئی کہ الٰہی! ہم بُت پرست نہ بن جائیں بلکہ دعا یہ سکھائی گئی ہے کہ الٰہی! ہم یہودی یا نصاریٰ نہ بن جائیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی فرمادی تھی کہ مکہ کے بُت پرست ہمیشہ کے لئے مٹا دیئے جائیں گے اور اُن کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔ پس اس بات کی ضرورت ہی نہیں کہ ان کے متعلق مسلمانوں کو کوئی دعا سکھائی جائے ہاں یہودیت اور عیسائیت یا دونوں باقی رہیں گے اور تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ ان کے فتنہ سے بچنے کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتے رہو۔ جب میری یہ تقریر ہو چکی تو بعد میں بڑے بڑے رؤسا مجھے ملے اور کہنے لگے آپ نے قرآن خوب پڑھا ہوا ہے۔ ہم نے تو اپنی ساری عمر میں یہ نکتہ پہلی دفعہ سنا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہی ہے ساری تفسیروں کو دیکھ لو کسی مفسر قرآن نے آج تک یہ نکتہ بیان نہیں کیا۔ حالانکہ میری عمر اُس وقت بیس سال کی تھی جب اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ مجھ پر کھولا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ مجھے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا ہے اور میرے اندر اُس نے ایسا ملکہ پیدا کر دیا ہے جس طرح کسی کو خزانہ کی کنجی مل جاتی ہے اسی طرح مجھے قرآن کریم کے علوم کی کنجی مل چکی ہے۔ دنیا کا کوئی عالم نہیں جو میرے سامنے آئے اور میں قرآن کریم کی افضلیت اُس پر ظاہر نہ کر سکوں۔ یہ لاہور شہر ہے یہاں یونیورسٹی موجود ہے، کئی کالج یہاں کھلے ہوئے ہیں، بڑے بڑے علوم کے ماہر اس جگہ پائے جاتے ہیں میں ان سب سے کہتا ہوں دنیا کے کسی علم کا ماہر میرے سامنے آجائے، دنیا کا کوئی پروفیسر میرے سامنے آجائے، دنیا کا کوئی سائنسدان میرے سامنے آجائے اور وہ اپنے علوم کے ذریعہ قرآن کریم پر حملہ کر کے دیکھ لے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُسے ایسا جواب دے سکتا ہوں کہ دنیا تسلیم کرے گی کہ اُس کے اعتراض کا رد ہو گیا اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میں خدا کے کلام سے ہی اُس کو جواب دوں گا اور قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ سے ہی اس کے اعتراضات کو رد کر کے دکھا دوں گا۔

دوسری پیشگوئی میرے متعلق یہ کی گئی تھی کہ اس پر خدا کا کلام نازل ہوگا۔ یہ پیشگوئی بھی میری ذات میں پوری ہوئی اور خدا تعالیٰ نے سینکڑوں مرتبہ غیب کی باتیں مجھ پر ظاہر کیں۔ مَیں اس وقت صرف دو تازہ مثالیں دے دیتا ہوں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے کلام سے نوازا اور غیب کی خبریں مجھ پر ظاہر فرمائی۔ ۱۹۳۹ء کی بات ہے میں اُس وقت دھرم سالہ میں تھا اور خبریں یہ آ رہی تھیں کہ انگریزوں اور جرمنی میں لڑائی چھڑنے والی ہے۔ اُنہی دنوں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوں اور ایک فرشتہ میرے سامنے انگلستان اور فرانس کی حکومتوں کی باہمی خط و کتابت پیش کر رہا ہے وہ کاغذات میرے سامنے پیش کرتا چلا جاتا ہے اور میں ان کاغذات کو پڑھ کر اُسے واپس دیتا چلا جاتا ہوں گویا فائل میں سے وہ ایک ایک کاغذ نکالتا اور میرے سامنے پیش کرتا ہے اور میں پڑھنے کے بعد اُسے واپس دے دیتا ہوں۔ اسی دَوران میں اُس نے ایک کاغذ میرے سامنے پیش کیا اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک خط ہے جو

انگلستان کے وزیر اعظم نے فرانسیسی حکومت کی طرف لکھا ہے اور اُس کا مضمون یہ ہے کہ جنگ کی حالت ایسی خطرناک ہوگئی ہے کہ آج ہمارا ملک دشمن کے ہاتھوں میں چلے جانے کے خطرہ میں ہے۔ میں اس نہایت ہی نازک حالت میں فرانس کو پیشکش کرتا ہوں کہ فرانسیسی اور انگریزی دونوں حکومتوں کا الحاق کر دیا جائے اس طور پر کہ شہریت کے حقوق مشترک ہو جائیں یعنی حکومت ایک ہو، پارلیمنٹیں ملا دی جائیں۔ خوراک کے ذخائر اور خزانہ بھی ایک ہی سمجھا جائے۔ یہ چٹھی پڑھ کر خواب میں مَیں سخت گھبرا گیا کہ کیا انگلستان کی ایسی حالت ہونے والی ہے کہ وہ فرانس کو یہ آفر (OFFER) پیش کرے گا کہ ہماری اور تمہاری دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور شہریت کے حقوق مشترک کر دیئے جائیں۔ جب مَیں گھبراتا ہوں تو فرشتہ مجھے کہتا ہے یہ چھ ماہ پہلے کی بات ہے یعنی چھ مہینہ کے بعد حالت بدل جائے گی اور انگلستان کی کمزوری کی یہ حالت جاتی رہے گی۔ مَیں نے یہ رؤیا اُسی وقت دوستوں کو سنا دی تھی۔ چنانچہ اس رؤیا کے عین مطابق بعد میں واقعات رونما ہوئے۔ اس رؤیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باتیں بتائی گئی تھیں وہ یہ تھیں۔

اوّل۔ جرمنی اور انگریزوں کی لڑائی ہوگی۔

دوم۔ انگلستان اور فرانس ایک طرف ہوں گے۔ یہ تو سب لوگ کہتے ہی تھے جہاں سے پیشگوئی کا حصہ شروع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس جنگ میں انگلستان پر ایک ایسا نازک وقت آئے گا جب انگریزی حکومت فرانسیسی حکومت سے درخواست کرے گی کہ انگریزی اور فرانسیسی گورنمنٹ کو ایک کر دیا جائے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں یہاں پر بڑے بڑے پروفیسر موجود ہیں، تاریخ دان بیٹھے ہوئے ہیں، میں ان سب سے کہتا ہوں کہ دنیا کے کسی ملک کی تاریخ نکال کر دیکھ لو تمہیں کہیں یہ مثال نہیں ملے گی کہ دو زبردست حکومتوں میں سے جب ایک کو خطرہ محسوس ہوا ہو تو اُس نے دوسری حکومت سے یہ کہا ہو کہ آؤ ہم تم دونوں ایک ہو جائیں۔ کوئی انسانی دماغ ایسی بات نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ انسانی دماغ وہی بات کہہ سکتا ہے جس کی مثالیں پہلے ملتی ہوں مگر میں نے بتایا ہے چھ سات ہزار سال کی تاریخ موجود ہے۔ امریکہ کی تاریخ لے لو، انگلستان کی تاریخ لے لو، ہندوستان کی تاریخ لے لو، ایران، مصر اور عرب کی تاریخ لے لو، چین اور جاپان کی تاریخ لے لو، دنیا کی کسی تاریخ میں سات ہزار سال کے لمبے عرصہ میں تمہیں یہ مثال نہیں ملے گی کہ دو زبردست حکومتوں میں سے ایک نے دوسری کو یہ پیشکش کی ہو کہ آؤ اس موقع پر ہم دونوں ایک ہو جائیں اور دونوں حکومتوں کو باہم ملا دیا جائے۔ مگر سب لوگ جانتے ہیں ۱۹۴۰ء میں جب فرانسیسی حکومت کو شکست ہوئی تو اُس وقت برطانیہ نے خیال کیا کہ اگر فرانس صلح نہ کرے تو اس وقت تک کچھ نہ کچھ مزاحمت اس کی طرف سے جاری رہے گی اس کے جہاز بھی لڑتے رہیں گے اور اس کی نوآبادیاں بھی کسی نہ کسی صورت میں جنگ جاری رکھیں گی لیکن اگر اس نے صلح کر لی تو جرمنی کا سارا زور ہم پر آپڑے گا۔ چنانچہ اُس وقت حکومت برطانیہ نے وہ کام کیا جس کی نظیر آج تک دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی اور انگلستان کے وزیر اعظم نے فرانسیسی حکومت کو تار دیا کہ دونوں ملکوں کی حکومت ایک کر دی جائے۔ پس وہ الفاظ

جو آج سے پہلے دنیا کی تاریخ میں کبھی سُنے نہیں گئے تھے خدا نے مجھے بتائے اور وہی الفاظ انگلستان کے وزیر اعظم نے فرانسیسی حکومت کو لکھ کر بھیج دیئے۔ پھر اس رؤیا میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ چھ ماہ کے بعد یہ حالت بدل جائے گی۔ چنانچہ جب رؤیا کا ایک حصہ پورا ہوگیا تو ہماری جماعت کے دلوں میں ایک جوش پیدا ہوا اور اُنہوں نے چھ ماہ کے بعد انگریزوں کی حالت بدل جانے کی خبر کثرت سے لوگوں میں پھیلانی شروع کر دی۔ چنانچہ یہ بات لوگوں میں خوب پھیل گئی بلکہ بعض لوگوں نے تو اپنے گھروں میں یہ خبر لکھ کر لٹکا لی۔ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے بھی یہ رؤیا بہت سے انگریز حُکام تک پہنچا دی کہ چھٹے مہینہ تک انگریزوں کی حالت بدل جائے گی۔ چنانچہ ایک دفعہ لارڈ لنلتھگو[1] وائسرائے ہند نے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب سے کہا کہ ظفر اللہ خاں! کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری یہ حالت کبھی درست ہو سکے گی؟ اس پر چوہدری صاحب نے کہا یقیناً ۱۵ردسمبر کو یہ حالت بدل جائے گی (کیونکہ برطانیہ نے دونوں حکومتوں کے الحاق کی پیشکش ۱۵رجون ۱۹۴۰ء کو کی تھی) چنانچہ عین چھٹے مہینے اٹلی کی فوجوں کو مصر میں شکست ہونی شروع ہوئی اور حالاتِ جنگ میں یہ پہلی تبدیلی اتحادیوں کی فتح کا پیش خیمہ بن گئی۔

دوسری رؤیا جس کے کئی انگریز بھی گواہ ہیں اور ہندوستانی بھی۔ وہ بھی ایسی ہی ہے جس کا کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا۔ میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ میں انگلستان میں ہوں اور مجھے کہا گیا ہے کہ کیا آپ ہمارے ملک کو دشمن کے حملہ سے بچا سکتے ہیں۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ مجھے جنگی سامانوں اور اپنے کارخانوں کا معائنہ کرنے دو۔ اس کے بعد میں اپنی رائے کا اظہار کر سکوں گا۔ چنانچہ میں نے انگریزوں کے جنگی سامان کا معائنہ کیا اور میں نے کہا اور تو سب کچھ ٹھیک ہے صرف ہوائی جہاز کم ہیں۔ اگر ہوائی جہاز مل جائیں تو انگلستان کو فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ انگریزوں کے پاس صرف ہوائی جہازوں کی کمی ہے اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو انہیں فتح حاصل ہو سکتی ہے تو یکدم رؤیا کی حالت میں مَیں نے دیکھا کہ امریکہ سے تار آیا ہے جس میں لکھا ہے:

The British Representative from America wires that the American Government has delivered 2800 aeroplanes to the British Government.

یعنی امریکن گورنمنٹ نے ۲۸سو ہوائی جہاز بھجوا دیئے ہیں۔ جب یہ تار آتا ہے تو میں نے کہا اب میں انگلستان کی حفاظت کا کام آسانی سے سرانجام دے سکوں گا۔ یہ رؤیا مجھے ستمبر ۱۹۴۰ء میں آئی۔ دوسرے تیسرے دن چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب قادیان آئے اور میں نے اُن سے اس رؤیا کا ذکر کیا انہوں نے کئی انگریز حُکام کو اس رؤیا کی خبر دے دی۔ یہاں تک سر کلو جو کہ اُس وقت ریلوے ممبر تھے اور بعد میں آسام کے گورنر مقرر ہوئے اُن سے بھی اس کا ذکر کر دیا۔ اسی طرح سر راما سوامی مدلیار اور دوسرے معزز لوگوں سے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کہہ دیا کہ امام

جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ حکومت امریکہ ۲۸ سو ہوائی جہاز برطانیہ کی مدد کیلئے بھجوائے گی۔ دیکھو! قیاس سے انسان یہ تو کہہ سکتا ہے کہ امریکہ انگلستان کی مدد کرے گا۔ قیاس سے انسان یہ بھی کہہ سکتا ہے شاید امریکہ ہوائی جہاز بھجوا دے مگر مسٹر چرچل بھی قیاس سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ امریکہ ۲۸ سو ہوائی جہاز بھجوائے گا اور نہ دنیا کا کوئی انسان محض عقل سے کام لے کر یہ تعداد معین کر سکتا تھا۔ مگر اس رؤیا کے تیسرے مہینے ہی مَیں ایک...... میں بیٹھا تھا اور دوستوں سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک شخص دَوڑا دَوڑا آیا اور کہنے لگا آپ کے کمرے کا دروازہ بند ہے اور اندر ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی ہے معلوم ہوتا ہے کوئی ضروری فون آیا ہے۔ مَیں گیا اور ریسیور اُٹھا کر مرکز سے میں نے دریافت کیا کہ مجھے کون فون کر رہا تھا؟ ہمارا ٹیلیفون کا مرکز امرتسر ہے وہاں سے جواب آیا کہ دہلی سے آپ کی طرف فون آیا ہے۔ میں نے کہا میں آ گیا ہوں دہلی سے کنکشن کر دو۔ تھوڑی دیر کے بعد سر ظفر اللہ خان صاحب کی آواز آئی جو کانپ رہی تھی کہ مبارک ہو۔ میں نے کہا خیر مبارک مگر مجھے پتہ نہیں لگ سکا کہ یہ کیسی مبارک ہے۔ انہوں نے کہا آپ کو یاد ہے آپ نے مجھے ایک رؤیا سنایا تھا کہ امریکہ سے تار آئی ہے کہ اُس نے برطانیہ کی مدد کے لئے ۲۸ سو ہوائی جہاز بھجوائے ہیں۔ میں نے کہا مجھے خوب یاد ہے۔ وہ کہنے لگے مبارک ہو اس وقت تار میرے سامنے پڑی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

The British Representative from America wires that the American Government has delivered 2800 aeroplanes to the British Government.

پھر انہوں نے کہا کہ جس وقت یہ تار مجھے ملی میں نے اُسی وقت اُن سرکاری حُکّام کو فون کیا جن کو میں نے یہ خواب بتائی ہوئی تھی اور اُن سب کو یاد دلایا کہ دیکھو! امام جماعت احمدیہ کی جو خواب میں نے تم کو بتائی تھی وہ آج کس شان کے ساتھ پوری ہوگئی۔ اُنہوں نے بتایا کہ میں نے سر کلو کو بھی فون کیا کہ تم کو معلوم ہے کہ امام جماعت احمدیہ کی میں نے تمہیں ایک خواب بتائی تھی؟ بعض دفعہ خدا تعالیٰ انسان سے غلطی کرا دیتا ہے تا کہ اُس پر زیادہ حُجت ہو۔ سر کلو کہنے لگے ظفر اللہ خاں! تار تو آئی ہے مگر جہازوں کی جتنی تعداد تم نے بتائی تھی اُتنی تعداد کا تار میں ذکر نہیں۔ ظفر اللہ خاں کہتے ہیں مَیں نے کہا تمہیں کیا یاد ہے؟ وہ کہنے لگے تم نے تو ۲۸ سو ہوائی جہازوں کا ذکر کیا تھا اور تار میں ۲۵ سو ہوائی جہاز بھجوانے کا ذکر ہے انہوں نے جلدی سے ۲۸ سو کو ۲۵ سو پڑھ لیا۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کہنے لگے تمہارے پاس تار ہے وہ کہنے لگے ہاں میرے سامنے ہی پڑی ہے چوہدری صاحب کہنے لگے اِسے پھر پڑھو۔ سر کلو نے دوبارہ تار پڑھی تو کہنے لگے۔ اوہو! ظفر اللہ خاں یہ تو ۲۸ سو ہوائی جہازوں کا ہی ذکر ہے۔

یہ دو مثالیں میں نے اس امر کی بیان کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کس طرح اپنے غیب کا اظہار کیا۔ ابھی میری

ایک بیوی (اُمِّ طاہر) فوت ہوئی ہیں وہ میری نہایت پیاری بیوی تھیں سلسلہ کے کام میں ہمیشہ میرے ساتھ تعاون کرنے والی تھیں۔ ۲۳ سال میرے ساتھ رہیں۔ ان کی وفات سے بارہ سال پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی تھی کہ ان کا آپریشن ہوگا اور پھر ان کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ اسی طرح مجھے بتایا گیا تھا کہ جب وہ فوت ہوں گی تو دو عورتیں ان کے پاس ہوں گی۔ وہ جب تک بیمار رہیں ہمیشہ ایک عورت خدمت کے لئے ان کے پاس موجود رہی مگر وفات سے چار پانچ دن پہلے اُنہوں نے اصرار کر کے ایک اور عورت کو بُلوایا۔ اور جب ان کی وفات ہوئی تو ایک عورت ان کے دائیں طرف بیٹھی تھی اور دوسری بائیں طرف۔ غرض اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں مرتبہ مجھے اپنے غیب سے اطلاع دی ہے اور اس طرح وہ پیشگوئی پوری ہوگئی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ میرا ایک بیٹا ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا۔ لوگوں نے کہا کہ مرزا صاحب جھوٹ بولتے ہیں، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے مگر درحقیقت خدا ان سے ہمکلام نہیں ہوتا۔ تب خدا نے یہ عظیم الشان نشان ان کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا تا لوگوں پر ظاہر کرے کہ ان کا خدا سے تعلق ہے اور خدا اپنے اسرار ان پر ظاہر فرماتا ہے۔

دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ میرے ہاں ضرور بیٹا پیدا ہوگا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک جماعت کا امام بنے گا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کا کلام اُس پر نازل ہوگا۔ یقیناً کوئی انسان ایسی باتیں اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا اور نہ کسی انسان کی طاقت اور قدرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ان باتوں کو پورا کر سکے۔ پس یہ نشانات جو میرے ذریعہ سے ظاہر ہوئے انہوں نے روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے مسیح نے جو خبر دی تھی وہ سچی ثابت ہوئی۔

پس اے لوگو! مَیں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تم سب سے کہتا ہوں کہ **اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا** ۔ ہم نے خدا کے مامور کو آواز دیتے سنا اور ہم اس پر ایمان لائے اور ہم آپ لوگوں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس امر پر غور کریں گے، آپ اپنی جانوں پر رحم کریں، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں پر رحم کریں، اپنی نسلوں پر رحم کریں اور خدا تعالیٰ کے مامور کو قبول کر کے اپنی عاقبت کو درست کرلیں۔ یقیناً جو لوگ خدا تعالیٰ کے مامور کو قبول کریں گے، خدا تعالیٰ اُن کے گھروں کو اپنی برکتوں سے بھر دے گا۔ مگر وہ جو خدا تعالیٰ کے مامور کو ردّ کر دیں گے اُن پر اُس کی برکتوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور ایسے وجود انتہائی طور پر بدقسمت ہوں گے۔ خدا نہ کرے آپ اُن بدقسمت لوگوں میں سے ہوں اور خدا تعالیٰ کے مامور کو ردّ کر کے اُس کی رحمت کے دروازوں کو بند کرنے والے ہوں۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ آپ لوگوں کے دلوں کو کھول دے۔ حق آپ پر واضح کر دے اور محمدی فوج میں آپ سب کو داخل کر دے تا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبعین میں شامل ہو کر آپ دنیا میں

امن اور انصاف قائم کرنے کا موجب ہوں۔ روحانیت کی ترقی ہو، تقویٰ کا قیام ہو اور سب لوگ قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملا کر دنیا کے ہر ملک اور دنیا کے ہر گوشہ میں خدا تعالیٰ کے انوار کو پھیلا دیں۔

ہم نہ مسلمانوں کے دشمن ہیں نہ عیسائیوں، ہندوؤں اور یہودیوں کے دشمن ہیں بلکہ ہم سب کے دوست اور خیر خواہ ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے کانوں تک اپنی آواز پہنچائیں۔ مَیں حیران ہوں کہ لوگ ہم سے کیوں دشمنی کرتے ہیں۔ جب ہم مانتے ہیں کہ وہ ایک غلط راستہ پر ہیں تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم دوسروں کو صحیح راستہ پر لائیں اور غلط راستہ پر چلنے سے انہیں روکیں۔ مان لو کہ ہم غلطی پر ہیں مگر بہر حال جب ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے لوگ ایک ایسے راستہ پر چل رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم لوگوں کو سمجھائیں اور انہیں صحیح راستہ پر چلائیں؟ اگر ایک شخص کنوئیں میں گر رہا ہو تو کیا دوسرے کا فرض نہیں ہوتا کہ وہ اُس کو بچانے کی کوشش کرے۔ ہم جب سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے آخری شرعی رسول ہیں، جب ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن اُس کا آخری شرعی کلام ہے، جب ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام خدا کا نور ہے اور اُس کی برکتیں اُنہی لوگوں کو مل سکتی ہیں جو اُس کے احکام پر عمل کریں تو پھر ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم دوسروں کو تبلیغ کریں اور انہیں سمجھائیں کہ صحیح راستہ کون سا ہے اور غلط راستہ کونسا۔ پس اگر ہماری جماعت کے افراد آپ لوگوں کے پاس تبلیغ کے لئے آتے ہیں تو آپ کو ہماری ہمدردی اور ہمارے جذبۂ اخوت کی قدر کرنی چاہئے کہ ہم تکلیف اُٹھا کر اور اپنے وقت کی قربانی کر کے آپ لوگوں کے پاس آتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کو ہماری باتوں پر یقین نہیں آتا تب بھی آپ کا فرض ہے کہ ہماری قدر کریں اور ہمارے جذباتِ اخلاص اور محبت کو اُسی نگاہ سے دیکھیں جس نگاہ کے یہ مستحق ہیں۔

اَب ہماری جماعت کے وہ مبلغ جو اس وقت یہاں موجود ہیں آپ لوگوں کو بتائیں گے کہ کس طرح میرے زمانہ میں ...... کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو آپ نے اپنے بیٹے کے متعلق فرمائی تھی کہ اُس کے زمانہ میں سلسلہ کا نام دنیا کے کناروں تک پھیلے گا۔ بعض مبلغ اس وقت جنگ کی وجہ سے بیرونی ممالک میں قید ہیں اس لئے اُن کی جگہ بعض دوسرے دوست مختصر طور پر سلسلہ کے حالات بیان کریں گے۔

(اس پر بعض مبلغین سلسلہ نے بتایا کہ مصلح موعود کے مبارک دَور میں کس طرح ...... اور احمدیت کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچا۔ آخر میں حضور نے فرمایا۔)

ابھی بہت سے تبلیغی مشنوں کی رپورٹیں باقی ہیں۔ چنانچہ چین مشن، جاپان مشن، ساٹرا مشن، جاوا مشن، ملایا مشن، سٹریٹ سیٹلمینٹس، بورنیو مشن، سورابایا مشن، ایران مشن، کابل مشن اور اسی طرح بعض دوسرے تبلیغی مشنوں کے حالات سنانے باقی ہیں۔ مگر چونکہ بہت سے لوگوں نے ساڑھے چھ بجے کی گاڑی سے واپس جانا ہے اس لئے ان مشنوں کی

تبلیغی رپورٹیں ملتوی کر دی گئی ہیں اور اس کی بجائے میں نے صرف اِن مشنوں کے نام سنا دیئے ہیں۔خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں ان تمام ممالک میں ......اور احمدیت کی تبلیغ کے لئے مشن قائم کروں۔ چنانچہ ایران میں احمدیہ مشن قائم ہوا، چین میں احمدیہ مشن قائم ہوا، جاپان میں احمدیہ مشن قائم ہوا، سماٹرا میں احمدیہ مشن قائم ہوا، جاوا میں احمدیہ مشن قائم ہوا، ملایا میں احمدیہ مشن قائم ہوا، سٹریٹ سیٹلمینٹس میں احمدیہ مشن قائم ہوا۔ بورنیو میں احمدیہ مشن قائم ہوا اور اسی طرح ہر اُس ملک میں احمدیہ مشن قائم ہوا جس کے حالات ابھی مختصر طور پر آپ لوگوں کے سامنے بیان کئے گئے ہیں۔خدا تعالیٰ کے فضل سے ان ممالک میں ......کی تبلیغ ایسے رنگ میں ہوئی ہے کہ ہزارہا لوگ جو......کی ترقی اور اس کی اشاعت سے مایوس ہو چکے تھے اُن کے دلوں میں پھر یہ اُمید پیدا ہوگئی ہے کہ......دنیا میں پھیل کر رہے گا اور دنیا کا کوئی مذہب اس پر غالب نہیں آ سکتا۔بعض ممالک میں ہمارے مبلغین پر بڑی سختی بھی کی گئی مگر ایک ملک بھی ایسا نہیں جہاں ہمارے مبلغین سے بُرا سلوک کیا گیا ہو اور خدا نے اُسے سزا دیئے بغیر چھوڑا ہو۔ پولینڈ میں جب مَیں نے اپنے مبلّغ کو بھیجا اور اُس نے عیسائیت کے مقابلہ میں......کو ترقی دینی شروع کی تو وہاں کی حکومت کو فکر پڑ گئی کہ ایسا نہ ہو یہاں کے مسلمان منظّم ہو جائیں اور عیسائیت کے لئے ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے۔ وہاں صدیوں سے مسلمان رہتے ہیں مگر بالکل کسمپرسی اور بے کسی کی حالت میں۔ جب ہمارا مبلّغ گیا اور اُس نے تبلیغ کی اور......کی صداقت ثابت کرنی شروع کی تو حکومت نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو مسلمان منظّم ہو جائیں اور وہ ہمارے خلاف کھڑے ہو جائیں چنانچہ اُس نے راتوں رات ہمارے مبلّغ کو پکڑا اور اُسے اپنے ملک سے نکال کر زیکوسلوا کیہ کی سرحد پر لا کر چھوڑ دیا۔اُس نے خیال کیا کہ وہ احمدیت کو اس طرح مٹا سکے گی وہ......کو پولینڈ میں پھیلنے سے روک سکے گی مگر خدا نے اُس حکومت سے بدلہ لیا۔ ہٹلر نے اس ملک پر فوج کشی کی اور راتوں رات وہاں کی حکومت اپنے ملک کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اور اس طرح خدا نے بتا دیا کہ......کا خدا ایک زندہ خدا ہے۔

دوسرا ملک جہاں ہمارے مبلّغ پر سختی کی گئی البانیہ ہے۔شاہ زغو کی حکومت نے بھی سختی سے ہمارے مبلّغ کا مقابلہ کیا اور اُسے اپنے ملک سے نکال دیا۔مگر پھر وہی بادشاہ جس نے ہمارے مبلّغ کو نکالا تھا تاج وتخت سے محروم کر دیا گیا اور اُسے اپنے ملک سے بھاگنا پڑا۔

تیسری حکومت جس نے ہمارے مبلغین سے سختی کی افغانستان کی حکومت ہے۔امیر امان اللہ خان نے اعلان کیا کہ ان کے ملک میں تبلیغ کی اجازت ہے بلکہ محمود طرزی صاحب سابق وزیر خارجہ حکومت افغانستان نے ہمیں خود لکھا کہ آپ اپنے مبلّغ اس علاقہ میں بھجوا دیں انہیں تبلیغ کی مکمل آزادی ہوگی مگر جب میں نے اپنے مبلّغ بھجوائے تو حکومت افغانستان نے مُلّانوں کے شور سے مرعوب ہو کر ہمارے چار آدمی یکے بعد دیگرے سنگسار کر دیئے تب خدا نے اس حکومت سے بھی بدلہ لیا اور امان اللہ خان جو افغانستان کے تاج وتخت کا مالک تھا خدا نے اُسے ایسی سزا دی کہ وہ اپنا ملک

چھوڑ کر بھاگا اور آج تک جلاوطنی میں اپنی زندگی بسر کر رہا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ کی تازہ تائیدات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے اور اُس کی نصرت اور تائید اِس کے شاملِ حال ہے اِس طرح وہ پیشگوئی جو آج سے ۵۹ سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے کی گئی تھی کہ میں تجھے ایک بیٹا عطا کروں گا جو خدا تعالیٰ کی رحمت کا نشان ہوگا، جو خدا تعالیٰ کی قدرت کا نشان ہوگا، جو خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کا نشان ہوگا، اُس کے ذریعہ...... اور احمدیت کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ وہ پیشگوئی بڑی شان اور جاہ وجلال کے ساتھ پوری ہوگئی۔ آج سینکڑوں ممالک زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ میرے زمانہ خلافت میں ہی...... کا نام اُن تک پہنچا، میرے زمانہ خلافت میں ہی احمدیت کے نام سے وہاں کے رہنے والوں کے کان آشنا ہوئے۔ ایک نہیں، دو نہیں بیسیوں ممالک میں میرے ذریعہ سے...... اور احمدیت کا نام پہنچا اور خدا نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں ایک غریب جماعت کے ذریعہ ان ممالک میں...... کا جھنڈا بلند کروں۔

اِسی لاہور شہر میں ایک مشہور اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ اپنے اخبار میں شور مچاتا رہتا ہے کہ احمدیوں کا گروہ ایک چھوٹا سا گروہ ہے، ایک حقیر اور ذلیل گروہ ہے، زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد ایک لاکھ ہے۔ یہ ایک لاکھ اگر مسلمانوں سے خارج کر دیئے جائیں تو اس سے...... کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مگر وہ ایک لاکھ افراد جن کو...... اور مسلمانوں سے خارج قرار دے کر اِس اخبار کے ایڈیٹر کے نزدیک مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا وہی اور صرف وہی ایک گروہ ہے جو دنیا کے کناروں تک...... کی تبلیغ کر رہا ہے، وہی ایک گروہ ہے جو دنیا کے کناروں تک خدا اور اس کے رسول کا نام پہنچا رہا ہے، وہی ایک گروہ ہے جو دنیا کے کناروں تک...... اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بڑی مضبوطی سے گاڑ رہا ہے۔ یہ ایک مٹھی بھر جماعت ہے مگر اس مٹھی بھر جماعت نے دنیا میں جس قدر تبلیغی مشن قائم کر کے دکھائے ہیں ان سے آدھے مشن ہی کروڑوں مسلمان کہلانے والے ہمیں دنیا میں دکھا دیں جو اُنہوں نے قائم کئے ہوں۔ وہ لوگ جو ہمارے ذریعہ شرک کو چھوڑ کر...... میں داخل ہوئے، وہ لوگ جو ہمارے ذریعہ عیسائیت کو چھوڑ کر حلقہ بگوش...... ہوئے، وہ لوگ جو ہمارے ذریعہ دین...... میں شامل ہوئے اُن کے مقابلہ میں مسلمان ہمیں نصف ہی ایسے لوگ دکھا دیں جنہوں نے ان کے ہاتھ پر شرک اور کفر سے توبہ کی ہو، جنہوں نے ان کے ہاتھ پر...... اور قرآن کی صداقت کا اعتراف کیا ہو۔

پھر میرے ذریعہ بیرونی ممالک میں صرف احمدیہ مشن ہی قائم نہیں ہوئے بلکہ کئی ایسے ممالک ہیں جہاں میرے زمانہ خلافت میں خود بخود احمدیت کا نام پہنچ گیا اور خدا تعالیٰ نے غیب سے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ ایسے ممالک میں جن کا ہمیں علم تک نہیں تھا تبلیغ کے رستے کھل گئے اور وہاں کے رہنے والے آپ ہی آپ ہمارے سلسلہ میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ سعد پاشا جو کردوں کے لیڈر تھے اُنہوں نے ایک بیان میں اقرار کیا کہ میں احمدی ہوں حالانکہ ہمیں کچھ

علم نہ تھا کہ وہ احمدیت اختیار کر چکے ہیں۔ کُرد قوم نے مصطفی کمال کے زمانہ میں ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی جس کے نتیجہ کے طور پر جنرل سعد پاشا جو کرد قوم کے لیڈر تھے گرفتار کر لئے گئے اور اُن کا کورٹ مارشل کیا گیا ہے۔ اُنہوں نے گرفتاری کے بعد جو بیان دیا وہ ترکی اخبارات میں شائع ہوا اور وہاں سے بعض مصری اخبارات نے نقل کیا جس سے ہمیں اُن کے حالات کا پتہ مل گیا۔ اُن سے پوچھا گیا کہ ترکی حکومت جو اسلامی حکومت ہے اُس کے خلاف اُنہوں نے کیوں بغاوت کی؟ کرد لیڈر نے جواب دیا کہ گو میری قوم سیاستاً ترکوں سے الگ ہونا چاہتی تھی مگر مجھے سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ بعض مذہبی رسائل پڑھ کر میں دل سے جماعت احمدیہ میں شامل ہو چکا تھا جس کا مرکز قادیان ہے اور میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اب قادیان چلا جاؤں گا اور اپنی بقیہ عمر اسی جگہ گزاردوں گا کیونکہ مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ ...... کی آئندہ فتح تلوار سے نہیں بلکہ تبلیغ سے ہوگی پس میں چاہتا تھا کہ اپنی زندگی ...... کے لئے وقف کردوں اور اپنی جائداد وغیرہ فروخت کر کے قادیان چلا جاؤں۔ اسی دوران میں مَیں نے چند ترک سپاہیوں کو دیکھا کہ وہ کرد لڑکیوں کی ہتک کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ ایسا مت کرو۔ اس پر اُن میں سے ایک نے مجھے مارا۔ یہ دیکھ کر مجھے جوش آ گیا اور میں نے اپنا پستول نکال کر اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ ایسی صورت میں مجبور ہو کر مجھے باغیوں سے ملنا پڑا اور اُنہوں نے مجھے اپنا لیڈر بنا لیا۔

اب دیکھو ایک قوم کا لیڈر احمدی ہو گیا مگر ہمیں اس کے احمدی ہونے کا کوئی علم نہ تھا اور نہ ہمارے اختیار میں تھا کہ ہم اُسے احمدی بنا سکتے۔ خدا نے خود اُس کا دل کھولا اور اُسے احمدیت کا شیدا بنا دیا۔ اسی طرح ترکی پارلیمنٹ کا ایک ممبر ذکر کرتا ہے کہ میں ایک دفعہ چین میں گیا اور وہاں میں نے چین کے ایک شہر کا فٹن میں ایک ...... کے سامنے چند لوگوں کو جھگڑتے دیکھا۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کیوں جھگڑ رہے ہیں؟ تو مجھے معلوم ہوا کہ وہاں ...... کی ایک جماعت ہے جو ہندوستان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ہندوستان کے ایک شہر میں خدا تعالیٰ نے اپنے مسیح اور مہدی کو بھیج دیا ہے اور ہم اُس کو ماننے والے ہیں۔ یہ جماعت دوسرے مسلمانوں سے جامع ...... کے متعلق جھگڑ رہی تھی۔ احمدیہ جماعت کے افراد کہتے تھے کہ یہ ...... ہماری ہے اور دوسرے مسلمان کہتے تھے کہ یہ ...... ہماری ہے۔ اب دیکھو ہمیں پتہ بھی نہیں کہ وہاں احمدیہ جماعت قائم ہے مگر ترکی پارلیمنٹ کا وہ ممبر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ نہ صرف وہاں جماعت موجود ہے بلکہ اتنی بڑی جماعت موجود ہے کہ وہ ایک ...... پر قبضہ کرنے کے لئے دوسرے مسلمانوں سے جھگڑتی اور اپنا حق دوسروں سے فائق سمجھتی ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے ایسے غیب سے سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ ہماری جماعت آپ ہی آپ مختلف ممالک میں پھیلتی جارہی ہے اور وہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ میرے ذریعہ ...... اور احمدیت کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ یہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک

بیٹے کے متعلق فرمائی تھی کس شان کے ساتھ پوری ہوئی اور چونکہ اکثر علامات جو اس بیٹے کی بتائی گئی تھیں وہ سالہا سال سے پوری ہورہی تھیں اس لئے جماعت ہمیشہ مجھے یہ کہا کرتی تھی کہ مصلح موعود آپ ہی ہیں۔ مگر میں نے اس امر کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور میں نے کہا جب تک خدا مجھے آپ یہ اطلاع نہ دے کہ میں اس پیشگوئی کا مصداق ہوں اُس وقت تک میرا اپنے آپ کو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دے کر دعویٰ کرنا درست نہیں ہوسکتا۔ یہی حالت ایک لمبے عرصہ تک رہی یہاں تک کہ اس سال کے شروع میں ۵ اور ۶ رجنوری کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ بتایا کہ میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا تھا اور میرے ذریعہ ہی دور دراز ملکوں میں خدائے واحد کی آواز پہنچے گی، میرے ذریعہ ہی شرک کو مٹایا جائے گا اور میرے ذریعہ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ خصوصاً مغربی ممالک جہاں توحید کا نام مٹ چکا ہے وہاں میرے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ توحید کو بلند کرے گا اور شرک اور کفر کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جائے گا۔

تب جبکہ خدا نے مجھے یہ خبر دیدی میں نے اس کا دنیا میں اعلان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آج مَیں اس جلسہ میں اُسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے کبھی بچ نہیں سکتا کہ خدا نے مجھے اسی شہر لاہور میں ۱۳ ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کے ذریعہ...... دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دنیا میں قائم ہوگی۔ پس یہ جلسہ اس غرض کیلئے کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتایا جائے کہ وہ عظیم الشان پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۸۶ء میں فرمائی تھی پوری ہوگئی۔ اس پیشگوئی کی صداقت پر وہ لاکھوں لوگ گواہ ہیں جو میرے ذریعہ...... پر قائم ہوئے، جو میرے ذریعے توحید پر قائم ہوئے، جو میرے ذریعہ خدا اور اس کے رسول کے والہ وشیدا بنے۔ عیسائی اس بات کے گواہ رہیں کہ پیشگوئی پوری ہوگئی، آریہ اس بات کے گواہ رہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، مسلمان اس بات کے گواہ رہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔

آج سے اُنسٹھ سال پہلے خدائے علیم وخبیر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی تھی کہ میرا ایک بیٹا ہوگا اور وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، انگلستان اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، سپین اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، اٹلی اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، برلن اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، ہنگری اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، البانیہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، یوگوسلاویہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، پولینڈ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، زیکوسلواکیہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، شمالی امریکہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، جنوبی امریکہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، سیرالیون اس بات کا گواہ ہے کہ یہ

پیشگوئی پوری ہوگئی، گولڈ کوسٹ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، نائیجیریا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، مصر اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، کینیا کالونی اس بات پر گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، یوگنڈا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، زنجبار اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، ٹانگانیکا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، سیلون اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، ماریشس اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، فلسطین اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، شام اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، روس اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، چین اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، جاپان اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، سماٹرا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، جاوا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، ملایا اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، بورنیو اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، ایران اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، کابل اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی، ہندوستان کا گوشہ گوشہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ دنیا میں کون ایسا انسان ہے جس میں یہ طاقت ہو کہ وہ دلوں کو فتح کر سکے، دنیا میں کون ایسا انسان ہے جو لوگوں کو اس عظیم الشان قربانی پر آمادہ کر سکے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ہی ہاتھ تھا جس نے دنیا میں اس قدر تغیرات پیدا کئے، یہ خدا کا ہی ہاتھ تھا جس نے لوگوں کے دلوں کو کھینچا اور انہیں...... کے لئے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کرنے کے لئے آمادہ کر دیا۔ چنانچہ ایک طرف اگر خدا نے یہ خبر دی کہ وہ میرے ذریعہ دنیا میں...... کا نام روشن کرے گا تو دوسری طرف اس نے ایک غریب جماعت میں...... اور احمدیت کی اشاعت کے لئے وہ ایمان پیدا کر دیا جس کی مثال آج روئے زمین پر اور کوئی جماعت پیش نہیں کر سکتی۔ ابھی ایک خطبہ جمعہ میں مَیں نے جماعت کے سامنے اعلان کیا کہ...... اس وقت تم سے خاص قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے تم اگر خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی تمام جائدادیں...... کی خدمت کے لئے وقف کر دو تا کہ جب بھی...... پر کفر کا حملہ ہو ہمیں اس کے مقابلہ کے لئے یہ پریشانی نہ ہو کہ ہم روپیہ کہاں سے لائیں بلکہ ہر وقت ہمارے پاس جائدادیں موجود ہوں جن کو فروخت کر کے یا گرو رکھ کر ہم...... کی تبلیغ آسانی سے کر سکیں۔ ہماری جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہے، ہماری جماعت ایک غریب جماعت ہے مگر جمعہ کے دن دو بجے مَیں نے یہ اعلان کیا اور ابھی رات کے دس نہیں بجے تھے کہ چالیس لاکھ روپیہ سے زیادہ کی جائدادیں انہوں نے میری آواز پر خدمت...... کے لئے وقف کر دیں۔ جن میں سے پانچ سَو سے زیادہ مربعہ زمین ہے اور ایک سَو سے زیادہ مکان ہیں اور لاکھوں روپیہ کے وعدے ہیں۔ یہ وہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت کے نشانات ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جن کے بعد کوئی ازلی شقی ہی خدا تعالیٰ کے اس نور کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔

میں نے اس سے پہلے جس قدر مبلّغ دنیا میں بھجوائے وہ قریباً سب کے سب اناڑی تھے کوئی کالج میں سے نکلا تو میں

نے اُس سے کہا کہ خدا کے دین کے لئے آج مبلّغوں کی ضرورت ہے کیا تم اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہو؟ اور میرے کہنے پر وہ تبلیغ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

یہی مولوی ظہور حسین صاحب جنہوں نے ابھی روس کے حالات بیان کئے ہیں جب انہوں نے مولوی فاضل پاس کیا تو اُس وقت لڑکے ہی تھے۔ میں نے ان سے کہا کیا تم روس جاؤ گے؟ انہوں نے کہا میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے کہا جاؤ گے تو پاسپورٹ نہیں ملے گا۔ کہنے لگے بے شک نہ ملے میں بغیر پاسپورٹ کے ہی اس ملک میں تبلیغ کے لئے جاؤں گا۔ آخر وہ گئے اور دو سال جیل میں رہ کر انہوں نے بتادیا کہ خدا نے کیسے کام کرنے والے وجود مجھے دیئے ہیں۔ خدا نے مجھے وہ تلواریں بخشی ہیں جو کفر کو ایک لحظہ میں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں، خدا نے مجھے وہ دل بخشے ہیں جو میری آواز پر ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میں انہیں سمندر کی گہرائیوں میں چھلانگ لگانے کے لئے کہوں تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہیں، میں انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرانے کے لئے کہوں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرادیں، میں انہیں جلتے ہوئے تنوروں میں کُود جانے کا حکم دوں تو وہ جلتے تنوروں میں کُود کر دکھادیں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی، اگر خودکشی ...... میں ناجائز نہ ہوتی تو میں اس وقت تمہیں یہ نمونہ دکھا سکتا تھا کہ جماعت کے سَو آدمیوں کو میں اپنے پیٹ میں خنجر مار کر ہلاک ہوجانے کا حکم دیتا اور وہ سَو آدمی اسی وقت اپنے پیٹ میں خنجر مار کر مر جاتا۔

خدا نے ہمیں ...... کی تائید کے لئے کھڑا کیا ہے، خدا نے ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے۔ دنیا مایوس ہوچکی تھی ...... کی ترقی سے، دنیا کہہ رہی تھی کہ ...... اب دنیا پر غالب نہیں آسکتا۔ تب خدا نے میرے ہاتھ سے ان اناڑی لوگوں کو دنیا میں بھجوایا اور انہوں نے ہزاروں افراد کو ...... کا حلقہ بگوش بنادیا مگر یہ پہلی فوج اناڑیوں کی تھی۔ اب باقاعدہ ایک تعلیم یافتہ گروہ اس غرض کے لئے تیار ہورہا ہے جس نے اپنی تمام زندگی ...... کی خدمت کے لئے وقف کی ہوئی ہے۔ ان میں سے اکثر گریجوایٹ ہیں اور ان کی تعداد ۲۵ کے قریب ہے۔ مگر میرا ارادہ ان کو ایک سَو تک پہنچانے کا ہے۔ ان لوگوں کو تمام دینی علوم پڑھائے جائیں گے اور پھر جنگ کے بعد ان کو دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلا دیا جائے گا۔ ان کے اخراجات اور تبلیغی ضرورتوں کیلئے میں نے ایک فنڈ جاری کیا ہوا ہے جس کا نام تحریک جدید ہے اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اب تک اعلیٰ درجہ کی چار سَو مربع زمین خریدی جاچکی ہے اور آئندہ کے لئے سکیم یہ ہے کہ اس فنڈ کی آمد سے ہی تمام اخراجات پورے کئے جائیں گے۔ غرض کام ہورہا ہے اور وہ دن رات محنت کر کے دینی تعلیم کو مکمل کر رہے ہیں گویا پہلے اناڑیوں کی فوج تھی مگر اب باقاعدہ تعلیم یافتہ لوگوں کی فوج تیار ہورہی ہے جن کو جنگ کے بعد دنیا کے کناروں تک پھیلا دیا جائے گا اور وہ دنیا کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں ...... اور قرآن کی تبلیغ کریں گے۔ جہاں آج خدائے واحد کا نام بھی نہیں لیا جاتا وہاں تھوڑے دنوں تک ہی

تم دیکھ لو گے ان علاقوں کے کونے کونے سے یہ آواز اُٹھتی سنائی دے گی کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

قوموں نے ہماری مخالفت کی، ملکوں نے ہماری مخالفت کی، حکومتوں نے ہماری مخالفت کی مگر خدا نے ہمارا ساتھ دیا اور جس کے ساتھ خدا ہوا سے نہ حکومتیں نقصان پہنچا سکتی ہیں، نہ سلطنتیں نقصان پہنچا سکتی ہیں، نہ بادشاہتیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ پس اے اہل لاہور! میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ میں تمہیں اُس ازلی ابدی خدا کی طرف بلاتا ہوں جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ تم مت سمجھو کہ اِس وقت مَیں بول رہا ہوں۔ اِس وقت مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ میرے سامنے دین...... کے خلاف جو شخص بھی اپنی آواز بلند کرے گا اُس کی آواز کو دبا دیا جائے گا، جو شخص میرے مقابلہ میں کھڑا ہوگا وہ ذلیل کیا جائے گا، وہ رُسوا کیا جائے گا، وہ تباہ اور برباد کیا جائے گا مگر خدا بڑی عزت کے ساتھ میرے ذریعہ...... کی ترقی اور اس کی تائید کے لئے ایک عظیم الشان بنیاد قائم کر دے گا۔ میں ایک انسان ہوں مَیں آج بھی مر سکتا ہوں اور کل بھی مر سکتا ہوں لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میں اس مقصد میں ناکام رہوں جس کے لئے خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے۔

مَیں ابھی سترہ اٹھارہ سال کا ہی تھا کہ خدا نے مجھے خبر دی کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ اے محمود! میں اپنی ذات کی ہی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یقیناً جو تیرے متبع ہوں گے وہ قیامت تک تیرے منکروں پر غالب رہیں گے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے جو اُس نے میرے ساتھ کیا۔ میں ایک انسان ہونے کی حیثیت سے بے شک دو دن بھی زندہ نہ رہوں مگر یہ وعدہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا جو خدا نے میرے ساتھ کیا کہ وہ میرے ذریعہ سے اشاعت...... کی ایک مستحکم بنیاد قائم کرے گا اور میرے ماننے والے قیامت تک میرے منکرین پر غالب رہیں گے۔ اگر دنیا کسی وقت دیکھ لے کہ...... مغلوب ہوگیا، اگر دنیا کسی وقت دیکھ لے کہ میرے ماننے والوں پر میرے انکار کرنے والے غالب آ گئے تو بے شک تم سمجھ لو کہ میں ایک مفتری تھا لیکن اگر یہ خبر سچی نکلی تو تم خود سوچ لو تمہارا کیا انجام ہوگا کہ تم نے خدا کی آواز میری زبان سے سنی اور پھر بھی اُسے قبول نہ کیا۔ (الفضل ۱۸؍فروری ۱۹۵۸ء)

دین حق کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کو علومِ ظاہری و باطنی میں غیر معمولی برتری عطا فرمائی

جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ ۱۹۶۵ء کے موقع پر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ایمان افروز تقریر فرمائی تھی اس کا ایک حصہ جو سیّدنا حضرت المصلح الموعود کے عظیم الشان کارناموں کے تذکرہ پر مشتمل ہے افادہ احباب کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

اس پیشگوئی میں جو دوسری بات ہمیں مصلح موعود کے متعلق بتائی گئی ہے یہ ہے کہ ''وہ علوم ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائے گا'' اور یہ اس لئے کہ ''تا دین حق کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو'' اور ''تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں'' ہم میں سے ہزاروں لاکھوں نے خود مشاہدہ کیا کہ قرآن کریم کی سچی متابعت اور اس مطہر صحیفہ سے کامل محبت اور اخلاص کے فیض سے اس پاک وجود مصلح موعودؓ کی نظر اور فکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تمام فیوض کا سرچشمہ ہے ایک نور عطا ہوا جس سے علمِ الٰہی کے عجیب وغریب لطائف اور نکات جو کلام الٰہی اور کتاب مکنون میں پوشیدہ تھے اس پر کھلنے لگے اور دقیق معارف ابر نیساں کے رنگ میں اس پر برسنے لگے اور خدائے وہاب نے اپنی رحمانیت سے اس کے فکر اور نظر کو ایک ایسی برکت عطا کی کہ اُس کے آئینہ فکر ونظر پر کامل صداقتیں منکشف ہونے لگیں سو جو جو علوم ومعارف اور دقائق وحقائق اور لطائف ونکات اور ادلّہ و براہین اُسے سوجھے اور جنہیں اس نے تفسیر کبیر اور اپنی دوسری کتب میں بیان کیا وہ اپنی کمیت اور کیفیت میں ایسے کامل مرتبہ پر واقع ہیں کہ جو یقیناً خارقِ عادت ہے اور جس کا مقابلہ کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں کیونکہ تفسیر کا خارقِ عادت معجزہ اُس کی کسی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اسے غیبی تفہیم اور خدائے صمد اور قدوس کی تائید سے اس نے لکھا تھا اور یہی خوارق اس کا عالی منزلت اور حسن واحسان میں مسیح محمدی کا مثیل ہونا ثابت کرتے ہیں اور خدائی بشارات و الٰہی تفہیم کے مطابق دین ودنیا کے علوم ونکات کے بیان میں وہ اپنے ہم عصروں سے اس قدر سبقت لے گیا کہ اس کی تقریروں کو سُن کر اور اس کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے اور پرائے اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ اس کے بیان کردہ علوم ومعارف ایک دوسرے ہی عالم سے ہیں جن کا دنیوی تعلیم وتدریس سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جو تائیداتِ الٰہیہ کے خاص رنگ سے رنگین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت نے حضرت مصلح موعود کو علوم ظاہری وباطنی میں جو

برتری عطا کی تھی اور اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے جو قوتیں آپ کو بخشی گئیں ان کو دنیا پر ثابت کرنے کے لئے آپ نے متعدد بار للکارا مگر کوئی نہ تھا جو آپ کے مقابلہ پر آنے کی جرأت کرتا۔ ۱۹۱۷ء میں آپ نے تمام دنیا کو مندرجہ ذیل الفاظ میں چیلنج دیا:

''میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام دنیا کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے جسے ...... کے مقابلہ میں اپنے مذہب کے سچا ہونے کا یقین ہے تو آئے اور آکر مقابلہ کرے۔ مجھے تجربہ کے ذریعہ ثابت ہوگیا ہے کہ ......ہی زندہ مذہب ہے اور کوئی مذہب اس کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہماری دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے اور ایسے حالات میں قبول کرتا ہے جب کہ ظاہری سامان بالکل مخالف ہوتے ہیں اور یہی ...... کے زندہ مذہب ہونے کی بہت بڑی علامت ہے۔ اگر کسی کو شک وشبہ ہے تو آئے اور آزمائے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اگر کوئی ایسے لوگ ہیں جنہیں یقین ہے کہ ہمارا مذہب زندہ ہے تو آئیں ان کے ساتھ جو خدا کا تعلق اور محبت ہے اس کا ثبوت دیں۔ اگر خدا کو ان سے محبت ہوگی تو وہ مقابلہ میں ضرور ان کی مدد اور تائید کرے گا۔ میں اُن کو چیلنج دیتا ہوں کہ مقابلہ پر آئیں تا کہ ثابت ہو کہ خدا کس کی مدد کرتا ہے اور کس کی دعا سنتا ہے۔ آپ لوگوں کو چاہئے کہ اپنی طرف سے لوگوں کو مقابلہ کے لئے کھڑا کریں لیکن اس کے لئے یہ نہیں کہ ہر ایک کھڑا ہو کر کہہ دے کہ میں مقابلہ کرتا ہوں۔ بلکہ ان کو مقابلہ پر آنا چاہئے جو کسی مذہب یا فرقہ کے قائم مقام ہوں۔ اس وقت دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کس کی دعا قبول کرتا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہماری ہی دعا قبول ہوگی۔ افسوس ہے کہ مختلف مذاہب کے بڑے لوگ اس مقابلہ پر آنے سے ڈرتے ہیں۔ اگر وہ مقابلہ کے لئے نکلیں تو ان کو ایسی شکست نصیب ہوگی کہ پھر مقابلہ کرنے کی انہیں جرأت ہی نہ رہے گی''۔

(زندہ مذہب صفحہ ۲۹)

۱۹۳۶ء میں آپ نے فرمایا:

''قرآن کریم کو وہ عظمت حاصل ہے جو دنیا کی کسی اور کتاب کو حاصل نہیں اور اگر کسی کا یہ دعویٰ ہو کہ اس کی مذہبی کتاب بھی اس فضیلت کی حامل ہے تو میں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی وید کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی توریت کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے۔ اگر کوئی انجیل کا پیرو ہے تو وہ میرے سامنے آئے اور قرآن کریم کا کوئی ایسا استعارہ میرے سامنے رکھ دے جس کو میں بھی استعارہ سمجھوں۔ پھر میں اُس کا حل قرآن کریم

سے ہی پیش نہ کردوں تو وہ بے شک مجھے اس دعویٰ میں جھوٹا سمجھے لیکن اگر پیش کردوں تو اسے ماننا پڑے گا کہ واقعہ میں قرآنِ کریم کے سوا دنیا کی اور کوئی کتاب اس خصوصیت کی حامل نہیں''۔

(فضائل القرآن صفحہ ۴۳۹)

۱۹۳۴ء میں آپ نے فرمایا:

''صرف یہی نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہی یہ بات تھی بلکہ آپ آگے بھی یہ چیز دے گئے ہیں اور آپ کے طفیل مجھے بھی ایسے قرآن کریم کے معارف عطا کئے گئے ہیں کہ کوئی شخص خواہ وہ کسی علم کا جاننے والا ہو اور کسی مذہب کا پیرو ہو۔ قرآن کریم پر جو چاہے اعتراض کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قرآن سے ہی اس کا جواب دوں گا۔ میں نے بارہا دنیا کو چیلنج کیا ہے کہ معارفِ قرآن میرے مقابلہ میں لکھو۔ حالانکہ میں کوئی مامور نہیں ہوں مگر کوئی اس کے لئے تیار نہیں ہوا اور اگر کسی نے اسے منظور کرنے کا اعلان بھی کیا تو بے معنی شرائط سے مشروط کر کے ٹال دیا مثلاً یہ کہ بند کمرہ ہو۔ کوئی کتاب پاس نہ ہو۔ مگر اتنا نہیں سوچتے کہ اگر خیال ہے کہ میں پہلی کتب اور تفاسیر سے معارف نقل کرلوں گا تو وہی کتب تمہارے پاس بھی ہوں گی۔ تم بھی ایسا کر سکتے ہو۔ پھر میں اگر دوسری کتب سے نقل کروں گا تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناکامی ثابت کردوں گا کیونکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ نئے معارف بیان کروں گا لیکن مقابلہ کے وقت جب پرانی تفاسیر سے نقل کروں گا تو خود ہی میرے لئے شرمندگی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب بہانے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کو سامنے آنے کی جرأت ہی نہیں''۔

(الفضل ۲۴؍اپریل ۱۹۳۴ء)

پھر مارچ ۱۹۴۴ء میں آپ نے دنیا کو للکارا اور چیلنج کیا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ مجھے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا ہے اور میرے اندر اس نے ایسا ملکہ پیدا کردیا ہے کہ جس طرح کسی کو خزانہ کی کنجی مل جاتی ہے اسی طرح مجھے قرآن کریم کے علوم کی کنجی مل چکی ہے۔ دنیا کا کوئی عالم نہیں جو میرے سامنے آئے اور میں قرآن کریم کی افضلیت اس پر ظاہر نہ کرسکوں یہ لاہور شہر ہے یہاں یونیورسٹی موجود ہے۔ کئی کالج یہاں کھلے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے علوم کے ماہر اس جگہ پائے جاتے ہیں۔ میں ان سب سے کہتا ہوں دنیا کے کسی علم کا ماہر میرے سامنے آجائے۔ دنیا کا کوئی پروفیسر میرے سامنے آجائے، دنیا کا کوئی سائنسدان میرے سامنے آجائے اور وہ اپنے علوم کے ذریعہ قرآن کریم پر حملہ کر کے دیکھ لے۔

میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے ایسا جواب دے سکتا ہوں کہ دنیا تسلیم کرے گی کہ اس کے اعتراض کا رد ہو گیا اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میں خدا کے کلام سے ہی اس کو جواب دوں گا اور قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ سے ہی اس کے اعتراضات کو رد کر کے دکھا دوں گا''۔

(الفضل ۱۸؍فروری ۱۹۵۹ء)

پھر فرمایا:

''ایسا انسان جس کی صحت کبھی ایک دن بھی اچھی نہیں ہوئی۔ اس انسان کو خدا نے زندہ رکھا اور اس لئے زندہ رکھا کہ اس کے ذریعہ اپنی پیشگوئیوں کو پورا کرے اور ...... اور احمدیت کی صداقت کا ثبوت لوگوں کے سامنے مہیا کرے۔ پھر میں وہ شخص تھا جسے علوم ظاہری میں سے کوئی علم حاصل نہیں تھا۔ مگر خدا نے اپنے فضل سے فرشتوں کو میری تعلیم کے لئے بھجوایا اور مجھے قرآن کے ان مطالب سے آگاہ فرمایا جو کسی انسان کے واہمہ اور گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ وہ علم جو خدا نے مجھے عطا فرمایا اور وہ چشمہ روحانی جو میرے سینہ میں پھوٹا وہ خیالی یا قیاسی نہیں ہے بلکہ ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے قرآن سکھایا گیا ہے تو میں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پہ سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا اور اس زمانہ میں اس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا کا استاد مقرر کیا ہے۔ خدا نے مجھے اس غرض کے لئے کھڑا کیا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور...... کے مقابلہ میں دنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دوں۔ دنیا زور لگا لے وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کر لے۔ عیسائی بادشاہ بھی اور ان کی حکومتیں بھی مل جائیں۔ یورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی مالدار طاقتور قومیں اکٹھی ہو جائیں اور مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں پھر بھی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ناکام رہیں گی اور خدا میری دعاؤں اور تدابیر کے سامنے ان کے تمام منصوبوں اور مکروں اور فریبوں کو ملیامیٹ کر دے گا اور خدا میرے ذریعہ سے یا میرے شاگردوں اور اتباع کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے طفیل اور صدقے اسلام کی عزت کو قائم کرے گا اور اس وقت تک دنیا کو نہیں چھوڑے گا

جب تک ...... پھر اپنی پوری شان کے ساتھ دنیا میں قائم نہ ہو جائے اور جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر دنیا کا زندہ نبی تسلیم نہ کر لیا جائے ...... میں اس سچائی کو نہایت کھلے طور پر ساری دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ وہ آواز ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی آواز ہے یہ مشیت وہ ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی مشیت ہے یہ سچائی نہیں ٹلے گی۔ نہیں ٹلے گی اور نہیں ٹلے گی اور ...... دنیا پر غالب آ کر رہے گا۔ مسیحیت دنیا میں مغلوب ہو کر رہے گی۔ اب کوئی سہارا نہیں جو عیسائیت کو میرے حملوں سے بچا سکے۔ خدا میرے ہاتھ سے اس کو شکست دے گا اور یا تو میری زندگی میں ہی اس کو اس طرح کچل کر رکھ دے گا کہ وہ سر اٹھانے کی بھی تاب نہیں رکھے گی۔ یا پھر میرے بوئے ہوئے بیج سے وہ درخت پیدا ہوگا۔ جس کے سامنے عیسائیت ایک خشک جھاڑی کی طرح مرجھا کر رہ جائے گی اور دنیا میں چاروں طرف ......اور احمدیت کا جھنڈا انتہائی بلندیوں پر اڑتا ہوا دکھائی دے گا''۔ (الموعود صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۴)

پھر آپ نے فرمایا:

''خدا تعالیٰ کی صفت علیم جس شان اور جس جاہ و جلال کے ساتھ میرے ذریعہ سے جلوہ گر ہوئی۔ اس کی مثال مجھے خلفاء کے زمرہ میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ میں وہ تھا جس کو کل کا بچہ کہا جاتا تھا، میں وہ تھا جسے احمق اور نادان قرار دیا جاتا تھا۔ مگر عہدۂ خلافت کو سنبھالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآنی علوم اتنی کثرت کے ساتھ کھولے کہ اب قیامت تک امت مسلمہ اس بات پر مجبور ہے کہ میری کتابوں کو پڑھے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔ وہ کون سا اسلامی مسئلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ نہیں کھولا۔ مسئلہ نبوت، مسئلہ کفر، مسئلہ خلافت، مسئلہ تقدیر، قرآنی ضروری امور کا انکشاف، اسلامی اقتصادیات، اسلامی سیاسیات اور اسلامی معاشرت وغیرہ پر تیرہ سو سال سے کوئی وسیع مضمون موجود نہیں تھا۔ مجھے خدا نے اس خدمتِ دین کی توفیق دی اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ہی ان مضامین کے متعلق قرآن کے معارف کھولے جن کو آج دوست دشمن سب نقل کر رہے ہیں۔ مجھے کوئی لاکھ گالیاں دے۔ مجھے لاکھ بُرا بھلا کہے۔ جو شخص ...... کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے لگے گا اسے میرا خوشہ چین ہونا پڑے گا اور وہ میرے احسان سے کبھی باہر نہیں جا سکے گا، چاہے کوئی پیغامی ہو یا مصری۔ ان کی اولادیں جب بھی دین کی خدمت کا ارادہ کریں گی وہ اس بات پر مجبور ہوں گی کہ میری کتابوں کو پڑھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں بلکہ میں بغیر فخر کے کہہ سکتا ہوں کہ اس بارہ میں سب خلفاء سے زیادہ مواد میرے

ذریعہ سے جمع ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ پس مجھے یہ لوگ خواہ کچھ کہیں خواہ کتنی بھی گالیاں دیں ان کے دامن میں اگر قرآن کے علوم پڑیں گے تو میرے ذریعہ ہی اور دنیا ان کو یہ کہنے پر مجبور ہوگی کہ اے نادانو! تمہاری جھولی میں جو کچھ بھرا ہے وہ تم نے اسی سے لیا ہے پھر اس کی مخالفت تم کس مونہہ سے کر رہے ہو۔'' (خلافت راشدہ صفحہ ۲۵۴-۲۵۶)

خدا تعالیٰ نے کہا تھا کہ

''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا''

اس کے متعلق میں نے بہت سی تفصیلات جمع کی تھیں لیکن اس وقت میں صرف وہ نقشہ ہی پیش کر سکتا ہوں جو میں نے اس غرض کے لئے تیار کروایا ہے اور وہ یہ ہے:

۱- تفسیر۔ اِس سلسلہ میں حضور کی ایک کتاب تو تفسیر کبیر ہے جو خود اتنی عجیب تفسیر ہے کہ جس شخص نے بھی غور سے اس کے کسی ایک حصہ کو پڑھا ہوگا وہ یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اگر دنیا میں کوئی خدا رسیدہ بزرگ پیدا ہوتا اور وہ صرف یہ حصہ قرآن کریم کا تفسیری نوٹوں کے ساتھ شائع کر دیتا تو یہ اس کو دنیا کی نگاہ میں بزرگ ترین انسانوں میں سے ایک انسان بنانے کے لئے کافی تھا لیکن اس پر ہی بس نہیں۔ قرآن کریم پر اور بہت سی کتب لکھیں اور میرا خیال ہے کہ حضور نے صرف قرآن کریم کی تفسیر پر ہی آٹھ دس ہزار صفحات لکھے ہیں۔ تفسیر کبیر کی گیارہ مجلدات بھی ان میں شامل ہیں۔

۲- کلام کے اوپر حضور نے دس کتب اور رسائل لکھے۔

۳- روحانیات، اسلامی اخلاق اور اسلامی عقائد پر اکتیس کتب اور رسائل تحریر فرمائے۔

۴- سیرت وسوانح پر تیرہ کتب ورسائل لکھے۔

۵- تاریخ پر چار کتب ورسائل

۶- فقہ پر تین کتب ورسائل

۷- سیاسیات قبل از تقسیم ہند ۲۵ کتب ورسائل

۸- سیاسیات بعد از تقسیم ہند وقیام پاکستان ۹ کتب ورسائل

۹- سیاست کشمیر پندرہ کتب اور رسائل

۱۰- تحریک احمدیت کے مخصوص مسائل وتحریکات پر ایک کم سو کتب ورسائل۔

ان سب کتب ورسائل کا مجموعہ ۲۲۵ بنتا ہے تو جیسا کہ فرمایا تھا کہ وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ ان پر ایک نظر ڈال لیں تو ان میں علوم ظاہری بھی نظر آتے ہیں اور علوم باطنی بھی نظر آتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ جب بھی آپ

نے کوئی کتاب یا رسالہ لکھا ہر شخص نے یہی کہا کہ اس سے بہتر نہیں لکھا جاسکتا۔ سیاست میں جب بھی آپ نے قیادت سنبھالی یا جب بھی آپ نے سیاست کے بارہ میں قائدانہ مشورے دیئے بڑے سے بڑا مخالف بھی آپ کی بے مثال قابلیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگیا۔ غرض حضور کے علوم ظاہری و باطنی سے پُر ہونے کے متعلق ایک بڑی تفصیل ہے جس کے ہزارویں حصہ میں بھی مَیں نہیں جاسکتا۔ صرف ایک سرسری سی چیز آپ کے سامنے رکھ کر اس حصہ کو ختم کرتا ہوں۔

پھر دین...... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ اقوام عالم پر ظاہر کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ علوم و معارف جو اللہ تعالیٰ کی موہبت سے آپ کو عطا ہوئے ان کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا جائے اگر خالی اردو میں ہی وہ علوم لکھے جاتے تو آپ کا دعویٰ بے معنے بن کر رہ جاتا کیونکہ غیر ممالک اور غیر اقوام اس سے فائدہ حاصل نہ کرسکتیں۔ پس اگر اس مصلح موعود کے ذریعہ سے دین...... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ تمام اقوام عالم پر ظاہر ہونا تھا تو اس کے ذریعہ ظاہر ہونے والے علوم و معارف کا ترجمہ تمام دنیا کی زبانوں یا دنیا کی ان زبانوں میں ہونا ضروری تھا جو دنیا کے اکثر حصوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ مجھے ابھی خیال آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تدبیر کی کہ دنیا کے بہت سے ممالک صرف دو تین قوموں کے سیاسی اقتدار کے نیچے آگئے۔ اس میں دنیا کے لئے ایک بڑا روحانی فائدہ مضمر تھا اور وہ فائدہ یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ مسیح محمدی کو بھیجے تو اشاعت...... کا کام آسان ہوجائے ورنہ مسیح محمدی کے زمانہ میں اس وقت تک آپ کا پیغام تمام دنیا میں نہیں پہنچ سکتا تھا جب تک دنیا کی ساری زبانوں میں اس کا ترجمہ نہ کیا جاتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت دنیا کی اقوام میں سے کچھ قومیں انگریزوں کے اقتدار کے نیچے آگئیں کچھ فرانسیسیوں کے اقتدار کے نیچے آگئیں اور کچھ جرمنوں کے اقتدار کے نیچے آگئیں۔ اس لئے ہم...... کا پیغام ان تین زبانوں کے ذریعہ اقوام عالم کی خاصی بڑی تعداد تک پہنچا سکتے ہیں۔ اگر روسی اور چینی بھی شامل کر لئے جائیں تو میرا خیال ہے کہ ۸۰، ۹۰ فیصدی آبادی کو ہمارا پیغام پہنچ جاتا ہے ورنہ ہمارے لئے بہت زیادہ جد وجہد اور کوشش اور قربانیوں اور مال خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اللہ تعالیٰ کے سارے ہی کام حکمت سے پُر ہوتے ہیں۔ اللہ اکبر۔

غرض یہ ضروری تھا کہ ان علوم و معارف کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کروایا جاتا چنانچہ اس کی طرف حضور نے خاص توجہ دی اور بڑی کوشش فرمائی۔ سب سے ضروری کام تو قرآن کریم کے صحیح تراجم کا دنیا میں پھیلانا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضور نے جو کام شروع کروائے ان میں سے کچھ تو پورے ہوگئے ہیں اور کچھ پورے ہونے والے ہیں۔

انگریزی زبان میں ترجمہ قرآن کریم جیسا کہ آپ جانتے ہیں شائع ہوچکا ہے۔ اسی طرح انگریزی زبان میں تفسیر القرآن بھی شائع ہوچکی ہے۔ جرمنی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔ نیز سورہ کہف کی تفسیر بھی شائع ہوچکی ہے۔ ڈچ زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔ ڈینش زبان میں قرآن کریم کے پہلے سات پاروں کا ترجمہ مع مختصر تفسیری نوٹ شائع ہوچکا ہے۔ مشرقی افریقہ کے لئے سواحیلی زبان میں ترجمہ مع مختصر تفسیری نوٹ

شائع ہو چکا ہے۔لوگنڈی زبان میں قرآن کریم کے پہلے پانچ پاروں کا ترجمہ مع تفسیری نوٹ شائع ہو چکا ہے۔مغربی افریقہ کے لئے مینڈی زبان میں پہلے پارہ کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ کئی تراجم کئے جارہے ہیں۔فرانسیسی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے نظر ثانی ہورہی ہے۔ہسپانوی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے نظر ثانی ہورہی ہے۔اٹالین زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے نظر ثانی ہورہی ہے۔روسی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے۔پرتگیزی زبان میں ترجمہ تیار ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے۔ڈینش زبان میں بقیہ تیئس پاروں کا ترجمہ مع تفسیری نوٹ تیار ہے۔طباعت کا انتظام کیا جارہا ہے۔مشرقی افریقہ کے لئے ککویو زبان میں ترجمہ تیار ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے۔لگمبا زبان میں ترجمہ تیار ہے نظر ثانی کروانی باقی ہے۔مغربی افریقہ کے لئے میڈی زبان میں بقیہ ۲۹ پاروں میں سے ۲۰ پاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے ۹ پاروں کا ترجمہ کروایا جارہا ہے۔انڈونیشین زبان میں دس پاروں کا ترجمہ مع مختصر تفسیری نوٹ مکمل ہے۔بقیہ زیر تکمیل ہے۔

تراجم قرآن کریم کے علاوہ بہت سی کتب کا حضور نے مختلف زبانوں میں ترجمہ کروایا اوران کی اشاعت کروائی مثلاً احمدیت یعنی حقیقی ......، ...... اصول کی فلاسفی وغیرہ، جن کتابوں کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کروایا گیا ہے ان کی فہرست بڑی لمبی ہے۔تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی۔غرض قرآن کریم کے علوم اور معارف جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے تھے ضروری تھا کہ ان کو کثرت سے دُنیا میں پھیلایا جاتا اور یہ کام ہو نہیں سکتا تھا جب تک کہ ان کے تراجم دوسری زبانوں میں نہ کرائے جاتے اور اس کام کو بڑی حد تک حضرت مصلح موعود نے پورا کیا اور بہت سا کام جو باقی ہے وہ انشاء اللہ اپنے وقت پر ہو جائے گا۔

پھر دین......کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ بنی نوع انسان پر ظاہر کرنے کے لئے تمام دنیا میں (بیوت الذکر) کا ایک جال پھیلایا جانا ضروری تھا۔حضور نے اس کی طرف بھی خاص توجہ دی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک کئی ممالک میں (بیوت الذکر) تعمیر کروائی جاچکی ہیں۔

(بیوت الذکر) کے متعلق یادرکھنا چاہئے کہ (بیوت الذکر) دینی علوم سیکھنے کے لئے درس گاہوں کا کام دیتی ہیں اور تربیت کے لئے (بیوت الذکر) کا ہونا نہایت ضروری ہے۔اگر (بیت) کو اخلاص نیک نیتی اور اُسّس علی التقوی من اوّل یوم کے طور پر بنایا جائے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں اگر ایک نمازی بھی نہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اس قسم کی (بیوت الذکر) کے لئے نمازی پیدا کر دیتا ہے۔غرض (بیوت الذکر) انسانی معاشرہ کے اندر بڑا ضروری کردار ادا کرتی ہیں۔حضرت مصلح موعود نے اس طرف خاص توجہ دی اور آپ کے مبارک عہد میں جو بیوت الذکر تعمیر ہوئیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:

امریکہ	۳	انگلستان	۱	سوئٹزرلینڈ	۱

ہالینڈ	۱	فلسطین	۱	برما	۲
ماریشس	۶	انڈونیشیا	۷۰	غانا	۱۶۲
سیرالیون	۳۰	نائیجیریا	۲۰	یوگنڈا	۴
کینیا	۳	ٹانگانیکا	۲	جرمنی	۲
شمالی بورنیو	۳				

کل ۳۱۱

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مقامات پر (بیوت الذکر) زیر تعمیر ہیں:

۱- ہمالے (غانا)　　۲- مساکا (یوگنڈا)　　۳- ٹانگا (تنزانیہ)

۴- گیمبیا (جس کے گورنر جنرل جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا تھا ایک احمدی دوست مقرر ہوئے ہیں)

۵- فری ٹاؤن (سیرالیون)　　۶- نائیجیریا میں اس وقت پانچ (بیوت الذکر) زیر تعمیر ہیں۔

۷- ڈنمارک میں احمدی بہنوں کی کوشش اور چندہ سے ایک (بیت الذکر) بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس کا انتظام کیا جارہا ہے۔

پھر دین ...... کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ اقوام عالم پر ظاہر کرنے کے لئے یہ بھی نہایت ضروری تھا کہ ایسے مخلصین کا ایک گروہ تیار کیا جائے۔ جو نامساعد حالات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اکناف عالم میں پھیل جائیں اور ملک کے قریہ قریہ میں ...... کی نورانی شمعیں فروزاں کرتے چلے جائیں۔ حضور کی توجہ سے ۱۶۴ ایسے واقفین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے وقتوں میں مندرجہ ذیل ممالک میں ...... کی اشاعت کا فریضہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کی:

(۱) انگلستان　(۲) فرانس　(۳) سوئٹزرلینڈ　(۴) ہالینڈ　(۵) سپین
(۶) ڈنمارک　(۷) سویڈن　(۸) ہنگری　(۹) سسلی　(۱۰) اٹلی
(۱۱) روس　(۱۲) جرمنی　(۱۳) انڈونیشیا　(۱۴) سنگاپور　(۱۵) ملائشیا
(۱۶) جزائر فجی　(۱۷) بورنیو　(۱۸) برما　(۱۹) ہانگ کانگ　(۲۰) ایران
(۲۱) جاپان　(۲۲) فلپائن　(۲۳) سیلون　(۲۴) شام　(۲۵) لبنان
(۲۶) عدن　(۲۷) ڈوبئی　(۲۸) فلسطین　(۲۹) اردن　(۳۰) مسقط
(۳۱) مصر　(۳۲) غانا　(۳۳) سیرالیون　(۳۴) ٹوگولینڈ　(۳۵) لائبیریا
(۳۶) آئیوری کوسٹ　(۳۷) نائیجیریا　(۳۸) گیمبیا　(۳۹) کینیا
(۴۰) یوگنڈا　(۴۱) تنزانیہ　(۴۲) ماریشس　(۴۳) برٹش گی آنا
(۴۴) ٹرینی ڈاڈ　(۴۵) ڈچ گی آنا　(۴۶) ارجنٹائن

گویا حضور نے اپنے عہد مبارک میں ۴۶ ملکوں میں اپنے مشن قائم کئے اور ان مشنوں نے جو کام کیا وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے مہینوں میں بھی بیان نہیں کیا جاسکتا۔

غیر ممالک میں ہماری جماعتیں بڑی ہی مخلص ہیں۔ ان کے ممبران نام کے احمدی یا...... نہیں۔ بلکہ وہ توحید باری پر پختگی سے قائم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں سرشار ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہوتا ہے۔ انہیں سچی خوابیں آتی ہیں اور ہر رنگ میں وہ روحانی نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ حضور کے وصال پر ان احباب کی طرف سے جو خطوط مجھے موصول ہوئے ہیں۔ ان سے ان کے اخلاص کا علم ہوتا ہے۔ ان خدا رسیدہ اور خدا کے جاں نثاروں میں سے ایک کا ایک خواب میں بطور نمونہ سناتا ہوں تا وہ دوستوں کے ازدیاد ایمان کا موجب ہو۔ وہ خدا رسیدہ اور دین...... کا شیدائی ایک حبشی تھا۔ جس کا رنگ سیاہ اور ہونٹ لٹکے ہوئے تھے۔ دنیا کی مہذب قومیں اسے حقارت سے دیکھتی تھیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل خدا تعالیٰ کی نظر کرم اس پر پڑی اور وہ اس سے ہم کلام ہوا۔ یہ ہیں ہمارے دوست امری عبیدی اور ان کا انتخاب میں نے اس لئے بھی کیا ہے کہ وہ کچھ عرصہ ہوا جوانی کی عمر میں فوت ہو گئے ہیں۔ یہ دوست احمدیت کے شیدائی اور فدائی تھے۔ ربوہ میں کچھ عرصہ رہ کر گئے تھے۔ وہ خواب بین انسان تھے انہیں بڑی واضح اور سچی خوابیں خدا تعالیٰ نے دکھائیں ایک دفعہ انہوں نے سنایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مسٹر جولیس نریرے کرسی پر بیٹھے ہیں مجھے دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کرسی پر مجھے بٹھا دیا۔

کچھ عرصہ تک وہ اس خواب کی کوئی اور تعبیر سمجھتے رہے لیکن یہ خواب اس طرح پوری ہوئی کہ آزادی کے بعد جو لیجسلیٹو کونسل بنی۔ اس کے افریقن ممبران کی ایک سوسائٹی تھی اور جولیس نریرے جو ٹانگانیکا افریقن نیشنل یونین کے پریذیڈنٹ ہونے کے باعث لیجسلیٹو کونسل کی افریقن پارٹی کے لیڈر تھے۔ اس سوسائٹی کے صدر تھے۔ دوسرے سال جب اس اجلاس میں مسٹر جولیس نریرے موجود نہیں تھے۔ انہیں اطلاع بھجوائی گئی۔ چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے شیخ امری عبیدی کو جو اس وقت لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بن چکے تھے بازو سے پکڑا اور کرسی پر بٹھا دیا اور کہا یہ آپ کے چیئرمین ہیں۔ گویا خواب میں جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا خدا تعالیٰ نے اسے لفظاً لفظاً پورا کر دیا اور یہ...... اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا نتیجہ تھا۔ جسے دیکھ کر دوسرے لوگ ...... کے گرویدہ ہو رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ خالی دلائل کے ساتھ یہ اخلاص پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے قوت قدسیہ کی ضرورت ہے اور اس کے لئے اس نور کی ضرورت تھی جو ربوہ میں بیٹھا تھا اور اس کی نورانی کرنیں ایک طرف افریقہ کے ممالک میں پہنچ رہی تھیں تو دوسری طرف یورپ اور امریکہ کے ممالک کو روشن کر رہی تھیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو کچھ کہا تھا وہ لفظاً لفظاً پورا ہوا کہ

''وہ اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا''۔

''وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی''۔

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بیرون ممالک میں قائم ہونے والی جماعتوں میں سے بعض اپنی قربانیوں میں تم سے کم نہیں۔ مثلاً انڈونیشیا کی جماعت کے چندہ دہندگان کی تعداد قریباً پاکستان کے چندہ دہندگان کے برابر ہوتی جارہی ہے۔ اسی طرح افریقن ممالک میں بڑی قربانی کرنے والی جماعتیں ہیں۔ وہ مالی قربانیاں بھی کرتی ہیں۔ وقت کی قربانیاں بھی کرتی ہیں اور عبادات میں وقت گزارنے والی ہیں۔ ان لوگوں کا نمونہ اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ جو سلوک ہے غیروں کو...... کی طرف کھینچنے والا اور جذب کرنے والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں

حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز روایات

(مکرم فضل احمد شاہد صاحب مربی سلسلہ)

مسیح پاک کا مبارک زمانہ حضرت مصلح موعود کی نظر میں

حضرت مصلح موعود کے جماعت پر متعدد اور بے شمار احسانوں میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی بہت ہی حسین منظر کشی کی اس منظر کشی کو مَیں حضرت مصلح موعود کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔فرمایا:

''جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا اُس وقت مَیں بچہ تھا دو پونے دو سال کی عمر ہوگی۔پس اس وقت کے حالات تو مَیں بتا نہیں سکتا مگر چھ سال کی عمر سے مَیں سلسلہ کے حالات دیکھتا آرہا ہوں اور آتھم کے وقت سے مَیں سلسلہ کی حالت جانتا ہوں بلکہ اس سے بھی کچھ پہلے کے حالات جب میری عمر پانچ سال یا ساڑھے پانچ سال کی تھی اس وقت کے مجھے بعض واقعات یاد ہیں۔دشمنوں کی شرارتیں یاد ہیں، اُن کے منصوبے یاد ہیں، اُن کی وہ کوششیں یاد ہیں جو ہمارے خلاف شب و روز کیا کرتے تھے۔اس زمانہ کے تمام واقعات میرے ذہن میں اس وقت تک ایسی صورت میں جمع ہیں جس طرح غبار کے پیچھے سے کوئی چیز نظر آتی ہو۔ مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب ہمیں اپنے گھروں سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ خطرہ تھا کہ دشمن کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں۔اس زمانہ میں ہمیں گھروں میں یوں بند رکھا جاتا جیسے کہتے ہیں پرانے زمانوں میں بعضوں کو بھورے میں سالہا سال تک رکھا جاتا تھا۔ہمیں نہایت سختی سے کہا جاتا کہ کہیں سے کھانے پینے کی کوئی چیز نہ لینا۔مبادا اس میں کسی دشمن کی شرارت ہو''

(خطباتِ محمود جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۳،۱۷۴)

روایات کی اہمیت

حضرت مصلح موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق روایات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک بات جس کی طرف مَیں نے اس سال جماعت کو خصوصیت سے توجہ دلائی ہے اور وہ اتنی اہم ہے کہ جتنی بار اس کی اہمیت کی طرف جماعت کو متوجہ کیا جائے کم ہے۔یہ ہے کہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات اور آپ کے کلمات ...... جمع کرائے جائیں"۔

(انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۵۵۴)

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی سے دنیا فائدہ اُٹھاتی چلی آئی اور اٹھاتی چلی جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات سے بھی دنیا فائدہ اُٹھائے گی اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو جمع کر دیں"۔ (انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۵۵۴)

اسی تسلسل میں آپ بڑے زوردار الفاظ میں فرماتے ہیں:

"آج ہم ان باتوں کی اہمیت نہیں سمجھتے مگر جب احمدی فقہ، احمدی تصوف اور احمدی فلسفہ بنے گا تو اُس وقت یہ معمولی نظر آنے والی باتیں اہم حوالے قرار پائیں گی اور بڑے بڑے فلسفی جب ان واقعات کو پڑھیں گے تو کود پڑیں گے اور کہیں گے خدا اس روایت کو بیان کرنے والے کو جزائے خیر دے کہ اس نے ہماری ایک پیچیدہ گتھی سلجھا دی"۔ (انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۵۵۵)

حضرت مسیح پاک کا مبارک زمانہ اور عشاق کی کیفیت

حضرت مصلح موعود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مبارک زمانہ کا جس انداز میں ذکر فرمایا ہے وہ ایک منفرد انداز ہے۔ آپ تفسیر کبیر میں سورۃ القدر کی تفسیر کرتے ہوئے نبی کے زمانہ کو لیلۃ القدر سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی پر ترقی کر رہا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں کوئی نہ کوئی شخص بیعت میں شامل نہ ہو۔ ترقی اور عروج اور طاقت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر اس غلبہ کے باوجود کون کہہ سکتا ہے کہ یہ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے بہتر ہے۔ بے شک ہمیں کامیابیاں زیادہ حاصل ہو رہی ہیں، ترقیات زیادہ حاصل ہو رہی ہیں، غلبہ زیادہ حاصل ہو رہا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کو یاد کر کے دل تڑپ اُٹھتا ہے اور یہ ساری کامیابیاں بالکل حقیر نظر آنے لگتی ہیں۔

میرے قرآن پر ایک چھوٹا سا پرانا نوٹ ہے جو اُن قلبی کیفیات کو خوب ظاہر کرتا ہے جو نبی کا زمانہ دیکھنے والوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔ مَیں نے سَلَامٌ پر نوٹ لکھا ہے۔ یعنی اُس رات میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ آہ مسیح موعود کا وقت! اُس وقت تھوڑے تھے مگر امن تھا۔"

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۴۰)

حضرت مسیح موعود کی زندگی میں عشاق مسیح موعود کی کیا کیفیت تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں سارا

سارا دن اُس کھڑکی کے سامنے بیٹھے رہتے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر آیا کرتے تھے اور جب باہر آتے تو وہ آپ سے مصافحہ کرتے یا آپ کے کپڑوں کو ہی چھو لیتے''۔

(خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۶)

بجلی کی کڑک اور عشق کا ایک نظارہ

''مجھے اس وقت بچپن کی ایک بات یاد آ گئی مجھے اس پر ہنسی بھی آیا کرتی ہے اور اس پر ناز بھی۔ ہے تو وہ جہالت کی بات مگر ایسی جہالت جس پر عقل کے ہزاروں فعل قربان کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ رات کے وقت صحن میں سو رہے تھے کہ بادل زور شور سے گھر آئے اور بجلی نہایت زور سے کڑکی۔ وہ کڑک اس قدر شدید تھی کہ ہر شخص نے یہی سمجھا کہ گویا بالکل اُس کے پاس بجلی گری ہے۔ اس کیفیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہمارے بورڈنگ ہاؤس کا ایک لڑکا اُس وقت گھبرا کر چارپائی سے گر پڑا اور اُس نے خیال کیا کہ بجلی مجھ پر گری ہے اور اس خوف سے اس نے شور مچانا شروع کیا مگر دہشت کی وجہ سے اُس کی زبان سے لفظ تک نہیں نکلتا تھا۔ سننے والے حیران تھے کہ وہ چارپائی کے نیچے پڑا ہوا ''بلی بلی'' کا شور کر رہا تھا۔ آخر کچھ دیر کے بعد وہ سمجھے کہ یہ بجلی بجلی کہہ رہا ہے۔ خیر تو جب بادل زور سے آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو صحن میں سو رہے تھے چارپائی سے اُٹھ کر کمرہ کی طرف جانے لگے دروازہ کے قریب پہنچے کہ بجلی زور سے کڑکی۔ مَیں اُس وقت آپ کے پیچھے تھا۔ مَیں نے اُسی وقت اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر آپ کے سر پر رکھ دیئے۔ اس خیال سے کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے آپ پر نہ گرے۔ اب یہ ایک جہالت کی بات تھی بجلیاں جس خدا کے ہاتھ میں ہیں اُس کا تعلق میری نسبت آپ سے زیادہ تھا بلکہ آپ کے طفیل میں بھی بجلی سے بچ سکتا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہاتھوں سے بجلی کو نہیں روکا جا سکتا مگر عشق کی وجہ سے مجھے ان سب باتوں میں سے کوئی بات بھی یاد نہ رہی۔ محبت کے وفور کی وجہ سے یہ سب باتیں میری نظر سے اوجھل ہو گئیں اور مَیں نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ یہ جہالت کی بات تھی مگر اس جہالت پر مَیں آج بھی ہزار عقل قربان کر دینے کے لئے تیار ہوں کیونکہ یہ جہالت عشق کی وجہ سے تھی''۔ (خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۸۱۴)

حضرت مسیح پاک کے زمانہ کا آخری جلسہ

''مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا آخری جلسہ یاد ہے مَیں سیر میں ساتھ تو نہیں تھا مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر سے واپس گھر آئے تو فرمایا۔ اب

تو جلسہ پر اتنے آدمی آتے ہیں کہ آئندہ جلسہ پر سیر کے لئے جانا بالکل مشکل ہو جائے گا۔ آج تو تھوڑی دور گئے مگر اس قدر گرد و غبار اُٹھا کہ آگے جانا مشکل ہو گیا۔ اُس وقت اندازہ کیا گیا تو قریباً سات سو آدمی جلسہ پر آئے تھے۔۔۔۔۔ اُس سال کے جلسہ کی تقریریں تو مجھے یاد نہیں اتنا یاد ہے کہ اس ۔۔۔۔۔ کے صحن میں جو قبر ہے اس سے ورے ۔۔۔۔۔ کے فرش کی منڈیر تھی اُس وقت ۔۔۔۔۔ کا صحن موجودہ صحن سے بہت چھوٹا تھا اس پر لوگ بیٹھے تھے اور ۔۔۔۔۔ کے درمیانے در میں کرسی پر بیٹھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقریر فرمائی تھی ہم اس منڈیر پر بیٹھے تھے اور اُس وقت کی ۔۔۔۔۔ بالکل پُر تھی اور تمام احباب اس ذوق شوق سے لبریز تھے کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے ماتحت جماعت اب بہت پھیل گئی ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۲ صفحہ ۵۱۰، ۵۱۱)

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری ایام میں آخری جلسہ سالانہ پر سیر کے لئے باہر نکلے تو جس وقت آپ اس بڑ کے درخت کے قریب پہنچے جو آج کل ریتی چھلہ کے درمیان میں ہے تو ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے سیر کے لئے جانا آپ کے لئے مشکل ہو گیا اور اسی جگہ ٹھہر کر آپ نے لوگوں کو مصافحہ کا موقع دیا۔ اُس وقت ہجوم میں پانچ چھ سو کے قریب لوگ تھے۔ ہجوم کی زیادتی اور محبت کے وفور کی وجہ سے مصافحہ کے لئے رستہ ملنا بعض کو مشکل ہو گیا۔ ایک زمیندار سے دوسرے زمیندار نے پوچھا کیوں بھئی مصافحہ کر لیا۔ اُس نے جواب دیا ہجوم بہت ہے اور دھکے لگتے ہیں۔ مَیں نے تو ابھی مصافحہ نہیں کیا۔ وہ کہنے لگا دھکے کیا ہوتے ہیں۔ اگر تمہاری ہڈیوں سے بوٹیاں بھی الگ ہو جائیں تو پرواہ نہیں، ہجوم میں گھس جاؤ اور مصافحہ کر آؤ یہ دن تمہیں کہاں نصیب ہو سکتے ہیں''۔ (انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴)

اس آخری جلسہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی کیفیت کیا تھی۔ حضرت مصلح موعود نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ فرمایا:

''آپ کے زمانہ میں جو آخری جلسہ ہوا اُس میں سات سو آدمی جمع ہوئے تھے۔ مجھے یاد ہے آپ سیر کے لئے باہر تشریف لے گئے تو ریتی چھلہ میں جہاں بڑ کا درخت ہے وہاں لوگوں کی کثرت اور اُن کے اژدہام کو دیکھ کر آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے ہمارا کام ختم ہو چکا ہے کیونکہ اب غلبہ اور کامیابی کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں۔ پھر آپ بار بار احمدیت کی ترقی کا ذکر کرتے اور فرماتے، اللہ تعالیٰ نے احمدیت کو کس قدر ترقی بخشی ہے۔ اب تو ہمارے جلسہ میں سات سو آدمی شامل ہونے کے لئے آ گئے ہیں۔ یہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ مَیں سمجھتا ہوں جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ

نے مجھے بھیجا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ اب احمدیت کو کوئی مٹا نہیں سکتا''۔ (تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ ۳۴۰)

''انبیاء کے زمانہ میں کچھ ایسا شور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں کچھ اس قسم کا اخلاص پیدا کر دیتا ہے کہ انہیں تبلیغ کرنے اور دوسروں تک اپنی باتیں پہنچانے کے سوا چین ہی نہیں آتا۔ انہیں لاکھ گالیاں دی جائیں وہ اپنے کام سے نہیں رُکتے اور لوگوں کی ہدایت کے لئے اُن کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ہم مخالفوں کے منہ سے یہ فقرہ سنا کرتے تھے کہ احمدی تو ہمارا پیچھا ہی نہیں چھوڑتے''۔

(تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۴)

حضرت مصلح موعود حضرت مسیح پاک کے عشاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ملیریا زدہ ہندوستان کے اندر فاقہ میں اپنے اوقات بسر کرنے والے اور بہت کم خوراک استعمال کرنے والے لوگ ہماری جماعت میں پائے جاتے تھے مگر ان کے اخلاص اور ان کی قربانی اور ان کی مستعدی اور ان کی جانفشانی کی یہ حالت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کوئی حکم سنتے تو وہ راتوں رات بٹالہ یا گورداسپور یا امرتسر پہنچ جاتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل کر کے واپس آتے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۴۷)

مسیح پاک کی مجلس

حضور کی مجلس کا نقشہ حضرت مصلح موعود نے یوں کھینچا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جو دوست باہر سے آیا کرتے تھے وہ مشکل مسائل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کرتے اور اس طرح گفتگو کا موقع ملتا رہتا تھا اور بعض دوست تو عادتاً بھی کر لیا کرتے اور جب بھی وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھتے کوئی نہ کوئی سوال پیش کر دیا کرتے۔ مجھے ان میں سے دو شخص جو اس کام کو خصوصیت سے کیا کرتے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک میاں معراج دین صاحب عمر جو آج کل قادیان میں ہی رہتے ہیں اور دوسرے میاں رجب الدین صاحب جو خواجہ کمال الدین صاحب کے خسر تھے۔ مجھے یاد ہے مجلس میں بیٹھتے ہی یہ سوال کر دیا کرتے کہ حضور فلاں مسئلہ کس طرح ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مسئلہ پر تقریر شروع فرما دیتے''۔

(خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۴)

ایک عاشق صادق کی منظر کشی

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا حضرت مصلح موعود نے عجیب انداز میں ذکر فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مولوی عبدالکریم صاحب کو خاص عشق تھا اور ایسا عشق تھا کہ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اُس زمانہ کو دیکھا۔ دوسرے لوگ اس کا قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ایسے وقت میں فوت ہوئے جب میری عمر سولہ سترہ سال تھی اور جس زمانہ سے مَیں نے ان کی محبت کو شناخت کیا ہے۔ اُس وقت میری عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگی یعنی بچپن کی عمر تھی لیکن باوجود اس کے مجھ پر ایک ایسا گہرا نقش ہے کہ مولوی صاحب کی دو چیزیں مجھے کبھی نہیں بھولتیں۔ ایک تو اُن کا پانی پینا اور ایک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُن کی محبت۔ آپ ٹھنڈا پانی بہت پسند کرتے تھے اور اسے بڑے شوق سے پیتے تھے اور پیتے وقت غٹ غٹ کی ایسی آواز آیا کرتی تھی کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کی نعمتوں کو جمع کر کے بھیج دیا ہے۔ اس زمانہ میں اس ...... اقصیٰ کے کنویں کا پانی بہت مشہور تھا...... آپ کا طریق یہ تھا کہ کہتے بھئی کوئی ثواب کماؤ اور پانی لاؤ۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود موجود ہوتے تو اور بات تھی۔ ورنہ آپ سیڑھیوں پر آ کر انتظار میں کھڑے ہو جاتے اور پھر لوٹا لے کر منہ سے لگا لیتے۔ دوسرے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں بیٹھے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ کی آنکھیں حضور کے جسم میں سے کوئی چیز لے کر کھا رہی ہیں۔ اُس وقت گویا آپ کے چہرے پر بشاشت اور شگفتگی کا ایک باغ لہرا رہا ہوتا تھا اور آپ کے چہرہ کا ذرہ ذرہ مسرت کی لہر پھینک رہا ہوتا تھا۔ جس طرح مسکرا مسکرا کر آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں سنتے اور جس طرح پہلو بدل بدل کر داد دیتے وہ قابل دید نظارہ ہوتا۔ اگر اس کا تھوڑا سا رنگ میں نے کسی اور میں دیکھا تو وہ حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے۔ غرض مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خاص عشق تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی آپ سے ویسی ہی محبت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد ہمیشہ بیٹھ کر باتیں کرتے لیکن مولوی صاحب کی وفات کے بعد آپ نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور اب بیٹھتے نہیں تو فرمایا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی جگہ کو خالی دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے''۔

(خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲)

حضرت منشی رستم علی صاحب کا ذکر

''مجھے یاد ہے۔میں ایک دفعہ حضور کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک منی آرڈر آیا جس کے کوپن پر کچھ لکھا تھا۔ جسے پڑھ کر آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی جیسے جذبہ وفا کو دیکھ کر ایک رقت سی طاری ہو جاتی ہے۔پھر آپ نے بتایا یہ منی آرڈر منشی رستم علی صاحب کا ہے اور لکھا ہے کہ حضور کی تحریر مالی تکالیف کے متعلق پہنچی اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے ساتھ ہی میرے لئے اس میں حصہ لینے کا موقع بہم پہنچا دیا یعنی میری ترقی کا حکم آ گیا ہے۔ان کی تنخواہ ۷۰ روپے کے قریب تھی اور ترقی ہونے پر ایک سو یا کچھ کم وبیش کا اس میں اضافہ ہوا تھا۔انہوں نے لکھا یہ اضافہ اور جتنے عرصہ کی بقایا ترقی ملی ہے وہ سب حضور کے لئے ہے۔وہ میں بھیجتا ہوں اور پہلی تنخواہ سے چندہ بھی بھیجتا رہوں گا۔آج بھی ایسے نمونے ہیں مگر ان لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب حاصل تھا اس لئے اُن کی قربانیاں عشق کے ساتھ ہوتی تھیں''۔(خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۱۷۸)

حضرت منشی اروڑے خان کے عشق کا رنگ

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''منشی اروڑے خان صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق تھا۔وہ کپورتھلہ میں رہتے تھے اور کپورتھلہ کی جماعت کے اخلاص کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر تعریف فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے انہیں ایک تحریر بھی لکھ دی تھی جو انہوں نے رکھی ہوئی ہے کہ اس جماعت نے ایسا اخلاص دکھایا ہے کہ یہ جنت میں میرے ساتھ ہوں گے۔وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بار بار درخواست کرتے کہ حضور کبھی کپورتھلہ تشریف لائیں آپ نے بھی وعدہ کیا ہوا تھا کہ جب موقع ہوا آئیں گے۔ایک بار جو فرصت ملی تو اطلاع دینے کا وقت نہ تھا اس لئے آپ بغیر اطلاع دیئے ہی چل پڑے اور کپورتھلہ کے سٹیشن پر جب اُترے تو ایک شدید مخالف نے آپ کو دیکھا جو آپ کو پہچانتا تھا......منشی اروڑا صاحب سناتے ہیں کہ ہم ایک دکان پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ وہ دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا تمہارے مرزا صاحب آئے ہیں۔ یہ سُن کر جوتی اور پگڑی وہیں پڑی رہی اور میں ننگے پاؤں اور ننگے سر اسٹیشن کی طرف بھاگا۔مگر تھوڑی دور جا کر خیال آیا کہ ہماری ایسی قسمت کہاں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے ہاں تشریف لائیں اطلاع دینے والا مخالف ہے، اس نے مخول نہ کیا ہو۔اس پر میں نے کھڑے ہو کر اسے ڈانٹنا شروع کر دیا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، مذاق اُڑاتا ہے۔مگر پھر خیال آیا کہ شاید آ ہی گئے

ہوں۔اس لئے پھر بھاگا۔پھر خیال آیا کہ ہماری ایسی قسمت نہیں ہو سکتی اور پھر اسے کوسنے لگا۔وہ کہے مجھے بُرا بھلا نہ کہو۔مَیں تمہارے ساتھ چلتا ہوں اس پر پھر چل پڑا۔غرضیکہ مَیں کبھی دوڑتا اور کبھی کھڑا ہو جاتا۔اسی حالت میں جا رہا تھا کہ سامنے کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں۔تو یہ جنون والا عشق ہے...... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جب فوت ہوئے ہیں تو کچھ عرصہ بعد منشی اروڑے خان صاحب قادیان آگئے تھے۔ایک دفعہ آپ نے مجھے پیغام بھیجا کہ مَیں ملنا چاہتا ہوں۔مَیں جو اُن سے ملنے کے لئے باہر آیا تو دیکھا کہ اُن کے ہاتھ میں دو یا تین اشرفیاں تھیں جو انہوں نے یہ کہتے ہوئے مجھے دیں کہ اماں جان کو دے دیں......اس کے بعد انہوں نے رونا شروع کیا اور چیخیں مار مار کر اس شدت کے ساتھ رونے لگے کہ ان کا تمام جسم کانپ رہا تھا۔اگرچہ مجھے خیال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یاد انہیں رُلا رہی ہے مگر وہ کچھ اس بے اختیاری سے رو رہے تھے کہ مَیں نے سمجھا کہ اس میں کسی اور بات کا بھی دخل ہے۔غرضیکہ وہ دیر تک کوئی پندرہ بیس منٹ بلکہ آدھ گھنٹہ تک روتے رہے۔مَیں پوچھتا رہا کہ کیا بات ہے۔وہ جواب دینا چاہتے مگر رقت کی وجہ سے جواب نہ دے سکتے۔آخر جب ان کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے کہا کہ مَیں نے جب بیعت کی ،اُس وقت میری تنخواہ سات روپیہ تھی اور اپنے اخراجات میں ہر طرح سے تنگی کر کے اس کے لئے کچھ نہ کچھ بچاتا کہ خود قادیان جا کر حضور کی خدمت میں پیش کروں اور بہت سا رستہ مَیں پیدل طے کرتا تا کہ کم سے کم خرچ کر کے قادیان پہنچ سکوں۔پھر ترقی ہو گئی اور ساتھ اس کے یہ حرص بھی بڑھتی گئی۔آخر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں حضور کی خدمت میں سونا نذر کروں۔جو تھوڑی سی تنخواہ میں سے علاوہ چندہ کے پیش کرنا چاہتا تھا لیکن جب تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ جمع کر لیتا تو پھر گھبراہٹ سی پیدا ہوتی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھے اتنی مدت ہو گئی ہے، اس لئے قبل اس کے کہ سونا حاصل کرنے کے لئے رقم جمع ہو، قادیان چلا آتا اور جو کچھ پاس ہوتا۔حضور کی خدمت میں پیش کر دیتا۔آخر یہ تین پونڈ جمع کئے تھے اور ارادہ تھا کہ خود حاضر ہو کر پیش کروں گا کہ آپ کی وفات ہو گئی''۔ (خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۰)

حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کا اخلاص

''ہماری جماعت میں مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کے اثر کے ماتحت بہت لوگ داخل ہوئے تھے۔جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جہلم سے مقدمہ کی پیروی کے بعد واپس تشریف لائے تو آپ بہت ہی متاثر تھے کیونکہ مولوی برہان الدین صاحب کا وہاں بڑا اثر تھا اور آپ

جہاں جاتے یہی وعظ کرتے تھے کہ مرزا صاحب آ رہے ہیں جاؤ اور اُن کو دیکھو۔ پھر اُن کے وعظ کا رنگ بھی عجیب تھا کہ بار بار کہتے سبحان اللہ۔ ایہہ نعمتاں کتھوں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جہلم تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے سینکڑوں لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ اسٹیشن سے کچہری تک لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے یہ حالت تھی کہ اگر تھالی پھینکی جاتی تو ان کے سروں پر اُڑتی چلی جاتی''۔ (انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۳۰۴)

حضرت مصلح موعود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سفر سیالکوٹ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مولوی برہان الدین صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص (رفقاء) میں سے تھے اور مدرسہ احمدیہ مولوی برہان الدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب کی یادگار کے طور پر بنا ہے تا کہ اس مدرسے سے ایسے عالم پیدا کئے جائیں جو ان کی کمی پوری کر سکیں اور ان کے جانشین بن سکیں ......اللہ تعالیٰ نے آپ کو (یعنی مسیح موعود علیہ السلام کو۔ناقل) سیالکوٹ میں ہر شر سے محفوظ رکھا اور اس سے دشمن اور بھی زیادہ غصہ میں بھر گئے۔ چنانچہ انہوں نے آخر تجویز کی کہ آپ کی واپسی پر ٹرین پر پتھر برسائے جائیں اور جو لوگ چھوڑنے جائیں واپسی کے وقت اُن کو دکھ دیا جائے۔ چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام واپس ہوئے تو آپ کی گاڑی پر پتھر برسائے گئے اور جو لوگ وداع کے لئے گئے تھے واپسی پر اُن پر حملہ کیا گیا۔اُن لوگوں میں مولوی برہان الدین صاحب مرحوم بھی شامل تھے۔لوگ بُری طرح اُن کے پیچھے پڑ گئے۔ ستر یا بہتر سال اُن کی عمر تھی اور نہایت کمزور تھے مگر خندہ پیشانی سے مار کھائی حتی کہ ایک شخص نے گوبر اُٹھایا اور اُن کے منہ میں ڈال دیا۔بعض دوستوں نے سنایا کہ مولوی صاحب اُس وقت بالکل غمگین نہ تھے بلکہ بہت خوش تھے اور بار بار کہتے ''ایہہ نعمتاں کتھوں۔ ایہہ نعمتاں کتھوں'' یعنی یہ نعمتیں ہم کو پھر کب میسر آ سکتی ہیں؟ گویا مامور کی خدمت میں مار کھانے کے مواقع روز روز حاصل نہیں ہوا کرتے۔ دیکھو! جس چیز کو لوگ ذلت خیال کرتے ہیں اُس کو مولوی صاحب نے عین عزت خیال کیا اور یہی قرآنی منشاء ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۷، ۴۹۸)

حضرت سیّد فضل شاہ صاحب ، سیّد ناصر شاہ اور نزول الہام کا منظر

حضرت مصلح موعود نے حضرت سیّد فضل شاہ صاحب کے بیٹے سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ڈاکٹر سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب ایک نہایت ہی پرانے احمدی خاندان میں سے ہیں ان کے

والد سیّد فضل شاہ صاحب حضرت صاحب کے نہایت ہی مکرم (رفیق) تھے اور عام طور پر حضرت صاحب کی خدمت کیا کرتے تھے اور اکثر قادیان میں آتے جاتے تھے۔ سیّد ناصر شاہ صاحب اوورسیئر جو بعد میں شاید ایس ڈی او ہو گئے تھے ان کے بھائی تھے۔ ان میں بھی بڑا اخلاص تھا اور وہ بھی حضرت صاحب کو بہت پیارے تھے اور وہ بھی اپنے اخلاص کی وجہ سے اپنے بھائی کو کہا کرتے تھے کہ کام کچھ نہ کرو، قادیان جا کر بیٹھے رہو۔ حضرت صاحب سے ملاقات کیا کرو، مجھے کچھ ڈائریاں بھیج دیا کرو، کچھ دعاؤں کے لئے کہتے رہا کرو، اخراجات میں بھیجا کروں گا چنانچہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرتے رہتے تھے محض اسی وجہ سے کہ وہ قادیان میں حضرت صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔

''مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک وحی جس کے شروع میں الرُّحٰی آتا ہے...... وہ ایسی حالت میں نازل ہوئی جب کہ حضرت صاحب کو دردِ گردہ کی شکایت تھی اور وہ آپ کو دبا رہے تھے۔ گویا ان کو یہ خاص فضیلت حاصل تھی کہ ان کی موجودگی میں دباتے ہوئے حضرت صاحب پر وحی نازل ہوئی اور وحی بھی اس طرز کی تھی کہ کلام بعض دفعہ اونچی آواز سے آپ کی زبان پر بھی جاری ہو جاتا تھا۔

''مجھے یاد ہے ہم چھوٹے بچے ہوتے تھے کہ ہم بے احتیاطی سے اس کمرہ میں چلے گئے جس میں حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے آپ نے اوپر چادر ڈالی ہوئی تھی اور سیّد فضل شاہ صاحب مرحوم آپ کو دبا رہے تھے ان کو محسوس ہوتا تھا کہ وحی ہو رہی ہے انہوں نے اشارہ کر کے مجھے کہا یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ ہم باہر آ گئے۔ بعد میں پتہ لگا کہ بڑی لمبی وحی تھی جو نازل ہوئی تھی''۔

(خطبات محمود جلد سوم صفحہ ۶۷۳)

حضرت خان محمد صاحب کپورتھلوی

''خان محمد خان صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے (رفیق) تھے اور آپ سلسلہ سے اتنی محبت رکھتے تھے کہ جب وہ یکم جنوری ۱۹۰۴ء کو فوت ہوئے تو دوسرے دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام ...... میں صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے اور فرمایا آج مجھے الہام ہوا ہے کہ

''اہل بیت میں سے کسی شخص کی وفات ہوئی ہے''

حاضرین مجلس نے کہا کہ حضور کے اہل بیت تو خدا تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ پھر

یہ الہام کس شخص کے متعلق ہے۔آپ نے فرمایا خان محمد خان صاحب کپورتھلوی کل فوت ہو گئے ہیں اور یہ الہام مجھے انہی کے متعلق ہوا ہے۔گویا خدا تعالیٰ نے الہام میں انہیں اہل بیت میں سے قرار دیا ہے۔پھر اُن کے متعلق یہ الہام بھی ہوا کہ

''اولاد کے ساتھ نرم سلوک کیا جائے گا''

(خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۴۷۸)

ایام جوانی کی کیفیات

حضرت مصلح موعود نے ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو جلسہ سالانہ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے ایام جوانی میں آپ کے والد صاحب اور ہمارے دادا صاحب اکثر اوقات افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے کہ میرا ایک بچہ تو لائق ہے (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی اور ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب) مگر دوسرا لڑکا (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) نالائق ہے۔ کوئی کام نہ اُسے آتا ہے اور نہ وہ کرتا ہے۔ مجھے فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ کھائے گا کہاں سے؟ یہاں سے جنوب کی طرف ایک گاؤں ہے کاھلواں اُس کا نام ہے وہاں کا ایک سکھ مجھ سے اکثر ملنے آیا کرتا تھا۔اُسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی محبت تھی کہ باوجود سکھ ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر جا کر سلام کیا کرتا تھا۔دعا کا طریق ان میں نہیں۔خلافت کے ابتدائی ایام میں جب کہ ۹-۱۰ بجے کے قریب ڈاک آیا کرتی تھی اور میں ......مبارک میں بیٹھ کر ڈاک دیکھا کرتا تھا۔ایک دن وہ سکھ اُس وقت جب کہ میں ڈاک دیکھ رہا تھا آیا اور......مبارک کی سیڑھیوں پر سے ہی مجھے دیکھ کر چیخ مار کر کہنے لگا آپ کی جماعت نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ مجھے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُس کے تعلقات کا علم تھا میں نے اُسے محبت سے بٹھایا اور پوچھا کیا ہوا ہے آپ بیان کریں۔ اگر میری جماعت کے کسی شخص نے آپ کو کسی قسم کی تکلیف اور دُکھ دیا ہے تو میں اُسے سزا دوں گا۔میرے یہ کہنے پر اُس نے جو دُکھ بتایا وہ یہ تھا کہ میں مرزا صاحب کی قبر پر متھا ٹیکنے کے لئے گیا تھا مگر مجھے متھا نہیں ٹیکنے دیا گیا۔میں نے کہا ہمارے ہاں یہ شرک ہے اور ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اُس نے کہا

اگر آپ کے مذہب میں یہ بات نا جائز ہے تو آپ نہ کریں مگر میرے مذہب سے آپ کو کیا واسطہ۔ مجھے کیوں نہ متھا ٹیکنے دیا جائے۔ جب اُس کا جوش ٹھنڈا ہوا تو کہنے لگا۔ ہمارا آپ کے خاندان سے پرانا تعلق ہے۔ میرا باپ بھی آپ کے دادا صاحب کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ آیا تو مَیں اور میرا ایک بھائی بھی ساتھ تھے۔ اُس وقت ہم چھوٹی عمر کے تھے۔ آپ کے دادا صاحب اُس وقت افسوس سے میرے باپ کو کہنے لگے مجھے بڑا صدمہ ہے۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے مَیں اپنے اس لڑکے کو بہت سمجھاتا ہوں کہ کوئی کام کرے مگر یہ کچھ نہیں کرتا۔ کیا میرے مرنے کے بعد یہ اپنے بھائی کے ٹکڑوں پر پڑا رہے گا؟ پھر کہنے لگے لڑکے لڑکوں کی باتیں مان لیتے ہیں اور ہم دونوں بھائیوں سے کہا تم جا کر اسے سمجھاؤ اور پوچھو کہ اُس کی مرضی کیا ہے؟ ہم دونوں بھائی گئے ...... اور جا کر کہا کہ آپ کے باپ کو شکوہ ہے کہ آپ کوئی کام نہیں کرتے، نہ کوئی ملازمت کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے اُن کے دل پر بہت صدمہ ہے۔ آپ ہمیں بتائیں آپ کا ارادہ کیا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات سُن کر فرمایا۔ بڑے مرزا صاحب خوامخواہ فکر کرتے ہیں مَیں نے جس کا نوکر ہونا تھا اُس کا نوکر ہو چکا ہوں۔ ہم نے آ کر بڑے مرزا صاحب سے کہہ دیا کہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ مجھے جس کا نوکر ہونا تھا، ہو چکا۔ اس پر آپ کے دادا صاحب نے کہا اگر وہ کہتا ہے تو ٹھیک کہتا ہے۔

"پھر جب دادا صاحب فوت ہو گئے تو باوجود اس کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ دین کی طرف اس قدر تھی کہ بڑے بھائی سے جائیداد وغیرہ کے متعلق کوئی سوال نہ کیا۔ آپ دن رات ...... میں پڑے رہتے۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے اُن دنوں میں بھُنے ہوئے چنے اپنے پاس رکھ لیا کرتا اور آخری عمر تک باوجودیکہ بڑھاپا آ گیا تھا آپ کو چنوں کا شوق رہا اور شاید یہ ورثہ کا شوق ہے جو مجھے بھی ہے اور مجھے دنیا کی بہت سی نعمتوں کے مقابلہ میں چنے اچھے لگتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے کہ مَیں بھُنے ہوئے چنے اپنے پاس رکھ لیتا اور جب کئی دفعہ گھر سے کھانا نہ آتا اور مَیں پوشیدہ طور پر روزے رکھتا تو چنوں پر گزارہ کر لیا کرتا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھ ماہ تک متواتر روزے رکھے۔ اس عرصہ میں بسا اوقات دو پیسے کے چنے بھنوا کر آپ رکھ لیتے۔ تبلیغ اسلام کا شوق آپ کو شروع سے ہی تھا۔ ہندو لڑکوں کو آپ اپنے پاس جمع کر لیتے اور اُن سے مذہبی گفتگو کرتے رہتے۔ حافظ معین الدین صاحب جو آپ کے خادم تھے اور نابینا تھے فرمایا

کرتے کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب گھر سے کھانا لانے کے لئے بھیجتے تو بعض اوقات اندر سے عورتیں کہہ دیا کرتیں کہ انہیں تو ہر وقت مہمان نوازی کی فکر رہتی ہے۔ ہمارے پاس کھانا نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دیتے اور خود چنوں پر گزارہ کرتے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۱)

حضرت مصلح موعود نے ایک جگہ نقشہ یوں کھینچا:

''ان دنوں آپ کا شغل یہ ہوتا تھا کہ قرآن کریم کا مطالعہ کرتے رہتے یا احادیث کی کتب دیکھتے یا مثنوی رومی کا مطالعہ کرتے اور یتیموں اور مسکینوں کا ایک گروہ کسی کسی وقت آپ کے پاس آجاتا تھا جن میں آپ اپنی روٹی تقسیم کر دیتے اور بسا اوقات بالکل ہی فاقہ کرتے اور بعض اوقات صرف چنے بھنوا کر چبا لیتے اور آپ کی خلوت نشینی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ گھر کے لوگ آپ کو کھانا بھیجنا تک بھول جاتے''۔ (انوار العلوم جلد ۷ صفحہ ۵۷۴)

ذکر الٰہی میں گہرا انہماک

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ایام جوانی میں گوشہ تنہائی میں ذکر الٰہی کے عادی تھے اور آپ اس میں کس قدر گہرا انہماک رکھتے تھے اس کا نقشہ حضرت مصلح موعود کے درج ذیل وجد آفریں ارشاد میں ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ہم اُن دنوں کو نہیں بھول سکتے جب کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بنیاد دنیا میں پڑی تھی اور جب کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ وہ بستی جسے اُس کے ضلع کے لوگ بھی نہ جانتے تھے کسی وقت سارے جہان کا مرجع بن جائے گی۔ کبھی وہ وقت تھا کہ وہ شخص جس کے متعلق بعض دفعہ اُس کے والد کے گہرے دوست بھی اُس کا نام سن کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں نہیں معلوم تھا مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا کوئی اور بیٹا بھی ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے والد کے دوستوں میں سے کئی ایسے تھے جو سالہا سال کی ملاقات کے بعد یہ معلوم نہ کر سکے تھے کہ مرزا غلام قادر صاحب کے سوا ان کا کوئی اور بیٹا بھی ہے۔ کیونکہ بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ گوشہ تنہائی میں رہتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے عادی تھے۔ اس وقت ہمارے ایک دوست شیخ ... میرے پاس ہی بیٹھے ہیں وہ سنایا کرتے ہیں ابتدائے ایام میں یعنی اپنی ابتدائی زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُن کے والد صاحب مقدمات کی پیروی کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک اہم مقدمہ چل رہا تھا جس کی کامیابی پر خاندانی عزت اور خاندان کے وقار کا انحصار تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے والد صاحب نے

لاہور بھیج دیا کہ وہاں جا کر پیروی کریں۔ چنانچہ آپ لمبا عرصہ جو مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے قریب تھا لاہور رہے۔قادیان کے سیّد محمد علی شاہ صاحب لاہور میں رہتے تھے۔ اُن کے پاس آپ ٹھہرے اور انہوں نے اپنے ایک دوست کی گاڑی کا انتظام کر دیا کہ جب چیف کورٹ کا وقت ہو آپ کو وہاں پہنچا آیا کرے اور جب وقت ختم ہو جائے آپ کو لے آئے۔ یہ بیان کرنے والے دوست کے والد صاحب کی گاڑی تھی۔کئی دنوں کے انتظار کے بعد جب فیصلہ سنایا گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گاڑی کے پہنچنے سے پہلے ہی سیّد محمد علی شاہ صاحب کے گھر آ گئے۔سیّد صاحب نے پوچھا آج آپ گاڑی کے پہنچنے سے پہلے ہی آ گئے۔آپ بڑے خوش خوش تھے۔فرمانے لگے مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا اس لئے مَیں پہلے ہی آ گیا۔سیّد صاحب نے آپ کی خوشی کو دیکھ کر سمجھا، مقدمہ میں کامیابی ہوئی ہو گی مگر جب پوچھا کہ کیا مقدمہ جیت گئے تو آپ نے فرمایا۔مقدمہ تو ہار گئے مگر اچھا ہوا جھگڑا تو مٹا۔اب ہم اطمینان سے خدا تعالیٰ کو یاد کر سکیں گے۔ یہ سُن کر سیّد صاحب بہت ناراض ہوئے ،اُس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ نہیں کیا تھا اور جب آپ نے دعویٰ کیا تو بھی کچھ عرصہ تک سیّد صاحب مخالف رہے۔انہوں نے ناراض ہو کر کہا اس مقدمہ کے ہار جانے سے تو آپ کے خاندان پر تباہی آ جائے گی اور آپ خوش ہو رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ نے کہا تھا وہ پورا ہو گیا''۔ (انوار العلوم جلد ۱۳ صفحہ ۲۸۵، ۲۸۶)

دورِ گمنامی – اور پھر شہرت

حضرت مصلح موعود نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دورِ گمنامی اور دورِ شہرت پر بھی لطیف روشنی ڈالی ہے چنانچہ فرمایا:

''اسی زمانے میں دیکھ لو۔خدا کا ایک مامور آیا۔اس کے مقابلہ میں ایک لاٹ مولوی اُٹھا۔ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی لاہور میں جاتا اور انارکلی سے گزرتا تو اس کے استقبال و ملاقات کے لئے بے شمار آدمی اکٹھا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ ہندو بھی اپنی دوکانیں چھوڑ کر باہر نکل کھڑے ہوتے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت اقدس جنہوں نے شاکر و محسن طبیعت پائی تھی۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ سرائے میں جا کر میں ٹھہرا، چارپائی نہ ملی، اصطبل میں ایک جگہ ملی جہاں نیچے فرش پر رات کاٹنی پڑی اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک سکھ جو وہاں موجود تھا ساری رات بڑبڑاتا رہا کہ یہ کہاں سے آ گیا مَیں آگے ہی تنگ تھا۔ایک وقت تو یہ تھا۔یا اب یہ وقت بھی آیا کہ بغیر اس کے کہ پہلے اطلاع دی جائے ہر اسٹیشن پر آدمیوں کے پُرے کے پُرے جم جاتے تھے۔موافق لوگوں کو تو خیر آنا ہی تھا مگر مخالف بھی کیا ہندوستانی، کیا پنجابی، کیا

انگریز ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے اور جگہ نہ ملتی تھی۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ مَیں کسی طرح چہرہ دیکھ لوں۔ برخلاف اس کے وہ مولوی جو کسی وقت ان زوروں پر تھا۔ مَیں نے اسے دیکھا ہے کہ ایک اسٹیشن پر ایک گٹھڑی اُٹھائے ہاتھوں میں کھانا پکڑے ریل کی طرف اکیلا دوڑا جاتا تھا''۔ (انوار العلوم جلد ۱ صفحہ ۳۸۵)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا تعلق باللہ

حضرت مصلح موعود اپنے ایک لیکچر ''مدارج تقویٰ'' میں تقویٰ کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے تقویٰ اور تعلق باللہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''تقویٰ ایک ایسی نعمت ہے کہ جس شخص کو حاصل ہو پھر وہ اس کے مقابل میں دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا۔ چنانچہ ایک بات حضرت اقدس کی مجھے یاد آ گئی۔ آپ لوگوں کا حق ہے کہ آپ کو سنائی جائے۔ کیونکہ اگرچہ میرا حضرت سے دوہرا یعنی جسمانی بھی اور روحانی بھی تعلق ہے مگر روحانی لحاظ سے آپ بھی ان کے بیٹے ہیں۔ آپ کی نوٹ بک مَیں نے دیکھی۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی پاک خیال پاک جذبہ دل میں اُٹھتا تو آپ لکھ لیتے اس نوٹ بک میں خدا کو مخاطب کر کے لکھا ہے:

''او میرے مولیٰ! میرے پیارے مالک! میرے محبوب! میرے معشوق خدا! دنیا کہتی ہے تو کافر ہے۔ مگر کیا تجھ سے پیارا مجھے کوئی اور مل سکتا ہے۔ اگر ہو تو اس کی خاطر تجھے چھوڑ دوں۔ لیکن مَیں تو دیکھتا ہوں کہ جب لوگ دنیا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ جب میرے دوستوں اور دشمنوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ مَیں کس حال میں ہوں اس وقت تو مجھے جگاتا ہے اور محبت سے پیار سے فرماتا ہے کہ غم نہ کھا۔ مَیں تیرے ساتھ ہوں۔ تو پھر اے میرے مولیٰ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس احسان کے ہوتے پھر مَیں تجھے چھوڑ دوں۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں''۔ (انوار العلوم جلد ۱ صفحہ ۳۷۵،۳۷۶)

آپ کے تعلق باللہ پر حضرت مصلح موعود کی یہ روایت بھی حسین روشنی ڈالتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

''جبکہ آپ سیالکوٹ ہی میں تھے کہ آپؑ کی والدہ سخت بیمار ہو گئیں اور آپ کے والد صاحب نے ان کی بیماری کے سبب سے بھی اور اس خیال سے بھی کہ اس قدر عرصہ باہر رہنے کی وجہ سے اور دنیا کے سرد و گرم کے چکھنے کے سبب سے اب آپؑ کی طبیعت دنیا کے کاروبار کی طرف مائل ہو گئی ہوگی آپؑ کو واپس بلوا لیا اور اپنی جائداد کا انتظام آپ کے سپرد کر دیا۔ مگر وہ

پاکیزگی اور خدا سے لگاؤ جو آپ کو حاصل تھا اس کا زور جس طرح کچہری کی ملازمت سے کم نہ ہوا تھا۔ اب جائیداد کے انتظام سے بھی اس میں کوئی کمی پیدا نہ ہوئی۔ آپؑ والد کے کہنے پر کام تو کرتے مگر توجہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف رہتی اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد کو نہ بھولتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ ایک مقدمہ پر گئے ہوئے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اس وقت یہاں سے جانا درست نہیں کیونکہ ابھی مجسٹریٹ آواز دے گا مگر آپؑ نے اس کی پرواہ نہ کی باہر جا کر نماز شروع کر دی۔ اس عرصہ میں مجسٹریٹ نے پہلے مقدمہ سے فراغت حاصل کر کے آپؑ کے مقدمہ کا کام شروع کیا اور آپ کو آواز دی گئی مگر آپؑ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے اور جب عبادتِ الٰہی سے فراغت حاصل کر کے عدالت میں گئے تو اس وقت تک مجسٹریٹ مقدمہ ختم کر چکا تھا''۔ (انوار العلوم جلد ۲ صفحہ ۴۸۷)

بلانے والا ہے سب سے پیارا

حضرت مصلح موعود صاحبزادہ مرزا مبارک کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

''ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ ماں باپ کو عموماً چھوٹے بچے بہت پیارے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس سے بہت اُنس تھا اور پھر اس لئے بھی آپ اس سے زیادہ پیار کرتے تھے کہ وہ عموماً بیمار رہتا تھا۔ میری عمر جب وہ فوت ہوا اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ اس کی آخری بیماری کے ایام میں اُس کا علاج کرنے میں بہت سے معالج مصروف تھے مثلاً حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ......، ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب، ڈاکٹر سیّد عبدالستار شاہ صاحب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس روز صبح کی نماز پڑھ کر گھر آئے تو ساتھ ہی حضرت خلیفہ اوّل ...... اور ڈاکٹر صاحبان بھی آ گئے۔ اُس وقت اُسے ضعف کی شکایت تھی لیکن چہرہ سے اچھی حالت معلوم ہوتی تھی۔ ڈاکٹروں نے اُسے دیکھ کر کہا کہ اب افاقہ معلوم ہوتا ہے اور وہ مطمئن ہو گئے لیکن حضرت خلیفہ اوّل ...... چونکہ زیادہ تجربہ کار تھے اس لئے آپ نے فوراً معلوم کر لیا کہ بچہ کی حالت نازک ہے۔ انہوں نے گھبرا کر فوراً نبض دیکھنی شروع کر دی لیکن نبض کی حرکت معلوم نہ ہوئی ...... پھر آپ نے اس کی بغل میں ہاتھ رکھا وہاں بھی نبض نہ ملی جب حضرت خلیفہ اوّل ...... نے دیکھا کہ نبض نہیں ملتی تو آپ نے گھبرا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور جلدی مشک دیجئے ...... حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس فقرہ سے سمجھ گئے کہ بچے کی حالت اچھی نہیں اور ویسے ہی بغیر مشک لئے واپس آ گئے

اور فرمایا۔ کیا بچہ فوت ہوگیا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل ...... نے فرمایا ہاں حضور فوت ہوگیا ہے۔ آپ نے فوراً اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّـا اِلَیْہِ راجِعُوْن پڑھا اور بجائے کسی گھبراہٹ کا اظہار کرنے کے باہر کے احمدیوں کو خط لکھنے شروع کر دیئے کہ مومنوں پر ابتلاء آیا ہی کرتے ہیں۔ ان سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اپنے ایمان کو پختہ رکھنا چاہیئے اور پھر لکھا کہ مبارک احمد کی وفات کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مجھے خبر دے دی تھی کہ یہ چھوٹی عمر میں ہی اُٹھا لیا جائے گا۔ پس اس کے فوت ہونے سے خدا تعالیٰ کی پیشگوئی پوری ہوگئی ہے۔ پھر آپ نے اس کے کتبہ کے لئے جو اشعار لکھے اُن میں سے ایک یہ بھی مصرع ہے کہ

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر"

(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۷، ۲۹۸)

دعا اور تنہائی

"مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہے آپ جنگل میں تنہا چلے جایا کرتے تھے۔ اس بات کا علم اکثر لوگوں کو نہیں ہے مگر آپ اس راستہ سے جو میاں بشیر احمد کے مکان کے پاس سے گزرتا ہے دس بجے کے قریب سیر کو جانے کے علاوہ اکیلے بھی جایا کرتے تھے۔ ایک دن جو آپ جانے لگے تو مَیں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دور چلے تو واپس لوٹ آئے اور مسکرا کر فرمانے لگے۔ پہلے تم جانا چاہتے ہو تو ہو آؤ۔ مَیں بعد میں جاؤں گا۔ اس سے مَیں سمجھ گیا کہ آپ اکیلے جانا چاہتے تھے مَیں واپس آ گیا"۔ (خطبات محمود جلد ۵ صفحہ ۱۹۷)

الہامات کی کثرت

حضرت مصلح موعود الہامات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بارہا سنا آپ فرماتے کہ بعض الہام تو ہم پر روز ہی ہوتے ہیں لیکن وہ چونکہ محض تسکینِ قلب کے لئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی"۔ (خطبات محمود جلد ۱۲ صفحہ ۳۰۸، ۳۰۹)

حبی فی اللہ کی لطیف تفسیر

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن چند قسم کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ کا

سایہ ہوگا اور ان آدمیوں میں سے ایک وہ دو شخص ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی لئے ان لوگوں کو جو ابتدائی زمانہ میں بیعت کرتے تھے۔ حبی فی اللہ لکھا کرتے تھے۔ اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہوتا تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے اور قیامت کے روز آپ اللہ تعالیٰ کے سایہ کے نیچے ہوں گے‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۴)

حضور کا دوسرا وطن سیالکوٹ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ دعویٰ سے قبل کچھ عرصہ کے لئے قادیان سے باہر تشریف لے گئے اور سیالکوٹ جاکر سرکاری ملازمت اختیار کرلی۔ اس دور کا نقشہ حضرت مصلح موعود نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

’’ایک دفعہ آپؑ کچھ اور دوستوں سمیت جن میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی ایک مکان میں سورہے تھے کہ آپؑ کی آنکھ کھلی اور آپ کو ایک آواز سنائی دی جس سے آپؑ نے سمجھا کہ یہ چھت اب گرنے والی ہے آپ نے اپنے ساتھیوں کو جگایا اور ان کو یہ بات بتائی مگر انہوں نے اس کو معمولی سمجھا اور چھت کو دیکھ کر پھر سو گئے۔ پھر انہوں نے جگایا کہ مَیں نے آواز سنی ہے اُٹھو اور اس مکان کو خالی کردو مگر انہوں نے پرواہ نہ کی اور ان کا وہم سمجھا پھر ان کو ایسی ہی آواز آئی اور دل میں ڈالا گیا کہ یہ چھت گرے گی اور صرف آپؑ کے نکلنے کا انتظار کررہی ہے۔ اس پر آپؑ نے ان کو جبراً اُٹھایا اور پہلے ان کو نکالا اور آخر میں آپؑ نکلے جونہی کہ آپؑ نے قدم اُٹھا کر سیڑھی پر رکھا چھت گرگئی اور تمام ساتھیوں نے محسوس کیا کہ اگر آپؑ وہاں نہ ہوتے یا پہلے ان کو نکال کر بعد میں خود نہ نکلتے تو ضرور وہ اس چھت کے نیچے دب کر مرجاتے اور وہ آپؑ کو عزت اور تعجب کی نگاہوں سے دیکھنے لگے‘‘۔ (انوار العلوم جلد ۶ صفحہ ۳۸۶، ۳۸۷)

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ میرا دوسرا وطن سیالکوٹ ہے۔ آپ اکثر سیالکوٹ جایا کرتے تھے‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۵ صفحہ ۳۸)

’’ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دعویٰ کے بعد سیالکوٹ تشریف لے گئے حکیم حسام الدین صاحب کو آپ کے تشریف لانے کی بہت خوشی ہوئی انہوں نے ایک مکان میں ٹھہرانے کا انتظام کیا لیکن جس مکان میں آپ کو ٹھہرایا گیا اس کے متعلق جب معلوم ہوا کہ اس کی چھت پر منڈیر کافی نہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سیالکوٹ سے واپسی کا ارادہ فرمالیا اور

اس وقت میرے ذریعہ ہی باہر مردوں کو لکھ دیا کہ کل ہم واپس قادیان چلے جائیں گے نیز یہ بھی بتلا دیا کہ یہ مکان ٹھیک نہیں کیونکہ اس کی چھت پر منڈیر نہیں ...... جونہی حکیم حسام الدین صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کس طرح واپس جاتے ہیں ...... اور فوراً زنانہ دروازہ پر حاضر ہوئے اور اطلاع کرائی کہ حکیم حسام الدین حضرت صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً باہر تشریف لے آئے۔ حکیم صاحب نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور اس لئے واپس تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ یہ مکان مناسب نہیں۔ مکان کے متعلق تو یہ ہے کہ تمام شہر میں سے جو مکان بھی پسند ہو اسی کا انتظام ہوسکتا ہے۔ رہا واپس جانا تو کیا آپ اس لئے یہاں آئے تھے کہ فوراً واپس چلے جائیں اور لوگوں میں میری ناک کٹ جائے اس بات کو ایسے لب ولہجہ میں انہوں نے ادا کیا اور اس زور کے ساتھ کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بالکل خاموش ہوگئے اور آخر میں کہا اچھا ہم نہیں جاتے''۔

(خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۳۲۷)

غیر احمدیوں پر اثرات

''سیالکوٹ کے لوگوں پر آپ کی زندگی کا جو اثر تھا وہ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سیّد میر حسن صاحب جو ایک بہت مشہور شخص گزرے ہیں ڈاکٹر سر اقبال بھی ان کے شاگردوں میں سے ہیں، سیالکوٹ اور پنجاب کا علمی طبقہ ان کی عظمت، صاف گوئی اور سچائی کا قائل ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قیام سیالکوٹ کے ہر وقت کے ساتھی تھے وہ نیچری تھے اور سرسیّد کے متبع تھے اور آخر تک احمدیت کے مخالف رہے ہیں مگر جب بھی کسی نے آپ کی قبل از بعثت زندگی پر اعتراض کئے، انہوں نے ہمیشہ اس کی تردید کی اور علی الاعلان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بزرگی اور نیکی اور اسلام سے محبت کا ذکر کرتے رہے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۶۸۲)

جذب و کشش

خدا تعالیٰ اپنے ماموروں کو ایک ایسا جذب اور ایسی کشش عطا فرماتا ہے کہ ہر چیز ان کی طرف کھچی چلی آتی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''لالہ بھیم سین صاحب سیالکوٹ کے ایک وکیل تھے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس قدر تعلق رکھتے تھے کہ جب آپ پر کرم دین والا مقدمہ ہوا تو اُس وقت اُن کے بیٹے لالہ کنور سین صاحب ایم اے جو لاء کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے ہیں۔ اور بعد میں جموں

ہائیکورٹ کے جج بن گئے تھے ولایت سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آئے تھے۔ لالہ بھیم سین صاحب کو جب کرم دین والے مقدمہ کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ تمہاری پڑھائی کا کوئی فائدہ ہونا چاہئے۔ مرزا صاحب بڑے مہاتما ہیں اُن پر اس وقت ایک مقدمہ دائر ہے تم جاؤ اور اس مقدمہ کی مفت پیروی کرو تا کہ مرزا صاحب کی برکت سے تمہاری زندگی سنور جائے''۔

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۲۳۹)

''اسی طرح کو عیسائیوں سے آپ مباحثے کرتے رہتے تھے مگر اُن میں بھی ہم یہ رنگ دیکھتے ہیں کہ باوجود بحث مباحثہ کے وہ آپ سے محبت اور اخلاص رکھتے۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جن دنوں آپ سیالکوٹ میں ملازم تھے ایک بہت بڑے انگریز پادری سے جس کا نام پادری بٹلر تھا آپ اکثر مباحثات کیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ پادری کچہری میں آیا اور چونکہ اُس زمانہ میں پادریوں کا خاص طور پر احترام کیا جاتا تھا ڈپٹی کمشنر نے سمجھا کہ پادری صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہیں چنانچہ وہ اُٹھا اور بڑے احترام سے اُس کے ساتھ مصافحہ کیا اور پھر کہا کہ فرمایئے میرے لائق کونسی خدمت ہے۔ پادری صاحب نے کہا میں آپ سے ملنے نہیں آیا۔ میں تو مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ میں اب ولایت جا رہا ہوں اور چونکہ میرے ساتھ اُن کے اکثر مباحثات ہوتے رہے ہیں میرے دل میں اُن کی بڑی عقیدت ہے مَیں نے چاہا کہ ولایت جانے سے پہلے اُن سے آخری ملاقات کرلوں۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جہاں تشریف رکھتے تھے پادری وہیں چلا گیا، فرش پر بیٹھ گیا اور دیر تک آپ سے باتیں کرتا رہا۔ اب دیکھو ایک انگریز پادری جس سے ملنے میں ڈپٹی کمشنر تک اپنی عزت محسوس کرتا تھا۔ ہندوستان سے رخصت ہونے سے پہلے آپ سے رخصت ہونے کے لئے کچہری گیا جبکہ آپ ایک معمولی کلرکی کا کام کرتے تھے اور جبکہ آپ کی عمر اُس پادری کے پوتوں سے زیادہ نہ ہوگی''۔

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۲۳۹)

سفر سیالکوٹ ۱۹۰۴ء

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۰۴ء کے حضرت مسیح موعود کے سفر سیالکوٹ کا نقش یوں کھینچا ہے:

''۲۷ / اکتوبر کو سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ کیونکہ وہاں کے دوستوں نے باصرار وہاں تشریف لے جانے کی درخواست کی تھی اور عرض کیا تھا کہ آپ اپنی ابتدائی عمر میں یہاں کئی سال رہے ہیں۔ پس اب بھی جب کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو عظیم الشان کامیابی عطا فرمائی ہے ایک دفعہ

اس طرف قدم رنجہ فرما کر اس زمین کو برکت دیں۔ یہ سفر بھی آپ کی کامیابی کا بین ثبوت تھا کیونکہ ہر ایک اسٹیشن پر آپ کی زیارت کے لئے اس قدر مخلوق آتی تھی کہ اسٹیشن کے حکام کو انتظام کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور لاہور کے اسٹیشن پر تو اس قدر ہجوم ہوا کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ختم ہو گئے اور اسٹیشن ماسٹر کو بلا ٹکٹ ہی لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دینی پڑی۔ جب آپ سیالکوٹ پہنچے تو اسٹیشن سے آپ کی قیام گاہ تک جو میل بھر کے فاصلہ پر تھی برابر لوگوں کا ہجوم تھا۔ شام کے وقت ٹرین اسٹیشن پر پہنچی تو سواری گاڑیوں میں چڑھتے چڑھاتے دیر لگ گئی اور آپ کی گاڑی ابھی تھوڑی دور ہی چلنے پائی تھی کہ اندھیرا ہو گیا۔ ہجوم خلائق کے سبب اور رات پڑ جانے سے اندیشہ ہوا کہ کہیں بعض لوگ گاڑیوں کے نیچے نہ آ جائیں۔ چنانچہ پولیس کو اس بات کا خاص انتظام کرنا پڑا کہ آپ کے آگے آگے راستہ صاف رہے۔ سیالکوٹ کے ایک رئیس اور آنریری مجسٹریٹ پولیس کے ساتھ اس کام پر تھے۔ ان کو بڑی مشکل اور سختی سے راستہ کرانا پڑتا تھا اور گاڑی نہایت آہستہ آہستہ چل سکتی تھی۔ گاڑی کی کھڑکیاں کھول دی گئیں تھیں۔ بازاروں اور گلیوں میں لوگ علاوہ دورویہ کھڑے ہونے کے دوکانوں کے برآمدے بھی بھرے ہوئے تھے اور بعض تو جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کھڑکیوں کے چھجوں پر چڑھے بیٹھے تھے۔ تمام چھتوں پر ہندوؤں اور مسلمانوں نے آپ کی شکل دیکھنے کے لئے ہنڈیاں اور لیمپ جلا رکھے تھے اور چھتیں عورتوں اور مردوں سے بھری پڑی تھیں۔ آپ کی گاڑی کے قریب آنے پر مشعلیں آگے کر کے آپ کی شکل دیکھتے تھے اور بعض لوگ آپ پر پھول پھینکتے تھے۔ سیالکوٹ آپ نے پانچ روز قیام فرمایا...... آپ کا ایک پبلک لیکچر بھی وہاں ہوا جس وقت لیکچر کا اعلان ہوا اسی وقت سیالکوٹ کے علماء نے بڑے زور سے اعلان کیا کہ کوئی شخص مرزا صاحب کا لیکچر سننے نہ جائے اور یہ بھی فتویٰ دے دیا کہ جو شخص آپ کا لیکچر سننے جائے گا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا...... اور اس اعلان کو ہی کافی خیال نہ کیا گیا بلکہ جس مکان میں آپ کا لیکچر تھا اس کے مقابل چند مخالف مولویوں نے اپنے لیکچروں کا اعلان کر دیا تا کہ لوگ آپ کے لیکچر میں شامل نہ ہونے پائیں اور باہر کے باہر ہی رک جائیں علاوہ ازیں کچھ آدمی لیکچر گاہ کے دروازہ پر مقرر کر دیئے گئے کہ اندر جانے والوں کو روکیں اور بتائیں کہ آپ کے لیکچر میں جانا گناہ ہے اور بعض تو اس حد تک بڑھے کہ آنے والوں کو پکڑ پکڑ کر دوسری طرف لے جاتے تھے مگر باوجود اس کے لوگ بڑی کثرت سے آئے اور جس وقت لوگوں نے سنا کہ آپ لیکچر گاہ میں تشریف لے آئے ہیں تو مخالف علماء کا لیکچر چھوڑ کر وہاں بھاگ آئے اور اس قدر شوق سے لوگوں نے حصہ لیا کہ سرکاری ملازم بھی

باوجود تعطیل کا دن نہ ہونے کے لیکچر میں شامل ہوئے''۔ (انوارالعلوم جلد ۳ صفحہ ۳۶۹، ۳۷۰)

اخلاق فاضلہ

ہمدردی خلق

حضرت مصلح موعود کی بیان فرمودہ روایات میں مسیح پاک کی مخلوقِ خدا سے ہمدردی کا ثبوت بھی ملتا ہے اس سلسلہ میں یہ روایات درج ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک دفعہ ایک بڑھیا آئی اسے ملیریا بخار تھا جو لمبا ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے فرمایا تم کونین کھایا کرو۔ وہ کہنے لگی کونین؟ میں تو اگر کسی کونین کی گولی کا چوتھا حصہ بھی کھالوں تو ہفتہ ہفتہ بخار کی تیزی سے پھنکتی رہتی ہوں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ کونین کھانے کے لئے تیار نہیں تو چونکہ عام طور پر ہمارے ملک میں کونین کو گونین کہتے ہیں جس کے معنی دو جہانوں کے ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے کھانے کو تو کونین کی گولیاں دیں مگر فرمایا کہ دارین کی گولیاں ہیں انہیں استعمال کرو وہ تین گولیاں ہی اس نے کھائی ہوں گی کہ آ کر کہنے لگی مجھے تو اس دوا سے ٹھنڈک پڑ گئی ہے۔ کچھ اور گولیاں دیں''۔ (انوارالعلوم جلد ۱۴ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱)

''ایک شخص پیر امامی کسی سخت مرض میں مبتلا ہو کر قادیان آیا۔ وہ ایک غریب آدمی تھا اُس کے وارث اُسے یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ چھ ماہ تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محنت سے اس کا علاج کیا۔ جب وہ تندرست ہوگیا تو اُس کے وارث اُس کو لینے کے لئے آئے لیکن اُس نے جانے سے انکار کر دیا اور قادیان میں ہی رہا اور وہیں فوت ہوا''۔ (انوارالعلوم جلد ۱۴ صفحہ ۲۹۶)

''ایک دوست نے سنایا کہ ایک دفعہ ہندوؤں میں سے ایک شدید مخالف کی بیوی سخت بیمار ہوگئی، طبیب نے اس کے لئے جو دوائیں تجویز کیں ان میں مشک بھی پڑتا تھا۔ جب کہیں اور سے اسے کستوری نہ ملی تو وہ شرمندہ اور نادم سا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور آ کر عرض کیا کہ اگر آپ کے پاس مشک ہو تو عنایت فرمائیں۔ غالباً اسے ایک یا دو رتی مشک کی ضرورت تھی مگر اس کا اپنا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مشک کی شیشی بھر کر لے آئے اور فرمایا آپ کی بیوی کو بہت تکلیف ہے یہ سب لے جائیں۔ تو درحقیقت اخلاق فاضلہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو دوسرے کے دل میں محبت پیدا کرتی ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۵ صفحہ ۱۲۴)

مولوی محمد حسین بٹالوی سے حسن سلوک

''جس زمانہ میں پادری مارٹن کلارک نے حضرت مسیح موعود کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنایا۔ تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آپ کے خلاف شہادت دینے کے لئے گئے۔ اس حالت میں یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک مسلمان عیسائیوں کا ساتھ دے گا۔ مگر واقعہ یہی ہوتا ہے کہ ایک مسلمان مولوی عیسائیوں کے لئے جھوٹے مقدمہ میں گواہی دیتا ہے۔ اس وقت حضرت صاحب کے وکیل نے جو ایک غیر احمدی تھا مولوی محمد حسین صاحب کی پیدائش کے متعلق ایک ایسا سوال کرنا چاہا جس سے مولوی صاحب پر سخت زد پڑتی تھی لیکن آپ نے وکیل کو اس سوال کے کرنے سے روک دیا۔ وکیل نے پھر یہ سوال کرنا چاہا کیونکہ وہ مولوی صاحب کی حیثیت کو توڑنے والا تھا۔ مگر آپ نے روک دیا کہ اس اندرونی راز سے ان کا کیا تعلق۔ نہیں معلوم وہ وکیل اب زندہ ہے یا نہیں لیکن آج سے پانچ چھ سال پہلے تک وہ زندہ تھا اور مشہور آدمیوں میں سے تھا اور سلسلہ کا سخت دشمن تھا اور بحث میں بتا دیتا تھا کہ میں سخت مخالف ہوں۔ مگر کہتا تھا کہ میں نے مرزا صاحب جیسا با اخلاق آدمی نہیں دیکھا ایسا موقع کہ سخت دشمن ایک سوال میں خاموش ہو سکتا ہے آپ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور روک دیتے ہیں''۔ (خطبات محمود جلد ۷ صفحہ ۳۷۶)

ہندوؤں سے تعلقات

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہندوؤں سے تعلقات تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ایک ضرورت کے وقت ایک مشہور ہندو سے جو آپ کا دعویٰ سے پہلے کا واقف تھا۔ آپ نے قرض روپیہ منگوایا تھا اور اس نے بھیج دیا۔ اسی طرح یہاں کے بعض ہندوؤں سے آپ کے تعلقات تھے اور تیس چالیس سال تک آخری عمر میں تعلقات رہے۔ ان لوگوں نے آپ کے الہامات سنے اور معجزات کو دیکھا۔ ان کو تو نہ مانا مگر تعلقات دنیوی پھر بھی رہے...... آپ کے سب مذاہب کے لوگوں سے تعلقات تھے مگر ان تعلقات کا مذہبی عقائد پر کچھ اثر نہیں تھا''۔

(خطبات محمود جلد ۷ صفحہ ۳۰۳)

دشمن ہندوؤں سے سلوک

حضرت مصلح موعود قادیان کے ہندوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہاں قادیان کے ہندوؤں نے ہمیں بہت تکلیفیں دی ہیں۔ منارۃ المسیح کے متعلق مخالفت کی کہ منارہ نہیں ہونا چاہیئے۔ حالانکہ تمام...... پر منارے ہوتے ہیں۔ منارہ کے مقدمہ کے متعلق

یہاں تحصیل دار آئے۔ یہاں کے لالہ بڈھے شاہ تحصیل دار کے پاس موجود تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تحصیل دار کو کہا تحصیل دار صاحب اس بڈھے شاہ سے پوچھئے کہ جب سے یہ پیدا ہوا ہے کونسی نیکی ہے جو میں نے اس سے نہیں کی اور کونسی بُرائی ہے جو اس نے مجھ سے نہیں کی۔ بڈھے شاہ نے شرمندگی سے سر نیچے ڈال لیا''۔ (خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۱۱۲)

پتھراؤ

حضرت مصلح موعود جماعت کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم میں سے کئی ایسے ہیں کہ جب مخالفین کی طرف سے ان پر کوئی سختی ہوتی ہے تو وہ بہت گھبرا جاتے ہیں اور یہاں لکھتے ہیں کہ اس کا انتظام کیا جائے اور امور عامہ کو کارروائی کرنے کے لئے کہا جائے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایک وہ زمانہ تھا جب امور عامہ بھی نہ تھا اور لوگوں پر آج کی نسبت بہت زیادہ سختیاں ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت صاحب لاہور گاڑی میں بیٹھے جا رہے تھے کہ آپ پر شہر کے بدمعاش پتھر پھینکتے جو آپ کی گاڑی پر آ کر لگتے تھے اس وقت کہاں امور عامہ تھا جب آپ پر پتھر پھینکے جاتے تھے لیکن حضرت صاحب کے ماتھے پر بل تک نہ پڑتا تھا۔ اسی کا یہ اثر ہوتا تھا کہ انہی لوگوں میں سے سینکڑوں حضرت صاحب کی غلامی میں آ کر داخل ہو جاتے تھے''۔ (خطبات محمود جلد ۹ صفحہ ۱۳۸)

عفو و درگزر

''اس زمانہ میں بھی حضرت مسیح موعود کی تازہ مثالیں موجود ہیں۔ جس جس رنگ میں دشمنوں نے آپ کا مقابلہ کیا۔ دوست جانتے ہیں دشمنوں نے کمہاروں کو آپ کے برتن بنانے سے، سقوں کو پانی دینے سے بند کر دیا لیکن پھر جب کبھی وہ معافی کے لئے آئے تو حضرت صاحب معاف ہی فرما دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے کچھ مخالف پکڑے گئے تو مجسٹریٹ نے کہا کہ میں اس شرط پر مقدمہ چلاؤں گا کہ مرزا صاحب کی طرف سے سفارش نہ آئے۔ کیونکہ اگر انہوں نے بعد میں معاف کر دیا تو پھر مجھے خواہ مخواہ ان کو گرفتار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر دوسرے دوستوں نے کہا کہ نہیں اب انہیں سزا ضرور ہی ملنی چاہئے۔ جب مجرموں نے سمجھ لیا کہ اب سزا ضرور ملے گی تو انہوں نے حضرت صاحب کے پاس آ کر معافی چاہی تو حضرت صاحب نے کام کرنے والوں کو بُلا کر فرمایا کہ ان کو معاف کر دو۔ انہوں نے کہا ہم تو اب وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم کسی قسم کی سفارش نہیں کریں گے تو حضرت اقدس فرمانے لگے کہ وہ جو معافی کے لئے کہتے ہیں تو ہم کیا کریں۔

مجسٹریٹ نے کہا دیکھا وہی بات ہوئی جو میں پہلے کہتا تھا مرزا صاحب نے معاف ہی کر دیا''۔

(خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۲۷)

مقدمہ دیوار اور عفو و درگزر

حضرت مصلح موعود مقدمہ دیوار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں چھوٹا تھا مگر مجھے مندرجہ ذیل واقعہ اچھی طرح یاد ہے اور اس لئے بھی وہ واقعہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس کے متعلق مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت رؤیاء کے ذریعہ خبر دی تھی۔ ایک دن ہم سکول سے واپس آئے تو احمدیوں کے چہروں پر ملال کے آثار تھے۔ گول کمرہ اور دفتر محاسب کے درمیان جہاں...... کا دروازہ ہے ہم نے دیکھا کہ ہمارے بعض چچاؤں نے وہاں دیوار کھینچ دی ہے اس لئے ہم اندر سے ہو کر گھر پہنچے اور معلوم ہوا کہ یہ دیوار اس لئے کھینچی گئی ہے کہ تا احمدی نماز کے لئے...... میں نہ آسکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہاتھ مت اُٹھاؤ اور مقدمہ کرو۔ آخر مقدمہ کیا گیا جو خارج ہو گیا اور معلوم ہوا کہ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود دالش نہ کریں گے کامیابی نہ ہوگی۔ آپ کی عادت تھی کہ مقدمہ وغیرہ میں نہ پڑتے مگر یہ چونکہ جماعت کا معاملہ تھا اور دوستوں کو اس دیوار سے بہت تکلیف تھی اس لئے آپ نے فرمایا کہ اچھا میری طرف سے مقدمہ کیا جائے چنانچہ مقدمہ ہوا اور دیوار گرائی گئی...... اس دیوار کی وجہ سے جماعت کو مہینوں یا شاید سالوں تکالیف اُٹھانی پڑیں کیونکہ انہیں...... تک پہنچنا مشکل تھا۔ پھر مقدمہ پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوا اور عدالت نے فیصلہ کیا کہ خرچ کا کچھ حصہ ہمارے چچاؤں پر ڈالا جائے۔ کئی لوگ غصہ سے کہہ رہے تھے کہ یہ بہت کم ڈالا گیا ہے ان کو تباہ کر دینا چاہئے۔ جب اس ڈگری کے اجراء کا وقت آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گورداسپور میں تھے آپ کو عشاء کے قریب رؤیا یا الہام کے ذریعہ بتایا گیا کہ یہ بار اُن پر بہت زیادہ ہے اور اس کی وجہ سے وہ تکلیف میں ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مجھے رات نیند نہیں آئے گی۔ اسی وقت آدمی بھیجا جائے جو جا کر کہہ دے کہ ہم نے یہ خرچ تمہیں معاف کر دیا ہے۔ مجھے اس معافی کی صورت پوری طرح یاد نہیں کہ آیا سب رقم معاف کر دی تھی یا بعض حصہ۔ بچپن کا واقعہ ہے اس لئے اس کی ساری تفاصیل یاد نہیں رہیں مگر اتنا یاد ہے کہ فرمایا مجھے رات نیند نہیں آئے گی اسی وقت کسی کو بھیج دیا جائے جو جا کر کہہ دے کہ یہ رقم یا اس کا بعض حصہ جو بھی صورت تھی تم سے وصول نہ کیا جائے گا''۔ (خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۲۸۴، ۲۸۵)

''مارٹن کلارک کی طرف سے آپ پر مقدمہ کیا گیا اور الزام سے بری کرنے کے بعد

مجسٹریٹ نے آپ سے کہا کہ آپ کو ان پادریوں پر جو اس مقدمہ کو اُٹھانے والے ہیں مقدمہ چلانے کا حق ہے مگر آپ نے فرمایا یہ ہمارا طریق نہیں۔ کرنل ڈگلس جو اُس زمانہ میں کیپٹن تھے ابھی تک زندہ ہیں اور ولایت میں ہمارے دوستوں سے ملتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اس بات کا ذکر کیا کرتے ہیں کہ جب میں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ ان پادریوں پر مقدمہ چلا سکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا طریق نہیں ہم نے ان کو معاف کر دیا''۔ (خطبات محمود جلد ١٧ صفحہ ٤٨٦)

صبرو استقامت

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ایک شخص آیا اور آپ کو آتے ہی گالیاں دینے لگ گیا اور جب خوب گالیاں دے چکا اور بیٹھ گیا تو آپؑ نے فرمایا تسلی ہوگئی یا کچھ اور بھی باقی ہے''۔ (خطبات محمود جلد ١٣ صفحہ ١٠٨)

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کا واقعہ ہے۔ میں نے خود تو نہیں سنا مجھے دوستوں نے سنایا ہے۔ یہاں ایک دوست تھے جنہیں پروفیسر کہا جاتا تھا۔ وہ پہلے تاشوں وغیرہ کے تماشے کیا کرتے تھے یعنی پتوں وغیرہ کا رنگ تبدیل کر دینا یا کسی کی جیب سے پتہ اُڑا لینا یا چھوٹا بڑا کر دینا وغیرہ وغیرہ اور چونکہ وہ نوکر رکھ کر باقاعدہ تھیٹر وغیرہ بنا کر کھیل کیا کرتے تھے اس لئے بجائے بازی گر یا مداری کے پروفیسر کہلاتے تھے۔ بعد میں جب احمدی ہوئے تو یہ کام چھوڑ دیا اور تجارت کرنے لگے مگر پروفیسر ہی کہلاتے رہے۔ مخلص آدمی تھے مگر طبیعت میں تیزی بہت تھی۔ کچھ دنوں لاہور میں دکان کرتے تھے۔ کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کوئی بے ہودہ لفظ کہا تو اُسے پکڑ کر مارا۔ خواجہ کمال الدین صاحب یہاں آئے تو حضرت مسیح موعودؑ سے شکایت کی کہ ان کو سمجھا دیا جائے اس طرح فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ آپؑ نے انہیں سمجھانا شروع کیا اور فرمایا ہماری تعلیم یہی ہے کہ نرمی سے کام لیا کرو۔ اگر کوئی گالیاں بھی دے تو برداشت کیا کرو...... انہوں نے کہا بس جی بس ایسی نصیحت رہنے دیں آپ کے پیر کو جب کوئی گالی دے تو آپ جھٹ مباہلہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ہمارے پیر کو بُرا بھلا کہا جائے تو ہمیں خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ سن کر ہنس پڑے اور بھی سب اہل مجلس ہنس پڑے''۔

(خطبات محمود جلد ١٣ صفحہ ١٦٧، ١٦٨)

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی عدالتوں میں جانا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک ظالم مجسٹریٹ نے جب کہ آپ کا بڑھاپا تھا اور آپ کو اسہال کی تکلیف تھی اور سخت پیاس لگی ہوئی تھی

آپ کو اس بات کی بھی اجازت نہ دی کہ آپ پانی پی سکیں''۔ (خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۶، ۴۰۷)

''مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ ملتان کسی مقدمہ میں گواہی دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ میں نے اُس وقت خواہش کی کہ مَیں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میری عمر اُس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے ملتان میں کیا کیا دیکھا۔ جب ہم واپس آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں بھی ایک دو دن ٹھہرے۔ انہی دنوں کسی دوست نے شہر کے اندر آپ کی دعوت کی...... جس وقت آپ وہاں سے واپس آ رہے تھے تو وزیر خان کی مسجد یا سنہری مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ مفتی محمد صادق صاحب بھی اُن دنوں وہیں قریب رہتے تھے اور میاں تاج دین صاحب وہیں رہتے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن میں سے کس دوست کے مکان پر تشریف لے گئے تھے بہر حال جب واپس آئے تو مسجد کے قریب بہت بڑا ہجوم تھا اور جونہی لوگوں نے آپ کی گاڑی دیکھی انہوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ بعض گالیاں دینے لگ گئے، بعض نے آپ کے خلاف نعرے لگائے اور شور سے آسمان سر پر اُٹھا لیا...... مَیں نے دیکھا کہ ایک بڈھا شخص جس کی داڑھی ناف تک پہنچ رہی تھی ۔۷۵، ۸۰ سال اس کی عمر ہوگی اُس کا قد لمبا اور جسم دُبلا پتلا تھا۔ اُس نے اپنے ایک ہاتھ پر زرد زرد پٹیاں باندھی ہوئی تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا ہاتھ زخمی ہے اور ہاتھ پہنچے کے آگے سے کٹا ہوا تھا اپنے اس ٹنڈ کو دوسرے صحیح ہاتھ پر مار رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ ہائے ہائے مرزا ہائے ہائے مرزا''۔

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۳۹۲، ۳۹۳)

ایک دشمن کی ایذاء پر حسین ردّ عمل

''ایک دفعہ لاہور میں ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو زور سے دھکا دے کر گرا دیا* دوسرے دوست ناراض ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے مجھے جھوٹا سمجھ کر دھکا دیا ہے۔ اگر وہ سچا سمجھتا تو کیوں ایسا کرتا۔ اس نے تو اپنے خیال میں نیک کام کیا ہے اور حق کی حمایت کی ہے۔ اب دوسرا اگر ہوتا تو ڈنڈا لے کر پیچھے پڑ جاتا لیکن آپ ہیں کہ ایک مخالف کی ایسی حرکت کو بھی بُرا نہیں مانتے بلکہ دوسروں کو فرماتے ہیں کہ اس نے تو نیک خیال سے حق کی خاطر ایسا کیا ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۹)

* غالباً خطبہ لکھنے والے سے غلطی ہوئی ہے۔ گرانے کی کوشش کی گئی تھی۔

سائل سے حسن سلوک

’’ایک دفعہ ایک سیدانی فقیرنی ہمارے گھر میں آئی۔ میں اس وقت چھوٹا تھا۔ وہ آ کر چارپائی پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ میں آل رسول ہوں مجھے کچھ دو۔ حضرت صاحب نے بھی کچھ دیا اور گھر کے لوگوں نے بھی دیا‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۷)

’’مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس بھی آ کر ایک شخص بیٹھا کرتا تھا وہ نہیں اُٹھتا تھا جب تک کچھ لے نہ لیتا تھا وہ بیٹھا رہتا تھا جب تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر نہ نکلتے اور اسے کچھ دے نہ دیتے۔ پھر بعض وقت وہ رقم مقرر کر دیتا کہ اتنی لینی ہے اور اگر حضرت صاحب اس سے کم دیتے تو وہ اسے ہرگز نہ لیتا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ مہمان اسے اتنی رقم پوری کر دیتے تھے کہ چلا جائے۔ میں نے دیکھا اگر اس کے منہ سے کوئی رقم نکل گئی کہ یہ لینی ہے اور وہ پوری نہ ہوتی تو وہ جاتا نہ تھا جب تک رقم پوری نہ کر دی جاتی اور اگر حضرت صاحب بیمار ہوتے تو تب تک نہ جاتا جب تک صحت یاب ہو کر آپ باہر تشریف نہ لاتے‘‘۔

(خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۰)

مہمان نوازی

حضرت مصلح موعود نے حضورؑ کی مہمان نوازی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ خود سنایا کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ جب کوئی میرے پاس مہمان آتا اور میں کھانے کے لئے اُن کو کہلا بھیجتا تو وہ (تائی بیگم حضرت مرزا غلام قادر صاحب جو حضورؑ کی بھابھی تھیں) کہہ دیتیں کہ ہمارے پاس مہمان کے لئے کوئی کھانا نہیں۔ اس پر چُپ کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنا کھانا مہمان کو کھلا دیتے اور خود بھوکے رہتے۔ ایک شخص نے سنایا کہ میں ایک لمبے عرصہ تک آپ کے پاس مہمان رہا آپ کا طریق یہ تھا کہ اپنے لئے جو کھانا آتا وہ مجھے کھلا دیتے اور خود چنے بھنوا کر اُن پر گزارہ کرتے‘‘۔

(انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۱۶۲)

’’ایک شخص نے سنایا کہ میں ایک دفعہ قریباً چالیس دن تک آپ کا مہمان رہا‘‘۔

(انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۲۰)

مہمان کے لئے مرغی

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا ہے۔ ہم چھوٹے تھے ایک دن مرغی

ذبح کرنی تھی اور ڈیوڑھی پر اس وقت کوئی آدمی نہ تھا کوئی مہمان آئے ہوئے تھے اور جلدی تھی۔ آپ نے فرمایا۔لاؤ میں ذبح کرتا ہوں۔مرغی کولٹا کر آپ نے آنکھیں بند کرلیں اور چھری پھیر دی۔مگر جب اس خیال سے کہ اب ذبح ہو چکی ہوگی اسے چھوڑا تو مرغی اُٹھ کر بھاگ گئی اور آپ کی انگلی سے خون بہہ رہا تھا۔تو ایک حس یہ ہے کہ مرغی کو ذبح کرتے وقت بھی ایک رعب دل پر پڑ جاتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایک جان خواہ جائز ہی سہی لے رہے ہیں''۔

(خطبات محمود جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)

مہمان کو نصیحت

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''دراصل ظل کی ہتک اصل کی بھی ہتک ہوتی ہے ایک مخلص مہمان باہر سے یہاں آئے ہوئے تھے وہ اب بھی یہاں ہی ہیں انہوں نے ایک مرتبہ لنگر کے ایک ملازم کے ساتھ سختی کی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ ہمارا نمائندہ ہے اس کے ساتھ سختی ہمارے ساتھ سختی ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۳۷۶، ۳۷۷)

ایک پُر حکمت خلق

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عرب سوالی یہاں آیا آپ نے اسے ایک معقول رقم دے دی۔بعض نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا یہ جہاں بھی جائے گا ہمارا ذکر کرے گا خواہ دوسروں سے زیادہ وصول کرنے کے لئے ہی کرے مگر دور دراز مقامات پر ہمارا نام پہنچا دے گا''۔ (خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵)

عادات

کھانا کھانے کا طریق

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ہم نے دیکھا ہے۔آپ کا یہ طریق تھا کہ جب آپ روٹی کھاتے تو روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر اپنے منہ میں ڈال لیتے اور اُس وقت تک کہ دانت اس کو چبا سکیں اچھی طرح چباتے رہتے۔آپ کی عادت بڑا لقمہ لینے کی نہیں تھی بلکہ آپ ہمیشہ چھوٹا لقمہ لیتے اور جہاں اُس پہلے لقمہ کو دیر تک چباتے رہتے وہاں روٹی کا ایک اور ٹکڑا لے کر اپنے ہاتھ میں ملتے چلے جاتے اور ساتھ ہی سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے جاتے۔کچھ دیر کے بعد اُس

میں سے کوئی ٹکڑا سالن لگا کر منہ میں ڈال لیتے اور روٹی کے باقی ٹکڑے دستر خوان پر پڑے رہتے۔ دیکھنے والے بعض دفعہ کہا کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام روٹی کے ٹکڑوں میں سے حلال اور حرام ذرے الگ الگ کرتے ہیں اور چونکہ روٹی کے بہت سے ٹکڑے آپ کے دستر خوان پر جمع ہو جاتے تھے اس لئے جب آپ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو لوگ تبرک کے طور پر اُن ٹکڑوں کو آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے''۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۹)

کتابت کے بارہ میں احتیاط

حضرت مصلح موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابت کے متعلق طرزِ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میر مہدی حسن صاحب بھی اس طرز کے آدمی تھے۔ میر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں چھپوائی کے انچارج تھے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی کتاب کی کاپی چھپتی تو وہ بڑے غور سے پڑھتے۔ اگر فل سٹاپ بھی غلط جگہ لگا ہوتا تو اُس کاپی کو تلف کر دیتے اور نئی لکھواتے۔ اس طرح کام کرنے والے دو چار دن تک جب تک کہ نئی کاپی تیار نہ ہوتی یونہی بیٹھے رہتے۔ پھر جب وہ تیار ہوتی تو پھر وہ دیکھتے اور اگر کوئی غلطی دیکھتے تو پھر اسے تلف کر دیتے اور اُس وقت تک کتاب چھپنے نہ دیتے جب تک کہ انہیں یقین نہ آتا کہ اب اس میں کوئی غلطی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دریافت فرماتے کہ اتنی دیر کیوں لگائی تو وہ کہتے حضور ابھی پروف میں بڑی غلطیاں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی صاف اور اچھی چیز چاہتے تھے اس لئے آپ کبھی بھی اس بات کا خیال نہ فرماتے کہ مزدور اور کام کرنے والے یونہی بیٹھے ہیں اور مفت کی تنخواہیں کھا رہے ہیں بلکہ آپ کی بھی یہی خواہش ہوتی کہ لوگوں کے سامنے اچھی چیز پیش ہو۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بھی عادت تھی کہ کتاب میں ذرا نقص ہوتا تو اس کو پھاڑ دینا اور فرمانا دوبارہ لکھو۔ کاتب نے پھر کتاب لکھنی اور اگر کہیں ذرا بھی نقص ہوتا تو اُسے پھاڑ دینا اور جب تک اچھی کتابت نہ ہوتی اُس وقت تک مضمون چھپنے کے لئے نہ دینا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن سے کتابت کرواتے تھے وہ شروع میں تو احمدی نہیں تھے لیکن بعد میں احمدی ہو گئے۔ اُن کا لڑکا بھی احمدی ہے۔ اُن میں یہ خوبی تھی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر پہچانتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کی قدر پہچانتے تھے باوجود غیر احمدی ہونے کے جب بھی حضرت صاحب کو کتابت کی ضرورت ہوتی انہوں نے قادیان آ جانا ...... کتابت ایسی اچھی کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ اُن ہی سے اپنی کتابیں لکھوایا کرتے

تھے اور یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کسی معمولی کاتب سے کتاب لکھوا کر خراب کی جائے کیونکہ اس طرح کتاب کا معیار لوگوں کی نظروں میں کم ہو جاتا ہے''۔ (انوارالعلوم جلد ۱۸ صفحہ ۲۲۷ تا ۲۳۰)

تیز چلنے کی عادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تیز چلتے تھے اور آپ کی یہ عادت حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''مولوی برہان الدین صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کے نہایت مخلص صحابی تھے انہوں نے سنایا کہ جب ابتداء میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر سنا اور مجھے معلوم ہوا کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایسا شخص ظاہر ہوا ہے جس سے اسلام کی آئندہ ترقی وابستہ معلوم ہوتی ہے اور وہی عیسائیوں اور ہندوؤں وغیرہ کے اعتراضات کا جواب دیتا ہے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کو دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ میں قادیان آیا مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے گئے ہیں۔ مَیں گورداسپور پہنچا اور آپ کے جائے قیام کو دریافت کرتا ہوا اُس بنگلہ میں گیا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن دنوں تشریف رکھتے تھے۔ باہر حافظ حامد علی صاحب بیٹھے تھے میں نے اُن سے کہا کہ مَیں حضرت مرزا صاحب کی زیارت کرنے کے لئے آیا ہوں کسی طرح مجھے آپ کی زیارت کرا دیں۔ انہوں نے کہا اس وقت زیارت نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک ضروری اشتہار لکھ رہے ہیں۔ مَیں نے اُن کی منتیں بھی کیں مگر انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ آخر میں ایک طرف مایوس ہو کر بیٹھ گیا اور مَیں نے ارادہ کر لیا حافظ حامد علی صاحب ذرا اِدھر اُدھر ہوں تو میں بغیر پوچھے ہی کمرہ کی چک اُٹھا کر آپ کی زیارت کر لوں گا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد ہی حافظ صاحب جو کسی کام کے لئے اُٹھے تو مَیں چپکے سے دروازے کی طرف بڑھا اور چک اُٹھا کر اندر کی طرف جھانکا۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کاغذ ہاتھ میں لئے جلدی جلدی کمرہ میں ٹہل رہے تھے اور آپ کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ ابھی آپ کو واپس آنے میں کچھ دیر لگے گی اور میں اطمینان سے آپ کی زیارت کر سکوں گا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلدی واپس لوٹ آئے اُس وقت مجھ پر ایسا رعب طاری ہوا کہ میں ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ اُٹھا اور میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ آپ ضرور سچے ہیں۔ جو شخص اتنا تیز چلتا ہے اُس نے ضرور دور تک جانا ہے''۔ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۲،۳۳)

نماز فجر کے بعد آرام

حضرت مصلح موعود اپنے آقا کی ایک عادت کا یوں تذکرہ فرماتے ہیں:

’’صوفیاء میں یہ عام رواج رہا ہے کہ وہ صبح کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سوجایا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی یہی عادت تھی کہ آپ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد کچھ دیر تک استراحت فرماتے‘‘۔ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۴۵)

جراب بدلنا

’’میں نے حضرت صاحب کو دیکھا ہے کہ جراب میں ذرا سوراخ ہو جاتا تو فوراً اس کو تبدیل کر لیتے مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ ایسی پھٹی ہوئی پرانی جرابوں پر بھی جن کی ایڑھی اور پنجہ دونوں نہیں ہوتے مسح کرتے چلے جاتے ہیں یہ کیوں ہوتا ہے؟ شریعت کے احکام کی واقفیت نہیں ہوتی‘‘۔ (انوار العلوم جلد ۲ صفحہ ۴۵)

محنت اور جفاکشی کی عادت

حضرت مصلح موعود مامور زمانہ کی محنت و جفاکشی کی عادت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

’’باوجود اس کے کہ آپ دنیا سے ایسے متنفر تھے آپ سُست ہرگز نہ تھے بلکہ نہایت محنت کش تھے اور خلوت کے دلدادہ ہونے کے باوجود مشقت سے نہ گھبراتے تھے اور بارہا ایسا ہوتا تھا کہ آپ کو جب کسی سفر پر جانا پڑتا تو سواری کا گھوڑا نوکر کے ہاتھ آگے روانہ کر دیتے اور آپ پیادہ پا بیس پچیس کوس کا سفر طے کر کے منزل مقصود پر پہنچ جاتے بلکہ اکثر اوقات آپ پیادہ ہی سفر کرتے تھے اور سواری پر کم چڑھتے تھے اور یہ عادت پیادہ چلنے کی آپ کو آخر عمر تک تھی۔ ستر سال سے متجاوز عمر میں جبکہ بعض سخت بیماریاں آپ کو لاحق تھیں۔ اکثر روزانہ ہوا خوری کے لئے جاتے تھے اور چار پانچ میل روزانہ پھر آتے اور بعض اوقات سات میل پیدل پھر لیتے تھے اور بڑھاپے سے پہلے کا حال آپ بیان فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات صبح کی نماز سے پہلے اُٹھ کر...... سیر کے لئے چل پڑتے تھے اور وڈالہ تک پہنچ کر (جو بٹالہ سڑک پر قادیان سے قریباً ساڑھے پانچ میل پر ایک گاؤں ہے) صبح کی نماز کا وقت ہوتا تھا‘‘۔ (انوار العلوم جلد ۳ صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳)

عطر لگانا

’’میں ہمیشہ کثرت سے عطر لگایا کرتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کثرت سے عطر لگایا کرتے تھے‘‘۔ (انوار العلوم جلد ۱۶ صفحہ ۳۷۴)

لباس

حضور کے لباس کے بارہ میں فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بعض لوگ اچھے اچھے کپڑے لاتے تھے اور آپ ان کپڑوں کو استعمال بھی کرتے تھے مگر کبھی لباس کی طرف ایسی توجہ نہیں فرماتے تھے کہ ہر وقت بُرش کروار ہے ہوں اور دل میں یہ خیال ہو کہ لباس پر کہیں گرد نہ پڑ جائے۔ بُرش کروانا منع نہیں مگر اس پر زیادہ زور دینا اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ اس قسم کی باتوں پر صرف کر دینا پسندیدہ نہیں سمجھا جا سکتا''۔ (انوار العلوم جلد ۱۶ صفحہ ۴۴)

نماز باجماعت کا معمول

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے مواقع پر جب نماز کے لئے ...... میں نہ جا سکتے تھے گھر میں ہی جماعت کرا لیا کرتے تھے اور شاذ ہی کسی مجبوری کے ماتحت الگ نماز پڑھتے تھے۔ اکثر ہماری والدہ کو ساتھ ملا کر جماعت کرا لیتے تھے۔ والدہ کے ساتھ دوسری مستورات بھی شامل ہو جاتی تھیں''۔ (انوار العلوم جلد ۱۶ صفحہ ۴۹۴)

دعا کے بارہ میں ایک عادت

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت تھی کہ جب کبھی سلسلہ کے لئے غم کا کوئی موقع ہوتا آپ دوستوں سے فرماتے کہ دعائیں کرو اور استخارے کرو تا اللہ تعالیٰ دلوں سے گھبراہٹ دور کر دے اور بشارات دے کر دلوں کو مضبوط کر دے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۲۵۰)

عام گفتگو

''حضرت صاحب کو دیکھا ہے کہ بعض اوقات بات کرتے ہوئے اس قدر بلند آواز سے بولتے تھے کہ مدرسہ (احمدیہ) کے صحن میں آپ کی آواز سنائی دیا کرتی تھی''۔ (خطبات محمود جلد ۷ صفحہ ۳۲۴)

بچوں کی تربیت اور اُن سے پیار

حضرت مصلح موعود نے ایسی روایات بھی بیان فرمائیں جن سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بچوں کے بارہ میں لطیف طریق تربیت پر روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں:

''تعلقات کس طرح محبت کا باعث ہوتے ہیں اس کے متعلق مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ''اخبارِ عام'' پڑھ رہے تھے کہ مجھے آواز دی۔ محمود! محمود!

جب میں پاس گیا تو فرمانے لگے کلکتہ کا فلاں شخص مرگیا ہے۔ مَیں نے حیران ہو کر پوچھا مجھے کیا؟ فرمایا یہ بے تعلقی کا نتیجہ ہے۔ اس کے گھر تو ماتم پڑا ہوگا اور تو کہتا ہے مجھے کیا''۔

(انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۵٦۰، ۵٦۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعض اوقات بچوں سے ناراض بھی ہوتے چنانچہ فرمایا:

''مجھے اپنا واقعہ یاد ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ بیمار تھے اس لئے جمعہ کے لئے ...... میں نہ جا سکے۔ میں اُس وقت بالغ نہیں تھا کہ بلوغت والے احکام مجھ پر جاری ہوں۔ تاہم میں جمعہ کے لئے ...... کو جارہا تھا کہ ایک دوست مجھے ملے اُس وقت کی عمر کے لحاظ سے تو اُن کی شکل اس وقت تک یاد نہیں رہ سکتی تھی۔ مگر اس واقعہ کا اثر مجھ پر ایسا ہوا ہے کہ اب تک مجھے اُن کی صورت یاد ہے۔ محمد بخش اُن کا نام تھا۔ میں نے اُن سے پوچھا آپ واپس آرہے ہیں کیا نماز ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا آدمی بہت ہیں ...... میں جگہ نہیں تھی اس لئے میں واپس آ گیا ہوں۔ مَیں بھی یہ جواب سُن کر واپس آ گیا اور گھر میں آ کر نماز پڑھ لی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا ...... میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ مَیں بچپن سے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب اُن کے نبی ہونے کی حیثیت سے کرتا تھا۔ مَیں نے دیکھا آپ کے پوچھنے میں ایک سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کے اس رنگ میں پوچھنے کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا۔ جواب میں مَیں نے کہا مَیں گیا تو تھا لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس آ گیا۔ آپ یہ سُن کر خاموش ہو گئے لیکن جس وقت جمعہ پڑھ کر مولوی عبدالکریم صاحب آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے کے لئے آئے تو سب سے پہلی بات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے دریافت کی وہ یہ تھی کہ کیا آج لوگ ...... میں زیادہ تھے۔ اُس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی کیونکہ میں خود تو ...... میں گیا نہیں تھا معلوم نہیں بتانے والے کو غلطی لگی یا میری سمجھ میں غلط مفہوم آیا دونوں صورتوں میں الزام مجھ پر آئے گا کہ مَیں نے جھوٹ بولا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے جواب دیا۔ ہاں حضور! آج واقعہ میں بہت لوگ تھے۔ میں اب بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔ خدا نے میری بریت کے لئے یہ سامان کردیا کہ مولوی صاحب کی زبان سے بھی اس کی تصدیق کرادی یا فی الواقعہ اس دن غیر معمولی طور پر زیادہ لوگ آئے تھے۔ بہر حال یہ ایک واقعہ ہوا جس کا آج تک میرے قلب پر ایک گہرا اثر ہے۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز باجماعت

کا کتنا خیال رہتا تھا''۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۵۲)

حضرت مصلح موعود کی ایک روایت حلال و حرام کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالتی ہے نیز اس سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ بچوں کو کس احسن طریق سے سمجھاتے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''مجھے بچپن ہی میں یہ سبق سکھایا گیا تھا۔ مَیں بچپن میں ایک دفعہ ایک طوطا شکار کر کے لایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے دیکھ کر کہا محمود اس کا گوشت حرام تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کھانے کے لئے ہی پیدا نہیں کیا۔ بعض خوبصورت جانور دیکھنے کے لئے ہیں کہ انہیں دیکھ کر آنکھیں راحت پائیں۔ بعض جانوروں کو عمدہ آواز دی ہے کہ ان کی آواز سن کر کان لذت حاصل کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہر حس کے لئے نعمتیں پیدا کی ہیں وہ سب کی سب چھین کر زبان ہی کو نہ دے دینی چاہئیں۔ دیکھو یہ طوطا کیسا خوبصورت جانور ہے۔ درخت پر بیٹھا ہوا دیکھنے والوں کو کیسا بھلا معلوم ہوتا ہوگا''۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۶۳)

چھوٹے بچے کے دل میں ایک بزرگ مسلمان کی عظمت پیدا کرنے کے لئے آپ نے اُسے ڈانٹ دیا۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ ایک کتا ہمارے دروازے پر آیا۔ مَیں وہاں کھڑا تھا اندر کمرے میں صرف حضرت صاحب تھے۔ مَیں نے اس کتے کو اشارہ کیا اور کہا۔ ٹیپو، ٹیپو، ٹیپو۔ حضرت صاحب بڑے غصے سے باہر نکلے اور فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریز نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھ دیا ہے اور تم اُن کی نقل کر کے کتے کو ٹیپو کہتے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ میری عمر شاید آٹھ نو سال کی تھی وہ پہلا دن تھا جب سے میرے دل کے اندر سلطان ٹیپو کی محبت قائم ہوگئی''۔ (الفضل یکم اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۳)

بچوں کو کب روزہ رکھایا جائے

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''مجھے جہاں تک یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے پہلا روزہ رکھنے کی اجازت بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں دی تھی''۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۵)

پگڑی کی تلقین

حضرت مصلح موعود کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی حکمتوں کے پیشِ نظر پگڑی پہننے کی تلقین کی۔ آپ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود ٹوپی کو پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ عید کے

دن میں نے ٹوپی پہنی تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ ہیں! تم نے عید کے دن بھی ٹوپی پہنی ہوئی ہے۔ میں نے اسی وقت جا کر ٹوپی اتار دی اور پگڑی باندھ لی''۔ (انوار العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۰۶)

بچوں کو دعا کا عادی بنانا

بچوں کی تربیت کا ایک طریق بچوں کو دعا کا عادی بنانا ہے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''مَیں ابھی بچہ ہی تھا کہ ہمارے شرکاء نے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شدید مخالف تھے...... کے سامنے ایک دیوار کھڑی کر کے اُس کا دروازہ بند کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی دفعہ گھر میں پردہ کرا کے لوگوں کو...... میں لاتے اور کئی لوگ اوپر سے چکر کاٹ کر اور سخت تکلیف اُٹھا کر آتے۔ اُس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب لوگوں کو دُعا کرنے کے لئے کہا اور مجھے بھی دعا کا ارشاد فرمایا۔ میری عمر اُس وقت پندرہ سال کی تھی۔ مَیں نے دعا کی تو مجھے ایک رؤیا ہوا''۔ (انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۵۹۶)

لباس کے بارہ میں ایک واقعہ

حضرت مصلح موعود کی اعلیٰ تربیت کے پیش نظر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے انہیں بعض باریک باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''مجھے یاد ہے جب میں مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا تو پرانے دستور کے مطابق میں پاجامہ پہنا کرتا تھا جو شلوار کے رواج سے پہلے عام طور پر سکولوں میں رائج تھا جو شرعی پاجامہ کہلاتا ہے۔ وہ تو اوپر سے کھلا اور نیچے سے تنگ ہوتا ہے لیکن وہ اوپر نیچے برابر پتلون نما ہوتا تھا اور وہی مَیں عموماً پہنا کرتا تھا۔ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھ کر فرمایا کرتے تھے۔ یہ پاجامہ کیا ہے۔ جیسے بندوق کا غلاف (تھیلا) ہوتا ہے...... بعض لڑکوں نے مجھے کہا میں شلوار پہنا کروں چنانچہ میں نے شلوار بنوائی''۔ (خطبات محمود جلد ۹ صفحہ ۹۳،۹۲)

نو سالہ محمود کی تربیت

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی دوسروں کو دعا کے لئے کہا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات بچوں کو بھی دعا کی تحریک کرتے تھے۔ مجھ سے بھی آپ کئی مواقع پر دعا کے لئے کہا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مجھے دعا کے لئے فرمایا۔ اُس وقت میری عمر صرف نو سال کی تھی''۔ (خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۲)

دشمن رشتہ دار کا احترام

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچیرے بھائی جس قدر مخالفت سلسلہ کی کرتے تھے وہ ظاہر ہے انہوں نے دیوار بنا کر...... کا رستہ روک دیا، سقوں کو پانی بھرنے اور حجاموں کو حجامت بنانے سے منع کر دیا، کمہاروں کو منع کر دیا کہ ان کے لئے برتن نہ بناؤ۔ اور بھی طرح طرح کے ظلم کرتے رہتے تھے لیکن باوجود اس کے بچپن میں مَیں نے ایک دفعہ میرزا نظام الدین صاحب کے متعلق کوئی بات کرتے ہوئے صرف نظام الدین کہہ دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمایا وہ تمہارے چچا ہیں، تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس طرح اُن کا نام لو''۔

(خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۵۶۰)

اولاد سے شفقت و محبت

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۲۰ء کو سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت مرزا صاحب کا سلوک اپنی اولاد سے ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ قطعاً خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آپ کبھی ناراض بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم جب چھوٹے ہوتے تھے تو یہ سمجھا کرتے تھے کہ حضرت صاحب کبھی غصّے ہوتے ہی نہیں۔ میرے بچپن کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے مولوی عبدالکریم صاحب جو اسی جگہ کے ایک عالم تھے اور جنہیں پرانے لوگ جانتے ہوں گے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے ایک دفعہ مجھے کہا میری پسلی میں درد ہے۔ جہاں ٹکور کی گئی لیکن آرام نہ ہوا۔ آخر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کی جیب میں اینٹ کا ایک روڑا پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے پسلی میں درد ہو گیا۔ پوچھا گیا کہ حضور یہ کس طرح آپ کی جیب میں پڑ گیا۔ فرمایا محمود نے مجھے یہ اینٹ کا ٹکڑا دیا تھا کہ سنبھال کر رکھنا۔ میں نے جیب میں ڈال لیا کہ جب مانگے گا نکال دوں گا۔ مولوی صاحب نے کہا حضور مجھے دے دیجئے مَیں رکھ چھوڑوں۔ فرمایا نہیں مَیں اپنے پاس ہی رکھوں گا۔ تو آپ کو اولاد سے ایسی محبت تھی۔ آپ ہم سب سے ہی بہت پیار اور محبت کرتے تھے لیکن خاص کر ہمارے سب سے چھوٹے بھائی سے آپ کو ایسی محبت تھی کہ ہم سمجھتے تھے سب سے زیادہ اسی سے محبت کرتے ہیں''۔ (انوار العلوم جلد ۵ صفحہ ۱۱۴)

حضرت مصلح موعود اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بچپن میں میری آنکھوں میں سخت ککرے پڑ گئے تھے اور متواتر تین چار سال تک میری آنکھیں دکھتی رہیں اور ایسی شدید تکلیف ککروں کی وجہ سے پیدا ہو گئی کہ ڈاکٹروں نے کہا اس کی

بینائی ضائع ہو جائے گی۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری صحت کے لئے خاص طور پر دعائیں کرنی شروع کر دیں اور ساتھ ہی آپ نے روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ مجھے اس وقت یاد نہیں کہ آپ نے کتنے روزے رکھے...... جب آخری روزے کی آپ افطاری کرنے لگے اور روزہ کھولنے کے لئے منہ میں کوئی چیز ڈالی تو یکدم میں نے آنکھیں کھول دیں اور میں نے آواز دی کہ مجھے نظر آنے لگ گیا ہے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۵۶۶)

شملہ بھجوانا

''میری صحت بچپن میں ایسی خراب تھی کہ ایک موقع پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے میرے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہہ دیا کہ اسے سل ہوگئی ہے کسی پہاڑی مقام پر اُسے بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے شملہ بھجوا دیا''۔

(انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۳۴۶)

مبارک احمد سے پیار

''ہمارا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کا نام مبارک احمد تھا۔ اسکی قبر بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کے مشرق کی طرف موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وہ بہت ہی پیارا تھا۔ مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے ہوتے تھے ہمیں مرغیاں پالنے کا شوق پیدا ہوا اور کچھ مرغیاں میں نے رکھیں، کچھ میر محمد اسحاق صاحب مرحوم نے رکھیں اور کچھ میاں بشیر احمد صاحب نے رکھیں اور بچپن کے شوق کے مطابق صبح ہی صبح ہم جاتے، مرغیوں کے ڈربے کھولتے انڈے گنتے اور پھر فخر کے طور پر ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے کہ میری مرغی نے اتنے انڈے دیئے ہیں اور میری نے اتنے۔ ہمارے اس شوق میں مبارک احمد مرحوم بھی جا کر شامل ہو جاتا۔ اتفاقاً ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا۔ اس کی خبر گیری سیالکوٹ کی ایک خاتون کرتی تھیں جن کا عرف دادی پڑا ہوا تھا ہم بھی اسے دادی ہی کہتے تھے...... مگر اس لفظ کے سوا شناخت کا کوئی اور ذریعہ بھی نہ تھا اس لئے آپ بجائے دادی کے انہیں جگ دادی کہا کرتے تھے۔ جب مبارک احمد مرحوم بیمار ہوا تو دادی نے کہہ دیا کہ یہ بیماری اس لئے ہوا ہے کہ مرغیوں کے پیچھے جاتا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بات سنی تو فوراً حضرت (اماں جان) سے فرمایا کہ مرغیاں گنوا کر ان بچوں کو قیمت دے دی جائے اور مرغیاں ذبح کر کے کھالی جائیں''۔ (خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۵۸۱، ۵۸۲)

بچوں کی حفاظت

’’اپنے بچوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب کے بعد کبھی باہر نہیں نکلنے دیتے تھے کیونکہ آپ سمجھتے تھے لوگ دشمن ہیں ممکن ہے وہ بچوں پر حملہ کر دیں اور انہیں نقصان پہنچائیں۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے تو اُس وقت میری ۱۹ سال عمر تھی۔ ۱۶، ۱۷ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے کبھی بھی مغرب کے بعد گھر سے نکلنے نہیں دیا اور اس کے بعد بھی آپ کی وفات تک میں اجازت لے کر مغرب کے بعد گھر سے جاتا‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۶۷)

بچوں کی خواہشات کو پورا کرنا

’’مجھے یاد ہے بچپن میں ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد سخت بیمار تھا اُس نے ایک کپڑے کی خواہش کی (یہ اُس کی مرض الموت تھی) کلکتہ کی کوئی فرم تھی۔ اُس سے وہ کپڑا مل سکتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ کپڑا اُس کے لئے منگوا دیا مگر اس کے بعد مبارک احمد شاید فوت ہو گیا یا اور زیادہ بیمار ہو گیا کہ اسے اس کپڑے کی خواہش نہ رہی۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ کپڑا ہم تینوں بھائیوں میں بانٹ دیا‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۴۵۲)

بچوں کو کہانیاں سنانا

’’بچپن میں ہمیں کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہتے تو آپ ہمیں ایسی کہانیاں سناتے جنہیں سُن کر عبرت حاصل ہوتی‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۶۷۸)

فوت شدہ بچے سے تعلق

بچوں سے پیار کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن کی وفات کے بعد بھی نہیں توڑا۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

’’مجھے ایک نظارہ کبھی نہیں بھولتا میں اُس وقت چھوٹا سا تھا۔ سولہ سترہ سال کی عمر تھی کہ اُس وقت ہماری ایک چھوٹی ہمشیرہ جو چند ماہ کی تھی فوت ہو گئی اور اُس کو دفن کرنے کے لئے اسی مقبرہ میں لے گئے جس کے متعلق احرار کہتے ہیں کہ احمدی اس میں دفن نہیں ہو سکتے۔ جنازہ کے بعد نعش حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں پر اُٹھالی۔ اُس وقت میرزا اسماعیل بیگ صاحب مرحوم جو یہاں دودھ کی دکان کیا کرتے تھے آگے بڑھے اور کہنے لگے حضور! نعش مجھے دے دیجئے مَیں اُٹھا لیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مُڑ کر اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا: ’’یہ میری

بیٹی ہے' یعنی بیٹی ہونے کے لحاظ سے اس کی ایک جسمانی خدمت جو اس کی آخری خدمت ہے یہی ہو سکتی ہے کہ میں خود اس کو اٹھا کر لے جاؤں''۔ (خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۵۷۹)

صاحبزادی امۃ الحفیظ سے پیار

''مجھے یاد ہے ہماری بہن امۃ الحفیظ دو اڑھائی سال کی تھی کہ ہمارے ہاں ایک مہمان آئے ان کی بھی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی جو قریباً اسی عمر کی تھی۔ اُس کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں اور روشنی میں چونکہ نہیں کھلتی تھیں اس لئے وہ سمجھتی تھی کہ اور لوگوں کو بھی میری طرح دن میں نظر نہیں آتا۔ امۃ الحفیظ کبھی کبھی حضرت مسیح موعودؑ کے پاس جا کر کہا کرتی تھی کہ ابا مجھے چیجی دو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے کوئی چیز کھانے کی دے دیا کرتے تھے۔ اس لڑکی نے جو اسے اس طرح مانگتے دیکھا تو ایک دن خود بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے جا کر ہاتھ پھیلا کر کہنے لگی۔ حضرت صاحب! میں چیجی ہوں (امۃ الحفیظ) مجھے چیجی دیں''۔ (خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۵۸۳)

الٰہی تائید و نصرت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص تائید و نصرت حاصل تھی اس کا ذکر حضرت مصلح موعود کی روایات میں بھی ملتا ہے۔ فرمایا:

''مجھے بھی اپنے بچپن کی ایک جہالت یاد ہے۔ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بعض دشمن آتے اور آپ پر اعتراض کرتے تو چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت سادگی سے بات کرتے تھے بعض دفعہ مجھے یہ وہم ہوتا تھا شاید آپ اُس شخص کی چالاکی کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے مگر جب دشمن مخالفت میں بڑھتا جاتا تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی آسمانی طاقت نے آپ پر قبضہ کر لیا ہے اور آپ اس شان سے جواب دیتے کہ مجلس پر سناٹا چھا جاتا''۔ (انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۰)

''جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زلزلہ کے متعلق اپنی پیشگوئیوں کی اشاعت فرمائی تو قادیان میں کثرت سے احمدی دوست آ گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی دوستوں سمیت باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں خیموں میں رہائش شروع کر دی چونکہ اُن دنوں قادیان میں زیادہ کثرت سے مہمان آنے لگ گئے تھے۔ ایک دن آپ نے ہماری والدہ سے فرمایا کہ اب تو روپیہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی میرا خیال ہے کہ کسی سے قرض لے لیا جائے۔

کیونکہ اب اخراجات کے لئے کوئی روپیہ پاس نہیں رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ظہر کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو اُس وقت آپ مسکرا رہے تھے۔ واپس آنے کے بعد پہلے آپ کمرہ میں تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے اور والدہ سے فرمایا کہ انسان باوجود خدا کے متواتر نشانات دیکھنے کے بعض دفعہ بدظنی سے کام لیتا ہے۔ مَیں نے خیال کیا تھا کہ لنگر کے لئے روپیہ نہیں اب کہیں سے قرض لینا پڑے گا۔ مگر جب میں نماز کے لئے گیا تو ایک شخص جس نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے وہ آگے بڑھا اور اُس نے ایک پوٹلی میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے اُس کی حالت کو دیکھ کر سمجھا کہ اس میں کچھ پیسے ہوں گے مگر جب گھر آ کر اُسے کھولا تو اُس میں سے کئی سو روپیہ نکل آیا''۔ (تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۴)

حضرت مصلح موعود نشانات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جب کرم دین بھیں والا مقدمہ ہوا تو مجسٹریٹ ہندو تھا۔ آریوں نے اسے ورغلایا اور کہا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ضرور کچھ نہ کچھ سزا دے اور اُس نے ایسا کرنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے یہ بات سنی تو ڈر گئے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں گورداسپور حاضر ہوئے جہاں مقدمہ کے دوران آپ ٹھہرے ہوئے تھے اور کہنے لگے حضور بڑے فکر کی بات ہے۔ آریوں نے مجسٹریٹ سے کچھ نہ کچھ سزا دینے کا وعدہ لے لیا ہے۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے آپ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ خواجہ صاحب خدا کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ مَیں خدا کا شیر ہوں وہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دو مجسٹریٹ تھے جن کی عدالت میں یکے بعد دیگرے یہ مقدمہ پیش ہوا اور ان دونوں کو بڑی سخت سزا ملی۔ ان میں سے ایک تو معطل ہوا اور ایک کا بیٹا دریا میں ڈوب کر مر گیا اور وہ اس غم میں نیم پاگل ہو گیا۔ اس پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ ایک دفعہ میں دہلی جا رہا تھا کہ وہ لدھیانہ کے اسٹیشن پر مجھے ملا اور بڑے الحاح سے کہنے لگا کہ دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے صبر کی توفیق دے۔ مجھ سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور میری حالت ایسی ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ اب میرا ایک اور بیٹا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے اور مجھے دونوں کو تباہی سے بچائے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ بات پوری ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے اور آریوں کو اُن کے مقصد میں ناکامی ہوئی''۔

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۵۹)

''مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شدید مخالف تھے اور اُن کی ساری عمر آپ کی مخالفت کرتے گزر گئی۔ انہوں نے ایک دفعہ بڑی تعلّی کے ساتھ کہا تھا کہ میں نے ہی مرزا صاحب کو اونچا کیا تھا اور اب میں ہی اُن کو نیچے گراؤں گا۔ مگر اس کے بعد انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو کیا گرانا تھا خود ہی ذلیل ہوتے گئے یہاں تک کہ اُن کے دو بیٹے بھاگ کر قادیان میں میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا باپ اتنا بے غیرت ہے کہ وہ ہمیں کہتا ہے ہم کسی یتیم خانہ میں داخل ہو جائیں۔ وہ ہمیں ہر وقت مارتا پیٹتا ہے اور ہم سے ذلیل کام لیتا ہے۔ ہم اب اُس کے پاس نہیں رہنا چاہتے۔ مَیں نے اُن دونوں کا وظیفہ لگا دیا اور انہیں قادیان میں تعلیم دلائی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ اس میں میری بڑی ذلت ہے اُن کو قادیان سے نکال دیں۔ مگر میں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ میرے پاس مدد کے لئے آئیں اور میں اُن کو نکال دوں اس کے بعد وہ دونوں احمدی ہو گئے اور آخر مولوی صاحب زور دے کر اُن کو واپس لے گئے مگر پھر بھی اُن سے ایسا سلوک کیا کہ اُن میں سے ایک تو مر گیا ہے مگر دوسرا عیسائی ہو گیا اور اب تک زندہ ہے اور ریاست میسور میں کاروبار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں دل سے تو احمدی ہوں مگر روزی کے لئے مذہب تبدیل کیا ہوا ہے۔ یہ کتنا تلخ گھونٹ تھا جو مولوی محمد حسین بٹالوی کو پینا پڑا''۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۴۵)

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دفعہ کپورتھلہ کے احمدیوں اور غیر احمدیوں کا وہاں کی ایک ...... کے متعلق مقدمہ ہو گیا۔ جس جج کے پاس یہ مقدمہ تھا اُس نے مخالفانہ رویہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ اس پر کپورتھلہ کی جماعت نے گھبرا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعا کے لئے خط لکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو ...... تم کو مل جائے گی۔ مگر دوسری طرف جج نے اپنی مخالفت بدستور جاری رکھی اور آخر اس نے احمدیوں کے خلاف فیصلہ لکھ دیا۔ مگر دوسرے دن جب وہ فیصلہ سنانے کے لئے عدالت میں جانے کی تیاری کرنے لگا تو اُس نے نوکر سے کہا مجھے بوٹ پہنا دو۔ نوکر نے ایک بوٹ پہنایا اور دوسرا ابھی پہنا ہی رہا تھا کہ کھٹ کی آواز آئی۔ اُس نے اوپر دیکھا تو جج کا ہارٹ فیل ہو چکا تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد دوسرے جج کو مقرر کیا گیا اور اُس نے پہلے فیصلہ کو بدل کر ہماری جماعت کے حق میں فیصلہ کر دیا جو دوستوں کے لئے بہت بڑا نشان ثابت ہوا اور اُن کے ایمان آسمان تک جا پہنچے''۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۷، ۲۸)

ایک مشہور پیر صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ جب سیالکوٹ تشریف لے گئے اور وہاں ایک جلسہ ہوا جس میں آپ نے تقریر فرمائی تو راستہ میں بڑے بڑے مولوی ان پیر صاحب کے فتویٰ کے اشتہارات اُٹھائے ہوئے لوگوں کو کہہ رہے تھے کہ جو مرزا صاحب کے لیکچر میں جائے گا اُس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ جو احمدیوں سے ملے گا اُس کی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی اور جو اُن کے سلام کا جواب دے گا اُس کی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی۔ مجھے یاد ہے جلسہ میں جب لوگ جاتے تو باہر بڑے بڑے مولوی کھڑے ہو کر لوگوں کو روکتے کہ اندر مت جانا ورنہ تمہارا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اس پر کئی جوش میں آجاتے اور کہتے نکاح کا کیا ہے نکاح تو سوا روپیہ دے کر پھر بھی پڑھا لیا جائے گا مرزا صاحب نے روز روز نہیں آنا۔ اس لئے اُن کا لیکچر ضرور سنیں گے اور یہ کہہ کر وہ جلسہ میں شامل ہو جاتے‘‘۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۴۴۰، ۴۴۱)

’’ہم ایک دفعہ لکھنؤ گئے وہاں ایک سرحدی مولوی عبدالکریم تھا۔ جو ہماری جماعت کا شدید مخالف تھا۔ اُس نے ہمارے آنے کے بعد ایک تقریر کی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک واقعہ کو اُس نے نہایت تحقیر کے طور پر بیان کیا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دلی گئے۔ وہاں ہمارے ایک رشتہ دار کے ماموں مرزا حیرت دہلوی تھے۔ انہیں ایک دن ایک شرارت سوجھی اور وہ جعلی انسپکٹر پولیس بن کر آ گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈرانے کے لئے کہنے لگے کہ میں انسپکٹر پولیس ہوں اور مجھے حکومت کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں آپ کو نوٹس دوں کہ آپ یہاں سے فوراً چلے جائیں ورنہ آپ کو سخت نقصان ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اس کی طرف توجہ نہ کی مگر جب بعض دوستوں نے تحقیق کرنی چاہی کہ یہ کون شخص ہے تو وہ وہاں سے بھاگ گئے۔

اس واقعہ کو مولوی عبدالکریم سرحدی نے اس رنگ میں بیان کیا کہ دیکھو وہ خدا کا نبی بنا پھرتا ہے مگر وہ دلی گیا تو مرزا حیرت انسپکٹر پولیس بن کر اُس کے پاس چلا گیا۔ وہ کوٹھے پر بیٹھا ہوا تھا (حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نیچے دالان میں بیٹھے ہوئے تھے) جب اُس نے سُنا کہ انسپکٹر پولیس آیا ہے تو وہ ایسا گھبرایا کہ سیڑھیوں سے اُترتے وقت اُس کا پیر پھسلا اور وہ مُنہ کے بل زمین پر آ گرا۔ لوگوں نے یہ تقریر سُن کر بڑے قہقہے لگائے اور ہنستے رہے لیکن اُسی رات مولوی عبدالکریم کو خدا تعالیٰ نے پکڑ لیا۔ وہ اپنے مکان کی چھت پر سویا ہوا تھا

کہ رات کو وہ کسی کام کے لئے اُٹھا اور چونکہ اُس چھت کی کوئی منڈیر نہیں تھی اور نیند سے اُس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اُس کا ایک پاؤں چھت سے باہر جا پڑا اور وہ دھڑام سے نیچے آگرا اور گرتے ہی مر گیا''۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۳)

حضرت منشی اروڑے خان صاحب کا واقعہ

حضرت مصلح موعود حضرت منشی اروڑے خان صاحب کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

''منشی اروڑے خان صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ...... تھے اُن کا ایک لطیفہ مجھے یاد ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے بعض لوگوں نے کہا کہ اگر تم مولوی ثناء اللہ صاحب کی ایک دفعہ تقریر سُن لو تب تمہیں پتہ لگے کہ مرزا صاحب سچے ہیں یا نہیں۔ وہ کہنے لگے مَیں نے ایک دفعہ اُن کی تقریر سُنی۔ بعد میں لوگ مجھ سے پوچھنے لگے اب بتاؤ کیا اتنے دلائل کے بعد بھی مرزا صاحب کو سچا سمجھا جا سکتا ہے۔ مَیں نے کہا۔ مَیں نے تو مرزا صاحب کا مُنہ دیکھا ہوا ہے۔ اُن کا مُنہ دیکھنے کے بعد اگر مولوی ثناء اللہ صاحب دو سال تک بھی میرے سامنے تقریر کرتے رہیں تب بھی اُن کی تقریر کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور مَیں نہیں کہہ سکتا کہ وہ جھوٹے کا مُنہ تھا۔ بے شک مجھے اُن کے اعتراضات کے جواب میں کوئی بات نہ آئے مَیں تو یہی کہوں گا کہ حضرت مرزا صاحب سچے ہیں''۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۹، ۲۸۰)

میاں پیرے کا واقعہ

حضرت مصلح موعود میاں پیرے کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

''مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک دن میاں پیرا سے کہا کہ تو قادیان مرزے کے پاس کیوں پڑا ہے تو نے اس کا کیا دیکھا ہے؟ اس پر پیرے نے کہا۔ مولوی صاحب میں پڑھا ہوا تو ہوں نہیں پر ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں کہ آپ کو تو میں ہمیشہ اسٹیشن پر دیکھتا ہوں آپ لوگوں کو قادیان جانے سے منع کرتے ہیں مگر باوجود اس کے لوگ قادیان جاتے ہیں۔ آپ کی جوتیاں بھی اسی کوشش میں گھس گئیں پر لوگ قادیان جانے سے نہیں رُکتے لیکن مرزا صاحب تو ہمیشہ گھر میں ہی رہتے اور ملاقات کے لئے بھی بسا اوقات لوگوں کو کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پھر لوگ قادیان کو تو بھاگے چلے جاتے ہیں لیکن آپ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ آخر کوئی بات تو ہوگی اس سے آپ سمجھ لیں کہ مرزا صاحب کے پاس کیا ہے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۲۹۶)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی رسوائی

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بھی لوگوں نے سازشیں کیں اور قتل کے مقدمات دائر کئے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مخالفین کو اپنے مقاصد میں نامراد رکھا۔ ایسے ہی اقدام قتل کے ایک مقدمہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف عدالت میں گواہی دینے کے لئے آیا اور اس امید پر آیا کہ مرزا صاحب کو ہتھکڑی لگی ہوئی ہوگی یا ہتھکڑی اگر نہ لگی ہوگی تو عدالت میں (نعوذ باللہ) ذلیل حالت میں کھڑے ہوں گے مگر باوجود اس کے کہ وہ انگریز ڈپٹی کمشنر جس کے سامنے مقدمہ پیش تھا، ہمارے سلسلہ کا سخت مخالف تھا اور اس نے ضلع میں تعینات ہوتے ہی کہا تھا کہ یہ شخص جو ہمارے یسوع مسیح کی ہتک کرتا ہے اب تک بچا ہوا ہے۔ اسے سزا کیوں نہیں دی جاتی مگر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے سامنے پیش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف کیا کہ آپ کی شکل دیکھتے ہی اس کا بغض دور ہوگیا اور اس نے اپنے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹھنے کے لئے کُرسی بچھادی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس پر بیٹھ گئے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی جو آیا ہی اسی لئے تھا کہ آپ کو ذلت کی حالت میں دیکھے، اس نے جب دیکھا کہ آپ کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں تو برداشت نہ کرتے ہوئے اس نے کپتان ڈگس ڈپٹی کمشنر سے سوال کیا کہ مجھے بھی کرسی دی جائے۔ اس نے یہ خیال کیا کہ جب مجرم کے لئے کرسی بچھائی جاتی ہے تو گواہ کو کیوں کرسی نہیں ملے گی مگر کپتان ڈگس نے جب یہ بات سُنی تو اُسے سخت غصہ آیا اور اس نے غضبناک ہوکر کہا تجھے کُرسی نہیں ملے گی۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کہا میرے باپ کو لاٹ صاحب کے دربار میں کُرسی ملا کرتی تھی مجھے بھی کُرسی دی جائے۔ میں اہل حدیث کا ایڈووکیٹ ہوں اور میرا حق ہے کہ مجھے کرسی ملے۔ تب کپتان ڈگس نے کہا۔ بک بک مت کر پیچھے ہٹ اور سیدھا کھڑا ہوجا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تذلیل دیکھتا خدا تعالیٰ نے اسے ذلیل کر دیا۔ پھر یہ کمرہ کے اندر کا واقعہ تھا۔ جب مولوی صاحب باہر نکلے تو لوگوں کو یہ دکھانے کے لئے کہ گویا اندر بھی انہیں کُرسی ملی ہے برآمدے میں ایک کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گئے لیکن چونکہ نوکر وہی کچھ کرتے ہیں جو وہ اپنے آقا کو کرتے دیکھتے ہیں۔ چپڑاسی نے جب دیکھا کہ مولوی صاحب کو اندر تو کرسی نہیں ملی اور اب برآمدے میں کُرسی پر آبیٹھے ہیں۔ اُسے خیال آیا کہ اگر صاحب بہادر نے دیکھ لیا تو وہ مجھ پر ناراض ہوگا وہ دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہاں پر بیٹھنے کا حق نہیں، اُٹھ جایئے۔ اس طرح باہر کے لوگوں نے بھی دیکھ لیا کہ مولوی صاحب کی عدالت

میں کتنی عزت ہوئی۔ مولوی صاحب اس پر غصہ میں جل بھن کر آگے بڑھے تو کسی شخص نے زمین پر چادر بچھائی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گئے مگر اتفاق کی بات ہے کہ چادر والا بھی جھٹ آ پہنچا اور کہنے لگا میری چادر چھوڑ دو یہ تمہارے بیٹھنے سے پلید ہوتی ہے کیونکہ تم ایک مسلمان کے خلاف عیسائیوں کی طرف سے عدالت میں گواہی دینے آئے ہو''۔ (خطبات محمود جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۴، ۱۸۵)

ایک بڑے ادیب کی بیعت

حضرت مصلح موعود ایک بڑے ادیب کی بیعت کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک بڑے ادیب جو محاورات اُردو کی کتاب بھی چالیس جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور جس کا کچھ حصہ نواب صاحب رامپور نے شائع بھی کرایا تھا، قادیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کو سلسلہ کی تبلیغ کس نے کی؟ انہوں نے کہا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے۔ بچپن کی وجہ سے مجھے اس جواب پر بڑی حیرت ہوئی اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پوچھا کہ کس طرح؟ تو انہوں نے بتایا کہ مَیں نے جب مولوی محمد حسین صاحب کی تحریریں پڑھیں تو مجھے ان میں اس قدر غصہ اور دیوانگی نظر آئی کہ جب تک حقیقی خطرہ سامنے نہ ہو اُس وقت تک وہ غصہ اور دیوانگی پیدا نہیں ہوسکتی۔

پس میں نے اُس وقت سمجھا کہ ضرور حضرت مرزا صاحب میں صداقت ہے۔ تب میں نے درثمین وغیرہ پڑھی اور مجھے معلوم ہوگیا کہ دشمن جو کچھ کہتے ہیں غلط ہے۔ مَیں حضور کی بیعت کے لئے قادیان آیا''۔ (خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۷۰، ۷۱)

آپ کی دعا کا ایک واقعہ

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گورداسپور کے ایک ہندو مجسٹریٹ آتمارام نے سزا دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کی موت کی خبر آپ کو دی چنانچہ بیس دن میں دو لڑکے اس کے مر گئے۔ ایک لڑکا جو لاہور کے گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا ڈوب کر مر گیا۔ بیس بائیس سال ہوئے میں گاڑی میں جارہا تھا کہ لدھیانہ کے اسٹیشن پر وہ مجھے ملا اور کہا کہ لوگوں نے یونہی مرزا صاحب کو مجھ سے ناراض کر دیا اور مجھ سے کہا کہ آپ دعا کریں۔ اس کے دو نوجوان لڑکے مر گئے اور اس کی بیوی ہمیشہ اُسے یہی کہتی کہ یہ لڑکے تو نے ہی مارے ہیں''۔ (انوار العلوم جلد ۱۶ صفحہ ۲۷۸)

بادل کا سایہ

’’حضرت صاحب (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) ایک مرتبہ امرتسر سے آ رہے تھے بٹالے کو۔ راستہ میں دھوپ کی سخت تکلیف تھی یکہ میں بیٹھنے لگے (ریل نہیں تھی) تو ایک اور آدمی جو ہندو تھا وہ کود کر پہلے اندر جا بیٹھا اور اپنے موٹاپے سے تمام یکہ کو اندر سے روک لیا۔ اب حضرت صاحب کو دھوپ میں بیٹھنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ایک بادل بھیج دیا جو امرتسر سے لے کر بٹالہ تک برابر آپ کے سر پر سایہ کرتا آیا تو ہر ایک شخص جو خدا کے لئے اپنی رضا کو چھوڑ دے اور اللہ کی رضا کو مقدم رکھے خدا اُس کے لئے سب سامان کر دیتا ہے‘‘۔ (خطبات جمعہ جلد اوّل صفحہ ۹۹)

ایک نشان

حضرت مصلح موعود مامور زمانہ کے ایک الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ایک شدید مخالف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے پاس آیا اور بڑی شوخی سے کہنے لگا آپ مجھے نشان دکھائیں۔ آپ نے فرمایا تم خود میری صداقت کا نشان ہو۔ اس وقت جب کوئی میرا اور قادیان کا نام بھی نہ جانتا تھا مجھے خدا تعالیٰ نے خبر دی یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کہ لوگ دور دور سے تیرے پاس چل کر آئیں گے اور تم چل کر آئے ہو اس لئے مرا نشان ہو‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۲۹۷)

ایک الٰہی تصرف

’’حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لاہور میں ایک مجذوب تھا جو لوگوں کو گالیاں دیا کرتا تھا اور بعض دفعہ ایسی باتیں بھی کہتا جو پوری ہو جاتیں۔ آپ سے ایک شخص نے باصرار کہا کہ آپ اس سے ملنے چلیں۔ آپ نے خیال کیا کہ وہ پاگل ہے۔ گالی دے دے تو عجب نہیں اور اس کی اس حرکت سے یہ شخص میرے متعلق فیصلہ کر کے ٹھوکر کھائے چلنے سے انکار کیا لیکن جب اس نے اصرار کیا اور آپ نے دیکھا کہ جانا ہی بہتر ہے تو آپ گئے مگر یا تو وہ لوگوں کو گالیاں دے رہا تھا لیکن جب آپ گئے تو وہ مؤدب ہو کر بیٹھ گیا اور ایک خربوزہ جو اس کے پاس تھا حضرت صاحب کے پیش کر کے کہا یہ آپ کی نذر ہے یہ الٰہی تصرف تھا‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۷ صفحہ ۲۸۰)

حسین کامی کے بارہ میں پیشگوئی

ترکی خلافت پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

’’جس وقت حسین کامی قادیان میں آیا تھا۔ اس وقت حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ میں

کشفی نظر سے دیکھتا ہوں کہ سلطان کے دربار میں کچھ کچے دھاگے ہیں جو نازک وقت پر ٹوٹ جائیں گے چنانچہ وہ ٹوٹ گئے اور سلطان کو بھی لے کر غرق ہو گئے یہ کیسی عظیم الشان خبر تھی جو پوری ہوئی اور پندرہ سال کے عرصہ میں متعدد بار پوری ہو چکی ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۳۲۹)

متفرق روایات

اھل قادیان کو دعویٰ سے قبل نماز کی تلقین

خدا کے ماموروں کی سرشت میں دوسروں کی ہدایت کی تڑپ رکھی جاتی ہے۔ وہ کسی دعویٰ کے بغیر بے اختیار خدا کی محبت میں غرق رہتے اور دیوانہ وار دوسروں کو راہ حق کی طرف بلاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کی یہ روایت بہت دلچسپ ہے۔ فرمایا:

''ابھی اس بات کے دیکھنے والے لوگ زندہ موجود ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعودؑ نے سلسلہ احمدیہ کے قیام سے پہلے یہاں کے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر کہ وہ نماز کی طرف توجہ نہیں کرتے خود آدمی بھیج بھیج کر ان کو...... میں بلوانا شروع کیا تو ان لوگوں نے یہ عذر کیا کہ نمازیں پڑھنا امراء کا کام ہے۔ ہم غریب لوگ کمائیں یا نمازیں پڑھیں تو آپ نے یہ انتظام کیا کہ ایک وقت کا کھانا ان لوگوں کو دیا جاوے۔ چنانچہ چند دن کھانے کی خاطر پچیس تیس آدمی آتے رہے مگر آخر میں سُست ہو گئے اور صرف مغرب کے وقت کہ جس وقت کھانا تقسیم ہوتا تھا آجاتے جس پر آخر یہ سلسلہ بند کرنا پڑا''۔ (انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۷۶)

اصلاح کا طریق

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کس طریق سے لوگوں کی اصلاح کرتے اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود یہ روایت بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا:

''حضرت صاحب کی اصلاح کا طرز بڑا لطیف اور عجیب تھا۔ ایک شخص آیا اس نے باتوں ہی باتوں میں یہ بھی بیان کر دیا کہ ریلوے ٹکٹ میں مَیں اس رعایت کے ساتھ آیا ہوں۔ آپ نے ایک روپیہ اس کی طرف پھینک کر مسکراتے ہوئے کہا کہ امید ہے جاتے ہوئے ایسا کرنے کی آپ کو ضرورت نہ رہے گی''۔ (انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۲۳)

طرز تقریر

حضرت مصلح موعود حضرت مسیح موعود کی طرز تقریر کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ...... جب تقریر شروع فرماتے تو ابتداء میں بڑی دھیمی آواز ہوتی مگر بعد میں بہت اُونچی ہو جاتی اور ......مبارک میں تقریر کرتے ہوئے آپ کی آواز بہشتی مقبرہ کو جانے والی سڑک پر بخوبی سنائی دیتی''۔ (انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۹۰)

اسی طرح حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

''قدیم سے انبیاء کی یہ سنت ہے کہ وہ کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خطبہ کھڑے ہو کر ہی فرماتے تھے۔ حضرت مسیح موعود بھی سوائے بیماری کے کھڑے ہو کر ہی عموماً لیکچر دیا کرتے تھے۔'' (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۰)

ایک بڑے بزرگ کی اصلاح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود ہر خاص و عام کے لئے ہر پہلو سے مفید اور مبارک تھا۔ آپ نے جہاں عام لوگوں کی اصلاح کی وہاں راہِ سلوک میں قدم مارنے والے بڑے بڑے بزرگوں کی بھی اصلاح کی اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کی روایت ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ایک دفعہ لدھیانہ تشریف لے گئے۔ حضرت خلیفہ اوّل ...... کے خسر صوفی احمد جان صاحب جو ایک مشہور پیر اور بزرگ انسان تھے اور جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''براہین احمدیہ'' بھی پڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو بڑے خوش ہوئے اور اپنے ایک مرید سے جو کابل کے شہزادوں میں سے تھے آپ کی دعوت کروائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اُن کے مکان پر تشریف لے گئے اور جب کھانے سے فارغ ہوئے تو صوفی صاحب آپ کو مکان تک پہنچانے کے لئے آپ کے ساتھ ہی چل پڑے۔ صوفی احمد جان صاحب رتڑ چھتڑ والوں کے مرید تھے ...... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے راستہ میں دریافت فرمایا کہ صوفی صاحب سنا ہے رتڑ چھتڑ والوں کی آپ نے بارہ سال تک خدمت کی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے ان کی صحبت سے کیا فیض حاصل کیا؟ انہوں نے کہا حضور وہ بڑے بزرگ اور باخدا انسان تھے۔ میں بارہ سال اُن کی صحبت میں رہا اور بڑا فائدہ حاصل کیا۔ پھر انہوں نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو اُن کے پیچھے آ رہا تھا اور کہا حضور! اُن کی برکت سے اب مجھ میں اتنی طاقت پیدا ہو چکی ہے کہ اگر میں اس شخص کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھوں تو فوراً زمین پر گر پڑے اور تڑپنے لگ جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر اس سوٹی کو جو آپ کے

ہاتھ میں تھی زمین پر رگڑتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میاں صاحب پھر اس کا آپ کو کیا فائدہ پہنچا اور اگر ایسا ہو جائے تو اُس شخص کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ وہ چونکہ اہل اللہ میں سے تھے اس لئے آپ نے ابھی اتنا ہی فقرہ کہا تھا کہ وہ فوراً سمجھ گئے اور کہنے لگے حضور میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ ایک بے فائدہ چیز ہے''۔ (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۴۲)

تلاوت میں سوز وگداز

حضرت مصلح موعود نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے بارہ میں یہ ایمان افروز روایت بھی تفسیر کبیر میں درج فرمائی:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب بوجہ بیماری ...... میں تشریف نہ لے جاسکتے تھے تو اکثر مغرب اور عشاء کی نماز گھر میں با جماعت ادا فرماتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ سے لے کر اَرْحَمُ الرَّاحِمِین تک کی آیات آپؑ اس قدر دردناک لہجہ میں تلاوت فرماتے کہ دل بے تاب ہو جاتا تھا۔ وہ آواز آج تک میرے کانوں میں گونجتی ہے اور شاید میں اب تک اس لہجہ کو صحیح طور پر نقل کرسکتا ہوں۔ اس کا موجب بھی وہی تھا کہ آپؑ کے اور آپؑ کی قوم کے درمیان بھی یوسفؑ اور اس کے بھائیوں والا معاملہ گزر رہا تھا''۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۵۶)

وحی الٰہی پر یقین کامل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے الہامات پر کامل یقین تھا کہ سچے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کی یہ روایت دلچسپ ہے۔ فرمایا:

''ایک دفعہ آپ کو کھانسی کی شکایت تھی۔ مبارک احمد کے علاج میں آپ ساری ساری رات جاگتے تھے۔ مَیں ان دنوں بارہ بجے کے قریب سوتا تھا اور جلدی ہی اُٹھ بیٹھتا تھا لیکن جب میں سوتا اس وقت حضرت صاحبؑ کو جاگتے دیکھتا اور جب اُٹھتا تو بھی جاگتے دیکھتا۔ اس محنت کی وجہ سے آپ کو کھانسی ہوگئی۔ ان دنوں مَیں ہی آپ کو دوائی وغیرہ پلایا کرتا تھا اور چونکہ دوائی کا پلانا میرے سپرد تھا اس لئے ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق ایسی باتوں پر جو کھانسی کے لئے مضر ہوں ٹوک بھی دیا کرتا۔ ایک دن ایک شخص آپ کے لئے تحفہ کے طور پر کیلے لایا۔ حضرت صاحبؑ نے کیلا کھانا چاہا مگر میرے منع کرنے پر کہ آپ کو کھانسی ہے آپ کیوں کیلا کھاتے ہیں؟ آپ نے کیلا مسکرا کر رکھ دیا۔ غرض چونکہ میں ڈاکٹروں کی ہدایات پر عمل کراتا تھا اور تیماردار تھا آپ میری بات بھی مان لیتے تھے۔ انہی دنوں ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب حضرت صاحبؑ کے لئے فرانسیسی سیب لائے جو اتنے کھٹے تھے کہ کھانسی نہ بھی ہو تو ان کے کھانے سے ہو جائے لیکن

حضرت صاحبؑ نے تراش کر ایک سیب کھانا شروع کر دیا۔ مَیں نے منع کیا لیکن آپ نے نہ مانا اور کھاتے چلے گئے۔ مَیں بہت کڑھتا رہا کہ اس قدر کھانسی کی آپ کو تکلیف ہے مگر پھر بھی آپ ایسا تُرش میوہ کھا رہے ہیں لیکن آپ نے پرواہ نہ کی اور سیب کی پھانکیں کر کے کھاتے گئے اور ساتھ ساتھ مسکراتے بھی گئے۔ جب سیب کھا چکے تو فرمایا تمہیں نہیں معلوم مجھے الہام ہوا ہے کہ کھانسی دور ہو گئی ہے اور اب کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔ اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے ادب کے طور پر یہ سیب باوجود تُرش ہونے کے کھا لیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ کی کھانسی اچھی ہو گئی اور کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی''۔ (انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۵۷۹)

عورتوں کے حقوق

حضرت مصلح موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے ایک روایت یوں بیان فرماتے ہیں:

''پردہ میں جو ظاہری سختی کی جاتی تھی، اسے دور کیا۔ آپ (حضرت اماں جان) کو ساتھ لے کر سیر کو جایا کرتے۔ ایک دفعہ آپ ایک اسٹیشن پر (حضرت اماں جان) کو ساتھ لے کر ٹہل رہے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کو یہ بہت ناگوار گزرا۔ کیونکہ اس زمانہ میں بڑی شرم کی بات اور عیب سمجھا جاتا تھا کہ عورت ساتھ ہو۔ وہ حضرت خلیفہ اوّل کے پاس آئے اور کہا۔ حضرت صاحب بیوی صاحبہ کو ساتھ لے کر ٹہل رہے ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ آپ جا کر حضرت صاحب سے کہیں کہ بیوی صاحبہ کو بٹھا دیں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے کہا۔ آپ خود جا کر کہیں میں تو نہیں کہہ سکتا۔ آخر آپ گئے اور پھر سر نیچے ڈالے ہوئے آئے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے پوچھا حضرت صاحب نے کیا جواب دیا۔ کہنے لگے جب میں نے کہا لوگ اس طرح ٹہلنے پر اعتراض کریں گے تو آپ ٹھہر گئے اور فرمایا لوگ کیا اعتراض کریں گے کیا یہ کہیں گے کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کو ساتھ لے کر ٹہل رہے تھے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰)

مسمریزم کی کوشش

حضرت مصلح موعود ایک ماہر مسمریزم کے بارہ میں بیان فرماتے ہیں:

''ایک شخص نے ایک احمدی دوست سے بیان کیا کہ میں مسمریزم میں بڑا ماہر ہوں۔ ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ مرزا صاحب کے پاس جا کر ان پر مسمریزم کروں اور لوگوں کے سامنے ان سے عجیب وغریب حرکات کراؤں۔ یہ خیال کر کے میں ان کی مجلس میں گیا اور ان پر توجہ ڈالنے لگا۔ مگر وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑے اطمینان کے ساتھ باتیں کرتے رہے اور ان پر کچھ اثر نہ

ہوا۔ پھر میں نے اور زور لگایا۔ مگر پھر بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر میں نے سارا زور لگایا اور کوشش کی کہ آپ پر اثر ڈالوں مگر اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک شیر مجھ پر حملہ کرنے لگا ہے۔ یہ دیکھ کر مَیں وہاں سے بھاگا اور واپس چلا آیا۔ لاہور جا کر اس نے حضرت مسیح موعود کو خط لکھا کہ مَیں نے سمجھ لیا ہے کہ آپ بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ کسی نے اسے کہا تم نے ولی اللہ کس طرح سمجھ لیا۔ ہو سکتا ہے وہ مسمریزم میں تم سے زیادہ ماہر ہوں۔ اس نے کہا۔ مسمرائزر کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاموش ہو کر دوسرے پر توجہ ڈالے۔ مگر وہ اس وقت دوسروں سے باتیں کرتے رہے تھے اس لئے وہ مسمرایزم نہیں ہو سکتے''۔ (الوار العلوم جلد ۱۲ صفحہ ۴۳۵، ۴۳۶)

اولیاء اللہ کے مزاروں پر دعائیں

حضرت مصلح موعود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی دہلی تشریف آوری کے بارہ میں ایک منظر کشی یوں فرماتے ہیں:

''اصل بات یہ ہے کہ وہ انسان جو خدا پر بھروسہ رکھتا ہے وہ کبھی الٰہی کاموں کی نسبت یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ان کا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ میں اُس وقت چھوٹا تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دہلی تشریف لاتے تھے۔ آپ یہاں کے اولیاء اللہ کے مزاروں پر گئے اور بہت دیر تک لمبی دعائیں کیں اور فرمایا۔ مَیں اس لئے دعا کرتا ہوں کہ ان بزرگوں کی روحیں جوش میں آئیں تا ایسا نہ ہو کہ ان کی نسلیں اس نور کی شناخت سے محروم رہ جائیں جو اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور فرمایا کہ یقیناً ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں کو کھول دے گا اور وہ حق کو قبول کریں گے۔ مَیں گو اس وقت چھوٹا تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا اثر اب تک میرے دل پر باقی ہے''۔ (الوار العلوم جلد ۱۲ صفحہ ۸۳، ۸۴)

جھنڈے کے بارہ میں روایت

حضرت مصلح موعود جماعت کے جھنڈے کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مُنہ سے ایک مجلس میں یہ سُنا ہے کہ ہمارا ایک جھنڈا ہونا چاہئے۔ جھنڈا لوگوں کے جمع ہونے کی ظاہری علامت ہے اور اس سے نوجوانوں کے دلوں میں ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ لوائے ما پناہ ہر سعید خواہد بود۔ یعنی میرے جھنڈے کی پناہ ہر سعید کو حاصل ہوگی اور اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ ہم اپنا جھنڈا نصب کریں تا سعید روحیں اس کے نیچے آ کر پناہ لیں''۔ (الوار العلوم جلد ۱۵ صفحہ ۴۳۹)

داڑھی کے بارہ میں

حضرت مصلح موعود داڑھی کے بارہ میں ایک روایت یوں بیان فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں کسی نے عرض کیا کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگ داڑھیاں منڈواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اصل چیز تو محبت الٰہی ہے جب ان لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی پیدا ہو جائے گی تب خود بخود یہ لوگ ہماری نقل کرنے لگ جائیں گے''۔

(انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۴۶۵)

طاعون کے زمانہ میں مسیح پاک کی کیفیت

طاعون کے زمانہ میں خدا کے مسیح کی اندرونی کیفیت کیا تھی حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جب لوگوں نے مقابلہ کیا تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے دکھایا کہ ملک میں سخت طاعون پھوٹے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس کا لقمہ بن گئے مگر اس طاعون کے وقت بھی باوجودیکہ طاعون کا پھوٹنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی تائید میں تھا آپ نے مجسم رحم بن کر خدا کے حضور اس عذاب کو ٹلانے کے لئے نہایت گڑگڑا کر دعائیں کیں اور اس قدر گریہ وزاری کی کہ مولوی عبد الکریم صاحب جو...... مبارک کے اوپر کے حصہ میں رہتے تھے فرماتے تھے کہ ایک دن مجھے کسی کے رونے کی آواز آئی اور وہ آواز اتنی دردناک تھی جیسے کوئی عورت دردزہ کی تکلیف میں مبتلا ہو۔ میں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام رو رو کر خدا کے حضور میں دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! اگر تیرے سارے بندے مر گئے تو مجھ پر ایمان کون لائے گا''۔

(انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۵۱۴)

آپ کی جائیداد

حضرت مصلح موعود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جائیداد کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کوئی امیر کبیر نہ تھے۔ آپ کی جائیداد کی قیمت قادیان کے ترقی کرنے کے باعث بڑھ گئی۔ ورنہ اس کی قیمت خود آپ نے دس ہزار روپیہ لگائی تھی اور اتنی مالیت کی جائیداد سے کون سی بڑی آمد ہو سکتی ہے''۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۷۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے والد صاحب بڑے طاقتور تھے۔ غرغرہ موت شروع ہوا تو فرمانے لگے غلام احمد یہ غرغرہ ہے اور پھر چند منٹ کے بعد فوت ہو گئے''۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۳)

نذر ماننا

حضرت مصلح موعود نذر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص صدقہ و خیرات اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ کوئی نذر بھی شکرانہ کے طور پر مان لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں یہ استنباط حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک عمل سے کرتا ہوں، آپ بعض دفعہ اُن لوگوں کو جو آپ سے دعا کے لئے عرض کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں دعا کروں گا۔ آپ اپنے دل میں خدمت دین کے لئے کوئی رقم مقرر کر لیں جسے اس کام کے پورا ہونے پر آپ خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیں''۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)

نبی کے بُلاوے کی اہمیت

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک شخص کو آواز دی وہ اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ اُس نے نماز توڑ دی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور خدا کا نبی اُسے بلائے تو وہ نماز بھی توڑ سکتا ہے''۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۹)

نظافت و نفاست

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزاج میں صفائی اور نفاست بھی بے حد نظر آتی ہے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''حضرت صاحبؑ کی طبیعت میں کتنی بردباری تھی۔ مگر آپؑ نے اس وجہ سے باہر لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا چھوڑ دیا کہ ایک شخص نے کئی چیزیں ساگ، فرنی، زردہ، شوربا وغیرہ ملا کر کھایا۔ فرماتے تھے کہ اس سے مجھے اتنی نفرت ہوئی کہ قے آنے لگی۔ اس کے بعد آپ نے باہر کھانا کھانا چھوڑ دیا اور اس طرح لوگ اس فیض سے محروم ہو گئے جو آپ کے ساتھ کھانا کھانے کے وقت انہیں حاصل ہوتا تھا۔

پھر حضرت صاحبؑ فرماتے اور میری طبیعت میں بھی یہ بات ہے کہ اگر اُسترے سے سر منڈوا کر کوئی سامنے آئے تو بہت بُرا لگتا ہے اور مجھے تو اسے دیکھ کر سر درد شروع ہو جاتی ہے تو

ظاہری صفائی اور ظاہری حالت کے عمدہ ہونے کی بھی بہت ضرورت ہے تا کہ لوگوں کو نفرت نہ پیدا ہو''۔ (انوار العلوم جلد ۵ صفحہ ۵۸۵)

ایک نوجوان رفیق کی روایات

''ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ...... ہوں مگر مجھے سوائے اس کے اور کوئی بات یاد نہیں کہ ایک دن جبکہ مَیں چھوٹا سا تھا مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ پکڑ لیا اور آپ سے مصافحہ کیا اور تھوڑی دیر تک میں آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے برابر کھڑا رہا کچھ دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہاتھ چھڑا کر کسی اور کام میں مشغول ہو گئے''۔ (انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۵۵۴)

بیدانہ کھانا

حضرت مصلح موعود بظاہر ایک چھوٹی روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس بات کی ہرگز پروا نہیں کرنی چاہیئے کہ تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس بات کا علم ہے وہ چھوٹی سی ہے بلکہ خواہ کس قدر چھوٹی ہو بتا دینی چاہیئے ...... کیونکہ ان باتوں سے بھی بعد میں اہم نتائج اخذ کئے جائیں گے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ بعض دوستوں سمیت باغ میں گئے اور آپ نے فرمایا آؤ بیدانہ کھائیں۔ چنانچہ بعض دوستوں نے چادر بچھائی اور آپ نے درخت جھڑوائے اور پھر سب ایک جگہ بیٹھ گئے اور انہوں نے بیدانہ کھایا''۔ (انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۵۵۶)

ایک جوشیلے عرب کی بیعت

حضرت مصلح موعود ایک جوشیلے عرب کے بارہ میں روایت کرتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک جوشیلا عرب قادیان میں آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور باقی احباب نے اسے خوب سمجھایا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ شخص تبلیغ سے نہیں بلکہ دعا سے سمجھے گا اور اس پر دعا کا حربہ اثر کرے گا۔ چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا فرمائی تو دوسرے دن ہی وہ خود ...... میں آکر لوگوں سے کہنے لگا کہ مَیں نے غور کیا ہے۔ وفات مسیح کا یہ ثبوت ہے اور صداقت مسیح کا یہ ثبوت ہے اور خود ہی دلائل دینے لگ گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہی اُسے دلائل سکھا دیئے اور اس نے بیعت کر لی''۔ (انوار العلوم جلد ۱۴ صفحہ ۳۰۲)

شرم و حیاء

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مَیں نے دیکھا ہے کہ آپ بعض دفعہ دبانے والوں کی طرف سے تکلیف پہنچنے کی وجہ سے اُٹھ کر چلے جاتے۔ کوئی ایسا دبانے والا بیٹھ جاتا کہ آپ کو کھجلی ہونے لگتی۔ آپ طبیعت کی شرم کی وجہ سے کہہ نہ سکتے کہ ایسا نہ کرو اور اُٹھ کر اندر تشریف لے جاتے۔ جتنے لوگ دماغی کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کی اعصابی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھجلی پیدا کرنے والی چیز برداشت نہ کر سکتے تھے۔ میرا بھی یہی حال ہے''۔

(خطبات محمود جلد ۱۵ صفحہ ۱۷۱)

سچے الہام کی علامت

''حضرت مصلح موعود ایک ملہم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک احمدی کے دماغ میں نقص ہو گیا اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے الہام ہوتا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیتا ہے۔ وہ شخص یہاں آیا تو آپ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے اسے نصیحت کی اور فرمایا دیکھو جب تمہیں الہام ہوتا ہے تو موسیٰ ہے تو کیا حضرت موسیٰ والے معجزے اور نشان بھی دیئے جاتے ہیں۔ جب تمہیں ابراہیم کہا جاتا ہے تو کیا حضرت ابراہیم کی سی تائید اور نصرت بھی حاصل ہوتی ہے اور آئندہ نسلوں کے متعلق انہی برکات کا وعدہ دیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئیں۔ جب عیسیٰ کہا جاتا ہے تو کیا دعاؤں کی قبولیت کے معجزات بھی دیئے جاتے ہیں جو حضرت عیسیٰ سے وابستہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں، ملتا تو کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا بس پھر وہ شیطان ہے جو آپ کے ساتھ کھیلتا ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۴۴)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک خواہش

حضرت مصلح موعود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک خواہش کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

''مَیں نے حضرت صاحب سے بارہا یہ خواہش سنی تھی کہ ایسا رسالہ ہو جس میں عقائد احمدیہ ہوں۔ اگر ایسا رسالہ تیار ہو جائے تو آئے دن کے جھگڑے فیصل ہو جائیں اور پھر نزاعیں برپا نہ ہوں''۔ (انوار العلوم جلد ۲ صفحہ ۴۷)

دعوت اِلی اللہ کا جوش

دعوت الی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی تبلیغ سلسلہ کے لئے عجیب عجیب خیال آتے تھے اور وہ دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ یہ پیغام دنیا کے ہر کونے میں پہنچ جاوے۔ایک مرتبہ آپ نے تجویز کی کہ ہماری جماعت کا لباس ہی الگ ہوتا کہ ہر شخص بجائے خود ایک تبلیغ ہو سکے اور دوستوں کو ایک دوسرے کی ناواقفی میں شناخت آسان ہو۔اس پر مختلف تجویزیں ہوتی رہیں۔مَیں خیال کرتا ہوں شاید اسی بناء پر لکھنؤ کے ایک دوست نے اپنی ٹوپی پر احمدی لکھوا لیا''۔

(انوار العلوم جلد ۳ صفحہ ۱۴)

وقفِ زندگی

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جب وقفِ زندگی کا اعلان کیا تو گو وقفِ زندگی کی شرائط آپ نے خود نہیں لکھیں بلکہ میر حامد شاہ صاحب سے لکھوائیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو دیکھا اور کچھ اصلاح کے ساتھ پسند فرمایا۔مجھے خوب یاد ہے ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ میں کوئی معاوضہ نہیں لوں گا چاہے مجھے درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑے میں گزارہ کروں گا''۔ (انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۲۹۷)

مصائب میں استقلال

''مَیں نے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کتنا ہی کوئی دُکھ ہو یا تکلیف ہو آپ گھبراتے نہ تھے''۔ (خطبات جمعہ جلد ۱ صفحہ ۵۵)

منارۃ المسیح

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''حدیثوں میں ایک خبر آئی ہے کہ ''مسیح ایک منارہ پر نازل ہوگا''۔حضرت مسیح موعودؑ نے اس منارہ کے بنانے کی تجویز کی تھی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو پورا کرنا انسان کا فرض ہے اس لئے حضرت مسیح موعود نے ایک مینار کی بنیاد ڈالی تھی اس وقت کے حالات کے مطابق مینار کا بننا مشکل کام تھا۔مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت صاحب نے مشورہ کے لئے چند آدمی جمع کئے تھے۔بھٹہ تیار ہو رہا تھا اینٹیں بن رہی تھیں بنیادیں کھودی جارہی تھیں کہ حکیم حسام الدین صاحب مرحوم آئے۔انہوں نے حضرت صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔حضور اس کے لئے دس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔حضرت صاحب بار بار فرماویں کہ کوئی ایسی تجویز بتاؤ کہ اس سے کم روپیہ خرچ ہو ہماری جماعت کمزور ہے۔کہاں دس ہزار روپیہ دے سکے گی...... اس وقت جتنا منارہ بنا بنا اور

پھر اس وقت بعض وجوہات سے بننا رک گیا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ حضور نے مینار کے بنانے کے متعلق اعلان کیا تھا کہ بنے گا اور اب روک دیا گیا ہے اس لئے مخالف لوگ ہنس رہے ہیں اور ہم سے مخول کرتے ہیں۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اگر سارے کام ہم ہی کر جائیں تو بعد میں آنے والے لوگ کیا کریں گے اور وہ کس طرح ثواب لیں گے پھر آپ نے فرمایا کہ بہت سی برکات ایسی ہیں جن کا نزول مینار کے بننے پر ہوگا''۔ (خطبات جمعہ جلد ا صفحہ ۲۱۳)

مامور کی نافرمانی جائز نہیں

''حضرت صاحب کے پاس ایک شخص نے عرض کیا کہ غیروں میں تو رشتے کرنے سے حضور نے منع فرما دیا۔ اگر ایک رجسٹر ہو جس میں جماعت کے لڑکے لڑکیوں کی فہرست ہو اور ان کے نکاح حضور کی معرفت ہوا کریں تو علاوہ بابرکت ہونے کے سہولت بھی ہو جائے۔ آپ نے اس درخواست کو منظور فرمالیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک احمدی کی بیوی مرگئی تو حضور نے اسی رجسٹر بنانے والے کو رشتہ دینے کے متعلق فرمایا تو وہ کہنے لگا یہ تو نہیں ہوسکتا ہم مغل وہ پٹھان۔ آخر ایک غیر احمدی کو اس نے لڑکی دی۔ حضرت صاحب نے اس کے بعد رجسٹر چھوڑ دیا۔ ایسا ہی ایک اور شخص تھا اس نے کہا حضور! یہ میری لڑکی آپ کے سپرد۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا فلاں شخص سے نکاح کردو۔ ابھی تو کہہ رہا تھا آپ کے سپرد۔ ابھی کہنے لگا کہ حضور وہ تو بوڑھا ہے فرمایا اچھا فلاں سے نکاح کردو۔ کہنے لگا اس میں فلاں عیب ہے۔ پھر تھوڑے دنوں بعد آکر کہا کہ فلاں شخص سے سمجھوتہ کیا ہے حضور نکاح کردیں۔ فرمایا احمد نور پٹھان سے نکاح کردو۔ اس نے قبول نہ کیا اور جہاں جی چاہتا تھا وہیں نکاح کردیا۔ حضور نے اس نکاح کے چھوہارے بھی نہ لئے''۔

(خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۶۰۵)

دعا کے بارہ میں ایک دلچسپ واقعہ

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں قادیان کے دو آدمیوں کا آپس میں اختلاف ہوگیا۔ دوستوں نے انہیں سمجھانا چاہا بہت نصیحتیں کیں مگر انہوں نے خیال کیا ہمارا فیصلہ سوائے انگریزی عدالت کے نہیں ہوسکتا۔ ہر ایک کو دوسرے پر بدظنی تھی اور خیال تھا کہ میں نے اگر بات مان لی تو دوسرے کو فائدہ ہو جائے گا اس لئے انہوں نے ایک دوسرے پر سرکاری عدالت میں نالش کردی۔ پھر جس دن ان کے مقدمہ کی پیشی ہو وہ خود یا ان کے قائم مقام حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہیں کہ آپ دعا کریں خدا کامیابی دے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ بہت ہنسا کرتے اور فرماتے دونوں میرے مرید ہیں اور دونوں سے مجھے تعلق ہے۔ میں کس کے لئے دعا کروں کہ وہ ہارے اور کس کے لئے دعا کروں کہ وہ جیتے۔ ہم تو یہی دعا کرتے ہیں دونوں میں سے جو سچا ہے وہ جیت جائے اور اسے اپنا حق مل جائے''۔ (خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۲۱۰)

رشتوں کے انتخاب میں ایک اہم امر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُن عورتوں سے شادیاں کرو جو محبت کرنے والی اور بہت بچے جننے والی ہوں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ رشتوں کے بارہ میں اس فرمانِ رسول کو بھی مدنظر رکھتے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ہماری شادیوں کی تجویز فرمائی تو سب سے پہلے یہ سوال کرتے کہ فلاں صاحب کے ہاں کتنی اولاد ہے، وہ کتنے بھائی ہیں، آگے ان کی کتنی اولاد ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۳۹۶)

قیام شریعت کا ایک واقعہ

حضرت مصلح موعود تعدد ازدواج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت خلیفہ اوّل کا خیال تھا کہ چار سے زیادہ شادیاں کی جا سکتی ہیں۔ میر محمد اسحاق صاحب ایک دن میرے پاس دوڑے دوڑے آئے۔ ان کی طرز رفتار ایسی تھی کہ گویا کوئی معرکہ سر کر کے آئے ہیں۔ مَیں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ چار سے زیادہ شادیاں کی جاسکتی ہیں اور ایک حدیث نکل آئی ہے۔ چنانچہ ان کی بغل میں حدیث کی کتاب تھی اور اس میں کاغذ بطور نشان بھی رکھا ہوا تھا اس میں حضرت امام حسن کی بہت سی شادیوں کا ذکر تھا۔ ہمیں اس وقت اتنا علم نہیں تھا کہ اس حدیث پر بحث کرتے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر ہوگی مَیں نے کہا کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حدیثوں کا علم نہیں؟ کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں کی جاسکتیں۔ آپ کے سامنے یہ حدیث پیش کی جائے۔ اس پر میر محمد اسحاق صاحب کتاب لے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حوالہ پیش کیا لیکن جب تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو مَیں نے دیکھا کہ سر نیچا کیا ہوا ہے اور اس کوشش میں ہیں کہ اگر مجھ سے بچ کر نکل سکیں تو نکل جائیں۔ چونکہ میں انہی کے انتظار میں وہاں کھڑا تھا کہ دیکھوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا جواب لاتے ہیں۔ مَیں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور پوچھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا فرمایا ہے۔ کہنے لگے

فرماتے ہیں یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ سب بیویاں ایک وقت میں زندہ تھیں''۔

(خطبات محمود جلد ۳ صفحہ ۳۹۸، ۳۹۹)

شکر گزار دل

خدا کے مقربین کا دل شکرگزار رہتا ہے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں جب دن رات چھپتیں تو باوجود اس کے کہ آپ کئی کئی راتیں بالکل نہیں سوتے تھے لیکن جب کوئی شخص رات کے وقت پروف لاتا تو اُس کے آواز دینے پر خود اُٹھ کر لینے کے لئے جاتے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے کہ جزاک اللہ احسن الجزاء اس کو کتنی تکلیف ہوئی ہے۔ یہ لوگ کتنی تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔ حالانکہ آپ خود ساری رات جاگتے رہتے تھے۔ مَیں کئی بار آپ کو کام کرتے دیکھ کر سویا اور جب کبھی آنکھ کھلی تو کام ہی کرتے دیکھا۔ حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ دوسرے لوگ اگرچہ خدا کے لئے کام کرتے تھے لیکن آپ اُن کی تکلیف کو بہت محسوس کرتے تھے''۔

(خطبات محمود جلد ۵ صفحہ ۲۱۰)

حضور کا شعر سننا

''حضرت صاحب کو رات کے وقت کئی لوگ بہت معمولی معمولی شعر سناتے اور آپ سنتے رہتے۔ ایک دن کسی نے عرض کیا کہ حضور ایسے شعروں کو آپ کیوں سنتے ہیں جن کا کچھ مطلب نہیں ہوتا۔ فرمایا جب میں رات کو لیٹتا ہوں تو اس کثرت سے اسلام کی تبلیغ کے خیالات میرے دماغ میں آتے ہیں کہ میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے اور مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں ان خیالات سے دماغ پھٹ نہ جائے۔ جب لوگ شعر سناتے ہیں تو کچھ خیال ہٹ جاتا ہے اور ان خیالات سے توجہ ہٹ جاتی ہے''۔

(خطبات محمود جلد ۵ صفحہ ۳۳۱)

دشمنوں سے نرمی

''ایک دفعہ ایک شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لکھنؤ سے آیا اور حضور سے گفتگو کرتا رہا۔ آخر میں کہنے لگا کہ آپ کیا مسیح موعود ہوں گے آپ قرآن کا قاف تو ادا نہیں کر سکتے۔ حضرت مولوی عبداللطیف صاحب (شہید) حضور کے پاؤں دبا رہے تھے انہوں نے اس شخص کے مُنہ پر تھپڑ مارنا چاہا۔ مگر حضرت اقدس نے ہاتھ پکڑ لیا''۔

(خطبات محمود جلد ۶ صفحہ ۱۷۶)

غیرت ایمانی

حضرت مصلح موعود معترضین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’انسان تو انسان سارے لوگ خدائی تقسیم پر بھی خوش نہیں ہوتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ایک شخص کے متعلق فرماتے تھے جسے پھر تو خدا تعالیٰ نے ہدایت دے دی اس نے حضرت مسیح موعود کی بیعت کر لی آپ سے تعلقات بھی ہوگئے اور اس کا انجام بھی اچھا ہو گیا۔ اس کے متعلق آپ فرماتے کہ ابتداء میں اس سے بہت اچھے تعلقات تھے لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ آپ اس سے الگ ہوگئے۔ اور وہ واقعہ یہ تھا کہ اس کا ایک لڑکا فوت ہوگیا مَیں بھی اس کے ہاں گیا اور بڑے بھائی صاحب بھی اور لوگ بھی تھے۔ وہ بڑے بھائی صاحب کو دیکھ کر ان سے لپٹ گیا اور چیخ مار کر کہنے لگا۔ مرزا صاحب خدا نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے۔ ہمارا اس سے بڑا تعلق تھا لیکن یہ بات سُن کر ایسی نفرت ہوگئی کہ اس جنازہ میں شامل ہونا بھی دوبھر ہوگیا اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۷ صفحہ ۱۶۴)

ایک فقہی مسئلہ کی وضاحت

’’مَیں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی عورت بچہ جننے کے وقت جب کہ یہ ثابت ہوجائے کہ اب مرد ڈاکٹر کے ذریعہ بچہ جنوانے کے بغیر وہ مر جائے گی لیکن وہ شرم کرتی ہے تو وہ میرے نزدیک خودکشی کا ارتکاب کرتی ہے‘‘۔

(خطبات محمود جلد ۹ صفحہ ۱۸۰،۱۷)

حقہ پینے والے کو سزا

’’حضرت صاحب کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص کی نسبت آپ کو اطلاع دی گئی کہ وہ ہر وقت مہمان خانہ میں بیٹھا حقہ پیتا رہتا ہے۔ آپ نے اس کو فوراً نکال دیا۔ کہاں یہ بات کہ حقہ پینے والے کو حضرت صاحب مہمان خانے سے نکال دیں اور کہاں یہ کہ اب ہمارے چوک اور بازاروں میں بھی حقہ پیا جاتا ہے‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۹ صفحہ ۱۷۵)

مرکز سلسلہ کا احترام

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بعض آدمیوں کو اُن کی بداخلاقیوں کی وجہ سے قادیان سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ ایک کو اس واسطے حضرت مسیح موعودؑ نے نکال دیا تھا کہ وہ بہت حقہ پیا کرتا تھا اور ایک کو اس لئے کہ وہ بالکل نکما بیٹھا بے ہودہ باتیں کیا کرتا تھا‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۹ صفحہ ۱۹۹)

عورتوں کو مہر ادا کرنا چاہیئے

’’حکیم فضل دین صاحب جو ہمارے سلسلہ میں سابقون الاولون میں سے ہوئے ہیں۔ ان کی دو بیویاں تھیں ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ مہر شرعی حکم ہے اور ضرور عورتوں کو دینا چاہیئے۔ اس پر حکیم صاحب نے کہا میری بیویوں نے مجھے معاف کر دیا ہوا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کیا آپ نے ان کے ہاتھ میں رکھ کر معاف کرایا تھا۔ کہنے لگے نہیں حضور یونہی کہا تھا اور انہوں نے معاف کر دیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا پہلے آپ ان کی جھولی میں ڈالیں پھر ان سے معاف کرائیں ...... ان کی بیویوں کا مہر پانچ پانچ سو روپیہ تھا حکیم صاحب نے کہیں سے قرض لے کر پانچ پانچ سو روپیہ ان کو دے دیا اور کہنے لگے تمہیں یاد ہے تم نے اپنا مہر مجھے معاف کیا ہوا ہے سو اب مجھے یہ واپس دے دو اس پر انہوں نے کہا اس وقت ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ نے دے دینا ہے اس وجہ سے کہہ دیا تھا کہ معاف کیا۔ اب ہم نہیں دیں گی۔ حکیم صاحب نے آ کر یہ واقعہ حضرت صاحب کو سنایا کہ میں نے اس خیال سے کہ روپیہ مجھے واپس مل جائے گا ایک ہزار روپیہ قرض لے کر مہر دیا تھا مگر روپیہ لے کر انہوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت صاحب یہ سُن کر بہت ہنسے اور فرمانے لگے درست بات یہی ہے کہ پہلے عورت کو مہر ادا کیا جائے اور کچھ عرصہ کے بعد اگر وہ معاف کرنا چاہے تو کر دے‘‘۔

(خطبات محمود جلد ۹ صفحہ ۲۱۷)

مشورہ میں برکت

بیماریوں اور علاج کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

’’ایک شخص کی لات میں کچھ خرابی واقع ہوگئی۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھا کہ میں نے ہر چند علاج کیا کہ آرام آ جائے مگر نہ آیا۔ اب ڈاکٹر کہتے ہیں لات کٹوا ڈالو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ بچ سکے۔ اگر ڈاکٹروں سے فائدہ نہیں ہوا تو اب کچھ دیر کسی نائی سے جو جراحی کا کام کرتا ہو علاج کرا کر دیکھیں شائد اس سے ہی فائدہ ہو جائے۔ چھ سات ماہ کے بعد اس شخص نے لکھا کہ آپ کے مشورہ سے یہ فائدہ ہوا کہ لات کٹنے سے بچ گئی اور اب درست ہوگئی ہے‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۵۴)

طاعون اور احتیاطیں

طاعون کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار توجہ دلائی تھی کہ اگر کسی جگہ سے چوہے نکلیں تو اس جگہ کو فوراً چھوڑ دینا چاہیئے اور چوہے کو وہیں جلا دینا چاہیئے کیونکہ اس پر سینکڑوں مچھر ہوتے ہیں جو اس سے اُڑ کر ادھر ادھر بکھریں گے اور پھر انسانوں پر بیٹھیں گے‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳)

’’کئی سالوں کی بات ہے جب طاعون پڑی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تمام ردی اشیاء جلوا دیں اور میں نے خود دیکھا کہ آپ نے چند بڑے بڑے بستے جن میں کاغذات وغیرہ تھے نکلوا کر جلا دیئے۔ انہیں میں ایک وہ بستہ بھی جلا دیا جس میں گالیوں کے خطوط تھے‘‘۔

(خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴)

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں جب طاعون پڑی تو آپ نے قادیان سے باہر چلے جانے کا حکم دے دیا۔ مجھے یاد ہے کہ لوگوں نے ڈھاب کے باہر اس طرف کھیتوں میں چھپر ڈال لئے تھے اور ان میں رہتے تھے‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۴)

قادیان کا ایک نقشہ

حضرت مصلح موعود نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت کے قادیان کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔ فرمایا:

’’میری عمر تو چھوٹی تھی لیکن وہ نظارہ اب بھی یاد ہے جہاں اب مدرسہ ہے وہاں ڈھاب ہوتی تھی اور میلے کے ڈھیر لگے ہوتے تھے اور مدرسہ کی جگہ لوگ دن کو نہیں جایا کرتے تھے کہ یہ آسیب زدہ جگہ ہے۔ اوّل تو کوئی وہاں جاتا نہیں تھا اور جو جاتا بھی تو اکیلا کوئی نہ جاتا بلکہ دو تین مل کر جاتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے...... یہ ویران جگہ تھی اور یہ ظاہر ہے کہ ویران جگہوں کے متعلق ہی لوگوں کا خیال ایسا ہوتا ہے کہ وہاں جانے سے جن چڑھ جاتا ہے...... بہت سے آدمی بیان کرتے ہیں کہ قادیان کی یہ حالت تھی کہ دو تین روپے کا آٹا بھی یہاں سے نہیں ملتا تھا۔ آخر یہ گاؤں تھا۔ زمیندارہ طرز کی یہاں رہائش تھی۔ اپنی اپنی ضرورت کے لئے لوگ خود ہی پیس لیا کرتے تھے۔

’’یہ تو ہمیں بھی یاد ہے کہ ہمیں جب کبھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کسی آدمی کو لاہور یا امرتسر بھیجا کرتے تھے۔ پھر آدمیوں کا یہ حال تھا کہ کوئی ادھر آتا نہ تھا۔ برات وغیرہ پر کوئی مہمان اس گاؤں میں آجائے تو آجائے لیکن عام طور پر کوئی آتا جاتا نہ تھا۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا۔ حضرت صاحب مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ مجھے یاد ہے برسات کا موسم تھا ایک چھوٹے سے گڑھے میں پانی کھڑا تھا میں پھلانگ نہ سکا تو مجھے

خود اُٹھا کر آگے کیا گیا۔ پھر کبھی شیخ حامد علی صاحب اور کبھی حضرت صاحب خود مجھے اُٹھا لیتے۔ اس وقت نہ کوئی مہمان تھا اور نہ یہ مکان تھے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۶، ۲۴۷)

ایک مبارک تحریک

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''مَیں نے ایک تحریک یہ کی تھی کہ ہماری جماعت کے لوگ اپنے ہاتھ میں سوٹا رکھیں۔ میری ہی تحریک نہ تھی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی تھی۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھے بلا کر کہا تھا جب باہر جاؤ سوٹا ہاتھ میں رکھو۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں ہمیشہ ہاتھ میں چھڑی رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جب گھر سے باہر نکلو کوٹ پہن کر نکلو صرف کُرتا پہن کر نہ نکلو اور سوٹا ہاتھ میں رکھو۔ پھر جب بھی حضرت صاحب خود باہر جاتے ہمیشہ سوٹا ہاتھ میں رکھتے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶)

کثرت کار کے اثرات

''دیکھا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے وقت سیر کو تو چلے جاتے تھے مگر...... میں نہ آ سکتے تھے۔ وجہ یہ کہ دل کی کمزوری کی وجہ سے دل کا دورہ ہو جاتا تھا۔ اس بیماری والا آدمی چل پھر تو سکتا ہے مگر مجمع میں بیٹھ نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دل کی کمزوری کثرت کار کی وجہ سے تھی''۔ (خطبات محمود جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۹)

اہل قادیان کی مشکلات

''اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے واقعات آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں مگر وہ زیادہ دور کے زمانہ کے واقعات نہیں ہیں۔ یہی قادیان جہاں اب خدا کے فضل سے احمدیوں کی کثرت ہے اور دوسرے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ یہاں بھی ایک وقت وہ تھا کہ ...... میں نماز پڑھنے کے لئے آنے والوں کو آرام حاصل نہ تھا۔ بعض لوگ رستہ میں کیلے گاڑ دیتے تھے اور کہتے تھے ہم یہاں اپنے جانور باندھیں گے مگر ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اندھیرے مُنہ صبح شام گزرنے والے ٹھوکریں کھا کر گریں۔ اگر کوئی ان کیلوں کو اکھیڑتا تو اس سے لڑائی کی جاتی اور جب بعض جوشیلے احمدی ان سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوتے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں روکتے اور فرماتے صبر کرو پھر...... کے آگے دیوار بنادی گئی۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اجازت دے دیتے تو اس کی ایک ایک اینٹ دس پندرہ منٹ میں غائب کر دی جاتی مگر آپ نے اس کی اجازت نہ دی اور دو سال تک مقدمہ چلتا رہا تب جا کر وہ دیوار گرائی گئی۔ بعض دفعہ گھر کے

اندر سے گزار کر نمازیوں کو...... میں لایا جاتا تھا مگر باوجود اس کے صبر سے کام لیا گیا''۔

(خطبات محمود جلد ۱۱ صفحہ ۵۱۲)

دوا

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چونکہ سر میں چکر آنے کی مرض تھی آپ بادام روغن اور مشک کا استعمال فرمایا کرتے تھے''۔ (سیر روحانی صفحہ ۴۳۸)

روحانی کھانا

''۱۹۰۸ء میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے لاہور کے بڑے بڑے احمدیوں نے وہاں کے بااثر لوگوں کی ایک دعوت کی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل ہوئے اور آپ نے ان معززین کے سامنے ایک تقریر فرمائی لیکن اتفاقاً تقریر کچھ ایسی لمبی ہوگئی۔ خلیفہ رجب دین صاحب مرحوم جو خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے خسر تھے اور دعوتوں کا انتظام کرنے میں بڑی مشق رکھتے تھے انہوں نے پیچھے سے آکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنا شروع کیا کہ حضور بڑی دیر ہوگئی ہے کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور بڑے بڑے معززین آئے ہوئے ہیں۔ اس پر میاں فضل حسین صاحب مرحوم کہ وہ بھی مدعوین میں سے تھے کھڑے ہوگئے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہا کہ حضور! دنیاوی کھانے تو ہم روز ہی کھاتے ہیں ہم تو یہاں آپ کے ہاتھ سے روحانی کھانا کھانے آئے ہیں سو آپ تقریر جاری رکھیں اور ہمیں اس سے محروم نہ کریں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقریر جاری رکھی اور تمام غیر احمدی احباب بیٹھے سنتے رہے''۔ (سیر روحانی صفحہ ۴۳۸)

کھانے کی مقدار

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ خود روحانی کھانا کھا کھا کر عام کھانوں کی مقدار کم کرتے گئے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آپ بمشکل ایک پھلکا کھاتے تھے۔ یہ نہیں کہ بھوکے رہ کر ایسا کرتے تھے بلکہ آہستہ آہستہ سے رغبت سے استغناء پیدا ہوتے ہوتے یہ عادت ہوگئی تھی اور توجہ اور خیالات کی رو کے اس طرف سے ہٹ جانے سے آہستہ آہستہ کھانا بہت قلیل رہ گیا تھا''۔ (خطبات محمود جلد ۱۲ صفحہ ۲۷۵)

قادیان میں جمعہ کی نماز

''بعض حالات میں حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ایک ہی وقت میں......مبارک میں بھی جمعہ کی نماز پڑھی جاتی تھی اور......اقصیٰ میں بھی اور یہ اس صورت میں ہوتا تھا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی تکلیف وغیرہ کی وجہ سے......اقصیٰ میں تشریف نہیں لے جاسکتے تھے''۔

(خطبات محمود جلد ۱۲ صفحہ ۴۸۵)

تعلیم الاسلام ہائی سکول اور حکم عدل کا فیصلہ

حضرت مصلح موعود تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے ایام میں بعض لوگوں نے کوشش کی کہ اس سکول کو توڑ کر صرف عربی کا ایک مدرسہ قائم رکھا جائے کیونکہ جماعت دوسکولوں کے بوجھ برداشت نہیں کرسکتی اور اس پر اتفاق جماعت اتنا زبردست تھا کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں شاید ڈیڑھ آدمی سکول کی تائید میں رہ گیا تھا۔ ایک تو حضرت خلیفہ اوّل تھے اور آدھا میں اپنے آپ کو کہتا ہوں۔ کیونکہ اُس وقت میں بچہ تھا لیکن میں سمجھتا ہوں جو جوش مجھے اُس وقت سکول کے متعلق تھا وہ دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل چونکہ ادب کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بات نہ کرسکتے تھے اس لئے آپ نے مجھے اپنا ذریعہ اور ہتھیار بنایا ہوا تھا وہ مجھے بات بتادیتے اور مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہنچا دیتا آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیابی عطا کی اور باوجودیکہ بعض جلدباز دوستوں نے قریباً ہم پر کفر کا فتویٰ لگادیا اور کہا کہ یہ دنیا دار لوگ ہیں کیونکہ انگریزی تعلیم کی تائید کرتے ہیں۔ پھر بھی فیصلہ ہمارے حق میں ہوا''۔

(خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۴۸۰، ۴۸۱)

حفاظتی تدابیر

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سفروں پر جاتے تو آپ کے ساتھ حفاظت کے لئے زائد سواریاں اور یکے ہوتے۔ اگر آپ رتھ میں جاتے تو علاوہ اُن لوگوں کے جو حفاظت کے لئے رتھ میں ہی آپ کے ساتھ بیٹھ جاتے، دوتین رتھ یا یکے ساتھ ساتھ بھاگتے چلے جاتے......اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی گھر میں ہدیۃً آئی ہوئی چیز بغیر دریافت کے استعمال نہ کرتے بلکہ آپ پوچھ لیتے کہ یہ کہاں سے آئی ہے، کون دینے آیا تھا اور آیا وہ شخص جانا پہچانا ہے یا نہیں۔ جب مخالفت زیادہ بڑھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کی

دھمکیوں کے خطوط موصول ہونے شروع ہوئے تو کچھ عرصہ تک آپ نے سنکھیا کے مرکبات استعمال کئے تا کہ اگر خدانخواستہ آپ کو زہر دیا جائے تو جسم میں اس کے مقابلہ کی طاقت ہو"۔

(خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۶۶)

حضور کی محنت شاقہ

"مَیں نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے آپ راتوں کو بھی کام کرتے اور دن کو بھی کام کرتے اور اخبارات کا باقاعدہ مطالعہ رکھتے ...... جب ہم سوتے اس وقت بھی آپ جاگ رہے ہوتے اور جب ہم جاگتے تو اُس وقت بھی آپ کام کر رہے ہوتے"۔

(خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۳۶، ۳۷)

ایک رؤیا کی تعبیر

مؤمن جنت میں بھی کام کریں گے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

"مجھے اس جگہ پر ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ مولوی برہان الدین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت مخلص ...... تھے اور نہایت خوش مذاق آدمی تھے۔ ان ہی کی وفات اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدرسہ احمدیہ کے قیام کا خیال پیدا ہوا۔ وہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے اور ذکر کیا کہ مَیں نے خواب میں اپنی فوت شدہ ہمشیرہ کو دیکھا ہے کہ وہ مجھ سے ملی ہیں۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ بہن بتاؤ وہاں تمہارا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگی خدا نے بڑا فضل کیا، مجھے اُس نے بخش دیا اور اب مَیں جنت میں آرام سے رہتی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ بہن وہاں کیا کرتی ہو؟ وہ کہنے لگی بیر بیچتی ہوں۔ مولوی برہان الدین صاحب کہنے لگے۔ میں نے کہا۔ "بہن ساڈی قسمت بھی عجیب ہے سانوں جنت وچ بھی بیری وتیچنے پے" ان کے خاندان میں چونکہ غربت تھی اس لئے خواب میں بھی ان کا خیال ادھر گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ رؤیا سن کر فرمایا مولوی صاحب! اس کی تعبیر تو اور ہے مگر خواب میں بھی آپ کو تمسخر ہی سوجھا اور مذاق کرنا نہ بھولا۔ بیر درحقیقت جنتی پھل ہے اور اس سے مراد ایسی کامل محبت ہوتی ہے جو لازوال ہو کیونکہ سدرہ لازوال الٰہی محبت کا مقام ہے۔ پس اس کی تعبیر یہ تھی کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی لازوال محبت لوگوں میں تقسیم کرتی ہوں۔ غرض مؤمن تو کسی جگہ رہے اُسے کام کرنا پڑے گا"۔ (خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۶۱۲، ۶۱۳)

معمور الاوقات وجود

''مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کام کی یہ حالت ہوتی کہ ہم جب سوتے تو آپ کو کام کرتے دیکھتے اور جب آنکھ کھلتی تب بھی آپ کو کام کرتے دیکھتے اور باوجود اتنی محنت اور مشقت برداشت کرنے کے جو دوست آپ کی کتابوں کے پروف پڑھنے میں شامل ہوتے آپ ان کے کام کی اس قدر، قدر فرماتے کہ اگر عشاء کے وقت بھی کوئی آواز دیتا کہ حضور میں پروف لے آیا ہوں تو آپ چارپائی سے اُٹھ کر دروازہ تک جاتے ہوئے راستہ میں کئی دفعہ فرماتے جزاک اللہ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی جـــزاک اللہ۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ حالانکہ وہ کام اس کام کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوتا تھا جو آپ خود کرتے تھے۔ غرض اس قدر کام کرنے کی عادت ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں دیکھی ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیں حیرت آتی۔ بیماری کی وجہ سے بعض دفعہ آپ کو ٹہلنا پڑتا مگر اس حالت میں بھی آپ کام کرتے جاتے۔ سیر کے لئے تشریف لے جاتے تو راستہ میں بھی مسائل کا ذکر کرتے اور سوالات کے جوابات دیتے''۔

(خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۲۴۹)

عشق رسول

حضرت مصلح موعود حضرت مرزا سلطان احمد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجھے ایک بات یاد ہے جو کو اُس وقت تو مجھے بُری ہی لگی تھی مگر آج اس میں بھی ایک لذت محسوس کرتا ہوں۔ ہمارے بڑے بھائی میرزا سلطان احمد صاحب مرحوم ایک دفعہ باہر سے یہاں آئے۔ ابھی تک انہوں نے بیعت کا اعلان نہیں کیا تھا۔ مَیں اُن سے ملنے گیا۔ میرے بیٹھے بیٹھے ہی ڈاک آئی۔ اُس زمانہ میں توہین مذاہب کے قانون کا مسودہ تیار ہو رہا تھا۔ اس سے بات چل پڑی تو مرزا سلطان احمد صاحب کہنے لگے اچھا ہوا بڑے مرزا صاحب فوت ہو گئے (وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے) ورنہ سب سے پہلے وہ جیل جاتے کیونکہ انہوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو برداشت نہیں کرنا تھا۔ اُس وقت تو یہ بات مجھے بُری لگی کیونکہ اس میں بے ادبی کا پہلو تھا مگر اس سے اس محبت کا اظہار ضرور ہوتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی''۔

(خطبات محمود جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۴، ۲۵۵)

سیر میں باقاعدگی اور استقلال

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مَیں نے دیکھا ہے کہ آپ دن بھر گھر کے اندر کام کرتے لیکن روزانہ ایک دفعہ سیر کے لئے ضرور جاتے اور ۷۴، ۷۵ برس کی عمر کے باوجود سیر پر اسقدر باقاعدگی رکھتے کہ آج وہ ہم سے نہیں ہو سکتی۔ ہم بعض دفعہ سیر پر جانے سے رہ جاتے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام ضرور سیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ تو کھلی ہوا کے اندر چلنا پھرنا اور اُس سے فائدہ اُٹھانا دماغ کے لئے بہت مفید ہوتا ہے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۸۳۹)

سزا کن امور میں دیتے

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب کہیں سٹرائک ہوتی اور کوئی احمدی اس میں شریک ہوتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے سخت سزا دیتے اور اُس پر اظہار ناراضگی فرماتے''۔ (خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۱۳۳)

ولی کے بغیر نکاح

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

''اس قسم کے واقعات بعض دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک لڑکی نے جو جوان تھی ایک شخص سے شادی کی خواہش کی مگر اس کے باپ نے نہ مانا۔ وہ دونوں جنگل چلے گئے اور جا کر کسی ملانے سے نکاح پڑھوالیا اور کہنا شروع کر دیا کہ ان کی شادی ہو گئی ہے۔ پھر وہ قادیان آ گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے ان دونوں کو قادیان سے نکال دیا اور فرمایا یہ شریعت کے خلاف فعل ہے کہ محض لڑکی کی رضامندی دیکھ کر ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا جائے''۔

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶)

سچائی

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ہر حال میں سچ بولنا اپنا شعار سمجھا۔ اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کی دو روایات ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ خاندانی جائداد کے متعلق ایک مقدمہ تھا اسی مکان کے چبوترے کے متعلق جس میں اب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر ہیں اس چبوترے کی زمین دراصل ہمارے خاندان کی تھی مگر اس پر دیرینہ قبضہ اس گھر کے مالکوں کا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بھائی صاحب نے اس کے حاصل کرنے کے

لئے مقدمہ چلایا اور جیسا کہ دنیا داروں کا قاعدہ ہے کہ جب زمین وغیرہ کے متعلق کوئی مقدمہ ہو اور وہ اپنا حق اس پر سمجھتے ہوں تو اس کے حاصل کرنے کے لئے جھوٹی سچی گواہیاں مہیا کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے جھوٹی سچی گواہیاں دلائیں۔ اس پر اس گھر کے مالکوں نے یہ امر پیش کر دیا کہ ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ان کے چھوٹے بھائی کو بُلا کر گواہی لی جائے اور جو وہ کہہ دیں ہمیں منظور ہوگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور گواہ عدالت میں پیش ہوئے اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ان لوگوں کو اس رستہ سے آتے جاتے اور اس پر بیٹھتے عرصہ سے دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر عدالت نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آپ کے بڑے بھائی صاحب نے اسے اپنی ذلت محسوس کیا اور بہت ناراض ہوئے مگر آپ نے فرمایا کہ جب واقعہ یہ ہے تو میں کس طرح انکار کر سکتا تھا‘‘۔

(خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۵۴۴،۵۴۳)

سچائی کا غیر احمدی وکلاء پر اثر

ایک غیر احمدی وکیل شیخ علی احمد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

’’کئی واقعات مقدمات میں آپ کو ایسے پیش آتے رہے جن کی وجہ سے وکلاء کے دلوں میں جن کو ان مقدمات سے تعلق رہا کرتا تھا آپ کی بہت عزت تھی۔ چنانچہ ایک مقدمہ میں آپ نے شیخ علی احمد صاحب کو وکیل نہ کیا تو انہوں نے لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اس مقدمہ میں مجھے وکیل نہیں کیا اس لئے نہیں کہ میں کچھ لینا چاہتا تھا بلکہ اس لئے کہ مجھے خدمت کا موقع نہیں مل سکا...... شیخ علی احمد صاحب آخر تک غیر احمدی رہے اور انہوں نے بیعت نہیں کی مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ظاہری رنگ میں آپ کا اخلاص احمدیوں سے کسی طرح کم نہ تھا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے آپ کی سچائی کو ملاحظہ کیا تھا اور صرف شیخ علی احمد صاحب پر ہی کیا موقوف ہے جن جن کو بھی آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا ان کی یہی حالت تھی‘‘۔

(خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۵۴۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بزرگ اولاد کا مقام

حضرت مصلح موعود معترضین کے اعتراضات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’پس جو ہم پر حملہ کرتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ کرتا ہے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ کرتا ہے وہ خدا پر حملہ کرتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک

دفعہ باغ میں گئے اور فرمایا مجھے یہاں چاندی کی بنی ہوئی قبریں دکھلائی گئی ہیں اور ایک فرشتہ مجھے کہتا ہے کہ یہ تیری اور تیرے اہل وعیال کی قبریں ہیں اور اسی وجہ سے وہ قطعہ آپ کے خاندان کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ گو یہ خواب اس طرح چھپی ہوئی نہیں لیکن مجھے یاد ہے کہ آپ نے اسی طرح ذکر فرمایا''۔ (خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۱۸۸)

بارہ حواری

''سیّد حامد شاہ صاحب مرحوم بہت مخلص احمدی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن کو اپنے بارہ حواریوں میں سے قرار دیا تھا۔ چنانچہ میرے سامنے جب آپ نے حواریوں کے نام گنے تو ان کا بھی نام لیا اور پھر ان کے نیک انجام نے ان کے درجہ کی بلندی پر مُہر بھی لگا دی''۔

(خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۵۵۱)

عورتوں میں لیکچر

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ عورتوں میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا..... آپ نے بہت سے لیکچر دیئے ایک دن ایک عورت سے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم لیکچروں میں شامل ہوتی ہو یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں شامل ہوتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے کیا بیان کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ بس یہی نماز روزہ کی باتیں ہوتی ہیں اور کیا۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سلسلہ بند کر دیا''۔

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۳)

سوانح حضرت مصلح موعود

(صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے متعلق صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی موعود بیٹے کی خوشخبری نہیں دی گئی تھی بلکہ یہ سلسلہ بہت پہلے سے جاری تھا۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ''سوانح فضل عمر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں حضرت مرزا محمود احمد صاحب نے جو کردار ادا کرنا تھا اس کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خدا سے علم پا کر دنیا کو آپ کی ولادت کی خبر دینے میں حضرت مرزا صاحب منفرد نہیں ہیں بلکہ اس پیدائش کے تذکرے آپ سے قبل بھی دور دور تک تاریخ کے مختلف اوراق میں پھیلے پڑے ہیں۔ سب سے زیادہ قابل فخر اور سب سے اعلیٰ اور اولیٰ ان پیشگوئیوں میں وہ پیشگوئی ہے جو ہمارے آقا و مولیٰ سب نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں فرمائی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں:

ینزل عیسی ابن مریم الی الارض یتزوج ویولد لہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے اور شادی کریں گے اور ان کو اولاد دی جائیگی۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۶۵)

ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس پیشگوئی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کی اولاد ہوگی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا اس کی نسل سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو اسکا جانشین ہوگا اور دین ...... کی حمایت کرے گا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں یہ خبر آچکی ہے۔'' (از حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۱۲، سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۶۶)

یہود کی شریعت کی بنیادی کتاب ''طالمود'' میں لکھا ہے:

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (یعنی مسیح) وفات پا جائے گا اور اس کی سلطنت اس کے بیٹے اور پوتے کو ملے گی۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۶۶)

حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب ولی نے بھی اس آخری زمانہ کے مامور کے بارہ میں پیشگوئی فرمائی ہے۔ آپ

ایک مشہور صاحب کشف والہام بزرگ تھے اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں۔

اح م دال ے خوانم۔ نام آں نامدارے بینم

دور او چوں شود تمام بکام پسرش یادگارے بینم

"یعنی جب اس کا زمانہ کامیابی سے گزر جائے گا تو اس کے نمونہ پر اس کا بیٹا یادگار رہ جائیگا۔"

(سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۶۷ تا ۶۸)

پیدائش

حضرت مصلح موعود ۱۲/جنوری ۱۸۸۹ء کو جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب قادیان میں پیدا ہوئے۔ اس قوی اُمید کے ساتھ کہ یہ وہی بچہ ہے جس کا پیشگوئی میں وعدہ ہے اسکا نام بشیر الدین محمود احمد رکھا گیا۔

مقدس والدین

آپ کے والد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ یہاں کرنے کی ضرورت نہیں آپ کی والدہ حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم تھیں جو دہلی کے ایک قدیم اور معزز سید خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کا خاندان غالباً سترھویں صدی میں یا اس سے قبل ہندوستان آکر آباد ہوا۔ حضرت خواجہ سید میر محمد ناصر رحمۃ اللہ علیہ اس خاندان کے جدّ امجد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ ایک صاحب کشف و رؤیا باخدا بزرگ تھے۔ (سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۷)

حضرت سیدہ نصرت جہاں صاحبہ کے والد کا نام حضرت میر ناصر نواب صاحب تھا جو خود بھی بہت بڑے بزرگ تھے۔

حضرت مصلح موعود سے پہلے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا جو جلد ہی فوت ہو گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد بشیر اوّل کی وفات کے بعد (جو ۴/نومبر ۱۸۸۸ء میں ہوئی تھی) بہت جلد پیدا ہو گئے جو حضرت اماں جان کے صبر و رضا کا پھل تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز کا ہے کہ جب پہلا بشیر پیدا ہوا تھا اس کی شکل مبارک سے بہت ملتی تھی۔ وہ بیمار ہوا اور شدت سے اس کو بخار چڑھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کی حالت نازک ہو گئی اس وقت نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نماز پڑھ لوں۔ ابھی نماز ہی پڑھتے تھے کہ بچہ فوت ہو گیا نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا اس کا تو انتقال ہو گیا اس وقت میں نے دیکھا کہ انہوں نے بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی وقت میرے دل میں ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں اُٹھائے گا جب تک اس بچہ کا بدلہ نہ دے لے۔

چنانچہ اس کے فوت ہونے کے قریباً چالیس دن بعد محمود پیدا ہوا۔''

(از ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۹۳ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۷)

عقیقہ

حضور کا عقیقہ ۱۸؍ جنوری ۱۸۸۹ء بروز جمعہ ہوا جس حجام کو بلایا گیا اس کا نام ''دینا'' تھا۔ اس تقریب میں لاہور سے بھی بعض احباب قادیان تشریف لائے۔

حضور کی کھلائی کا تقرر

قدیم خاندانوں کے دستور کے مطابق ابتداء سے ہی ایک کھلائی مقرر رہوئی یہ عورت بیمار تھی اس کی بیماری کے اثرات حضور کی صحت پر بھی پڑے۔ حضرت مصلح موعود خود لکھتے ہیں:

''۱۸۸۹ء میں پیشگوئی کے مطابق آپ (یعنی مسیح موعودؑ) کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا...... اتفاقاً اس لڑکے کی جو کھلائی مقرر کی گئی وہ شدید امراض میں مبتلا تھی ایسے شدید امراض میں کہ اس کے سات آٹھ بلکہ نو بچے کچھ بچپن میں اور کچھ بڑے ہو کر سل اور دق سے مر گئے تھے۔ اس عورت نے بغیر اس کے کہ لڑکے کے والدین سے اجازت حاصل کرتی اس کو دودھ پلا دیا...... اور اس طرح دق اور سل اور خنازیر کے جراثیم اس بچے کے اندر چلے گئے چنانچہ جب وہ دو سال کا ہوا تو پہلے اسے کھانسی ہوئی اور پھر وہ شدید خنازیر میں مبتلا ہو گیا اور کئی سال تک مدقوق و مسلول رہا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ ایک بہت بڑا نشان ظاہر کرنا تھا اس لئے خدا نے اس کو بچا لیا......'' (الفضل فروری ۱۹۶۵ء صفحہ ۷ تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۸)

بچپن کے کچھ حالات کچھ یادیں:

حضرت مصلح موعود پر حضرت مسیح موعودؑ کی خاص پیار کی نظریں پڑتی تھیں اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو کہانیاں سناتے کبھی گود میں لے کر بہلاتے کبھی سیر کو اپنے ساتھ لیجاتے اور اس پیار کے ساتھ ساتھ تربیت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ حضور خود فرماتے ہیں:

''مجھے وہ دن بھی یاد ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا حضرت صاحب سیر کو جایا کرتے تھے۔ میں بھی کبھی کبھی اصرار کرتا تو حضرت صاحب مجھے ساتھ لیجاتے مجھے یاد ہے برسات کا موسم تھا ایک چھوٹے سے گڑھے میں پانی کھڑا تھا میں اسے پھلانگ نہ سکا تو مجھے خود اُٹھا کے آگے کیا گیا پھر کبھی شیخ حامد علی صاحب اور کبھی حضرت صاحب خود مجھے اٹھا لیتے۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۰)

اپنے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں:

''مجھے یاد ہے ہمارا ایک کچا کوٹھا ہوتا تھا اور بچپن میں کبھی کھیلنے کیلئے ہم اس پر چڑھ جایا کرتے تھے۔ اس پر چڑھنے کیلئے جن سیڑھیوں پر ہمیں چڑھنا پڑتا تھا وہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکان کے پاس سے چڑھتی تھیں اس وقت ہماری تائی صاحبہ جو بعد میں آکر احمدی بھی ہوگئیں مجھے دیکھ کر کہا کرتی تھیں کہ ''جیہو جیا کاں اوہو جیہی کوکو'' میں بوجہ اس کے کہ میری والدہ ہندوستانی ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ بچپن میں زیادہ علم نہیں ہوتا اس پنجابی فقرے کے معنی نہیں سمجھ سکتا تھا چنانچہ ایک دفعہ میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے کوا ہوتا ہے ویسے ہی اس کے بچے ہوتے ہیں ...... مگر پھر میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے کہ وہی تائی صاحبہ اگر میں کبھی ان کے ہاں جاتا تو بہت عزت سے پیش آتیں۔ میرے لئے گدا اچھاتیں اور احترام سے بٹھاتیں اور ادب سے متوجہ ہوتیں اور اگر میں کہتا کہ آپ کمزور اور ضعیف ہیں ہلیں نہیں کوئی تکلیف نہ کریں تو وہ کہتیں کہ آپ تو میرے پیر ہیں گویا وہ زمانہ بھی دیکھا جب میں کوکو تھا اور وہ بھی جب میں پیر بنا۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۱)

فرماتے ہیں:

''اس جگہ پر جہاں اب مدرسہ احمدیہ کے لڑکے پڑھتے ہیں ایک ٹوٹی ہوئی فصیل ہوا کرتی تھی۔ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں قادیان کی حفاظت کیلئے وہ کچی فصیل بنی ہوئی تھی جو خاصی چوڑی تھی اور ایک گڈا اس پر چل سکتا تھا۔ پھر انگریزی حکومت نے جب اسے تڑوا کر نیلام کر دیا تو اس کا کچھ ٹکڑا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہمانخانہ کی نیت سے لے لیا تھا وہ ایک زمین لمبی سی چلی جاتی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا اس وقت ۱۸۹۳ء تھا یا ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء قریباً قریباً اسی قسم کا زمانہ تھا...... میں اس وقت اس اجتماع کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تھا مجھے اتنا یاد ہے کہ میں وہاں جمع ہونے والے لوگوں کے گرد دوڑتا اور کھیلتا پھرتا تھا...... اس فصیل پر ایک دری بچھی ہوئی تھی...... اس ایک ہی دری پر کچھ لوگ بیٹھے تھے...... ان کی فہرست اڑھائی سو کی تعداد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شائع بھی کی تھی...... اس ایک ارب ۲۵، ۳۰ کروڑ آدمیوں کی دنیا میں دو اڑھائی سو بالغ آدمی جس میں سے اکثر کے لباس غریبانہ تھے...... جمع ہوئے تھے اس ارادہ اور اس نیت سے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا جسے دشمن سرنگوں کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ اس جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے بلکہ اسے پکڑ کر سیدھا رکھیں گے......'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۲۰۱)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ لدھیانہ میں قیام فرما تھے میں بھی وہیں تھا۔ محمود کوئی تین برس کا ہوگا۔ گرمی کا موسم تھا مردانہ اور زنانہ میں دیوار حائل تھی...... مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے ادھر اُدھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی حضرت اسے گود میں لئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا آخر آپ نے کہا: ''دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے'' بچہ نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چپ ہوکر پھر وہی رونا چلانا اور یہ کہنا شروع کر دیا ابا تارے جانا''...... کیا مجھے مزا آیا اور پیارا معلوم ہوا آپ کا اپنے ساتھ گفتگو کرنا...... ہم نے ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۷۵، ۷۶)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''اس بچے کی زندگی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ستاروں پر جانے کی تمنا یقیناً ان بلند عزائم کی غماز تھی جو تمام عمر اس کی بے پناہ قوت عمل کیلئے مہمیز کا کام دیتے رہے۔''

(سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۷۶)

حضرت مسیح موعودؑ کو حضرت مصلح موعود سے جو پیار تھا وہ ایسا تھا کہ آپ کی دلشکنی کبھی نہیں کرتے تھے۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں:

''حضرت صاحب اپنے بیٹھنے کی جگہ کھلے کواڑ کبھی نہ بیٹھتے بلکہ کنڈا لگا کر بیٹھتے۔ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب تھوڑی تھوڑی دیر بعد آکر کہتے ابا کنڈا کھول اور حضور اُٹھ کر کھول دیتے۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۲)

حضرت مصلح موعود نے اپنے بچپن کی ایک سیر کا یوں ذکر فرمایا:

''میری پیدائش اور بیعت قریباً ایک ہی وقت چلتی ہے اور جب میں نے کچھ ہوش سنبھالا اس وقت کئی سال تبلیغ پر گزر چکے تھے لیکن مجھے اپنے ہوش کے زمانے میں یہ بات یاد ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ جب سیر کیلئے نکلتے تو صرف حافظ حامد علی صاحب ساتھ ہوتے۔ ایک دفعہ ...... میں نے اصرار کیا کہ میں بھی سیر کیلئے چلوں گا...... میرے اصرار پر مجھے بھی ساتھ لے لیا مگر تھوڑی دیر چلنے کے بعد میں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ میں تھک گیا ہوں اس پر کبھی مجھے حضرت مسیح موعودؑ اُٹھاتے اور کبھی حافظ حامد علی صاحب اور یہ نظارہ مجھے آج تک یاد ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۴)

اس پیار کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے آپکی تربیت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اگر آپ کے بچپن میں کوئی ایسی بات ہوتی جو اگرچہ بچپن کے لحاظ سے ایسی قابل گرفت نہیں ہوتی تھی لیکن حضور اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ اس عمر میں بھی ایسی بات کریں جو اعلیٰ اخلاق کے منافی ہو۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''میں بچپن میں ایک دفعہ ایک طوطا شکار کر کے لایا حضرت مسیح موعودؑ نے اسے دیکھ کر کہا محمود! اسکا گوشت حرام تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کھانے کیلئے ہی پیدا نہیں کیا بعض خوبصورت جانور دیکھنے کیلئے ہیں کہ انہیں دیکھ کر آنکھیں راحت پائیں بعض جانوروں کو عمدہ آواز دی ہے کہ ان کی آواز سن کر کان لذت حاصل کریں۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۵)

حضرت سید فضل شاہ صاحب بیان کرتے ہیں:

ایک دن حضرت مسیح موعودؑ چوبارے کے صحن میں بیٹھے تھے اور بادام آگے رکھے تھے میں بادام توڑ رہا تھا کہ اتنے میں حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد جن کی عمر اسوقت چار پانچ سال کی ہوگی تشریف لائے اور سب بادام اُٹھا کر جھولی میں ڈال لئے۔ حضرت اقدس نے دیکھ کر فرمایا:

''یہ میاں بہت اچھا ہے زیادہ نہیں لے گا۔ صرف ایک دو لے گا باقی سب ڈال دے گا۔ جب حضرت صاحب نے یہ فرمایا تو میاں نے جھٹ سب بادام میرے آگے رکھ دیئے اور صرف ایک یا دو بادام لے کر چلے گئے۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اوّل صفحہ ۸۰، ۸۱)

حضرت اقدس کبھی چھوٹے سے چھوٹا موقعہ بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے جس کی مدد سے بچے کے اخلاق کو ایک نرالی شان دی جا سکے۔

حضرت مرزا محمد اسماعیل بیگ صاحب بیان کرتے ہیں:

''حضرت مسیح موعودؑ ایک دن کچھ اصحاب کیساتھ سیر کو تشریف لے گئے۔ راستے میں کیکر کا درخت گرا ہوا تھا۔ بعض دوستوں نے اس کی شاخوں سے مسواکیں بنالیں۔ صاحبزادہ مرزا محمود احمد بھی ساتھ تھے چھوٹی عمر تھی ایک مسواک کسی نے ان کو بھی دیدی اور انہوں نے بے تکلفی اور بچپن کیوجہ سے ایک دو دفعہ حضور کو بھی کہا ابّا مسواک لے لیں مگر حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا میاں! پہلے یہ بتلاؤ کہ کس کی اجازت سے یہ مسواکیں حاصل کی گئی تھیں یہ بات سنتے ہی سب نے مسواکیں زمین پر پھینک دیں۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اوّل صفحہ ۸۲)

''ایک بار آپ دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے حضرت صاحب جمعہ کی

نماز کیلئے باہر جاتے ہوئے وہاں سے گزرے تو دیکھ کر فرمایا میاں! گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے۔ جس میں رحم نہیں اُس میں ایمان نہیں'' (سوانح فضل عمر حصہ اوّل صفحہ ۸۵)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب تحریر کرتے ہیں:

''جن اقدار کو آپ اولیت دیتے تھے ان اقدار کو اولیت دینا بھی اپنے اس پیارے بچے کو سکھایا اور اخلاق میں بھی حفظِ مراتب کے آداب سکھائے۔ ایک دفعہ تعلیم الاسلام سکول کے طلبہ کو مضمون دیا گیا کہ علم اور دولت کا مقابلہ کرو۔ صاحبزادہ صاحب نے اس مضمون کے متعلق بہت سوچا لیکن فیصلہ نہ کر سکے کہ علم اور دولت میں کونسا اچھا ہے کھانے پر جبکہ حضرت مسیح موعودؑ بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد سے باتوں باتوں میں پوچھا بشیر تم بتا سکتے ہو کہ علم اچھا ہے یا دولت۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب تو خاموش رہے البتہ خود حضورؑ نے یہ بات سن کر فرمایا بیٹا محمود! توبہ کرو۔ توبہ کرو نہ علم اچھا ہے نہ دولت خدا کا فضل اچھا ہے۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اول صفحہ ۸۵، ۸۶)

حضرت فضل عمر کا بچپن اپنے تمام ہم عمروں سے علیحدہ ایک رنگ رکھتا تھا حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں:

''اپریل یا مئی ۱۸۹۳ء کا ذکر ہے کہ...... حضرت...... جو اس زمانہ میں میاں صاحب یا میاں محمود کہلاتے تھے چند بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں میں آپ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ سیدنا و مولانا حضرت مولوی نورالدین بھی تشریف لے آئے...... میاں صاحب کے قریب پہنچ کر اکڑوں زمین پر بیٹھ گئے اور آپ کو اپنے ہاتھوں کے حلقہ میں لے لیا اور بڑی محبت کی نظروں سے آپ کو دیکھتے ہوئے پیار کے لہجہ میں فرمایا: ''میاں آپ کھیل رہے ہیں؟'' میاں نے معصومانہ نظروں سے حضرت مولوی صاحب کی طرف دیکھا اور جس لہجہ میں آپ سے سوال کیا گیا تھا بالکل اسی لہجہ میں بڑی تیزی سے جواب دیا کہ ''بڑے ہونگے تو ہم بھی کام کریں گے'' سیدنا حضرت مولوی صاحب نے یہ جواب سن کر فرمایا ''خیال تو تمہارے پیو کا بھی یہی ہے اور نورالدین کا بھی واللہ اعلم بالصواب......'' جس زمانے کی یہ بات ہے اس زمانے میں حضرت...... کی عمر چار سال یا اس سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ معلوم ہوتی تھی مجھے آج بھی جب اس واقعہ کا خیال آتا ہے تو میں حیران ہو جاتا ہوں کہ حضرت...... نے اتنی چھوٹی سی عمر میں حضرت مولوی صاحب کا سوال کیسے سمجھا اور اس کا اتنا چیدہ و سنجیدہ اور پسندیدہ و برجستہ جواب کس طرح دیا۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۸)

حضرت مصلح موعودؓ بچپن میں ٹوپی پہنا کرتے تھے لیکن ایک دفعہ عید کے روز آپ نے ٹوپی پہن رکھی تھی کہ حضورؑ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ میاں تم نے عید کے دن بھی ٹوپی پہنی ہے آپ نے اسی وقت ٹوپی اتار دی اور پگڑی باندھ لی اور کچھ عرصہ کے بعد مستقل پگڑی باندھنے لگے۔ (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۹)

پسندیدہ کھیل

تعلیمی دور اور اس کے بعد آپ کے پسندیدہ کھیل بیڈمنٹن اور فٹ بال تھے کشتی رانی اور تیراکی بھی کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۹۰۶ء میں آپ کی سواری کیلئے گھوڑی بھی خریدی تھی جو خود خان عبدالمجید خان صاحب ابن حضرت منشی محمد خان صاحب آف کپورتھلہ کے ذریعہ منگوائی گئی تھی۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے مکتوبات احمد میں حضرت مسیح موعودؑ کا پورا خط نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

> ''اس مکتوب سے ظاہر ہے..... کہ حضور نے بچپن ہی سے صاحبزادوں کی تربیت ایک ایسے رنگ میں فرمائی جو ان کی آئندہ زندگی کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے خصوصیت سے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تربیت میں آپ کو خاص شغف تھا.....حضرت ......ایک عمدہ شہسوار ہیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۹)

حضرت مصلح موعودؓ کو شکار کا بھی شوق تھا۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''میں ابتدائی ایام سے بندوق چلانے کا شائق رہا ہوں ..... میں شکار خود نہیں کھاتا تھا بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کو لا کر دے دیتا تھا۔ آپ چونکہ دماغی کام کرتے تھے اس لئے شکار کا گوشت آپ کے لئے مفید ہوتا اور آپ اسے پسند بھی فرماتے تھے اسوقت مجھے اتنی مشق تھی کہ میں پانچ چھ چھرے لے جاتا اور ہوائی بندوق سے چار پانچ پرندے مارلاتا تھا حالانکہ وہ بندوق بھی معمولی قسم کی ہوائی بندوق ہوتی تھی۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۹)

لباس

آپ کا لباس شروع سے ہی سادہ رہا۔ شروع شروع میں آپ پرانے دستور کے مطابق پاجامہ پہنا کرتے تھے جو شرعی پاجامہ کہلاتا تھا۔ لیکن طالب علمی کی زندگی میں آپ نے شلوار کا استعمال شروع کر دیا۔ اس تبدیلی کے متعلق بھی آپ خود بڑا دلچسپ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

> ''بعض لڑکوں نے مجھے کہا میں شلوار پہنا کروں۔ چنانچہ میں نے شلوار بنائی مجھے خوب یاد ہے جب پہن کر میں گھر سے باہر آیا تو میں نہیں سمجھتا کوئی چور یا ڈاکو بھی کوئی واردات کر کے اتنی

ندامت اور شرمساری محسوس کرتا ہوگا جتنی کہ مجھے اسوقت شلوار پہننے سے محسوس ہوئی۔ میں آنکھیں نیچی کئے ہوئے بمشکل اس مکان تک جو پہلے شفاخانہ تھا اور جس میں اس وقت ڈاکٹر عبداللہ صاحب بیٹھا کرتے تھے آیا۔ بھائی عبدالرحیم صاحب اور بعض دوسرے استادوں نے اس بات کی تائید بھی کی کہ شلوار اچھی لگتی ہے مگر مجھے اتنی شرم آئی کہ واپس جا کر میں نے اسے اتار دیا۔''

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۲۰ بحوالہ الفضل ۲۱ راپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۵)

آپ اپنے مقدس والدین کے جتنے لاڈلے بچے تھے اتنا ہی آپ کی تربیت کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ بچپن کی سادگی میں بچے بہت سی ایسی بچگانہ باتیں کر دیتے ہیں لیکن اگر حضورؑ دیکھتے کہ یہ بات آپکی شان کے خلاف ہے تو فوراً سمجھا دیتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں بچپن میں ایک دفعہ ایک طوطا شکار کر کے لایا حضرت مسیح موعودؑ نے اسے دیکھ کر کہا محمود اس کا گوشت حرام تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کھانے کیلئے ہی پیدا نہیں کیا۔ بعض خوبصورت جانور دیکھنے کیلئے ہیں کہ انہیں دیکھ کر آنکھیں راحت پائیں۔ بعض جانوروں کو آواز دی ہے کہ ان کی آواز سن کر کان لذت حاصل کریں۔'' (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۱۵ بحوالہ تفسیر کبیر حصہ سوم صفحہ ۷۵۹)

وہ بزرگ جنہوں نے آپکو انتہائی بچپن میں دیکھا ہے بالاتفاق یہ گواہی دیتے ہیں کہ چھوٹی عمر سے ہی آپ کو دینی باتوں سے خاص دلچسپی رہی۔ اگرچہ آپ کی صحت بچپن میں اکثر خراب رہتی تھی مگر آپ مذہبی باتوں میں بہت ذوق وشوق سے حصہ لیتے تھے۔ آپ نے بالکل چھوٹی عمر میں حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں جانا شروع کر دیا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ بھی آپ کو نہایت محبت کے ساتھ شہ نشین پر اپنے دائیں ہاتھ بٹھاتے تھے۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

''ہمارے کانوں میں ابھی تک وہ آوازیں گونج رہی ہیں جو ہم نے حضرت مسیح موعودؑ سے براہ راست سنیں۔ میں چھوٹا تھا مگر میرا مشغلہ یہی تھا کہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں بیٹھا رہتا اور آپکی باتیں سنتا ہم نے اس قدر مسائل سنے ہوئے ہیں کہ جب آپ کی کتابوں کو پڑھا جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے یہ تمام باتیں ہم نے پہلے سنی ہوئی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی عادت تھی کہ آپ دن کو جو کچھ لکھتے دن اور شام کی مجلس میں آکر بیان کر دیتے اس لیے آپ کی تمام کتابیں ہم کو حفظ ہیں اور ہم ان مطالب کو خوب سمجھتے ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کی منشاء اور آپ کی تعلیم کے مطابق ہوں۔''

(تاریخ احمدیت نمبر ۴ صفحہ ۲۳، ۲۴ بحوالہ الفضل ۳ رستمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۲۴)

حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں میں آپ کا ذکر

حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۹۱ء کے آغاز میں دعویٰ مسیحیت کیا اور اسی سال سے اپنے دعاوی کے ثبوت میں دوسرے زبردست نشانوں کے ساتھ پیشگوئی پسر موعود کی بھی بار بار منادی کرنا شروع کر دی اور اپنی کتابوں میں بڑے زور سے تمام لوگوں کو توجہ دلانے لگے کہ پسر موعود سے متعلق آسمانی نشان کو بھی یاد رکھیں کہ یہ دین حق کی سچائی کا ایک عظیم نشان ہے چنانچہ آپ نے ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۴ء تک کے زمانے میں جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان میں ازالہ اوہام، نشان آسمانی، آئینہ کمالات ...... اور سرّ الخلافہ میں پسر موعود کا ذکر بھی بڑی وضاحت سے موجود ہے۔ چنانچہ ازالہ اوہام میں حضورؑ نے فرمایا:

خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ آسمان سے اتریگا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کر دیگا اور اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور ان کو جو شبہات کی زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دیگا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء...... (تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۲۶، ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۱۵۵)

نشان آسمانی میں حضرت نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی کے متعلق لکھتے ہیں جو انہوں نے ایک قصیدہ میں کہی تھی:

دور او چوں شود تمام بکام
پسرش یادگار مے بینم

یعنی جب اس کا زمانہ کامیابی سے گزر جائیگا تو اس کے نمونہ پر اس کا لڑکا یادگار رہ جائیگا یعنی مقدر یوں ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ایک لڑکا پارسا دے گا جو اس کے نمونہ پر ہوگا اور اسی کے رنگ سے رنگین ہو جائیگا اور وہ اس کے بعد اس کا یادگار ہوگا۔ یہ درحقیقت اس عاجز کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے جو ایک لڑکے کے بارے میں کی گئی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد ۲ صفحہ ۲۶، ۲۷ نشان آسمانی صفحہ ۱۲ روحانی خزائن جلد دوم صفحہ ۳۷۲ جلد دوم ۱۸۹۲ء)

انجام آتھم ۱۸۹۷ء کے ضمیمہ میں حضرت مصلح موعود کی پیدائش کو سبز اشتہار کی پیشگوئی کے عین مطابق ہونیکی وجہ سے نشان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اسی سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی مع محمود کے نام کے موجود ہے۔ جو پہلے (لڑکے) کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا جو رسالہ کیطرح کئی ورق کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے۔“ (تاریخ احمدیت جلد ۲ صفحہ ۲۸ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۹)

سراج منیر میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا

اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیشگوئی کی اشاعت کیلئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جواب تک موجود ہیں ...... چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی معیاد میں پیدا ہوا اور اب نویں سال میں ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۹ سراج منیر صفحہ ۳۱ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۶)

اور حاشیہ میں فرمایا:

''ہاں سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلاتوقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا سو محمود پیدا ہو گیا۔ کس قدر یہ پیشگوئی عظیم الشان ہے اگر خدا کا خوف ہے تو پاک دل کے ساتھ سوچو۔''

آئینہ کمالات ...... تصنیف ۱۸۹۲ء میں حضور نے نہ صرف ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کا مکمل اشتہار شامل کر دیا بلکہ پیشگوئی مصلح موعود کا عربی ترجمہ بھی شائع فرمایا تا دنیائے عرب میں بھی اصل پیشگوئی کے الفاظ پہنچ جائیں اور اتمام حجت ہو۔ اس کے بعد حضور نے یہ بھی لکھا کہ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ مسیح موعود شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد ہوگی اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نیک لڑکا عطا کرے گا جو اپنے باپ کے مشابہ ہوگا اور (کسی بات میں) اس کی نافرمانی نہیں کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندوں میں سے ہوگا اور اس میں بھید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو بشارت نہیں دیتا مگر جبکہ اس نے نیکوں کو مقدر کرنا مقدر کیا ہو اور یہ وہ بشارت ہے جو مجھے دعویٰ سے کئی سال پہلے دی گئی تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس علم کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے (جو انتظار کرتے اور مسیح کے جلدی ظہور کے لئے چشم براہ تھے) متعارف کرادے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۷ آئینہ کمالات ...... روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۷۸)

تعلیم

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تعلیم القرآن کی ابتداء ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ حضرت حافظ احمد اللہ خان صاحب ناگپوری نے آپ کو سادہ قرآن شریف پڑھایا۔

آمین

۷ر جون ۱۸۹۷ء کا دن وہ یادگار دن ہے جب حضرت مسیح موعودؑ نے آپکی قرآن کریم ختم کرنے کی تقریب بہت باوقار اور دعاؤں کے ماحول میں منائی۔ اس اجتماع میں جماعت کے بہت سے دوستوں نے شرکت کی رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء میں درج ہے۔

''دوسرا جلسہ حضور کے لختِ جگر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ کے ختم قرآن کی

تقریب پر ہوا اس جلسہ پر بھی بہت سے احباب تشریف لائے۔"

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۹ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳)

حضرت حافظ احمد اللہ خان صاحب ناگپوری فرماتے تھے کہ

"ختم قرآن کی تقریب پر حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے مجھے ڈیڑھ سو روپیہ عنایت فرمایا تھا۔"

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۹ الفضل ۲۶ / اکتوبر ۱۹۲۶ء)

اس موقعہ پر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک نظم آمین لکھی اس کے متعلق حضرت نور احمد احمدی صاحب جو ریاض ہند پریس امرتسر کے مینجر اور پرنٹر تھے بیان کرتے ہیں:

"ایک دفعہ حضرت (اماں جان) نے میری بیوی سے فرمایا کہ ایک مطبوعہ آمین امرتسر سے منگا دیں بچوں نے قرآن مجید ختم کیا ہے ان کی آمین کرائی ہے۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ حضرت اماں جان کا یہ ارشاد ہے میں امرتسر گیا اور ایک آمین خرید لی میں نے پڑھا تو اس کے "عیسٰی بہ چرخ چہارم" پورا شعر یاد نہیں رہا مگر آخر ہر شعر کے "سبحان من یرانی" آتا تھا میں نے سوچا کہ حضرت تو قسم کھا کر فرماتے ہیں:

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخل جنت ہوا وہ محترم

کا مسیح موعود اور مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ یہ آمین وہاں کون پڑھیگا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم سے کہا کہ آپ اس مصرعہ کو بدل دیجئے آپ شاعر ہیں۔ انہوں نے کہا یہ کام حضرت صاحب کا ہے حضرت صاحب کو دیں وہ درست کر دیں گے میں نے یہ "آمین" حضرت کے آگے پیش کی اور عرض کیا کہ اس میں "عیسٰی بہ چرخ چہارم" لکھا ہوا ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسٰی فوت ہو کر زمین کشمیر میں دفن ہیں اور حضور مسیح موعودؑ ہیں اس کو درست فرما دیں۔ وہ آمین حضور نے میرے ہاتھ سے لے لی اور صبح کو ایک اور آمین بنا کر مجھ کو دی کہ اس کو جلد چھپوا دو۔ میں نے اس کو اسی روز چھپوا دیا اور حضرت کی خدمت میں پیش کر دی یہ "آمین" تقریب بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ اندر زنانہ میں عورتیں پڑھتی تھیں اور جابجا لڑکیاں پڑھتی ہوئی سنائی دیتی تھیں اور باہر مرد اور لڑکے جابجا پڑھتے تھے۔ حضرت نے تمام حاضرین قادیان کی زردہ، پلاؤ و نان گوشت سے دعوت کی۔ الحمد للہ علی ذالک۔ خاکسار نور احمد از فرزندان شیخ فرید الدین شکر گنج"

(رسالہ نور احمد صفحہ ۴۵، ۴۶)

ناظرہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد آپ کو باقاعدہ سکول میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ ۱۸۹۸ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا افتتاح ہوا اور حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر الحکم اس کے پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ آپ بھی اس مدرسہ میں داخل ہو گئے اس سے پہلے آپ کچھ عرصہ تک ڈسٹرکٹ بورڈ کے لوئر پرائمری سکول میں بھی پڑھتے رہے تھے۔ یہ سکول غالباً ۱۹۴۱ء-۱۹۴۰ء تک قائم رہا۔ (مگر اس کی پرانی عمارت ابھی تک ریتی چھلہ کے قریب موجود ہے) اس سکول میں شروع میں حضرت پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی بھی ماسٹر رہے اور حضرت مسیح موعودؑ کا ارشاد تھا کہ ''میاں کو بھی سکول لے جایا کرو۔'' چنانچہ آپ حضرت پیر صاحب کے ساتھ سکول جاتے رہے۔

تعلیم الاسلام سکول کی ابتداء کس طرح ہوئی اس کے متعلق حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

> ''مجھے یاد ہے ہمارا وہ ہائی سکول جس کی ایسی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے کہ معائنہ کرنے والے انسپکٹر کہتے ہیں پنجاب بلکہ ہندوستان میں کسی سکول کی ایسی عمارت نہیں۔ اس کا جب پہلے دن افتتاح ہوا تو مرزا نظام الدین کے کوئیں کے پاس ٹاٹ بچھا کر لڑکے بٹھائے گئے۔ پھر کچھ دنوں تک لڑکے مہمانخانہ میں بٹھائے گئے۔ پھر ایک کچا مکان بنایا گیا تھا۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۲ بحوالہ الازھار صفحہ ۱۷۶)

ہم مکتب

حضرت حافظ عبدالرحیم صاحب مالیر کوٹلہ، قاضی نور محمد صاحب، محمد علی اشرف صاحب، حکیم دین محمد صاحب پنشنر اکاؤنٹنٹ، شیخ محمد حسین صاحب چنیوٹی آپ کے ہم مکتب رہے ہیں۔

اساتذہ

مدرسہ تعلیم الاسلام میں آپ نے جن اساتذہ سے پڑھا ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب، حضرت مولانا سرور شاہ صاحب، حضرت مولانا شیر علی صاحب، حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب (نومسلم)، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، ماسٹر فقیر اللہ صاحب، قاضی یار محمد صاحب پلیڈر۔

سالانہ جلسہ ۱۹۰۸ء کے موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے تقریر کی تھی اس کے متعلق حضرت مولوی شیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کا انداز اور لب ولہجہ حضرت مسیح موعودؑ سے بہت مشابہ تھا کہ سننے والوں کے دلوں میں حضور کی یاد تازہ ہو گئی اور بہت سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت مولوی صاحب بیان کرتے ہیں:

> ''......آنسو بہانے والوں میں ایک خاکسار بھی تھا۔ اگر یہ کہنا درست ہے کہ انسان کی روح دوسرے پر اترتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کی روح آپ پر اتر رہی تھی

اوراس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ یہ ہے میرا پیارا بیٹا جو مجھے بطور رحمت کے نشان کے دیا گیا تھا اور جس کی نسبت یہ کہا گیا تھا کہ وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ دوسری بات جو اس تقریر کے متعلق قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جب تقریر ختم ہو چکی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل جن کی ساری عمر قرآن شریف پر تدبر کرنے میں صرف ہوئی تھی اور قرآن کریم جن کی روح کی غذا تھی فرمایا کہ: میاں نے بہت سی آیات کی ایسی تفسیر کی ہے جو میرے لئے بھی نئی تھی...... پس لڑکپن کی خلوت سے نکلتے ہی آپ کا لوگوں کے سامنے قرآن شریف کے جدید اور لطیف معارف بیان فرمانا اس بات کی ایک بین شہادت ہے کہ آپ نے اپنا لڑکپن اللہ تعالیٰ کی خاص تربیت میں گزارا اور آپ بچپن میں ہی مطہرین کی جماعت میں داخل تھے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۷،۵ بحوالہ الفضل ۲۲ رجولائی ۱۹۶۴ء)

حضور فرماتے ہیں:

''میری تعلیم کے سلسلہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان حضرت خلیفہ اوّل کا ہے۔ آپ چونکہ طبیب بھی تھے اور اس بات کو جانتے تھے کہ میری صحت اس قابل نہیں کہ میں کتاب کی طرف زیادہ دیر تک دیکھ سکوں اس لئے آپکا طریق تھا کہ آپ مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے اور فرماتے میاں میں پڑھتا جاتا ہوں تم سنتے جاؤ۔'' اس کی وجہ یہ تھی کہ تین چار سال تک حضور کی آنکھیں دکھتی رہیں اور ایک وقت میں تو بینائی جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس زمانے میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی صحت کیلئے خاص طور پر دعائیں کرنی شروع کیں اور روزے بھی رکھے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔ تین یا سات روزے آپ نے رکھے جب آخری روزے کی آپ افطاری کرنے لگے اور روزہ کھولنے کیلئے منہ میں کوئی چیز ڈالی تو یکدم میں نے آنکھیں کھول دیں اور میں نے آواز دی کہ مجھے نظر آنے لگ گیا ہے لیکن اس بیماری کی شدت اور اس کے متواتر حملوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری ایک آنکھ کی بینائی ماری گئی ......صرف دائیں آنکھ کام کرتی ہے۔'' (بائیں آنکھ کی نظر برائے نام تھی۔) (سوانح فضل عمر حصہ اوّل صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵)

اس وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے استادوں سے کہہ دیا تھا کہ یہ جتنا آرام سے پڑھ لے اسے پڑھایا جائے زیادہ زور نہ ڈالا جائے قرآن کریم اور بخاری پڑھنے کیلئے حضرت مسیح موعودؑ نے خود حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفہ اوّل) کے متعلق بار بار کہا کہ ان سے پڑھ لو۔ اس کے علاوہ طب پڑھنے کا بھی مشورہ دیا کہ یہ خاندانی فن تھا۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب حساب کے استاد تھے۔ چونکہ بلیک بورڈ پہ لکھا ہوا حضور کو ٹھیک طرح نظر نہیں آتا تھا اس لئے کبھی ان کی کلاس میں

چلے جاتے کبھی ناغہ کرتے۔ایک دفعہ ماسٹر صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ سے حضرت صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی لاپرواہی کی شکایت کی۔آپؑ نے سن کر فرمایا آپکی بڑی مہربانی ہے جو بچہ کا خیال رکھتے ہیں۔مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی یہ کبھی کبھی مدرسہ چلا جاتا ہے ورنہ میرے نزدیک تو اس کی صحت اس قابل نہیں کہ پڑھائی کر سکے۔پھر ہنس کر فرمانے لگے:

> ''اس سے ہم نے آٹے دال کی دکان تھوڑی کھلوانی ہے کہ اسے حساب سکھایا جائے ......آخر رسول کریمؐ اور آپ کے صحابہ نے کونسا حساب سیکھا تھا۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اوّل صفحہ ۱۰۶)

حضرت فضل عمر فرماتے ہیں:

> ''ان حالات سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ میری تعلیمی قابلیت کا کیا حال ہوگا۔''

ایک دفعہ حضرت نانا جان یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب نے صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کا اردو کا امتحان لیا۔حضور کا اردو کا خط ایسا تھا کہ پڑھا نہیں جاتا تھا۔انہوں نے پڑھنے کی بہت کوشش کی لیکن پڑھا نہیں گیا کہ کیا لکھا ہے۔حضور فرماتے ہیں:

> ''بعض دفعہ مجھ سے اپنا لکھا ہوا بھی نہیں پڑھا جاتا تھا جب میر صاحب نے پرچہ دیکھا تو وہ جوش میں آ گئے اور کہنے لگے یہ تو ایسا ہے جیسے لنڈے لکھے ہوں۔'' غصہ میں فوراً حضرت مسیح موعودؑ کے پاس گئے اور انتہائی غصہ سے شکایت کی۔حضرت مسیح موعودؑ نے جب حضرت نانا جان کو اسقدر غصہ میں دیکھا تو فرمایا: ''بلاؤ حضرت مولوی صاحب کو'' جب آپ کو مشکل پیش آتی تو فوراً حضرت خلیفہ اوّل کو بلا لیا کرتے۔حضورؑ نے حضرت مولوی صاحب سے فرمایا: ''......میر صاحب کہتے ہیں محمود کا لکھا ہوا پڑھا نہیں جاتا۔میرا جی چاہتا ہے کہ اس کا امتحان لے لیا جائے۔یہ کہتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے قلم اٹھائی اور دو تین سطر کی عبارت لکھ کر صاحبزادہ محمود کو دی کہ اس کی نقل کر دیں۔عبارت مختصر تھی۔حضرت صاحبزادہ نے نہایت توجہ سے آہستہ آہستہ لکھ کر حضور کی خدمت میں پیش کر دی۔حضرت مسیح موعودؑ دیکھ کر فرمانے لگے۔''مجھے تو میر صاحب کی بات سے بڑا فکر پیدا ہو گیا تھا مگر اس کا خط تو میرے خط کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔حضور فرماتے ہیں: ''حضرت خلیفہ اوّل تو پہلے ہی میری تائید میں ادھار کھائے بیٹھے تھے فرمانے لگے حضور میر صاحب کو تو یونہی جوش آ گیا ورنہ اس کا خط تو بڑا اچھا ہے۔'' (سوانح فضل عمر حصہ اوّل صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

آپ کا دور تعلیم کیسا پاکیزہ تھا اس کے لئے ہم آپ کے اساتذہ کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کا بیان ہے کہ

''جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مجھ سے پڑھا کرتے تھے تو ایک دن میں نے کہا کہ میاں آپ کے والد کو تو کثرت سے الہام ہوتے ہیں تو کیا آپکو بھی الہام ہوتا ہے اور خوابیں وغیرہ آتیں ہیں؟ تو میاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب خوابیں تو بہت آتی ہیں اور میں ایک خواب تو روزہی دیکھتا ہوں اور جونہی میں تکیہ پر سر رکھتا ہوں اس وقت سے لے کر صبح کو اٹھنے تک یہ نظارہ دیکھتا ہوں کہ ایک فوج ہے جس کی میں کمان کر رہا ہوں اور بعض اوقات ایسا دیکھتا ہوں کہ سمندروں سے گزر کر آگے جا کر حریف کا مقابلہ کر رہا ہوں اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اگر میں نے پار گزرنے کیلئے اور کوئی چیز نہیں پائی تو سر کنڈے وغیرہ سے کشتی بنا کر اور اس کے ذریعہ پار ہو کر حملہ آور ہو گیا ہوں۔'' مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ خواب سننے کے بعد کبھی میں نے آپکو کرسی پر بیٹھ کر نہ پڑھایا بلکہ کھڑے ہو کر یا اپنی کرسی پر حضور کو جگہ دی۔''

آپ فرماتے ہیں:

''میں نے خواب سن کر آپ سے یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ میاں! آپ بڑے ہو کر مجھے بھلا نہ دیں اور مجھ پر بھی نظر شفقت رکھیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۳ بروایت حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری وسیرت سروری)

حضرت مولانا شیر علی صاحب جو حضور کے استاد تھے فرماتے ہیں:

''مئی ۱۸۹۹ء میں مدرسہ تعلیم اسلام کا چارج لینے کے بعد جلدی ہی حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کے ماتحت حضرت...... نے اس وقت جبکہ آپ کی عمر دس سال کی تھی بندہ کے پاس انگریزی پڑھنی شروع کی...... گویا حضور کا سارا بڑھنا اور پھولنا اور بابرگ و بار ہونا میری آنکھوں کے سامنے ہوا آپ ایک نازک پتیوں والے چھوٹے پودے کی طرح تھے جبکہ میں نے پہلی دفعہ حضور کو دیکھا اور یہ پودا میرے دیکھتے ہی دیکھتے جلد جلد بڑھا اور پھول پھل لایا اور وہ حیرت انگیز ترقی کی جس کو دیکھ کر آنکھیں چندھیا جاتی اور انسان کی عقل دنگ ہو جاتی ہے...... میں تو اس سے زیادہ نہیں کر سکتا کہ اس بات کی شہادت دوں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں آپ کی نسبت پہلے سے خبر دی گئی تھی اس کو میں نے اپنی آنکھوں سے لفظ بلفظ پورا ہوتا دیکھ لیا۔''

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۳، ۳۴ بحوالہ الفضل ۵ رنومبر ۱۹۳۸ء)

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مصلح موعود نے تعلیم کن حالات میں حاصل کی حضور فرماتے ہیں:

''چونکہ گھر کا مدرسہ تھا اس لئے اوپر کی کلاسوں میں مجھے ترقی دے دی جاتی تھی ...... آخر

میٹرک کے امتحان کا وقت آیا تو پڑھائی کی ساری حقیقت کھل گئی۔''

پھر فرماتے ہیں:

''اگر کچھ پاس کر لیتا تو ممکن ہے مجھے خیال ہوتا کہ میں یہ ہوں وہ ہوں لیکن اب تو اس حقیقت کا انکار نہیں ہو سکتا کہ جو مجھے آتا ہے یہ اللہ کا ہی فضل ہے میری اس میں کوئی خوبی نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا لاہور میں دو مولوی صاحبان مجھ سے ملنے آئے اور بطور تمسخر ایک نے پوچھا کہ آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟ میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصد کیا ہے میں نے کہا کچھ بھی نہیں کہنے لگے آخر کچھ تو ہوگی میں نے کہا صرف قرآن جانتا ہوں کہنے لگے بس قرآن۔ مجھے ان پر تعجب ہوا کہ ان کے نزدیک قرآن جاننا کوئی چیز ہی نہیں اور انہیں اس پر خوشی کہ ان کی تعلیم کچھ نہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۹ بحوالہ تبلیغ حق صفحہ ۴۸)

انجمن ہمدردان......

۱۸۹۷ء میں جب آپکی عمر آٹھ نو سال تھی قادیان کے احمدی نوجوانوں کی ایک انجمن حضرت خلیفہ اوّل کی سرپرستی میں قائم ہوئی اس وقت اس انجمن کے چھ سات ممبر تھے ان میں ایک سرگرم رکن آپ بھی تھے۔ حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی فرماتے ہیں:

''تشحیذ الاذھان کا پہلا اور ابتدائی نام انجمن ہمدردان ...... تھا جو بالکل ابتدائی ایام اور پرانے زمانہ کی یادگار ہے جبکہ سیدنا محمود بمشکل ۸، ۹ برس کے تھے آپکے دینی شغف اور روحانی ارتقاء کی یہ پہلی سیڑھی تھی۔

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۹)

اس انجمن کے پہلے صدر اور سیکرٹری دونوں مدرسہ کے استاد تھے لیکن جب دوبارہ انتخاب ہوا تو صدر مجلس حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قرار پائے آپکی صدارت میں پہلا اجلاس ۲/ مارچ ۱۸۹۹ء کو ہوا۔

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۴۰ بحوالہ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء)

دستی بیعت

۱۸۹۸ء کا ایک اہم واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''۱۸۹۸ء''میں میں نے حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر بیعت کی گو بوجہ احمدیت کی پیدائش کے میں پیدائش سے ہی احمدی تھا مگر یہ بیعت گویا میرے احساس قلبی کے دریا کے اندر حرکت پیدا کرنے کی علامت تھی۔''

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۴۰، ۴۱ بحوالہ الحکم جوبلی نمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۹)

پہلی تصویر

وسط ۱۸۹۹ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ گروپ فوٹو میں آپ بھی (رفقاء) حضرت مسیح موعودؑ اور دوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل تھے پھر دوسرا گروپ فوٹو جو خطبہ الہامیہ کی تقریب پر ۱۱/اپریل ۱۹۰۰ء کو لیا گیا اس میں بھی آپ شامل تھے۔

تریاق القلوب میں ذکر

حضور تحریر فرماتے ہیں:

>''میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر ..... خبر دی کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا انا نبشرک بغلام حسین یعنی ہم تجھے ایک حسین لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں ..... دہلی میں میری شادی ہوئی۔ خدا نے وہ لڑکا بھی دیا اور تین اور عطا کیے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴ تریاق القلوب مطبوعہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۴ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۰)

انجمن تشحیذ الاذہان

۱۹۰۰ء میں آپ نے ایک نئی انجمن کی بنیاد رکھی جسکا نام حضرت مسیح موعودؑ نے تشحیذ الاذھان رکھا۔ اس کا کام احمدی نوجوانوں کو تبلیغ ..... کیلئے تیار کرنا تھا۔

۱۱/اپریل ۱۹۰۰ء کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیدالاضحیہ کے بعد عربی میں خطبہ الہامیہ پڑھا تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب بیان کرتے ہیں:

>''مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھوٹی عمر ہونیکی وجہ سے عربی نہ سمجھ سکتا تھا مگر آپ کی ایسی خوبصورتی اور نورانی حالت بنی ہوئی تھی کہ میں اوّل سے آخر تک برابر تقریر سنتا رہا حالانکہ ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے ہمیں اس تقریر کے کئی فقرے یاد ہو گئے تھے۔ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۳)

پہلی شادی

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں آپکا نکاح حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کی بیٹی حضرت سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ سے 'رڑکی' میں ہوا۔ اور وسط اکتوبر ۱۹۰۳ء میں شادی ہوئی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ نے رشتہ کی تحریک فرماتے ہوئے لکھا تھا:

>''اس رشتہ پر محمود بھی راضی معلوم ہوتا ہے اور گو ابھی الہامی طور پر اس بارے میں کچھ معلوم

نہیں ......مگر محمود کی رضامندی کی ایک دلیل اس بات پر ہے کہ یہ امر غالباً واللہ اعلم جناب الٰہی کی رضامندی کے موافق انشاء اللہ ہوگا۔" (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۵)

شعرو سخن کا آغاز

۱۹۰۳ء میں جب آپ نے شعر کہنے شروع کیے تو آپ نے اپنا تخلص "شاد" رکھا آپ کی پہلی نظم جو شائع ہوئی وہ یہ تھی۔

اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
بیمار عشق ہوں تیرا دے تو شفا مجھے
جب تک کہ دم میں دم ہے اس دین پر رہوں
...... پر ہی آئے جب آئے قضاء مجھے
تیری رضا کا ہوں میں طلب گار ہر گھڑی
گر یہ ملے تو جانوں سب کچھ ملا مجھے

آپ کے شعری مجموعہ کا نام "کلام محمود" ہے۔ آپ اپنی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک شعر اس لئے کہنا کہ لوگ سنیں اور داد دیں درست نہیں میں بھی شعر کہتا ہوں لیکن جب میں شعر کہتا ہوں تو نہیں معلوم ہوتا کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ جب قلم ایک جگہ جا کر رک جاتا ہے تو پھر خواہ کتنا ہی زور لگاؤں آگے شعر نہیں کہا جا سکتا...... جب طبیعت میں جوش اور بغیر خوض اور غور کے مضامین جاری ہوں تو وہ ایک قسم کا القاء اور الہام ہوتے ہیں۔"

نیز فرماتے ہیں:

"درحقیقت اگر دیکھا جائے تو میرے اشعار میں سے ایک کافی حصہ......درحقیقت قرآن شریف کی آیتوں کی تفسیر ہے یا حدیثوں کی تفسیر ہے لیکن ان میں بھی لفظ پھر مختصر ہی استعمال ہوئے ہیں ورنہ شعر نہیں بنتا......یا اسی طرح کئی تصوف کی باتیں ہیں جن کو ایک چھوٹے سے نکتہ میں حل کیا گیا ہے۔" (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۹ بحوالہ الفضل ۲۵/اکتوبر ۱۹۵۵ء)

آپ نے جب شعر کہنے شروع کیے تو آپ نے مولانا الطاف حسین حالی کو خط لکھا کہ میں شاعری میں آپکا شاگرد بننا چاہتا ہوں جس پر ان کا جواب آیا:

"میاں صاحبزادے اپنی قیمتی عمر کو اس فضول مشغلے میں ضائع نہ کرو یہ عمر تحصیل علم کی ہے۔ پس دل لگا کر علم حاصل کرو۔ جب بڑے ہو گے اور تحصیل علم کر چکو گے اور فراغت بھی میسر ہوگی

اس وقت شاعری بھی کر لیتا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۹، ۵۰)

اس ضمن میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی فرماتے ہیں کہ:

''۱۹۴۸ء کی بات ہے جبکہ استاذی المحترم حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی دعوت پر شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی کے فرزند اصغر جناب خواجہ سجاد حسین صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر تعلیمات صوبہ پنجاب ہمارے سالانہ جلسہ میں شمولیت کیلئے تشریف لائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے ملاقات کے دوران خواجہ صاحب نے یہ بھی بتایا کہ الحمدللہ! شامل ہو کر مجھے خوشی ہوئی اور یہاں کا ماحول میں نے بہت دیندارانہ پایا۔''

گفتگو کے دوران حضرت صاحب نے فرمایا:

''خواجہ صاحب میں آپکے والد مولوی الطاف حسین حالی کا نہایت ممنون ہوں انہوں نے مجھے ایک نصیحت میرے بچپن میں کی تھی جو مجھے آج تک یاد ہے......''

واقعہ بیان کر کے حضرت صاحب فرمانے لگے:

''خواجہ صاحب جب میں نے یہ خط آپکے والد صاحب کو لکھا تھا اس وقت میں بچہ تھا......مگر آج جب کبھی مجھے آپکے والد کی قابل قدر نصیحت یاد آتی ہے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ مولانا حالی نے مجھے بہت ہی عمدہ اور نہایت ہی نیک مشورہ دیا تھا اور مجھے ہمیشہ اس نصیحت میں مولوی صاحب کا خلوص چھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور بے اختیار ان کی نیکی اور شرافت کی تعریف کرنے کو دل چاہتا ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴)

مولانا حالی سے جواب ملنے پر آپ نے کسی اور استاد کی طرف رجوع کرنا چاہا اور جناب ضامن علی صاحب جلال لکھنوی سے اصلاح سخن کیلئے توجہ فرمائی مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر فاضل انچارج شعبہ زود نویسی ربوہ کا بیان ہے:

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ ۱۹۴۸ء میں جب موسم گرما بسر کرنے کے لئے کوئٹہ تشریف لے گئے......ان دنوں حضور نے ایک مجلس میں ذکر فرمایا کہ بچپن میں جب میں نے شعر کہنے شروع کئے تو مجھے کسی نامور استاد کی تلاش ہوئی جس سے میں اصلاح لے سکوں۔ چنانچہ اس غرض کیلئے میں نے جلال لکھنوی کا انتخاب کیا اور خط و کتابت کے ذریعہ ہی ان سے اصلاح لیتا رہا۔ حضور نے جلال لکھنوی کی بہت تعریف فرمائی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۰۴)

۱۸؍ جنوری ۱۹۰۵ء کو آپ کا نام انٹرنس کے امتحان کیلئے بھجوایا گیا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے جو اس وقت ہیڈ ماسٹر تھے فارم پُر کرنے سے پہلے حضور کی خدمت میں لکھا کہ فارم میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ لڑکے کا باپ کیا

کام کرتا ہے۔ میں نے اس میں لکھ دیا ہے ''نبوت'' حضور نے جواب دیا:

''نبوت کوئی کام نہیں یہ لکھ دیں کہ فرقہ احمدیہ جو تین لاکھ کے قریب ہے اس کے پیشوا اور امام ہیں اصلاح قوم کام ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۳ بحوالہ ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق)

مارچ ۱۹۰۵ء میں حضرت صاحبزادہ صاحب امتحان کیلئے امرتسر تشریف لے گئے۔ سنٹر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر تھا۔ قادیان سے جانیوالے سب طلباء حضور سمیت مسجد خیر الدین کے ساتھ ایک سرائے میں ٹھہرے تھے ایک استاد غالباً ماسٹر عبدالحق بھی ساتھ تھے اور ایک باورچی بھی۔ جب حضور واپس آئے تو امتحان کے ذکر کے ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''......اتنی بات ہے کہ یہ علوم متعارفہ میں کسی قدر دستگاہ پیدا کر لیں جو خدمت دین میں کام آئے پاس فیل سے تعلق نہیں اور نہ کوئی غرض۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۴)

اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

''اگر تم وہی محمود ہو جس کی خدا نے مجھے خبر دی ہے تو تمہیں اللہ خود دکھائے گا۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۴)

پہلا الہام

پندرہ سولہ سال کی عمر میں حضرت سیدنا محمود کو پہلا الہام ہوا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ یعنی وہ لوگ جو تیرے متبع ہیں وہ تیرے نہ ماننے والوں پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ آپ اس الہام کی نسبت فرماتے ہیں:

''میں نے جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتا دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو اپنے الہامات کی کاپی میں لکھ لیا...... پہلے میں اسے صرف خلافت کے متعلق سمجھتا تھا لیکن اب میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا ہے کہ اس الہام میں میرے اس منصب کی طرف اشارہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ملنے والا تھا۔'' (یعنی مصلح موعود کا منصب)

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۵ بحوالہ الفضل ۷ رمارچ ۱۹۴۴ء)

حضرت مسیح موعودؑ کے الہام کی خواب میں خبر

۲۸ راپریل ۱۹۰۵ء کو حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا انی مع الافواج اتیک بغتۃ۔ اس الہام کی خبر حضرت مصلح موعود کو خواب میں دی گئی آپ فرماتے ہیں:

''جس رات حضرت مسیح موعودؑ کو یہ الہام ہوا اسی رات ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس

نے کہا حضرت مسیح موعودؑ کو آج یہ الہام ہوا ہے...... میں حضرت مسیح موعودؑ کے تازہ الہامات آپ سے لکھوا کر مفتی صاحب کو لا کر دیدیا کرتا تھا تا کہ وہ انہیں اخبار میں شائع کر دیں۔ اس روز حضرت مسیح موعودؑ نے جب الہامات لکھ کر دیئے تو جلدی میں آپ یہ الہام لکھنا بھول گئے ...... جب ان الہامات کو پڑھا تو میں شرم کیوجہ سے یہ جرأت بھی نہ کر سکتا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ سے اس بارہ میں کچھ عرض کروں اور یہ بھی جی نہیں مانتا تھا کہ جو کچھ مجھے بتایا گیا ہے اسے غلط سمجھ لوں۔ اسی حالت میں کئی دفعہ میں آپ سے عرض کرنے کیلئے دروازہ کے پاس جاتا پھر لوٹ آتا...... آخر میں نے جرأت سے کام لے کر کہہ ہی دیا کہ رات مجھے ایک فرشتہ نے بتایا تھا کہ آپکو الہام ہوا ہے۔ انی مع الافواج اتیک بغتۃ مگر ان الہامات میں اس کا ذکر نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا یہ الہام ہوا تھا مگر لکھتے ہوئے میں بھول گیا۔ چنانچہ کاپی کھولی تو اس میں وہ الہام درج تھا۔" (تاریخ احمدیت جلد ٣ صفحہ ٥٦ بحوالہ تفسیر کبیر جلد ٩ صفحہ ٣٤٧)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کا اثر آپ کی طبیعت پر

حضور فرماتے ہیں:

"اس زمانہ کے خیالات کے مطابق یقین کرتا تھا کہ مولوی صاحب فوت نہیں ہو سکتے ...... مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت تیز تھی۔ ایک دو سبق ان کے پاس الف لیلہ کے پڑھے پھر چھوڑ دیئے۔ اس سے زائد ان سے تعلق نہ تھا۔ ہاں ان دنوں میں یہ بحثیں خوب ہوا کرتی تھیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دایاں فرشتہ کونسا ہے اور بایاں کونسا ...... بعض کہتے مولوی عبدالکریم صاحب دائیں ہیں بعض حضرت استاذی المکرم خلیفہ اوّل کی نسبت کہتے کہ وہ دائیں فرشتے ہیں...... اسی محبت کی وجہ سے جو حضرت خلیفہ اوّل مجھ سے کیا کرتے تھے میں نورالدینیوں میں سے تھا...... مگر جونہی آپ کی وفات کی خبر میں نے سنی میری حالت میں ایک تغیر پیدا ہو گیا...... دوڑ کر اپنے کمرہ میں گھس گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر ایک بے جان لاش کیطرح چارپائی پر گر گیا اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ آنسو نہ تھے ایک دریا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی مولوی صاحب کی محبت مسیح اور خدمت مسیح کے نظارے آنکھوں کے سامنے پھرتے تھے...... اس دن نہ میں کھانا کھا سکا نہ میرے آنسو تھمے۔ حتی کہ میری لاابالی طبیعت کو دیکھتے ہوئے میری اس حالت پر حضرت مسیح موعودؑ کو تعجب ہوا اور آپ نے حیرت سے فرمایا:

''محمود کو کیا ہو گیا ہے اس کو تو مولوی صاحب سے کوئی ایسا تعلق نہ تھا یہ تو بیمار ہو جائے گا۔''

خیر مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات نے میری زندگی کے ایک نئے دور کو شروع کیا اسی دن سے میری طبیعت میں دین کے کاموں اور سلسلہ کی ضروریات میں دلچسپی پیدا ہونی شروع ہوئی اور وہ بیج بڑھتا ہی چلا گیا۔ سچ یہی ہے کہ کوئی دنیاوی سبب حضرت استاذی المکرم مولوی نور الدین کی زندگی اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات سے زیادہ میری زندگی میں تغیر پیدا کرنے کا موجب نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم کی وفات پر مجھے یوں معلوم ہوا گویا ان کی روح مجھ پر آپڑی۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۷،۵۸ بحوالہ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء)

۱۹۰۵ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام کو قائم رکھنے کا ایک اہم مسئلہ پیش آ گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ چاہتے تھے کہ اس مدرسہ سے پڑھ کر ایسے لوگ نکلیں جو دین کو دنیا پر مقدم کرنیوالے ہوں۔ مگر اس مدرسہ کی انتظامیہ کے باقی ممبر چاہتے تھے کہ اسے بند کر دیا جائے سوائے حضرت مولانا نور الدین صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کے۔ یہی لوگ کامیاب ہوئے۔ دسمبر ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس سکول میں دینیات کی ایک شاخ کھولنے کا فیصلہ فرمایا۔

صدر انجمن احمدیہ کا قیام

جنوری ۱۹۰۶ء میں جب نظام وصیت چلانے کیلئے انجمن کا قیام ہوا تو حضور علیہ السلام نے حضرت مصلح موعود کو بھی اس کا ایک ممبر نامزد کیا۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اُنہی دنوں کا ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ

''جب انجمن کا قیام ہو رہا تھا ان دنوں کا ذکر ہے کہ باہر کوئی میٹنگ انجمن کے ارکان کے انتخاب کی یا مقرر شدہ لوگوں کی تو انین وغیرہ کے متعلق ہو رہی تھی ..... حضرت سیدنا بھائی صاحب باہر سے آ کر آپ کو رپورٹ کرتے اور باتیں بتا کر جاتے تھے۔ آپ حضرت اماں جان والے صحن میں ٹہل رہے تھے جب حضرت سیدنا بھائی صاحب آخری بار کچھ باتیں کر کے چلے گئے تو آپ دار البرکات کے صحن کی جانب آئے اور وہاں سے حجرہ میں جانے کیلئے دروازہ کی جانب اترنے والی سیڑھی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے حضرت اماں جان پہلے سے وہاں کھڑی تھیں۔ میں حضرت مسیح موعودؑ کے پیچھے ساتھ ساتھ چلی آئی تھی اور پیچھے کھڑی ہو گئی آپ کی پیٹھ کی جانب بالکل قریب۔ اس وقت آپ جیسے سیدھے کھڑے تھے اسی طرح بغیر گردن موڑے کلام کیا مگر بظاہر حضرت اماں جان سے ہی مخاطب معلوم ہوتے تھے فرمایا:

''کبھی تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ محمود کی خلافت کی بابت ان لوگوں کو بتا دیں پھر میں سوچتا ہوں

کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء اپنے وقت میں خود ہی ظاہر ہو جائے گا......بڑے ٹھہراؤ سے بڑے وقار وسنجیدگی سے آپ نے یہ بات کی......اس بات کی بناء پر مجھے ہمیشہ سے یقین رہا اور ہے کہ خلافتِ محمود کے متعلق آپکو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہو چکا تھا۔''

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ۵۹، ۶۰ بحوالہ الفضل ۱۹/مارچ ۱۹۶۴ء)

صدر انجمن احمدیہ کا قیام

سلسلہ کے انتظامی امور کو چلانے کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کی اجازت سے مختلف اوقات میں مختلف انجمنیں قائم ہوئیں۔ یہ سب انجمنیں جماعت کے دوسرے دوستوں کی تحریک پر بنیں مگر دسمبر ۱۹۰۵ء میں بہشتی مقبرہ کی آمد وخرچ کے انتظام کے لئے خود ایک انجمن بنائی جسکا نام حضور نے ''انجمن کار پرداز مصالح قبرستان'' رکھا۔ بعد ازاں اس میں سلسلہ کے دوسرے تمام اداروں کا انتظام شامل کر دیا گیا اور اس کا نام ''صدر انجمن'' رکھا گیا۔ اس کے ایک ممبر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بھی تھے۔

آپ خود فرماتے ہیں:

''ایک دن حضرت صاحب اندر آئے تو والدہ صاحبہ سے کہا کہ انہیں (یعنی مجھے) انجمن کا ممبر بنا دیا ہے۔ نیز ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کو اور مولوی صاحب کو تاکہ اور لوگ کوئی نقصان نہ پہنچاویں......پھر کہا اچھا ایک اور تجویز کرتا ہوں اور وہ یہ کہ مولوی صاحب کی رائے چالیس آدمیوں کی رائے کے برابر ہو'' (تاریخ احمدیت جلد۳ صفحہ ۲۵۱)

۱۹۰۰ء میں ''انجمن تشحیذ الاذہان'' قائم کی گئی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس کی سرگرمیاں کم ہوگئی تھیں لیکن دسمبر ۱۹۰۵ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے دوبارہ اس کی طرف توجہ کی۔ نئے قواعد وغیرہ بنے اور اس میں از سر نو جان پڑ گئی ۷/ستمبر ۱۹۰۶ء کو اس کا ایک جلسہ ہوا جس میں پہلی تقریر حضرت مولانا نورالدین بھیروی نے کی اور دوسری حضرت صاحبزادہ صاحب نے۔ اس کے فرائض کی بجا آوری کیلئے ایک مجلس ارشاد بھی قائم کی۔ مارچ ۱۹۰۶ء سے آپ کی ادارت میں رسالہ تشحیذ الاذہان نکلنا شروع ہوا۔ تشحیذ کے پہلے شمارہ میں آپ نے ۱۴ صفحات کا ایک شاندار تعارف لکھا جسے پڑھ کر مولوی نورالدین صاحب نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔

پہلے بیٹے کی ولادت

۲۶/مئی ۱۹۰۶ء کو آپکے ہاں صاحبزادہ مرزا نصیر احمد کی پیدائش ہوئی۔ لیکن وہ جلد ہی فوت ہوگئے۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ لکھتی ہیں:

''بڑی بھابھی جان (سیدہ ام ناصر مرحومہ) کے بطن سے جو پہلا لڑکا تولد ہوا تھا وہ لاہور ہی میں دفن ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۶۳)

جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء پر پہلی تقریر

سالانہ جلسہ ۱۹۰۶ء پر آپ نے پہلی مرتبہ تقریر کی۔ یہ تقریر رد شرک پر تھی جو پہلے الحکم میں چھپی پھر ''چشمہ توحید'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ اس کے متعلق آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

''اگرچہ اب علم میں بہت ترقی ہوگئی ہے...... لیکن اب بھی میں تقریر کو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہوں کہ وہ باتیں کس طرح میرے منہ سے نکلیں...... اس وقت مجھ پر ایسی حالت طاری تھی کہ چھوٹی عمر...... اور مجمع عام میں پہلی دفعہ بولنے کی وجہ سے میرے اعصاب پر ایسا اثر پڑا ہوا تھا کہ مجھے لوگوں کے چہرے نظر نہ آتے تھے اندھیرا سا معلوم ہوتا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں بعد میں اخبار میں میں نے تقریر پڑھی تو معلوم ہوا میں نے کیا کہا تھا۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۶۳، ۶۴ بحوالہ الحکم جوبلی نمبر ۱۹۳۹ء)

اس تقریر کے متعلق مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل بیان کرتے ہیں:

''میں ان کی تقریر ایک خاص توجہ سے سنتا رہا۔ کیا بتاؤں فصاحت کا ایک سیلاب تھا جو اپنے پورے زور سے بہہ رہا تھا میرے خیال میں یہ بھی حضور کی صداقت کا ایک نشان ہے اور اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ مسیحیت مآب کی تربیت کا جوہر کس درجہ کمال پر پہنچا ہوا ہے...... آپ نے روحانی کمالات پر عجیب طرز سے بحث کی۔'' (الحکم ۱۰ر جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱)

۱۲ر مئی ۱۹۰۷ء کو قادیان میں حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد سے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے قیام امن کیلئے ایک اہم جلسہ ہوا جس کی صدارت آپ نے فرمائی۔

فرشتہ کا سورۃ فاتحہ سکھانا

آپ کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی کہ خواب میں آپ پر ایک فرشتہ ظاہر ہوا جس نے آپ کو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں ابھی چھوٹا سا تھا کہ میں نے رویا میں دیکھا کہ جیسے کوئی کٹورہ ہوتا ہے...... اس میں سے ٹن کی آواز آئی پھر وہ آواز پھیلنی شروع ہوئی پھر مجسم ہوئی پھر وہ ایک فریم بن گئی پھر اس میں ایک تصویر بنی پھر وہ متحرک ہوگئی اور اس میں سے ایک وجود نکل کر میرے سامنے آیا اور اس نے

کہا میں خدا تعالیٰ کا فرشتہ ہوں اور آپ کو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھانے کیلئے آیا ہوں ۔ میں نے کہا سکھاؤ۔ اس نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر مجھے سکھائی شروع کی جب وہ ایاک نعبد و ایاک نستعین پر پہنچا تو کہنے لگا آج تک جتنی تفسیریں لکھی ہیں وہ اس آیت سے آگے نہیں بڑھیں کیا میں آپ کو آگے بھی سکھاؤں میں نے کہا ہاں چنانچہ اس نے مجھے اگلی آیات کی بھی تفسیر سکھادی۔''

نمبر ا: ملائکۃ اللہ میں حضور نے یہ عمر لکھی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۶۶ بحوالہ تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۷)

حضور فرماتے ہیں کہ

''جب آنکھ کھلی تو اس وقت فرشتہ کی سکھائی ہوئی باتوں میں سے کچھ باتیں یاد تھیں مگر چونکہ نوٹ نہیں کی تھیں تو ذہن سے نکل گئیں ۔حضرت خلیفہ اوّل سے اس رؤیا کا ذکر اور ساتھ ہی فرشتہ کی بتائی باتوں کے بھولنے کا بھی بتایا تو حضرت خلیفہ اوّل نہایت پیار سے فرمانے لگے کہ'' آپ ہی تمام علم لے لیا کچھ یاد رکھتے تو ہمیں بھی سناتے ۔'' (انوار العلوم جلد ۵ صفحہ ۵۰۶)

حضور فرماتے ہیں:

''وہ دن گیا اور آج کا دن آیا کبھی کسی ایک موقعہ پر بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے سورۃ فاتحہ پر غور کیا ہو اور اس کے متعلق کوئی مضمون بیان کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے سے نئے معارف اور نئے سے نئے علوم مجھے عطا نہ فرمائے گئے ہوں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۶۶، ۶۷، انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۷)

سفر لاہور

۲۷/اپریل ۱۹۰۸ء کو آپ حضرت مسیح موعودؑ کے ہمراہ قادیان سے لاہور تشریف لے گئے اور احمدیہ بلڈنگس میں قیام کیا۔ اسی سفر میں ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا۔حضرت مفتی فضل الرحمٰن صاحب کا بیان ہے:

''ان دنوں حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت کے بہت مواقع حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو میسر آئے ۔آپ کا زیادہ تر وقت حضور ہی کی خدمت میں گزرتا تھا۔ جب حضور سیر کو تشریف لے جاتے تھے اور آپ بھی گھوڑی پر سوار ہو کر ساتھ ہو جاتے تھے ۔'' آپ فرماتے ہیں: ''مجھے حضرت صاحب نے سیر کیلئے ایک گھوڑی منگوادی ہوئی تھی میں بھی اس پر سوار

ہو کر جایا کرتا تھا اور سواری کی سڑک پر (حضور کی) گاڑی کے ساتھ ساتھ گھوڑی دوڑاتا جاتا تھا اور باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔" (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۶۹ بحوالہ تقدیر الٰہی صفحہ ۱۸۹ طبع اوّل)

انہی دنوں حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ آپ نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سے فرمایا کہ

"میں بیمار ہوں مگر محمود بھی بیمار ہے مجھے اس کی بیماری کا زیادہ فکر ہے آپ اس کا توجہ سے علاج کریں۔" (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۶۹ تقدیر الٰہی صفحہ ۱۸۹ جلد اوّل)

۲۵ مئی کو آپ کو آنے والے واقعہ کے متعلق خبر دی گئی۔ آپ فرماتے ہیں:

"جس رات کو حضرت صاحب کی بیماری میں ترقی ہو کر دوسرے دن آپؑ نے فوت ہونا تھا میری طبیعت پر کچھ بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے میں گھوڑی پر سوار نہ ہوا۔ ملک صاحب (ملک مبارک علی صاحب تاجر لاہور) نے کہا میری گاڑی میں ہی آجائیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا لیکن بیٹھتے ہی میرا دل افسردگی کے ایک گڑھے میں گر گیا اور یہ مصرع میری زبان پر جاری ہوگیا کہ

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تیری رضا ہو

......رات کو ہی حضرت صاحبؑ کی بیماری یکدم ترقی کر گئی اور صبح آپ فوت ہوگئے اور یہ بھی ایک تقدیر خاص تھی جس نے مجھے وقت سے پہلے اس ناقابل برداشت صدمہ کے برداشت کرنے کیلئے تیار کر دیا۔" (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۷۰)

نیز فرماتے ہیں:

"جب حضرت مسیح موعودؑ فوت ہوئے تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب لوگ آپ پر طرح طرح کے اعتراض کرینگے اور بڑے زور کی مخالفت شروع ہو جائیگی۔ اس وقت میں نے سب سے پہلا کام جو حضرت مسیح موعودؑ کے سرہانے کھڑے ہو کر کیا وہ یہ عہد تھا کہ اگر سارے لوگ آپ کو چھوڑ دیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا تو میں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ کرونگا اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا۔"

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۷ بحوالہ الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۱)

حضرت مسیح موعودؑ کے انتقال کے وقت حضور کی عمر ۱۹ سال تھی اس وقت آپ نے جو صبر کا نمونہ دکھایا اس کے متعلق ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسٹنٹ سرجن لاہور کہتے ہیں:

"صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنا پورا صبر اور استقلال کا نمونہ دکھایا اور ہر طرف

سے سوائے حیّ وقیوم کے الفاظ کے اور کوئی آواز نہ آتی تھی۔ یہ سارا نقشہ حضرت اقدس کی قوت قدسی کا اندازہ کرنے کیلئے ایک انصاف پسند آدمی کیلئے کافی ہے اس سے میرے اور دیگر حاضرین کے ایمان کو از حد تقویت پہنچی۔" (بدر ۲ر جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ بحوالہ روایات ..... رجسٹر ۳ صفحہ ۲۳۹)

حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت

۲۷ر مئی ۱۹۰۸ء کو خلافت اولیٰ کی بیعت کے موقعہ پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت سے پہلے جب آپ سے بھی مشورہ لیا گیا تو آپ نے نہایت کشادہ پیشانی سے فرمایا:

"حضرت مولوی صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں اور خلیفہ ضرور ہونا چاہیے اور حضرت مولوی صاحب ہی خلیفہ ہونے چاہیں ورنہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔" (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۱۸۸)

'الحکم' میں لکھا ہے کہ

"حضرت خلیفہ اوّل کے حکم ہی سے یہ بلند پایہ مضمون ۱۰ر جولائی ۱۹۰۸ء کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع ہوا جس کا نام حضرت خلیفہ اوّل نے "صادقوں کی روشنی کو کون دور کرسکتا ہے" رکھا۔ یہ کتاب حضرت مصلح موعود کی سب سے پہلی تصنیف ہے یہ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل تھی اور اس کے آخر میں رسالہ "الوصیت" بھی لگا دیا گیا تھا حضرت خلیفہ اوّل نے یہ کتاب مولوی محمد حسین بٹالوی کو بھیجی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ مرزا صاحب کی اولاد اچھی نہیں۔ آپ نے کتاب بھجواتے ہوئے لکھوایا کہ "حضرت مرزا صاحب کی اولاد میں سے ایک نے تو یہ کتاب لکھی ہے جو میں تمہاری طرف بھیجتا ہوں تمہاری اولاد میں سے کسی نے لکھی ہو تو مجھے بھیج دو۔" (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۲۰۷)

خلافت اولیٰ میں صدر انجمن کا سب سے پہلا اجلاس قادیان میں ۳۰ر مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ اس کی صدارت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کی ۱۹۰۸ء کے وسط میں ہی حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کے مشورہ سے انجمن "تشحیذ الاذہان" کے زیر انتظام پہلی پبلک لائبریری قائم کی۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اس کے لئے چندہ بھی دیا اور کتابیں بھی دیں حضرت اماں جان نے ایک مکان اس کے لئے بنوا کر دیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے بھی ایک بڑی رقم اس کے لئے دی۔ اس کے علاوہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت میر محمد اسحاق صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب، مفتی محمد صادق صاحب وغیرہ نے بھی کتابیں اور الحکم کی جلدیں دیں۔

۱۹۰۸ء میں ہی آپ نے بیگو وال اور کاٹھ گڑھ کے تبلیغی سفر کئے۔۱۹۰۸ء کے جلسہ پر ایک کانفرنس ہوئی جس میں انجمن کے بعض سرکردہ لوگوں نے مدرسہ احمدیہ کو ختم کرنیکا فیصلہ کیا۔اس کانفرنس کی اطلاع سہواً یا جان بوجھ کر حضرت صاحبزادہ صاحب کو نہیں دی گئی تھی۔حضرت صاحبزادہ صاحب کو عین وقت پر پتہ چلا۔ان لوگوں کا موقف یہ تھا کہ مدرسہ میں دینی تعلیم کو ختم کیا جائے اور دنیاوی تعلیم دلائی جائے۔لوگ خواجہ کمال الدین صاحب کی تقریر سن کر سبحان اللہ سبحان اللہ کر رہے تھے جب آپ نے یہ حال دیکھا تو آپ کی طبیعت میں سخت جوش پیدا ہوا۔آپ نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔خواجہ صاحب نے کہا کہ میں بات ختم کر لوں پھر آپ آگے آجائیں لیکن آپ نے وہیں کھڑے کھڑے دس بارہ منٹ کی ایک تقریر کی اور فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ اسامہ بن زید کے لشکر کو محاذ پر نہ بھیجا جائے کیونکہ حالات سازگار نہیں ہیں تو حضرت ابوبکر نے فرمایا تھا کہ کیا ابوقحافہ کا بیٹا خلافت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری مہم تیار کی تھی اسے روک دے؟ یہ لشکر جائیگا اور ضرور جائیگا۔یہ مثال بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد بھی آپ لوگوں کا یہ پہلا اجتماع ہے آپ لوگ غور کریں اور سوچیں آئندہ تاریخ آپ کو کیا کہے گی کہ حضرت ابوبکرؓ نے تو ایسے حالات میں جبکہ تمام عرب باغی ہو چکا تھا یہ کہا کہ اگر مدینہ میں مسلمان عورتوں کی لاشیں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ نہیں کرونگا لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۹۰۵ء میں جو دینی مدرسہ قائم فرمایا تھا اور جسکے متعلق یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ یہ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور مولوی برہان الدین جہلمی کی یادگار ہوگا اور سلسلہ کی ضرورت کیلئے علماء تیار کرنا اس کا کام ہوگا اسے مسیح موعودؑ کی جماعت نے آپ کے وفات پانے کے فوراً بعد توڑ دیا۔آپ کی تقریر سن کر احباب کے دل گویا یک دم بدل گئے اور ان پر رقت طاری ہوگئی اور سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم ہرگز یہ رائے نہیں دیتے کہ مدرسہ بند کیا جائے ہم اسے جاری رکھیں گے۔اور مرتے دم تک اسے بند نہیں ہونے دیں گے تب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے طریق کے مطابق فوراً اپنی رائے بدل دی کہ ہم بھی وہی چاہتے ہیں جو میاں صاحب چاہتے ہیں۔(خواجہ صاحب کی عادت تھی کہ جب دیکھتے کہ یہاں ہماری بات نہیں چل سکتی تو فوراً اپنی رائے بدل دیتے۔) (تاریخ احمدیت جلد۳ صفحہ ۲۳۲،۲۳)

۱۹۰۸ء میں ہی انجمن کے سرکردہ ممبروں نے یہ فتنہ پیدا کرنا شروع کر دیا کہ حضرت مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام کی اصل جانشین انجمن ہے نہ کہ خلیفہ۔حضرت صاحبزادہ صاحب پر اس فتنہ کا انکشاف ایک رؤیا کے ذریعہ ہوا جبکہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے ابھرتی ہوئی چنگاریوں کو محسوس کر کے کچھ سوالات حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں پیش کئے تاکہ جماعت پر تمام مسئلہ واضح ہو جائے۔حضرت خلیفہ اوّل نے حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کو بھی یہ سوال بھیجے۔اگرچہ آپ خلیفہ کو انجمن کا مطاع سمجھتے تھے لیکن آپ نے دعا کے بغیر اپنی رائے دینی نہ چاہی اور آپ دعا

میں مصروف ہو گئے ۔ ۳۰ ر جنوری ۱۹۰۹ ءکو آپ کے دل میں سخت اضطراب پیدا ہوا تو آپ کو الہام ہوا قل مایعبوبکم ربی لولا دعائکم ۔ اس پر آپ کو شرح صدر ہو گیا اور آپ نے اپنی رائے لکھ کر بھیج دی کہ خلیفہ انجمن پر حاکم ہے نہ کہ انجمن خلیفہ پر ۔

یکم مارچ ۱۹۰۹ ءکو مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اس کے قیام سے پہلے جو سب کمیٹی اس کے انتظام کے لئے بنائی گئی اس کے ممبران یہ تھے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ،حضرت مولوی شیر علی صاحب ،حضرت مولوی سید سرورشاہ صاحب ،حضرت قاضی امیر حسین صاحب ،حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب ،مولوی محمد علی صاحب بعض وجوہ کی بنا پر مدرسہ کا انتظام شروع میں کچھ زیادہ بہتر نہیں تھا اس پر ستمبر ۱۹۱۰ ءمیں حضرت صاحبزادہ صاحب نے انجمن کو اس طرف توجہ دلائی اس پر صدر انجمن احمدیہ نے مدرسہ کا پورا انتظام آپ ہی کے سپرد کر دیا۔ اس طرح آپ ستمبر ۱۹۱۰ ء سے مارچ ۱۹۱۴ ءتک افسر مدرسہ احمدیہ رہے ۔ یہ دور مدرسہ احمدیہ کی تاریخ میں ایک سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے ۔

شیخ محمود احمد صاحب عرفانی لکھتے ہیں:

> ’’......حضرت محمود......مدرسہ احمدیہ کیلئے فرشتہ بن کر ظاہر ہوئے......آپ کا وجود مدرسہ احمدیہ کیلئے ایک مجسم رحمت تھا۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۲۸۸)

۱۹۱۴ ء میں جب خلیفہ ہوئے تو مدرسہ کا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے سنبھال لیا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب مارچ ۱۹۰۹ ءمیں حضرت اماں جان ،حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے راستے میں کپورتھلہ بھی ٹھہرے ۔ اس دوران آپ نے دہلی اور لاہور میں کامیاب لیکچر دیئے۔

مجلسِ ارشاد کا قیام

۱۹۰۹ ء کے آخر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے انجمن ’’تشحیذ الاذہان‘‘ کے بعد دوسری ’’انجمن ارشاد‘‘ بنائی جس کا مقصد دشمنان ...... کے اعتراضوں کا جواب دینا تھا۔ ۱۵ ر نومبر ۱۹۰۹ ءکو آپ کے ہاں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) کی ولادت ہوئی۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کے درسِ قرآن کا آغاز

فروری ۱۹۱۰ ء سے حضرت صاحبزادہ صاحب نے بھی مغرب کی نماز کے بعد درس دینا شروع کیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو نوجوانوں کی اصلاح کا بہت خیال رہتا تھا۔ چنانچہ آپ نے تعطیلات میں قادیان آنیوالے نوجوانوں کے لئے ایک تربیتی کلاس شروع کی۔ چنانچہ ’بدر‘ اخبار لکھتا ہے:

''صاحبزادہ صاحب کو نوجوانوں کے سدھار کا خاص خیال رہتا ہے۔ آپ نے ان کالجیوں اور طالب علموں کیلئے جو بعد الامتحان یا سمر ویکیشن (Summer Vacation) میں قادیان آتے ہیں ایک تعلیمی نصاب تیار کیا ہے جسمیں قرآن وحدیث کا ایک حصہ قصیدہ بہشتی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ بڑی محنت سے ان کو پڑھاتے ہیں اور عربی سے اور دین سے عمدہ واقفیت کرا دیتے ہیں۔ یہ بہت ہی مفید کام ہے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔

''انجمن ارشاد'' کا اجلاس ہر جمعرات کو ہوتا ہے اور قرآنی آیات کے معانی پر ایک لطیف ڈیبیٹ ہوتی ہے اور عجیب عجیب نکات ظاہر و مسائل حل ہوتے ہیں۔''

(بدر ۱۲ رمئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

امیر مقامی قادیان کی حیثیت میں

۲۲ رجولائی ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفہ اوّل ملتان تشریف لے گئے اور صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو امیر مقامی مقرر فرمایا۔ اس دوران ۲۹ رجولائی ۱۹۱۰ء کو جمعہ پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے قادیان میں امیر کی حیثیت سے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ یہ آپکا سب سے پہلا خطبہ جمعہ تھا۔ اس میں آپ نے قرآنی آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ......کی مختصر مگر لطیف تفسیر بیان کی۔ (بدر جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱)

اگست ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفہ اوّل بیماری کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھا سکے۔ آپ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو امام مقرر فرمایا اور ان کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضرت خلیفہ اوّل حضرت صاحبزادہ صاحب سے بہت پیار کرتے تھے اور آپ کے دل میں حضرت صاحبزادہ صاحب کا بہت احترام تھا۔ اپنی بیماری کے آخری دور میں بھی آپ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو ہی امام الصلوٰۃ مقرر فرمایا جس کا بعض لوگوں نے بُرا بھی منایا۔ مولوی ظہور حسین صاحب (مبلغ بخارا) بیان کرتے ہیں کہ:

''حضرت حافظ روشن علی صاحب نے ہمیں کلاس میں بتایا کہ ان ایام میں جبکہ حضرت میاں صاحب امام الصلوٰۃ تھے مولوی محمد علی صاحب مجھے ملے اور کہا کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے بلا تکلف دوست ہیں میرا نام لئے بغیر ان سے عرض کریں کہ جماعت کے بڑے بڑے جیّد عالم موجود ہیں ان کی موجودگی میں میاں صاحب کو امام مقرر کرنا مناسب نہیں جس پر بعض دوست اعتراض کرتے ہیں......''

حضرت خلیفہ اوّل نے یہ بات سن کر فرمایا:

''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم مجھے محمود جیسا ایک بھی متقی نظر نہیں آتا پھر از خود فرمایا کیا میں مولوی محمد علی صاحب سے کہوں کہ وہ نماز پڑھا دیا کریں۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۴۰)

مجلس انصار اللہ کا قیام

فروری ۱۹۱۱ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ایک رؤیا دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے دیکھا کہ ایک بڑا محل ہے اور اس کا ایک حصہ گرا رہے ہیں اور اس محل کے پاس ایک میدان ہے اور اس میں ہزاروں آدمی ...... بڑی سرعت سے اینٹیں پاتھتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیسا مکان ہے اور یہ کون لوگ ہیں اور اس مکان کو کیوں گرا رہے ہیں تو ایک شخص نے جواب دیا کہ یہ جماعت احمدیہ ہے اور اس کا ایک حصہ اس لئے گرا رہے ہیں تا پرانی اینٹیں خارج کی جائیں (اللہ رحم کرے) اور بعض کچی اینٹیں پکی کی جائیں اور یہ لوگ اینٹیں اس لئے پاتھتے ہیں تا اس مکان کو بڑھایا جائے اور وسیع کیا جائے (یہ ایک عجیب بات تھی کہ سب پتھیروں کا مونہہ مشرق کی طرف تھا) اس وقت دل میں خیال گزرا کہ پتھیرے فرشتے ہیں اور معلوم ہوا کہ جماعت کی ترقی کی فکر ہم کو بہت کم ہے بلکہ فرشتے ہی اللہ سے اذن پا کر کام کر رہے ہیں۔''

(اخبار بدر ۲۳ر فروری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲ کالم ۱)

اس خواب کی بناء پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک انجمن بنانے کا فیصلہ کیا تا کہ اس کے ذریعہ احمدیوں کے دلوں میں ایمان کو پختہ کیا جائے اور تبلیغ کے فریضہ کو اچھی طرح ادا کیا جائے چنانچہ اس کے لئے آپ نے خود بھی استخارہ کیا اور بزرگوں سے بھی استخارے کروائے اور پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے اذن پا کر حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے انجمن انصار اللہ کی بنیاد ڈالی اور اخبار بدر میں اس کا مفصل اعلان کر دیا۔ اس انجمن کے کچھ قواعد وضوابط بنائے گئے جنکے مطابق ممبران کو چلنا تھا ابتداء میں اس کے مندرجہ ذیل ممبر بنے۔

حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، منشی احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ، منشی فرزند علی صاحب ہیڈ کلرک قلعہ میگزین فیروزپور، شیخ عبدالرحمٰن صاحب لاہوری نومسلم قادیان، سید صادق حسین صاحب مختار عدالت اٹاوہ، شیخ غلام احمد صاحب واعظ قادیان۔

۱۶ر اپریل ۱۹۱۱ء کو اس انجمن کا افتتاحی جلسہ قادیان میں ہوا جس میں ممبران کو ہدایات دی گئیں۔ لوگوں نے اس پر اعتراضات بھی کئے مثلاً ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ ایک خفیہ سوسائٹی ہے آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ کیا خفیہ سوسائٹیاں اپنے اجلاس (بیوت الذکر) میں کھلے بندوں کرتی ہیں۔

ایک پرائیویٹ کلاس

۱۹۱۱ء کے شروع میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے گھر میں ایک کلاس شروع کی جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب پڑھتے تھے بعد میں حضرت شیخ محمود احمد صاحب عرفانی بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس کلاس میں خطبہ الہامیہ، دروس انحو یہ حصہ دوم وغیرہ پڑھا جاتا تھا۔

شیخ محمود احمد صاحب کا بیان ہے ان کو ایک سال تک اس کلاس میں پڑھنے کا موقعہ ملا۔ ۱۹۱۱ء میں ڈلہوزی میں آپکو ایک پادری سے گفتگو کا موقعہ ملا تثلیث اور کفارہ پر بحث کرتے ہوئے آپ نے اس سے پوچھا کہ میز پر پڑی ہوئی ایک پنسل کو اٹھانے کیلئے اگر کوئی شخص دو آدمیوں کو آواز دے تو تم اسے کیا سمجھو گے۔ کہنے لگا بیوقوف سمجھوں گا۔ آپ نے فرمایا پھر خدا کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے جس نے قادر مطلق ہوتے ہوئے بیٹے اور روح القدس کی ضرورت محسوس کی۔ پادری شرمندہ ہو کر کہنے لگا سوال تو ہر بیوقوف کر سکتا ہے۔ آپ نے جواب دیا میں تو آپ کو عقلمند ہی سمجھ کر آیا تھا۔

سفر مدارس

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے مشہور اسلامی درس گاہوں کے طریقہ تعلیم و انتظام کرنے کیلئے اپریل، مئی ۱۹۱۲ء میں اپنے خرچ پر ایک لمبا سفر کیا آپ کے ہمراہیوں میں حضرت سید سرور شاہ صاحب، حضرت قاضی امیر حسین صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت سید عبدالحیٔ صاحب عرب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی شامل تھے۔

روانگی سے قبل یہ وفد حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا:

> ”میں میاں کو تم پر امیر مقرر کرتا ہوں ...... میاں صاحب کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ تقویٰ اللہ سے اور چشم پوشی سے عموماً کام لیں بہت دعائیں کریں۔ جناب الٰہی میں گر جانے سے بڑے بڑے برکات اترتے ہیں ...... اور آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے امیر کی پوری فرمانبرداری کریں۔ کوئی کام ان کی اجازت کے بدوں نہ کریں۔ علم کا گھمنڈ کوئی نہ کرے ...... دعاؤں سے بہت کام لینا ...... جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازے پر گر جاتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کے دل کو کھول دیتا ہے اور آپ اس کی مشکل کا حل بتا دیتا ہے ...... علماء سے ملو اگر کسی سے کوئی عمدہ بات ملے تو اسے فوراً لے لو......“ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ بحوالہ الحکم ۱۴/اپریل ۱۹۱۲ء)

حضرت خلیفہ اوّل سے اجازت ملنے کے بعد یہ وفد ۳/اپریل ۱۹۱۲ء کو روانہ ہو کر امرتسر اور وہاں سے ۵/اپریل کو

لکھنو پہنچا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے جمعہ امین آباد پارک میں قاضی محمد اکرم صاحب کے مکان پر پڑھایا۔ اس کے بعد آپ مولانا شبلی نعمانی کے قائم کردہ دارالعلوم ''ندوہ'' گئے۔ مولانا شبلی نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ ندوہ کے جلسہ میں تشریف لائیں جو ۶، ۷، ۸/ اپریل کو ہورہا تھا نیز اپنے گھر ٹھہرنے کی دعوت دی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب جلسہ پر تو تشریف لے گئے اور تعطیل جمعہ کیلئے جو ریزولیوشن پیش ہوا اس کی تائید بھی کی اور وہ پاس بھی ہوگیا۔ لیکن مولانا شبلی نعمانی کے گھر نہیں ٹھہرے اس خیال سے کہ دوسرے علماء چڑ نہ جائیں اور کوئی بدمزگی نہ ہو۔ لیکن مولانا شبلی اصرار کرکے آپ کو اپنے ہاں لے گئے۔ وہاں جاکر جیسا کہ آپکو خیال تھا بدمزگی بھی ہوئی اور غیر احمدی حضرات نے گالیاں بھی دیں مگر مولانا بہت ہمت والے تھے انہوں نے پرواہ نہ کی۔ سید سلمان ندوی حیاتِ شبلی میں لکھتے ہیں۔

''مولانا یہ چاہتے تھے اشاعت کا کام تمام فرقے مل کر کریں ...... اس پر اس جلسہ کے دوران مولانا پر یہ الزام رکھا گیا کہ انہوں نے قادیانیوں کو جلسہ میں کیوں شریک کیا اور ان کو تقریر کی اجازت کیوں دی مگر مولانا شروانی کی ثالثی سے بلا ٹلی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۳)

دارالعلوم ندوہ کے بعد آپ لکھنو کے مدرسہ فرنگی محل میں تشریف لے گئے۔ آپ فرماتے ہیں:

''جس وقت ہمارا وفد وہاں پہنچا تو مولوی عبدالباری صاحب نہایت تپاک سے ہمیں ملے اور اپنی کلاس کا ہمیں معائنہ کرایا۔ پھر مولوی صبغۃ اللہ کو ہمارے ساتھ کیا کہ باقی سکول دکھادیں۔ ہم نے دیکھا کہ ہر طالب علم نہایت ادب اور متانت سے بات کرتا تھا۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب کے نواسے کو بھی انہوں نے پیش کیا کہ اس سے سوال کریں ...... یوں معلوم ہوتا تھا ہم کسی طالبعلم سے سوال نہیں پوچھ رہے بلکہ کسی مفتی سے فتویٰ دریافت کررہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس کو تین چار ہزار عربی شعر یاد ہیں غرض وہ لڑکا بڑا ہی ذہین تھا میں نے اندازہ لگایا تھا کہ احمدیت اس کو چاہے ملے یا نہ ملے لیکن بڑا ہوکر اپنے نانا کے طریق پر چلے گا۔ مگر افسوس تھوڑے عرصہ بعد ہی وہ فوت ہوگیا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۹۴ بحوالہ الفضل ۲۵/ جون ۱۹۶۰ء)

اس موقعہ پر جہاں آپ لائق اور عالم اساتذہ اور ذہین و ہوشیار طلباء دیکھ کر بہت خوش ہوئے وہاں یہ تکلیف دہ نظارہ بھی آپ نے دیکھا کہ فرنگی محل کا ایک استاد ایک قبر کے سامنے سجدہ میں پڑا تھا۔

۹/ اپریل ۱۹۱۲ء کو قیصر باغ کی بارہ دری واجد علی شاہ میں آپ کا خصوصیاتِ سلسلہ پر ایک لیکچر بھی ہوا۔ یہاں سے آپ بنارس اور بنارس سے کانپور پہنچے۔ راستہ میں آپ کو الہام ہوا ''انک لا تھدی من احببت ''۔ کانپور میں دو مدرسے قابل دید تھے۔ مدرسہ جامع العلوم جس کے ناظم خان صاحب محمد سعید خان صاحب مالک مطبع نظامی تھے۔ دوسرا مدرسہ الٰہیات تھا جس کے پرنسپل مولانا آزاد سبحانی تھے مدرسہ جامع العلوم میں آپکو پارٹی بھی دی گئی۔ کانپور میں

حضرت صاحبزادہ صاحب کا ایک پبلک لیکچر ۱۸/ اپریل کی شام کو ’’طلاق محل‘‘ کے میدان میں ہوا۔کوئی دو اڑھائی ہزار کا مجمع تھا۔ آپ نے کھول کھول کر احمدیت کے عقائد بیان کئے لیکچر کے بعد لوگوں نے بلند آواز میں کہا کہ ہم مصافحہ کرنا چاہتے ہیں جو دن کے وقت آپکو کافر کہہ کر گئے تھے بڑھ بڑھ کر مصافحہ کرنے اور ہاتھ چومنے لگے۔دوسرے دن آپ شاہجہان پور پہنچے اور حافظ سید مختار احمد صاحب کے مکان پر قیام کیا اور آپکی تحریک پر یہاں تقریر کی۔۲۰/ اپریل کو یہ وفد رامپور پہنچا۔یہاں آپ نے مدرسہ عالیہ دیکھا۔

۲۲/ اپریل ۱۹۱۲ء کو آپ وفد سمیت امروہہ پہنچے۔۲۳/ اپریل ۱۹۱۲ء کو وفد دہلی پہنچا۔اور مدرسہ حسینین بخش، عبدالرب احیہ اور فتح پوری کے مدارس دیکھے۔۲۵/ اپریل کو دارالعلوم دیوبند دیکھنے کیلئے گئے اور وہاں کے بزرگ علماء سے ملاقات کی اور ضروری معلومات حاصل کیں۔ناظم مدرسہ مولوی محمد احمد صاحب ابن مولانا قاسم صاحب بے حد اخلاق سے پیش آئے مگر بعض حضرات نے تعصب میں آکر حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کو قتل تک کی دھمکی دے ڈالی۔ (تاریخ احمدیت جلد۳ صفحہ ۳۹۶)

دیوبند سے آپ سہارنپور تشریف لے گئے اور مشہور مدرسہ مظہر اسلام کا معائنہ کیا۔۲۸/ اپریل ۱۹۱۲ء کو سہارنپور سے ’’ہردوار پسنجر‘‘ پر سوار ہوئے اور اگلے دن قادیان پہنچ گئے۔حضرت خلیفہ اوّل آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور رات کو پورے وفد کی دعوت کی۔

سفر مصر و عرب

ہندوستان کے طویل سفر کے بعد اسی سال آپ نے مصر اور عرب کا بھی سفر کیا جس کی غرض دنیائے عرب میں نظام تعلیم کا مشاہدہ، تبلیغ احمدیت اور دیار رسول کی زیارت اور حج تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل اور حضرت اماں جان سے اجازت لے کر آپ ۲۶/ ستمبر کو قادیان سے روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل مدرسہ احمدیہ کے صحن میں آپکو الوداعی پارٹی دی گئی۔حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے دعا کروائی اور مولوی عبدالرحیم صاحب نیرّ نے ایڈریس پیش کیا۔حضرت خلیفۃ المسیح نے عبدالحی صاحب عرب کو جو عراق کے رہنے والے تھے آپکے ساتھ بھیجا۔حضرت شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی اور حضرت عبدالعزیز صاحب بمبئی تک آپ کے ساتھ گئے۔ حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب بھی آپ کے ساتھ جانے کیلئے بمبئی پہنچ گئے بمبئی میں آپ کو حضرت اماں جان کا خط ملا جس میں آپ نے لکھا تھا:

> ’’مولوی صاحب کا مشورہ ہے کہ پہلے حج کو چلے جاؤ اور میرا جواب یہ ہے کہ میں تو دین کی خدمت کے واسطے تم کو اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دے چکی ہوں۔اب میرا کوئی دعویٰ نہیں وہ جو کسی

دینی خدمت کو نہیں گئے بلکہ سیر کو گئے ان کو خطرہ تھا تم کو خطرہ نہیں خداوند کریم اپنے خدمت گاروں کی آپ حفاظت کرے گا۔ میں نے خدا کے سپرد کر دیا ...... ’’والدہ محمود (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۱۰)

۱۶/اکتوبر کو یہ قافلہ جہاز پر بیٹھا۔ اس جہاز میں مسلمان اور ہندو طلباء بھی تھے اور تین وکیل بھی تھے جو بیرسٹری کیلئے انگلستان جا رہے تھے ان لوگوں سے سیاسی اور مذہبی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کو اپنے ایک خط میں لکھا:

’’تین بیرسٹر...... سب سے زیادہ دریدہ دہن تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوشش رائیگاں نہیں گئی...... ایک نے یہ اقرار کیا کہ گو پہلے میں اس معاملہ میں نڈر تھا لیکن اب خدا کے بارے میں ہنسی کرتے یا سنتے میرا دل کانپ جاتا ہے اور ایک خواہش پیدا ہوگئی ہے کہ اس بات کی پوری چھان بین کروں۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۱۰)

تبلیغی مشاغل کے علاوہ آپ کو اس سفر میں دعاؤں کا بھی بہت موقعہ ملا۔ چنانچہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے نام خط میں لکھتے ہیں:

’’...... خصوصاً ۲۳/تاریخ شام کو جہاز پر کچھ ایسی حالت ہوئی کہ مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمام زمین و آسمان نور سے بھر گیا ہے اور دل میں اسقدر دعا کا جوش تھا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا اور پھر ساتھ دل میں یہ یقین ہوتا تھا اور اطمینان تھا کہ سب دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور دعا سے طبیعت گھبراتی نہ تھی۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۱۱ خالد مئی ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۱)

۲۶/اکتوبر کو آپ ’’پورٹ سعید‘‘ پہنچے یہاں سے آپکا ارادہ قاہرہ میں جا کر مدارس اور لائبریریاں دیکھنے کا تھا مگر خواب میں حضرت مسیح موعودؑ یا حضرت خلیفہ اوّل نے آپکو پہلے حج پر جانیکی تلقین کی۔ چنانچہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کو لکھتے ہیں:

’’...... مصر پہنچتے ہی خواب آیا کہ حضرت صاحب یا آپ فرماتے ہیں فوراً مکہ چلے جاؤ پھر شاید موقعہ ملے کہ نہ ملے ...... اور جب مکہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ اب مصر نہیں جا سکتے کیونکہ گورنمنٹ مصر کا قاعدہ ہے ...... میں نے تو ان سب واقعات کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا ہے کہ منشائے الٰہی مجھے حج کروانے کا تھا اور مصر کا خیال ایک تدبیر تھی۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۱۸)

جہاز پر سینکڑوں زبانیں بولنے والوں کو حج پر جاتا دیکھ کر آپ پر ایک رقّت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں:

’’حج کی قدر اور عظمت حج کے بغیر نہیں معلوم ہو سکتی...... رابغ پر بیٹھتے وقت لبیک لبیک کا نعرہ

اٹھا اور میں نے ترکوں کو لبیک لبیک کہتے سنا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے ......"

(تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۲۱۶)

یکم نومبر کو آپ جدّہ پہنچے اور سیٹھ ابو بکر صاحب کے ہاں قیام کیا۔ چھ دن جدّہ میں قیام کے بعد آپ ۷/نومبر کو حضرت نانا جان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ مکہ جاتے ہوئے آپ نے ایک نظم بھی لکھی جس کے چند اشعار یہ ہیں:

دوڑتے جاتے ہیں بامید تمناسوئے باب
شاید آجائے نظر روئے دل آراء بے نقاب
یا الٰہی آپ ہی اب میری نصرت کیجئے
کام لاکھوں ہیں مگر ہے زندگی مثلِ حباب
میری خواہش ہے کہ دیکھوں اس مقامِ پاک کو
جس جگہ نازل ہوئی مولیٰ تیری امّ الکتاب
میرے والد کو بھی ابراہیم ہے تو نے کہا
جس کو جو چاہے بنائے تیری ہے عالی جناب
ابن ابراہیم بھی ہوں اور تشنہ لب بھی ہوں
اس لئے جاتا ہوں میں مکہ میں بامیدِ آب

خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی آپ کو حضرت خلیفہ اوّل کا واقعہ یاد آ گیا اور آپ نے بھی یہی دعا کی کہ یا اللہ اس خانہ کعبہ کو دیکھنے کا مجھے روز روز کہاں موقعہ ملے گا پس میری دعا تجھ سے یہی ہے کہ ساری عمر میری دعائیں قبول ہوتی رہیں۔

(تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۴۱۷)

آپ نے حضرت نانا جان کے ساتھ عمرہ بھی کیا۔ مکہ میں آپ کو رؤیا ہوا:

"ایک جگہ ہوں اور میر صاحب اور والدہ ساتھ ہیں آسمان سے سخت گرج کی آواز آ رہی ہے اور ایسا شور ہے جیسے توپوں کے متواتر چلنے سے پیدا ہوتا ہے اور سخت تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ ہاں کچھ کچھ دیر کے بعد آسمان پر روشنی پیدا ہوتی ہے اتنے میں اس دہشتناک حالت کے بعد آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور نہایت موٹے اور نورانی الفاظ میں لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا گیا ہے۔ میں نے میر صاحب کو پوچھا آپ نے یہ عبارت نہیں دیکھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں...... اس کے بعد بآواز بلند کسی نے کچھ کہا جس کا مطلب یاد رہا کہ آسمان پر بڑے بڑے تغیرات ہو رہے ہیں

جس کا نتیجہ تمہارے لئے اچھا ہوگا۔ اس کے بعد اس نظارہ اور تاریکی اور شور کی دہشت سے آنکھ کھل گئی۔''

(تاریخ احمدیت جلد۳ صفحہ ۴۱۹)

مکہ میں آپکی آمد کی خبر بہت جلد مشہور ہوگئی۔ آپ جہاں سے گزرتے لوگ آپکی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے کو بتاتے کہ ''ابن قادیانی'' علماء نے لوگوں میں بہت غلط باتیں مشہور کر رکھی تھیں مقصد یہ تھا اگر مباحثہ ہوا تو لوگ جوش میں آ کر ان کو قتل کر دیں گے۔ ایک دن آپ ایک عرب عالم مولانا عبد الستار کلتی جو کہ شریف مکہ کے بچوں کے استاد تھے کے پاس گئے اور انہیں تبلیغ کی وہ اہل حدیث تھے لیکن ان دنوں وہاں اہل حدیث کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا وہ اپنے عقائد ظاہر نہیں کرتے تھے وہ خاموشی سے صاحبزادہ صاحب کی باتیں سنتے رہے پھر کہنے لگے آپ نے مجھے تو تبلیغ کر لی ہے لیکن کسی اور کے سامنے یہ باتیں نہ کریں ورنہ آپکی جان کی خیر نہیں اور خطرہ ہے کہ کوئی آپ پر حملہ نہ کر دے یا حکومت آپ کو قید نہ کر لے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کس طرف سے آپ کو زیادہ خطرہ محسوس ہوتا ہے تو انہوں نے ایک عالم کا نام لیا۔ اس پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو اسے ایک گھنٹہ تبلیغ کر کے آ رہا ہوں اس نے حیران ہوکر پوچھا پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا تھوڑی دیر کے بعد وہ غصہ اور جوش کی حالت میں کہہ دیتے تھے۔ نہ ہوئی تلوار ہمارے قبضہ میں ورنہ تمہارا سر قلم کر دیتا۔

غرض مکہ میں مخالفتوں کے باوجود آپ پوری شان سے احمدیت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ مکہ کی سرزمین نے آپکی روحانیت پر جو گہرا اثر ڈالا اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ حضرت خلیفۃ المسیح کو لکھتے ہیں:

''دعاؤں سے رغبت اور دعاؤں کا القاء اور رحمت الٰہی کے آثار جو میں نے اس سفر میں خصوصاً مکہ مکرمہ اور ایام حج میں دیکھے ہیں وہ میرے لئے بالکل ایک نیا تجربہ ہے اور میرے دل میں ایک جوش پیدا ہوا ہے کہ اگر انسان کو توفیق ہو تو وہ بار بار حج کرے۔''

(تاریخ احمدیت جلد۳ صفحہ ۴۲۱)

حج کے بعد آپ ابھی مکہ میں اور ٹھہرنا چاہتے تھے لیکن ایک تو آپ بیمار ہوگئے دوسرے مکہ میں ہیضہ کی سخت وبا پھوٹ پڑی جس سے حضرت نانا جان گھبرا گئے اور واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

جب آپ جدہ پہنچے تو انگریزی قونصل خانہ میں آپکے ایک ننھیالی عزیز تھے آپ ٹکٹ کے انتظار میں وہاں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آپ کو کمپنی کا ملازم سمجھ کر التجاء کی کہ ہیضہ کیوجہ سے عورتیں بہت بے چین ہیں اگر آپ دس بارہ ٹکٹ خرید دیں تو ہم عورتوں کو روانہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ عورتیں اکیلی کیسے جائیں گی اس پر وہ کہنے لگا اگر دو چار ٹکٹ اور مل جائیں تو کچھ مرد بھی چلے جائیں گے۔ آپ نے کوشش کر کے غالباً سترہ ٹکٹ اس شخص کو دلوا دیئے۔ وہ آپ کا بہت ممنون احسان ہوا۔ جب نام پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ وہی شخص تھا جو مکہ میں آپکو مار دینے کی سازش میں شریک تھا۔

۶؍جنوری ۱۹۱۳ء کو ’’منصورہ‘‘ نامی جہاز میں آپ بمبئی پہنچے۔ یہاں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی آپ کے استقبال کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ۱۰؍جنوری ۱۹۱۳ کو بمبئی سے ریل پر سوار ہوئے اور ۱۲؍جنوری کو لاہور پہنچے پلیٹ فارم پر بیحد رش تھا یہاں آپ کی تقریر ہوئی۔ پھر امرتسر ہوتے ہوئے بٹالہ پہنچے۔ حضرت اماں جان خود آپ کے استقبال کیلئے بٹالہ تشریف لے گئی تھیں۔ حضرت خلیفہ اوّل باوجود ضعف اور کمزوری کے قادیان سے کافی آگے استقبال کیلئے تشریف لے گئے آپ کے ساتھ حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور قادیان کے دیگر احباب بھی شامل تھے حضرت صاحبزادہ صاحب قادیان تقریباً شام پونے پانچ بجے پہنچے۔ ’الحکم‘ نے آپ کے آنے کی خبر دیتے ہوئے لکھا:

’’پونے پانچ بجے نبیوں کا چاند طالع ہوا جو مسرت جو شادمانی اور جو ہجوم اور پروانہ وار جاں نثاران ملت کا گرے پڑنا اس موقعہ پر دیکھا گیا وہ سرسری نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں۔ انّ فی ذٰلک لاٰیات للسائلین۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۲۳ بحوالہ الحکم ۱۴-۷؍جنوری ۱۹۱۳ء)

۱۴؍جنوری ۱۹۱۳ء کو مدرسہ کے طلباء نے آپ کے اعزاز میں پارٹی دی اس دن حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں درخواست کی کہ ہم حضرت میاں صاحب کی آمد پر خوشی کا اظہار کیسے کریں۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

’’میاں صاحب کی زندگی بابرکت، مفید خلائق اور خادم ...... ہو مل کر یہ دعا کرو۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر جناب الٰہی کی تعریف اور اپنے استغفار کے بعد۔ نورالدین ۱۴؍جنوری ۱۹۱۳‘‘۔

(تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۲۳)

حضرت خلیفہ اوّل کے ارشاد پر ...... نور میں نفل پڑھے گئے اور دعائیں کی گئیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے یہاں تقریر بھی کی جس میں بتایا کہ میں نے اس سفر کے لئے ایک ماہ پہلے سے استخارہ شروع کر دیا تھا۔ پھر اپنے سفر کے حالات بتائے۔ آخر میں فرمایا:

’’یہ فارغ بیٹھنے کا وقت نہیں بلکہ کام کرنے کا وقت ہے۔ اٹھو! اٹھو اور کام کرو۔ ذلّت کی زندگی سے عزّت کی موت بہت مبارک ہے۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۲۴)

ایک غیر احمدی صحافی مکرم محمد اسلم صاحب امرتسر سے قادیان آئے تھے انہوں نے اپنے تاثرات مفصّل بیان کئے۔ اس میں حضرت صاحبزادہ صاحب کے متعلق لکھا:

’’صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب سے مل کر ہمیں از حد مسرّت ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب نہایت ہی خلیق اور سادگی پسند انسان ہیں۔ علاوہ خوش خلقی کے بڑی حد تک معاملہ فہم اور مدبّر بھی ہیں ...... صاحبزادہ صاحب نے جو رائے اقوام عالم کے زمانۂ ماضی کے واقعات کی بناء

پر ظاہر فرمائی وہ نہایت عی مدبرانہ پہلو لئے ہوئے تھی ...... صاحبزادہ صاحب کا زہد وتقویٰ اور ان کی وسعتِ خیالانہ کی سادگی ہمیشہ یاد رہے گی۔" (بدر ۱۳/مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۸ کالم نمبر ۱)

کلام محمود

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کا عارفانہ شعری کلام پہلی مرتبہ حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحب نے مئی ۱۹۱۳ء میں شائع کیا اور ابتداء میں اس کا دیباچہ بھی لکھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی پہلی نظم ۱۹۰۳ء کی ہے۔ جبکہ آپ "شاد" تخلص کرتے تھے۔ آپ اپنی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں:

> "میں کسی نظم کو شاعری کے شوق میں نہیں کہتا ہوں بلکہ جب تک ایک خاص جوش پیدا نہ ہو نظم کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ اس لئے دردِ دل سے نکلا ہوا کلام سمجھنا چاہیئے۔ بعض نظمیں نامکمل صورت میں پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ تا کہ لوگ دیکھیں کہ شاعری کو بطور پیشہ نہیں اختیار کیا گیا بلکہ جب کبھی قلب پر کیفیت ظاہر ہوتی ہے تو اس کا اظہار کر دیا جاتا ہے ...... چونکہ میں تکلف سے شعر نہیں کہتا بلکہ ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے۔ پڑھو اور غور کرو۔ خدا کرے یہ درد بھرے کلمات کسی سعید روح کے لئے مفید و بابرکت ثابت ہوں۔" (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۳،۴۴۲)

اخبار الفضل کا اجراء

حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے ۱۸/جون ۱۹۱۳ء کو 'الفضل' کا اجراء فرمایا۔ یہ نام خود حضرت خلیفہ اوّل نے تجویز کیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اسے جاری کرنے کی ۸ (آٹھ) ضرورتیں بیان فرمائیں۔

الفضل کے لئے ابتدائی سرمایہ تین قابلِ احترام ہستیوں نے مہیا فرمایا۔

۱- آپ کی حرم اوّل حضرت سیدہ امِّ ناصر صاحبہ نے اپنے دو زیور پیش کر دیئے کہ ان کو فروخت کر دیا جائے آپ فرماتے ہیں:

> "خدا تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں اس طرح تحریک کی جس طرح خدیجہؓ کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تحریک کی تھی ...... اس حسنِ سلوک نے نہ صرف مجھے ہاتھ دیئے جن سے میں دین کی خدمت کے قابل ہوا اور میرے لئے زندگی کا ایک نیا ورق الٹ دیا بلکہ ساری جماعت کی زندگی کے لئے بھی بہت بڑا سبب پیدا کر دیا۔"

دوسرا وجود جس نے الفضل میں روح پھونکی حضرت اماں جان کا تھا۔ آپ نے اپنی ایک زمین جو ایک ہزار میں بکی 'الفضل' کے لئے عنایت فرمائی۔

تیسرا وجود حضرت نواب محمد علی خان صاحب کا تھا جنہوں نے نقد رقم کے علاوہ زمین بھی دی جو تیرہ سو روپے میں فروخت ہوئی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۶)

حضرت خلیفہ اوّل نے جب الفضل کا پہلا نمبر پڑھا تو فرمایا:

''پیغام صلح بھی میں نے پڑھا ہے اور 'الفضل' بھی مگر..... کجا وہ اور کجا یہ۔''

یہ تو ایک مبصر رائے تھی لیکن ہر شخص تو مبصر نہیں ہوتا۔ چاروں طرف اس کی مخالفت کی آوازیں بھی اٹھنے لگیں۔ خصوصاً ادارہ پیغام صلح نے تو حد ہی کر دی۔ مگر آپ نے بالکل پرواہ نہ کی اور اپنا کام جاری رکھا۔ آپ نے ان دنوں میں شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی کے نام اپنے ایک خط میں ان باتوں کا اظہار کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''الفضل چونکہ اصلاح کے لئے جاری ہوا ہے اور لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے نہیں نکلا اس لئے اس کی اشاعت ابھی کم ہے۔ احمدی تک مخالفت کرتے ہیں۔ بعض جماعتوں نے ابھی تک نہیں خریدا۔ الحمدللہ ہر نیک تحریک کی مخالفت ہوتی ہے۔ میں نے آج ہی خواب میں دیکھا کہ میں کسی کو کہہ رہا ہوں کہ سب انبیاء اور اولیاء کی مخالفت ہوتی آئی ہے پھر میری کیوں نہ ہو۔ پھر دیکھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا ہے لیکن بجائے نیچے جانے کے اوپر کی طرف چلا گیا۔''
>
> (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۷)

چنانچہ باوجود ہر قسم کی مخالفت کے 'الفضل' کی طرف جماعت کا رجحان بڑھنے لگا۔ ''الفضل'' نے تاریخی، ملکی، جماعتی، ......، سیاسی، اور اخلاقی ہر قسم کے مضامین میں جماعت کی راہنمائی کی اور میدانِ صحافت میں اپنا سکہ بٹھالیا۔ انہیں دنوں 'الہلال' کے ایڈیٹر مولانا ابو الکلام آزاد کے سیکرٹری کا خط آپ کو موصول ہوا کہ مولانا آزاد کو گورنمنٹ نے نظر بند کر دیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ ہم آپ کو ایک اخبار کی اجازت دیتے ہیں تو انہوں نے صرف 'الفضل' کی اجازت مانگی ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۹)

حضور کے خلیفہ بننے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے کچھ عرصہ اس کی ادارت کا فریضہ سرانجام دیا اور پرنٹر و پبلشر بھائی عبدالرحمٰن قادیانی تھے۔

وسط نومبر ۱۹۱۳ء میں اظہار الحق نمبر ۱ اور اظہار الحق نمبر ۲ کے نام سے دو ٹریکٹ شائع ہوئے جن میں خلافت احمدیہ کی مخالفت کی گئی تھی اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے تھے۔ ان کی اشاعت کے بعد ایک شخص نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے نام ایک کھلا خط لکھا اس میں معترض نے آپ کو امیدوارِ خلافت قرار دیا تھا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اصل خط اور اس کا جواب۔ الفضل میں شائع کروایا۔ حضرت صاحب نے اس خط کے جواب میں فرمایا:

''مجھے آپ کے خط کو پڑھ کر جو صدمہ ہوا ہے اسے تو خدا ہی جانتا ہے۔ لیکن وہ صدمہ کوئی نیا

نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس قسم کے الزامات لگائے جانے کا عادی ہوں اور جب سے ہوش سنبھالا ہے غیروں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ اپنے دوستوں کے ہاتھوں سے وہ کچھ دیکھا اور ان کی زبانوں سے وہ کچھ سنا کہ ؎

دوستوں سے اسقدر صدمے اٹھائے ہم نے
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

میں ایک گنہگار انسان ہوں۔ مجھے پاک و مطہر ہونیکا دعویٰ نہیں ...... میں حیران ہوں اس معاملہ میں کچھ لکھوں تو کیا لکھوں ...... جب سب معاملہ ہی بدظنی پر ہے تو میں بدظنی میں دلائل کیا دوں ...... موجودہ صورت میں اور کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ یہ کہوں کہ خدا شاہد ہے اور میں اس کو حاضر ناظر جان کر اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی اس امر کی کوشش نہیں کی کہ میں خلیفہ ہو جاؤں ...... اور نہ میں نے کبھی یہ امید ظاہر کی اور نہ میرے دل نے کبھی خواہش کی اور جن لوگوں نے میری نسبت یہ خیال پھیلایا ہے انہوں نے میرا خون کیا ہے اور وہ میرے قاتل ہیں ...... ہیں۔ جب حضرت صاحب فوت ہوئے اس وقت میری عمر انیس سال تھی اور ہندوستان میں انیس سال کی عمر میں ابھی کھیلنے کودنے کے ہی دن سمجھے جاتے ہیں۔ پس میری عمر بچپن کی حالت سے زیادہ نہیں ہوئی تھی جب میں نے یہ جھوٹ بولا جاتے ہوئے سنا ...... میں سمجھتا ہوں کہ چند دن کا فتنہ ہے جو خود بخود دور ہو جائے گا۔ مگر اس فتنہ نے اپنی لمبائی میں شب ہجر کو بھی مات کر دیا ...... میں نے کبھی معلوم نہیں کیا کہ میرا کیا قصور ہے تھا سوائے اس کے کہ میں مسیح موعودؑ کا بیٹا تھا ...... مگر یہ قصور میرا نہیں۔ اس کی نسبت خدا سے سوال کرو ...... میں خود مسیح موعودؑ کے ہاں پیدا نہیں ہوا۔ مجھے میرے مولا نے جہاں بھیج دیا میں آ گیا۔ پس خدا کے لئے ...... اس واقعہ کی بناء پر مجھے مت ستاؤ جو میرے اختیار سے باہر ہے ...... افسوس میں نے اپنے دوستوں سے وہ سنا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے نہ سنا تھا ...... اگر میں تبلیغ دین کے لئے کبھی باہر نکلتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں کو پھسلانے کے لئے اپنی شہرت کے لئے ...... نکلتا ہے ...... اگر ...... اپنے گھر بیٹھ جاتا ہوں تو یہ الزام دیا جاتا ہے کہ یہ دین کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے ...... اگر میں کوئی کام اپنے ذمہ لیتا ہوں تو مجھے سنایا جاتا ہے کہ میں حقوق کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہوں ...... اور علیحدگی میں اپنی سلامتی دیکھتا ہوں تو یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ یہ قومی درد سے بے خبر ہے ...... صبح شام رات دن یہ باتیں سن سن کر میں تھک گیا ہوں ...... اے نادانو! کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر میرا خدا مجھے بڑا بنانا

چاہے تو تم میں سے کون ہے جو اس کے فضل کو رد کر سکے اور کون ہے جو میرے مولا کا ہاتھ پکڑ سکے ...... اگر وہ مجھے اپنے پاس بٹھائے تو کون ہے جو مجھے اس سے دور کردے۔ پس اپنے آپ کو خدا مت قرار دو...... میں تمہارے حملوں سے ڈرتا نہیں کیونکہ میرا خدا پر بھروسہ ہے لیکن مجھے اگر غم ہے تو اس بات کا کہ قوم میں فتنہ نہ ہو...... مگر مجھے اُمید ہے کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو بچائے گا......''

(تاریخ احمدیت جلد۳ صفحہ ۴۷۸ تا ۴۸۳ الفضل ۱۹؍نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا وصال

اب ۱۹۱۴ء کا سال شروع ہوتا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح کی بیماری شدت اختیار کرتی جاتی ہے۔ آخر ۱۳؍مارچ ۱۹۱۴ء بروز جمعہ یہ عظیم الشان وجود دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے اور خلافتِ احمدیہ کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور ساتھ ہی فتنے بھی پوری شدّت سے ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

انتخاب خلافت، بیعت

۱۴؍مارچ ۱۹۱۴ء بروز ہفتہ بعد نماز عصر تمام حاضر الوقت احباب انتخابِ خلافت کیلئے ...... نور میں جمع ہوئے منکرین خلافت بھی روڑے اٹکانے کیلئے یہاں موجود تھے۔ سب سے پہلے حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی وصیت پڑھ کر سنائی جسمیں جماعت کو ایک ہاتھ پر جمع ہونیکی نصیحت تھی۔ اس پر ہر طرف سے میاں صاحب، میاں صاحب (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) کی آوازیں آنے لگیں۔ اور اس کی تائید میں مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے تقریر کی جسمیں خلافت کی اہمیت وضرورت بتائی اس کے فوراً بعد ایک طرف مولوی محمد علی صاحب اور دوسری طرف سید میر حامد شاہ صاحب کھڑے ہوگئے۔ دونوں اپنا اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتے تھے لیکن یعقوب علی صاحب عرفانی نے جرأت کی اور کہا کہ یہ وقت ان جھگڑوں کا نہیں ہے۔ ہمارے آقا حضور ہماری بیعت قبول فرمائیں جس پر لوگ بے اختیار لبیک لبیک کہتے آگے بڑھے اور مولوی محمد علی صاحب کی تو بات سننے سے ہی انکار کر دیا کہ آپ تو منکرین خلافت میں سے ہیں ہم آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتے لوگ چاروں طرف سے بیعت کرنے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے اور جوش سے ایک دوسرے پر گر رہے تھے جب حضور نے بیعت لینی شروع کی تو مجلس پر ایک دم سناٹا چھا گیا۔ لوگوں نے اپنی پگڑیاں پھیلا پھیلا کر اور ایک دوسرے کی پیٹھوں پر ہاتھ رکھ کر بیعت کے الفاظ دوہرائے۔ حضرت خلیفہ ثانی لکھتے ہیں:

''مجھے بیعت کے الفاظ یاد نہ تھے اور میں نے اس بات کو عذر بنانا چاہا...... اس پر مولوی سرور شاہ صاحب نے کہا میں الفاظ بیعت دوہراتا جاؤں گا آپ بیعت لیں۔ تب میں نے سمجھا کہ

خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے اور اس کے منشاء کو قبول کیا اور لوگوں سے بیعت لی۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۵۱۸ بحوالہ آئینہ صداقت)

قیام خلافت کے بعد ان لوگوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا کہ میاں صاحب انصار اللہ کی سازش سے خلیفہ ہوئے ہیں اور اس کے ثبوت میں یہ دلیل دی کہ انصار اللہ نے تمام انجمن کے سیکرٹریان کو یہ خط بھیجا تھا (حضرت خلیفہ اوّل کی بیماری کے متعلق):

''حالت نہایت نازک ہے۔ضعف بڑھتا جا رہا ہے جس سے بجائے دنوں کے اب عمر کا اندازہ گھنٹوں میں کیا جاتا ہے۔''

بہر حال جماعت پھر ایک ہاتھ پر اکٹھی ہو گئی۔بیعت کے بعد ایک لمبی دعا ہوئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک دردانگیز تقریر بھی فرمائی جس میں حضور نے جماعت کو نئے دور کی ذمہ داریاں بتائیں نیز فرمایا:

''میں ایک کمزور اور بہت کمزور انسان ہوں مگر میں خدا سے اُمید رکھتا ہوں کہ جب اس نے مجھے اس خلعت سے نوازا ہے تو وہ مجھے اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت دے گا۔اگر اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لو گے اور اس عہد کو مضبوط کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہماری دستگیری کرے گا.....''

(تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۵۲۱، ۵۲۲)

اس بیعت اور تقریر کے بعد لوگوں کی طبیعتوں میں مکمل سکون تھا۔دعا اور تقریر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے شمالی میدان میں حضرت خلیفہ اول کی نماز جنازہ پڑھائی جسمیں تقریباً دو ہزار مردوں اور کئی سو عورتوں نے شرکت کی اور پھر یہ بھاری مجمع اطمینان اور غم کے دوہرے جذبات کے ساتھ اپنے محبوب خلیفہ کو لے کر بہشتی مقبرہ روانہ ہوا اور اس مقدس وجود کو ساڑھے چھ بجے کے قریب اس کے محبوب اور مطاع کے مبارک پہلو میں لٹا دیا گیا۔ الحکم میں لکھا ہے:

''یہ کہنا بالکل درست ہے کہ نواب صاحب کی کوٹھی سے لے کر شہر تک برابر دورویہ آدمیوں کی ایک دیوار تھی۔ایک میل تک آدمی ہی آدمی معلوم ہوتے تھے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:

''جس وقت بیعت ہو چکی تو...... میں نے اپنے اوپر ایک بڑا بوجھ محسوس کیا......اس کے بعد کئی دن میں اسی فکر میں رہا تو خدا تعالیٰ نے مجھے رؤیا میں بتایا کہ میں ایک پہاڑی پر چل رہا ہوں دشوار گزار راستہ دیکھ کر میں گھبرا گیا اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔جب میں نے لوٹنے کیلئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پچھلی طرف میں نے دیکھا کہ پہاڑ ایک دیوار کی طرح کھڑا ہے اور لوٹنے کی کوئی

صورت نہیں۔اس سے مجھے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اب تم آگے ہی آگے چل سکتے ہو پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۱۵،۱۱۶ بحوالہ برکات خلافت طبع اول صفحہ ۶)

جیسا کہ خدا تعالیٰ کسی نیک بندے کی آمد کی خبر پہلے سے اپنے خاص بندوں کو دے دیتا ہے حضرت مصلح موعود کے متعلق بھی لوگوں کو بہت خوابیں آئی تھیں اور وسط اپریل ۱۹۱۴ء تک تین سو خوابیں اور کشوف جمع ہو گئے ان میں سے اکثر الفضل میں شائع بھی ہو گئے تھے۔

بیرونی جماعتوں کی بیعت کے بعض خاص واقعات

بیرونی جماعتوں میں سب سے پہلے شاہجہانپور کی جماعت نے بیعت کی۔حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری فرماتے ہیں:

''سیدنا واستاذنا حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول کی طبیعت ناساز تو پہلے سے ہی چلی آتی تھی مگر آخر فروری ۱۹۱۴ء میں جو ناسازی بڑھی تو بڑھتی ہی چلی گئی اور حضور کی حالت سے متعلق قادیان سے آنیوالی ہر خبر پہلے سے آئی ہوئی خبر سے زیادہ حسرت خیز و درد انگیز آنے لگی......حتیٰ کہ مارچ کی بارہ تاریخ اور جمعرات کا دن آگیا۔یہ دن میری پریشانی کو بہت بڑھادینے والا تھا......رات بھی مکان اور ...... میں آتے جاتے گزری دعا ہر جگہ جاری رہی ......نماز جمعہ......مجھ کو پڑھانی پڑھی ......نماز جمعہ کی دعا میں دل نے میری زبان کا ساتھ نہ دیا اس نامانوس حالت نے ......مجھے یقین دلا دیا کہ مرشدی ومولائی مطاعی وملاذی حضرت خلیفہ اوّل اس دنیا میں موجود نہیں......نماز ختم کرتے ہی اعلان کر دیا کہ سنت ونفل پڑھنے کے بعد کوئی صاحب تشریف نہ لے جائیں......اسی جگہ کھڑے ہو کر میں نے احباب کو خطاب شروع کر دیا۔ابھی چند ہی لفظ زبان سے نکلے ہونگے کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کا انتخاب درست نہیں اور میں نے عرض کیا کہ میں کسی کے انتخاب یا کسی بیعت کے لئے احباب سے کچھ کہنا نہیں چاہتا......میں چاہتا ہوں کہ احباب میں سے کسی ایک دوست کی رائے بھی سیدنا حضرت مسیح موعودؑ اور حضور کے خلیفہ برحق مولوی نورالدین صاحب کے مسلک کے خلاف نہ ہو......'' پھر حافظ صاحب نے اپنے والد صاحب سے اپنی وہ کیفیت بیان کی جو جمعہ کے وقت ان پر طاری ہوئی تھی۔اس پر ان کے والد صاحب نے بولنے کی اجازت دے دی۔اس پر حضرت حافظ صاحب نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انکا مقصد کسی کا نام پیش کرنا یا کسی کی

رائے لینا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کی آراء آنے والے وقت کیلئے محفوظ ہو جائیں۔ اس لئے لوگ کاغذ کے پرچوں پر وہ نام لکھ دیں جو آئندہ خلیفہ کیلئے ان کے ذہن میں ہے اور سب وہ کاغذ کا پرچہ الٹا کر کے رکھتے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت حافظ صاحب نے سب سے پہلے اپنے والد صاحب کا پرچہ اٹھا کر پڑھا تو اس پر صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد لکھا تھا اور سب احباب کے پرچوں پر یہی نام تھا۔ آپ نے اپنے اس یقین کی بناء پر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل میں ڈالا گیا تھا کہ حضرت خلیفہ اوّل فوت ہو چکے ہیں۔ نام لکھے ہوئے کاغذ فوراً قادیان بھیجنے کا خیال آیا۔ اس کے لئے انہوں نے بابو محمد علی خان صاحب شاہجہانپوری کا نام تجویز کیا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ نام تو انہوں نے حضرت صاحبزادہ صاحب کا ہی لکھا تھا لیکن ان کے مراسم مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب سے بہت گہرے تھے۔ چنانچہ اسی دن وہ پرچوں کا لفافہ لے کر قادیان روانہ ہو گئے۔ حافظ صاحب نے انہیں یہ بھی کہہ دیا کہ سہارنپور پہنچ کر ان کو معلوم ہو جائیگا کہ کس غرض سے ان کو قادیان بھیجا گیا ہے۔ ہفتہ کو وہ قادیان پہنچ گئے اور سب کارروائیاں ان کے سامنے ہوئیں تب ان کو معلوم ہوا کہ مولوی محمد علی صاحب وغیرہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے ہی خلاف نہیں بلکہ وہ تو سرے سے ہی خلافت کے ہی خلاف ہیں۔ یہ بات ان پہ بہت گراں گزری۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۱۷ تا ۱۲۰)

شاہجہانپور کے بعد دہلی کی جماعت نے اپنی بیعت کی درخواستیں بھجوائیں۔ ڈیرہ غازیخاں میں مولوی محمد علی صاحب کے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب رہتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول کی وفات کی خبر سن کر وہ تو قادیان چلے گئے تھے جب انتخاب خلافت کی اطلاع وہاں پہنچی تو مولوی عزیز بخش صاحب کے بیٹے میاں اللہ بخش اور میاں رحیم بخش ...... میں آئے اور پوچھا کہ کیا چچا خلیفہ ہو گئے (یعنی مولوی محمد علی صاحب) جواب نفی میں سن کر اداس ہو کر چلے گئے۔ مولوی عزیز بخش صاحب نے بھی واپس آ کر جماعت کو بہکانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

انگلستان میں بھی ان دنوں چند لوگ تھے ان میں سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور چوہدری فتح محمد سیال بھی تھے وہاں خواجہ کمال الدین صاحب اور شیخ نور احمد صاحب کے سوا باقی سب نے بیعت کر لی۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۱۴ / مارچ ۱۹۱۴ء کو منتخب ہوئے تھے اس وقت قادیان میں دو ہزار مرد و زن نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قادیان سے باہر کے لوگوں کو چونکہ فتنے کا علم نہیں تھا اس لئے ان کی طرف سے زیادہ فکر تھی چنانچہ اس طرف فوری توجہ دی گئی اور رسالوں اور اشتہاروں کے علاوہ جماعت کے اہل علم لوگوں کو بھی ہر طرف بھیجا گیا تا کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کی صحیح تعلیم بتا کر خلافت کے ہاتھ پر سب کو جمع کرنے کی کوشش کریں۔

منکرین خلافت جو قادیان میں تھے ان پر بھی خدا تعالیٰ نے ایسا رعب طاری کیا کہ وہ قادیان چھوڑ کر لاہور چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے مرکز سلسلہ کو اہل شر سے پاک کر دیا۔ بہر حال فتنہ گروں نے بھی اپنی کوششیں جاری رکھیں لیکن چند ماہ کی شب و روز فتنہ سامانیوں کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کو فتح عطا فرمائی اور جماعت کا ۹۵ فیصد سے زائد حصہ بیعت میں شامل ہو گیا۔

جس وقت یہ لوگ قادیان چھوڑ کر جا رہے تھے اس وقت صدر انجمن کا خزانہ بالکل خالی تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ خزانے میں چند آنے تھے۔ دوسری طرف یہ لوگ جو اکابرین میں شمار ہوتے تھے ان کو اپنے پہ بہت زعم تھا۔ جاتے ہوئے ان کے ایک معزز رکن نے قادیان کی عمارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب یہاں الّو بولیں گے۔ اگر ان کے دل میں مرکز سلسلہ کی ذرا بھی محبت ہوتی تو ان کے منہ سے یہ الفاظ نہ نکلتے۔ تحریک انکارِ خلافت کی تاریخ عبرتوں کا مرقع ہے جس کا یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

درس القرآن

۱۷ / مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے درس قرآن کا آغاز فرمایا یہ درس جو...... اقصیٰ میں ہوتا تھا سورۃ مجادلہ سے شروع ہوا اور ۸ / اپریل ۱۹۱۴ء سے الفضل میں باقاعدہ چھپنے لگا اور بعد میں ''حقائق القرآن'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو گیا۔ یہ سلسلہ حضور کی آخری بیماری تک چلتا رہا۔

حضور کے زمانہ خلافت کی ابتداء میں ملاقات کرنیوالوں کیلئے کوئی علیحدہ جگہ کا انتظام نہیں تھا نمازوں اور درس پر ملاقات ہو جاتی تھی یا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے گھر کے اوپر بالا خانے پر یا گول کمرہ میں ملاقات ہوتی تھی۔

۱۹۲۶ء کے قریب آپ کے مکان کے ساتھ قصر خلافت تعمیر کیا گیا۔ یہاں آپ کا دفتر بھی تھا اور ملاقاتیں بھی یہاں ہوتی تھیں۔ ۱۹۴۷ء تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ شروع میں حضور کی ڈاک اور ملاقات کے انتظام کیلئے حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب حلالپوری افسر ڈاک مقرر ہوئے۔ آپکی اعانت حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب بھی فرماتے تھے۔ حضرت پیر افتخار احمد صاحب بطور محرر کام کرتے تھے۔ پہلے دفتر ڈاک بیت المال کی ایک مد میں شامل تھا لیکن جب کام بڑھ گیا تو یکم مارچ ۱۹۱۸ء سے دفتر ڈاک کا مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ اس نئے انتظام میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؔ افسر ڈاک مقرر ہوئے پھر نیرؔ صاحب کی بیماری کی وجہ سے ۱۲ / اکتوبر ۱۹۱۸ء میں ماسٹر علی محمد صاحب بی۔اے بی ٹی افسر ڈاک مقرر ہوئے فروری ۱۹۲۰ء سے حضرت مولوی عبدالرحیم درد کے سپرد یہ ذمہ داری ہوئی اور انہی کے زمانہ سے افسر ڈاک کو پرائیویٹ سیکرٹری کہا جانے لگا۔ درد صاحب نے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک یہاں کام کیا۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل احباب اس عہدہ پر رہے۔

محترم صوفی عبدالقدیر نیاز صاحب	۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۶ء
محترم شیخ یوسف علی صاحب بی۔اے	۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۴ء
محترم مفتی محمد صادق صاحب	۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۶ء
محترم شیخ یوسف علی صاحب بی۔اے	۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۷ء
محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے	۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء
محترم مولوی عبدالرحیم صاحب درد	۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۳ء
محترم چوہدری مظفر الدین صاحب بی۔اے	۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۶ء
محترم خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب لاہور	مارچ ۱۹۴۷ء تا جولائی ۱۹۵۱ء
محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور	جولائی ۱۹۵۱ء تا فروری ۱۹۵۷ء
محترم کیپٹن ملک خادم حسین صاحب	فروری ۱۹۵۷ء تا جنوری ۱۹۵۸ء
محترم شیخ مبارک احمد صاحب	جنوری ۱۹۵۸ء تا ستمبر ۱۹۵۸ء
محترم میاں محمد شریف اشرف صاحب	ستمبر ۱۹۵۸ء تا جنوری ۱۹۶۲ء

۱۹۶۲ء میں پھر مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۳۷، ایڈیشن دوم)

کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے

۲۱؍مارچ ۱۹۱۴ء جبکہ خلافت پر صرف ایک ہی ہفتہ گزرا تھا آپ نے ایک بارہ صفحوں کا اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا ’’کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے‘‘ اس اشتہار میں آپ نے منکرین خلافت کے اعتراضات کا جواب دیا۔ سب سے بڑا اعتراض آپ پر یہ کیا جارہا تھا کہ آپ نے ایک بڑی سازش کے ذریعہ خلافت حاصل کی ہے حضور نے اس کے جواب میں حلفاً کہا کہ:

’’میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی خواہش نہیں کی کہ وہ مجھے خلیفہ بنادے۔ یہ اس کا اپنا فعل ہے یہ میری درخواست نہ تھی ...... گو میں حیران ہوں کہ میرے جیسا نالائق انسان اسے کیونکر پسند آ گیا لیکن جو کچھ بھی ہو اس نے مجھے پسند کر لیا اور اب کوئی انسان اس کرتہ کو مجھ سے نہیں اتار سکتا جو اس نے مجھے پہنایا ہے ......‘‘ (ضمیمہ الفضل ۲۵؍مارچ ۱۹۱۴ء)

حضور اسی اشتہار میں فرماتے ہیں:

"فتنے ہیں اور ضرور ہیں مگر تم جو اپنے آپ کو اتحاد کی رسی میں جکڑ چکے ہو خوش ہو جاؤ کہ انجام تمہارے لئے بہتر ہوگا..... میں جب اس فتنہ سے گھبرایا اور اپنے ربّ کے حضور میں گرا تو اس نے میرے قلب پر یہ مصرعہ نازل فرمایا:

شکر للہ مل گیا ہم کو وہ لعل بے بدل

اتنے میں مجھے ایک شخص نے جگا دیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر مجھے غنودگی آئی اور اس غنودگی میں مَیں اپنے آپکو کہتا ہوں کیا ہوا اگر قوم کا دل سنگِ خارا ہو گیا۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسرا مصرعہ الہامی تھا یا بطور تفہیم تھا..... مجھے ایک جماعت کی نسبت بتایا گیا کہ لیمزقنھم یعنی ضرور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتلاء ہیں لیکن انجام بخیر ہوگا..... حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ بعض "بڑے" چھوٹے کئے جائیں گے اور چھوٹے بڑے کئے جائیں گے۔ پس خدا کے حضور میں گر جاؤ تا کہ تم ان چھوٹوں میں داخل کئے جاؤ جنہوں نے بڑا ہونا ہے۔"

(ضمیمہ اخبار الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۲)

ایک ضروری اعلان

اپریل ۱۹۱۴ء میں حضور نے اعلان فرمایا کہ

"چندے برابر انجمن میں آنے چاہئیں ہاں چونکہ ابھی تک مجھے اطمینان نہیں کہ انجمن اس فتنہ میں کیا حصہ لے گی اس لئے مناسب خیال کرتا ہوں کہ انجمن کے سب چندے میری معرفت ارسال ہوں میں انہیں خزانہ انجمن میں داخل کر کے انجمن کی رسید بھجوا دونگا۔" (الفضل ۶ اپریل ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۴)

خلافتِ ثانیہ کے دور میں انجمن کا پہلا اجلاس

۱۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو عہد خلافتِ ثانیہ میں انجمن کا پہلا اجلاس ہوا اس کی صدارت خود خلیفۃ المسیح الثانی نے کی۔ اس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت نواب محمد علی خان صاحب، مولانا محمد احسن امروہی صاحب، حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت خلیفہ رشید الدین صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب اور مولوی صدر الدین صاحب تھے۔

پہلی شوریٰ

۱۲؍اپریل ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفہ ثانی کے ارشاد پر بیت مبارک میں ملک بھر کے احمدی نمائندوں کی مجلس شوریٰ ہوئی۔ تعداد ڈیڑھ سو تھی۔ اس شوریٰ میں مختلف فیصلے ہوئے جن میں ایک یہ تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کا قاعدہ نمبر ۱۸ یہ تھا کہ

> ''ہر معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کے ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخہائے کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا۔''

قرارداد میں پاس ہوا کہ اس میں ترمیم کر کے حضرت مسیح موعودؑ کی بجائے حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی کے الفاظ درج کئے جائیں۔

انجمن ترقی ......

۱۲؍اپریل کی شوریٰ میں زیرِ غور آنیوالی تجاویز پر عمل کرنے کیلئے حضور نے ایک انجمن کی بنیاد رکھی جس کا نام ''انجمن ترقی ......'' رکھا۔ اس انجمن کے سیکرٹری حضرت مولوی شیر علی صاحب تھے۔ حضرت فضل عمر نے شوریٰ کے سامنے ''منصبِ خلافت'' پر ایک تقریر کی۔

قادیان سے سب سوائے چند ایک لوگوں کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت میں شامل ہو چکے تھے اور اب مولوی محمد علی صاحب قادیان سے جانے کے عذر تلاش کر رہے تھے کہ انہی دنوں پانچ، سات سال کے تین چار بچوں نے ان پر کنکر پھینکنے کا ارادہ ظاہر کیا اور گو حضرت مصلح موعود نے اس کا سختی سے نوٹس بھی لیا اور بچوں کے والدین کو تنبیہ بھی کی گئی۔ بچوں نے یہ حرکت کی بھی نہیں لیکن مولوی محمد علی صاحب نے اسی بات کو ایک مسئلہ بنا کر پیش کر دیا کہ قادیان میں ان کی جان کو خطرہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کے ہاتھ آپ کو خط بھی بھجوایا اور کہا کہ آپ ان کو تسلی دیں یہاں ان کو کوئی خطرہ نہیں میں ان کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا میں قادیان تو نہیں چھوڑ رہا میں تو صرف گرمیاں گزارنے پہاڑی مقام پر جا رہا ہوں اور اس بات پر حضرت صاحب کا شکریہ بھی ادا کیا کہ نہ صرف ان سے ہمدردی کی بلکہ ان سے بات چیت کیلئے ان کے گھر بھی تشریف لے گئے یہ الگ بات ہے کہ اسوقت مولوی صاحب حضرت صاحب سے گفتگو کرنے کے بجائے میاں بگا سے بات کرتے رہے۔ آخر حضرت صاحب اٹھ کر واپس آ گئے۔ مولوی صاحب جاتے ہوئے قریباً تین ہزار روپے کا سامان کتب و ٹائپ رائٹر وغیرہ قرآن کریم کے ترجمہ کے نام پر اپنے ساتھ لے گئے۔ (۲۰؍اپریل ۱۹۱۴ء کو یہ واقعہ ہوا)

انجمن کے نئے کارکنوں کا تقرر

حالات کیوجہ سے انجمن میں کافی تبدیلی کرنی پڑی۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری اور افسر اشاعتِ دین حق

حضرت مولوی شیر علی صاحب مقرر ہوئے اسی طرح حضرت مولوی محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب بیت المال اور لنگر خانہ کے منتظم مدرسہ احمدیہ کے ناظم اور مدیر الفضل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی سرور شاہ صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب بطور علمائے سلسلہ، چوہدری نصر اللہ صاحب مشیر قانونی اور حضرت میر ناصر نواب صاحب کمیٹی تعمیر کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔

احمدیہ دار التبلیغ لندن

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال جو جولائی ۱۹۱۳ء میں بیرونی مشن کی بنیاد رکھ چکے تھے لیکن اس کا مستقل اور نمایاں صورت میں قیام اپریل ۱۹۱۴ء میں ہوا جبکہ آپ ووکنگ چھوڑ کر لندن آئے اور ایک کرائے کے مکان میں احمدیہ مشن ہاؤس قائم کیا۔

شکریہ اور اعلان ضروری

حضور نے اپریل ۱۹۱۴ء میں شکریہ اور اعلان ضروری کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں ایک مرکز پہ جمع ہونے پر جماعت کا شکریہ ادا کیا اور انجمن ترقی ...... کے مقاصد پورا کرنے کیلئے ۱۲ ہزار روپے کی تحریک فرمائی۔ حضور نے اعلان کی اشاعت سے پہلے اپنے درس قرآن میں یہ اعلان سنایا تو احباب نے دوسرے ہی دن جلسہ کر کے تیس ہزار کے وعدے لکھوا دیئے بلکہ پانچ سو روپیہ اعلان کی اشاعت سے پہلے ہی وصول ہو گیا۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر اپنا مال پیش کیا عورتوں نے بھی مالی قربانی کی اور اس پہلی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت اماں جان نے سو روپیہ چندہ دیا بعض خواتین نے اپنے زیور پیش کئے۔

مدرسہ احمدیہ کی تعلیم کی تکمیل کچھ وقت چاہتی تھی اس لئے حضور نے اس مقصد کیلئے تبلیغی کلاسوں کا اجراء کیا جس میں ترجمہ قرآن، مشکوٰۃ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

حضرت مصلح موعود نے ایک خواب سے تحریک پا کر جون ۱۹۱۴ء میں نظام دکن کو پیش کرنے کیلئے ایک کتاب تصنیف فرمائی جسکا نام ''تحفۃ الملوک'' رکھا گیا۔

دوسرا نکاح

حضرت مصلح موعود کا دوسرا نکاح ۱۳۱ مئی ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفہ اوّل کی دختر نیک اختر حضرت سیدہ امۃ الحئی صاحبہ سے ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب نے پڑھا۔ میاں عبدالحئی صاحب صاحبزادی صاحبہ کے ولی تھے۔ انہوں نے منظوری سے قبل حاضر احباب سے پوچھا کہ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں حضرت خلیفہ اوّل کی امانت کو کسی کے سپرد کروں اس پر ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ بے شک۔ آپ کو اجازت ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ

میں اب کمال خوشی سے یہ بات قبول کر کے ہاں کہتا ہوں۔

پہلی عالمگیر جنگ

۲۸؍جون ۱۹۱۴ء کو آسٹریا کے ولی عہد کے قتل کے بعد آسٹریا اور سرویا میں جنگ چھڑ گئی جو رفتہ رفتہ عالمگیر جنگ میں تبدیل ہوگئی۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی فرماتے ہیں کہ اس جنگ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا تھا:

> ''صاحبزادہ صاحب اس وقت میرا لڑکا موعود ہوگا...... تم اس موعود کو پہچان لینا۔ یہ ایک بہت بڑا نشان پسر موعود کی شناخت کا ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۵۷)

منارۃ المسیح کی تکمیل

منارۃ المسیح کی تعمیر اخراجات کی وجہ سے رکی ہوئی تھی۔ ۲۷؍نومبر ۱۹۱۴ء کو حضرت مصلح موعود نے اپنے خطبہ جمعہ میں اس کے لئے تحریک کی اور جمعہ کے بعد حضور نے منارہ کی اس عمارت پر اپنے دستِ مبارک سے اینٹ رکھی جو نامکمل تھی۔ حضور کی توجہ اور مخلصین کی قربانیوں سے دسمبر ۱۹۱۶ء میں منارہ مکمل ہوگیا۔

کنانور (مالابار) کے قریب احمدیوں پر راجہ صاحب کے مظالم

۱۹۱۵ء کے وسط میں مالاباری احمدیوں پر بہت ظلم ڈھائے گئے یہاں تک کہ راجہ صاحب نے حکم دے دیا کہ احمدی کافر ہیں انکا مردہ بھی کسی قبر میں دفن نہیں ہوسکتا لیکن آخر خدائی تقدیر نے کام کیا اور ۱۷؍نومبر ۱۹۱۵ء کو راجہ صاحب انگریزی حکومت کے زیرِ عتاب آگئے اور احمدیوں کو ان کے مظالم سے نجات ملی۔

حضرت میاں عبدالحئی صاحب اور حضرت اماں جی صاحبہ نے خلافتِ ثانیہ کی بیعت کر لی تھی لیکن شریروں کی ہمیشہ کوشش رہی کہ ان کو بہکایا جائے۔ چنانچہ چند لوگ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد آپکے پاس آئے کہ اگر آپ خلیفہ بن جاتے تو ہم آپ کی اطاعت کرتے۔ حضرت میاں عبدالحئی صاحب نے کم عمری کے باوجود ان کو ایسا جواب دیا کہ وہ خاموش رہ گئے۔ انہوں نے فرمایا:

> ''یا تو آپ کو آپ کے نفس دھوکہ دے رہے ہیں یا آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں اگر میں خلیفہ بنتا تب بھی آپ میری اطاعت نہ کرتے...... اس پر ان میں سے ایک نے کہا آپ ہمیں حکم دیں پھر دیکھیں...... مولوی عبدالحئی صاحب نے کہا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جاؤ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت کرلو۔ یہ بات سن کر وہ لوگ...... کہنے لگے ایسا تو نہیں ہوسکتا۔''

۱۱رنومبر ۱۹۱۵ء میاں عبدالحئی صاحب کی وفات ہوگئی آپ اسوقت تقریباً ۱۸ سال کے تھے۔

حضرت مصلح موعود کی دوربین نگاہ ہر وقت جماعت کی بھلائی پر نظر رکھتی تھی اس لئے احمدی نوجوانوں کی تربیت کیلئے آپ نے لاہور میں احمدیہ ہوسٹل کا قیام فرمایا۔ اس کے پہلے سپرنٹنڈنٹ بابو عبدالمجید صاحب مقرر ہوئے۔

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹)

حضرت خلیفۃ المسیح کی زیر نگرانی پہلے پارہ کی تفسیر اردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں شائع ہوئی۔

دارالبیعت

لدھیانہ کا دارالبیعت جہاں حضرت مسیح موعودؑ نے پہلے بیعت لی تھی انجمن احمدیہ نے ۱۹۱۶ء میں اس کی مرمت کروائی اور اس کی بیرونی صورت میں کچھ تبدیلی کر کے دارالبیعت کا نام اور تاریخ ۲۳رمارچ ۱۸۸۹ء کا کتبہ لگوایا۔

تائی آئی

حضرت مسیح موعود کو ۱۹۰۰ء میں الہام ہوا تھا ''تائی آئی'' تائی صاحبہ کا نام حرمت بی بی تھا۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی بیوہ تھیں۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود اور خلیفہ اوّل کی بیعت نہیں کی تھی مارچ ۱۹۱۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

تیرے وعدے کے مطابق تیرے مامور کے پاس
چل کے دنیا کے کناروں سے خدائی آئی
جس کے آنیکی خبر عہد نبوت میں ملی
تائی والے کی خلافت میں وہ تائی آئی

حضرت مصلح موعود نے جماعت کے علم میں اضافہ کیلئے نومبر ۱۹۱۶ء میں ''سیرت مسیح موعودؑ'' کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی جس میں بہت اختصار سے حضور کی سیرت، دعویٰ و دلائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کے دور میں ۱۹۱۷ء میں زار روس کے متعلق پیشگوئی کہ ''زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار'' پوری ہوئی اور ۱۲رمارچ ۱۹۱۷ء کو بالشویک انقلاب نے زار کی مطلق العنان حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ (تاریخ احمدیت جلد ۹ صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸)

نور ہسپتال

حضرت میر ناصر نواب کی کوششوں سے یکم رمضان ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱رجون ۱۹۱۷ء کو نور ہسپتال کی بنیاد رکھی گئی۔ پہلے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب افسر نور ہسپتال تھے۔ پھر ۲رفروری ۱۹۱۹ء کو ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب جو ریاست پٹیالہ سے قادیان بلوائے گئے تھے میڈیکل ایڈوائزر مقرر ہوئے۔ آپکے زمانہ میں زنانہ وارڈ قائم ہوا اور اپریشن روم

کو بھی ترقی دی گئی۔

خواجہ حسن نظامی نے حضرت مصلح موعود کو کچھ عجیب وغریب دعوت مباہلہ دی۔ اس کا جواب حضور نے یہ دیا کہ مباہلہ کا مسنون طریق اختیار کیا جائے۔ اس پر مولوی ظفر علی خان صاحب نے اس پر لکھا:

> ”......خلیفہ قادیان جناب مرزا بشیر الدین محمود سلمہ کے عقائد سے کامل اختلاف رکھتے ہوئے بھی اس قدر کہنے پر صداقت ہم کو مجبور کرتی ہے کہ انہوں نے خواجہ صاحب کے مباہلہ کا جواب نہایت معقول دیا ہے۔“ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۹۹، ۲۰۱)

۷؍دسمبر ۱۹۱۷ء کو حضور نے اشاعت...... کیلئے زندگی وقف کرنیکی تحریک فرمائی اس پر تریسٹھ نوجوانوں نے اپنے نام فوراً پیش کئے۔

حضرت مصلح موعود کی تشویشناک علالت

آخر ۱۹۱۸ء میں حضور پر انفلوئنزا کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ حضور نے ۱۹؍اکتوبر ۱۹۱۸ء کو وصیت بھی لکھ دی جس میں اپنے بعد انتخاب خلیفہ کیلئے گیارہ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد فرمادی۔

حضور نے مندرجہ ذیل افراد کو کمیٹی کا ممبر نامزد فرمایا:

(۱) نواب محمد علی خان صاحب (۲) ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (۳) مولوی شیر علی صاحب (۴) مولوی سید سرور شاہ صاحب (۵) قاضی سید امیر حسین صاحب (۶) چوہدری فتح محمد صاحب سیال (۷) حافظ روشن علی صاحب (۸) سید حامد شاہ صاحب (۹) میاں چراغ دین صاحب (۱۰) ذوالفقار علی خان صاحب۔

نیچے جن اصحاب کے دستخط ہیں ان میں صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا نام بھی ہے۔

نظارتوں کا قیام

کافی غوروفکر اور مقامی اور بیرونی اہل الرائے احباب کے مشورہ سے حضور نے یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو ایک نظام جاری فرمایا جس کے مطابق ہر شخص خلیفہ وقت کی براہ راست نگرانی اور ہدایات کے تحت ایک مستقل صیغہ کا انچارج تھا اور یہ سب اشخاص مل کر ایک انتظامی انجمن بناتے تھے ان افسروں کا نام حضور نے ناظر رکھا۔ مختلف ناظروں پر ایک صدر ناظر مقرر کیا جس کو ناظر اعلیٰ کا نام دیا گیا۔ اس نظام نے کئی سال تک کام کیا آخر اکتوبر ۱۹۲۵ء میں صدر انجمن احمدیہ اور اس کے جدید نظام کو ایک دوسرے میں ملا دیا گیا اور باقاعدہ نظارتیں قائم کر دی گئیں جس کی تقسیم اس طرح ہوئی۔

نظارت علیاء: حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب (دعوت وتبلیغ) حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال (تعلیم وتربیت) حضرت مرزا شریف احمد صاحب (بیت المال) حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب (امور عامہ) حضرت خان

صاحب ذوالفقار علی خاں صاحب (امور خارجہ) حضرت مفتی محمد صادق صاحب (ضیافت) حضرت میر محمد اسحٰق صاحب (بہشتی مقبرہ) حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب۔

۲۶ر فروری ۱۹۱۹ء کو حضور نے مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور کے زیر اہتمام حبیبیہ ہال میں تقریر فرمائی جسکا عنوان تھا ''...... میں اختلافات کا آغاز'' اس میں حضور نے اسلامی تاریخ کو سامنے رکھ کر اس موضوع پر بھرپور روشنی ڈالی۔ تقریر ختم ہونے پر صدر مجلس جناب سید عبدالقادر صاحب ایم۔اے نے فرمایا:

> ''مجھے خیال تھا کہ اسلامی تاریخ کا بہت سا حصہ مجھے بھی معلوم ہے ......لیکن اب جناب مرزا صاحب کی تقریر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی طفلِ مکتب ہوں۔''

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۲۱۵، ۲۱۷ بحوالہ الفضل ۸رمارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۵)

اگلے سال یہ تقریر کتابی شکل میں شائع ہوئی تو اس کی ابتداء میں بھی جناب عبدالقادر صاحب نے لکھا:

> ''فاضل باپ کے فاضل بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا نام نامی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ یہ تقریر نہایت عالمانہ ہے ......میرا خیال ہے ایسا مدلل مضمون اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا ہوگا۔''

(تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۲۱۸ بحوالہ ..... میں اختلافات کا آغاز)

۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں کچھ شورشیں سر اٹھا رہی تھیں جن پر حکومت نے پریس پر کچھ پابندیاں لگانے کیلئے ایک ''رولٹ بل'' پاس کیا جس سے تمام ملک میں کشیدگی پھیل گئی اور ۶ر اپریل ۱۹۱۹ء کو ملک میں ہر جگہ ہڑتال کی گئی کہنے کو تو یہ سول نافرمانی کی پرامن تحریک تھی لیکن اس کے نتیجہ میں سارے ملک میں فسادات شروع ہو گئے۔ ۱۳ر اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک پبلک جلسہ ہوا۔ امرتسر کے فوجی افسر ''جنرل ڈائر'' نے لوگوں پر ایک دم گولی چلانے کا حکم دے دیا جس سے سینکڑوں آدمی قتل اور زخمی ہو گئے اس غیر دانشمندانہ اور ظالمانہ کارروائی سے پورا ملک آگ کی لپٹ میں آ گیا۔ حکومت نے اس خونی داستان کی تحقیق کیلئے ایک کمیٹی مقرر کر دی اور جنرل ڈائر کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔

حضور نے اس وقت جنرل ڈائر پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ

> ''......اس کے خلاف اگر ہندوستان کو غصہ پیدا ہو تو یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں اسی طرح جس طرح جلیانوالہ باغ کے واقعہ میں بھی جس سختی سے کام لیا گیا وہ نہایت ہی قابل افسوس ہے۔''

اس وقت حضور نے ہندوستانیوں کو بھی قانون شکنی سے منع فرمایا۔

۱۹۲۰ء میں امریکہ میں احمدیت کا مستقل مرکز بنایا گیا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو حضور نے انگلستان سے امریکہ جانیکا حکم دیا۔ آپ ۲۶ر جنوری کو انگلستان سے روانہ ہوئے اور ۱۵ر فروری ۱۹۲۰ء کو امریکہ کی بندرگاہ فلاڈلفیا پر

اترے۔لیکن وہاں آپکو شہر میں داخل ہونیکی اجازت نہ ملی۔(مبلغ ہونیکی وجہ سے) سمندر کے کنارے ایک مکان میں آپ کو نظر بند رکھا گیا۔مئی ۱۹۲۰ء میں آپ پر پابندی اٹھالی گئی اور آپ نے احمدیت اور......کی تبلیغ شروع کر دی۔ پھر یہاں مختلف مبلغ جاتے رہے۔

...... لندن

۷رجنوری ۱۹۲۰ء کوحضور نے......لندن کیلئے چندہ کی تحریک کی۔جس طرح جماعت نے اس پر لبیک کہا اس کے متعلق عبدالمجید قریشی صاحب ایڈیٹر اخبار تنظیم امرتسر لکھتے ہیں:

> ''تعمیر......کی تحریک۔امیر جماعت احمدیہ نے کی......اس سے زیادہ سمع واطاعت کا اسوہ حسنہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ ۱۰رجون تک ساڑھے اٹھہتر ہزار روپیہ نقد اس کارخیر کیلئے جمع ہوگیا تھا۔کیا یہ واقعہ نظم وضبط امت اور ایثاروفدائیت کی حیرت انگیز مثال نہیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۲۵۳)

......احمدیہ لندن کیلئے زمین ملنے پر ۹رستمبر کو ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں کافی لوگوں نے اشعار سنائے۔آخر میں حضور نے یہ قطعہ سنایا۔

مرکز شرک سے آوازہ توحید اٹھا
دیکھنا ،دیکھنا مرکز سے ہے خورشید اٹھا
نور کے سامنے ظلمت بھلا کیا ٹھہرے گی
جان لو جلد ہی اب ظلم صنادید اٹھا

اس زمانہ میں آپ نے لاہور، امرتسر، سیالکوٹ وغیرہ میں لیکچر دیئے جن کے عنوانات تھے۔واقعات خلافت علوی، اسلام میں اختلافات کا آغاز، مذہب اور اس کی ضرورت، دنیا کا آئندہ مذہب......ہوگا۔وغیرہ۔

امرتسر میں بندے ماترم ہال میں حضور کے لیکچر کے دوران مولوی سید عطا اللہ شاہ بخاری نے شورش کی کوشش کی بعض نے خطرہ بڑھتا دیکھ کر حضور سے لیکچر بند کرنیکی درخواست کی لیکن حضور نے بڑے جلال سے فرمایا کیا تم مجھے بزدل بناتے ہو اور لیکچر بند نہیں فرمایا۔آخر پولیس کو سید عطا اللہ شاہ بخاری اور ان کے ساتھیوں کو ہال سے باہر نکالنا پڑا وہ باہر کھڑے ہوکر فضول بولتے رہے اور یہاں تک کہا کہ آج میں مصروف جہاد ہوں......نماز نہیں پڑھوں گا بلکہ اس کو جو خلیفہ بنا ہوا ہے باہر نہیں نکلنے دونگا۔'' حضور اپنا لیکچر ختم فرما کر اسی مشتعل ہجوم میں سے ہوتے ہوئے خدا کے فضل سے اپنی قیام گاہ پہنچ گئے۔

ترک موالات

حضور نے ۱۹۲۰ء میں ''معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ'' ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں مسلمانوں کو تحریک عدم موالات اور ہجرت کے نقصان وغیرہ سے آگاہ کیا۔ یہ تحریک گاندھی جی کے کہنے پر شروع ہوئی تھی۔ حضور نے اپنے مضمون میں مسلمانوں کو غیرت دلاتے ہوئے لکھا کہ

> ''اگر یہ درست ہے کہ ترکِ موالات سے آئندہ ایک دو سال میں تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ گے تو...... کی دوبارہ زندگی یقیناً مسٹر گاندھی کے ہاتھوں ہوگی۔ نعوذ باللہ۔ لیکن افسوس...... نے اس پر کان نہ دھرا۔ آخر...... لیڈروں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔''

مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> ''میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم آزمائش میں فیل ہو گئے...... ہم میں نازک وقتوں میں حالات پر قابو پانے والے دماغ مفقود ہیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۶۳)

غانا اور مصر کے مشنوں کا اجراء

۱۹۲۱ء میں گولڈ کوسٹ (غانا) اور نائیجریا میں احمدیہ مشن کھولے گئے۔

۱۹۲۲ء میں حضور نے شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کو مصر بھیجا اور جاتے ہوئے ان کو لکھ کر دیا:

> ''آپ یاد رکھیں یہ سرزمین دنیا کی تباہی اور ترقی کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتی ہے ...... اپنے اخلاق کا نمونہ دکھانے کی کوشش کریں ان کے عیوب کے چننے کی کوشش نہ کریں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۸۷)

شہزادہ ویلز دسمبر ۱۹۲۱ء میں دورہ پر ہندوستان آئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ''تحفہ شہزادہ ویلز'' کے نام سے ایک کتاب لکھ کر شہزادہ ویلز کو تحفۃً بھجوائی۔ اسے آپ کی تجویز کے مطابق جماعت احمدیہ کے بتیس ہزار سے زائد افراد نے ایک ایک آنہ فی کس کے حساب سے جمع کر کے شائع کیا۔

حضرت مصلح موعود کا تیسرا نکاح

۷ رفروری ۱۹۲۱ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا نکاح حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی صاحبزادی حضرت سیدہ مریم بیگم صاحبہ سے ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت سیّد سرور شاہ صاحب نے پڑھا۔ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۲۷۷)

پہلے حضرت مریم بیگم صاحبہ کا نکاح حضرت مرزا مبارک احمد مرحوم سے ہوا تھا۔

مجلسِ شوریٰ اور اچھوت اقوام میں تبلیغ

وسط اپریل ۱۹۲۲ء کو مستقل مجلس شوریٰ کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ شوریٰ ۱۵، ۱۶/اپریل کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہال میں منعقد ہوئی۔ آپ نے اپریل ۱۹۲۲ء کے آغاز میں پنجاب کی اچھوت قوموں میں تبلیغ کا آغاز فرمایا جسکا بہت فائدہ ہوا۔ شروع میں یہ کام شیخ عبدالخالق صاحب ...... کے ذریعہ چھوٹے پیمانے پر قادیان سے شروع کیا گیا جو آہستہ آہستہ سارے ملک میں پھیل گیا۔

لجنہ اماء اللہ کا قیام

حضرت مصلح موعود نے اپنی حرم دوم حضرت سیدہ امۃ الحیٔ بیگم صاحب کی تحریک پر ۲۵/دسمبر ۱۹۲۲ کو لجنہ اماء اللہ کی بنیاد رکھی جس کی پہلی سیکرٹری سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ تھیں۔ جب اس تنظیم کا قیام عمل میں آیا تو لجنہ کی ممبرات نے حضرت اماں جان کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ صدارت قبول فرمائیں۔ غالباً پہلا اجلاس آپ کی صدارت میں ہی ہوا تھا لیکن آپ نے پہلے اجلاس میں ہی حضرت سیدہ اُمّ ناصر کو اپنی جگہ بٹھا کر صدارت کیلئے نامزد فرما دیا حضرت اُمّ ناصر اپنی وفات تک جو ۳۱/جولائی ۱۹۵۸ء میں ہوئی صدر لجنہ اماء اللہ رہیں۔ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۰۳)

شدھی تحریک

پنڈت دیانند سرسوتی کی کوششوں سے ہندوؤں کا ایک نیا فرقہ ظاہر ہوا۔ جس نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو ہندو بنانا شروع کیا۔ اس میں کم ایمان والے مسلمان بھی بہت تعداد میں ہندوازم کی طرف راغب ہو گئے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت مصلح موعود کی طرف سے شدھی تحریک کے خلاف اعلان جہاد ہوا۔ فروری ۱۹۲۳ء میں حضور نے صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کو معلومات حاصل کرنے "ملکانہ" کے علاقہ میں بھیجا اور ان کی رپورٹ ملنے پر ایک زبردست سکیم تیار کی اور ۷/اپریل ۱۹۲۳ء کو اعلان فرمایا کہ جماعت احمدیہ فتنہ ارتداد کے خلاف جہاد کا علم بلند کرنے کیلئے ہر قربانی کیلئے تیار ہو جائے۔ (یاد رہے جہاد زندگی وقف کر کے ان علاقوں میں کام کرنے کا جہاد تھا تلوار کا نہیں تھا)

(تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۳۰)

۲/فروری ۱۹۲۳ء کو تحریک فرمائی کہ جرمنی میں بیت برلن عورتوں کے چندہ سے تعمیر ہو اس میں احمدی خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

حضرت اماں جان (اللہ آپ سے راضی ہو) کو ایک جائیداد میں سے پانچ سو کا حصہ ملا تھا وہ آپ نے سب ...... کے چندہ میں دیدیا۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ایک ہزار روپیہ دیا۔ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ، حضرت بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت سیدہ اُمّ داؤد صاحبہ اور بیگم صاحبہ خان بہادر حضرت صاحبزادہ

مرزا سلطان احمد صاحب نے بھی بھر پور حصہ لیا۔ اس کے علاوہ حضرت خلیفہ ثانی کے اہل بیت خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی دیگر خواتین نے بھی مقدور بھر حصہ لیا۔ افسوس جرمنی کے حالات کی وجہ سے یہ بیت نہ بن سکی لیکن اسی چندہ سے پھر بیت فضل لندن تعمیر ہوئی جو یورپ میں جماعت احمدیہ کی سب سے پہلی...... ہے۔

ویمبلے کانفرنس

۱۹۲۴ء میں انگلستان میں ویمبلے نمائش کے ساتھ ویمبلے کانفرنس منعقد کرنیکی بھی تجویز ہوئی۔ لندن کے سکول آف اورینٹل سٹڈیز کے زیر انتظام یہ کانفرنس ہوئی۔ کانفرنس کا مقام امپیریل انسٹی ٹیوٹ مقرر ہوا۔ اس میں ہندومت، ......، بدھ ازم، پارسی مذہب، جینی مذہب، سکھ ازم، تصوف، برہمو سماج، آریہ سماج، کنفیوشس ازم وغیرہ کے مقررین کا انتخاب کیا گیا۔ مولوی عبد الرحیم صاحب نیرؔ کو جب اس کا علم ہوا تو ان کو خیال آیا کہ...... سے متعلق جماعت احمدیہ کا موقف پیش ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس پر کمیٹی کے تمام ممبروں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو اس کے لئے دعوت دی جائے۔ اس دعوت کے ملنے پر حضرت مصلح موعود نے ۱۶رمئی ۱۹۲۴ء کو ایک مجلس شوریٰ بلوائی۔ اس موقعہ پر حضور نے ممبران شوریٰ سے مشورہ لیا کہ کانفرنس پر کسے لندن بھیجا جائے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد نے عرض کیا کہ یہ تبلیغ...... کا خاص موقعہ ہے اس لئے حضور کو خود لندن جانا چاہیے اس کے بعد حضور نے جماعت کے نام ایک خط لکھ کر اس میں تمام حالات سامنے رکھ کر احباب جماعت سے رائے طلب کی نیز فرمایا:

> ''اگر آپ مجھے جانے کا مشورہ دیں تو جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ میں دین حق کی ترقی کی خاطر روپیہ قرض لے کر بھی جانے کی کوشش کروں گا اور اپنی ذات کا بوجھ سلسلہ پر نہیں ڈالوں گا۔''

اس پر نوے فیصد جماعتوں نے یہی مشورہ دیا کہ حضور خود تشریف لے جائیں اس دوران حضرت مسیح موعودؑ کا ایک رؤیا بھی آپ کے سامنے آیا کہ

> ''میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک ممبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے دین حق کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں......'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۲۷)

خود حضور نے بھی ایک عرصہ قبل ایک رؤیا میں دیکھا تھا کہ آپ لندن میں ہیں اور ایک جلسہ میں آپ شامل ہیں مسٹر لائڈ جارج سابق برطانوی وزیر اعظم اس میں تقریر کر رہے ہیں یکدم انہوں نے دہشت زدہ ہو کر کہا کہ مجھے ابھی خبر آئی ہے کہ

> ''مرزا محمود امام جماعت احمدیہ کی فوجیں عیسائی لشکر کو دباتی چلی آتی ہیں اور مسیحی لشکر شکست

کھا رہا ہے۔‘‘

دوسری رؤیا آپ نے کانفرنس کی تحریک سے دو تین مہینے پہلے دیکھی جس میں آپ نے خود کو انگلستان کے ساحل پر ایک جرنیل کی شکل میں دیکھا...... اور ایک آواز آئی ولیم دی کنکرر۔ یعنی ولیم فاتح

چنانچہ ان سب باتوں پر غور کر کے دعاؤں، استخاروں کے بعد حضور نے ویمبلے کانفرنس کو ایک الٰہی تحریک خیال کرتے ہوئے خود لندن جانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اس کے لئے ایک مضمون احمدیت یعنی حقیقی ...... لکھا۔ حضور نے یہ محسوس کر کے کہ کانفرنس میں پڑھنے کیلئے یہ مضمون بہت لمبا ہے اس کے مطالب کا خلاصہ کر کے ایک مختصر مضمون لکھا۔ یہ نیا مضمون ’’سلسلہ احمدیہ‘‘ تھا جس کا انگریزی ترجمہ احمدیہ موومنٹ کے نام سے ہوا۔ پھر اسی کا خلاصہ کانفرنس میں پڑھا گیا۔

۱۲ر جولائی ۱۹۲۴ء کو حضور کی روانگی کا دن تھا۔ حضرت اماں جان سے رخصت ہو کر حضور نے باہر جمع احباب سے مصافحہ کیا۔ پھر حضور کا قافلہ اللہ اکبر کے نعروں میں روانہ ہوا۔ حضور کے ساتھ مندرجہ ذیل اصحاب تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد، حضرت خان ذوالفقار علی خاں صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب، حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، شیخ عبدالرحمٰن مصری، چوہدری علی محمد صاحب میاں رحم دین صاحب۔ قادیان سے حضور بٹالہ پہنچے۔ یہاں سے بذریعہ ٹرین دہلی کیلئے روانہ ہوئے۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۲۴ء کو حضور بمبئی کی بندرگاہ پر پہنچے۔ جہاز (اس جہاز کا نام اریقہ تھا اور اٹالین کمپنی کا جہاز تھا) کے عرشہ سے حضور نے احباب جماعت کے نام ایک محبت بھرا پیغام بھیجا جس میں آپ نے فرمایا:

’’تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے کس قدر محبت تم سے ہے...... لیکن یہ جدائی صرف جسمانی ہے میری روح ہمیشہ تمہارے ساتھ تھی اور رہے گی میں زندگی میں یا موت میں تمہارا ہی ہوں۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۳۵ بحوالہ الفضل ۱۸ر جولائی ۱۹۲۴ء)

جہاز میں سمندری سفر کی وجہ سے حضور کی اور آپ کے ساتھیوں کی طبیعت بھی خراب ہوئی سر درد، بخار اور متلی کی شکایت رہی۔ لیکن پھر بھی حضور نماز باجماعت ادا فرماتے رہے۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی روایت ہے کہ اس روز حضور نے جب نماز عصر جملہ احباب سمیت جہاز...... کے صحن میں ادا کی...... تو جہاز کے ڈاکٹر نے جس کا نام منگلی تھا ...... حضور کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا Jesus Christ and Twelve Disciples یعنی یسوع مسیح اور بارہ حواری۔ آٹھویں دن جہاز لندن کے قریب پہنچا تو حضور نے آدھی رات کے وقت اپنے ہاتھ سے جماعت کے نام ایک خط لکھا جس کے آخر میں نصیحت فرمائی:

”اپنے آپ کو صاف رکھو تا قدوس خدا تمہارے ذریعے اپنے قدس کو ظاہر کرے......
اتحاد، محبت، ایثار، قربانی، اطاعت، ہمدردی بنی نوع انسان، عفو، شکر، احسان اور تقویٰ کے ذریعہ
سے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کا ہتھیار بننے کے قابل بناؤ۔“

عدن سے پورٹ سعید کی طرف جاتے ہوئے ۲۴ر جولائی ۱۹۲۴ء کو آپ نے شام و مصر میں تبلیغ کے سلسلہ میں کئی گھنٹہ دوستوں سے مشورہ کیا۔

۱۳ر اگست ۱۹۲۴ء کو آپ کا جہاز پورٹ سعید سے برنڈزی کیلئے روانہ ہوا۔ یہاں سے روما اور پیرس سے ہوتے ہوئے ۲۲ر اگست ۱۹۲۴ء کو لنڈن کے وکٹوریہ سٹیشن پہنچے۔ حضور نے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی دعا کروائی۔ حضور نے لندن پہنچ کر اپنے رفقاء کو مختلف فرائض سپرد کر کے ایک کمیٹی بنادی جسکے صدر چوہدری فتح محمد صاحب سیال تھے۔ ۲۳ر ستمبر ۱۹۲۴ء کو حضور ویمبلے کانفرنس میں حضور کا مضمون پڑھا گیا۔ جو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے پڑھ کر سنایا۔

اس مضمون کی اہل علم نے بہت تعریف کی۔ پریس نے بھی اس کے متعلق بہت اچھی طرح خبریں لگائیں۔
۲ر اکتوبر کو حضور ولیم دی کنکرر والی خواب کو پورا کرنے کیلئے اس جگہ پہنچے جہاں ”ولیم دی کنکرر“ اترا تھا۔
۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضور نے چار بجے شام بیت فضل لندن (۶۳ میلروز روڈ لندن) کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور فرمایا:

”......میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ رواداری کی روح جو اس ...... کے ذریعہ پیدا کی جاوے
گی۔ دنیا سے فتنہ وفساد دور کرنے اور امن وامان کے قیام میں بہت مدد دے گی......“

...... الفضل کا سنگ بنیاد

میں مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ جسکا مرکز قادیان پنجاب ہندوستان ہے خدا کی رضا کے حصول کیلئے اور اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر انگلستان میں بلند ہو اور انگلستان کے لوگ بھی اس برکت سے حصہ پاویں جو ہمیں ملی ہے آج ۲۰ر ربیع الاوّل ۱۳۴۳ھ کو اس ...... کی بنیاد رکھتا ہوں...... اس کے بعد حضور نے دعا فرمائی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۵۷)

۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضور لندن سے روانہ ہوئے اور ۱۸ر نومبر کو بمبئی کے ساحل پر اترے۔ یہاں سے بذریعہ ریل گاڑی بٹالہ کیلئے روانہ ہوئے اور ۲۴ر نومبر ۱۹۲۴ء کو بذریعہ موٹر قادیان پہنچے۔ حضور کے استقبال کیلئے سارا قادیان اُمڈ آیا تھا حضور کی موٹر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی جس پر سبز جھنڈا لہرا رہا تھا جو چوہدری علی محمد صاحب پکڑے ہوئے تھے سب سے پہلے حضور باغ میں پہنچے اس وقت پھولوں کے بہت سے ہار حضور کے گلے میں تھے۔ آپ نے فرمایا اگر یہ جائز

ہوتا تو میں سارے پھول حضرت مسیح موعودؑ کے مزار مبارک پر چڑھا دیتا کیونکہ یہ فتوحات کا نشان آپ ہی کے طفیل اور آپ ہی کے ذریعہ حاصل ہوا۔ بہشتی مقبرہ کے پاس پہنچ کر آپ نے مٹی کے لوٹے سے پانی پیا پھر وضو کیا اور مزار مسیح موعودؑ پر اکیلے تشریف لے گئے بعد میں باقی رفقائے سفر کو بھی بلایا اور مل کر دعا کی ۔ بعد میں حضور نے حضرت ناناجان کی نماز جنازہ پڑھی جو آپکے اس سفر کے دوران انتقال فرما گئے تھے ۔ احمدیہ چوک میں پہنچ کر آپ نے سارے مجمع سمیت واپسی کی دعا پڑھی ۔ یہ بھی ایک رقت پیدا کرنیوالا نظارہ تھا۔ اس کے بعد حضور نے بیت مبارک میں اپنے ساتھیوں سمیت دو رکعت نفل ادا کی اور اپنے گھر دارالمسیح تشریف لے گئے حضور کے لندن قیام کے دوران ہی کابل میں حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو ۳۱ راگست ۱۹۲۴ء کو شہید کر دیا گیا تھا۔ حضور نے ۴ رستمبر ۱۹۲۴ء کو جماعت احمدیہ کو پیغام دیا کہ

> ’’......آؤ ہم اس لمحہ سے یہ مصمم ارادہ کر لیں کہ ہم اس وقت تک آرام نہیں کریں گے جب تک ہم ان شہیدوں کی زمین کو فتح نہیں کر لیں گے ۔ (یعنی احمدیت نہیں پھیلائیں گے) صاجزادہ عبداللطیف صاحب، نعمت اللہ خان صاحب اور عبدالرحمٰن صاحب کی روحیں آسمان سے ہمیں ہمارے فرائض یاد دلا رہی ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ احمدیہ جماعت ان کو نہیں بھولے گی ۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۸۵ بحوالہ الفضل ۱۱ رستمبر ۱۹۲۴ء)

اشاعت احمدیت کے لئے خاص تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۳ رفروری ۱۹۲۵ء کو تحریک فرمائی ہر ایک احمدی عہد کرے کہ اشاعت احمدیت میں ہمہ تن لگ جائے گا۔ حضور نے فرمایا:

> ’’میرے نزدیک موجودہ ترقی کی رفتار بہت کم ہے جب تک ایک لاکھ سالانہ سلسلہ میں لوگ داخل نہ ہوں ہماری ترقی خطرہ میں ہے۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۱۶ بحوالہ الفضل ۲۱ رفروری ۱۹۲۵ء)

مدرسۃ الخواتین

سفر یورپ کے دوران حضور نے احمدی خواتین کی علمی ترقی کیلئے سکیم بنائی تھی چنانچہ ۱۷ ر مارچ ۱۹۲۵ء کو حضور نے اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے ’’مدرسۃ الخواتین‘‘ کی بناء رکھی ۔ چونکہ اسوقت اتنی معلمات میسر نہ تھیں اس لئے حضور خود بھی پڑھاتے تھے ۔ آپ فرماتے ہیں:

> ’’ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے جسمیں چند تعلیم یافتہ عورتوں کو داخل کیا گیا ہے اس میں میری تینوں بیویاں اور لڑکی بھی شامل ہیں ۔ چونکہ ہمیں اعلیٰ تعلیم دینے کے لئے معلم عورتیں نہیں ملتیں اس

لئے چکیں ڈال کر عورتوں کو مرد پڑھاتے ہیں۔ آجکل میں ان عورتوں کو عربی پڑھاتا ہوں......''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۱۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا چوتھا نکاح

حضرت سیدہ امۃ الحئی صاحبہ کی وفات ۱۰ دسمبر ۱۹۲۴ء کو ہوئی۔ ان کے متعلق حضور فرماتے ہیں:

''عورتوں پر خصوصیت سے میری بیوی کا احسان ہے......حق تو یہ ہے کہ عورتوں میں خطبے، لیکچر، سوسائٹیاں اور ہر ایک خیال جو عورتوں کے متعلق ہو سکتا ہے اس کی محرک وہی ہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۸۹، ۴۹۰)

اس وفات سے ایک خلا پیدا ہو گیا تھا جماعتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ تیسرے نکاح پر آمادہ ہوئے اور مولوی عبدالماجد صاحب بھاگلپوری سے ان کی صاحبزادی کا رشتہ مانگا۔ اس سے پہلے آپ نے تقریباً تین سو دفعہ استخارہ کیا آخر جب معاملہ طے پا گیا تو ۱۲، ۱۳ اپریل ۱۹۲۵ء کو...... اقصیٰ میں حضور کا نکاح ہوا خطبہ حضور نے خود پڑھا اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔

اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مزار حضرت مسیح موعود کے اردگرد پختہ چاردیواری تعمیر کرائی گئی اگست ۱۹۲۵ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کا صیغہ امانت قائم ہوا۔

۲۹ جنوری ۱۹۲۶ء کو (حضرت مفتی محمد صادق صاحب) کے زیر انتظام پہلی بار ایک جلسہ ہوا جس میں دنیا کی ۲۴ زبانوں میں تقریریں ہوئیں...... ان تقاریر کے بعد حضرت خلیفہ ثانی نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ حضرت مسیح ناصری کے متعلق آتا ہے کہ ان کے حواریوں کے متعلق پیشگوئی تھی کہ وہ غیر زبانوں میں تقریریں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے یہودیوں کے مختلف قبیلوں کی زبان میں ان کو تبلیغ کی مگر حضرت مسیح موعودؑ پہلے مسیح سے افضل ہیں کہ ان کی جماعت میں غیر زبانیں بولنے والے پیدا ہوں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا پانچواں نکاح

یکم فروری ۱۹۲۶ء کو حضور کا نکاح حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب آف جدّہ کی صاحبزادی حضرت عزیزہ بیگم صاحبہ سے ہوا۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب نے نکاح کا اعلان کیا۔ اور خطبہ نکاح میں آپ نے فرمایا کہ

''جس لڑکی کے ساتھ اب نکاح ہونے لگا ہے اس کے متعلق حضرت صاحب اپنا ارادہ ختم کر چکے تھے چنانچہ اس کے رشتے کے متعلق آپ نے کسی دوسری جگہ اجازت بھی دے دی تھی لڑکی اور لڑکے کے والدین تیار بھی تھے کہ اچانک ایک ہی رات میں خدا نے یہ سب کچھ بدل دیا اور لڑکے

کے باپ نے انکار کر دیا۔ دوسری طرف حضرت صاحب حضرت اماں جان اور دوسرے احباب پر خدا تعالیٰ نے اپنے منشاء اور قضاء وقدر کو بار بار ظاہر فرمایا علاوہ اس کے خدا کا فعل بھی اس کا موید تھا...... جس طرح سید عبد القادر جیلانی سے کہا تھا کھا تو اس نے کھایا اور کہا پہن تو اس نے پہنا اسی طرح اس نے یہاں بھی کیا اور کہا کرو۔ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۵۴ بحوالہ الفضل ۵ رفروری ۱۹۲۶ء)

یکم مئی ۱۹۲۶ء کو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے ''دار الشیوخ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں جماعت کے غریب اور معذور بچے اور بوڑھے رہتے تھے حضور کے سفر لندن کے دوران ۱۹۲۴ء میں بیت فضل کی بنیاد رکھی گئی تھی اس کی تکمیل ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ سر عبد القادر نے ۳ر اکتوبر ۱۹۲۶ء کو اس کا افتتاح کیا۔ برطانیہ کے ایک اخبار ''ڈیلی کرانیکل'' نے لکھا:

''مشرق ومغرب کا ایسا عجیب اور دلفریب ملاپ شاذ و نادر کبھی ہوا ہو جیسا کہ دیکھنے میں آیا جبکہ لندن کی لمبی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کی اذان ساؤتھ فیلڈ کے چمکدار میناروں سے سنائی دی...... عربیہ شہزادہ کی غیر حاضری میں لندن کی پہلی...... کا افتتاح شیخ عبد القادر صاحب سابق وزیر پنجاب اور حال نمائندہ لیگ آف نیشنز نے کیا......''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۶۳ بحوالہ تاریخ ...... فضل لندن صفحہ ۱۰۰)

''نارون ایکو'' نے ۴ر اکتوبر کی اشاعت میں لکھا:

''آنریبل شیخ نے اپنے ایڈریس میں کہا...... میں احمدیہ فرقہ کا ممبر نہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اسلام کے بعض بڑے اور پرانے فرقے اس فرقہ کو پسند نہیں کرتے...... اس...... کے کام کو فرقہ وارانہ نظر سے نہیں جانچنا چاہئے۔...... کو مغربی قوموں کے سامنے اصلی معنوں میں پیش کرنے کے کام کے سامنے فرقہ بندی ہیچ ہے اسی رائے کو لے کر میں اس مجمع میں شامل ہوا ہوں۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۶۴)

انجمن انصار اللہ کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نومبر ۱۹۲۶ء میں احمدی بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کیلئے ''انصار اللہ'' کے نام سے ایک نئی انجمن بنائی۔ اس انجمن میں زیادہ تر طالب علم شامل تھے جنکا تعلق مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے طلباء سے تھا۔ ان سکولوں کے استاد بھی اس میں شامل تھے۔ حضور کے ارشاد پر دونوں سکولوں کے طلباء نے اپنے اپنے نمائندوں کا انتخاب کیا۔ مدرسہ احمدیہ کے بچوں نے پہلے سال کیلئے صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کے طلباء نے صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ انجمن کے ممبروں کو حضور وقتاً فوقتاً نصائح فرماتے تھے

جن میں خاص طور پر تہجد، خوش اخلاقی، استقلال، یکسوئی اور السلام علیکم کی ترویج پر آپ نے زور دیا۔ اس انجمن نے بہت تھوڑے عرصہ میں اپنے ممبروں میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی اور ان میں اکثر تہجد پڑھنے لگے۔

سن رائز کا اجراء

حضور نے غیروں میں دین حق اور احمدیت کی اشاعت کیلئے ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار جاری فرمانے کا ارادہ کیا جس کا نام حضور نے سن رائز رکھا۔ یہ اخبار مولوی محمد الدین صاحب بی۔ اے کی زیر صدارت دسمبر ۱۹۲۶ء میں جاری ہوا۔

رسالہ مصباح

احمدی خواتین کیلئے ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو اخبار مصباح جاری ہوا جس کے پہلے ایڈیٹر حضرت قاضی ظہور الدین صاحب اکمل مقرر ہوئے۔

کتاب رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان کا فتنہ

ان دونوں مصنفین نے آنحضرتؐ پر انتہائی بیہودہ اور لغویات سے پر تحریروں سے آنحضرتؐ کی مقدس ذات پر حملے کر کے اپنی گندہ زبانی اور گندہ ذہنی کو ظاہر کیا۔ اشتعال انگیزی دیکھتے ہی حضرت مصلح موعود نے ایک پوسٹر شائع فرمایا جس کا عنوان تھا ''رسول کریمؐ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے کیا اب بھی بیدار نہ ہوں گے'' اس میں آپ نے مسلمانوں کو مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''.....اسلام کی ترقی کیلئے اپنے دل میں تین باتوں کا عہد کر لو اوّل یہ کہ آپ خشیت اللہ سے کام لیں گے اور دین کو بے پرواہی کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ تبلیغ اسلام سے پوری دلچسپی لیں گے اور اس کام کے لئے اپنی جان اور اپنے مال کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور تیسرے یہ کہ آپ مسلمانوں کو تمدنی اور اقتصادی غلامی سے بچانے کیلئے پوری کوشش کریں گے ...... اور جب آپ یہ عہد کر لیں تو پھر ساتھ ہی اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہی وہ سچا اور حقیقی بدلہ ہے ان گالیوں کا جو اس وقت بعض ہندو مصنفین کی طرف سے رسول کریمؐ فداہ نفسی وابی کو دی جاتی ہیں اور یہی وہ سچا اور حقیقی علاج ہے جس سے بغیر فساد اور بدامنی پیدا کرنے کے مسلمان خود طاقت پکڑ سکتے ہیں......''
>
> (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۵۹۷، ۵۹۸ بحوالہ اخبار الفضل ۱۰ر جون ۱۹۲۷ء)

اس پوسٹر نے جو پورے ہندوستان میں ایک ہی تاریخ کو راتوں رات چسپاں کر دیا گیا تھا پورے ملک میں ہیجان

پیدا کر دیا۔ جس کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی جا سکتی۔

۱۹۲۷ء میں حضور کی تجویز پر جو وائسرائے کو پیش کی گئی تھی ہندو مسلم اتحاد کانفرنس کا انعقاد شملہ میں ہوا۔ چنانچہ ۳۰ر اگست ۱۹۲۷ء کو اس کا پہلا مشترک اجلاس ہوا اس میں قائد اعظم بھی شامل تھے۔ یہاں حضور نے اپنی تقریر میں اتحاد کے صحیح طریق پر روشنی ڈالی۔

۱۹۲۷ء کے جلسہ سالانہ پر دشمنان...... اور دشمنانِ احمدیت کی طرف سے آپ پر قاتلانہ حملہ کی خبریں مل رہی تھیں اس لئے ان دنوں آپکے پہرے کا خاص انتظام کیا گیا۔

مشاورت ۱۹۲۸ء کے موقعہ پر حضور نے تعلیم نسواں کیلئے خاص تحریک فرمائی اور فرمایا:

''......عورتوں کی تعلیم کا جس قدر جلد سے جلد انتظام کیا جائیگا اتنا ہی مفید ہوگا۔''

جامعہ احمدیہ

حضور نے جماعت احمدیہ عالمگیر کی تبلیغی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۵ر اپریل ۱۹۲۸ء کو جامعہ احمدیہ کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کرنیکا فیصلہ کیا۔ اس کے پہلے پرنسپل حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ مقرر ہوئے۔ ۲۰ر مئی ۱۹۲۸ء کو اس کا افتتاح ہوا۔

ہندوؤں کی طرف سے آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کے واقعات کے بعد آپ نے آنحضرتؐ کی سیرت کی مجالس منعقد کروانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلا جلسہ ۱۹۲۸ء میں منعقد ہوا۔ حضور کے سامنے چونکہ ''میلاد النبی'' کے معروف رسمی اور بے اثر مخصوص مجالس سے ہٹ کر سیرت النبیؐ کے خالص علمی اور ہمہ گیر جلسوں کا تصور تھا اس لئے آپ نے ان کے انعقاد کیلئے ۱۲ر ربیع الاوّل کے دن کے بجائے دوسرے دنوں کو ترجیح دی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ۲۰ر جون ۱۹۲۸ء یکم محرم کو یوم سیرت منانے کا فیصلہ کیا لیکن شیعہ فرقہ کی شمولیت کے پیش نظر ۱۷ر جون کو اس جلسہ کا انعقاد کیا گیا اور ہندوستان کے طول و عرض میں ۱۷ر جون کو انتہائی شان سے یوم سیرت النبیؐ منایا گیا۔

قادیان کا جلسہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا اس میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں اور غیر مسلموں نے بھی شرکت کی۔ جلسہ گاہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سامنے کھلے میدان میں بنائی گئی۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں عورتوں کے جلسہ کا علیحدہ انتظام تھا جس کی صدارت حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے کی۔

اس میں حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریر ''دنیا کا محسن'' کے عنوان سے تھی۔ اس موقعہ پر نعتیہ مشاعرے کا اہتمام بھی کیا گیا۔

۱۷ر جولائی ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں ''پیغام صلح'' نے حضور کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

''ان کا اختیار ہے وہ جو چاہیں کریں صلح کریں یا جنگ کریں ہم دونوں حالتوں میں ان کے

عقائد کے خلاف جو...... میں خطرناک تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں ہر حال میں جنگ کریں گے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۵٦)

اس کے جواب میں حضور نے الفضل ۲۷ رجولائی ۱۹۲۸ءکوایک مضمون شائع فرمایا جسمیں آپ نے جماعت کو مخاطب کر کے تحریر کیا:

''حضرت خلیفہ اوّل نے ایک دفعہ تحریر فرمایا تھا کہ پیغام صلح نہیں وہ پیغام جنگ ہے۔آج کھلےلفظوں میں پیغامِ صلح نے ہمیں پیغام جنگ دیا ہے۔''

حضورفرماتے ہیں یہ صرف اس لئے کیا گیا کہ کیوں ہم نے حضرت رسول کریمؐ کی شان کو بلند کرنے اور آپ کے خلاف گالیوں کا سدِ باب کرنے کیلئے سارے ہندوستان میں اور بیرون ہندوستان سینکڑوں جلسے منعقد کروائے میں اس چیلنج کو خوشی سے منظور کرتا ہوں اور جماعت بھی اس اعلان جنگ کو اپنے دماغوں میں لکھ لے اور اس جنگ کے دفاع کیلئے تیار ہو جائیں۔

۸/اگست ۱۹۲۸ء تا ۸/ستمبر حضور نے ایک خاص درس کا اہتمام فرمایا جس میں سورۃ یونس سے لے کر سورۃ کہف تک پانچ پاروں کا درس تھا۔ یہ درس خاص اہمیت کا حامل تھا اس لئے اس میں بیرون از قادیان احباب بھی شامل ہوئے ان میں دوسرے مسلمان اور غیر مسلم بھی شریک تھے۔ان احباب کی اکثریت وکلا، طلباء، حکومت کے معزز عہدہ دار اور روٴساء پر مشتمل تھی۔٦/ستمبر کو حضور نے درس میں شامل ہونے والے احباب کو دارالمسیح میں دعوت طعام دی۔

۱۹/دسمبر ۱۹۲۸ء کو امرتسر قادیان ریلوے کا افتتاح ہوا اس موقعہ پر بہت سے مرد،عورتیں اور بچے امرتسر آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی تین بجے بعد دوپہر امرتسر تشریف لائے۔یہاں رش بہت ہوگیا تھا کیونکہ بعض دوسرے علاقوں کے احمدی بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔اس لئے ریلوے انتظامیہ کو مزید ڈبے لگانے پڑے۔گاڑی کے پاس ہی اذان کہی گئی اور حضور نے ظہر وعصر کی نمازیں ایک بڑے مجمع کو باجماعت پڑھائیں۔ریل میں سوار ہوکر حضور گاڑی کے دروازہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ریل کا قادیان آنا مبارک کرے۔

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا قبول احمدیت

اکتوبر ۱۹۲۸ء کے پہلے ہفتہ میں حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے قبول احمدیت کا اعلان کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاتھ پر ۲۵/دسمبر ۱۹۳۰ء کو بیعت کر کے احمدیت میں داخل ہو گئے۔اس طرح وہ الہام پورا ہوا جو مصلح موعود کے متعلق تھا کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔

(حضرت مرزا سلطان احمد کا ٹریکٹ صفحہ ۲۸۸ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۹۴ واقعہ بیعت صفحہ ۲۳۷)

فروری ۱۹۳۰ء میں امۃ الحیٔ لائبریری قائم ہوئی۔ گول کمرہ میں باقاعدہ افتتاح ہوا۔

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۲۴۰)

۱۹۳۱ء میں تحریک آزادیٔ کشمیر کا آغاز ہوا اور حضرت امام جماعت احمدیہ کی صدارت میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی جیسے فعال اور ملک گیر ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی تفصیل پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مصلح موعود سے متعلق یہ پیشگوئی کہ وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا کس شان سے پوری ہوئی۔

خلافت ثانیہ کے ابتداء میں احمدیت کو جو ترقیات نصیب ہوئیں وہ ۳۲-۱۹۳۱ء میں بہت نمایاں ہوکر سامنے آئیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بے مثال رہنمائی میں اپنوں اور غیروں کی مخالفت اور فتنوں کے باوجود جماعت ترقی کرتی چلی گئی مراد آباد کے مشہور مصنف جناب اشفاق حسین صاحب مختار (سابق میونسپل کمشنر مراد آباد) اپنے کتابچہ ''خون کے آنسو'' میں لکھتے ہیں:

''ہم سات کروڑ تو ہیں لیکن ہم سات کروڑ آدمیوں کی بھیڑ ہیں۔ ہم اپنے آپ کو جماعت نہیں کہہ سکتے البتہ احمدی صاحبان اپنے آپ کو جماعت کہہ سکتے ہیں.....'' (تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۲)

جماعت کی ترقی کے ساتھ ہی اس کی مخالفت بھی زور پکڑ گئی۔ ۱۹۳۲ء میں تحریک کشمیر کے دوران سر سکندر حیات کے گھر پر ایک میٹنگ ہوئی جس میں حضور بھی شامل تھے اس میں چوہدری فضل حق صاحب مفکر احرار جوش میں آکر کہنے لگے ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ احمدی جماعت کو کچل کر رکھ دیں''

حضور فرماتے ہیں کہ

''میں نے اس پر مسکرا کر کہا اگر جماعت احمدیہ کسی انسان کے ہاتھ سے کچلی جاسکتی تو کبھی کی کچلی جا چکی ہوتی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۸ بحوالہ الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء)

اس واقعہ کا ذکر حضور نے سب سے پہلے ۲۹ جولائی ۱۹۳۲ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا کہ

''میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ بندوں کی تحریک ہے تو ضرور کچلی جائیگی اور اگر خدا کی تحریک ہے تو ہمیں کیا ڈر وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔''

۱۹۳۲ء کے آغاز میں حضور نے جماعت کو پورے جوش سے تبلیغ کرنے کی تحریک فرمائی اور پہلا یوم التبلیغ ۸ اکتوبر ۱۹۳۲ کو پورے جوش وخروش سے ملک بھر میں منایا گیا۔ اس تحریک کے ساتھ ہی حضور نے جماعت سے اس خواہش کا اظہار کیا وہ آپس کے بغض وعناد مٹا کر باہم ایک ہوجائیں اور جو شخص اپنے بھائی سے کسی وجہ سے نہیں بولتا وہ فوراً اپنے بھائی کے پاس جائے اور اس سے صلح کرلے اور آئندہ کیلئے کوشش کرے کہ کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ اس کا اثر جماعت پر بہت اچھے انداز میں ہوا۔

قادیان میں مکانات بنانے کی تحریک

جماعت کی ترقی کے ساتھ مشکلات بھی بڑھ رہی تھیں۔ حضور نے محسوس کیا کہ لوگوں کو قادیان میں مکان بنانے چاہئیں۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء کے جلسہ سالانہ پر حضور نے جماعت کو تحریک فرمائی کہ قادیان میں مکان بنائیں۔ اس تحریک پر بہت سے مخلصین نے لبیک کہا اور قادیان کی پرانی آبادی کے مشرق کی طرف ایک نیا محلّہ ''دارالانوار'' کے نام سے آباد کیا گیا جس کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۴؍اپریل ۱۹۳۲ء کو رکھی اور ۲۵؍اپریل کو اپنی کوٹھی ''دارالحمد'' کی بنیادی اینٹ رکھی۔ یہ عمارت دسمبر ۱۹۳۲ء کو مکمل ہوئی اور ۲۹؍جنوری ۱۹۳۳ء کو حضور نے اس کوٹھی میں ایک دعوت کا اہتمام فرمایا جس میں تقریباً آٹھ سو مرد وزن شریک ہوئے۔

حضور نے ۲۷؍دسمبر ۱۹۳۲ء کے جلسہ سالانہ پر فرمایا تھا:

> ''میں نے قرض لے کر مکان بنوایا ہے کیونکہ اب ہمارے گھر میں اتنی تنگی ہے کہ ایک ایک کمرہ میں جیل کی اتنی جگہ کے مقابلہ میں دُگنے افراد رہتے ہیں..... میں تو اس میں رہنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا میرے لئے تو حضرت مسیح موعودؑ کا مکان ہی بہترین ہے مگر جو اس میں جا کر رہے اس کے لئے دعا کی جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی برکات سے اسے حصہ ملے''

(تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۲۷ بحوالہ الفضل ۸؍جنوری ۱۹۳۳ء)

اسی طرح اس محلّہ میں حضرت اماں جان کی کوٹھی ''النصرت'' جس کی بنیاد ۲۳؍فروری ۱۹۳۳ء کو رکھی گئی تھی تعمیر ہوئی۔ یہ کوٹھی حضرت اماں جان نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو دے دی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہوائی جہاز میں پہلی بار پرواز کا واقعہ بھی قارئین کیلئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

ہندوستان کے مشہور ہوا باز مسٹر چاولہ ۳۰؍دسمبر ۱۹۳۲ء کو سات بجے شام کے قریب اپنے ہوائی جہاز پر لاہور سے آئے اور قادیان کے سٹیشن کے پاس کھلے میدان میں اترے اور حضور سے جہاز دیکھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضور یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو گیارہ بجے کے قریب تشریف لے گئے۔ قادیان میں جہاز آنے کا یہ پہلا موقعہ تھا اس لئے قادیان اور مضافات سے بہت سے لوگ جمع تھے۔ جہاز نے یہاں سے تین دفعہ پرواز کی۔ پہلی دفعہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ سوار ہوئے دوسری دفعہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور صاحبزادی امۃ القیوم بیگم صاحبہ اور تیسری مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب۔ جہاز اللہ اکبر کے نعروں میں زمین سے بلند ہوا اور آدھ گھنٹہ کے قریب چار ہزار فٹ کی بلندی تک اُڑا اور دریائے بیاس کا چکر لگا کر زمین پر اترا۔ بہت سے لوگوں کو ہوائی جہاز کے سفر سے تشویش ہوئی اور انہوں نے حضور کو روکنے کی کوشش

بھی کی۔ لیکن حضور نے انہیں تسلی دی لیکن جب تیسری اڑان میں پہلی دو پروازوں کی نسبت تاخیر ہوئی گھبراہٹ اور اضطراب پیدا ہونے لگا۔ آخر جونہی جہاز نظر آیا لوگوں نے خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

۱۳رمئی ۱۹۳۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی حرم حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ قادیان میں انتقال فرما گئیں حضور اسوقت راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت مولانا شیر علی صاحب امیر مقامی کو تار دیا کہ جنازہ میں خود آکر پڑھاؤں گا۔ چنانچہ ۱۴رمئی کو پونے نو بجے حضور قادیان تشریف لے آئے اور سوا بارہ بجے کے قریب حضرت مسیح موعود کے باغ میں نماز جنازہ پڑھائی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۹۵،۱۰۶)

احمدیوں کی تربیت واصلاح کے لئے حضرت خلیفہ ثانی نے ۱۹۳۴ء کے ابتداء میں ایک اہم تحریک تحریک سالکین کے نام جاری فرمائی اور مختلف خطبوں میں سالکوں کو ہدایات فرمائیں یہ تحریک تین سال کیلئے تھی۔ اسی سال تحریک آزادی کشمیر کی ابتداء ہوئی۔ کشمیر کی آزادی اور پاکستان کے حصول اور استحکام کیلئے حضرت امام جماعت احمدیہ نے جو کوششیں کیں وہ ایک طویل داستان ہے لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کو شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

مجلس احرار جو دراصل کانگرس کی پروردہ ہی تھی دو قومی نظریہ کے خلاف تھی اور یہ مجلس جماعت احمدیہ کے مخالفین میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور مختلف اوقات میں مختلف شاطرانہ چالیں چلتی رہی۔ ۱۹۳۴ کے حالات پر نظر ڈالتے ہوئے بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ان دنوں مذہبی اور سیاسی طاقتوں نے متحد ہو کر جماعت کے خلاف ایک محاذ کھول دیا تھا اور یہ اعلان کیا کہ ''ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے''۔ ''ہم منارۃ المسیح کی اینٹیں دریائے بیاس میں بہا دیں گے''۔ ''قادیان اور اس کے گردونواح سے احمدیت کا نام ونشان ختم کر دیں گے''۔ ایسے ہی اور کئی دعووں کے ساتھ مجلس احرار نے مہم چلائی۔ انگریز حکومت کے کچھ افسر بھی ان کی تائید میں تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء میں احرار کو قادیان میں ''......کانفرنس'' کرنے کی اجازت دی گئی حضور اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''میں نے جماعت کو صبر اور تحمل کی ہدایت کی تھی...... ان کے اس فعل پر اظہار خوشنودی کرتا ہوں کہ...... انہوں نے صبر اور تحمل سے کام لیا...... بے شک حکومت نے اپنے زور اور طاقت سے باوجود اس کے کہ یہ ہمارا گھر تھا ہمیں خود حفاظتی کی تدابیر سے محروم کر دیا تھا پھر بھی میں جانتا ہوں کہ ہماری جماعت کے سچے اور مخلص ممبر خدا تعالیٰ کے فضل سے شیر ہیں اور شیر بغیر ہتھیاروں کے ہی لڑا کرتا ہے۔'' (سوانح فضل عمر حصہ سوم صفحہ ۲۷۹)

حکومت کی طرف سے حضور کو نوٹس ملا تھا کہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء تک نہ کوئی جلسہ قادیان میں ہو نہ کوئی باہر سے احمدی قادیان میں آئے۔ نہ کسی کو دعوت دے کر بلایا جائے۔ ان حالات میں حضور لکھتے ہیں:

> ''......ہمارے دل بھی درد محسوس کرتے ہیں اگر اسی طرح بلاوجہ انہیں مجروح کیا جاتا رہا تو

ان دلوں سے ایک آہ نکلے گی جو زمین و آسمان کو ہلا دے گی۔ جس سے خدائے قہار کا عرش ہل جائیگا اور جب خدا تعالیٰ کا عرش ہلتا ہے تو اس دنیا میں ناقابل برداشت عذاب آیا کرتے ہیں۔‘‘

(سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۲۸۴ بحوالہ الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء)

احرار نے جو الزامات احمدیت پر لگائے تھے ان کی مدلل تردید کرتے ہوئے حضرت فضل عمر نے ان کو مباہلہ کا چیلنج دیا لیکن احرار نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا مؤلف سوانح فضل عمر جلد سوم لکھتے ہیں:

’’احراریوں کا مباہلہ سے فرار اتنا واضح اور نمایاں تھا کہ ان کی دکھتی رگ بن گئی جسے چھیڑتے ہوئے ایک مشہور صحافی نے یہاں تک لکھ دیا ’’میں مرزا بشیر الدین محمود نہیں جس سے مباہلہ کرنے کا نام سن کر راہنمایان احرار کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔‘‘

(سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۲۹۴)

اس پس منظر میں ’’تحریک جدید‘‘ کا آغاز ہوا۔ حکومت احرار اور بعض دوسرے عناصر کی ملی بھگت سے فتنہ کی جو آگ جماعت کے خلاف بھڑک اٹھی تھی اسے بجھانے اور اس کے بداثرات سے جماعت کے لئے حضرت امام جماعت اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے تھے کہ الٰہی القاء کے ذریعہ یہ سکیم آپ کے دل پر ظاہر ہوئی اور یوں تحریک جدید کا آغاز ہوا۔ تحریک جدید کے آغاز کے ساتھ واقفین کا باقاعدہ نظام شروع ہوا۔ ایسے واقفین جماعت کو ملے جن کے متعلق حضور کی خواہش اور دعا تھی کہ

جن پر پڑیں فرشتوں کی رشک کی نگاہیں
اے میرے محسن ایسے انسان مجھ کو دے دے

جماعت کو غیر معمولی قربانیوں کی تلقین کرتے ہوئے اور تحریک جدید کے اجراء کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

’’تحریک جدید سے میری غرض صرف سادہ زندگی کی عادت پیدا کرنا نہیں بلکہ میری غرض انہیں قربانیوں کے تنور کے پاس کھڑا کرنا ہے تاکہ جب اُن کی آنکھوں کے سامنے بعض لوگ اس آگ میں کود جائیں تو ان کے دلوں میں بھی آگ میں کودنے کیلئے جوش پیدا ہو اور وہ بھی اس جوش سے کام لے کر آگ میں کود جائیں اور اپنی جانوں کو......اور احمدیت کیلئے قربان کر دیں۔‘‘

(سوانح فضل عمر حصہ ۳ صفحہ ۳۴۰)

ایک دفعہ حضرت فضل عمر نے احرار کے متعلق فرمایا تھا کہ میں ان کے پاؤں تلے سے زمین نکلتے دیکھ رہا ہوں۔ جس وقت یہ الفاظ کہے گئے اس وقت بہت سے لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی تھی اور بعض نے اس پر تمسخر کیا تھا لیکن بعد کے

حالات میں ایک غیر مسلم اخبار نے حضرت فضل عمر کی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"تھوڑا عرصہ ہوا کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت مرزائیہ نے پیشگوئی کی تھی کہ احراریوں کے پاؤں تلے سے زمین نکلتی جارہی ہے یہ پیشگوئی آج بالکل پوری ہورہی ہے ......حکومت نے جب ایکشن لیا اور چند احراری لیڈروں کو گرفتار کر کے ان کے خلاف مقدمہ چلایا تو احراریوں کی یہ حالت ہوئی کہ سچ مچ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی...... چنانچہ آج امرتسر میں ایک بھی سرخ قمیص نظر نہیں آتی ......چوہدری افضل حق صاحب کی گرفتاری پر ہڑتال کا اعلان کیا گیا لیکن ایک بھی دکان بند نہ ہوئی ۔ یہ ہے احرار کی کامیابی کا ایک نمونہ ۔اب یوں نظر آتا ہے کہ شہر امرتسر میں کبھی کوئی احراری تھا ہی نہیں اور نہ کوئی لال قمیص ۔"

(ارجن سنگھ عاجز ایڈیٹر اخبار رنگین امرتسر ۔)(سوانح فضل عمر جلد سوم صفحہ ۳۴۷)

حضور نے اپنی ایک نظم میں اس مضمون کو باندھا ہے ۔

پڑھ چکے احرار بھی اپنی کتاب زندگی
ہوگیا پھٹ کر ہوا انکا حباب زندگی
لوٹنے نکلے تھے وہ امن و سکونِ بیکساں
خود انہی کے لٹ گئے حسن و شباب زندگی

۲۰ رستمبر ۱۹۳۵ء کا دن جماعت کے لئے ایک اہم دن تھا ۔اس دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا عقد حضرت سیّدہ مریم صدیقہ بیگم صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سے ہوا۔اعلان نکاح حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے کیا۔۲؍اکتوبر ۱۹۳۵ء کو گیارہ بجے دن قادیان اور مضافات کے تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد کو......اقصیٰ میں دعوتِ ولیمہ دی گئی ۔حضور نے ۲؍نومبر ۱۹۳۵ء کو نئے مہمانخانہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے احرار کی سکیم فیل ہوچکی تھی لیکن اس ناکامی کے باوجود وہ احمدیت کی مخالفت میں پیش پیش تھے چنانچہ ۱۵؍جون ۱۹۳۶ء میں لاہور کے ایک پبلک جلسہ میں مجلس احرار کے صدر مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے کہا کہ:

"مسلمانو! مسجد شہید گنج کا خیال چھوڑ دو وہ تمہیں موجودہ حالات میں نہیں مل سکتی ......جب تم طاقتور ہوجاؤ گے ......تو ایک شہید گنج کیا ہزاروں شہید گنج تمہارے قبضہ میں آجائیں گے ۔ مرزائیوں کو ہندوستان سے نکال دو پھر دیکھو ملک میں کیسا امن ہوتا ہے ۔"

اس منصوبہ کیلئے بہت سازشیں کی گئیں لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں

۱۴؍دسمبر ۱۹۳۶ء کو قادیان ٹیلیفون لگانے کا کام مکمل ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے بات کر کے اس کا افتتاح فرمایا۔

۱۹۳۸ء میں حضور نے نوجوانوں کی اصلاح اور ان کی مثبت سرگرمیوں کیلئے مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> ''میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے...... وہ کل ہماری اولادوں کے دلوں میں دفن ہو اور پرسوں ان کی اولادوں کے دلوں میں...... اگر ایک یا دو نسلوں تک یہ تعلیم محدود رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دے گی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے......''

(تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۵۵۴)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے جلسہ سالانہ ۱۹۳۷ء کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اجازت سے احباب کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ۱۹۳۹ء میں حضور کی خلافت کے پچیس سال پورے ہو رہے ہیں چونکہ یہ خدا کا بڑا احسان ہے اس لئے جماعت حضور کی خدمت میں تین لاکھ روپیہ کا حقیر نذرانہ پیش کرے جسے حضور جہاں پسند فرمائیں خرچ کریں۔ ۱۹۳۹ء کی مجلس مشاورت میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ ۱۹۳۹ء کے جلسہ کو جوبلی کیلئے مخصوص کر دیا جائے۔ حضرت مصلح موعود نے خلافت جوبلی سے متعلق ہر ضروری تجویز پر خدام سے مشورہ کے بعد فیصلے فرمائے۔ اس میں لوائے احمدیت بنانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ حضور نے فرمایا کہ:

> ''یہ تو ثابت ہے کہ رسول کریمؐ کا جھنڈا قائم رکھا جاتا تھا...... اس زمانہ میں جو احمدیت کا ابتدائی زمانہ ہے ایسے جھنڈے کا بنایا جانا اور قومی نشان قرار دینا جماعت کے اندر خاص قومی جوش کے پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے...... میرا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے (رفقاء) سے پیسہ پیسہ یا دھیلہ دھیلہ کر کے مخصوص (رفقاء) سے ایک مختصری رقم لے کر اس سے روئی خریدی جائے اور ...... کو دیا جائے کہ وہ اسے کاتیں اور اس سوت سے (رفقاء) کپڑا تیار کریں اور اس طرح (رفقاء) ہی اچھی سی لکڑی تراش کر لائیں پھر اس کو باندھ کر جماعت کے نمائندوں کے سپرد کیا جائے کہ یہ ہمارا پہلا جھنڈا ہے......''

(تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۷۰۳،۷۰۴)

جوبلی کمیٹی کے سامنے سب سے اہم کام لوائے احمدیت کی تیاری کا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود نے ایک کمیٹی مقرر فرمائی جس کے ممبر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب تھے روئی کی خرید کے متعلق حضور کو خیال پیدا ہوا کہ اگر ایسی کپاس مل جائے جو (رفقاء) نے کاشت کی ہو تو بہتر

ہے۔ چنانچہ حضور کی یہ خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ میاں فقیر محمد صاحب امیر جماعت احمدیہ ونجواں ضلع گورداسپور نے جو (رفیق) تھے حضرت اماں جان کی خدمت میں کچھ سوت پیش کیا اور عرض کیا میں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے ہاتھ سے بیج بویا اور پانی دیتا رہا اور پھر چنا اور (رفقاء) سے دھنوایا اور اپنے گھر میں اسے کتوایا ہے اس کے بعد ان سے مزید آٹھ دس سیر روئی قادیان منگوائی گئی جو حضرت سیدہ امّ طاہر صاحب جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ کو اس درخواست کے ساتھ بھجوائی گئی وہ...... سے اس کا سوت تیار کروا دیں چنانچہ دارالمسیح میں بیٹھ کر ...... نے سوت کاتا جس سے (رفقاء) کپڑا بننے والوں نے قادیان اور تلونڈی میں کپڑا تیار کیا۔ پھر اس کے نقوش کا فیصلہ ہوا اور یہ جھنڈا تیار کروایا گیا۔ اس جھنڈے کی لمبائی ۱۸ فٹ اور چوڑائی ۹ فٹ تھی اسے (رفقاء) درزیوں نے سیا۔ باسٹھ فٹ لمبی لکڑی سیدھی اور خوبصورت نہ مل سکی تھی اس لئے پائپ سے کام چلانے کا فیصلہ ہوا۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کی صبح سے خلافت جوبلی کی تقریب کا پروگرام شروع ہوا۔ جماعتیں اپنے اپنے جھنڈے لے کر جن کو دو دو آدمی اٹھائے ہوئے تھے جلسہ گاہ کی طرف آنے لگیں ان جھنڈوں پر متعلقہ جماعتوں کے نام اور مختلف تحریریں درج تھیں یہ تقریباً ڈیڑھ سو جھنڈے تھے جو جلسہ گاہ کی گیلریوں کے اوپر کے حصہ میں کھڑے کر دیئے گئے دس بج کر پچاس منٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح سٹیج پر تشریف لائے اس وقت سٹیج کا سائبان اتار دیا گیا تھا تاکہ تمام لوگ آسانی سے سب کارروائی دیکھ لیں۔ اسوقت مختلف جماعتوں کی طرف سے حضور کی خدمت میں سپاس نامے پیش کئے گئے۔ بعد ازاں حضور کی مختصر تقریر کے بعد ''لوائے احمدیت'' لہرانے کا پروگرام شروع ہوا۔ جھنڈا سیاہ رنگ کے کپڑے کا تھا جس کے درمیان میں منارۃ المسیح ایک طرف بدر اور دوسری طرف ہلال کی شکل سفید رنگ میں بنائی گئی تھی۔ باسٹھ فٹ اونچا پول پانچ فٹ اونچا چبوترہ بنا کر نصب کیا گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح دو بج کر چار منٹ پر سٹیج سے اتر کر یہاں تشریف لائے اور فرمایا تمام احباب ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم پڑھتے رہیں نم آنکھوں رقت سے بھرپور دلوں کیساتھ یہ دعا پڑھی جانے لگی۔ لپٹے ہوئے جھنڈے کے کھلنے کے بعد حضور نے نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان جھنڈے کی رسی کو کھینچا اور جھنڈا بلند ہوتے ہوتے پوری بلندی تک پہنچ گیا۔ جونہی جھنڈا اوپر ہوا۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور جھنڈا کھل کر لہرانے لگا۔ اس کے بعد حضور سٹیج پر تشریف لائے اور جماعت سے ایک عہد لیا جو یہ تھا: ''میں اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے...... اور احمدیت کے قیام۔ اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کیلئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس امر کیلئے ہر ممکن قربانی پیش کرونگا کہ احمدیت یعنی حقیقی ......سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہو بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اونچا اڑتا رہے۔'' آمین۔ اللھم آمین۔ ربنا تقبل منا ...... اس کے بعد دو بج کر بارہ منٹ پر مجلس خدام الاحمدیہ کا جھنڈا بلند فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا لوائے احمدیت کی حفاظت کیلئے خدام الاحمدیہ بارہ احمدیوں کا پہرہ مقرر کرے اور کل نماز جمعہ کے بعد اسے دو ناظروں کے سپرد کر دے

جو اسے تالے میں رکھیں۔اس کے بعد حضور زنانہ جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور لجنہ اماء اللہ کا جھنڈا لہرایا۔

۱۹۳۹ء میں حضور نے ہجری شمسی مہینوں کا آغاز فرمایا اور مختلف واقعات کے لحاظ سے مختلف مہینوں کے نام تجویز فرمائے۔

لجنہ اماء اللہ اور خدام الاحمدیہ واطفال الاحمدیہ وغیرہ تنظیمیں قائم ہو چکی تھیں۔۱۹۴۰ء میں حضور نے چالیس سال سے اوپر کے مردوں کیلئے مجلس انصار اللہ قائم کرنے کا اعلان فرمایا اور اس کا عارضی صدر حضرت مولوی شیر علی صاحب کو مقرر فرمایا اور ان کے ساتھ مندرجہ ذیل تین سیکرٹری مقرر فرمائے۔(۱)حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد (۲)حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال (۳)حضرت مولوی فرزند علی خان صاحب۔حضور نے اس تنظیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''انصار اللہ کا وجود اپنی جگہ نہایت ضروری ہے کیونکہ تجربہ جو قیمت رکھتا ہے وہ اپنی ذات میں بہت اہم ہوتی ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۷۷ پرانا ایڈیشن)

اس سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

> ''میری غرض انصار اللہ،خدام الاحمدیہ کی تنظیم سے یہ ہے کہ عمارت کی چاروں دیواروں کو میں مکمل کردوں۔ایک دیوار انصار اللہ ہیں ،دوسری دیوار خدام الاحمدیہ ہیں اور تیسری دیوار اطفال الاحمدیہ ہیں اور چوتھی دیوار لجنہ اماء اللہ ہیں۔اگر یہ چاروں دیواریں ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو یہ لازمی بات ہے کہ کوئی عمارت کھڑی نہیں ہو سکے گی......پس خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ دونوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں اپنے آپ کو تفرقہ اور شقاق کا موجب نہیں بنانا چاہیے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۹ صفحہ ۷۷ پرانا ایڈیشن)

دعویٰ مصلح موعود

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۴۴ء میں خدا تعالیٰ سے خبر پا کر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔اس سے پہلے بہت لوگوں نے کہا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہیں لیکن آپ نے خود اپنی زبان سے یہ نہ کہا۔اس بارہ میں آپ نے بہت احتیاط برتی۔آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ''لوگوں نے کوشش بھی کی ہے کہ مجھ سے دعویٰ کرائیں کہ میں مصلح موعود ہوں مگر میں نے کبھی اس کی ضرورت نہیں سمجھی......جب میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو پیشگوئی غیر مامور کے متعلق ہو اس کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہوتا تو پھر مجھے دعویٰ کی کیا ضرورت ہے۔''

(سوانح فضل عمر جلد۳ صفحہ ۳۶۲، ۳۶۳)

حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کے ایک سوال کے جواب میں آپ نے واضح طور پر فرمایا:

''.....میرے نزدیک مصلح موعود بہر حال حضرت مسیح موعودؑ کی موجودہ اولاد میں سے ایک لڑکا ہے نہ کہ آئندہ زمانہ میں آنے والا کوئی فرد۔ دوم میرے نزدیک جس حد تک میں نے پیشگوئی کا مطالعہ کیا ہے اس کی نوے فیصد باتیں میرے زمانہ خلافت کے کاموں سے مطابق ہیں سوم چونکہ میں اس پیشگوئی کے موعود کیلئے دعویٰ کو شرط قرار نہیں دیتا اس لئے میرے نزدیک دعویٰ کی ضرورت نہیں.....'' خاکسار مرزا محمود احمد

(سوانح فضل عمر جلد۳ صفحہ ۳۶۳ الفضل ۳؍ جولائی ۱۹۳۹ء)

۱۹۴۴ء میں حضور نے ایک رؤیا دیکھی جس سے وضاحت سے پتہ چلتا تھا کہ حضور ہی اس پیشگوئی کے مصداق ہیں اس خواب میں حضور کی زبان پر یہ فقرہ جاری ہوتا ہے و انا المسیح مثیله و خلیفة یعنی اور میں بھی مسیح موعود ہوں یعنی اس کا مثیل اور اس کا خلیفہ ہوں۔ یہ خواب حضور نے ۷۔۸؍جنوری ۱۹۴۴ء کی درمیانی شب ۱۳ ٹیمپل روڈ لاہور میں دیکھی تھی۔ چنانچہ ۲۸؍جنوری کو قادیان کی ..... اقصیٰ میں جمعہ کے دن آپ نے اس بات کا اعلان کر دیا۔ حضور نے بڑے پر شوکت الفاظ میں فرمایا:

''میں کہتا ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق ہوں۔''

(سوانح فضل عمر جلد۳ صفحہ ۳۷۵ بحوالہ الموعود صفحہ ۲۰۷)

اس عظیم نشان کے بعد آپ کے کام میں غیر معمولی تیزی پیدا ہوگئی۔ آپ نے جماعت کی روحانی اور جسمانی ترقی کے لئے متعدد تجاویز اور تحریکات پیش کیں۔ چنانچہ آپ نے ۸؍مارچ ۱۹۴۴ء سے چالیس روز تک خاص دعائیں کرنے کی تحریک فرمائی۔ آپ نے خاندان مسیح موعود کو بھی بطور خاص خدمت دین کرنے اور زندگی وقف کرنے کی تحریک کی۔ علاوہ ازیں وقف زندگی کی تحریک، کالج فنڈ کی تحریک، ماہرین علوم پیدا کرنے کی تحریک، حفظ قرآن و تبلیغ کی تحریک، نماز تہجد پڑھنے کی تحریک، ہندوستان میں سات تبلیغی مراکز قائم کرنے کی تحریک قرآن مجید اور بنیادی لٹریچر کے تراجم کی تحریک وغیرہ شامل ہیں۔ مصلح موعود کی پیش گوئی پورے ہونے پر تحدیث نعمت کے طور پر جلسوں کا انعقاد کیا گیا چنانچہ پہلا جلسہ ۲۰؍فروری ۱۹۴۴ء کو ہوشیار پور میں ہوا۔ نیز ۱۲؍مارچ ۱۹۴۴ء کو لاہور، ۲۳؍مارچ ۱۹۴۴ء کو لدھیانہ، ۱۶؍اپریل کو دہلی میں جلسے ہوئے۔ ان جلسوں میں مخالفین کی طرف سے ہنگامہ آرائی بھی ہوئی مگر خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا۔

۵؍مارچ ۱۹۴۴ء کو گنگا رام ہسپتال لاہور میں سیدہ امّ طاہر کی وفات ہوئی۔ حضور نے لاہور میں مکرم شیخ بشیر احمد

صاحب ایڈووکیٹ کے گھر میں نماز جنازہ پڑھائی اور رات گیارہ بجے کے قریب حضور اور دیگر اہل خاندان جنازہ لے کر قادیان پہنچے۔

۲۴؍جولائی کو حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب کی بیٹی حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ المعروف مہر آپا حضور کے عقد میں آئیں اور حضرت سیدہ امّ طاہر کے بچے آپ کے پاس ہی رہے۔

تعلیم الاسلام کالج اور فضل عمر ریسرچ لیبارٹری کا افتتاح

۱۹۴۴ء کا سال تعلیم الاسلام کالج کے احیائے نو کا سال تھا۔ حضور نے مکرم ملک غلام فرید صاحب کو ارشاد فرمایا تھا کہ کوشش کریں کہ ۱۹۴۳ء میں یونیورسٹی کے تعلیمی سال شروع ہوتے ہی کالج کے اجرا کی اجازت مل جائے۔ اس سال تو ایسا نہ ہوسکا لیکن ۱۹۴۴ء میں پنجاب یونیورسٹی کا ایک کمیشن جائزہ لینے کیلئے قادیان پہنچا اور ۲؍جون ۱۹۴۴ء کو یونیورسٹی کی طرف سے کالج کی منظوری کا پروانہ آ گیا۔

۱۹۴۶ء میں فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا بھی باقاعدہ افتتاح کر دیا گیا۔ اس ادارہ کا تقریباً پچیس ایکڑ پر مشتمل تجارتی فارم تھا پروفیسر سر شانتی سروپ نے اس کا افتتاح کیا اور اپنی افتتاحی تقریر میں حضور کو مخاطب ہو کر کہا:

> ’’جناب والا ایک طاقتور جماعت کے مذہبی رہنما کی حیثیت سے آپ نے فضل عمر سائنسی تحقیقاتی ادارہ کو اپنی جماعت کی مذہبی نشوونما کیلئے قائم فرمایا ہے۔ مذہب اور سائنس کا یہ اتحاد اور باہمی تعلق جو آنجناب کا ادارہ قائم کرے گا بے حد قابل تعریف ہے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد ۱۰ صفحہ ۶۷ بحوالہ الفضل ۲۳؍اپریل ۱۹۴۶ء)

ہندوستان کی تاریخ میں یہ دور نہایت اہمیت کا حامل ہے حضرت مصلح موعود کو جو بصیرت خدا تعالیٰ نے عطا کی تھی آپ بہت آگے تک کے واقعات دیکھ لیتے تھے۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کامن ویلتھ (Commonwealth) کانفرنس میں ہندوستان کیلئے نعرہ آزادی بلند کیا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مرکزی اور صوبائی انتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پُر جوش حمایت اور تعاون کا مظاہرہ ہوا۔ مسلم لیگی اخبار ’’ڈان‘‘ نے ۸؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع کی:

> ’’جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمایت کرے گی۔ اس بات کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اگرچہ اس وقت بھی بعض لوگوں نے بد اخلاقی کا ثبوت دیتے ہوئے احمدیوں کو جن میں سلسلہ کے بزرگ بھی شامل تھے اپنی پولنگ اسٹیشن پر اپنے کیمپ کی دریوں سے اٹھا دیا مگر انہوں نے مولوی ظفر علی خان جیسے دشمن احمدیت کو بھی ووٹ اس بناء پر دیئے کہ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر

کھڑے ہوئے تھے۔"

تقسیم ہند کا دور ایک خطرناک اور پر آشوب دور تھا جس میں حضرت مصلح موعود ایک اولوالعزم جرنیل کی طرح جماعت کی کمان کر رہے تھے۔ قادیان اور نواح میں جو مظالم ڈھائے گئے وہ ہماری تاریخ میں محفوظ ہیں حضور کے حسن تدبیر کی وجہ سے ہزاروں معصوم قتل اور ہزاروں عصمتیں برباد ہونے سے بچ گئیں۔ شروع میں حضور نے خاندان مسیح موعودؑ کی خواتین اور دوسرے لوگوں کو قادیان سے لاہور بھجوایا۔ آپ خود قادیان چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لیکن پھر حضور کو خود بھی لاہور تشریف لانا پڑا۔ اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

"شروع میں میں سمجھتا تھا کہ جماعت کا جرنیل ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ قادیان میں لڑتا ہوا مارا جاؤں ...... لیکن بعد میں حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کے مطالعہ سے مجھ پر ایک امر منکشف ہوا کہ ہمارے لئے ایک ہجرت مقدر ہے اور ہجرت ہوتی ہی لیڈر کے ساتھ ہے۔ ویسے تو لوگ اپنی جگہیں بدلتے ہی رہتے ہیں مگر اسے کوئی ہجرت نہیں کہتا...... پس میں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کی مصلحت یہی ہے کہ میں قادیان سے باہر چلا جاؤں۔" (سوانح فضل عمر جلد ۴ صفحہ ۵۴)

پاکستان ہجرت

چنانچہ جماعت کے مشورہ سے ۳۱ر اگست ۱۹۴۷ء کو حضور قادیان سے لاہور تشریف لے آئے۔ حضور سوا ایک بجے دوپہر حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی سے روانہ ہوئے اور ساڑھے چار بجے شام مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت لاہور کی کوٹھی واقع ٹمپل روڈ پہنچے۔ اب احمدیت ایک نئے دور میں داخل ہوگئی تھی۔ جس میں ہجرت کی مشکلات بھی تھیں اور برکات بھی۔ آپ فرماتے ہیں:

"آج ہر احمدی سمجھ لے کہ اب احمدیت پر ایک نیا دور آیا ہے۔"

قادیان سے ہجرت سے پہلے ہی جماعت احمدیہ لاہور کی کوشش سے حضور اور احباب جماعت کے قیام کے لئے میو ہسپتال کے ساتھ ہی چار بڑی کوٹھیوں کا انتظام کیا گیا تھا جن کے غیر مسلم مالک ہندوستان جاچکے تھے۔ ان کوٹھیوں کے نام یہ تھے۔ (۱) رتن باغ (۲) جودھامل بلڈنگ (۳) جسونت بلڈنگ (۴) اور سمیٹ بلڈنگ۔

حضرت مصلح موعود اور خاندان مسیح موعودؑ کی رہائش کیلئے "رتن باغ" تجویز کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑی حویلی نما کوٹھی تھی خاندان میں ہر فیملی کو ایک ایک کمرہ دے دیا گیا تھا۔

جودھامل بلڈنگ میں دفاتر وغیرہ تھے اور دوسری دو بلڈنگس میں دیگر افراد جماعت کے جو قافلے ہجرت کر کے آئے تھے ان کا انتظام رتن باغ کے پچھلی طرف کے وسیع باغ میں کیا جاتا تھا۔

حضور نے لاہور تشریف لاتے ہی ان کوٹھیوں کا معائنہ کیا اور جودھامل بلڈنگ میں ایک فوری میٹنگ بلوائی جس میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد رکھی۔

کوٹھی رتن باغ میں ایک بڑا کمرہ قبلہ رخ تھا جسے شروع سے باجماعت نمازوں اور میٹنگز کیلئے استعمال کیا جانے لگا۔

حضرت مصلح موعود نے خاندان مسیح موعودؑ کے کھانے کا بوجھ جماعت پر نہیں ڈالا بلکہ سارا خرچ خود اٹھایا۔

۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ قادیان نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ہدایت پر ''لوائے احمدیت'' مرزا عبدالغنی صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ کے ہاتھ پاکستان بھجوایا۔ ۷ر ستمبر کو حضور نے جماعت احمدیہ پاکستان کی پہلی شوریٰ بلوائی اور نمائندگان کی اطلاع کیلئے خطوط کے علاوہ ریڈیو پاکستان سے بھی اعلان کروایا گیا۔

آزاد کشمیر حکومت کا قیام

ابھی تک معاملہ کشمیر کیلئے کوئی واضح پالیسی نہیں بنائی گئی تھی حضرت مصلح موعود کے ہاتھوں آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد پڑی۔ مکرم سردار گل احمد خان کوثر سابق چیف پبلسٹی آفیسر جمہوریہ حکومت کشمیر لکھتے ہیں:

''......جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ...... نے کشمیری لیڈروں اور ورکروں کو بلایا۔ میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا کہ مفتی اعظم ضیاء الدین صاحب ضیاء کو عارضی جمہوریہ کشمیر کا صدر بنایا جائے مگر انہوں نے انکار کر دیا...... آخر میں قرعہ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار کے نام پڑا...... مرزا صاحب نے خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور کو اپنے ذاتی ہوائی جہاز میں لاہور سے گوجرانوالہ بھیج دیا...... ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء ایک بجے رات کے بعد ہری سنگھ کی معزولی کے ساتھ عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر کا قیام بمقام مظفر آباد عمل میں لایا گیا اور انور اس حکومت کا صدر بنے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱)

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر حضور نے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ

''میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح کی وفات کے بعد اگر وہ مسلمان جو واقعہ میں ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کے کام کی قدر کو پہچانتے تھے سچے دل سے یہ عہد کر لیں کہ جو منزل پاکستان کی انہوں نے تجویز کی تھی وہ اس سے بھی آگے اسے لے جانے کی کوشش کریں گے اور اس عہد کے ساتھ ساتھ وہ پوری تندہی کے ساتھ اس کو نبھانے کی بھی کوشش کریں تو یقیناً پاکستان روز بروز ترقی کرتا چلا جائے گا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۲ صفحہ ۴۰۴ پرانا ایڈیشن)

نئے مرکز ربوہ کا قیام

ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

''یہاں پہنچ کر میں نے پورے طور پر محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک درخت کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا ہے ہمیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ فوراً ایک نیا مرکز بنایا جائے اور مرکزی دفاتر بھی بنائے جائیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۱۰ صفحہ ۷۴۸)

چنانچہ حضور اپنی غیر معمولی مصروفیات اور مشکلات کے باوجود اس اہم ضرورت کی طرف برابر متوجہ رہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ہم سات آٹھ مہینے سے کوشش کر رہے تھے کہ ایک جگہ مل جائے جہاں قادیان کی اجڑی ہوئی آبادی کو بسایا جائے......'' (سوانح فضل عمر جلد چہارم صفحہ ۷۸)

حضور نے ۱۹۴۱ء میں ایک خواب دیکھی تھی کہ آپ ایک جگہ کی تلاش میں ہیں جہاں جماعت کو پھر اکٹھا کیا جائے۔ اس سلسلہ میں شیخوپورہ کے نزدیک بھی زمین دیکھی گئی۔ ایک زمین ربوہ اور دوسری کرانہ کی پہاڑیوں کے دامن میں جو سرگودھا کی سڑک پر تھے ان کو دیکھا گیا۔

آخر ربوہ کی زمین کے حق میں فیصلہ ہوا اور ڈپٹی کمشنر جھنگ کو اس زمین کی خرید کے بارہ میں درخواست دی گئی اور ۱۱ رجون ۱۹۴۸ء کو حکومت کی طرف سے زمین جماعت کے نام کرنے کی منظوری حاصل ہوئی۔ یہ موضوع بھی ایک علیحدہ مضمون چاہتا ہے اس لئے اسے یہاں ختم کرتے ہیں۔

۲۰ رستمبر ۱۹۴۸ء کو جماعت احمدیہ کے نئے عالمی مرکز ربوہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ابتداء میں یہاں خیموں کی بستی آباد کی گئی پھر رفتہ رفتہ کچے گھر بنے۔ سکول بھی کچی عمارت میں ہی تھے۔ وقت کے ساتھ پختہ عمارتیں بننی شروع ہوئیں اور وہ بے آب و گیاہ بستی جہاں نہ پانی تھا نہ سبزہ ایک سرسبز شہر میں تبدیل ہوگئی۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں لاہور میں جلسہ سالانہ منعقد ہوا اس میں حضور نے فرمایا:

''ہمارا آئندہ جلسہ انشاء اللہ نئے مرکز میں ہوگا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۰)

ربوہ میں سب سے اہم مسئلہ پانی کا تھا کیونکہ اوّل تو پانی زمین سے نکلتا نہیں تھا اور اگر کہیں سے بہت کوشش کے بعد نکلا بھی تو ناقابل استعمال۔ ربوہ میں بورنگ کا پہلا تجربہ پہاڑی کے دامن میں کیا گیا لیکن ۵۷ فٹ تک جا کر بھی پانی نہ ملا۔

یہ کام مکرم قریشی فضل حق صاحب اور ان کے ساتھی مکرم غلام نبی صاحب اور قریشی محمد اکمل صاحب کر رہے تھے۔
لیکن خدا کی قدرت کہ جونہی حضور ربوہ میں داخل ہوئے تو زمین میں پھنسی ہوئی نالیوں میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ پانی کی سطح تک پہنچ گئیں۔ اس وقت جو پانی حضور کے سامنے لایا گیا وہ سخت بدبودار اور کڑوا تھا جس کی رنگت زردی مائل اور کسٹرائل جیسی تھی۔ پانی کی کوشش جاری رہی۔

۱۹۴۹ء کا جلسہ اپریل میں ہوا تھا۔ حضور فرماتے ہیں:

''جلسہ کے اختتام پر جب ہم ربوہ سے چلے (یعنی ۲۱ اپریل ۱۹۴۹ء) الہام ہوا...... کہ میں خدا کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھ رہا ہوں۔

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا''

پھر حضور کی دعاؤں اور الٰہی بشارت کے تحت حقیقت میں ربوہ میں ہر جگہ سے پانی نکل آیا۔
ربوہ میں مشترکہ طور پر کام چلانے کیلئے عارضی طور پر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے ممبروں پر مشتمل ایک ظلی انجمن بنائی گئی۔ پھر رفتہ رفتہ باقاعدہ نظام شروع ہوتا گیا۔ حضور ایک جگہ اس کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ ضروری نہیں کہ قادیان کے واپس مل جانے پر اس مرکز کی اہمیت کم ہو جائے اوّل تو ہمیں ایک ہی وقت میں کئی مرکزوں کی ضرورت ہے دوسرے یہ مرکز ایک پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اور جو مرکز پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جائے اس میں اور دوسرے مرکزوں میں بہرحال امتیاز ہوتا ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۹)

۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو حضور مستقل رہائش کیلئے ربوہ تشریف لے آئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

''......دس بج کر پچاس منٹ پر یعنی تقریباً گیارہ بجے رتن باغ لاہور سے بذریعہ موٹر روانہ ہوئے۔ حضور کی موٹر میں حضرت اماں جان اور حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحب اور شاید ایک دو بچیاں ساتھ تھیں......

رتن باغ سے روانہ ہونے سے پہلے حضور نے اہل قافلہ کو ہدایت کی تھی کہ سفر میں قرآنی دعا جو آنحضرتؐ کو ہجرت کے وقت سکھائی گئی تھی پڑھتے جائیں یعنی رب ادخلنی......''

چناب کا پل گزرنے کے بعد جہاں سے ربوہ کی زمین کا آغاز ہوتا ہے۔ حضور اور احباب موٹر سے اتر آئے۔ مستورات اندر بیٹھی رہیں۔ یہاں حضور نے قبلہ رو ہو کر بھی یہ مسنون دعا پڑھی اس کے بعد موٹروں میں بیٹھ کر آگے روانہ ہوئے۔ ربوہ کی بستی میں شامیانہ کے نیچے سینکڑوں دوست استقبال کیلئے کھڑے تھے۔ حضور اپنی موٹر سے جب

اترے تو حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور بعض اور ناظران اور وکلاء حضور کے استقبال کیلئے آگے آئے اور حضور سے مصافحہ کیا۔ شامیانے کے نیچے پہنچ کر حضرت صاحب نے وضو کیا پھر سب دوستوں کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی اور احباب سے ایک مختصر خطاب فرمایا۔ اس کے بعد حضور اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے گئے جو ریلوے اسٹیشن کے قریب تھی۔ حضرت صاحب کے مکان میں ربوہ کی مستورات استقبال کیلئے جمع تھیں اس کے بعد حضور اور اہل قافلہ کو لنگر خانہ مسیح موعودؑ کی طرف سے کھانا پیش کیا گیا۔ شام کا کھانا اہل ربوہ کی طرف سے دیا گیا۔ احباب ربوہ نے پانچ بکرے بھی ذبح کرنیکا انتظام کیا نیز بہت سے غرباء کو بھی کھانا کھلایا گیا اور نقد رقم تقسیم کی گئی۔

۳۰، ۳۱/ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا پہلا اجتماع ربوہ کے بے آب وگیاہ وسیع میدان میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں حضور نے بعض وجوہات کی بناء پر یہ اعلان بھی فرمایا کہ:

> ''آئندہ کیلئے مجلس خدام الاحمدیہ کا صدر میں ہوا کروں گا اور شوریٰ کی طرح اس کے اجتماع بھی میری ہی صدارت میں ہوا کریں گے اور نائب صدر کا کام محض تنفید احکام صدر ہوگا۔'' پھر خدام سے فرمایا: ''نائب صدر میرا نمائندہ ہوگا لہذا انہیں نائب صدر کے احکام کی پابندی صدر ہی کے احکام سمجھ کر کرنا ہوگی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۴ صفحہ ۳)

حکومت ہندوستان نے اخبار الفضل پر پابندی عائد کر دی تھی اس لئے حضرت مصلح موعود نے حکم دیا کہ ہندوستان کی احمدی جماعتوں کیلئے لاہور سے ایک نیا اخبار جاری کیا جائے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۴۹ء میں ''الرحمت'' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا گیا جس کے ایڈیٹر مکرم روشن دین صاحب تنویر تھے یہ اخبار مئی ۱۹۵۱ء تک نکلتا رہا۔

......مبارك كا سنگ بنياد

۲۰/ اکتوبر ۱۹۴۹ء جو ۹ ذی الحج کا دن تھا حضور نے ......مبارک ربوہ کی سنگ بنیاد رکھی۔ بنیاد رکھنے سے پہلے مولانا جلال الدین صاحب شمس قائمقام ناظر اعلیٰ نے حضور کی ہدایت پڑھ کر سنائیں کہ:

''دعا کے وقت اینٹوں اور گارے کی تین تین صفیں ہوں گی۔''

۱۔ (رفقاء) حضرت مسیح موعودؑ کی صف۔

۲۔ دوسری صف خاندان مسیح موعودؑ کی نرینہ اولاد کی۔

۳۔ تیسری صف واقفین زندگی کی۔

بعد ازاں حضور کے ارشاد پر چوتھی صف امرائے جماعت ہائے احمدیہ اور ناظران کی اور پانچویں صف مہاجرین قادیان کی بنائی گئی۔ بعد میں حضور نے اس مقام پر پہنچ کر ایک صف خاندان مسیح موعودؑ کی خواتین مبارکہ کی اور ایک

خواتین رفقاء اور مہاجرات قادیان مزید دو صفوں کا اضافہ فرما دیا۔

حضور نے فرمایا یہ صفیں اینٹ اور گارا اس جگہ سے پکڑ کر وہاں تک پہنچائیں گی جہاں میں کھڑا ہونگا۔ ایک ایک تغاری گارے اور چونے کی اور تین تین اینٹ ہر صف کے لوگ مجھ تک پہنچائیں گے اور چند حفاظ وہ دعا دہراتے جائیں گے جو خانہ کعبہ کی بنیاد رکھتے ہوئے کی گئی تھی۔ چنانچہ عصر کی نماز کے بعد بنیاد رکھنے کی تقریب شروع ہوئی۔ سب لوگ اپنی اپنی صفوں میں کھڑے ہوگئے اور دست بدست حضور کی خدمت میں اینٹیں اور سمیٹ کی تغاریاں پہنچائی گئیں۔ خاندان مسیح موعودؑ اور...... سے حضور خود آگے بڑھ کر تغاری لیتے بنیادوں تک لا کر استعمال فرماتے۔ بنیاد میں دو اینٹیں...... مبارک قادیان کی اینٹوں میں سے بھی لگائی گئی تھیں جو صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اپریل ۱۹۴۹ء کو قادیان سے لائے تھے۔ جب تمام اینٹیں رکھی گئیں تو حضور نے ربنا تقبل منا...... والی دعا بار بار پڑھی اور ساتھ سارا مجمع بھی ان دعاؤں کو دہراتا رہا۔ اس کے بعد حضور نے خاموش دعا کروائی۔

۱۹۵۰ء کی مجلس مشاورت میں حضور نے جماعت کو وطن کے دفاع میں بھرپور حصہ لینے کی تحریک فرمائی۔ اس مقصد کے لئے فرقان بٹالین قائم ہو چکی تھی لیکن لوگوں کی اس طرف پوری توجہ نہیں تھی۔ اس لئے حضور کو ادھر توجہ دلانی پڑی۔

حضور کو ہمیشہ عورتوں کی تعلیم کا خیال رہا چنانچہ اس غرض کے لئے ۱۹۵۱ء میں حضور نے ربوہ میں جامعہ نصرت کا افتتاح فرمایا اور خواتین سے خطاب فرمایا۔

اپریل ۱۹۵۲ء میں جماعت اور حضرت مصلح موعود کو ایک عظیم صدمہ سے گزرنا پڑا اور صدمہ حضرت اماں جان کی وفات کا تھا ۲۰ اور ۲۱ر اپریل ۱۹۵۲ء کی درمیانی رات حضرت اماں جان اس دار فانی سے رخصت ہوگئیں۔ اس وقت حضرت مصلح موعود آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ دعا کریں چنانچہ حضور بعض قرآنی دعائیں قدرے اونچی آواز سے دیر تک پڑھتے رہے۔ آپ کا تنفس آہستہ آہستہ کمزور ہونے لگا اور آخر ساڑھے گیارہ بجے رات آپ کی روح اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہوگئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۱۹۵۳ء کی مشاورت

۱۹۴۸ء سے ہی پاکستان میں مجلس احرار نے شورشیں شروع کر دی تھیں لیکن ۱۹۵۳ء میں یہ شورشیں اپنے عروج پہ پہنچ گئیں اور سارے پنجاب میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ احرار کے مندرجہ ذیل مطالبات تھے۔

۱۔ احمدی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔

۲۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ کے عہدے سے ہٹائے جائیں۔

۳۔ احمدیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے۔

۱۹۵۲ء میں کراچی میں جماعت احمدیہ کے ایک جلسہ میں احرار کی طرف سے ہنگامہ آرائی ہوئی تھی جس کے بعد مختلف اخباروں نے اس کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ چنانچہ ہفت روزہ ''مسلم آواز'' کراچی نے ۱۹رمئی ۱۹۵۲ء کو لکھا:

> ''کل ایک ہفتہ وار میری نظر سے گزرا جس میں فرقہ قادیانی کی مخالفت میں شرافت سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے گئے...... مضمون نگار کو ابھی یہ ہی معلوم نہیں کہ ارکان اسلام کیا کیا ہیں...... پاکستان تمام فرقوں کا ملک ہے...... یہ ماننا پڑے گا کہ ہمارے اور تمہارے مقابلہ میں فرقے کا ہر فرد اپنے طریقہ مذہب کا سختی سے پابندی احکام خداوندی بجالانے والا ہے ہم لوگ نہ تو نماز روزہ کے پابند ہیں اور نہ کسی نیک کام کے عادی صرف زبانی جمع خرچ کے علاوہ باقی نام اللہ کا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۵ صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

نیشنل گارڈ مسلم لیگ نے ''امروز'' اخبار میں ایک اشتہار شائع کروایا کہ ''کراچی میں احرار نے یہ پوسٹر لگایا کہ ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹادو'' اس کی بابت سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں ہٹایا جائے۔ کیا اس لئے کہ چوہدری صاحب کو ہمارے محبوب رہنما بانی پاکستان حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوربین نگاہ نے وزارت خارجہ کے لئے منتخب کیا اور حضرت قائد ملت لیاقت علی خان نے ان کے کام کی تعریف کی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۱)

اسی دوران احرار کی طرف سے یہ شورش زور پکڑ گئی اور پنجاب میں فسادات شروع ہو گئے جس کے نتیجے میں ۶رمارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جب تک اللہ نے چاہا حضرت مصلح موعود کی ہدایات کی روشنی میں کام کرتے رہے ۱۹۵۳ء میں ہی حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو بے بنیاد الزام پر گرفتار بھی کیا گیا اور یہ دونوں مقدس وجود تقریباً دو مہینے قید کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

۱۹۵۳ء کی مجلس شوریٰ میں حضور نے ایک اہم اعلان جاری فرمایا جس میں جماعت احمدیہ کے عقائد بیان کئے نیز فرمایا کہ ''جماعت احمدیہ ایک سیاسی جماعت نہیں ہے۔'' اور یہ کہ ''حکومت اور ملک کو مضبوط کرنا ہمارا اصول ہے'' نیز جماعت کو نصیحت کی کہ ''تحریر و تقریر میں انتہائی نرمی اختیار کی جائے''۱۹رجون ۱۹۵۳ء کو گورنر پنجاب جناب میاں امین الدین صاحب نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ فسادات پنجاب کی تحقیقات کیلئے ایک عدالت قائم کی صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی میں ایک دفتر قائم کیا۔ تحقیقاتی عدالت سے متعلق امور کی نگرانی کا کام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے سپرد تھا۔

یکم اپریل ۱۹۵۴ء کو قصر خلافت کی تلاشی کیلئے جناب ابرار احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع جھنگ مع ڈی ایس پی جھنگ بھاری پولیس نفری کے ساتھ آ گئے۔ اس سے یہ خیال کیا گیا کہ کہیں حضور کو گرفتار کرنے نہ آئے ہوں لیکن بعد

میں پتہ چلا کہ وہ قصر خلافت کی تلاشی کیلئے آئے تھے۔ حضور سے ملاقات کے بعد وہ بغیر تلاشی لئے واپس جانا چاہ رہے تھے کہ انہیں مجبوراً حکومت کے حکم کی تعمیل میں آنا پڑا ہے وہ تلاشی نہیں لینا چاہتے لیکن حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ نہیں آپ کو تلاشی لینی چاہیئے کیونکہ آپ نے رپورٹ کرنی ہے اگر آپ نے تلاشی نہ لی تو میں حکومت کو رپورٹ کر دونگا کہ انہوں نے فرضی رپورٹ کی ہے چنانچہ انہوں نے تلاشی لی۔

تحقیقاتی عدالت میں مختلف طبقہ ہائے فکر کے علماء کے بیان لئے گئے حضرت مصلح موعود کو بھی تحقیقاتی عدالت میں بیان کیلئے بلایا گیا۔ چنانچہ ۱۳ تا ۱۵ ارجنوری ۱۹۵۴ء کو لاہور ہائی کورٹ میں حضور کا بیان قلم بند کیا گیا۔ اس عدالتی بیان کا اردو ترجمہ صیغہ نشر و اشاعت ربوہ نے انہی دنوں ٹریکٹ کی شکل میں شائع کروا دیا تھا۔ (یہ بیان عدالت عالیہ نے انگریزی زبان میں لکھوایا تھا) حضرت مصلح موعود کے اس بصیرت افروز بیان کا پبلک میں بہت چرچا ہوا اور بہت سے غیر از جماعت معززین نے بھی اس پر شاندار خراج تحسین ادا کیا۔ اس عدالتی کارروائی کے دوران حضور نے پانچ بار لاہور کا سفر کیا۔

۱۔ پہلا سفر ۲۰ رنومبر تا ۲۶ رنومبر ۱۹۵۳ء

۲۔ ۱۲ تا ۱۷ ارجنوری ۱۹۵۴ء

۳۔ ۱۵ تا ۲۳ رفروری ۱۹۵۴ء

۴۔ ۲۶ رفروری تا یکم مارچ ۱۹۵۴ء

ان سفروں میں حضور وکلائے احمدیت اور علماء کو ہدایات سے نوازتے رہے۔

تحقیقاتی عدالت کی کارروائی یکم جولائی ۱۹۵۳ء سے شروع ہو کر ۲۸ رفروری ۱۹۵۴ء تک جاری رہی۔ کل ۱۱۷ اجلاس ہوئے۔ ۲۱ راپریل ۱۹۵۴ء کو رپورٹ شائع کر دی گئی۔ یہ رپورٹ دراصل ۱۹۵۳ء کے واقعات کی مفصل تاریخ ہے عدالتی رپورٹ میں جماعت احمدیہ کی مظلومیت اور براءت کا کھل کر اظہار کیا گیا۔ فاضل ججوں نے احمدیوں کے خلاف صوبائی حکومت کے افسوسناک طرز عمل کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا:

> ''احراریوں سے تو ایسا برتاؤ کیا گیا گویا وہ خاندان کے افراد ہیں اور احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا۔ احراریوں کا رویہ اس بچے کا سا تھا جس کو اس کا باپ کسی اجنبی کو پیٹنے پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور وہ بچہ یہ جان کر کہ اسے سزا نہ دی جائیگی اجنبی کو پھر پیٹنے لگتا ہے اس کے بعد چونکہ دوسرے لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس لئے باپ محض پریشان ہو کر بیٹے کو مارتا ہے۔ لیکن نرمی سے تاکہ چوٹ نہ لگے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۶ صفحہ ۴۴۷)

نیز احرار نے اپنے اخباروں میں جو غلیظ زبان استعمال کی تھی اس کے متعلق بھی رپورٹ میں لکھا گیا:

''ایک اردو اخبار 'مزدور' ملتان سے شائع ہوتا ہے جسکا ایڈیٹر سید ابوذر بخاری ہے جو مشہور احراری لیڈر سید عطا اللہ شاہ بخاری کا بیٹا ہے......اس نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۳؍جون ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون شائع کیا جس میں جماعت احمدیہ کے امام کے متعلق عربی خط میں ایک ایسی پست اور بازاری بات لکھی کہ......اگر یہ الفاظ احمدی جماعت کے کسی فرد کے سامنے کہے جاتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی کی کھوپڑی توڑ دی جاتی تو ہمیں اس پر ذرا بھی تعجب نہ ہوتا۔ جو الفاظ استعمال کیے گئے وہ پرلے درجے کے مکروہ مبتذل ذوق کا ثبوت ہیں اور ان میں اس مقدس زبان کی نہایت گستاخانہ تضحیک کی گئی ہے جو قرآن مجید اور نبی کریمؐ کی زبان ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۱۶ صفحہ ۴۴۸ بحوالہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ صفحہ ۸۷،۸۸)

رپورٹ ان الفاظ پر ختم ہوئی:

''ہمیں یقین واثق ہے کہ اگر احرار کے مسئلے کو سیاسی مصالح سے الگ ہوکر محض قانون وانتظام کا مسئلہ قرار دیا جاتا تو صرف ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے تدارک کیلئے کافی تھا......اگر جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ قانون وانتظام کو سیاسی اغراض کے ماتحت کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہی علیم وخبیر ہے کہ کیا ہوگا یہاں ہم اس رپورٹ کو ختم کرتے ہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۱۶ صفحہ ۴۵۵ بحوالہ تحقیقاتی رپورٹ صفحہ ۴۲۴)

خدا کی قدرت وہ علماء جو تحقیقاتی عدالت میں اس جوش وخروش کے ساتھ شامل ہوئے تھے کہ وہ احمدیوں کو تحقیقاتی کمیشن سے غیر مسلم اقلیت تسلیم کروا کر چھوڑیں گے عدالت میں مسلم کی تعریف کرنے سے قاصر رہے۔ ''صدق جدید'' کے مدیر نے لکھا:

''اینٹی احمدیہ تحریک نے علماء کرام کو اپنوں اور غیروں کی نظروں میں اس قدر ذلیل ورسوا کیا ہے کہ مجموعی حیثیت سے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۶ صفحہ ۴۷۲)

اس ساری کارروائی سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تحقیقاتی کمیشن نے کسی قسم کا دباؤ قبول نہیں کیا نہ پبلک کا نہ حکومت کا۔

قادیان میں حضور نے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام شروع نہ ہو سکا۔ ۲۵؍جون ۱۹۵۳ء کو حضرت مصلح موعود نے ربوہ میں اس کا افتتاح فرمایا۔

سیّدنا حضرت فضل عمر نے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کا آغاز فرمایا تھا۔ پہلے یہ تحریک تین سال کیلئے تھی پھر اس کی معیاد بڑھا کر دس سال کر دی گئی۔ پھر اس کے لئے ۱۹ سال کی حد لگائی گئی۔ یہ میعاد اکتوبر ۱۹۵۳ء میں ختم ہوئی اور تحریک

جدید کے دوسرے دور کے دفتر اوّل کا آغاز ہوا۔حضور نے ۲۷ رنومبر ۱۹۵۳ کے خطبہ میں جو ...... مبارک ربوہ میں دیا تحریک جدید کے پہلے دور کے ختم ہونے اور دوسرے ۱۹ سالہ دور کے شروع ہونے کا آغاز فرمایا۔حضور نے فرمایا:

''میں نے سوچا ہے کہ اب تحریک جدید کی یہ شکل کر دی جائے کہ ہر دفتر جو بنے گا اس کے دور اوّل اور دور ثانی بنتے چلے جائیں اور ہر ایک ۱۹ سال کا ہو۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۵)

حضور پر قاتلانہ حملہ

جیسا کہ سب کو معلوم ہے احمدیت کی مخالفت شروع سے ہوتی رہی اور بعض لوگوں نے اسے مٹانے کی بھرپور کوششیں بھی کیں اس کے نتیجہ میں حضرت امام جماعت احمدیہ پر قاتلانہ حملوں کی کوششیں بھی ہوئیں جو صرف مخالفین کے مکر تک محدود رہیں اور ان سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔چنانچہ حضرت فضل عمر ۱۹۴۷ء سے پہلے کی پانچ کوششوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن ۱۰ رمارچ ۱۹۵۴ء کو دشمن حضور پر وار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔۱۰ رمارچ ۱۹۵۴ء بدھ والے دن حضور عصر کی نماز پڑھا کر واپس تشریف لے جارہے تھے کہ عبدالحمید نامی ایک شخص نے اچانک پیچھے سے جھپٹ کر حضور پر چاقو سے حملہ کیا۔چاقو کا یہ وار حضور کی گردن پر شہ رگ کے قریب دائیں طرف پڑا جس سے گہرا گھاؤ پڑ گیا۔حملہ آور نے دوسرا وار بھی کیا لیکن محمد اقبال صاحب محافظ کے درمیان میں آنے سے چاقو حضور کو لگنے کی بجائے ان کو لگا اور وہ بھی زخمی ہوئے۔حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش میں بعض اور لوگ بھی زخمی ہوئے لیکن بہرحال حملہ آور کو پکڑ لیا گیا۔مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری اور مولوی ابو العطاء صاحب جو اسوقت حضور کے قریب پہنچ گئے تھے دونوں طرف سے حضور کو سہارا دیکر قصر خلافت لے کر آئے۔سارا راستہ حضور کا مقدس خون بہتا رہا۔مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے ابتدائی علاج کیا اور زخم کو ٹانکے لگا کر سی دیا تاکہ خون بہنا بند ہو۔ابتداء میں یہ خیال تھا کہ زخم پون انچ گہرا اور تین انچ چوڑا ہے لیکن رات کو جب مکرم ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب لاہور سے پہنچے تو انہوں نے دوبارہ سے ٹانکے کھول کر زخم کا معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ زخم بہت زیادہ خطرناک اور سوا دو انچ گہرا اور شہ رگ کے قریب پہنچا ہوا ہے۔چنانچہ تقریباً سوا گھنٹہ لگا کر آپریشن کیا گیا اور اندر کی شریانوں کا منہ بند کر کے ٹانکے لگائے گئے۔اس اثناء میں حضور ہوش میں تھے اور آپکی زبان پر خدا تعالیٰ کی حمد وثناء جاری تھی۔مکرم عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری کہتے ہیں:

''اسی وقت حضور نے میرے ذریعہ یہ پیغام ...... مبارک میں جمع شدہ احباب کے نام دیا کہ قاتل کو جان سے نہ مارا جائے تاکہ جو تحقیقات اس کے ذریعہ ہو سکتی ہو اس کا موقعہ ہاتھ سے نہ نکلے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۷ صفحہ ۲۴۳)

اسی وقت پولیس کو بھی اطلاع دی گئی کہ حملہ آور ...... میں موجود ہے جس نے چپ سادھ رکھی ہے ۔ اس اطلاع پر پولیس ...... مبارک میں پہنچ گئی اور حملہ آور کو اپنی تحویل میں لے لیا ۔

حضرت مصلح موعود نے ۱۰ / مارچ کی رات کو یعنی حملہ کے فوراً بعد انگریزی میں اپنے قلم سے ایک بیان تحریر فرمایا جو اخبار ''المصلح'' کراچی میں ۱۲/ مارچ ۱۹۵۴ء کو شائع ہوا ۔ اس کا اردو ترجمہ یہ تھا ۔

> ''برادران! آپ سن چکے ہونگے کہ مجھ پر ایک نادان شخص نے حملہ کیا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آنکھیں کھولے اور ...... اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان پر جو فرض عائد ہوتا ہے اسے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ۔
>
> ...... اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اگر میرا وقت آپہنچا ہے تو وہ میری روح کو تسکین عطا کرے اور اپنی رحمتیں نازل فرمائے نیز یہ بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ لوگوں کو ایسا لیڈر عطا فرمائے جو اس کام کیلئے مجھ سے زیادہ موزوں ہو ۔
>
> میں ہمیشہ آپ سے اپنی بیویوں اور بچوں سے زیادہ محبت کرتا رہا ہوں اور دین حق اور احمدیت کی خاطر اپنے ہر قریبی اور ہر عزیز کو قربان کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہا ہوں ۔ میں آپ سے اور آپ کی آنیوالی نسلوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ آپ بھی ہمیشہ اسی طرح عمل کریں گے ۔
> اللہ تعالیٰ آپکا حامی وناصر ہو۔'' مرزا محمود احمد

(تاریخ احمدیت جلد ۱۷ صفحہ ۲۳۵)

حضور پر حملہ کی خبر بجلی کی طرح پورے ربوہ میں پھیل گئی ۔ کیا مرد، کیا عورتیں ، کیا بچے اور کیا بوڑھے تڑپتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل کر ...... مبارک کے احاطہ میں جمع ہونے لگے ۔ مغرب کی نماز میں گریہ وبکا سے ایک عجیب عالم نظر آتا تھا ۔

ربوہ سے باہر پاکستان اور بیرون پاکستان یہ خبر ریڈیو پاکستان ، بی ۔ بی سی اور دوسرے ممالک کے ریڈیو نے فوراً نشر کردی ۔ چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں ۔

جناب ادیب سہارنپوری نے چوہدری عبداللہ خان صاحب کو لکھا:

> ''...... سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص کسی بلند مقصد کے لئے خود کو وقف کر چکا ہو اور جسکا مرنا جینا اپنے لئے نہیں بلکہ پوری قوم یا معاشرے کیلئے ہو اس کے متعلق کون بد بخت سوچ سکتا ہے کہ وہ اس کی جان لے کر کوئی کارنامہ انجام دے رہا ہے ......''

لاہور سے ایک حکیم صاحب نے اپنے خط میں لکھا:

''یہ کمینہ حرکت دین میں بھی اور دنیا میں بھی حملہ آور کیلئے نقصان اور ذلت کا باعث ہوگی۔''

آزاد کشمیر کے ایک مذہبی لیڈر نے لکھا:

''نا ہنجار حملہ آور کا یہ فعل نہایت مذموم اور قبیح اور سفاکانہ و ظالمانہ قابل مذمت و نفرت ہے۔ محض اختلاف عقائد کی بناء پر یہ بین بزدلی شقاوت و بہیمیت ہے......میں فرقہ جعفریہ اثنا عشریہ کا فرد ہوں۔''

سیالکوٹ سے ایک معزز عہدہ دار نے لکھا:

''جناب والا کی قیمتی جان پر کمینہ اور بزدلانہ حملہ کی خبر مجھ پر بجلی بن کر گری اللہ تعالیٰ آپکو لمبی عمر عطا فرمائے تا کہ آپ انسانیت کی رہبری کر سکیں۔''

جہلم سے ایک ڈاکٹر صاحب نے لکھا: ''جس بدبخت نے یہ مکروہ فعل کیا ہے خدا اس سے انتقام لے گا اور ضرور لے گا۔''

ضلع سیالکوٹ کے مشہور ماہر تعلیم کا خط:

''افسوس ہے کہ ملک میں مذہبی رواداری بہت کم ہے اور بے خبر نوجوان گمراہ کن پراپیگنڈہ کے اثر کے نیچے آجاتے ہیں۔''

ایک سنی مسلم لیگ کے صدر نے لکھا:

''......یہ المناک واقعہ جہاں حملہ آور کی انتہائی شقاوت قلبی اور بدفطرتی پر دلالت کرتا ہے وہاں ہمارے ملک کی بدقسمتی اور تاریک مستقبل کے خطرہ کو نمایاں کرتا ہے۔''

حکومت کے ایک افسر نے لاہور سے لکھا:

''......اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے پیاروں کو ابتلا میں ڈالتا ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ بھی ایک ابتلاء تھا جس سے آپ کے درجہ کے لوگوں کو گزرنا پڑا۔ سچ کا بول بالا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو اس مقصد میں کامیاب کرے جس کیلئے اس نے آپکو پیدا کیا......'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۷ صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۹)

یہ اور اس قسم کے اور خطوط جو حضور کے نام آئے ان کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۵۴ء میں پاکستان میں انسانی ضمیر اور اسلامی رواداری کس حد تک زندہ تھی اور اس ظالمانہ گھناؤنے فعل کو کس طرح نفرت کی نظر سے دیکھا جارہا تھا۔ ان انفرادی خطوط کے علاوہ مختلف اخباروں نے اپنے اداریوں میں بھی اس واقعہ کی پرزور مذمت کی۔

۱۹۵۴ء کے جلسہ سالانہ میں اس حادثہ کے متعلق احباب جماعت کو تفصیلی طور پر بتایا گیا۔ ۱۷، ۱۸، ۱۹ / اپریل ۱۹۵۴ء کو مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا۔ اس مجلس مشاورت کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ حملہ کے بعد حضور پہلی مرتبہ قصر خلافت

سے باہر تشریف لائے اور افتتاحی خطاب فرمایا اور حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت پنجاب کو شوریٰ کا چیئرمین مقرر فرمایا۔

اس خطرناک زخم کیوجہ سے جو حضور کی گردن پر لگا تھا کمزوری تو چل رہی تھی لیکن اس کے ساتھ جماعت کے کام جاری تھے۔ ان تمام وجوہات کے نتیجہ میں ۲۶/فروری ۱۹۵۵ء کو حضور پر اعصابی بیماری کا خطرناک حملہ ہوا۔ آپ مغرب کی نماز کے بعد قصر خلافت میں اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے حضرت سیدہ چھوٹی آپا (ام متین) کمرہ میں موجود تھیں۔ آپ نے اٹھنا چاہا لیکن گر پڑے اور بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اس وقت حضور کا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا اور بایاں حصہ بے حس تھا۔ کرب بھی بہت تھا۔ ابتدائی علاج صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور ان کے ساتھ ڈاکٹر کیپٹن محمد رمضان صاحب کرتے رہے۔ نو بجے کے قریب حضور کی طبیعت میں کچھ بہتری پیدا ہوئی اور گیارہ بجے بیماری کے بہت سے اثرات زائل ہوگئے اور حضور بائیں ٹانگ اور بازو کو حرکت دینے لگے۔

اس بیماری کے حملے کے بعد سب سے پہلے ڈاکٹر محمد اسلم صاحب پیرزادہ لاہور کو ربوہ آنے کے لئے کہا گیا۔ وہ اسی وقت چل پڑے اور رات ایک بجے کے قریب ربوہ پہنچے اور علاج تجویز کیا۔

ڈاکٹر پیرزادہ صاحب نے تین دن بعد پھر دیکھنے آنا تھا لیکن حضور نے ڈاکٹر محمد یوسف خاں صاحب کو بھی بلانے کا کہا کہ وہ بھی ہمارے خاندان کے پرانے معالج ہیں ان دونوں کا علاج جاری تھا اور فائدہ بھی ہو رہا تھا کہ حضور نے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب کو بلایا۔ چنانچہ ان تینوں کے مشورہ سے علاج ہوتا رہا۔ کرنل الٰہی بخش صاحب نے معائنہ کے بعد حضور کو پرزور الفاظ میں یقین دلایا کہ آپ کو کوئی فالج نہیں ہوا۔ اعصابی کمزوری ہے۔

حضور کو ۱۹۵۳ء میں بھی علاج کیلئے یورپ یا امریکہ جانے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ چنانچہ اب پھر ڈاکٹروں نے حضور کو بیرون ملک جانے کا مشورہ دیا۔ دعاؤں کے بعد جب اطمینان ہوگیا تو حضور نے یہ مشورہ قبول فرمالیا۔ بعض اوقات خدا تعالیٰ غیروں کو بھی اپنے پیاروں کے متعلق اطلاع دے دیتا ہے۔ ریاست بڑودہ کے ایک غیر احمدی رئیس نواب سید صدرالدین حسین خان صاحب نے ۱۹۲۴ء میں خواب دیکھا کہ:

> ''ایک مکان میں اسباب بندھا رکھا ہے اور اہل خانہ کسی بڑے سفر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ صاحب خانہ بھی نہایت مصروفیت کی شان سے سامان درست کر رہے ہیں۔ آخر میں انہوں نے فرمایا جہاز تیار کرو اور یہ اسباب ان پر لادو عرض کیا: حضور کہاں کا ارادہ ہے۔ فرمایا یورپ جاتا ہوں۔ علاج کرنا ہے یہ دریافت کیا گیا آپ کا اسم شریف؟ فرمایا میرا نام عمر ابن الخطاب ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۱۷ صفحہ ۴۷۵ پرانا ایڈیشن بحوالہ روزنامہ الفضل ۹/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

روانگی

حضور نو بجے سے کچھ پہلے قصر خلافت کے اس دروازے سے باہر تشریف لائے جو ...... مبارک کی طرف کھلتا تھا۔ احباب دورویہ کھڑے دعاؤں میں مصروف تھے۔ حضور سید داؤد احمد صاحب کے کندھے کا سہارا لے کر موٹر میں سوار ہوئے اور اجتماعی دعا کروائی۔ پرسوز دعاؤں کا یہ عجیب نظارہ تھا۔ جب حضور کی کار حرکت میں آئی تو تمام فضا فی امان اللہ تعالیٰ اور سلامت روی باز آئی کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ موٹر کے حرکت میں آتے ہی ...... مبارک کے عقب میں صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی طرف سے بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے۔ حضور کی کار جونہی احاطہ ...... مبارک کے دروازے سے باہر آئی مجلس ربوہ مقامی کی طرف سے دو بکرے ذبح کئے گئے۔ حضور پہلے بہشتی مقبرہ تشریف لے گئے اور حضرت اماں جان کے مزار مبارک پر دعا کیلئے تشریف لے گئے۔ چار دیواری کے دروازے پر موٹر میں بیٹھے بیٹھے حضور نے دعا کی۔

اُس روز حضور نے رتن باغ لاہور میں قیام کیا اور ۲۶/مارچ صبح چھ بجے حضور رتن باغ سے روانہ ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر بھی جانثاروں کا ایک ہجوم تھا۔ ''خیبر میل'' کے ذریعہ حضور ۲۷/مارچ کو بخیریت کراچی پہنچے۔ ۲۹ اور ۳۰/مارچ کی درمیانی شب سیدنا حضرت مصلح موعود کے۔ ایل۔ ایم کے ذریعہ کراچی سے دمشق روانہ ہوئے۔

امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی تحریک پر ۲۹، ۳۰/اپریل کی رات کو ربوہ جماعت کی طرف سے صدقہ کا انتظام کیا گیا نیز رات ایک بجے حضور کے جہاز کی روانگی کے وقت اہل ربوہ نے ...... میں جمع ہو کر حضور کے سفر کے بابرکت ہونے کیلئے دعائیں کیں۔ ...... مبارک کے لاؤڈ اسپیکر سے دعا کے آغاز کا اعلان ہوا اور اس کے ساتھ ربوہ کی تمام آبادی دعاؤں میں مصروف ہوگئی۔ یہ اجتماعی دعا ...... مبارک میں مکرم قاضی نذیر احمد صاحب لائلپوری پرنسپل جامعہ احمدیہ نے کرائی۔

حضور ۳۰/اپریل صبح سات بجے دمشق پہنچے اور یہاں تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا۔ ۹/مئی کو حضور زیورک پہنچے۔ یہاں مختلف ڈاکٹروں نے حضور کا معائنہ کیا اور علاج تجویز ہوا۔ سوئٹزرلینڈ میں ایک ماہ قیام فرمانے کے بعد ۱۰/جون ۱۹۵۵ء کو یہاں سے روانہ ہوئے۔ اٹلی اور آسٹریا سے ہوتے ہوئے ۱۵/جون کو جرمنی پہنچے۔ اس دوران ہالینڈ کا دورہ بھی کیا۔ اور ۳/جولائی ۱۹۵۵ء کو لندن تشریف لے گئے۔ ۲۳ تا ۲۴/جولائی ۱۹۵۵ء تک لندن میں مبلغین ...... کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس کا ایجنڈا وسط جون ہی سے امریکہ، یورپ اور نائیجیریا وغیرہ کے مبلغین کو بھجوا دیا گیا تھا۔

حضرت مصلح موعود ایک ماہ چوبیس دن لندن میں قیام کرنے کے بعد ۲۶/اگست کو لندن سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئے اور ۵/ستمبر بروز پیر کراچی میں ورود فرمایا۔ اس دن سے اہل ربوہ بے چینی سے حضور کے منتظر تھے۔ آخر

۲۵؍ستمبر بذریعہ چناب ایکسپریس حضور ربوہ پہنچے۔...... مبارک کے لاؤڈ اسپیکر سے عصر کے بعد یہ اعلان ہوا حضور چناب ایکسپریس سے ربوہ پہنچ رہے ہیں احباب مقررہ راستے پر اپنے اپنے حلقوں میں پہنچ جائیں۔ یہ اعلان سنتے ہی ربوہ کے لوگ جوش اور خوشی کے ساتھ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے اس سڑک پر جمع ہو گئے جو خوش آمدید کے بینروں اور رنگ برنگ جھنڈیوں سے سجی ہوئی تھی۔

ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر جہاں بجلی کے قمقموں سے چراغاں کیا تھا امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے علاوہ خاندان مسیح موعودؑ کے دیگر افراد، ناظران، وکلاء اور استقبالیہ کمیٹی کے دیگر ممبر جمع تھے۔

چونکہ ان دنوں میں ربوہ اسٹیشن پر پلیٹ فارم نہیں تھا اس لئے ڈبہ کے ساتھ لکڑی کا ایک زینہ لگا دیا گیا لیکن حضور نے اسے ہٹوا دیا اور گاڑی میں بیٹھے ہی مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمس نے استقبالیہ کمیٹی کی طرف سے حضور کی خدمت میں ۳۲صفحات پر مشتمل ''الفضل کا خیر مقدم نمبر'' پیش کیا جو شمس صاحب کی زیر نگرانی ادارہ الفضل نے شائع کیا تھا۔

احاطہ...... مبارک میں پہنچ کر حضور کار سے اترتے ہی...... مبارک کی محراب کے دروازہ سے...... میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک پرسوز دعا کروائی۔ باقی لوگوں نے باہر کھڑے ہو کر ہی دعا کی۔ رات تک ربوہ کے گلی کوچوں میں رونق رہی۔ چاند کی روشنی کے ساتھ چراغاں ایک عجیب نورانی منظر پیش کر رہا تھا۔

۲۰؍فروری ۱۹۵۶ء کو یوم مصلح موعود کی مبارک تقریب کے موقعہ پر حضور نے فضل عمر ہسپتال اور دفتر مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا فضل عمر ہسپتال میں حضور نے تین اینٹیں بنیاد میں رکھیں جن میں درمیانی اینٹ قادیان سے لائی ہوئی رکھی گئی۔ پھر حضور دفتر انصاراللہ مرکزیہ کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے پانچ اینٹیں بنیاد میں رکھیں۔

سیّدنا حضرت فضل عمر تقسیم ہند سے قبل تبدیلی آب وہوا کے لئے اکثر موسم گرما میں پالم پور اور ڈلہوزی وغیرہ تشریف لے جاتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اس مقصد کیلئے مری میں خیبر لاج کوٹھی حاصل کی گئی بعد میں حضور کی ہدایت پر جابہ ضلع سرگودھا کے قریب ۱۹۵۶ء کے شروع میں 'نخلہ' کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی کی بنیاد رکھی گئی نخلہ کی زمین مکرم نواب مسعود احمد خان صاحب کی ملکیت تھی۔ نخلہ میں حضور کے مکان کے علاوہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری، بیرکس برائے پہرہ داراں، کوارٹرز برائے صاحبزادگان، کوارٹرز برائے ناظران ووکلاء حضرات، بیرکس برائے غیر ملکی طلباء، کوارٹرز برائے ڈسپنسری وڈسپنسر، کوارٹرز برائے معلم نخلہ وغیرہ شامل تھے۔ نخلہ کے ماحول کو خوشگوار بنانے کیلئے ایک باغ بھی لگایا گیا جس میں مختلف پھل دار درخت لگائے گئے۔ 'نخلہ' کی تعمیرات کا معائنہ کرنے کیلئے حضور پہلی بار ۲۵؍جون ۱۹۵۶ء نخلہ تشریف لے گئے اور رات کو یہاں قیام کر کے اگلے دن مری چلے گئے اس کے بعد آپ ہر سال جابہ جاتے رہے۔ آخری بار حضور ۹؍جولائی ۱۹۶۲ء کو نخلہ گئے اور قریباً اڑھائی ماہ یہاں قیام کیا اس چھوٹی سی بستی میں

سلسلہ احمدیہ کے بہت سے اہم کام سرانجام پائے۔ تفسیر صغیر بھی یہیں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

منکرین خلافت نے ۱۹۱۴ء سے ہی حضرت خلیفہ اوّل کے گھر کو حضرت مصلح موعود کی مخالفت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا جیسا کہ حضرت مولوی عبدالحیٔ کے پاس بھی یہ لوگ آئے تھے کہ اگر آپ خلیفہ بن جاتے تو ہم آپ کی اطاعت کرتے لیکن انہوں نے باوجود کم عمری کے ان کو مایوس لوٹا دیا تھا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ آپ کے نفس کا دھوکہ ہے اگر میں خلیفہ بنتا تب بھی آپ میری اطاعت نہ کرتے۔ اگرچہ یہ لوگ اسوقت بری طرح ناکام ہوئے لیکن انہوں نے اپنے بد ارادے نہیں چھوڑے اور حضرت خلیفہ اوّل کے چھوٹے بیٹوں کے ذہن میں زہر گھولتے رہے۔ یہ لاوا اندر ہی اندر ابلتا رہا۔ مختلف مواقع پر ان کی حرکتیں سامنے بھی آئیں لیکن حضرت مصلح موعود عفو اور درگزر سے کام لیتے رہے۔ آخر ۱۹۵۶ء میں یہ فتنہ کھل کر سامنے آگیا۔

۲۵؍جولائی ۱۹۵۶ء کو حضور نے ’الفضل‘ میں تمام احمدی جماعتوں کے نام ایک پیغام شائع کروایا۔ اس کے ساتھ مکرم مولوی محمد صدیق کا وہ خط بھی شائع کروایا جس میں منافقین کے متعلق رپورٹ تھی جسمیں یہ بھی لکھا گیا کہ منافقین میں سے ایک شخص اللہ رکھا نامی کے نام مولوی عبدالوہاب صاحب کے ایک محبت بھرے خط کا بھی ذکر تھا جس میں تحریر تھا کہ ’’ہم تو بھائیوں کی طرح ہیں اور امی جان تم کو بیٹوں کی طرح سمجھتی تھیں۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد ۱۹ صفحہ ۲۷ بحوالہ الفضل ۲۵؍جولائی ۱۹۵۶ء)

امام جماعت احمدیہ کے پیغام نے ساری جماعت کے دلوں میں ایک تڑپ پیدا کردی اور جماعت کے ہر فرد کے دل میں نظام خلافت سے محبت اور وابستگی اور منافقین کے لئے شدید بیزاری کے جذبات پیدا کردیئے اور مختلف مخلصین نے اس فتنہ کے متعلق ضروری شہادتیں اور معلومات حضور کی خدمت میں بھجوائیں۔ حضور نے ۳؍اگست ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ’’آجکل ہماری جماعت میں منافقین کا فتنہ شروع ہے...... ان لوگوں نے بھی میرے ولایت جانے کو غنیمت جانا اور خیال کیا کہ اب خلیفہ باہر ہے ہم جو چاہیں کرسکتے ہیں لیکن ان بے وقوفوں نے یہ نہ جانا کہ خدا میرے ساتھ ہے۔ یہ لوگ باوجود ارادہ کے میری غیر حاضری میں کچھ نہ کرسکے‘‘

ان کی شرارتوں کے سدباب کے لئے اور فتنہ مخالفین کو کچلنے کے لئے حضرت مصلح موعود نے ۱۹۵۶ء کے خدام اور انصار کے اجتماعات میں بھی مسئلہ خلافت کو اپنے خطاب کا موضوع بنایا اور منافقین کے فتنوں سے پردہ اٹھایا۔ ۲۱؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مصلح موعود نے ہدایت فرمائی کہ نظام خلافت کی اہمیت اور برکات کو تازہ رکھنے کے لئے ہمیشہ یوم خلافت منایا جائے۔

جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء کے موقعہ پر ۲۷ر دسمبر کو حضور نے منافقین کے منصوبوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تقریر فرمائی جو ’’نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر‘‘ کے نام سے شائع ہوئی۔ دوسری تقریر آپ نے خلافت حقہ اسلامیہ کے نام سے ۲۸ر دسمبر کو کی۔

مارچ ۱۹۵۷ء کی مشاورت کے موقعہ پر انتخاب خلافت سے متعلق حضور کے ارشادات ریزولیوشن کی شکل میں پیش کئے گئے۔ حضور نے فرمایا:

> ’’اب میں باقی ایجنڈا شروع کرنے سے پہلے مولوی ابوالعطاء صاحب کو ہدایت دیتا ہوں کہ وہ ریزولیوشن جو میری ہدایت کے مطابق بنایا گیا ہے اور جلسہ سالانہ پر میں نے انتخاب خلافت کے سلسلہ میں اس کا ذکر کیا تھا پڑھ کر سنائیں۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۱۹ صفحہ ۱۶۲)

اس کے بعد حضرت مولوی ابوالعطاء صاحب نے ایک مختصر تقریر کی اور کچھ شہادتیں پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد انتخاب خلافت کے متعلق ایک ضروری ریزولیوشن پیش کیا جس میں حضور نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا تھا کہ آئندہ خلافت کے انتخاب میں مجلس شوریٰ کے جملہ ممبران کی بجائے صرف ناظران صدر انجمن احمدیہ، ممبران صدر انجمن احمدیہ، وکلاء تحریک جدید، خاندان مسیح موعودؑ کے زندہ افراد (جن کی تعداد اس غرض کیلئے اس وقت تین ہے یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور نواب میاں عبداللہ خاں صاحب) جامعۃ المبشرین کے پرنسپل اور مفتی سلسلہ احمدیہ مل کر فیصلہ کریں۔ (جلسہ سالانہ ۱۹۵۶ء میں یہ قاعدہ پیش کیا گیا تھا) بعد میں حضور نے مشورہ کے بعد مندرجہ ذیل اراکین کا بھی اضافہ فرمایا۔

۱۔ مغربی پاکستان کا امیر اور اگر مغربی پاکستان کا ایک امیر مقرر نہ ہو تو علاقہ جات مغربی پاکستان کے امراء جو اس وقت چار ہیں۔

۲۔ مشرقی پاکستان کا امیر۔

۳۔ کراچی کا امیر۔

۴۔ تمام اضلاع کے امراء۔

۵۔ تمام سابق امراء جو دو دفعہ امیر رہ چکے ہوں گو اس وقت امیر نہ ہوں۔ (ان کے اسماء کا اعلان انجمن کریگی)

۶۔ امیر جماعت احمدیہ قادیان۔

۷۔ ممبران صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

۸۔ تمام زندہ ...... کرام کو بھی انتخاب خلافت میں رائے دینے کا حق ہوگا۔ (اس غرض کیلئے ...... وہ ہوگا جس نے حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھا ہو اور حضور کی باتیں سنی ہوں اور ۱۹۰۸ء میں حضور کی وفات کے وقت اس کی عمر کم

ازکم بارہ سال کی ہو......)

۹۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اوّلین ......میں سے ہر ایک کا بڑا لڑکا انتخاب میں رائے دینے کا حقدار ہوگا بشرطیکہ وہ مبائعین میں شامل ہو۔*

۱۰۔ ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کم ازکم ایک سال بیرونی ممالک میں تبلیغ کا کام کیا ہو اور بعد میں تحریک جدید نے کسی الزام کے ماتحت انہیں فارغ نہ کردیا ہو۔

۱۱۔ ایسے تمام مبلغین سلسلہ احمدیہ جنہوں نے پاکستان کے کسی صوبہ یا ضلع میں رئیس التبلیغ کے طور پر کم ازکم ایک سال کام کیا ہو......"

اس کیلئے حضور نے یہ قانون بھی منظور فرمایا کہ مجلس انتخاب خلافت کے جو اراکین مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے بوقت انتخاب حاضر افراد انتخاب کرنے کے مجاز ہوں گے۔ غیر حاضر افراد کی غیر حاضری اثر انداز نہ ہوگی۔ نیز یہ بھی کہ نئے خلیفہ کا انتخاب مناسب انتظار کے بعد چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہونا چاہیے۔ مجبوری کی صورت میں زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر انتخاب لازمی ہے۔ بعد ازیں حضور نے آئندہ کیلئے ممکنہ تبدیلیوں کو سامنے رکھ کر مزید ہدایات بھی فرمائیں اور پھر تمام ممبران شوریٰ سے رائے لی گئی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۱۹ صفحہ ۱۶۸ تا ۱۷۰)

۲۱ راکتوبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مصلح موعود نے ہدایت فرمائی تھی کہ جماعت احمدیہ میں نظام خلافت کی اہمیت اور برکات کو تازہ رکھنے کے لئے ہمیشہ یوم خلافت منایا جائے۔ چنانچہ حضور نے اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

> "خلافت کی برکات کو یاد رکھیں اور کسی چیز کو یاد رکھنے کیلئے پرانی قوموں کا یہ دستور ہے کہ وہ سال میں اس کے لئے خاص طور پر ایک دن مناتی ہیں......اسی طرح میں بھی خدام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سال میں ایک دن خلافت ڈے کے طور پر منایا کریں اس میں وہ خلافت کے قیام پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور پرانی تاریخ کو دہرایا کریں......اگر سال میں ایک دفعہ خلافت ڈے منالیا جایا کرے تو ہر سال چھوٹی عمر کے بچوں کو پرانے واقعات یاد ہو جایا کریں گے......"
>
> (تاریخ احمدیت جلد ۱۹ صفحہ ۱۵۴)

حضور کے اس ارشاد پر نظارت اصلاح وارشاد نے الفضل ۹ رنومبر ۱۹۵۶ء میں اعلان کروایا ۲۷ رمئی ۱۹۵۷ء کو

---

* اس جگہ ......اوّلین سے مراد وہ احمدی ہیں جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتب میں فرمایا ہے۔ اُن کے ناموں کا اعلان صدر انجمن احمدیہ بعد منظوری حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کرے گی۔

پہلا یوم خلافت منایا جائے گا۔

وقف جدید کا قیام:

۹؍جولائی ۱۹۵۷ء کو حضور نے ’’وقف جدید‘‘ کی تحریک کا آغاز فرمایا۔ خطبہ عید الاضحیہ میں آپ نے فرمایا:

’’چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اگر نوجوان ایسے ہوں جنکے دلوں میں یہ خواہش پائی جاتی ہو کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ کے نقش قدم پر چلیں تو جس طرح جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں تحریک جدید کے ماتحت وقف کرتے ہیں وہ اپنی زندگیاں براہ راست میرے سامنے وقف کریں تاکہ میں ان سے ایسے طریق پر کام لوں کہ وہ...... کو تعلیم دینے کا کام کرسکیں۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۲۰ صفحہ ۲)

پھر ۲۷؍دسمبر ۱۹۵۷ء کے جلسہ کی تقریر میں فرمایا:

’’......میری اس وقف سے غرض یہ ہے کہ لاہور سے لے کر کراچی تک ہمارے معلمین کا جال پھیلا دیا جائے...... ابتداء دس واقفین سے کی جائیگی اور پھر بڑھاتے بڑھاتے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچانے کی کوشش کی جائیگی۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۲۰ صفحہ ۵)

۵؍جنوری ۱۹۵۸ء کو حضور نے وقف جدید سے متعلق احباب جماعت کے نام ایک پیغام بھیجا جسمیں لکھا:

’’میرے دل میں چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ تحریک ڈالی ہے اس لئے خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں، کپڑے بیچنے پڑیں میں اس فرض کو تب بھی پورا کرونگا۔ اگر جماعت کا ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے خدا تعالیٰ ان لوگوں کو الگ کردے گا جو میرا ساتھ نہیں دے رہے اور میری مدد کیلئے فرشتے آسمان سے اتارے گا......‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۲۰ صفحہ ۶)

۱۰؍جنوری ۱۹۵۸ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت کو صد سالہ جوبلی منانے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

’’چند دنوں کی بات ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اترنے والی ہے...... آخر اللہ تعالیٰ ایسا تو نہیں کہ ۷۵ سال تک ایک قوم کو گالیاں دلوائے، ماریں کھلوائے، پتھر مروائے اور پھر چپ کر کے بیٹھا رہے...... حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۸۸۲ء میں دعویٰ کیا...... جماعت اس طرف توجہ کرے۔ ۱۰۰ سال کی جوبلی بڑی جوبلی ہوتی ہے جب جماعت کو وہ دن دیکھنے کا موقعہ ملے تو اس کا فرض ہے کہ وہ یہ جوبلی منائے...... ایک عظیم الشان جوبلی منائے......‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۲۰ صفحہ ۷۶)

۱۹۵۸ء کا سال حضرت فضل عمر کی زندگی میں ایک غم بھی لے کر آیا کہ حضرت سیدہ امّ ناصر حرم اوّل حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی جن کی شادی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہوگئی تھی ۳۱ رجولائی ۱۹۵۸ء کو مری میں وفات پا گئیں۔ حضور اسی دن جابہ سے مری کیلئے روانہ ہوئے تھے پنڈی پہنچ کر حضور کو یہ المناک خبر ملی۔ حضور گیارہ بجے کے قریب مری پہنچے۔ تقریباً سوا تین بجے حضور نے مری میں نماز جنازہ پڑھائی اور چار بجے کے قریب مری سے ربوہ کیلئے روانہ ہوئے اور تین بجے رات ربوہ پہنچے۔ سوا سات کے قریب صبح حضور نے حضرت اُمّ ناصر کی نماز جنازہ پڑھائی اور قبر تیار ہونے پر سوا آٹھ بجے دعا کروائی گئی۔

۱۹۶۰ء کے بعد سے حضور کی صحت آہستہ آہستہ گرتی جارہی تھی بلکہ حضور پر جو قاتلانہ حملہ ہوا تھا اس کے نتیجہ میں باوجود علاج کے مکمل طور پر صحت واپس نہ آسکی تھی پھر بھی حضور اپنے جماعتی کاموں میں مصروف رہے حضور نے ایک لمبی بیماری کاٹی اور افراد جماعت کو اپنی والہانہ محبت کیوجہ سے یہ بیماری بہت صبر آزما لگی لیکن اس میں خدا تعالیٰ کے کئی مصالح بھی تھے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود حضور فرماتے ہیں:

''ایک رجس تو یہ دور ہوا کہ پہلے احمدی سمجھتے تھے کہ میں نے پانچ چھ سو سال زندہ رہنا ہے۔ بیماری آئی تو انہیں ہوش آگیا کہ ہم بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں۔''

(سوانح فضل عمر حصہ ۵ بحوالہ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۹۹)

حضور کے آخری لمحات کی تصویر کھینچتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''ہمارے نہایت ہی پیارے امام میرے محبوب روحانی اور جسمانی باپ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی کی بیماری کے آخری لمحات کی یاد ایک نہ مٹنے والا نقش ہے۔ شام سے طبیعت زیادہ خراب تھی اور مسلسل سانس کو درست رکھنے کیلئے آکسیجن دی جارہی تھی ...... مکرم قاضی مسعود احمد صاحب اور برادرم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب بار بار معائنہ فرماتے ...... بچوں میں دو تو ڈیوٹی پر تھے اور باقی تمام ویسے ہی جمع تھے۔ خاندان کے بڑے چھوٹے سبھی کے دل اندیشوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے تاہم زبان پر کوئی کلمہ بے صبری کا نہ تھا اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا تھا...... بس افکار کے دھوئیں میں گھری ہوئی امید کی ایک شمع ہر دل میں روشن تھی اور آخر تک روشن رہی ...... دعائیں سب ہونٹوں پر جاری تھیں اور ہر دل اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھا۔

''حضور پر کبھی غنودگی طاری ہوتی تو کبھی پورے ہوش کے ساتھ آنکھیں کھول لیتے ...... جوں جوں رات بھیگتی گئی غنودگی بڑھتی گئی ...... لیکن یہ تو وہم و گمان نہ تھا کہ حضور کی یہ آخری رات ہے ...... تقریباً گیارہ بجے شب میں ذرا ستانے اور ایک لاہور سے تشریف لائے ہوئے مہمان کو گھر چھوڑنے گیا ...... نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹے ابھی چند منٹ ہی ہوئے ہونگے کہ فون کی

دل دہلا دینے والی گھنٹی بجنے لگی ۔ مجھے فوراً پہنچنے کی تاکید کی جارہی تھی ۔ اسی وقت وضو کر کے ناقابل بیان کیفیت میں وہاں پہنچا ۔ قصرِ خلافت میں داخل ہوتے ہی مکرم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اور مکرم ڈاکٹر ذکی الحسن صاحب کے پژمردہ چہروں پر نظر پڑی جو باہر برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے تھے ۔ حضور کے کمرے میں پہنچا تو اور ہی منظر پایا...... افرادِ خاندان سے کمرہ بھرا ہوا تھا ۔ حضرت سیدہ اُمِّ متین اور حضرت سیدہ مہر آپا بائیں جانب سرہانے کی طرف اداسی کے مجسمے بنی ہوئی بیٹھی تھیں ۔ برادرم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب دائیں طرف سرہانے کے قریب کھڑے تھے اور حضرت بڑی پھوپھی جان اور حضرت چھوٹی پھوپھی جان بھی چارپائی کے پہلو میں ہی کھڑی تھیں ۔ میرے باقی بھائی بہنیں بھی جو بھی ربوہ میں موجود تھے سب وہیں تھے ۔ اعزاء و اقربا بھی اردگرد اکٹھے تھے سب کے ہونٹوں پر دعائیں تھیں اور سب کی نظریں اس مقدس چہرے پر جمی ہوئی تھیں ...... سانس کی رفتار تیز تھی اور پوری بے ہوشی طاری تھی ۔ چہرے پر کسی قسم کی تکلیف یا جدوجہد کے آثار نہ تھے ۔ میں نے کسی بیمار کا چہرہ اتنا پیارا اور ایسا معصوم نظر آتا ہوا نہیں دیکھا ۔ میں نہیں جانتا کہ اس حالت میں ہم کتنی دیر کھڑے رہے اور سانس کی کیفیت میں وہ کیا تبدیلی تھی جس نے ہمیں غیر معمولی طور پر چونکا دیا ۔

''اس وقت مجھے پہلی مرتبہ یہ غالب احساس ہوا کہ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق اور حیی و قیوم ہے اور ہر آن اپنی تقدیر کو بدل سکتا ہے لیکن وہ تقدیر جس سے ہمارے نادان دل گھبراتے تھے وہ تقدیر آ پہنچی ہے ۔ پس اسی وقت میں نے قرآن کریم طلب کیا اور مقدس وجود کی روحانی تسکین کیلئے جس کی ساری زندگی قرآن کریم کے عشق اور خدمت میں صرف ہوئی سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی...... تلاوت کے اختتام تک زندگی کی کشمکش کے آخری چند لمحے آ پہنچے تھے میں نے قرآن کریم ہاتھ سے رکھ دیا اور دیگر عزیزوں کی طرح قرآنی اور دیگر مسنون دعاؤں میں مصروف ہو گیا ۔

حضور نے ایک گہری اور لمبی سانس لی جیسے معصوم بچے تھک کر لیا کرتے ہیں اور ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے آپ کی آخری سانس ہے اسی وقت میں نے ایک ہومیو پیتھک دوا کے چند قطرے پانی میں ملا کر اپنی تشہد کی انگلی سے قطرہ قطرہ حضور کے ہونٹوں میں ٹپکانے شروع کئے اور ساتھ ہی ہونٹوں پر بے اختیار دعا جاری ہو گئی ۔ **یا حیی و یا قیوم برحمتک نستغیث** ۔ اس وقت سانس بند تھے اور جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا اور بظاہر زندگی کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا لیکن اچانک ہم نے

حیّی و قیوم خدا کا ایک عظیم معجزہ دیکھا۔ مجھے حضرت پھوپھی جان کی بے قرار آواز سنائی دی کہ دیکھو ابھی پاؤں میں حرکت ہوئی تھی اور سانس لینے کا سا اشتباہ ہوا معاً شدید کرب اور بے چینی سکینت میں بدل گئے اور ہر طرف سے یا حیّی و یا قیوم کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور جوں جوں ہم دعا کرتے رہے حضور کے سانس گہرے ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ ڈاکٹر جو جسم کو بظاہر مردہ چھوڑ کر چلے گئے تھے واپس بلائے گئے اور بڑی حیرت سے اس معجزانہ تبدیلی کا مشاہدہ کرنے لگے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی زندگی کا بظاہر جسم چھوڑ دینے کے بعد معجزانہ طور پر واپس لوٹ آنا محض ہمارے دلوں کو سکینت عطا کرنے کی خاطر تھا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے گویا ایک فضل و احسان کا پھایا تھا جو ہمارے قلوب پر رکھا گیا۔ چنانچہ اس کے تقریباً بیس منٹ کے بعد حضور کو اپنے آسمانی آقا کا آخری بلاوہ آ گیا۔ اس وقت کا منظر اور کیفیت ناقابلِ بیان ہے۔ ہم نے آسمان سے صبر اور سکینت اپنے قلوب پر نازل ہوتے دیکھا اور یوں محسوس ہوا جیسے ضبط و تحمّل کی باگ ڈور رحمت کے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ آنکھوں سے آنسو ضرور جاری تھے..... مگر سب دل راضی برضا اور سب سر اپنے معبود، خالق و مالک کے حضور جھکے ہوئے تھے۔ ہم ٹکٹکی لگا کر اسی طرح خدا جانے کب تک اس پیارے چہرے کی طرف دیکھتے رہے جسے موت نے اور بھی زیادہ معصوم اور حسین بنا دیا تھا۔

”اس تقدس کے ماحول میں جس کی فضاء ذکر الٰہی سے معمور تھی اور جس کی یاد کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی حضور کی نعشِ مبارک نور میں نہائی ہوئی ایک معصوم فرشتے کی طرح پڑی تھی۔“

(سوانح فضلِ عمر حصہ چہارم صفحہ ۵۳۲ تا ۵۳۵)

حضور کی وفات ۷ اور ۸ نومبر ۱۹۶۵ء کی درمیانی شب دو بجکر بیس منٹ پر ہوئی۔ آخری زیارت کا سلسلہ ۸ نومبر ۱۹۶۵ء بروز دوشنبہ صبح ساڑھے سات بجے شروع ہوا جو ۹ نومبر اڑھائی بجے دوپہر تک لگاتار ۳۱ گھنٹے جاری رہا۔ جنازہ قصر خلافت سے پونے تین بجے اٹھایا گیا اور جنازہ خاندانِ مسیح موعودؑ کے افراد کاندھوں پر اٹھا کر لائے اور چارپائی پر رکھا۔ جس کے ساتھ لمبے لمبے بانس بندھے ہوئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ احباب کندھا دے سکیں۔ جنازہ قصر خلافت کے مغربی دروازہ سے نصرت گرلز سکول کے سامنے پہنچا وہاں سے سید حامد فارم کی جانب سے ہوتا ہوا گول بازار سے گزر کر بہشتی مقبرہ کی طرف لایا گیا۔ جہاں ہزاروں احباب انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے ایک خاص نظام اور ترتیب سے کندھا دینے کی سعادت حاصل کی۔ نصف میل کا یہ فاصلہ تقریباً پونے دو گھنٹوں میں طے ہوا اور ربوہ کی فضاء مسلسل پونے دو گھنٹے درود شریف کی آوازوں سے گونجتی رہی۔ چار بجکر چالیس منٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے

نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ چاردیواری کے اندر لے جایا گیا اور حضرت اماں جان کے پہلو میں حضور کے جسدِ اطہر کی تدفین ہوئی۔ قبر تیار ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے دعا کروائی۔ (حوالہ از الفضل ۱۱؍نومبر ۱۹۶۵ء)

اس طرح ۸؍نومبر ۱۹۶۵ء کو یہ دور تکمیل کو پہنچا جس کی غیر معمولی کامیابیوں کے پس پردہ خدائے قادر وتوانا کا مضبوط ہاتھ تھا جس نے آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی عظیم الشان خوبیوں کی خوشخبری دے رکھی تھی۔

فضلِ عمر کے عہد کی وہ قیمتی کتاب
جس کا خدا نے آپ ہی لکھا تھا انتساب
اک عمر جس کو پڑھ کے مسرت ملی ہمیں
لو آج ختم ہوگیا وہ زرنگار باب

حضور کی وفات پر اس وقت کے صدر جناب ایوب خاں صاحب نے اور گورنر مغربی پاکستان جناب امیر محمد خان صاحب نے تعزیتی پیغامات بھجوائے۔ نیز ملکی اخبارات نے آپ کی وفات کی خبر کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ ان میں سے چند ایک تحریر ہیں۔

نوائے وقت نے ۹؍نومبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں لکھا:

”احمدیہ فرقہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد انتقال کر گئے ......آپ نے کل ۹۶ مشن قائم کئے۔ یہ مشن افریقہ کے مغربی ساحل کے ملکوں میں خصوصیت سے عیسائی مشنوں کے مقابلہ میں کام کر رہے ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران مرحوم مرزا بشیر الدین محمود احمد نے مسلم لیگ کی حمایت کی......“

نوائے وقت کی ۱۲؍نومبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں مشہور صحافی محمد شفیع (م۔ش) نے اپنے کالم میں لکھا:

”۷۷ سال کی عمر میں ربوہ (مغربی پاکستان) میں سوموار کی صبح کو مرزا بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی) کے انتقال سے تاریخ احمدیت کا ایک دور ختم ہوگیا......مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ......جس طرح اپنی جماعت کی تنظیم کی اور جس طرح صدر انجمن احمدیہ کو ایک فعال اور جاندار ادارہ بنایا اس سے ان کی بے پناہ تنظیمی قوت کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ ان کے پاس کسی یونیورسٹی کی ڈگری نہیں تھی لیکن انہوں نے پرائیویٹ طور پر مطالعہ کر کے اپنے آپ کو واقعی علامہ کہنے کا مستحق بنا لیا تھا۔“

روزنامہ ”امروز“ لاہور نے ۹؍نومبر ۱۹۶۵ء میں لکھا:

”......انہوں نے افریقہ، یورپ اور امریکہ میں جماعت کی طرف سے تبلیغی مشن قائم کرنے

میں گہری دلچسپی لی...... انہوں نے ۱۹۲۲ء شدھی تحریک کی مخالفت کی اور آریہ سماجیوں کے خلاف مناظرے کئے ۱۹۳۱ء میں کل ہند کشمیر کمیٹی کی قیادت کی۔ تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور ۱۹۴۸ء میں احمدی رضا کاروں کی ایک بٹالین تیار کر کے کشمیر میں لڑنے کیلئے بھیجی۔ ان کے ماننے والوں کی تعداد تیس لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے اور دنیا میں ۲۹۱...... تعمیر کرنے کے علاوہ تبلیغی اداروں کا جال پھیلایا ان کی جماعت نے کلام پاک کا جرمن، ولندیزی، انڈونیشین اور سواحیلی زبان کے علاوہ اور کئی زبانوں کے ترجمے شائع کئے......''

ہفت روزہ انصاف راولپنڈی نے ۱۱رنومبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں لکھا:

''فرقہ احمدیہ کے پیشوا مرزا بشیر الدین محمود احمد بڑا عرصہ علیل رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرزا صاحب فرقہ احمدیہ کے امام ہونے کے علاوہ کشمیر کے تعلق میں ایک بڑی سیاسی اہمیت کے حامل تھے۔ آپکو اگر کشمیر کی تحریک آزادی کے بانیوں میں سے قرار دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا......''

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک غیر مطبوعہ مکتوبِ گرامی

ذیل میں ہم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب گرامی درج کرتے ہیں جو حضور نے ۱۹۲۴ء میں اپنے پہلے سفر یورپ پر روانہ ہوتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط حضرت اماں جان کے نام ہے:

''بمبئی پندرہ جولائی ۱۹۲۴ء

جناب والدہ صاحبہ مکرمہ لازالت تحت ظل حمایتہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ خط تو مَیں ریل میں سے چودہ تاریخ کو لکھ رہا ہوں مگر ڈالوں گا انشاء اللہ جہاز میں سوار ہونے کے بعد۔ اس وقت اس لئے لکھتا ہوں کہ آگے جہاز میں سوار ہونے تک کوئی وقت فرصت کا نہیں۔ امید ہے کہ ہمشیرہ مبارکہ بیگم کو اب آرام ہوگا۔ ناصر احمد کو بخار تھا نہ معلوم اس کا اب کیا حال ہے۔ خدا جانے بمبئی میں ہمیں کوئی خبر خیریت کی بذریعہ تار ملتی ہے یا نہیں۔ ہم انشاء اللہ جس وقت یہ خط آپ کو ملے گا ہندوستان کے ساحل سے دُور سمندر پر سفر کر رہے ہوں گے۔ تلاطم آج کل سخت ہے اور جہاز چھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حافظ و ناصر ہو اللہ تعالیٰ خیریت سے پہنچائے تو انشاء اللہ عدن سے پھر خبر دے سکتے ہیں اور ہمیں خبر پہنچ سکتی ہے یعنی بائیس یا تیئس کو آپ کو خبر پہنچ سکتی ہے۔ اکیس تاریخ تک جہاز غالباً عدن پہنچے گا۔

عزیزہ امۃ الحفیظ بیگم کو السلام علیکم۔ بچوں کو پیار اور سلام۔ نواب صاحب کو اور میاں عبداللہ خاں صاحب کو السلام علیکم۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور ہر ایک قسم کی تکلیفوں سے آپ کو محفوظ رکھے۔ والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

حضرت مصلح موعود کے دو عظیم علمی و صحافتی کارنامے

رسالہ تشحیذ الاذہان اور اخبار الفضل کا اجراء

(مکرم عبدالسمیع خان صاحب ایڈیٹر الفضل)

سیدنا حضرت مصلح موعود کے سپرد قوموں کی امامت کا فریضہ تھا اور یہ بھی بشارت تھی کہ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اس لئے خدائی منشا کے تحت چھوٹی عمر میں ہی بڑے بڑے کاموں کی داغ بیل آپ کے ہاتھوں پڑنے لگی جنہوں نے بعد میں عظیم الشان منصوبوں کے طور پر ظاہر ہونا تھا اور اس طرح نہ صرف آپ خود تیزی سے بڑھنے لگے بلکہ اپنے ساتھ ان جان نثاروں اور فدائیوں کی فوج بھی تیار کرنے لگے جنہوں نے بعد میں آپ کا دست و بازو بننا تھا۔

ان عظیم علمی کارناموں کے ایک سلسلہ کا تعلق صحافت اور تالیف و تصنیف سے ہے۔ صرف ۹ سال کی عمر میں ۱۸۹۷ء میں آپ نے انجمن ہمدردان...... کی بنیاد ڈالی جس کا نام کچھ عرصہ بعد انجمن خادم...... تجویز کیا گیا۔

(الحکم ۷/اکتوبر ۱۹۳۹ء)

۱۹۰۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا نام انجمن تشحیذ الاذہان عطا فرمایا۔

(الحکم ۲۸/دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۴)

تشحیذ الاذہان کا اجراء

یکم مارچ ۱۹۰۶ء سے اسی انجمن کے زیر اہتمام سیدنا محمود کے زیر ادارت ایک سہ ماہی رسالہ جاری ہوا جس کا نام بھی حضرت مسیح موعود نے تشحیذ الاذہان رکھا۔ اس رسالہ کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے۔

1- دین کا نورانی چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرنا۔

2- حضرت اقدس مسیح موعود کے وہ نصائح جو گھر میں کیے جاتے ہیں شائع کرنا۔

3- دین حق اور خصوصاً سلسلہ احمدیہ پر اعتراضات کا تہذیب کے ساتھ رد کرنا۔

4- مشاہیر اسلام کی سوانح عمریاں درج کرنا۔

5- مسائل شرعیہ کا اندراج تا ناواقف لوگ واقفیت حاصل کریں۔

6- اس رسالہ سے کوئی مالی فائدہ ہرگز ہرگز منصور نہیں ہوگا اور جو آمد بھی ہوگی اشاعت دین میں خرچ کی جائے گی۔

(تشحیذ الاذہان جلد اول نمبر ۱ سرورق صفحہ ۴)

جدید طرزِ صحافت

اس رسالہ نے احمدیہ صحافت میں ایک جدید طرز کی بنیاد رکھی اور دین کا درد رکھنے والے نوجوانوں میں خدمتِ دین اور اشاعتِ دین کی ایک نئی روح پھونک دی۔ آپ نے اس رسالہ میں ابتداء ہی سے بعض مستقل عنوان قائم کر دیئے۔ جس سے اس کی افادیت اور بھی بڑھ گئی مثلاً ڈائری حضرت امام الزمان، مسائل شرعیہ، عربی سیکھنے کے لئے آسان طریقہ۔ حضرت اقدس کے رؤیا و الہامات۔ رسالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا غیر مطبوعہ کلام اور ملفوظات بھی چھپتے تھے اور مکتوبات امام بھی بلکہ کتابی شکل میں ان مکتوبات کو شائع کرنے کا خیال بھی پہلی بار آپ ہی کے دل میں آیا۔ آپ نے اس کا اظہار بھی انہیں دنوں میں کر دیا تھا۔

تشحیذ کے پہلے شمارہ میں آپ نے ۱۴ صفحات کا ایک شاندار انٹروڈکشن لکھا جسے پڑھ کر حضرت مولانا حکیم حافظ نورالدین نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور مبارکباد دی۔ نیز خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو خصوصیت سے اس کے پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔ (الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۳)

مولوی محمد علی صاحب کا تبصرہ

چنانچہ مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> ’’رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان سے سہ ماہی نکلنا شروع ہوا ہے جس کا پہلا نمبر یکم مارچ کو شائع ہو گیا ہے اس سلسلہ کے نوجوانوں کی ہمت کا نمونہ ہے۔ خدا تعالیٰ اس میں برکت دے۔ چندہ سالانہ ۱۲/(آنے) ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدسؑ کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں چودہ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن ان کی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جماعت تو اس مضمون کو پڑھے گی مگر میں اس مضمون کو مخالفین سلسلہ کے سامنے بطور ایک بین دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے......
>
> ’’اس وقت صاحبزادہ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اس عمر میں بچوں کا شوق اور امنگیں کیا ہوتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر وہ کالجوں میں پڑھتے ہیں تو اعلیٰ تعلیم کا شوق اور آزادی کا خیال ان کے دلوں میں ہوگا۔ مگر دین کی یہ ہمدردی اور دین کی حمایت کا یہ جوش جو اوپر کے بے تکلف الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے ایک خارق عادت بات ہے۔ صرف اس موقعہ پر نہیں بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہر موقع پر یہ دلی جوش ان کا ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی میر محمد اسحاق کے نکاح کی تقریب پر چند اشعار انہوں نے لکھے تو ان میں یہی دعا ہے کہ اے خدا تو ان دونوں

اوران کی اولاد کو خادم دین بنا۔ برخوردار عبدالحی کی آمین کی تقریب پر اشعار لکھے تو ان میں یہی دعا بار بار کی ہے کہ اسے قرآن کا سچا خادم بنا ایک اٹھارہ برس کے نوجوان کے دل میں اس جوش اوران امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں کیونکہ یہ زمانہ سب سے بڑھ کر کھیل کود کا زمانہ ہے۔ اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افتراء ہے تو یہ سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا؟ جھوٹ تو ایک گند ہے پس اس کا اثر تو چاہئے تھا کہ گندہ ہوتا نہ یہ کہ ایسا پاک اور نورانی جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی۔ اگر ایک انسان افتراء کرتا ہے تو اگر چہ وہ باہر کے لوگوں سے افتراء کو چھپا بھی لے مگر اپنے ہی بچوں سے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں چھپا نہیں سکتا وہ اس کی ہر حرکت اور سکون کو دیکھتے ہیں۔ ہر ایک گفتگو کو سنتے ہیں۔ ہر موقع پر اس کے خیالات کو ظاہر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ پس اگر افتراء ہوتو ضرور ہے کہ وہ افتراء کسی نہ کسی وقت اس کے اپنے بچوں یا بیوی پر ظاہر ہو جائے۔ اے بدقسمت لوگو! غور کرو! کیا مفتری کی اولاد جو اس کے افتراء کے زمانہ میں پرورش پائے ایسی ہوا کرتی ہے؟ کیا تمہارے دل انسانی دل نہیں جوان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے اوران سچے خیالات کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کیوں تمہاری سمجھیں الٹی ہوگئی ہیں۔ غور کرو کہ جس کی تعلیم اور تربیت کا یہ پھل ہے وہ کاذب ہو سکتا ہے؟ اگر وہ کاذب ہے تو پھر دنیا میں صادق کا کیا نشان ہے؟'' (ریویو آف ریلیجنز مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۹)

اسی انجمن نے ۱۹۰۸ء میں ایک لائبریری اور دارالمطالعہ بھی قائم کیا۔ (تشحیذ الاذہان ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۷)

اخبار الحکم کا تبصرہ

خلافت اولیٰ میں اخبار الحکم انجمن تشحیذ الاذہان اوراس کے رسالہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ انجمن احمدی قوم کے نونہالوں کی انجمن ہے جس کے بانی مبانی احمدی قوم کے فخر اور مخدوم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ الاحد ہیں۔ اس انجمن کے سرپرست حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو تھے ہی مگر حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ اس کے مربی اور محسن رہے۔ انجمن کے جلسوں میں اپنے بہت سے ضروری کام چھوڑ کر بھی ہمیشہ خوشی سے حاضر ہوتے اور وقتاً فوقتاً اپنی تقریروں میں انجمن مذکور کے نوجوان ممبروں کی حوصلہ افزائی اور تعلیم سے کام لیتے رہتے اور آج میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تشحیذ الاذہان کی موجودہ کامیابی پر سب سے زیادہ خوشی اور سب سے زیادہ مبارکباد کے قابل آپ ہی کا وجود ہے۔ اس لئے کہ یہ انجمن جس کی ترقی اور

کامیابی کے آپ دل سے خواہشمند تھے اور ہیں، آپ کے ہاتھوں میں قائم ہوئی، آپ کے زیر سایہ بڑھی پھلی پھولی اور ترقی کر رہی ہے اور اس کے خوشگوار پھل آج احمدی قوم کے لئے مایہ ناز ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے قلم اور زبان کے بیش قیمت جواہرات انجمن تشحیذ کے لئے سلسلہ کی تاریخ میں دریتیم سمجھے جا کر ہمیشہ قابل عزت سمجھے جائیں۔

''انجمن تشحیذ باخبر اور قادر الکلام سپیکر پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اور ایسا ہی اس نے چند اہل قلم نوجوان پیدا کر دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے نوجوانوں کا ایک گروہ پیدا کر دیا ہے جو خدمتِ دین کے لئے اپنے اندر للٰہی جوش رکھتے ہیں ...... انجمن کا رسالہ تشحیذ حضرت صاحبزادہ صاحب کی ایڈیٹری سے نکلتا ہے اور یہ کوئی مبالغہ نہیں۔ بلکہ بالکل حق بات ہے کہ رسالہ مذکور کے ایڈیٹر کی زبان اور قلم میں بھی وہی شان جلوہ گر ہے جو ہم سب کے آقا اور محبوب مسیح و مہدی کے زبان اور قلم میں تھی''۔ (الحکم ۲۱ر فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۳)

اخبار بدر کا تبصرہ

اخبار بدر رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس رسالہ (تشحیذ الاذہان) کا پہلا نمبر یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو شائع ہوگیا۔ یہ رسالہ اوّل سے آخر تک دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ مگر سب سے زیادہ کمیاب اور بیش قیمت حصہ اس رسالہ کا وہ ہے جو اس کے سب سے آخری صفحوں میں درج کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ نصائح جو آپ گھر میں عورتوں کو دیا کرتے ہیں۔ اس ڈائری کو صرف اسی رسالہ کا لائق اور قابل عزت ایڈیٹر ہی نباہ سکتا ہے اور دوسرے کا کام نہیں۔ اس رسالہ میں اگر دوسری کوئی مفید بات بھی نہ ہوتی تب بھی ان دو صفحوں کی خاطر یہ رسالہ اس قابل ہے کہ اس کو سر آنکھوں پر رکھ لیا جاوے لیکن اس کے سوائے دوسرے مضامین مفید اور دلچسپ ہیں۔ قیمت صرف ۱۲ر (آنے) ہے اور رسالہ سال میں چار دفعہ نکلے گا۔ بہتر ہوتا کہ یہ رسالہ ماہوار نکلتا''۔ (تشحیذ الاذہان جلد اوّل نمبر ۲ صفحہ ج یکم جون ۱۹۰۶ء)

رسالہ تشحیذ الاذہان کے دوررس نتائج کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

''ماہنامہ تشحیذ الاذہان احمدی نوجوانوں کے لئے علمی مضامین لکھنے کا ایک بہت بڑا محرک ثابت ہوا۔ اس رسالہ کی صورت میں گویا آپ نے ایک چھوٹا سا ایسا کارخانہ قائم کر دیا جس میں اعلیٰ پایہ کے لکھنے والے تیار ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سلسلہ احمدیہ کی آئندہ تصنیفی ضروریات کے

لئے لکھنے والوں کی ایک نہایت قابل کھیپ تیار ہوگئی۔ یہ رسالہ صرف تجربہ گاہ ہی نہیں تھا بلکہ خود حضرت صاحبزادہ صاحب کے مضامین اور سلسلہ کے بعض دیگر صاحب قلم حضرات کے دقیق تحقیقی مضامین کی وجہ سے اس کے معیار کا شہرہ دور دور تک ہونے لگا۔ (سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۲۳۵)

غیروں کے تبصرے

اس رسالہ میں چھپنے والے بعض مضامین اتنے بلند پایہ تھے کہ بعض غیر از جماعت اخبارات نے بھی ان کو سراہا اور اپنے صفحات کی زینت بنایا۔ چنانچہ رسالہ تشحیذ الاذہان مارچ ۱۹۰۹ء اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس رسالہ کے مضامین کی عمدگی کے لئے اس سے بڑھ کر کیا امر پیش کیا جاتا ہے کہ موافقین کے علاوہ مخالفین نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ اخبار وکیل امرتسر نے ایک مضمون سالم کا سالم اپنے پرچہ میں نقل کیا ہے جس کا ہیڈنگ ''کیا تلوار کے زور سے اسلام پھیلا ہے''؟ از قلم صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب''۔ (تشحیذ الاذہان مارچ ۱۹۰۹ء صفحہ ۷۳)

رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' ابھی بالکل ابتدائی حالت میں تھا کہ ایک مسلمان گریجویٹ کے ارتداد پر آمادہ ہونے کی خبر شائع ہوئی۔ حضرت مصلح موعود نے اسے خط لکھا جواباً اس نے کچھ سوالات کئے اسی اثناء میں آپ کو آنکھوں کے آپریشن کے لئے لاہور جانا پڑا اور آپ وہ خط جواب دینے کے لئے حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب ایڈیٹر ''تعلیم الاسلام'' قادیان کو دے گئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت مولانا صاحب کی آنکھیں بھی دکھنے آگئیں اور وہ جواب نہ دے سکے۔ اس لئے آپ نے آپریشن سے پہلے خود ہی ان سوالات کے مفصل جوابات تحریر فرما دیئے۔

(تشحیذ الاذہان ۱۹۰۶ء تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۶۲)

پندرہ روزہ رسالہ البیان لکھنؤ نے لکھا:

''مارچ ۱۹۰۶ء سے یہ رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ماہوار اردو زبان میں شائع ہوتا ہے۔ جس غرض کے لئے یہ رسالہ جاری ہوا ہے وہ نہایت اہم ہے لیکن جس طرز پر اس کی ابتداء ہوئی ہے اس سے امید ہوتی ہے کہ اپنے مقصد میں ضرور اس کو کامیابی ہوگی۔ مضامین زوردار ہیں اور بڑی قابلیت سے لکھے گئے ہیں۔ اس رسالہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایک پیشوائے مذہب کے گھر سے شائع ہوتا ہے اور امام وقت کے صاحبزادے اس کو ایڈٹ کرتے ہیں''۔

ہفتہ وار ''نیر اعظم'' مرادآباد نے لکھا:

''بلا مبالغہ اسلامی رسالوں میں ریویو آف ریلیجنز کے بعد اس کا شمار کرنا چاہئے۔ مذہب

اسلام کو اس کے اجراء سے بہت مدد ملے گی''۔ (تشحیذ الاذہان جلد اوّل نمبر ۲ صفحہ ج د)

مختصر تاریخ

یہ رسالہ ابتداء میں سہ ماہی تھا مگر اگلے ہی سال ماہوار کر دیا گیا اور قوم کی توقعات کے عین مطابق بہت جلد کامیاب رسالوں کی صف اوّل میں شمار ہونے لگا۔ اس زمانہ میں آپ کے زیر ادارت بڑے بڑے معرکۃ الآراء مضمون نکلے۔ ۱۹۱۴ء میں ''تشحیذ الاذہان'' کے ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی مقرر ہوئے جنہوں نے آٹھ سال تک ادارتی فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔ آخر مارچ ۱۹۲۲ء میں اسے ''ریویو آف ریلیجنز'' اردو میں مدغم کر دیا گیا۔ (الفضل ۹ / مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۹)

مگر یہ رسالہ اس رنگ میں آج بھی زندہ ہے کہ جون ۱۹۵۷ء سے مجلس خدام الاحمدیہ کی زیر نگرانی تشحیذ الاذہان نام کا رسالہ احمدی بچوں اور بچیوں کے لئے تربیت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔

الفضل کا اجراء

حضرت مصلح موعود کے لازوال کارناموں میں سے ایک اخبار الفضل کا اجراء ہے۔ جو نہ صرف عین وقت پر نہایت ناساعد حالات میں منصۂ شہود پر آیا بلکہ آج بھی سخت معاندانہ رویوں کے باوجود جاری ہے اور روزانہ حضرت مصلح موعود کے احسانات کی یاد دلاتا ہے۔

وجہ آغاز

خلافت اولیٰ کے آغاز سے ہی منکرین خلافت کی طرف سے ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا۔ مدرسہ احمدیہ کو بند کرنے کی کوشش کی گئی۔ خلافت کے اختیارات کو کم کرنے اور مقام کو گھٹانے کی کوشش کی گئی۔ حضرت مسیح موعود کے نام، مقام اور حوالہ کے بغیر دین کو پیش کرنے کے منصوبے بنائے گئے جس کا دعوت الی اللہ پر بھی بہت بُرا اثر پڑا۔

ان حالات میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے سلطانِ نصیر بن کر کھڑے ہوگئے اور ہر پہلو سے اپنے امام کی اطاعت اور فدائیت کے بے مثال نمونے پیش کئے۔

حضور فرماتے ہیں:

''۱۹۱۳ء آیا مسیح موعود علیہ السلام سے بُعد اور نورِ نبوت سے علیحدگی نے جو بعض لوگوں کے دلوں پر زنگ لگا دیا تھا۔ اس نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا اور بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ سلسلہ

پاش پاش ہو جائے گا۔ نہایت تاریک منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ مستقبل نہایت خوفناک نظر آتا تھا۔ بہتوں کے دل بیٹھے جاتے تھے۔ کئی ہمتیں ہار چکے تھے۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو سلسلہ کے کاموں کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جو کسی شمار میں ہی نہ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جو عہد میں نے کیا تھا وہ بار بار مجھے اندر ہی اندر ہمت بلند کرنے کے لئے اُکساتا تھا۔ مگر میں بے بس اور مجبور تھا۔ میری کوششیں محدود تھیں۔ میں ایک پتے کی طرح تھا جسے سمندر میں موجیں اِدھر سے اُدھر لئے پھریں۔

''بدر'' اپنی مصلحتوں کی وجہ سے ہمارے لئے بند تھا۔ ''الحکم'' اوّل تو ٹمٹماتے چراغ کی طرح کبھی کبھی نکلتا تھا اور جب نکلتا بھی تھا تو اپنے جلال کی وجہ سے لوگوں کی طبیعتوں پر جو اس وقت بہت نازک ہو چکی تھیں۔ بہت گراں گزرتا تھا۔ ''ریویو'' ایک بالا ہستی تھی جس کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں بے مال و زر تھا۔ جان حاضر تھی۔ مگر جو چیز میرے پاس نہ تھی وہ کہاں سے لاتا۔ اس وقت سلسلہ کو ایک اخبار کی ضرورت تھی جو احمدیوں کے دلوں کو گرمائے، ان کی سستی کو جھاڑے۔ ان کی محبت کو ابھارے، ان کی ہمتوں کو بلند کرے اور یہ اخبار ثریا کے پاس ایک بلند مقام پر بیٹھا تھا۔ اس کی خواہش میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے ثریا کی خواہش، نہ وہ ممکن تھی نہ یہ۔ آخر دل کی بے تابی رنگ لائی۔ امید بر آنے کی صورت ہوئی اور کامیابی کے سورج کی سرخی افق مشرق سے دکھائی دینے لگی۔'' (انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۳۶۹)

ایک اور موقعہ پر فرمایا:

''۱۹۱۲ء میں دو اور اہم واقعات ہوئے۔ حج سے واپسی کے وقت مجھے قادیان کے پریس کی مضبوطی کا خاص طور پر خیال پیدا ہوا۔ جس کا اصل محرک مولوی ابو الکلام صاحب آزاد کا اخبار ''الہلال'' تھا جسے احمدی جماعت بھی کثرت سے خریدتی تھی اور خطرہ تھا کہ بعض لوگ اس کے زہریلے اثر سے متاثر ہو جاویں۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے خاص کوشش شروع کی اور حضرت خلیفۃ المسیح سے اس امر کی اجازت حاصل کی کہ قادیان سے ایک نیا اخبار نکالا جائے جس میں علاوہ مذہبی امور کے دنیاوی معاملات پر بھی مضامین لکھے جاویں تاکہ ہماری جماعت کے لوگ سلسلہ کے اخبارات سے ہی اپنی سب علمی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ جب میں حضرت خلیفۃ المسیح سے اجازت حاصل کر چکا تو مجھے معلوم ہوا کہ لاہور سے ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب بھی ایک اخبار نکالنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس بات

کا علم ہوتے ہی میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کو ایک رقعہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ لاہور سے مجھے اطلاع ملی ہے کہ فلاں فلاں احباب مل کر ایک اخبار نکالنے لگے ہیں چونکہ میری غرض تو اس طرح بھی پوری ہو جاتی ہے حضور اجازت فرماویں تو پھر اس اخبار کی تجویز رہنے دی جاوے۔ اس کے جواب میں جو کچھ حضرت خلیفۃ المسیح نے تحریر فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس اخبار اور اس اخبار کی اغراض میں فرق ہے۔ آپ اس کے متعلق اپنی کوشش جاری رکھیں۔ اس ارشاد کے ماتحت میں بھی کوشش میں لگا رہا۔'' (آئینہ صداقت۔ انوار العلوم جلد ۶ صفحہ ۲۱۴)

استخارہ اور اجازت

اخبار کے اجراء سے قبل آپ نے استخارہ کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں اجازت کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

''جس قدر اخبار میں دلچسپی بڑھے گی خریدار خود بخود پیدا ہوں گے۔ ہاں تائید الٰہی، حسن نیت، اخلاص اور ثواب کی ضرورت ہے۔ زمیندار، ہندوستان، پیسہ میں اور کیا اعجاز ہے وہاں تو صرف دلچسپی ہے اور یہاں دعا نصرت الٰہیہ کی امید بالیقین توکلاً علی اللہ کام شروع کر دیں''۔

(تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۶)

الفضل کا نام بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے عطا فرمایا اور الفضل ۱۹۱۴ء کے ایک اداریہ میں درج ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا:

''مجھے رویا میں بتایا گیا ہے کہ الفضل نام رکھو''۔ (الفضل ۱۹ رنومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۳)

چنانچہ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ اس مبارک انسان کا رکھا ہوا نام ''الفضل'' فضل ہی ثابت ہوا۔

(انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۳۷)

خلافت کی راہنمائی

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل الفضل بڑی دلچسپی سے ملاحظہ فرماتے تھے اور ضروری ہدایات دیتے تھے۔ چنانچہ الفضل میں قادیان کی خبروں کے تحت لکھا ہے:

''حضور اخبار الفضل کو بڑے شوق سے مطالعہ فرماتے ہیں''۔ (الفضل ۸ر اکتوبر ۱۹۱۳ء)

حضور نے الفضل کے پہلے شمارہ میں ایک خاص مضمون ''اسلامی اخبارات کے لئے دستور العمل'' بھی تحریر فرمایا۔

حضور کی جو راہنمائی الفضل کو میسّر تھی اس کے متعلق ادارہ الفضل لکھتا ہے:

''ان (قادیان سے نکلنے والے اخبارات) سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو خلیفۃ المسیح فوراً اس پر نوٹس لیتے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک اخبار آپ کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے۔ الفضل کا اجراء اس غرض سے بھی ہوا تھا کہ جب کوئی امر من الخوف والامن پیش آئے تو خلیفۃ المسیح کی زبان بن کر گائڈ کرنے کے لئے ایک اخبار ضروری چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جب کوئی مضمون لکھا جس میں جماعت کو کسی خاص روش پر چلنے کی تاکید ہو تو خلیفۃ المسیح کو دکھا کر اور ان سے تصدیق لکھوا کر شائع کیا''۔ (الفضل ۳ رستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۹)

حضرت مصلح موعود خطبہ جمعہ ۲۹ رجون ۱۹۲۳ء میں فرماتے ہیں:

''الفضل سارا پڑھتا ہوں اور ہمیشہ پڑھتا ہوں''۔ (الفضل ۶ رجولائی ۱۹۲۳ء صفحہ ۶)

خلیفہ وقت اور نظام جماعت کی یہ راہنمائی الفضل کو آج بھی میسّر ہے۔

ابتدائی تاریخ

الفضل کے لئے ابتدائی سرمایہ آپ کی اہلیہ حضرت ام ناصر، حضرت امّاں جان اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے عنایت فرمایا۔

الفضل کے اجراء میں سیّدنا محمود کے معاون خصوصی اور سٹاف کے سرگرم رکن جنہوں نے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ہاتھ بٹایا حضرت قاضی محمد ظہورالدین صاحب اکمل تھے ان کے علاوہ ادارہ میں حضرت صوفی غلام محمد صاحب اور حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر بھی تھے۔ الفضل کا ابتدائی دفتر نواب محمد علی خان صاحب کے مکان کی نچلی منزل میں قائم ہوا۔ اس کے اولین کاتب محمد حسین صاحب تھے اور مینیجر مرزا عبدالغفور بیگ صاحب۔ طابع و ناشر کے فرائض حضرت صاحبزادہ صاحب بنفس نفیس سرانجام دیتے تھے۔

الفضل کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ جب اس کے ایڈیٹر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے منصب خلافت پر فائز فرمایا تو کچھ عرصہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بھی الفضل کی ادارت فرماتے رہے اور ایک لمبا عرصہ پرنٹر وپبلشر حضرت بھائی عبدالرحمٰن قادیانی رفیق حضرت مسیح موعود رہے۔

الفضل شروع میں ہفتہ وار تھا۔ بعد میں مالی مشکلات اور دیگر کئی وجوہ سے ہفتہ میں دو بار، کبھی تین بار اور کبھی روزانہ بھی شائع ہوتا رہا۔ سائز بھی اور حجم بھی بدلتا رہا۔ تاہم ۸ رمارچ ۱۹۳۵ء سے الفضل باقاعدہ روزنامہ کے طور پر شائع ہو رہا ہے اور اب عام طور پر ۱۲ صفحات پر شائع ہوتا ہے۔

مقبول دعا

الفضل کے پہلے پرچہ ۱۵؍ جون ۱۹۱۳ء میں حضرت مصلح موعود نے بارگاہ الٰہی میں نہایت دردمندانہ التجائیں اور دعائیں کیں اور لکھا کہ:

> ''خدا کا نام اور اس کے فضلوں کے احسانوں پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس سے نصرت و توفیق چاہتے ہوئے الفضل جاری کرتا ہوں...... میرے حقیقی مالک میرے متولی تجھے علم ہے کہ محض تیری رضا حاصل کرنے کے لئے اور تیرے دین کی خدمت کے ارادہ سے یہ کام میں نے شروع کیا ہے۔ تیرے پاک رسول کے نام کے بلند کرنے اور تیرے مامور کی سچائیوں کو دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے یہ ہمت میں نے کی ہے...... اے میرے مولیٰ اس مشت خاک نے ایک کام شروع کیا ہے اس میں برکت دے اور اسے کامیاب کر۔ میں اندھیروں میں ہوں تو آپ ہی راستہ دکھا۔ لوگوں کے دلوں میں الہام کر کہ وہ الفضل سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے فیض لاکھوں نہیں کروڑوں پر وسیع کر اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی اسے مفید بنا''۔ (الفضل ۱۸؍ جون ۱۹۱۳ء)

یہ دعا آسمان پر جس طرح قبول ہوئی وہ اظہر من الشمس ہے۔ الفضل آپ کا لگایا ہوا پودا تھا جو آپ کی خلافت کے ۵۲ سالوں میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا اور آج کل عالم میں اپنی بہار دکھا رہا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے جب پہلا پرچہ پڑھا تو آپ نے فرمایا ''پیغام صلح'' بھی میں نے پڑھا ہے اور الفضل بھی مگر میاں شتان بینہما یعنی کجا وہ کجا یہ۔ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۷)

جماعت کے ایک مخصوص عنصر نے تو شروع ہی سے جو آپ کا مخالف تھا ڈٹ کر مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ خصوصاً ادارہ ''پیغام صلح'' نے تو حد ہی کر دی۔ مگر آپ نے اس کی چنداں پرواہ نہیں کی بلکہ اس مزاحمت کو نیک فال سمجھا اور خدائی بشارتوں کے ماتحت اپنا قدم اور آگے بڑھاتے چلے گئے۔ (الفضل ۱۹؍ نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۳)

چنانچہ خدا کے فضل سے اس مخالفت کے باوجود جماعت کا رجحان ''الفضل'' کی طرف بڑھنا شروع ہوا اور اخبار پیغام صلح اور اس کے ہمنواؤں کی مخالفت کے باوجود الفضل کی خریداری بڑھنے لگی۔

بلند معیار

الفضل کی ترقی میں خدا کے فضل کے ساتھ ساتھ اس کے بلند معیار اور عظیم افادیت کا بھاری دخل تھا۔ عہد خلافت اولیٰ میں اخبار الفضل نے تاریخی، ملکی، جماعتی، تبلیغی، سیاسی اور اخلاقی غرض کہ ہر قسم کے مضامین میں جماعت کی راہنمائی میں حق ادا کر دیا اور میدان صحافت میں یہاں تک اپنا سکہ بٹھا لیا کہ ''الہلال'' کے ایڈیٹر مولوی ابوالکلام

صاحب آزاد انہی دنوں قید ہوئے تو ان کے سیکرٹری نے آپ کی خدمت میں چٹھی لکھی کہ مولانا آزاد کو گورنمنٹ نے نظر بند کر دیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ہم آپ کو ایک اخبار کی اجازت دیتے ہیں تو انہوں نے صرف الفضل کی اجازت مانگی۔ (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۴۴۹)

قادیان سے ربوہ

الفضل ستمبر ۱۹۴۷ء تک قادیان سے نکلتا رہا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لاہور تشریف لائے تو الفضل بھی لاہور منتقل ہو گیا اور پھر ۳۱ دسمبر ۱۹۵۴ء سے ربوہ سے شائع ہونا شروع ہوا۔

الفضل ہندوستان میں اہل حق کا قدیم ترین زندہ اخبار ہے۔ یہی وہ واحد اخبار ہے جو قیام پاکستان کے بعد ہندوستان سے پاکستان منتقل ہوا۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

> ’’اتنے غیر مسلم اخباروں کی روانگی کے باوجود ہندوستان کا کوئی مسلم روزنامہ لاہور نہ آیا البتہ جماعت احمدیہ کا روزنامہ الفضل قادیان سے لاہور منتقل ہو گیا ...... اب یہ ربوہ سے نکلتا ہے‘‘۔ (داستان صحافت ۱۲۶ مکتبہ کارواں)

استحکام خلافت میں کردار

الفضل کی سب سے اہم اور ناقابل فراموش خدمت استحکام خلافت کے لئے عظیم الشان کردار ادا کرنا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے خلاف جب مختلف قسم کی سازشیں کی گئیں اور ان کی ترویج کے لئے پیغام صلح جاری کیا گیا تو الفضل نے خلافت احمدیہ کے حق میں ننگی تلوار کا کام کیا۔ ہر اعتراض کا مدلل جواب دیا اور سب سازشوں کے تار و پود بکھیر دیئے اور جماعت کو خلافت کی چوکھٹ پر جھکائے رکھا۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر جو فتنے اٹھائے گئے اور جماعت سے خلافت کے وجود کو ختم کرنے کے لئے جو بہانے تراشے گئے، جماعت کو گمراہ کرنے کے لئے قسما قسم کے بودے دلائل کے انبار لگائے گئے اس موقع پر بھی الفضل نے خلافت کی فدائیت کا حق ادا کر دیا۔ اس وقت جماعت کے مرکز سے رابطے کا سب سے بڑا ذریعہ الفضل تھا۔ حضرت مصلح موعود کے پیغامات، خطبات، جماعتی وفود اور بزرگان کے دوروں کی اطلاعات، مخالفین کے جھوٹے پراپیگنڈے کا توڑ یہ سب فرائض الفضل نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخوبی ادا کئے۔

خلیفہ وقت کا بازو

الفضل کی دوسری اہم ترین خدمت خلفاء سلسلہ کے ارشادات کو محفوظ کرنا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے

آخری ایام سے لے کر آج تک خلفاء سلسلہ کے خطبات، تقاریر، تحریکات، سوال و جواب، دوروں کی رپورٹس شائع کرنے کا اولین اعزاز الفضل کو ہی حاصل ہے اور الفضل کے مواد کا اکثر حصہ انہی امور پر مشتمل ہے۔ اسی کی مدد سے خلفاء کے خطبات اور تقاریر نے کتابی صورت اختیار کی ہے۔ مثلاً خطبات محمود ۱۹ جلدیں، انوار العلوم ۱۹ جلدیں، خطبات ناصر، خطباتِ طاہر، خطبات عیدین وغیرہ الفضل ہی کی کتابی صورتیں ہیں۔

الحکم اور البدر کو حضرت مسیح موعود نے اپنا بازو قرار دیا تھا۔ آج یہی فریضہ اور یہی اعزاز الفضل کے حصہ میں آیا ہے۔

حضرت مصلح موعود نے ۱۱ رجنوری ۱۹۳۵ء کو اپنے خطبہ (جو ابھی الفضل میں شائع ہوا تھا) کے بارہ میں فرمایا:

> ''جماعتوں کے سیکرٹریوں اور امراء کو چاہئے کہ وہ میرا یہ خطبہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں کیونکہ اس کے سوا میری آواز ان تک پہنچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں''۔ (خطباتِ محمود جلد ۱۶ صفحہ ۲۷)

آج مرکز سلسلہ اور بیرونی ممالک سے شائع ہونے والے تمام رسائل و جرائد اور بلیٹن ایک پہلو سے الفضل ہی کے خوشہ چین ہیں۔ کیونکہ وہ الفضل میں شائع ہونے والے حضور کے تازہ ترین خطبہ کا خلاصہ یا ترجمہ نقل کرتے ہیں نیز حسب ضرورت دیگر مضامین بھی اصل یا ترجمہ کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔

روزنامہ الفضل پر بہت سی پابندیوں اور مشکلات کی وجہ سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ۱۹۹۴ء میں لندن سے ایک نئے ہفت روزہ اخبار کے جاری کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اس کا نام بھی الفضل ہی رکھا جو کامیابی کے ساتھ رواں دواں ہے۔

تاریخ احمدیت کا ماخذ

الفضل کی تیسری اہم ترین خدمت تاریخ احمدیت کو محفوظ کرنا ہے۔ اہم انفرادی اور اجتماعی واقعات، بیرونی مشنوں کی تفصیلی رپورٹس، مرکز سلسلہ کی ترقی، غیروں کے تاثرات یہ سب الفضل کے دامن میں سمٹے ہوئے ہیں۔

الفضل نے تربیت، دعوت الی اللہ اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی بہت اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ جماعت کے علم کلام میں نئے نئے حوالوں کو الفضل کے ذریعہ داخلہ کی راہ ملی اور وہ مرکزی کتابوں کا حصہ بن گئے۔

خون قلم سے سینچا

الفضل کے باغ کو حضرت مصلح موعود نے اپنے خون قلم سے سینچا۔ خلافت اولیٰ میں یعنی آپ کے زمانہ ادارت میں جو اہم تحریکات اٹھیں یا قومی و ملی مسائل پیدا ہوئے ان سب میں آپ نے کمال فراست اور بالغ نظری سے مسلمانان ہند کی راہنمائی فرمائی۔ اس تعلق میں آپ کے بعض قیمتی اداریے حسب ذیل ہیں:

1- گورنمنٹ اور حجاج (اپنے مشاہدات کی بناء پر حجاج کی مشکلات پر تبصرہ اور اس کا حل)

2- السنہ شرقیہ کی بےقدری (علمائے السنہ شرقیہ کے گریڈ میں اضافہ کی اپیل)

3- مسجد کانپور (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے اس مضمون کی نسبت فرمایا ''جزاک اللہ احسن الجزاء ۔خوب لکھا ہے کچھ زائد شائع کردو'')

4- اصطلاحات شرعیہ کی ہتک (مجاہد، غازی، مہدی، ولی، عالم اور شہید کی شرعی اصطلاحات کے غلط استعمال پر نقد و تبصرہ)

5- بین الاقوامی طبی کانفرنس (لندن کی ایک طبی کانفرنس کی خدمت خلق سرگرمیوں پر اظہار مسرت اور مسلمان ممبر کی عدم موجودگی پر اظہار تاسف)

6- مسلمانوں کی سیاست (قرون اولیٰ کے مسلمان سیاست دانوں کا بیسویں صدی کے شورش پسندوں سے مقابلہ)

7- دہلی میں امن کانفرنس (مسلم زعماء کی قیام امن کانفرنس کے مقاصد کی پُرزور تائید اور راہ اعتدال اختیار کرنے کی تحریک)

8- یونیورسٹی احتیاط کرے (بی اے کے کورس میں مسلم آزار فقرات کے خلاف احتجاج)

9- گائے کی قربانی (گائے کے گوشت کو مضر ثابت کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک جعلی حدیث منسوب کرنے کی مخالفت)

10- انتہا پسند اور اعتدال پسند گروہ (ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست پر بے لاگ تبصرہ)

11- میڈیکل کالج کے طلباء کی سٹرائیک (احمدی طلباء کو سٹرائیک سے الگ رہنے کا مشورہ اور پرنسپل کے نا روا رویہ پر حکومت کو دخل دینے کی اپیل)

ان مضامین کے علاوہ ''خلافت اولیٰ'' کے عہد میں آپ کے قلم سے الفضل میں اور بھی بہت سے مضامین شائع ہوئے ۔یہ سب مضامین بھی نہایت قیمتی اور نئے تقاضوں کے مطابق بڑے ہی ضروری اور شہرت دوام کے حامل ہیں۔ مگر ہم طوالت کے خوف سے صرف چند عنوانات ہی درج کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

''میر احمد'' ایک اور عظیم الشان نشان ترکی سے یمن ونجد کی علیحدگی ''کانپور کی مسجد کے معاملہ میں احمدی جماعت کی پوزیشن''۔''ایڈیٹر زمیندار کی کارروائی''۔''ترقی کا دہمی بت سرنگوں ہوگیا''۔''طریق تبلیغ''۔''اے احمدی جماعت تجھے مبارک ہو''۔''قابل توجہ حکام صوبہ سرحدی''۔''جلسہ سالانہ''۔''لارڈ ہیڈلے''۔''من انصاری الی اللہ''۔ ''دعوت الی الخیر فنڈ''۔''زمیندار پریس''۔''کشش قلم پریس ایکٹ''۔''الفضل کا خطاب اپنے ناظرین سے''۔ ''مولوی محمد حسین بٹالوی کا رجوع''۔''پیغام صلح پہنچانے کے لئے ایک عظیم الشان جدوجہد کی ضرورت ہے''۔''زمانہ نازک ہے''۔''ہم میں سے کس کا حق ہے کہ سست ہو''۔''جماعت کو ایک نصیحت''۔''چھ مارچ''۔''وطن نے رجوع کر لیا''۔''ایسی باتوں سے کیا فائدہ؟''۔

سیرۃ النبیؐ پہ آپ کے مضامین کا مجموعہ بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔

حضور نے قیام پاکستان کے ابتدائی دور میں قوم کی راہنمائی کے لئے بلند پایہ مضامین تحریر فرمائے جو حضور کا نام لکھے بغیر ادارہ کی طرف سے شائع ہوتے تھے۔ حضور کی اس توجہ اور راہنمائی کی بدولت لاہور پاکستان سے جاری شدہ یہ اخبار جلد ہی پاکستان کے معیاری روزناموں میں اپنا خاص مقام پیدا کرنے کے قابل ہوگیا۔

یہ ۲۷ مضامین تاریخ پاکستان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ (تفصیل تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۵۶)

دعوت الی اللہ

دعوت الی اللہ کے حوالے سے الفضل لکھتا ہے:

> ''......کی جو خدمت الفضل سے ہو سکی وہ اس نے پوری کی اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسیحی اور ہندوؤں تک نے اس کی قدر کی اور اسے خریدا ہے اور بڑے بڑے ذمہ دار غیر احمدیوں نے اس کی خدمات کا اعتراف کیا ہے ایک دفعہ ایک خریدار نے لکھا کہ گو میں غیر احمدی ہوں مگر جب الفضل نہ پہنچے تو میری حالت ایسی ہوتی ہے جیسے نئے بیاہے دولہا کی اپنی بیوی کی وفات پر۔ اس سے آپ الفضل کے کام کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔'' (اداریہ الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۱۴ء صفحہ ۳)

حضرت مصلح موعود ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''مجھے کل ہی ایک نوجوان کا خط ملا ہے وہ لکھتا ہے میں احراری ہوں میری ابھی اتنی چھوٹی عمر ہے کہ میں اپنے خیالات کا پوری طرح اظہار نہیں کر سکتا۔ اتفاقاً ایک دن ''الفضل'' کا مجھے ایک پرچہ ملا جس میں آپ کا خطبہ درج تھا میں نے اسے پڑھا تو مجھے اتنا شوق پیدا ہوگیا کہ میں نے ایک لائبریری سے لے کر الفضل باقاعدہ پڑھنا شروع کیا پھر وہ لکھتا ہے خدا کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی احراری آپ کے تین خطبے پڑھ لے تو وہ احراری نہیں رہ سکتا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ خطبہ ذرا لمبا پڑھا کریں کیونکہ جب آپ کا خطبہ ختم ہو جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دل خالی ہوگیا اور ابھی پیاس نہیں بجھی۔ تو سچائی کہاں کہاں اپنا گھر بنا لیتی ہے وہ چھوٹے بچوں پر بھی اثر ڈالتی ہے اور بڑوں پر بھی۔ (خطبات محمود ۱۹۳۵ء صفحہ ۳۶۱)

حضور نے خطبہ جمعہ ۶ / اکتوبر ۱۹۴۲ء میں تحریک فرمائی کہ احمدیت کا پیغام پہنچانے کے لئے غیر احمدی علماء، امراء اور مشائخ کے نام الفضل کا خطبہ نمبر اور سن رائز کے ہزار ہزار پرچے جاری کرائے جائیں۔ (تاریخ احمدیت جلد ۹ صفحہ ۳۴۹)

فکری راہنمائی

الفضل نے ہر مرحلہ پر خلافت احمدیہ کی قیادت میں قوم کی فکری راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ متحدہ ہندوستان

میں ہندو مسلم اختلافات اور فسادات کے متعدد شاخسانے ظاہر ہوئے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کی باہمی چپقلش، مسلمانوں کے حقوق کا مسئلہ، دلآزار کتابوں کے مقابل پر جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ کا انعقاد، تحریک پاکستان کے مختلف مراحل۔ قیام پاکستان کے بعد ملکی ترقی اور استحکام کے لئے بھی الفضل کے صفحات ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کرتے رہے۔

ادبی خدمات

الفضل میں حضرت مصلح موعود اور بیسیوں احمدی شعراء کا تازہ کلام شائع ہوتا رہا۔ جنہوں نے بعد میں کلام محمود اور دیگر مجموعہ ہائے کلام کی صورت اختیار کی جو علم و ادب کی دنیا میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الفضل کی ادبی خدمات کا ایک درخشندہ پہلو یہ بھی ہے کہ احمدی شعراء کے علاوہ اردو اور فارسی شاعری کے شعراء کا منتخب کلام اس میں شائع ہوتا رہا۔ خاص طور پر ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۱ء تک کی خصوصی اشاعتوں میں برصغیر کے متعدد مسلم مشاہیر کا نعتیہ کلام پہلی بار اس کی زینت بنا۔ ان میں علامہ اقبال، ریاض خیر آبادی، عبدالمجید سالک، سراج لکھنوی اور سائل دہلوی شامل ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے الفضل ۱۸؍جون ۲۰۰۴ء)

پابندیوں کا نشانہ

الفضل بھی گزشتہ ۹۶ سال میں ان تمام پابندیوں اور جابرانہ قوانین کا نشانہ بنا ہے جو اس دور میں جماعت احمدیہ کا طرہ امتیاز ہیں۔ خاص طور پر ۱۹۵۳ء میں اسے حکومت نے ایک سال کے لئے بند کر دیا۔ جس کے متبادل کے طور پر کراچی سے المصلح جاری کیا گیا۔ اسی طرح ۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۸ء قریباً ۴ سال تک حکومت نے اسے بند رکھا اور جب ۲۸؍نومبر ۱۹۸۸ء کو جاری ہوا تو اس کے بعد سے مسلسل مقدمات، تلاشیاں، پکڑ دھکڑ اور قید و بند کا شکار ہے اور سو کے قریب مقدمات بنائے گئے۔

۱۹۹۵ء میں الفضل کے ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر نے ایک ماہ کی جیل بھی کاٹی۔

عالمی شہرت یافتہ اخبار

الفضل پاکستان کے علاوہ دنیا کے تمام احمدیہ مشنوں میں جاتا ہے اور جہاں جہاں اردو دان احمدی ہیں وہ اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اسی طرح ۳؍اکتوبر ۲۰۰۲ء سے الفضل انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔ اس لحاظ سے الفضل کے قارئین تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہ روحانی نہر تمام دنیا کو سیراب کرتی ہے۔

قیمتی سرمایہ

روزنامہ الفضل کی ۹۶ سالہ تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار یا تعلیمی مجلّہ خلافت احمدیہ کی آواز

ہے۔ تاریخ احمدیت کا ماخذ ہے۔ مرحوم بزرگوں کی سیرت و سوانح کا ریکارڈ ہے۔ جماعت احمدیہ میں ہونے والی ولادتوں، وفاتوں، نکاحوں اور شادیوں کا روزنامچہ ہے۔ علمی، ادبی، سائنسی، تاریخی، جغرافیائی اور طبی معلومات کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اختلافی مسائل کا ذخیرہ ہے۔ انقلابات زمانہ اور سیاسی خبروں کا خلاصہ ہے۔ شاعری کا چمن ہے۔ یہ باغ احمدیت کی وہ نہر ہے جو ہر صبح بیشمار دلوں کی پیاس بجھاتی ہے۔

حضرت مصلح موعود نے الفضل کے مطالعہ اور اس کی قدر و قیمت کا متعدد بار ذکر کیا۔ فرماتے ہیں:

''ایک طبقہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو اپنے آپ کو ارسطو اور افلاطون کا بھائی سمجھتے ہیں انہیں توفیق بھی ہوتی ہے اور اخبار کی خریداری کی استطاعت بھی رکھتے ہیں مگر جب کہا جاتا ہے کہ آپ الفضل کیوں نہیں خریدتے تو کہہ دیتے ہیں اس میں کوئی ایسے مضامین نہیں ہوتے جو پڑھنے کے قابل ہوں۔ ان کے نزدیک دوسرے اخبارات میں ایسے مضامین ہوتے ہیں جو پڑھے جانے کے قابل ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ کی باتیں ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتیں کہ وہ انہیں سنیں اور ان کے پڑھنے کے لئے اخبار خریدیں ایسے لوگ یقیناً وہمی ہوتے ہیں اور ان میں قوت موازنہ نہیں پائی جاتی۔ میرے سامنے جب کوئی کہتا ہے کہ الفضل میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اسے پڑھا جائے تو میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ مجھے تو اس میں کئی باتیں نظر آجاتی ہیں۔ آپ کا علم چونکہ مجھ سے زیادہ وسیع ہے اس لئے ممکن ہے کہ آپ کو اس میں کوئی ایسی بات نہ نظر آتی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی کے دل کی کھڑکی بند ہو جائے تو اس میں کوئی نور کی شعاع داخل نہیں ہو سکتی۔ پس اصل وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اخبار میں کچھ نہیں ہوتا بلکہ اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے اپنے دل کا سوراخ بند ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اخبار میں کچھ نہیں ہوتا۔''

(تقریر فرمودہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۳۹ء بمقام قادیان۔ الفضل یکم مئی ۱۹۶۲ء صفحہ ۳)

پھر فرمایا:

''اخبار قوم کی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔ جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اسے اخبار کو زندہ رکھنا چاہئے اور اپنے اخبار کے مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہئے''۔ (روزنامہ الفضل ۳۱؍دسمبر ۱۹۵۴ء)

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا:

''آج لوگوں کے نزدیک الفضل کوئی قیمتی چیز نہیں مگر وہ دن آرہے ہیں اور وہ زمانہ آنے والا ہے جب الفضل کی ایک جلد کی قیمت کئی ہزار روپیہ ہوگی لیکن کوتہ بین نگاہوں سے یہ بات ابھی پوشیدہ ہے''۔ (الفضل ۲۸؍مارچ ۱۹۴۶ء)

انجمن انصار اللہ، صدر انجمن احمدیہ، مجلس معتمدین، نظارتیں

(مکرم ڈاکٹر عبدالخالق خالد صاحب نائب صدر و قائد تعلیم مجلس انصار اللہ پاکستان)

قدرت ثانیہ جس کی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی تھی کہ وہ آپ کے جانے کے بعد آئے گی وہ نظام خلافتِ احمدیہ کی صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد ظہور میں آئی۔ خلافت احمدیہ جماعت احمدیہ کے نظام کا مرکزی نقطہ ہے جو ایک دل کی طرح جماعت احمدیہ کے سینہ میں دھڑک رہا ہے اور جماعت احمدیہ میں خلیفۃ المسیح کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل اور دماغ کو حاصل ہوتی ہے اور تمام نظام سلسلہ اس مرکزی قوت سے متحرک رہتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس راہنما اصول پر نظام جماعت کی تشکیل کی۔ آپ نے دنیا میں رائج نظاموں کا گہرا مطالعہ کیا، قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب پر نظر رکھی، خلافتِ راشدہ اسلامیہ کو جن خطرات کا سامنا کرنا پڑا وہ بھی پیش نظر رکھے اور سلسلہ کے مقاصد جلیلہ کو حاصل کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کو ایک مؤثر، مربوط نظام دیا۔

مکرم محترم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے جنہیں حضور اقدس کے ذاتی معالج کی حیثیت سے لمبا عرصہ خدمت کی توفیق ملی۔ ایک دلچسپ روایت پیش کی ہے:

> ”ایک مرتبہ حضور نے مجھے یاد فرمایا اور بتایا کہ آپ نظام جماعت میں اصلاحی تبدیلیاں کرنے پر غور فرما رہے ہیں۔ لہذا چاہتے ہیں کہ انسانی جسم کے نظام کا مطالعہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو ایک کامل نظام کی شکل میں پیدا کیا ہے اور اس کے مطالعہ سے بہت سی مفید راہنمائی حاصل ہو سکے گی۔ چنانچہ آپ نے Anatomy اور Physiology وغیرہ کی مختلف کتب حاصل کر کے ان کا مطالعہ فرمایا اور بہت سے مفید نتائج اخذ کئے۔ غالباً اسی تحقیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے نظام جسم میں ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے بکثرت متبادل راستے تجویز کر رکھے ہیں مثلاً اگر ایک شریان بند ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری شریان نیا راستہ مہیا کر دیتی ہے۔ لہذا انسان کو کسی نظام کی تشکیل کے وقت اس راہنما اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔“

انجمن ”انصار اللہ“ کا قیام

فروری ۱۹۱۱ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد...... نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ ایک بڑا محل ہے جس

کا ایک حصہ گرایا جا رہا ہے اور اس محل کے پاس ایک میدان ہے اور اس میں ہزاروں آدمی* تھیروں کا کام کر رہے ہیں اور بڑی سرعت سے اینٹیں پاتھتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیسا مکان ہے اور یہ کون لوگ ہیں اور اس مکان کو کیوں گرا رہے ہیں تو ایک شخص نے جواب دیا کہ یہ جماعت احمدیہ ہے اور اس کا ایک حصہ اس لئے گرا رہے ہیں تا پرانی اینٹیں خارج کی جائیں اور بعض کچی اینٹیں پکی کی جائیں اور یہ لوگ اینٹیں اس لئے پاتھتے ہیں تا اس مکان کو بڑھایا جائے اور وسیع کیا جائے۔ اس وقت دل میں خیال گذرا کہ یہ تھیرے فرشتے ہیں اور معلوم ہوا کہ جماعت کی ترقی کی فکر ہم کو بہت کم ہے بلکہ فرشتے ہی اللہ تعالیٰ سے اذن پا کر کام کر رہے ہیں۔

اس خواب کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ تحریک ڈالی کہ ایک انجمن قائم کی جائے جس کے ممبران خصوصیت سے قرآن وحدیث اور سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کی طرف توجہ رکھیں اور افراد جماعت میں صلح وآشتی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کے ممبران اپنے دنیاوی کام کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر دیں۔

اس عظیم الشان اعلان سے قبل آپ نے کئی دفعہ استخارہ کیا اور نہ صرف خود ہی کیا بلکہ کئی ایک نیک اور صالح دوستوں سے بھی استخارہ کروایا اور کئی ایک دوستوں کو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارات بھی ہوئیں۔ تب آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اجازت سے ایک انجمن ''انصار اللہ'' قائم فرمائی اور اس انجمن کے قواعد جن کی پابندی ہر ایک ممبر کو لازمی ہوگی وہ حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور پیش کر کے منظوری لی۔

ممبران کے لئے یہ شرط بھی عائد کی کہ جس نے اس عظیم الشان کام میں حصہ لینا ہے وہ پہلے سات دفعہ استخارہ کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے کام کا ذمہ دار ہو جائے اور اگر سات دفعہ استخارہ کرنے کے بعد اس کے دل کو اللہ تعالیٰ اس طرف جھکا دے تو پھر شوق سے اس انجمن میں داخل ہو۔

من انصاری الی اللہ کی دعوت

حضرت خلیفۃ المسیح سے اجازت مل جانے کے بعد آپ نے اخبار بدر ۲۲ فروری ۱۹۱۱ء میں ایک مضمون ''من انصاری الی اللہ'' کے عنوان سے شائع کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے بیماری کے باوجود یہ مضمون شروع سے لے کر آخر تک مطالعہ فرمایا اور حضرت صاحبزادہ صاحب سے فرمایا:

''میں بھی آپ کے انصار اللہ میں شامل ہوں''

اس انجمن کے قواعد وضوابط آپ نے یہ تجویز فرمائے۔

۱۔ ہر ممبر کا فرض ہوگا کہ حتی الوسع تبلیغ کے کام میں لگا رہے اور جب موقع ملے اس کام میں اپنا وقت صرف کرے۔

۲- ہر ممبر قرآن شریف اور حدیث شریف پڑھنے پڑھانے میں کوشاں رہے۔

۳- ہر ممبر سلسلہ کے افراد میں صلح و اتحاد کی کوشش میں مصروف رہے اور جھگڑے کی صورت میں خود فیصلہ کریں ورنہ حضرت خلیفۃ المسیح سے راہنمائی حاصل کریں۔

۴- ہر قسم کی بدظنیوں سے بچے جو اتحاد اور اتفاق کو کاٹتی ہیں۔

۵- ہر ماہ کے آخر میں اپنے کام کی رپورٹ دے۔

۶- اس انجمن کے ممبر رشتہ اتحاد و اخوت کو پختہ کرنے میں ہر ممکن ذرائع بروئے کار لائیں۔

۷- تسبیح تحمید اور درود شریف بکثرت پڑھیں۔

۸- حضرت خلیفۃ المسیح کی فرمانبرداری کا خاص خیال رکھیں۔

۹- پنج وقتہ نمازوں میں پابندی کے علاوہ نوافل، صدقہ اور روزہ کی طرف بھی توجہ رکھیں۔

اس اعلان پر مندرجہ ذیل اصحاب انجمن انصار اللہ کے ممبر بنے:

۱- حضرت مولوی سیّد سرور شاہ صاحب۔ قادیان
۲- حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ قادیان
۳- منشی احمد دین صاحب۔ اپیل نویس گوجرانوالہ
۴- (خان صاحب) منشی فرزند علی صاحب ہیڈ کلرک قلعہ میگزین فیروزپور
۵- شیخ عبدالرحمن صاحب لاہوری نومسلم، قادیان
۶- شیخ غلام احمد صاحب واعظ۔ قادیان
۷- مولوی غلام رسول راجیکی صاحب حال مبارک منزل لاہور
۸- چوہدری فتح محمد صاحب طالبعلم ایم اے کلاس علی گڑھ
۹- منشی محبوب عالم صاحب نیلا گنبد لاہور
۱۰- چوہدری حاکم علی صاحب چک ۹ پنیار

ان کے بعد رفتہ رفتہ جماعت کے بہت سے اصحاب اس مبارک تحریک میں شامل ہو گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی سرپرستی اور راہنمائی حضرت صاحبزادہ کی قیادت نے اس انجمن کے ممبران میں زندگی کی ایک لہر دوڑادی اور ...... اور احمدیت کی تبلیغ کا کام بڑی تیز رفتاری سے شروع ہو گیا۔

جولائی ۱۹۱۳ء تک اس کے ممبران کے ذریعہ دو تین سو آدمی سلسلہ میں داخل ہوئے اور یہ سلسلہ اس طرح بعد میں بھی جاری رہا۔ انجمن نے جماعت میں مبلغین کی ایک جمعیت تیار کر دی جس نے آئندہ چل کر جماعت احمدیہ کی ترقی و اشاعت میں بڑا ابھاری حصہ لیا۔ انجمن نے اپنے خرچ پر ایک ممبر چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو انگلستان بھجوایا۔ علاوہ ازیں شیخ عبدالرحمان صاحب نومسلم اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب تعلیم و تبلیغ کی خاطر مصر بھیجے گئے۔

۱۹۱۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ...... نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ لندن میں جماعت احمدیہ کا ایک مضبوط مشن ہونا چاہیئے جس کے لئے آپ نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو تحریک فرمائی۔ چنانچہ چوہدری فتح محمد سیال جنہوں نے انہی

دنوں ایم اے کا امتحان پاس کیا تھا اور مولوی محمد الدین صاحب بی اے نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے جناب مولوی محمد علی صاحب سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے فرمایا:

"آپ تو کہتے تھے کوئی نوجوان تیار نہیں میرے پاس تو ایک کی بجائے دو نوجوانوں کی درخواستیں آ گئی ہیں۔"

اس پر مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں یہ رپورٹ پیش کی کہ یہ نوجوان دس دس ہزار روپیہ پیشگی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے عرض کیا کہ یہ تجویز خود مولوی صاحب کی ہے۔ ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ چوہدری صاحب نے پورا واقعہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا مجلس انصار اللہ کا چندہ جو ممالک غیر میں تبلیغ کے لئے جمع ہے وہ میں آپ کو دیتا ہوں لیکن میرا اس طرح خود دینا درست نہیں۔ تبرک اور ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ میں رقم ابھی حضرت خلیفہ اوّل کو بھجوا دیتا ہوں آپ حضور کے مطب میں جا کر انتظار کریں۔ چنانچہ محترم چوہدری صاحب مطب میں حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روپیہ کا انتظار کئے بغیر عرض کیا کہ حضور میں لندن جا رہا ہوں۔ حضور نے فرمایا کرایہ کا کیا انتظام ہے؟ ابھی آپ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ایک خادم رومال میں تین سو روپیہ لے کر پہنچ گیا۔ حضرت نے یہ رقم بڑی خوشی کے ساتھ چوہدری صاحب کے حوالے کر دی۔ وہاں اس وقت میر ناصر نواب صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے بھی ایک سو پانچ روپے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ علاوہ ازیں بعض اور دوستوں نے بھی چندہ دیا لیکن یہ سب رقم سات سو سے کم رہی۔ ایک سو پانچ روپے حضرت خلیفہ اوّل کی فہمائش پر صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے دیئے گئے۔

جنوری ۱۹۱۴ء میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے پُر سوز دعاؤں کے ساتھ ہندوستان بھر میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک سکیم تیار کی اور اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے جماعت کو جھنجھوڑتے ہوئے لکھا:

"میں حیران ہوں کہ میں سوتوں کو جگانے اور جاگتوں کو ہوشیار کرنے کے لئے کونسی راہ اختیار کروں۔ میں ششدر ہوں کہ تمہارے دلوں میں کس طرح وہ آگ لگا دوں جو میرے دل میں لگ رہی ہے۔ لکڑیوں کو جلانے کے لئے دیا سلائیاں ہیں۔ بڑے بڑے جنگل ایک دیا سلائی سے جل سکتے ہیں۔ مگر دلوں کو گرم کرنے کے لئے دنیا نے کوئی سامان ایجاد نہیں کیا جس سے کام لے کر میں تمہارے دلوں میں حرارت پیدا کر دوں۔ دلوں کا پھیرنا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اُسی سے دُعا کر کے میں نے یہ سکیم پیش کی ہے اور اُسی کے حضور میں اب گرتا ہوں کہ وہ میری آواز کو مؤثر بنائے اور پاک دلوں میں اس کے لئے قبولیت پیدا کرے۔"

انجمن انصار اللہ اس شکل میں جس میں کہ اس کا اجراء ہوا تھا زیادہ دیر قائم نہ رہی کیونکہ بقضائے الٰہی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ۱۳/مارچ ۱۹۱۴ء کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے اور ۱۴/مارچ ۱۹۱۴ء کو مشیت ایزدی سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی منتخب ہوئے۔ خلافت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد حضور نے ساری جماعت کو ہی اس راستہ پر ڈال دیا جس پر پہلے ممبران انصار اللہ کو چلایا جا رہا تھا۔ حضور کے دل میں سلسلہ کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے جو بے پناہ جذبہ تھا اور جو ارادے اور تمنائیں تھیں ان کو بروئے کار لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وافر سامان پیدا کر دیئے اور جماعت نے پوری قوت اور جملہ وسائل کو ان اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ اس لئے الگ انجمن کی ضرورت نہ رہی لیکن جتنا عرصہ بھی یہ انجمن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی حینِ حیات کام کرتی رہی اس نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ سب اراکین پورے جوش اور خلوص کے ساتھ کام کرتے رہے اور اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

صدر انجمن احمدیہ کی بنیاد

جماعت احمدیہ کا مرکزی انتظامی ادارہ جو صدر انجمن احمدیہ کے نام سے موسوم ہے ابتداء میں اس کی یہ صورت نہ تھی بلکہ مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے زمانے میں اس نے رفتہ رفتہ موجودہ شکل اختیار کی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے الہام الٰہی کی روشنی میں جس انجمن کی تشکیل فرمائی تھی اس کا نام حضور علیہ السلام نے **''مجلس کارپرداز مصالح قبرستان''** رکھا۔

''بہشتی مقبرہ'' کی آمد کی حفاظت اسے فروغ دینے اور خرچ کرنے کے لئے حضور علیہ السلام نے یہ انجمن بنائی اور اس سلسلہ میں بعض خاص ہدایات دے کر الوصیت کے ساتھ بطور ضمیمہ درج کر کے لکھا کہ

> ''یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے۔''

یہ انجمن کوئی دنیوی یا جمہوری طرز کی کوئی انجمن نہیں تھی بلکہ ان اموال کی حفاظت اور توسیع اور اشاعت ...... کی غرض سے بنائی گئی تھی جو نظام الوصیت کے نتیجہ میں جماعت کو عطا ہونے والے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے مشورہ دیا کہ بہشتی مقبرہ والی انجمن کو قانونی وسعت دے کر دوسرے جماعتی اداروں (مثلاً ریویو آف ریلیجنز اور مدرسہ تعلیم الاسلام وغیرہ) کو بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے اور جماعت کے تمام اموال کو اس انجمن کی نگرانی میں دے دیا جائے جس کی صورت یہ ہو ایک نئی انجمن ''صدر انجمن احمدیہ'' قائم کی جائے جو دنیا کے تمام احمدیوں پر مشتمل ہو یعنی

بحیثیت احمدی ہر شخص اس کا رکن متصور ہو۔ اس انجمن کی ایک مرکزی انتظامیہ قائم کی جائے جس کا نام مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ رکھا جائے۔ یہ انجمن امام وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی راہنمائی، نگرانی اور کامل اطاعت میں سلسلہ کے مختلف مالی اور تنظیمی امور چلانے کی ذمہ دار ہو۔ جماعتی تنظیم کے اعتبار سے یہ ایک معقول اور مفید تجویز تھی جو حضرت اقدس کے سامنے پیش ہوئی تو مختلف احباب کے مشورہ کے بعد حضور علیہ السلام نے منظور فرمائی اور ۳۱/جنوری ۱۹۰۶ء تک اس کے قواعد وضوابط تجویز کر لئے گئے جو ۱۰/فروری ۱۹۰۶ء کو ''الحکم'' اور ۱۶/فروری ۱۹۰۶ء کے ''بدر'' میں جماعت کی اطلاع کے لئے شائع کر دیئے گئے۔ اس طرح اصل ''انجمن کار پرداز مصالح قبرستان'' میں ہی دوسرے تمام جماعتی ادارے مدغم کر کے موجودہ صدر انجمن احمدیہ کی بنیاد پڑی۔ اس مجلس کے جملہ ممبران خود حضور علیہ السلام نے نامزد فرمائے اور اس مجلس کا صدر بھی خود حضور نے مقرر فرمایا جو حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب تھے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی رائے چالیس آدمیوں کی رائے کے برابر شمار ہوگی۔ جب یہ عرض کیا گیا کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ صدر مجلس کو ویٹو کا حق ہوگا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کا بھی یہی منشا تھا۔ بہر حال اس مجلس کے قیام کے وقت جو سب سے اہم اور مرکزی قاعدہ ضبط میں لایا گیا وہ یہ تھا:

> ''ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کی ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کے کل شاخہائے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا۔''

انجمن کا نظم و نسق

صدر انجمن احمدیہ کے زیر انتظام چار مجالس انتظامیہ قواعد میں شامل کی گئیں۔

۱۔ مجلس اشاعت ...... ۲۔ مجلس کار پرداز مصالح قبرستان

۳۔ مجلس تعلیم ۴۔ مجلس انتظام امور متفرقہ

مجلس معتمدین کے ارکان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجلس معتمدین کے مندرجہ ذیل ارکان نامزد فرمائے۔

۱۔ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب بھیروی (صدر)

۲۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی (سیکرٹری)

۳۔ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب (قانونی مشیر)

۴۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (رکن)

۵- مولوی سیّد محمد احسن صاحب امروہی (رکن)

۶- خان صاحب نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ (رکن)

۷- سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراس (رکن)

۸- مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور (رکن)

۹- میر حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ عدالت ضلع سیالکوٹ (رکن)

۱۰- شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس لاہور (رکن)

۱۱- ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور (رکن)

۱۲- ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسسٹنٹ سرجن (رکن)

۱۳- ڈاکٹر سیّد محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن (رکن)

۱۴- ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن (رکن)

(بدر ۲۳ر فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۶، ۷)

انتظامی ادارہ

اس مجلس کی حیثیت امام وقت کے تابع ایک انتظامی ادارہ کی تھی جس کے ذمہ بہشتی مقبرہ اور دیگر صیغوں کے اموال کی حفاظت کا کام کیا گیا۔ چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے پہلے جنرل سیکرٹری مولوی محمد علی صاحب نے انجمن کی پہلی سالانہ رپورٹ میں یہ بات واضح کرتے ہوئے لکھا تھا:

> ’’اس مجلس کے چودہ ممبر ہیں جن کو حضرت صاحب نے خود مقرر فرمایا اور ان کے امیر یعنی میر مجلس اپنی فراست سے اس عظیم الشان انسان کو قرار دیا جو علم الٰہی میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ ہونے والا تھا اور جو اس وقت ہم سب کے امیر اور مقتدا ہیں۔ اس مجلس کے سپرد حضرت اقدس نے اس سلسلہ کے کل انتظامی کاروبار کو کیا۔‘‘ (سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ ۰۸-۱۹۰۷ء صفحہ ۲)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اس کی بعینہٖ یہی شکل رہی اور آپ کی وفات کے بعد جب ساری جماعت نے بشمول مجلس معتمدین حضرت حکیم مولانا نور الدین (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نیابت میں اپنا امام اور خلیفہ تسلیم کر لیا اور اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت نے خلافت احمدیہ کی صورت میں قدرت ثانیہ عطا کرنے کا وعدہ پورا فرما دیا۔ خلافت اولیٰ کے ابتدائی سالوں میں یہ انجمن اسی طرح خلیفہ وقت کے ارشادات کے تابع رہ کر مفوضہ امور سر انجام دیتی رہی جیسے پہلے دیا کرتی تھی تاہم پھر کچھ ایسی علامات ظاہر ہوئی شروع

ہوئیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ مجلس معتمدین کے بعض ممبران اپنی حیثیت سے بڑھ کر اختیارات حاصل کرنے کے متمنی ہیں اور خلافت احمدیہ کی بجائے مجلس معتمدین ہی کو خلافت کا مقام دینا چاہتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور آپ کی نظر ان تمام خرابیوں پر تھی اور ایسی نئی انتظامی ضرورتیں بھی سامنے آ رہی تھیں جن کو یہ انجمن پورا نہ کر سکتی تھی۔ عہد خلافت اولیٰ تک دستور یہ تھا کہ ہر قسم کے انتظامی معاملات براہ راست مجلس معتمدین میں ہی پیش ہوتے تھے جبکہ صیغہ جات کے افسران جو انتظامی امور کو چلانے کے ذمہ دار تھے اس انجمن کے رکن نہیں تھے اور اس طرح انتظامی مسائل کا عملی تجربہ رکھنے والے کارکنان الگ تھے اور انتظامی امور کا فیصلہ کرنے والی انجمن الگ جسے براہ راست کوئی انتظامی تجربہ نہ تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے احباب جماعت سے مشورہ کے بعد پہلا انتظامی اصلاحی قدم اُٹھایا وہ یہ تھا کہ ایک الگ مجلس انتظامیہ قائم کی جو صیغہ جات کے سربراہوں پر مشتمل تھی اور براہ راست خلیفہ وقت کی راہنمائی میں کام کرتی تھی۔ انتظامی امور سے متعلق مشورے اس مجلس انتظامیہ میں پیش ہوتے جو آخری فیصلہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش کئے جاتے۔ اس مجلس کا نام مجلس نظارت رکھا گیا لیکن اس مجلس کے قیام کے باوجود مجلس معتمدین اسی طرح قائم رہی البتہ ان دونوں مجلسوں کے دائرہ عمل اور طریق کار کو علیحدہ علیحدہ متعین کر دیا گیا اور نئی انتظامیہ کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے اوائل ۱۹۱۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:

> ”احباب جماعت کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ ضروریات سلسلہ کو پورا کرنے کے لئے قادیان اور بیرونی جماعت کے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ سلسلہ کے مختلف کاموں کے سرانجام دینے کے لئے چند ایسے افسران مقرر کئے جائیں جن کا فرض ہو کہ وہ حسب موقعہ اپنے متعلقہ کاموں کو پورا کرتے رہیں اور جماعت کی تمام ضروریات کو پورا کرنے میں کوشاں رہیں۔ فی الحال میں نے اس غرض کے لئے ایک ناظر اعلیٰ، ایک ناظر تالیف واشاعت، ایک ناظر تعلیم وتربیت اور ایک ناظر امور عامہ اور ایک ناظر بیت المال مقرر کیا ہے اور ان عہدوں پر سردست ان احباب کو مقرر کیا ہے۔ ناظر اعلیٰ مکرم مولوی شیر علی صاحب، ناظر تالیف واشاعت مکرمی مولوی شیر علی صاحب، ناظر تعلیم وتربیت مکرمی مولوی سیّد سرور شاہ صاحب، ناظر امور عامہ عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب، ناظر بیت المال مکرمی ماسٹر عبدالمغنی صاحب۔ ان کے علاوہ جماعت کی ضروریات افتاء اور قضاء کو مدنظر رکھ کر افتاء کے لئے مکرمی مولوی سیّد سرور شاہ صاحب، مکرمی مولوی محمد اسماعیل صاحب اور مکرمی حافظ روشن علی صاحب اور قضاء کے لئے مکرمی قاضی امیر حسین صاحب، مکرمی مولوی فضل الدین صاحب اور مکرمی میر محمد اسحاق صاحب کو

مقرر کیا ہے۔ آئندہ جو تغیرات ہوں گے ان سے احباب کو اطلاع دی جاتی رہے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب ان لوگوں کے کام میں پوری اعانت کریں گے اور سلسلہ کی کسی خدمت سے دریغ نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کے قائم کردہ سلسلہ کے استحکام کے لئے مجھے یقین ہے کہ سب احباب اس تکلیف کو خوشی سے برداشت کریں گے اور ہر طرح ان کارکنوں کا ہاتھ بٹا کر ثواب کے مستحق ہوں گے اور ان کی تحریرات کو میری تحریرات سمجھیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

خاکسار مرزا محمود احمد''

(الفضل ۴؍جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۱، ۲)

دونوں انجمنوں کا ادغام

کچھ عرصہ تک نئی قائم کردہ انتظامیہ (جو نظارت کہلاتی تھی) اور مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ پہلو بہ پہلو اپنے اپنے دائرہ عمل میں مختلف فرائض سرانجام دیتی رہیں لیکن ایک لمبے تجربہ کے بعد جب اس میں بعض قباحتیں محسوس ہوئیں تو ۱۹۲۵ء میں حضور نے ان دونوں تنظیموں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا۔ اب جملہ نظارتوں کے ذمہ دار افسر جو ناظر کہلاتے تھے صدر انجمن احمدیہ کا حصہ بن گئے اور انتظام کی نئی شکل یہ بنی کہ خلیفہ وقت کے ماتحت صدر انجمن احمدیہ بحیثیت مجلس عاملہ تمام اہم اصولی فیصلوں کی ذمہ دار تھی اور تمام مسائل پر غور و فکر کے بعد اپنی سفارشات آخری منظوری کے لئے خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش کرتی تھی۔ صدر انجمن احمدیہ کے ایسے ممبران جو مختلف انتظامی شعبوں کے سربراہ ہوتے تھے وہ ناظر کہلاتے تھے۔ ناظر اصولی طور پر صدر انجمن احمدیہ کے ایسے فیصلوں کی روشنی میں کام کرتے تھے جن کو خلیفۃ المسیح کی منظوری حاصل ہو لیکن انتظامی امور میں وہ براہ راست خلیفۃ المسیح ہی کے ماتحت تھے اور خلیفۃ المسیح کے سامنے جوابدہ تھے اور ان کا انتخاب بھی کلیۃً خلیفۃ المسیح کے منشاء کے مطابق ہوتا تھا۔

صدر انجمن احمدیہ اور نظارتوں کے ادغام کے نتیجہ میں نئی انجمن کی صورت حسب ذیل تھی۔ اس میں مندرجہ ذیل چھ ناظر اور دو بیرونی ممبران مقرر ہوئے۔

ناظر اعلیٰ و بہشتی مقبرہ	حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب ڈسکہ ضلع سیالکوٹ
ناظر دعوت و تبلیغ	حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال
ناظر بیت المال	حضرت مولوی عبد المغنی صاحب
ناظر امور عامہ	حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر

ناظر امور خارجہ	حضرت مفتی محمد صادق صاحب
ناظر ضیافت	حضرت میر محمد اسحاق صاحب
بیرونی ممبران	۱- ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب
	۲- ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب

رفتہ رفتہ ان نظارتوں کے علاوہ حسب ضرورت صدر انجمن احمدیہ کے انتظام میں بعض دوسری نئی نظارتوں کا اضافہ اور شعبوں میں ردوبدل ہوتا رہا اور بعد میں مختلف سالوں میں قائم ہونے والی درج ذیل نظارتیں تھیں:

نظارت صنعت وتجارت، نظارت تعلیم وتربیت، نظارت تالیف وتصنیف، نظارت زراعت، نظارت خدمت درویشاں اور نظارت دیوان۔

اس کے علاوہ ان نظارتوں میں بعض اور تبدیلیاں بھی عمل میں لائی گئیں مثلاً نظارت دعوۃ وتبلیغ کو ختم کر کے اس کی جگہ نظارت اصلاح وارشاد کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کو تبلیغ کے علاوہ تربیت کا کام بھی تفویض کیا گیا۔ نظارت تعلیم و تربیت میں تربیت کا حصہ نکال دیا گیا اور ایک مرتبہ پھر ابتدائی شکل کی طرف لوٹا کر صرف نظارت تعلیم بنادیا گیا۔

حضرت مصلح موعود نے اپنے باون سالہ دورِ خلافت میں جس عمدگی اور قابلیت کے ساتھ اس نظام کی نگرانی اور راہنمائی فرمائی اور پیش آمدہ نقائص کو دور کرتے ہوئے اسے مسلسل روبہ اصلاح رکھا اس کی داستان بہت طویل ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کے فیصلوں پر آپ کے ارشادات، علم وحکمت کا خزینہ ہیں جو ہمیشہ جماعت احمدیہ کے نظام کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتے رہیں گے۔ علاوہ ازیں مجلس مشاورت کے موقع پر اور اپنی دیگر تقاریر اور خطبات میں بھی جماعت کی عمومی تربیت کی خاطر انتظامی امور پر روشنی ڈالتے رہے اور مختلف نظارتوں کی تفصیلی ہدایات کے ذریعہ سے راہنمائی فرماتے رہے اور نظارتوں کے قیام کے مقاصد اور ان مقاصد کے حصول کے ذرائع پر سیر حاصل مواد موجود ہے جو ہمیشہ ان نظارتوں کے لئے مشعلِ راہ رہے گا۔

تحریک جدید

آغاز و پس منظر

(مکرم خالد محمود الحسن بھٹی صاحب)

سال ۱۹۳۴ء کا اختتام تحریک جدید کے عظیم الشان آغاز سے ہوا۔ یہ ایک انقلاب انگیز الٰہی تحریک تھی جس کے ذریعہ اکناف عالم میں توحید الٰہی کے قیام اور اشاعت ..... کی مضبوط بنیاد ڈال دی گئی اور جماعت احمدیہ کی دینی و اشاعتی سرگرمیاں جو پہلے صرف چند ممالک تک محدود تھیں عالمگیر صورت اختیار کر گئیں اور تبلیغ ..... کا ایک زبردست نظام معرض وجود میں آیا۔ اس الٰہی تحریک کی بنیاد خدا تعالیٰ کی مشیت خاص اور اس کے القاء سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاتھوں عین اس وقت رکھی گئی جبکہ احراری تحریک اپنے نقطہ عروج پر تھی اور احرار اپنے خیال میں (معاذ اللہ) قادیان اور احمدیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا فیصلہ کر کے قادیان کے پاس ہی اپنی کانفرنس منعقد کرنے والے تھے۔ یہ وہ دن تھے جب فضا میں احرار کے ان دعووں کی آواز گونج رہی تھی کہ ہم منارۃ المسیح کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور قادیان کو اس طرح مسمار کر دیں گے کہ وہاں قادیان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا اور ایک وجود بھی ایسا نہیں رہے گا جو حضرت مسیح موعود کا نام لینے والا ہو۔ فضاؤں میں بہت ارتعاش تھا اور احمدیوں کی طبیعت میں بھی ایک ہیجان تھا، ایک جوش تھا اور ایک ولولہ تھا، جتنی قوت کے ساتھ جماعت کو دبانے کی کوشش کی جارہی تھی اتنے ہی زور کے ساتھ یہ جماعت اُبھرنے کے لئے تیار بیٹھی تھی، ایک آواز کا انتظار تھا یعنی خلیفۃ المسیح کی آواز کا کہ وہ جس طرح چاہیں، جس طرف چاہیں قربانیوں کے لئے بلائیں لیکن دل سینوں میں اُچھل رہے تھے کہ کب یہ آواز بلند ہو اور کب ہمیں آگے بڑھ کر نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ کہنے کی توفیق عطا ہو۔

یہ وقت جماعت کے لئے انتہائی نازک تھا ہر طرف سے جماعت پر حملے ہو رہے تھے۔ دشمن پوری طاقت اور پورے زور کے ساتھ حملے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اور اپنے زعم میں جماعت کو نیست و نابود کرنے کو تیار کھڑا تھا۔ اب کے بار یہ صرف احرار کا حملہ نہ تھا بلکہ حکومت بھی انہی کے ساتھ تھی۔ ایسے خطرناک حالات میں حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے اس الٰہی تحریک کا آغاز فرمایا اور اس کشتی کو نصرت الٰہی سے مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور ایذاء رسانیوں کے تند و تیز طوفان سے نکال کر امن میں لے آئے۔

ان حالات کا ذکر کرتے ہوئے آپ ..... فرماتے ہیں:

"......آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وقت بہت نازک ہے۔ ہر طرف سے مخالفت

ہو رہی ہے اور اس کا مقابلہ کرتے ہوئے سلسلہ کی عزت اور وقار کو قائم رکھنا آپ لوگوں کا فرض ہے..... آخر ہم نے کیا قصور کیا ہے ملک کا یا حکومت کا کہ ہم سے یہ دشمنی اور عناد کا سلوک روا رکھا جا رہا ہے؟..... ہم کسی کے گھر پر حملہ آور نہیں ہوئے، حکومت سے اس کی حکومت نہیں مانگی، رعایا سے اس کے اموال نہیں چھینے بلکہ اپنی...... ان کے حوالے کر دیں۔ اپنی بیش قیمت جائیدادیں ان کو دے کر ہم میں سے بہت سے لوگ قادیان میں آ گئے کہ امن سے خدا کا نام لے سکیں مگر پھر بھی ہم پر حملے کئے جاتے ہیں اور حکومت بھی ہمارے ہاتھ باندھ کر ہمیں ان کے آگے پھینکنا چاہتی ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ ہمارا قصور کیا ہے؟.....''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۴ء الفضل یکم نومبر ۱۹۳۴ء)

اس تحریک کے آغاز کے حالات اور اس تحریک کے ثمرات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''..... یہ زمانہ ہمارے لئے نہایت نازک ہے۔ مجھ پر بیسیوں راتیں ایسی آتی ہیں کہ لیٹے لیٹے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنون ہونے لگا ہے اور میں اٹھ کر ٹہلنے لگ جاتا ہوں۔ غرض یہی نہیں کہ واقعات نہایت خطرناک پیش آ رہے ہیں بلکہ بعض باتیں ایسی ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے..... تو سلسلہ کے خلاف ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ جو میری ذات کے سوا کسی کو معلوم نہیں..... تو میں سمجھتا ہوں کہ وقت ایسا ہے کہ ہمیں اہم قربانی کی ضرورت ہے..... آج ہمارے جھنڈے کو گرانے کی بھی دشمن پوری کوشش کر رہا ہے اور سارا زور لگا رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں جو جھنڈا دے گئے ہیں اسے گرا دے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہیں اور اگر ہاتھ کٹ جائیں تو پاؤں میں پکڑ لیں اور اگر اس فرض کی ادائیگی میں ایک کی جان چلی جائے تو دوسرا کھڑا ہو جائے اور اس جھنڈے کو پکڑ لے...... یاد رکھو خدا تعالیٰ کے لئے مرنے والے کو کوئی مار نہیں سکتا اس بات کو پلے باندھ لو اور جب تم یہ ارادہ کر لو گے کہ خدا تعالیٰ کے لئے مرنا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تم کو مار نہ سکے گی۔ ہاں تم پر وہ موت آئے گی جو نبیوں کو سچے دل سے ماننے والوں پر آتی ہے مگر ناکامی کی موت نہیں آ سکتی کیونکہ تم جس پر گرو گے وہ چکنا چور ہو جائے گا اور جو تم پر گرے گا وہ بھی چکنا چور ہو جائے گا''۔

(رپورٹ مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۹ تا ۲۱/ اپریل ۱۹۳۵ء اختتامی خطاب)

تحریک جدید ہے کیا؟

حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

"پس تحریک جدید کیا ہے؟ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے عقیدت کی یہ نیاز پیش کرنے کے لئے ہے کہ وصیت کے ذریعہ نُو جس نظام کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے آنے میں ابھی دیر ہے۔ اس لئے ہم تیرے حضور اس نظام کا ایک چھوٹا سا نقشہ تحریک جدید کے ذریعہ پیش کرتے ہیں...... غرض تحریک جدید گو وصیت کے بعد آئی ہے مگر اس کے لئے پیشرو کی حیثیت میں ہے گویا وہ نظام اس کے مسیح کے لئے ایک ایلیاہ نبی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ظہور مسیح موعودؑ کے غلبہ والے ظہور کے لئے بطور ارہاص کے ہے۔ ہر شخص جو تحریک جدید میں حصہ لیتا ہے، وصیت کے نظام کو وسیع کرنے میں مدد دیتا ہے اور ہر شخص جو نظام وصیت کو وسیع کرتا ہے۔ وہ نظام نُو کی تعمیر میں مدد دیتا ہے"۔ (نظام نو صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰)

الٰہی تحریک

تحریک جدید کی سکیم کا نافذ ہونا خدا کی ازلی تقدیروں میں سے تھا، احراری شورش تو محض ایک بہانہ تھی۔ جیسا کہ وہ پہلے سے اس کے متعلق کئی بشارتیں دے چکا تھا۔ تحریک جدید کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کشف بھی پورا ہو گیا جس میں حضورؑ کو غلبہ دین حق کے لئے پانچ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک روحانی فوج دی گئی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

"...... کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔ تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ تب میں نے اس دوسرے کی طرف رخ کیا۔ جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا۔ اور اسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری اس بات کو سن کر بولا کہ ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کی کسی حکمت

خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے''۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۴۹ حاشیہ)

اس کشف کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور جماعت احمدیہ کے افراد کو بھی تحریک جدید کے بابرکت ہونے کی نسبت بشارتیں ملیں۔ بیسیوں رؤیا وکشوف اور الہامات اس تحریک کے بابرکت ہونے کے متعلق لوگوں کو ہوئے۔ بعض کو رؤیا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ تحریک بہت مبارک ہے۔ اور بعض کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ یہ تحریک بابرکت ہے اور بعض کو الہامات ہوئے کہ یہ تحریک بہت مبارک ہے۔ غرض یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کے بابرکت ہونے کے متعلق بیسیوں رؤیا وکشوف اور الہامات کی شہادت موجود ہے۔ پس حقیقت یہی ہے کہ احرار کو تو خدا تعالیٰ نے ایک بہانہ بنادیا ہے کیونکہ ہر تحریک کے جاری کرنے کے لئے ایک موقعہ کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور جب تک وہ موقعہ میسر نہ ہو جاری کردہ تحریک مفید نتائج پیدا نہیں کرسکتی۔ ورنہ اس تحریک کو خدا تعالیٰ نے جاری کرنا ہی تھا۔

تحریک جدید براہ راست خدا تعالیٰ کی نازل کردہ تحریک تھی۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے قلب مبارک پر ایسے رنگ میں یکا یک القاء ہوئی کہ دنیا کی روحانی فتح کی سب منزلیں اپنی بہت سی تفصیلات ومشکلات کے ساتھ حضور کے سامنے آگئیں اور مستقبل میں لڑی جانے والی دین حق اور کفر کی جنگ کا ایک جامع نقشہ آپ کے دماغ میں محفوظ کردیا گیا۔ اس کا تذکرہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے متعدد بار فرمایا۔ بطور مثال چند فرمودات درج ذیل ہیں۔

1- ''...... میرے ذہن میں یہ تحریک بالکل نہیں تھی۔ اچانک میرے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تحریک نازل ہوئی۔ پس بغیر اس کے کہ میں کسی قسم کی غلط بیانی کا ارتکاب کروں میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ تحریک جدید جو خدا نے جاری کی میرے ذہن میں یہ تحریک پہلے نہیں تھی۔ میں بالکل خالی الذہن تھا۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے یہ سکیم میرے دل پر نازل کی اور میں نے اسے جماعت کے سامنے پیش کردیا۔ پس یہ میری تحریک نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ تحریک ہے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ رنومبر ۱۹۴۲ء مطبوعہ الفضل ۲ ردسمبر ۱۹۴۲ء)

2- ''...... اس سکیم میں بعض چیزیں عارضی ہیں۔ پس عارضی چیزوں کو میں بھی مستقل قرار نہیں دیتا۔ لیکن باقی تمام سکیم مستقل حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے القاء کے نتیجہ میں مجھے سمجھائی گئی ہے۔ میں نے اس سکیم کو تیار کرنے میں ہرگز غور اور فکر سے کام نہیں لیا اور نہ گھنٹوں میں نے اس کو سوچا ہے۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک پیدا کی کہ میں اس کے متعلق خطبات کہوں۔ پھر ان خطبوں میں میں نے جو کچھ کہا وہ میں نے نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر جاری کیا کیونکہ ایک منٹ بھی میں نے یہ نہیں سوچا کہ میں کیا کہوں۔ اللہ تعالیٰ میری زبان

پر خود بخود اس سکیم کو جاری کرتا گیا اور میں نے سمجھا کہ میں نہیں بول رہا بلکہ میری زبان پر خدا بول رہا ہے''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۶ء مطبوعہ ۲۶/ فروری ۱۹۶۱ء)

3- ''...... یہ مت خیال کرو کہ تحریک جدید میری طرف سے ہے۔ نہیں بلکہ اس کا ایک ایک لفظ میں قرآن کریم سے ثابت کرسکتا ہوں اور ایک ایک حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشادات میں دکھا سکتا ہوں...... پس یہ خیال مت کرو کہ جو میں نے کہا ہے وہ میری طرف سے ہے بلکہ یہ اس نے کہا ہے جس کے ہاتھ میں تمہاری جان ہے۔ میں اگر مر بھی جاؤں تو وہ دوسرے سے یہی کہلوائے گا اور اس کے مرنے کے بعد کسی اور سے۔ بہرحال چھوڑے گا نہیں جب تک تم سے اس کی پابندی نہ کرالے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۵ء الفضل ۲۱/ دسمبر ۱۹۳۵ء)

تحریک جدید کے اغراض ومقاصد

دعوت الی اللہ اور تربیت تحریک جدید کے اجراء کی دو بنیادی اغراض اور مقاصد تھے۔

چنانچہ حضرت مصلح موعود نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸/ نومبر ۱۹۳۸ء میں فرمایا:

''...... تبلیغ اور تعلیم وتربیت دو نہایت ہی اہم کام ہیں اور انہی دونوں کاموں کو تحریک جدید میں مدنظر رکھا گیا ہے''۔

تبلیغ: اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں توحید کا قیام اور دین حق کی اصل تعلیم کی اشاعت کی جائے۔ لوگوں کے سامنے دین حق کی صحیح اور خوبصورت تصویر پیش کی جائے۔ تا تمام دنیا تک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچ سکے۔ اور وہ آپؐ کے جھنڈے تلے آکر نجات پائیں۔ یعنی اس مقصد کو حاصل کیا جاسکے جس کے لئے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو مبعوث کیا گیا تھا۔

تربیت: اس سے مراد یہ ہے احباب جماعت کی ایسے رنگ میں تربیت کی جائے کہ دنیا میں اسلامی تمدن کو قائم کیا جائے۔ احباب جماعت اپنی زندگی کو اس نمونہ کے مطابق ڈھالیں جس کو صحابہؓ نے پیش کیا۔ اسی طرح اپنی زندگی گزاریں اور انہی کی طرح ہر وقت ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔ کیونکہ قربانیوں کے بغیر قومیں ترقی نہیں کیا کرتیں۔ قربانیاں قوموں کی سانس ہوتی ہیں جب تک وہ قائم رہتی ہیں قوم زندہ رہتی ہے اور ترقی کرتی چلی جاتی ہے اور جب قربانیاں نہیں رہتیں تو قومیں بھی نہیں رہا کرتیں۔ پس ان قربانیوں کے لئے جماعت کی ایسے رنگ میں تربیت کرنا کہ وہ ماحول پیدا ہوجائے جو قربانیاں کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

ان دو مقاصد کے حصول کے لئے ضرورت تھی۔

1- آدمیوں کی 2- روپے کی 3- عزم و استقلال کی 4- دعاؤں کی

اس کے لئے حضرت مصلح موعود نے تحریک جدید کی سکیم پیش کی جس میں آپ نے احباب جماعت سے مختلف اوقات میں مختلف مطالبات کیے۔ انہی چیزوں کے مجموعے کا نام تحریک جدید ہے۔ یہ ایک ضابطۂ حیات ہے۔ تحریک جدید دراصل قربانی ہی کا دوسرا نام ہے۔

حضرت مصلح موعود تحریک جدید کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”......تمام لوگوں تک پہنچنے کے لئے ہمیں آدمیوں کی ضرورت ہے، ہمیں روپیہ کی ضرورت ہے، ہمیں عزم اور استقلال کی ضرورت ہے اور ہمیں ان دعاؤں کی ضرورت ہے، جو خدا تعالیٰ کے عرش کو ہلا دیں اور انہی چیزوں کے مجموعہ کا نام تحریک جدید ہے۔ تحریک جدید کو اس لئے جاری کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ ہمارے پاس ایسی رقم جمع ہو جائے، جس سے خدا تعالیٰ کے نام کو دنیا کے کناروں تک آسانی اور سہولت سے پہنچا دیا جائے۔ تحریک جدید کو اس لئے جاری کیا گیا ہے تا کہ کچھ افراد ایسے میسر آ جائیں، جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے وقف کر دیں اور اپنی عمریں اس کام میں لگا دیں۔ تحریک جدید کو اس لئے جاری کیا گیا ہے تا کہ وہ عزم اور استقلال ہماری جماعت میں پیدا ہو، جو کام کرنے والی جماعتوں کے اندر پایا جانا ضروری ہوتا ہے ......تو تحریک جدید سے میری غرض جماعت میں صرف سادہ زندگی کی عادت پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ میری غرض انہیں قربانیوں کے تنور کے پاس کھڑا کرنا ہے“۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ ر نومبر ۱۹۴۲ء مطبوعہ الفضل ۲ ر دسمبر ۱۹۴۲ء)

تحریک جدید کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ وہ قدیم تحریک ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جاری کی گئی تھی۔ انجیل کے محاورہ کے مطابق یہ ایک پرانی شراب ہے جو نئے برتنوں میں پیش کی جا رہی ہے۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

”......ہماری تحریک تو درحقیقت پرانی ہے اور ہم تعلیم کے لحاظ سے تیرہ سو سال پیچھے جاتے ہیں۔ تو تحریک جدید اس کا نام صرف اس لئے ہے کہ دنیا اس سے ناواقف ہو چکی تھی اور یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہمیں ایک پرانی چیز کو نئی کہنا پڑا۔ کیونکہ لوگ اس سے ناواقف ہو چکے تھے۔ اور وہ جدید نہیں بلکہ قدیم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جس طرز پر زندگی

بسر کی، ہم تحریک جدید کے ذریعہ اسی کے قریب قریب لوگوں کو لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج کل دنیا کے حالات ایسے رنگ میں بدل چکے ہیں کہ ہم اپنی طرز زندگی کی بالکل وہی شکل نہیں بنا سکتے، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طرز زندگی کی شکل تھی۔ مگر اس کے قریب قریب جس حد تک زمانہ کے حالات ہم کو اجازت دیتے ہیں، ہم لوگوں کو لیجانے کی کوشش کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور یہی تحریک جدید کی غرض ہے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰/اپریل ۱۹۴۴ء الفضل ۲۳/مئی ۱۹۴۴ء)

مطالبات تحریک جدید

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے تحریک جدید کے تحت جماعت سے مختلف اوقات میں مختلف مطالبات کیے جن کی کسی قدر تفصیل حسب ذیل ہے۔

اس سکیم کے آغاز سے پہلے ۱۹/اکتوبر ۱۹۳۴ء کو حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ

''......سب سے پہلا مطالبہ جو میں آپ لوگوں سے کرتا ہوں اور جس کی آزمائش کے بعد میں دوسرا مطالبہ کروں گا یہ ہے کہ یہاں ایک جلسہ ہونے والا ہے۔ اس جلسہ کے متعلق مجھے یقینی طور پر اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ یہ لوگ کوئی شورش اور فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ پس میرا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ اگر واقعہ میں وہ اطلاعات درست ہیں جو مجھے موصول ہوئیں تو میں اپنی جماعت کے ہر شخص کو یہ حکم دیتا ہوں کہ خواہ وہ مارا اور پیٹا جائے اپنا ہاتھ کسی پر مت اُٹھائے اور اپنی زبان مت کھولے بلکہ اگر وہ قتل بھی کر دیا جائے تو بھی اس کا حق نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اُٹھائے اور اُس کا حق نہیں کہ وہ اپنی زبان ہلائے۔ اگر ایسی حالت میں کوئی بھائی پاس سے گزر رہا ہو تو میں اسے بھی ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اُس کی مدد نہ کرے''۔

(الفضل ۲۳/اکتوبر ۱۹۳۴ء الفضل ۲۳/مئی ۱۹۴۴)

اس کے بعد آپ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۹/نومبر ۱۹۳۴ء میں جماعت سے تحریک کے باقاعدہ مطالبات کرنے سے قبل تین نہایت ہی اہم احکام دیئے:

پہلا حکم:

''......ہر وہ شخص جس کے چندوں میں کوئی نہ کوئی بقایا ہے یا ہر وہ جماعت جس کے چندوں میں بقائے ہیں وہ فوراً اپنے اپنے بقائے پورے کرے اور آئندہ کے لئے چندوں کی ادائیگی میں

باقاعدگی کا نمونہ دکھلائیں''۔

دوسرا حکم:

''......اس ہفتہ کے اندر اندر ہر وہ شخص جس کی کسی سے لڑائی ہو چکی ہے ہر وہ شخص جس کی کسی سے بول چال بند ہے، وہ جائے اور اپنے بھائی سے معافی مانگ کر صلح کر لے اور اگر کوئی معاف نہیں کرتا تو اس سے لجاجت اور انکسار کے ساتھ معافی طلب کرے اور ہر قسم کا تذلل اس کے آگے اختیار کرے۔ تا کہ اس کے دل میں رحم پیدا ہو اور وہ رنجش کو اپنے دل سے نکال دے اور ایسا ہو کہ جس وقت میں دوسرا اعلان کرنے کے لئے کھڑا ہوں اس وقت کوئی دو احمدی ایسے نہ ہوں جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔ اور کوئی دو احمدی ایسے نہ ہوں جن کی آپس میں بول چال بند ہو۔ پس جاؤ اور اپنے دلوں کو صاف کرو۔ جاؤ اور اپنے بھائیوں سے معافی طلب کر کے متحد ہو جاؤ۔ جاؤ اور ہر تفرقہ اور شقاق کو اپنے اندر سے دور کر دو تب خدا تعالیٰ کے فرشتے تمہاری مدد کے لئے اتریں گے۔ آسمانی فوجیں تمہارے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نازل ہوں گی اور تمہارا دشمن خدا کا دشمن سمجھا جائے گا''۔

تیسرا حکم:

''......مجھے فوراً جلد سے جلد ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو سلسلہ کے لئے اپنے وطن چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں اور بھوکے پیاسے رہ کر بغیر تنخواہوں کے اپنے نفس کو تمام تکالیف سے گزارنے پر آمادہ ہوں۔ پس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو نوجوان ان کاموں کے لئے تیار ہوں وہ اپنے نام پیش کریں۔ نوجوانوں کی لیاقت کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یا تو وہ مولوی ہوں مدرسہ احمدیہ کے سند یافتہ یا کم سے کم انٹرنس پاس یا گریجوایٹ ہوں...... شرط یہ ہے کہ وہ سرکاری ملازم نہ ہوں اور نہ ہی تاجر ہوں اور نہ طالب علم ہوں۔ صرف ایسے نوجوان ہوں جو ملازمت کی انتظار میں اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں''۔

(الفضل ۱۸/نومبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۹)

ان تین احکام کے بعد ۲۳/نومبر ۱۹۳۴ء کو حضور نے جماعت کو بتایا کہ:

''کوئی بڑی قربانی نہیں کی جا سکتی جب تک اس کے لئے ماحول نہ پیدا کیا جائے ......
کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ماحول ٹھیک ہو اور گردوپیش کے حالات موافق ہوں۔ اگر گردوپیش کے حالات موافق نہ ہوں تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے

لوگ نیکی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کے اندر نیکی کرنے کا مادہ بھی موجود ہوتا ہے اور جذبہ بھی مگر وہ ایسا ماحول نہیں پیدا کر سکتے جس کے ماتحت صحیح قربانی کر سکیں۔ پس ماحول کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے..... پس ضروری ہے کہ قربانی کرنے سے پیشتر اس کے لئے ماحول پیدا کیا جائے اس کے بغیر قربانی کا دعویٰ کرنا ایک نادانی کا دعویٰ ہے یا منافقت''۔

(الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء)

اس کے بعد مختلف مواقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت سے حسب ذیل ۲۷ مطالبات کیے جو ''مطالبات تحریک جدید'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

1- سادہ زندگی

''اس زمانہ میں مالی قربانی کی بہت ضرورت ہے اس لئے سب مرد اور عورتیں اپنی زندگی کو سادہ بنائیں اور اخراجات کم کر دیں تا کہ جس وقت قربانی کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے وہ تیار ہوں قربانی کے لئے صرف تمہاری نیت ہی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک تمہارے پاس سامان بھی مہیا نہ ہوں..... پس اگر سامان مہیا نہ ہوں تو ہم وہ قربانی کسی صورت میں بھی پیش نہیں کر سکتے جس کی ہمیں خواہش ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک سادہ زندگی اختیار کرے تا کہ وقت آنے پر وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر سکے''۔

(تقریر فرمودہ ۲۶ مئی ۱۹۳۵ء مطبوعہ الفضل ۱۲ جون ۱۹۳۵ء)

2- امانت فنڈ

''جماعت کے مخلص افراد کی ایک جماعت ایسی نکلے جو اپنی آمد کا 1/5 سے 1/3 حصہ تک سلسلہ کے مفاد کے لئے تین سال تک بیت المال میں جمع کرائے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۴ء الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء)

3- دشمن کے گندے لٹریچر کا جواب

''دشمن کے مقابلہ کے لئے اس وقت بڑی ضرورت ہے کہ وہ جو گند الٹریچر ہمارے خلاف شائع کر رہا ہے اس کا جواب دیا جائے یا اپنا نقطۂ نگاہ احسن طور پر لوگوں تک پہنچایا جائے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۳۵ء)

4- تبلیغ بیرون ہند

''مذہبی سلسلے ضرور ایک وقت دنیا کے تو پخانوں کی زد میں آتے ہیں اور وہ کبھی ظلم وستم کی تلوار کے سایہ کے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ پس ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ مختلف ممالک میں ان کی شاخیں ہوں تا کہ اگر ایک جگہ وہ ظلم وستم کا تختہ مشق ہوں تو دوسری جگہ ان کی امن کے ساتھ ترقی ہو رہی ہو اور ان کا مذہبی لٹریچر دشمن کی دست برد سے محفوظ رہے۔ جو شخص بھی اس سلسلہ کو ایک آسمانی تحریک سمجھتا ہے اسے اس امر کے لئے تیار ہونا پڑے گا اور جو اس نکتہ کو نہیں سمجھتا۔ وہ حقیقت میں اس سلسلہ کو نہیں سمجھتا۔ غرض سلسلہ احمدیہ کسی جگہ بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا اس لئے جب تک ہم سارے ممالک میں اپنے لئے جگہ کی تلاش نہ کریں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳؍ نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۲۹؍ نومبر ۱۹۳۴ء)

5- تبلیغ کی خاص سکیم میں مالی حصہ

''...... جماعت سے قربانی کا پانچواں مطالبہ یہ ہے کہ تبلیغ کی ایک سکیم میرے ذہن میں ہے جو دوست اس میں بھی مالی لحاظ سے حصہ لے سکتے ہوں وہ لیں''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳؍ نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۲۹؍ نومبر ۱۹۳۴ء)

6- تبلیغ سروے

''میں یہ چاہتا ہوں کہ وقف کنندگان سائیکلوں پر سارے پنجاب کا دورہ کریں اور اشاعت سلسلہ کے امکانات کے متعلق مفصل رپورٹیں مرکز کو بھجوائیں مثلاً یہ کہ کس علاقہ کے لوگوں پر کس طرح اثر ڈالا جا سکتا ہے کون کون سے با اثر لوگوں کو تبلیغ کی جائے تو احمدیت کی اشاعت میں خاص مدد مل سکتی ہے کس کس گاؤں کے لوگوں کی کس کس جگہ کے احمدیوں سے رشتہ داریاں ہیں کہ ان کو وہاں بھیج کر تبلیغ کروائی جائے''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳؍ نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۲۹؍ نومبر ۱۹۳۴ء)

7- وقف رخصت

''سرکاری ملازمین جن کی تین ماہ کی رخصتیں جمع پڑی ہوں یا قریب کے زمانہ میں جمع ہونے والی ہوں اور وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے ان رخصتوں کو وقف کر دیں...... پھر ہم انہیں جہاں چاہیں تبلیغ کے لئے بھیج دیں...... ان کے متعلق میری سکیم یہ ہے کہ ان کو ایسی جگہ بھیجیں جہاں احمدی جماعتیں نہیں ...... ان کو وہاں بھیج دیا جائے جہاں ان کی ملازمت کا واسطہ اور تعلق نہ ہو...... وہ

اپنا خرچ آپ برداشت کریں ہم اس بات کو مدنظر رکھیں گے کہ انہیں اتنی دور بھیجا جائے کہ ان کے لئے سفر کے اخراجات برداشت کرنے مشکل نہ ہوں۔ اگر کسی کو اور جگہ بھیجا گیا تو کسی قدر بوجھ اخراجات سفر کا سلسلہ برداشت کرلے گا اور باقی اخراجات کھانے پینے پہننے کے وہ خود برداشت کریں ان کو کوئی تنخواہ نہ دی جائے گی نہ کوئی کرایہ سوائے اس کے جسے بہت دور بھیجا جائے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶؍اپریل ۱۹۴۰ء الفضل ۳؍مئی ۱۹۴۰ء)

8۔ وقف زندگی

''.....تم سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا اور جو اکیلا حقیقی مطالبہ ہے وہ تمہاری جان کا مطالبہ ہے۔ نہ صرف تمہیں اس مطالبہ کو پورا کرنا چاہیے بلکہ ہر وقت یہ مطالبہ تمہارے ذہن میں مستحضر رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس وقت تک تم میں جرأت و دلیری پیدا نہیں ہو سکتی جب تک تم اپنی جان کو ایک بے حقیقت چیز سمجھ کر دین کے لئے اسے قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار نہ ہو''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍جنوری ۱۹۳۵ء الفضل ۲۴؍جنوری ۱۹۳۵ء)

''.....جو شخص دین کے لئے اپنی زندگی وقف کرتا ہے وہ ادنیٰ نہیں بلکہ اعلیٰ ہے بشرطیکہ ہر قسم کی کوتاہی سے اپنے آپ کو بچائے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰؍دسمبر ۱۹۳۵ء الفضل ۲۵؍دسمبر ۱۹۳۵ء)

9 - وقف رخصت موسمی

''اپنی زندگیوں کو خدمت دین کے لئے وقف کرو اور سال میں سے مہینہ دو مہینے یا تین مہینے تبلیغ کے لئے دو تا انہیں ایک دو یا تین ماہ کے لئے مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے بھیجا جا سکے..... جس قدر ملازم، زمیندار، تاجر اور پیشہ ور اور جنہیں چھٹیاں مل سکتی ہیں میں ان سب کو تحریک کرتا ہوں کہ ایک یا دو یا تین ماہ جتنا عرصہ کوئی دے سکے تبلیغ کے لئے دیں.....پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی چھٹیوں کو تبلیغ کے لئے وقف کریں''۔

(تقریر فرمودہ ۲۶؍دسمبر ۱۹۳۵ء مطبوعہ الفضل ۱۴؍مارچ ۱۹۳۶ء)

10 - صاحبِ پوزیشن لیکچر دیں

''.....جو دوست لیکچر دینے کی قابلیت رکھتے ہیں اور اپنے عہدہ یا کسی علم وغیرہ کے لحاظ سے

لوگوں میں پوزیشن رکھتے ہوں۔یعنی ڈاکٹر ہوں، وکلاء ہوں یا اور ایسے ہی معزز کاموں پر یا ملازمتوں پر ہوں۔جن کو لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں ایسے لوگ اپنے آپ کو پیش کریں تا مختلف مقامات کے جلسوں میں مبلغوں کے سوا ان کو بھیجا جائے اور ان سے تقریریں کرائی جائیں کیونکہ تقریر کرنے والا اگر کوئی وکیل یا ڈاکٹر یا کوئی اور عہدیدار ہو تو لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو گا کہ اس جماعت کے سب افراد میں خواہ وہ کسی طبقہ کے ہوں دین سے رغبت اور واقفیت پائی جاتی ہے اور خواہ ان کے منہ سے وہی باتیں نکلیں جو مولوی بیان کرتے ہیں۔مگر ان کا اثر بہت زیادہ ہو گا''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ / دسمبر ۱۹۳۵ء الفضل ۲۵ / دسمبر ۱۹۳۵ء)

11- ریز روفنڈ

''.....موجودہ حالات اور بعض مجبوریوں کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارا ایک مستقل ریزروفنڈ ہو۔جس کی آمدنی سے مستقل اخراجات چلائے جائیں اور ہنگامی کاموں کے لئے چندہ ہو۔اخلاقی لحاظ سے بھی۔یعنی جماعت کی اخلاقی حالت کو محفوظ رکھنے نیز کام کی وسعت کے لئے بھی ضروری ہے کہ ایک مستقل ریزروفنڈ قائم کیا جائے۔تحریک جدید کے متعلق میرا یہی خیال ہے کہ اس کے مستقل اخراجات ریزروفنڈ کی آمد سے ادا کرنے کا انتظام کیا جائے اور چندوں کا ایک ایک پیسہ ہنگامی کاموں پر خرچ ہو۔تا ہر ایک شخص کو نظر آ سکے کہ تحریک کے کاموں پر کیا خرچ ہو رہا ہے۔اس لئے ایسے اتار چڑھاؤ سے تبلیغی کاموں کو محفوظ کرنے کے لئے میں نے ایک ریزروفنڈ کی تجویز کی''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ / فروری ۱۹۳۶ء)

12- پنشنرز اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے پیش کریں

''..... میں تحریک کرتا ہوں کہ بیسیوں آدمی جو پنشن لیتے ہیں اور گھروں میں بیٹھے ہیں خدا نے ان کو موقعہ دیا ہے کہ چھوٹی سرکار سے پنشن لیں اور بڑی سرکار کا کام کریں۔یعنی دین کی خدمت کریں۔بیسیوں ایسے لوگ ہیں جو پنشن لیتے ہیں اور جنہیں اپنے گھروں میں کوئی کام نہیں۔میں ان سے کہتا ہوں کہ خدمت دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ / نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۹ / دسمبر ۱۹۳۴ء)

13۔ طلباء کو تعلیم کے لئے مرکز بھیجیں

.....ایک مطالبہ قادیان میں تعلیم کے لئے بچوں کو بھجوانے کا ہے۔

’’......باہر کے دوست اپنے بچوں کو قادیان کے ہائی سکول یا مدرسہ احمدیہ میں جس میں چاہیں تعلیم کے لئے بھیجیں۔ میں عرصہ سے دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے مرکزی سکولوں میں باہر سے دوست کم بچے بھیج رہے ہیں...... ایسے لوگ اپنے بچوں کو پیش کریں جو اس بات کا اختیار دیں کہ ان کے بچوں کو ایک خاص رنگ اور خاص طرز میں رکھا جائے‘‘۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰؍نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۹؍دسمبر ۱۹۳۴ء)

14۔صاحب حیثیت لوگ اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے جماعت سے مشورہ کریں

’’......بعض صاحب حیثیت لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے ہیں ان سے میں کہوں گا کہ بجائے اس کے کہ بچوں کے منشاء اور خواہش کے مطابق ان کے متعلق فیصلہ کریں یا خود اپنے دوستوں سے مشورہ کریں، وہ اپنے لڑکوں کے مستقبل کو سلسلہ کے لئے پیش کر دیں‘‘۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰؍نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۹؍دسمبر ۱۹۳۴ء)

15- بے کار دنیا میں نکل جائیں خود کمائیں اور کھائیں اور تبلیغ کریں

’’......پندرھواں مطالبہ جو جماعت سے بلکہ نوجوانان جماعت سے یہ ہے کہ وہ نوجوان جو گھروں میں بے کار بیٹھے روٹیاں توڑتے ہیں اور ماں باپ کو مقروض بنا رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وطن چھوڑ دیں اور نکل جائیں‘‘۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰؍نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۹؍دسمبر ۱۹۳۴ء)

16- اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں

’’...... احباب جماعت کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ سادہ کھائیں، سادہ کپڑا پہنیں، دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں، کوئی احمدی بے کار نہ رہے۔ اگر کسی کو جھاڑو دینے کا کام ملے تو وہ بھی کر لے اس میں بھی فائدہ ہے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی کام کرنا چاہیئے۔ ہر شخص کوشش کرے کہ وہ بیکار نہ رہے‘‘۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹؍نومبر ۱۹۳۵ء)

17- بے کار نہ رہیں جو کام بھی ملے وہی کریں

’’......میں نے بار ہا کہا ہے کہ بے کار مت رہو اور کام کرو...... میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ تحریک جدید تمہیں اس وقت تک کامیاب نہیں کر سکتی جب تک رات دن ایک کر کے کام نہ کرو...... میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ محنت کی عادت ڈالو، بے کاری کی عادت کو ترک کر دو، فضول

مجلسیں بنا کر گپیں ہانکنا اور بکواس کرنا چھوڑ دو۔ حقہ اور دیگر ایسی لغو عادتوں میں وقت ضائع نہ کرو اور کوشش کرو کہ زیادہ سے زیادہ کام کر سکو''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲؍ جنوری ۱۹۳۷ء مطبوعہ الفضل ۳؍ فروری ۱۹۳۷ء)

18- مرکز میں مکان بنائیں

''......باہر کے دوست قادیان میں مکان بنانے کی کوشش کریں۔ جوں جوں قادیان میں احمدیوں کی آبادی بڑھے گی، ہمارا مرکز ترقی کرے گا اور غیر عنصر خود بخود کم ہوتا جائے گا۔ ہر مکان جو قادیان میں بنتا ہے وہ احمدیت کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔ تم قادیان میں مکان بنا کر صرف اپنی جائیداد نہیں بناتے بلکہ اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کی جائیداد بھی بڑھاتے ہو۔ ہر اینٹ جو تمہارے مکان میں لگائی جاتی ہے، وہ صرف تمہارے مکان کو ہی مضبوط نہیں کرتی بلکہ سلسلہ اور......کو بھی مضبوط کرتی ہے''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍ جنوری ۱۹۳۶ء)

19- دعا

''......ایک اور چیز باقی رہ گئی ہے جو سب کے متعلق ہے گو غرباء اس میں زیادہ حصہ لے سکتے ہیں۔ دنیوی سامان خواہ کس قدر کئے جائیں آخر دنیاوی سامان ہیں اور ہماری ترقی کا انحصار ان پر نہیں بلکہ ہماری ترقی خدائی سامان کے ذریعہ ہوگی اور یہ خانہ اگرچہ سب سے اہم ہے مگر اسے میں نے آخر میں رکھا ہے اور وہ دعا کا خانہ ہے۔ وہ لوگ جو ان مطالبات میں شریک نہ ہو سکیں اور ان کے مطابق کام نہ کر سکیں وہ خاص طور پر دعا کریں کہ جو لوگ کام کر سکتے ہیں خدا تعالیٰ انہیں کام کرنے کی توفیق دے اور ان کے کاموں میں برکت ڈالے......پس وہ لوگ جو مجبوری اور معذوری کی وجہ سے کسی مطالبہ کو پورا کرنے میں حصہ نہیں لے سکتے، میں نے ایسی تجویز بتائی ہے کہ اس میں وہ سب شریک ہو سکتے ہیں۔ اور یہ سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ ضروری تجویز ہے''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰؍ نومبر ۱۹۳۴ء مطبوعہ الفضل ۹؍ دسمبر ۱۹۳۴ء)

20- اسلامی تمدن کا قیام

''...... ہر جگہ تمام دوستوں کو اکٹھا کر کے ان سے پھر عہد لیا جائے کہ وہ اسلامی تمدن اور اس کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے اور احیاء دین اور قیام شریعت کر کے اپنی بنیادوں کو مضبوط کریں گے تا قلیل سے قلیل عرصہ میں وہ تمدن قائم ہو جائے جس کو دین حق قائم

کرنا چاہتا ہے اور جس کو قائم کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍جنوری ۱۹۳۸ء الفضل ۲۱؍جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۷)

21- قومی دیانت کا قیام

''......اخلاقی لحاظ سے اصولی صداقتیں چار ہیں دیانت، صداقت، محنت اور قربانی۔ اور اگر یہ چار تم اپنے اندر پیدا کرلو تو یقیناً تم کامیاب ہوسکتے ہو''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍جنوری ۱۹۳۸ء الفضل ۲۱؍جنوری ۱۹۳۸ء صفحہ ۸)

22- عورتوں کے حقوق کی حفاظت

''......عورتوں کے حقوق برابر دیئے جائیں اور ان کا خاص خیال رکھا جائے خصوصاً جب کہ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے احساسات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا یا تو دوسری شادی نہ کی جائے اور اگر کی جائے تو پورا انصاف کرے''

23- راستوں کی صفائی

''......اپنے ہاتھوں سے کام کر کے تمام راستوں کو فراخ اور سیدھا کیا جائے اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کیا جاوے اور گندگی کو دور کیا جاوے تاکہ دیکھنے والا دیکھتے ہی سمجھ لے کہ احمدی جماعت کا محلہ یا گاؤں ہے''۔

24- احمدیہ دارالقضاء کا قیام

''......سوائے ان مقدمات کے کہ جن کے متعلق قانون کہتا ہے کہ ان کو عدالتوں میں لے جانا ضروری ہے باقی سب مقدمات کا فیصلہ شریعت کے مطابق کیا جائے اور اس ضرورت کے لئے ہر جماعت میں پنچائتیں اور بورڈ بن جائیں''۔

25- وقف اولاد

''......اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی نسل بڑھے اور پھیلے اور اسے اور اس کی نسلوں کو عزت ملے تو اس کا طریق یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دین کی راہ میں قربان کردے۔ یہ ایک ایسا گر ہے کہ ہمارے دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی نسلیں دنیا پر چھا جائیں اور ہزاروں سال تک ان کا نام عزت کے ساتھ زندہ رہے تو وہ اسوۂ ابراہیمی پر عمل پیرا ہوں''۔

(خطبہ عید الاضحیہ فرمودہ ۹؍جنوری ۱۹۴۱ء الفضل ۱۷؍جنوری ۱۹۴۱ء)

26- وقف جائیداد و آمد

’’..... جب اللہ تعالیٰ نے اب ..... کی فتح کی ایک بنیاد رکھ دی ہے تو یقیناً اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ..... اور احمدیت کی اشاعت کے لئے ہم سے نئی قربانیوں کا مطالبہ کرنے والا ہے۔ ساری جماعت بے شک چندے دیتی ہے اور بہت دیتی ہے، قربانیاں کرتی ہے اور بہت کرتی ہے۔ مگر یہ قربانیاں ..... کی اشاعت کے لئے کافی نہیں۔ پس میں تجویز کرتا ہوں اور اس تجویز کے مطابق سب سے پہلے میں اپنے وجود کو پیش کرتا ہوں کہ ہم میں سے کچھ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اپنی جائیدادوں کو اس صورت میں دین کے لئے وقف کر دیں کہ جب سلسلہ کی طرف سے ان سے مطالبہ کیا جائے گا انہیں وہ جائیداد ..... کی اشاعت کے لئے پیش کرنے میں قطعاً کوئی عذر نہیں ہوگا‘‘۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍مارچ ۱۹۴۴ء مطبوعہ الفضل ۱۴؍مارچ ۱۹۴۴ء)

27- حلف الفضول

’’..... درحقیقت یہ اس زمانہ کی اہم نیکی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں بالخصوص امیر لوگ غریبوں کو لوٹتے ہیں اور اس لوٹنے میں راحت محسوس کرتے ہیں ..... شاید اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے ..... یہ عہد کریں کہ ہم کسی کا حق نہیں ماریں گے اور جہاں پتہ لگے گا کہ کوئی کسی کا حق مار رہا ہے ہم وہاں جا پہنچیں گے اور خواہ کوئی ہم سے پوچھے یا نہ پوچھے ہم ضرور اس میں دخل دیں گے کہ اس کا حق ملنا چاہئے ..... اسی طرح ہماری جماعت کے چند افراد یہ عہد کرلیں کہ ہم دیانت و امانت کو قائم کریں گے اور جہاں پتہ لگے گا کہ کسی کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ چاہے کوئی پوچھے یا نہ پوچھے ہم چودھری بن کر جا پہنچیں گے اور کوشش کریں گے کہ مظلوم کا حق دلایا جائے‘‘۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍جولائی ۱۹۴۴ء مطبوعہ الفضل ۲۲؍جولائی ۱۹۴۴ء)

جماعت کو انتباہ

اسی طرح حضور نے جماعت کے مخلصین کو متنبہ کرتے ہوئے واضح لفظوں میں بتایا کہ

’’جس دن ہم میں وہ لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے کہا دور اول بھی گزر گیا، دور دوم بھی گزر گیا، دور سوم بھی گزر گیا، دور چہارم بھی گزر گیا، دور پنجم بھی گزر گیا، دور ششم بھی گزر گیا، دور ہفتم بھی گزر گیا، اب ہم کب تک اس قسم کی قربانیاں کرتے چلے جائیں گے آخر کہیں نہ کہیں اس کو ختم

بھی تو کرنا چاہئے۔ وہ اقرار ہوگا ان لوگوں کا کہ اب ہماری روحانیت سرد ہو چکی ہے اور ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں۔ ہم تو امید رکھتے ہیں کہ تحریک جدید کے یہ دور غیر محدود دور ہوں گے اور جس طرح آسمان کے ستارے گنے نہیں جاتے اسی طرح تحریک جدید کے دور بھی نہیں گنے جائیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تیری نسل گنی نہیں جائے گی اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل نے دین کا بہت کام کیا یہی حال تحریک جدید کا ہے۔ تحریک جدید کا دور چونکہ آدمیوں کا نہیں بلکہ دین کے لئے قربانی کرنے کے سامانوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے دور بھی اگر نہ گنے جائیں تو یہ ایک عظیم الشان بنیاد...... اور احمدیت کی مضبوطی کی ہوگی''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ رفروری ۱۹۴۶ء الفضل یکم مارچ ۱۹۴۶ء)

ایک اور موقع پر فرمایا:

''ہماری جماعت ایک جماعت ہے، فرد نہیں۔ فرد مرا کرتے ہیں، جماعتیں نہیں مرا کرتیں۔ فرد کا کام ایک وقت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے مگر جماعتوں کا کام کسی وقت ختم نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ وہ آپ ہی ختم ہو جانا چاہتی ہوں۔ پس تحریک جدید کسی ایک سال کے لئے نہیں، دو سال کے لئے نہیں، دس سال کے لئے نہیں، بیس سال کے لئے نہیں، سو سال کے لئے نہیں، ہزار سال کے لئے نہیں۔ تحریک جدید اس وقت تک کے لئے ہے، جب تک جماعت کی رگوں میں زندگی کا خون دوڑتا ہے۔ جب تک جماعت احمدیہ دنیا میں کوئی مفید کام کرنا چاہتی ہے۔ اور جب تک جماعت احمدیہ اپنے فرائض اور اپنے مقاصد کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی ہے۔ تحریک جدید درحقیقت نام ہے، اس جدوجہد کا جو ہر احمدی کو احمدیت اور...... کی اشاعت کے لئے کرنی چاہیے۔ تحریک جدید نام ہے، اس جدوجہد کا جو...... اور احمدیت کے احیاء کے لئے ہر احمدی پر واجب ہے۔ اور تحریک جدید نام ہے، اس کوشش اور سعی کا جو دینی شعار اور دینی اصول کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے ہماری جماعت کے ذمہ لگائی گئی ہے۔ روپیہ کا حصہ صرف ایک ظاہری نشانی ہے کیونکہ اس زمانہ میں کچھ نہ کچھ دولت خرچ کئے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔ ورنہ درحقیقت تحریک جدید نام ہے، اس عملی کوشش کا جو ہر احمدی اپنی اصلاح اور دوسروں کی اصلاح کے لئے کرتا ہے۔ ہر وہ احمدی، جس کے سامنے تحریک جدید کے مقاصد نہیں رہتے، درحقیقت وہ اپنی موت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے یا اپنی زندگی کے لئے کوئی کوشش کرنا پسند نہیں کرتا۔ خدائی سلسلے درحقیقت انسانوں کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ انسان خدائی سلسلوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ خدا کی

طرف سے آنے والی روح اسی طرح دنیا میں بکھر جاتی ہے، جس طرح بارش کا پانی جب آسمان سے برستا ہے تو وہ دنیا میں بکھر جاتا ہے۔ جس طرح اچھا کسان بارش کا پانی جمع کر کے اپنی فصل کے لئے نہایت مفید سامان بہم پہنچاتا ہے، اسی طرح ہوشیار مومن اللہ تعالیٰ کے فیضان کی بارش کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور نہ صرف اس دنیا میں بلکہ اگلے جہان میں بھی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن بے وقوف اور نادان اور جاہل کسان پانی کی پرواہ نہیں کرتا، وہ ضائع چلا جاتا ہے اور پورا سال وہ چیختا اور چلاتا اور روتا ہے، مگر اس کی آواز نہیں سنی جاتی۔ کیونکہ وہ آواز خدا تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہوتی ہے''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸؍نومبر ۱۹۴۷ء الفضل ۲؍دسمبر ۱۹۴۷ء)

تحریک جدید کا شاندار مستقبل

حضرت مصلح موعود اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''.....یاد رکھو کہ یہ تحریک خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے وہ اسے ضرور ترقی دے گا اور اس کی راہ میں جو روکیں ہوں گی ان کو بھی دور کر دے گا اور اگر زمین سے اس کے سامان پیدا نہ ہوں گے تو آسمان سے خدا تعالیٰ اس کو برکت دے گا.....''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴؍نومبر ۱۹۳۹ء الفضل ۳۰؍نومبر ۱۹۳۹ء)

تحریک جدید کے عظیم الشان نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''.....تم اگر تحریک جدید پر عمل شروع کر دو تو آج یا کل یا پرسوں نہیں جب خدا تعالیٰ کی مرضی ہوگی تمہاری قوم کو ضرور بادشاہت مل جائے گی''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴؍دسمبر ۱۹۳۶ء الفضل ۱۲؍دسمبر ۱۹۳۶ء)

مزید فرماتے ہیں:

''.....باوجودیکہ ہم نہ تشدد کریں گے اور نہ سول نافرمانی، باوجودیکہ ہم گورنمنٹ کے قانون کا احترام کریں گے، باوجود اس کے کہ ہم ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کریں گے جو احمدیت نے ہم پر عائد کی ہیں اور باوجود اس کے کہ ہم ان تمام فرائض کو پورا کریں گے جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے مقرر کئے، پھر بھی ہماری سکیم کامیاب ہو کے رہے گی۔ کشتی احمدیت کا کپتان اس مقدس کشتی کو پُرخطر چٹانوں میں سے گزارتے ہوئے سلامتی کے ساتھ اسے ساحل پر پہنچا دے گا۔ یہ میرا ایمان ہے اور میں اس پر مضبوطی سے قائم ہوں جن کے سپرد الٰہی

سلسلہ کی قیادت کی جاتی ہے ان کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع ہوتی ہیں اور وہ خدا تعالیٰ سے نور پاتے ہیں اور اس کے فرشتے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی رحمانی صفات سے وہ مؤید ہوتے ہیں اور گو وہ دنیا سے اٹھ جائیں اور اپنے پیدا کرنے والے کے پاس چلے جائیں مگر ان کے جاری کئے ہوئے کام نہیں رکتے اور اللہ تعالیٰ انہیں مفلح اور منصور بناتا ہے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۴ء الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۳۴ء)

حضرت مصلح موعود نے ۲۸ دسمبر ۱۹۵۳ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر عالم روحانی کے نوبت خانہ کا بالتفصیل تذکرہ کرنے کے بعد پُر جلال لب ولہجہ میں ارشاد فرمایا۔

''.......اس نوبت خانہ سے جو یہ نوبت بجی، یہ کیا شاندار نوبت ہے۔ پھر کیسی معقول نوبت ہے۔ وہاں ایک طرف بینڈ بج رہے ہیں۔ ٹوں، ٹوں، ٹوں۔ ٹیں، ٹیں، ٹیں۔ اور یہ کہتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر! اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ! اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ! حی علی الصلوٰۃ! حی علی الفلاح!! کیا معقول باتیں ہیں۔ کیسی سمجھدار آدمیوں کی باتیں ہیں۔ بچہ بھی سنے تو وجد کرنے لگ جائے اور ان کے متعلق کوئی بڑا آدمی سوچے تو شرمانے لگ جائے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ ٹوں، ٹوں، ٹوں۔ ٹیں، ٹیں، ٹیں۔ مگر افسوس! کہ اس نوبت خانہ کو آخر مسلمانوں نے خاموش کر دیا۔ یہ نوبت خانہ حکومت کی آواز کی جگہ چند مرثیہ خوانوں کی آواز بن کر رہ گیا اور اس نوبت کے بجنے پر جو سپاہی جمع ہوا کرتے تھے وہ کروڑوں سے دسیوں پر آ گئے اور ان میں سے بھی ننانوے فیصدی صرف رسماً اٹھک بیٹھک کر کے چلے جاتے ہیں۔ تب اس نوبت خانہ کی آواز کا رعب جاتا رہا۔......کا سایہ کھچنے لگ گیا۔ خدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی اور دنیا پھر شیطان کے قبضہ میں آ گئی۔ اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے۔ اور تم کو، ہاں تم کو، ہاں تم کو خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اٹھیں تاکہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادت توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آ جائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے۔ اسی غرض کے لئے میں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اسی غرض کے لئے میں تمہیں

وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ۔ محمد رسول اللہؐ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول اللہؐ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہؐ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سنو! اور میری بات کے پیچھے چلو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں۔ میں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو! خدا تمہارے ساتھ ہو!! خدا تمہارے ساتھ ہو اور تم دنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ''۔

(سیر روحانی صفحہ ۶۱۹، ۶۲۰)

تاریخ دفتر تحریک جدید و انتظامی ڈھانچہ

تحریک جدید جیسی عظیم الشان اور عالمی تحریک کے دفتر کا آغاز نہایت مختصر صورت اور بظاہر معمولی حالت میں ہوا۔ شروع میں اس کے لئے کوئی مستقل عمارت نہیں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی منظوری سے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری قادیان کا ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ تحریک جدید کے سب سے پہلے واقف زندگی کارکن مرزا محمد یعقوب صاحب تھے جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کے مختلف مطالبات پر لبیک کہنے والوں اور وقف زندگی کرنے والوں کی فہرستیں تیار کرنے کا کام سپرد فرما دیا۔

جہاں تک تحریک جدید کے مالی مطالبات سے متعلق کام کا تعلق تھا یہ خدمت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح نے ۲۴ر نومبر ۱۹۳۴ء سے چودھری برکت علی خاں صاحب کے سپرد فرمائی اور ان کو فنانشل سیکرٹری مقرر کیا۔ چودھری برکت علی صاحب اس عہدہ پر قریباً ربع صدی تک فائز رہے۔ اور یکم اپریل ۱۹۵۸ء کو ریٹائر ہوئے۔ بعد میں یہ عہدہ وکیل المال کے نام سے موسوم ہوا۔

تحریک جدید کے مطالبہ ۲ کے مطابق جو رقوم باہر سے آتی تھیں ان کا حساب اور خرچ کا انتظام صیغہ امانت جائیداد کا فرض تھا۔ اس صیغہ کے سیکرٹری حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور انچارج دفتر حضرت مولوی فخر الدین صاحب آف گھوگھیاٹ تھے۔

تحریک جدید کا پہلا بجٹ ۶/۲/۶۱۷۸۲ روپے کا تھا جس کی تفصیل صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ریزولیوشن ۱۷۸ مورخہ ۸ر مئی ۱۹۳۵ء میں ملتی ہے۔

تحریک جدید کے دفتر کا مستقل صورت میں قیام آخر جنوری ۱۹۳۵ء میں ہوا جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور کو انچارج تحریک جدید مقرر فرمایا اور قصر خلافت قادیان کے ایک کمرہ میں جو

چوبی سیڑھیوں سے ملحق تھا دفتر تحریک جدید قائم کیا گیا جو کئی سال تک دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے اس کمرہ میں ہی رہا۔ بعد ازاں جب کام وسعت اختیار کر گیا تو حضرت سید ناصر شاہ صاحب کے ایک حصہ مکان میں بیرونی مشنوں اور تجارتی شعبہ کا دفتر کھول دیا گیا۔ مگر جب یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو حضرت شاہ صاحب کے مکان سے متصل زمین میں تحریک جدید کی اپنی مستقل عمارت تعمیر کی گئی جہاں ۱۹۴۷ء تک تحریک جدید کے مختلف شعبے مصروف عمل رہے۔

جب بیرونی ممالک سے نوجوانوں کی تحریک جدید کے ابتدائی مشنوں کے قیام پر رپورٹیں آنا شروع ہوئیں اور انگریزی میں خط و کتابت کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضور نے مولوی نور الدین صاحب منیر کو سیکرٹری فارن مشنز تجویز فرمایا۔ اسی طرح تجارتی اور صنعتی رپورٹوں کی آمد پر حضرت اقدس کی ہدایت پر حضرت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر سیکرٹری تجارت و صنعت مقرر ہوئے۔

مئی ۱۹۴۴ء میں دفتر دوم شروع ہوا۔ حضور نے دفتر دوم کے مجاہدین کے لئے تین شرائط مقرر فرمائیں۔

۱۔ چندہ ایک ماہ کی آمد کے برابر ہو۔

۲۔ وہ انیس سال تک چندہ دیئے جائیں اور آمد کے مطابق ہر سال اس میں اضافہ کریں۔

۳۔ آمد کے بند ہو جانے یا ملازمت سے علیحدگی کی صورت میں فوراً دفتر تحریک جدید کو اطلاع دیں۔ دفتر ان کے حالات کا جائزہ لے کر چندہ کی رقم مقرر کر دے گا۔

اس سلسلہ میں حضور نے دفتر دوم کے ہر مجاہد کو ایک خاص ارشاد یہ فرمایا کہ:

> ''......وہ عہد کرے کہ نہ صرف آخر تک وہ خود پوری باقاعدگی کے ساتھ اس تحریک میں حصہ لیتا رہے گا بلکہ کم سے کم ایک آدمی ایسا ضرور تیار کرے گا جو دفتر دوم میں حصہ لے اور اگر وہ زیادہ آدمی تیار کر سکے تو یہ اور بھی اچھی بات ہے''۔

۵/جنوری ۱۹۴۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:

> ''.....تحریک جدید کے پہلے دور میں میں نے اس کی تمہید باندھی تھی۔ مگر اب دوسری تحریک کے موقعہ پر میں مستقل طور پر دعوت دیتا ہوں کہ جس طرح ہر احمدی اپنے اوپر چندہ دینا لازم کرتا ہے۔ اسی طرح ہر احمدی خاندان اپنے لئے لازم کرے کہ وہ کسی نہ کسی کو دین کے لئے وقف کرے گا''۔

فروری ۱۹۴۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بیرون ہند کے جملہ مشن تحریک جدید کے سپرد فرما دیئے۔ ۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو حضور نے وقف تجارت کی تحریک فرمائی جس کا مقصد تجارت کے ذریعہ دعوت الی اللہ سنٹر قائم کرنا تھا۔ چنانچہ

حضور نے فرمایا:

’’......وہ نوجوان جو فوج سے فارغ ہوں گے اور وہ نوجوان جو نئے جوان ہوئے ہیں اور ابھی کوئی کام شروع نہیں کیا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی وقف کریں۔ ایسے رنگ میں نہیں کہ ہمیں دین کے لئے جہاں چاہیں بھیج دیں چلے جائیں گے بلکہ ایسے رنگ میں کہ ہمیں جہاں بھجوایا جائے ہم وہاں چلے جائیں گے۔ اور وہاں سلسلہ کی ہدایت کے ماتحت تجارت کریں گے۔ اس رنگ میں ہمارے مبلغ سارے ہندوستان میں پھیل جائیں گے۔ وہ تجارت بھی کریں گے اور دعوت الی اللہ بھی‘‘۔

۱۸/ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو تحریک جدید کی رجسٹریشن ہوئی اور اس تاریخ سے اس کا پورا نام ’’تحریک جدید انجمن احمدیہ‘‘ رکھا گیا۔ تحریک جدید کے آرٹیکلز اینڈ میمورنڈم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے مرتب کئے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ابتدائی ممبر یہ مقرر ہوئے:۔

۱۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج دفتر تحریک جدید قادیان۔

۲۔ مولوی بہاؤالحق صاحب ایم۔اے وکیل الصنعت والحرفت تحریک جدید قادیان۔

۳۔ خواجہ عبدالکریم صاحب بی۔ایس۔سی وکیل التجارت تحریک جدید قادیان۔

۴۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان۔

۵۔ مولوی عبدالمغنی صاحب وکیل التبشیر (برائے ممالک ایشیاء وافریقہ) تحریک جدید قادیان۔

۶۔ خان بہادر نواب چودھری محمد دین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر۔

۷۔ شیخ بشیر احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ لاہور۔

ازاں بعد کچھ وقفہ سے حضور کے ارشاد سے ان ڈائریکٹروں میں درج ذیل اصحاب کا اضافہ کیا گیا۔

۸۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس وکیل التبشیر (برائے ممالک یورپ وامریکہ) تحریک جدید قادیان۔

۹۔ چودھری برکت علی خان صاحب وکیل المال تحریک جدید قادیان۔

۱۰۔ حضرت مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب وکیل الطباعت تحریک جدید قادیان۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم سے ۱۷/مئی ۱۹۴۷ء کو مجلس تحریک جدید کا قیام عمل میں آیا جس کا کام تحریک جدید سے متعلق امور پر باہمی مشورہ سے فیصلے کرنے اور ان کو حضور کی خدمت میں منظوری کے لئے بھجوانا تھا۔ ۱۶/مارچ ۱۹۴۷ء کو حضرت اقدس کے حکم سے اس مجلس تحریک جدید انجمن احمدیہ کے صدر مولوی جلال الدین صاحب شمس اور سیکرٹری مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور تجویز کئے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۰/اگست ۱۹۴۷ء کو مولوی نور الحق

صاحب، چوہدری محمد شریف صاحب پلیڈر منٹگمری، مرزا مظفر احمد صاحب آئی۔سی۔ایس، ملک سیف الرحمٰن صاحب، مولوی محمد صدیق صاحب فاضل ساکن قادیان اور سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو یکم مارچ ۱۹۴۸ء تک تحریک جدید کے خصوصی ممبران کے طور پر مقرر کیا۔

تحریک جدید کی پاکستان میں رجسٹریشن

پاکستان میں ۱۹رفروری ۴۸-۱۹۴۷ء کو ۱۸۶۰ء کی دفعہ ۲۱ کے تحت تحریک جدید کی رجسٹریشن ہوئی اور اس کا پورا نام ''تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان'' رکھا گیا۔اس کا دائرہ عمل سوائے ہندوستان کے بقیہ تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔تحریک جدید انجمن احمدیہ کے سرپرست اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسیح بنفس نفیس ہوتے ہیں۔تحریک جدید کا کام مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر شعبہ کا ایک انچارج مقرر ہے جو ''وکیل'' کہلاتا ہے۔متعلقہ شعبے کا وکیل اپنی وکالت کے جملہ امور کا نگران اور ذمہ دار ہوتا ہے۔فروری ۱۹۵۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے قلم مبارک سے تحریک جدید کے مختلف شعبوں کے لئے ایک مفصل دستور العمل تجویز فرمایا۔اس وقت حسب ذیل وکالتیں قائم کی گئیں۔

وکالت مال: ۱- وکیل المال اول ۲- وکیل المال ثانی ۳- وکالت جائیداد۔

وکالت دیوان، وکالت تعلیم، وکالت تجارت، وکالت صنعت، وکالت قانون، وکالت تبشیر، وکالت اشاعت

قبل ازیں مجلس مشاورت میں صرف صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ پیش ہوتا تھا مگر ۱۹۵۱ء سے تحریک جدید کا مطبوعہ بجٹ بھی پیش کیا جانے لگا۔ربوہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۱رمئی ۱۹۵۰ء کو دفاتر تحریک جدید کی مستقل عمارت کی بنیاد رکھی اور ۱۹رنومبر ۱۹۵۳ء کو اس کا افتتاح فرمایا۔ان دنوں حضور نے احباب کو تحریک جدید میں شمولیت کی خاص تحریک کی۔

موجودہ وکالتیں اور شعبہ جات کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

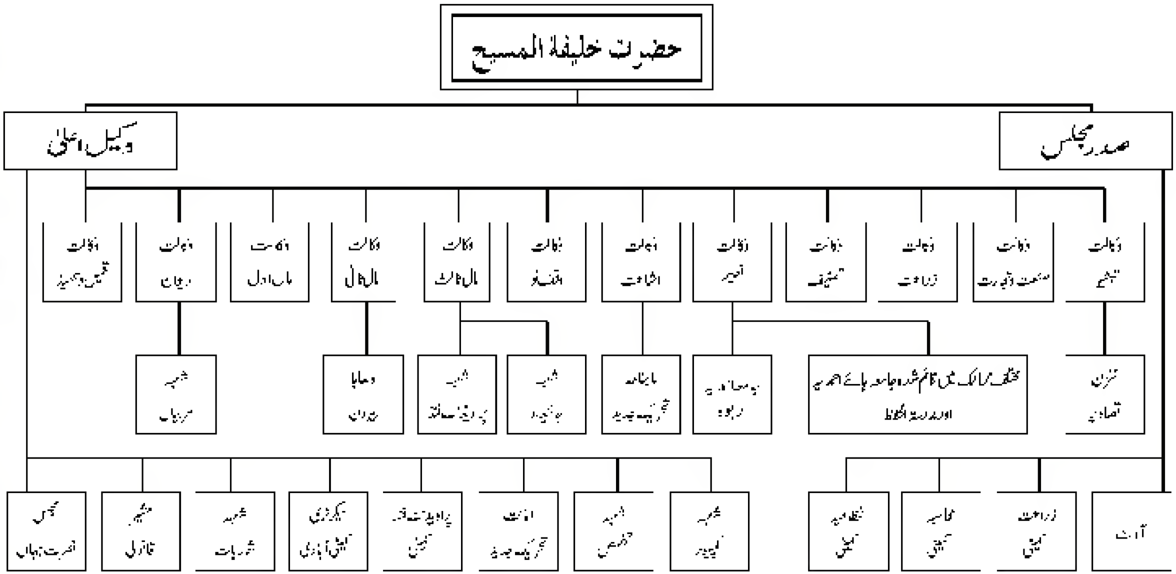

نوٹ:

*وکیل الدیوان بطور سیکرٹری مجلس تحریک جدید بھی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

*وکیل المال ثالث بطور محاسب اور بطور افسر پراویڈنٹ فنڈ بھی کام کرتے ہیں۔

دفاتر تحریک جدید

دفاتر تحریک جدید سے مراد شاملین تحریک جدید کی زمانی لحاظ سے تقسیم ہے۔یعنی ایک مخصوص عرصہ میں تحریک جدید کی مالی قربانی میں شامل ہونے والے ایک دفتر میں شمار ہوں گے جبکہ کسی دوسرے مخصوص عرصہ میں شامل ہونے والے کسی اور دفتر میں شمار ہوں گے۔اب تک دفاتر تحریک جدید کی تعداد ۵ ہو چکی ہے۔ایک دفتر کا عرصہ تقریباً ۱۹ سال ہے۔

تحریک جدید کا جب آغاز ہوا تو یہ عرصہ تین سال کے لئے تھی۔پھر مزید ہفت سالہ دور کا اضافہ کر دیا گیا۔یعنی نومبر ۱۹۳۴ء تا نومبر ۱۹۴۴ء تک تحریک جدید کا دفتر اول کہلاتا ہے۔نومبر ۱۹۴۴ء کو جب پہلے دور کا اختتام ہونے لگا تو حضرت مصلح موعود نے اس کو مزید ۱۹ سال کے لئے بڑھا دیا اور اس عرصہ کو دفتر کا نام بھی خود حضرت مصلح موعود نے دیا۔غرض دفتر اول و دوم کے آغاز کا اعلان خود حضرت مصلح موعود نے فرمایا۔ دفتر سوم کے آغاز کا اعلان نومبر ۱۹۶۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا۔دفتر چہارم کے آغاز کا اعلان حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے نومبر ۱۹۸۵ء کو فرمایا اور دفتر پنجم کے آغاز کا اعلان حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نومبر ۲۰۰۴ء کو فرمایا۔

نمبر شمار	دفتر	ابتدائی سال	رواں سال
۱	اوّل	یکم نومبر ۱۹۳۴ء	۷۵
۲	دوم	یکم نومبر ۱۹۴۴ء	۶۵
۳	سوم	یکم نومبر ۱۹۶۵ء	۴۴
۴	چہارم	یکم نومبر ۱۹۸۵ء	۲۴
۵	پنجم	یکم نومبر ۲۰۰۴ء	۵

تحریک جدید کے ثمرات

گذشتہ ۷۴ سال کے عرصہ میں خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جماعت کو تحریک جدید کے ذریعہ بے شمار ثمرات عطا فرمائے ہیں۔جن میں سے کچھ کا مختصر ذکر کچھ یوں ہے کہ:

اب تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ ۱۹۳ ممالک میں پھیل چکی ہے۔

اس وقت تک ۱۰۲ ممالک میں مشن ہاؤسز کی کل تعداد دو ہزار گیارہ ہو چکی ہے۔

اس وقت تک کل گیارہ ممالک میں ہمارے پریس کام کر رہے ہیں۔ جو رقیم پریس انگلستان کی نگرانی میں، افریقہ کے آٹھ ممالک میں ہیں جن میں گھانا، نائیجیریا، تنزانیہ، سیرالیون، آئیوری کوسٹ، کینیا، گیمبیا اور برکینا فاسو ہیں اور مختلف جماعتوں میں لٹریچر شائع ہو رہا ہے، اسی طرح لندن میں پریس کام کر رہا ہے۔ لندن سے طبع ہونے والی کتب و رسائل کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار پانچ سو (240500) ہے۔ جبکہ افریقہ کے ممالک میں طبع ہونے والی کتب کی تعداد چار لاکھ پینتالیس ہزار (445000) ہے۔

۶۸ زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم مکمل طور پر شائع ہو چکے ہیں۔

تحریک وقف نو

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے بچوں کو پیدائش سے پہلے وقف کرنے کی تحریک فرمائی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۳۷ ہزار ۱۳۶ بچے شامل ہو چکے ہیں اور لڑکوں کی تعداد ۲۳ ہزار ۶۵ ۷ اور لڑکیوں کی تعداد ۱۳ ہزار ۱۷۷ ہے۔

مجلس نصرت جہاں کے تحت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے افریقہ کے 12 ممالک میں 36 ہسپتال اور کلینکس کام کر رہے ہیں، جن میں ہمارے چالیس ڈاکٹرز خدمت میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ گیارہ ممالک میں ہمارے ۵۱۰ ہائر سیکنڈری سکول، جونیئر سیکنڈری سکول اور پرائمری سیکنڈری سکول اور نرسری سکول کام کر رہے ہیں۔

پھر تحریک جدید کے ثمرات میں سے ایک MTA ہے۔ یہ ایک بہت بڑی برکت ہے جس کے ذریعہ دنیا میں موجود ہر احمدی کا اپنے امام سے گھر بیٹھے ہی رابطہ رہتا ہے۔ وہ اپنے آقا کے ارشادات کو سنتا اور اپنے ایمان کو تازہ کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تحریک جدید کی حقیقی روح کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے ثمرات سے کماحقہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مصلح موعود کی آخری الہامی تحریک

''وقف جدید''

(مکرم حافظ خالد افتخار صاحب)

حضرت مصلح موعود نے القائے الٰہی کے تحت جماعت کی رشد و اصلاح اور دعوت الی اللہ کی غرض سے ۲۷ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو ایک سکیم ''وقف جدید'' کے نام سے جماعت کے سامنے پیش کی۔ تحریک وقف جدید حضرت مصلح موعود کے عہد مبارک کی آخری یادگار الہامی تحریک اور آپ کے کارہائے نمایاں میں سے ایک عظیم الشان کارنامہ جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ یہ انقلاب انگیز تحریک سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقاصد عالیہ کی تکمیل کے سلسلہ کی ایک نہایت اہم اور مبارک کڑی ہے۔ اس کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الخامس نے ایک موقع پر بیان فرمایا:

> ''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جن کا عرصہ خلافت تقریباً ۵۲ سال پر پھیلا ہوا تھا آپ نے جماعتی نظام کو مضبوط در مضبوط فرمایا۔ اس کی تنظیم کی، تربیتی، تبلیغی، روحانی، مالی پروگرام جماعت کو دیئے تا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقصد کے حصول کے لئے ہم تیزی سے آگے بڑھتے چلے جائیں۔ انہیں تبلیغی اور تربیتی پروگراموں کے لئے ایک سکیم وقف جدید کی بھی تھی جو آپ نے جماعت کے سامنے رکھی اور اس کے لئے مالی قربانی بھی کی اور واقفین زندگی معلمین کی بھی تحریک فرمائی۔'' (خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ر جنوری ۲۰۰۸ء)

حضرت مصلح موعود نے اس مبارک تحریک کے بنیادی مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''میں جماعت کے دوستوں کو ایک بار پھر اس وقف (وقف جدید) کی طرف توجہ دلاتا ہوں، ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کو اس قسم کے وقف جاری کرنے پڑیں گے اور چاروں طرف رشد و اصلاح کا جال پھیلانا پڑے گا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک مربی ایک ضلع میں مقرر ہو گیا اور وہ دورہ کرتا ہوا ہر ایک جگہ گھنٹہ گھنٹہ دو دو گھنٹہ ٹھہرتا ہوا سارے ضلع میں پھر گیا۔ اب ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ ہمارے مربی کو ہر گھر اور ہر جھونپڑی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس نئی سکیم (وقف جدید) پر عمل کیا جائے ...... اور یہ جال اتنا وسیع طور پر پھیلایا جائے کہ کوئی مچھلی باہر نہ رہے کنڈی ڈالنے سے صرف ایک ہی مچھلی آتی ہے لیکن اگر مہا جال ڈالا جائے تو دریا کی ساری مچھلیاں اس میں آ جاتی ہیں ہم ابھی تک کنڈیاں

ڈالتے رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے ایک ایک مچھلی ہی ہمارے ہاتھ آتی رہی ہے لیکن اب مہا جال ڈالنے کی ضرورت ہے اوراس کے ذریعہ گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ کے لوگوں تک ہماری آواز پہنچ جائے گی۔‘‘ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳/جنوری ۱۹۵۸ء)

اس تحریک کی اہمیت اور کامیابی کے لئے حضرت مصلح موعود کے دل میں جو جوش اور لگن تھی اس کا اندازہ حضرت مصلح موعود کے درج ذیل ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

’’یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے اور ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ میرے دل میں چونکہ خدا تعالیٰ نے یہ تحریک ڈالی ہے اس لئے خواہ مجھے اپنے مکان بیچنے پڑیں، کپڑے بیچنے پڑیں، میں اس فرض کو تب بھی پورا کروں گا۔ اگر جماعت کا ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے تو خدا تعالیٰ ان لوگوں کو الگ کر دے گا جو میرا ساتھ نہیں دے رہے اور میری مدد کے لئے فرشتے آسمان سے اُتارے گا۔ پس میں اتمام حجت کے لئے ایک بار پھر اعلان کرتا ہوں تا کہ مالی امداد کی طرف بھی لوگوں کو توجہ ہو اور وقف کی طرف بھی لوگوں کو توجہ ہو۔‘‘ (پیغام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی الفضل ۷/جنوری ۱۹۵۸ء)

ایک موقع پر حضرت مصلح موعود نے تحریک وقف جدید کے بارہ میں فرمایا:

’’جب روپیہ زیادہ آنا شروع ہو گیا اور نوجوان بھی زیادہ تعداد میں آ گئے اور انہوں نے ہمت کے ساتھ جماعت کو بڑھانے کی کوشش کی تو جماعت کو پتہ لگ جائے گا کہ یہ سکیم کیسی مبارک اور پھیلنے والی ہے۔‘‘ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰/جنوری ۱۹۵۸ء)

اس تحریک میں قربانی کے حوالہ سے جماعت کے اخلاص اور اس کے نتیجے میں کامیابی کے متعلق حضور نے ایک موقع پر اپنی توقع بیان کرتے ہوئے فرمایا:

’’یہ تحریک بھی آہستہ قدموں سے شروع ہوئی ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے اُمید ہے کہ جماعت میں اس قدر اخلاص اور جوش پیدا ہو جائے گا کہ وہ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ چندہ دینے لگ جائے گی۔ تم یہ نہ دیکھو کہ ابھی ہماری جماعت کی تعداد زیادہ نہیں اگر یہ سکیم کامیاب ہو گئی تو تم دیکھو گے کہ دو تین کروڑ لوگ تمہارے اندر داخل ہو جائیں گے۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰/جنوری ۱۹۵۸ء)

تحریک وقف جدید کا آغاز گو کہ پاکستان سے ہوا تھا اور کچھ عرصہ کے بعد اسے ہندوستان میں جاری کیا گیا لیکن حضرت مصلح موعود کی ابتداء سے ہی خواہش تھی کہ یہ تحریک ساری دنیا میں پھیلے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ایک موقعہ پر وقف جدید کے حوالہ سے بیان فرمایا:

''آپ (حضرت مصلح موعود) کی خواہش تھی کہ یہ الٰہی تحریک درجہ بدرجہ ترقی کرتی چلی جائے اور جلد ہی ایک وقت ایسا آجائے جب دس کی بجائے ہزاروں واقفین اس تحریک میں کام کر رہے ہوں۔ پھر یہ واقفین صرف پاکستان سے ہی نہ ہوں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی، افریقہ کے ممالک سے بھی، امریکہ کے ممالک سے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی اور پھر جوں جوں واقفین کی تعداد بڑھتی چلی جائے اور خرچ میں اضافہ ہوتا چلا جائے اسی کے مطابق جماعت اپنی مالی قربانیاں بھی تیز سے تیز تر کرتی چلی جائے تاکہ ہم وہ مقصد جو اس الٰہی تحریک کا ہے وقتِ قریب میں حاصل کرلیں۔'' (خطبہ جمعہ فرمودہ ۷/اکتوبر ۱۹۶۶ء)

حضرت مصلح موعود نے ۲۱/اپریل ۱۹۵۸ء کو خطبہ عید الفطر میں اپنے ایک رؤیا کا ذکر فرمایا تھا جس سے یہ واضح تھا کہ ایک وقت میں یہ تحریک ساری دنیا میں کام کر رہی ہوگی۔ حضور رؤیا میں احمدی احباب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم کو بھی چاہیئے کہ چھوٹے چھوٹے سیاہ جھنڈے بنالو اور وقف جدید کے جو مجاہد ہیں وہ دنیا میں پھیل جائیں اور اسلام کا جھنڈا ہر جگہ گاڑ دیں یہاں تک کہ ساری دنیا میں اسلام کی حکومت قائم ہو جائے اور گو یہ حکومت سیاسی نہیں ہوگی بلکہ دینی اور مذہبی ہوگی کیونکہ یہ لوگ دوسروں کو پڑھائیں گے اور علاج معالجہ کریں گے اور دین سکھائیں گے۔''

چنانچہ حضرت مصلح موعود کی اس خواہش کی تکمیل میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ۲۷/دسمبر ۱۹۸۵ء کو اس تحریک کو عالمگیر فرمادیا اور آج ساری دنیا میں اس بابرکت تحریک کے اثرات ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کے ہر ملک میں جہاں احمدی آباد ہیں یہ تحریک نفوذ کرتی چلی جارہی ہے۔ پاکستان کی سرزمین سے اُٹھنے والی آواز دنیا کے ہر براعظم میں وقف جدید کے مجاہدین پیدا کرتی چلی جارہی ہے۔ کیا مالی قربانی اور کیا جانی قربانی! ہر قربانی کے میدان میں آگے سے آگے بڑھتی چلی جارہی ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ جب یہ تحریک حضرت مصلح موعود کی پیشگوئیوں کے مطابق دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گی اور رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا یہ عظیم جال ہر متلاشیٔ حق کو اپنے اندر میں لے کر راہ حق پر گامزن کردے گا۔

اور ہمارا فرض ہے کہ حضرت مصلح موعود کے الفاظ کہ ''میں احباب جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ اس تحریک کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کی طرف پوری توجہ دیں اور اس کو کامیاب بنانے میں پورا زور لگائیں'' کے مطابق ہر لحاظ سے اس بابرکت تحریک کی اہمیت کو سمجھیں اور خلفاء کرام کی توقعات کے مطابق اس تحریک کی خاطر قربانیاں پیش کرتے چلے جائیں۔ درحقیقت حضرت مصلح موعود اس تحریک کے ذریعہ ہمارے لئے مسلسل نیکیاں کمانے کا دروازہ کھول گئے ہیں

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ایک موقع پر فرمایا:

"خدا تعالیٰ کی رحمت کے بہت سے دروازوں میں ایک رحمت کا دروازہ جو ہم پر کھولا گیا وہ وقف جدید کا دروازہ ہے۔ اس نظام کے ذریعہ حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ نے ہمارے لئے نیکیاں کرنے اور رحمتیں کمانے کا سامان کر دیا ہے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰؍دسمبر ۱۹۶۶ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں خلفائے کرام کی توقعات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دیتا چلا جائے۔ (آمین)

جماعت احمدیہ کا نظام مشاورت

(مکرم یوسف سلیم صاحب)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک مثالی اسلامی معاشرہ کے قیام کی بڑی پُر حکمت تعلیم دی ہے اور اس کے مختلف رہنما اصول بھی بیان فرمائے ہیں ان میں باہمی مشورہ کا ایک بڑا اہم اصول بھی شامل ہے جس پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے دَور میں عمل ہوتا رہا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہم دینی اور جماعتی امور میں صائب الرائے احباب سے مشورہ لینے کی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء فرمایا اور وقتاً فوقتاً عند الضرورت کبھی انفرادی طور پر اور کبھی اجتماعی طور پر مشورہ لینے کا انتظام فرمایا۔ اجتماعی مشورہ کی ایک مثال دسمبر ۱۸۹۱ء میں جماعت احمدیہ کے پہلے جلسہ سالانہ کے انعقاد پر سامنے آئی۔ جماعت کی تعداد اُس وقت اتنی قلیل تھی کہ جلسہ میں صرف ۷۵ احباب شامل ہوئے۔ اس قلیل تعداد کے پیش نظر جلسہ اور مشاورت کا الگ انتظام کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی جلسہ سالانہ سے مشاورت کا کام بھی لیا۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کی اس پہلی مجلس مشاورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکثرت ظاہر ہونے والے نشانات کا ریکارڈ محفوظ کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ بعد ازاں ۱۸۹۲ء میں بذریعہ اشتہار جلسہ سالانہ کے جو اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ان میں ایک غرض باہمی مشورہ کی بھی شامل تھی۔ اس اشتہار میں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اس موقع پر یہ بھی ضروری ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ بھی ہمیشہ اس سالانہ جلسہ کے یہی مقاصد رہیں گے کہ اشاعت ...... اور ہمدردی نومسلمین امریکہ اور یورپ کے لئے احسن تجاویز سوچی جائیں اور دنیا میں نیک چلنی اور نیک نیتی اور تقویٰ اور طہارت اور اخلاقی حالات کے ترقی دینے اور اخلاق اور عادات ردیہ اور رسوم قبیحہ کو قوم سے دُور کرنے کی تدبیریں کی جائیں۔

ان اغراض کے پورا کرنے اور دیگر انتظامات کی غرض سے ایک کمیٹی بھی تجویز کی گئی جس کے صدر حضرت مولوی نور الدین صاحب بھیروی اور سیکرٹری مرزا خدا بخش صاحب اتالیق جناب خان صاحب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ مقرر ہوئے اور شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر گجرات، منشی غلام قادر صاحب فصیح وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمشنر سیالکوٹ اور مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی ممبر قرار پائے۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۱۵، ۶۱۶)

۱۹۰۱ء میں سرکاری طور پر مردم شماری ہونے والی تھی۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احباب جماعت سے مشورہ طلب فرمایا کہ جماعت کا کیا نام رکھنا چاہئے۔ بعض احباب نے احمدی نام رکھنے کا مشورہ دیا۔

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق جماعت کا نام ...... فرقہ احمدی رکھا۔

(تذکرۃ المہدی مولفہ پیر سراج الحق نعمانی حصہ اول صفحہ ۱۴۵)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب ...... کی روایت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش آمدہ امور میں سال میں دو تین چار بار بھی اپنے خدام کو بلا لیتے کہ مشورہ کرنا ہے۔ کسی جلسہ کی تجویز ہوتی تو یاد فرما لیتے۔ کوئی اشتہار شائع کرنا ہوتا تو مشورہ کے لئے طلب کر لیتے۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۴۴)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں قادیان میں ایک مدرسہ تعلیم الاسلام کے نام سے جاری کیا گیا تھا تا کہ آئندہ جماعت میں قادر الکلام اور خدمت دین کرنے والے علماء پیدا کرنے کا مستقل انتظام ہو بعد میں آپ نے بہت سے احباب کو بُلا کر ان کے سامنے یہ امر پیش فرمایا کہ اس مدرسہ میں ایسی اصلاح ہونی چاہئے کہ یہاں سے واعظ اور علماء پیدا ہوں جو دنیا کی ہدایت کا ذریعہ ہوں۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۳ صفحہ ۶۲، ۶۳)

یہی وہ دینی درس گاہ تھی جو بعد از ان مدرسہ احمدیہ اور پھر جامعہ احمدیہ کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خلافت اولیٰ میں سب سے پہلا شورائی اجتماع جلسہ سالانہ ۱۹۰۸ء کے موقع پر ۲۶ ردسمبر کی رات آٹھ سے دس بجے تک ...... مبارک میں منعقد ہوا۔ یہ کانفرنس صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری نے بلائی تھی۔ اس میں انجمن کے ممبران کے علاوہ جماعتوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ تاریخ احمدیت میں اسے ''کانفرنس'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کانفرنس کا اہم موضوع یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جاری فرمودہ مدرسہ دینیہ کو آئندہ جاری رکھا جائے یا اسے بند کر دیا جائے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی خدمت میں اس اجلاس کی اطلاع نہیں ہو سکی تھی جب کہ وہ بھی انجمن کے باقاعدہ ممبر تھے۔ چنانچہ کانفرنس کے اختتام سے کچھ دیر پہلے ہی آپ کو علم ہوا کہ ...... مبارک میں شوریٰ ہو رہی ہے اور مدرسہ دینیہ کا سوال زیر غور ہے۔ چنانچہ آپ اندر گئے تو خواجہ کمال الدین صاحب بڑے زور شور سے تقریر کر رہے تھے۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ مدرسہ دینی بند کر دیا جائے۔ ان کی تقریر کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے دس بارہ منٹ کی مختصر تقریر میں فرمایا کہ سلسلہ کے کام آج ختم نہیں ہو جائیں گے بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں سال تک ان کا اثر چلتا چلا جائے گا اور دنیا کی نگاہیں ان پر ہوں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جماعتی نمائندوں کا یہ پہلا اجتماع ہے۔ آپ لوگ غور کریں اور سوچیں کہ آئندہ تاریخ آپ کو کیا کہے گی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات سے اڑھائی سال پہلے تمام جماعت کے دوستوں سے مشورہ لینے کے بعد جس دینی مدرسہ کو قائم فرمایا تھا اسے مسیح موعود کی جماعت نے آپ کی وفات کے معاً بعد توڑ کر رکھ دیا۔

آپ کی اس مختصر لیکن انتہائی مؤثر تقریر کے بعد خدا کے فضل نے تمام لوگوں کے دل آپ کی طرف پھیر دیئے

اور بعض کی تو رقت سے چیخیں نکل گئیں چنانچہ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم ہرگز یہ رائے نہیں دیتے کہ مدرسہ احمدیہ بند ہونا چاہئے۔ہم اسے جاری رکھیں گے اور مرتے دم تک بند نہیں ہونے دیں گے۔

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۲۴۷ تا ۲۵۰)

خلافت اولیٰ میں ۱۹۰۹ء کا جلسہ سالانہ ۲۵ سے ۲۷/مارچ ۱۹۱۰ء کو منعقد ہوا۔اس جلسہ کے موقع پر بھی بورڈنگ ہاؤس کے ایک کمرہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی صدارت میں احمدیہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مختلف جماعتوں کے سیکرٹری و پریذیڈنٹ صاحبان نے چند ضروری امور کو مختصر بحث کے بعد منظور کئے جانے کی سفارش کی جن میں سے ایک بجٹ بھی تھا۔نیز فارن مشن کا فنڈ کھولا گیا اور تجویز کیا گیا کہ بیرونی انجمنوں کے واسطے ضروری نہیں کہ وہ سالانہ جلسے کیا کریں مگر ضرورت کے وقت وہ صدر انجمن احمدیہ سے اس معاملہ میں استصواب اور استفسار کر کے اجازت لے سکتے ہیں۔ (اخبار البدر قادیان ۳۱/مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

اسی مجلس مشاورت کے بارہ میں مکرم ایڈیٹر صاحب الحکم نے یہ تبصرہ فرمایا:

> ''۱۹۱۰ء میں جلسہ سالانہ مارچ میں ہوا۔اس موقع پر احمدیہ کانفرنس کے نام سے مجلس مشاورت ہوئی۔اس کانفرنس کے پریذیڈنٹ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بالاتفاق مقرر ہوئے اور بعض مضامین پر ایک دلچسپ مباحثہ ہوا جس سے معلوم ہوا کہ قومی کاموں سے دلچسپی کا مذاق بڑھ رہا ہے''۔ (الحکم ۲۸/مارچ تا ۷/اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل...... کی وفات پر ۱۴/مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔آپ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد غیر مبائعین کی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لئے جماعت کے منتخب نمائندگان کی مجلس مشاورت کا ایک اجلاس فوری طور پر قادیان میں طلب فرمایا۔ یہ تاریخی اجلاس ۱۲/اپریل ۱۹۱۴ء کو صبح ساڑھے سات بجے...... مبارک قادیان میں منعقد ہوا جس میں بیرونی جماعتوں کے نمائندگان کی تعداد ۱۵۰ تھی۔قادیان کے منتخب افراد کو ملا کر ۲۵۰ سے زائد احباب کے اس ہنگامی اجلاس میں نظام جماعت کے بارہ میں بعض ضروری امور زیرِ غور آئے۔علاوہ ازیں پیش آمدہ جماعتی معاملات پر بھی باہم مشورہ کیا گیا۔اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... نے منصب خلافت پر ایک پُر معارف خطاب فرمایا اور جماعت کے سامنے ایک جامع پروگرام رکھا جس پر جماعت کے منتخب نمائندگان نے بحث کی اور بڑے غور و فکر اور آزادانہ آراء کے اظہار کے بعد تجاویز پاس کیں۔شوریٰ کے اس اجلاس کے صدر حضرت سیّد محمد احسن صاحب امروہی تھے جبکہ شوریٰ کے سیکرٹری کے فرائض حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے ادا کئے۔

خلافت ثانیہ کے ابتدائی دور میں سالانہ بجٹ اور دیگر جماعتی امور ہر سال جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدیہ کانفرنس

میں زیرِ غور آتے رہے۔ احمدیہ کانفرنس میں جماعتی معاملات پر غور و فکر کی روایت جماعت میں رائج ہو چکی تھی۔ چنانچہ اخبار الحکم نے ۲۸؍ مارچ ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں لکھا:

> ''احمدیہ کانفرنس ایک ضروری چیز ہے مگر افسوس ہے کہ گزشتہ دو سال سے نہیں ہو سکی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جماعت میں مشورہ اور قومی معاملات پر غور کرنے کی عادت پیدا ہو۔ آپ نے منصبِ خلافت کی تقریر میں اس پر خاص زور دیا ہے۔ اس کے لئے سالانہ اجتماع کے موقع پر ضرور کوئی نہ کوئی موقع ہونا چاہئے جس سے اہم قومی معاملات پر مشورہ ہو جایا کرے۔'' (الحکم ۲۸؍ مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۶،۵)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...... نے جماعت کے مرکزی نظم و نسق میں اصلاح اور نظارتوں کے قیام کے سلسلہ میں جماعت کے اہل الرائے احباب سے تحریری مشورہ بھی لیا اور پھر دعاؤں کے بعد یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو نئے انتظام کے ماتحت نظارت بیت المال، نظارت تالیف و اشاعت، صیغہ تعلیم و تربیت، امور عامہ اور محکمہ افتاء کا قیام عمل میں لایا گیا۔ حضور نے ان تمام محکموں کی کارکردگی کی رپورٹ پیش کرنے اور آئندہ حضور سے ہدایات لینے کے لئے ایک ناظر اعلیٰ بھی مقرر فرمایا۔ (الفضل یکم اپریل ۱۹۱۹ء صفحہ ۸،۷)

مجلس شوریٰ کا باقاعدہ قیام اور راہنما اصول

جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہے کہ اب تک جماعت احمدیہ میں اجتماعی مشاورت کا سلسلہ باقاعدہ سالانہ صورت میں جاری نہیں کیا گیا تھا بلکہ خلافت ثانیہ کے ابتدائی سالوں میں بھی ایسی مجالس حسب ضرورت بلائی جاتی رہیں۔ ۱۹۲۲ء میں پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...... نے باقاعدہ ایک ادارہ کے طور پر سالانہ مجلس مشاورت کا قیام فرمایا گویا مجلس شوریٰ کا جو نظام جماعت احمدیہ میں اس وقت رائج ہے اس کا آغاز دراصل حضرت مصلح موعود ...... نے ۱۹۲۲ء میں فرمایا تھا اور اس طرح پہلی بار ایک ادارہ کے طور پر مجلس شوریٰ وجود میں آئی اور بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ بحیثیت ادارہ اس کا وجود میں آنا ازبس ضروری تھا۔ اس تاریخی مجلس شوریٰ میں مختلف جماعتوں کے ۵۲ اور مرکزی اداروں کے ۳۰ نمائندے شامل ہوئے۔ یہ مجلس شوریٰ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہال میں منعقد ہوئی۔ داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا جو نمائندگان کے لئے الگ اور زائرین کے لئے الگ تھا۔ حضرت مصلح موعود ...... نے اس تاریخی موقع پر اپنے افتتاحی خطاب میں شوریٰ سے متعلق جو تفصیلی ہدایات دیں وہ اس مشاورتی ادارہ کے لئے ایک چارٹر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت مصلح موعود...... نے اس موقع پر مجلس شوریٰ کے جو رہنما اصول بیان فرمائے اور جو طریق کار تجویز فرمایا اس کے چند اہم نکات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا:

سب سے پہلے تو میں اس مجلس مشاورت کے متعلق بعض باتیں بیان کرتا ہوں۔ پھر ان معاملات کے متعلق کچھ بیان کروں گا جن کے لئے نمائندگان کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ مجلس جس کو پرانے نام کی وجہ سے کارکن کانفرنس کے نام سے یاد کرتے رہے ہیں اس کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا شیوہ یہ ہے امرھم شوریٰ بینھم کہ مومن اپنے معاملات میں مشورہ لے لیا کریں۔ مشورہ بہت ضروری ہے اور بڑی مفید چیز ہے۔ اس کے بغیر کوئی کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ پس اس مجلس شوریٰ کی غرض بھی یہی ہے کہ ایسے امور جن کا جماعت کے قیام اور ترقی سے گہرا تعلق ہے ان کے متعلق جماعت کے مختلف لوگوں کو جمع کر کے مشورہ لے لیا جائے تا کہ کام میں آسانی پیدا ہو جائے اور احباب جماعت کو ان ضروریات کا احساس ہو جائے جن کے ساتھ جماعتی ترقی وابستہ ہے تو یہ مجلس شوریٰ کہلاتی ہے۔

اس مجلس مشاورت میں اور پہلی کانفرنس میں فرق یہ ہے کہ پہلی کانفرنسیں صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری کے بلانے پر ہوتی تھیں مگر یہ خلیفۃ المسیح کے بلانے پر منعقد ہوئی ہے۔ ان کانفرنسوں کا کام محدود اور شاید طریق عمل بھی مختلف تھا مگر اس کا کام بہت زیادہ اور وسیع اور اس کا طریق عمل بھی مختلف ہے اور اس کی اغراض بھی وہی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ سے ثابت ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریق تھا کہ صحابہ کرام سے ضروری معاملات کے متعلق مشورہ لیا کرتے تھے اس لئے میں نے بھی احباب کو بلایا ہے تا کہ وہ اپنی اپنی رائے دیں اور مفید تجاویز ہوں تو پیش کریں جن سے ہم فائدہ اٹھائیں۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مشورہ کے طریق کے بارہ میں حضرت مصلح موعود...... نے تفصیل سے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین طریق سے مشورہ لیتے تھے:

1 - جب مشورہ کے قابل کوئی معاملہ ہوتا تو عام اعلان کیا جاتا لوگ جمع ہو جاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشورہ کے بعد اس کا فیصلہ فرما دیتے۔ چونکہ ہر جماعت کا سردار اور امیر ہوتا تھا اس لئے لوگ جو بات سنتے اس کا جواب خود نہ دیتے بلکہ کہتے ہمارا امیر جواب دے گا۔ ہمارا حق نہیں کہ بولیں۔ کیونکہ عام طور پر مشورہ کے لئے علم اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہی شخص رائے دے سکتا ہے جس میں سوچنے کی قابلیت ہو اور تجربہ رکھتا ہو اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں سردار مشورہ دیتے تھے ہر ایک نہیں بولتا تھا مگر اب چونکہ ایسا رواج نہیں اس لئے مشورہ کے لئے آدمی منتخب کرنے پڑتے ہیں۔

2 - رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا طریق مشورہ کا یہ تھا کہ بعض خاص لوگ جن کو آنحضور مشورہ کا اہل

سمجھتے ان کو الگ جمع کر لیتے باقی لوگ نہیں بلائے جاتے تھے۔

3- تیسرا طریق یہ تھا کہ آپ کسی خاص معاملہ میں جس میں آپ سمجھتے کہ دو آدمی بھی جمع نہ ہونے چاہئیں علیحدہ علیحدہ مشورہ لیتے۔

مشورہ لینے کے یہ تینوں طریق اپنے اپنے رنگ میں بہت مفید ہیں۔ میں بھی ان تینوں طریقوں سے مشورہ لیتا ہوں۔

مشورہ دینے والے کے لئے ہدایات

اس کے بعد حضرت مصلح موعود...... نے فرمایا اب چونکہ مشورہ ہوگا اس لئے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مشورہ دیتے وقت کن باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

1- ہمارا جمع ہونا کسی دنیاوی غرض اور فائدہ کے لئے نہیں۔ ہم خدا کے لئے جمع ہوئے ہیں اس لئے ہماری نظر خدا پر ہونی چاہیئے۔ چونکہ ہم نے ساری دنیا کا مقابلہ کرنا ہے جو تجربہ میں، انتظام میں، قدرت میں، اختیار میں ہم سے زیادہ ہیں...... لیکن ہم نے دنیا کو فتح کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے ہمارے پاس نہ قوت ہے نہ مال ہے نہ تجربہ نہ واقف کار لوگ ہیں۔ ہمارے مشورے تبھی مفید ہو سکتے ہیں کہ خدا پر نظر رکھیں اس لئے پہلی نصیحت میں یہ کرتا ہوں کہ ہر شخص خدا کی طرف توجہ کرے اور دعا کرے کہ الٰہی میں تیرے لئے آیا ہوں تو میری رہنمائی فرما، کسی معاملہ میں میری نظر ذاتیات کی طرف نہ پڑے نہ ایسا ہو کہ کوئی غلط رائے دوں اور اس پر زور دوں کہ مانی جائے اور اس سے دین کو نقصان پہنچے۔ نہ ایسا ہو کہ کوئی ایسی رائے دے جو ہو تو غلط مگر اس کی چکنی باتوں یا طلاقت لسانی سے میں اس سے متفق ہو جاؤں۔ نہ ایسا ہو کہ مجھ میں نفسانیت آ جائے یا اپنی شہرت وعزت کا خیال پیدا ہو یا بڑائی کا خیال آ جائے۔ میری رائے غلط اور مضر نہ ہو نہ یہ ہو کہ میں کسی کی غلط رائے کی تائید کروں۔ میری نیت درست رہے میری رائے درست ہو اور تیری منشاء کے ماتحت ہو، یہ دُعا ہر دوست کو کر لینی چاہیئے اور ہمیشہ کرنی چاہیئے۔ جب بھی ہماری جماعت مشورہ کرنے لگے صرف آج کے لئے ہی نہیں۔

2- یہ کہ پہلی نصیحت دُعا کے متعلق ہے کوئی دُعا قبولیت کا جامہ نہیں پہنتی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو مثلاً انسان دُعا تو کرے کہ اسے خدمت دین کی توفیق ملے مگر عملاً ایک پیسہ بھی خرچ کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اسے کیا توفیق ملے گی۔ تو دعا کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے اس لئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ آج بھی اور کل بھی اور پھر بھی جب کبھی مشورہ ہو ذاتی باتوں کو دل سے نکال دیا جائے۔ لوگوں نے بعض باتیں دل میں بٹھائی ہوتی ہیں کہ یہ منوائیں گے لیکن مشورہ کے یہ معنی نہیں کہ ایسی باتوں کو بیان کیا جائے بلکہ اپنے دماغ کو صاف اور خالی کر کے بیٹھنا چاہیئے اور صحیح بات بیان کرنی چاہیئے۔ عام طور پر لوگ فیصلہ کر کے بیٹھتے ہیں کہ یہ بات منوانی ہے

اور پھر اس کی پچ کرتے ہیں۔ مگر ہماری جماعت کو یہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ صحیح بات ماننی اور منوانی چاہئے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ جس کام کے لئے مشورہ کرنے لگے ہیں اس میں کس کی رائے مفید ہوسکتی ہے۔

3- یہ بات مدِنظر رکھنی چاہئے کہ آج بھی اور آئندہ بھی ہر وقت جب مشورہ لیا جائے کسی کی خاطر رائے نہیں دینی چاہئے۔ بعد میں بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ میری تو یہ رائے نہ تھی مگر فلاں دوست نے کہا تھا اس لئے دی تھی۔ روپیہ غبن کرنا اتنا خطرناک نہیں جتنی یہ بات خطرناک ہے۔ یہ سخت بد دیانتی ہے ہماری جماعت کے لوگ اس سے بچیں اور کسی کی خاطر نہیں بلکہ جو رائے صحیح سمجھیں وہ دیں۔ ایک تو میں نے یہ کہا ہے کہ دوسرے کے لئے رائے نہ دی جائے اور ایک یہ کہ دوسرے کے کہنے پر رائے قائم نہ کی جائے خود اپنی جگہ تحقیقات کرنی چاہئیں۔

4- کسی اور حکمت کے ماتحت رائے نہیں دینی چاہئے بلکہ یہ مدنظر ہو کہ جو سوال درپیش ہے اس کے لئے کون سی بات مفید ہے...... اصل معاملہ کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح رائے دینی چاہئے۔

5- جو سچی بات ہو اسے تسلیم کرنے سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے خواہ اسے کوئی پیش کرے مثلاً ایک بات ایسا شخص کرے جس سے کوئی اختلاف ہو مگر ہو سچی تو اگر کوئی اس کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ پیش کرنے والے سے اس کی مخالفت ہے تو بد دیانتی کرتا ہے۔

6- چاہئے کہ کوئی رائے قائم کرتے وقت جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ کئی لوگ پہلے رائے قائم نہیں کرتے مگر بات سن کر فوراً رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ لوگوں کی باتیں سنیں ان کا موازنہ کریں اور پھر رائے پیش کریں۔

7- کبھی اس بات کا دل میں یقین نہ رکھو کہ ہماری رائے مضبوط اور بے خطا ہے بعض آدمی اس میں ٹھوکر کھاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہماری رائے غلط نہیں ہوسکتی اور پھر حق سے دور ہو جاتے ہیں...... اپنی کسی رائے پر اصرار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بڑوں بڑوں سے رائے میں غلطی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات معمولی آدمی کی رائے درست اور مفید ہوتی ہے۔ مجلس میں علم کی وسعت کے خیال سے بیٹھنا چاہئے ہاں یہ بھی عیب ہے کہ انسان دوسرے کی ہر بات کو مانتا جائے۔ سچی اور علمی بات کو تسلیم اور جہالت کی بات کو رد کر دینا چاہئے۔

8- ہمیشہ واقعات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ احساسات کی پیروی نہیں کرنی چاہئے کئی لوگ احساسات کو ابھار دیتے ہیں اور پھر واقعات کو مدنظر نہیں رکھتے...... احساسات کو تائیدی طور پر پیش کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے مگر محض ان کے پیچھے پڑنا یا ان کو ابھار کر رائے بدلنا خیانت ہے۔ اگر کوئی یہ جانتا ہو کہ اس کے دلائل کمزور ہیں اور پھر وہ جذبات کو ابھارے تو وہ بد دیانت ہے اور اگر کوئی یہ جانتا ہو کہ دلائل غلط ہیں مگر احساسات کے پیچھے لگ کر رائے دے تو وہ بھی بد دیانت ہے۔

9- دو قسم کی باتیں ہوتی ہیں ایک وہ جن میں دینی فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور دنیوی کم۔ دوسری وہ جن میں دنیوی فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور دینی کم۔ چونکہ ہم دینی جماعت ہیں اس لئے ہمیں اس بات کے حق میں رائے دینی چاہئے جس میں دینی فائدہ زیادہ ہو۔

10- ہمیشہ یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ ہماری تجاویز نہ صرف غلط نہ ہوں بلکہ جن کے مقابلہ میں ہم کھڑے ہوئے ہیں ان کی تجاویز سے بڑھ کر اور موثر ہوں اور ہمارا کام ایسا ہونا چاہئے کہ دشمن کے کام سے مضبوط ہو۔ دوسرے یہ کہ ہماری تجاویز پچھلی تجاویز سے اعلیٰ ہوں۔ ان دونوں باتوں کو بھولنے سے قومیں تنزل میں پڑ جاتی ہیں۔ ان میں سے اگر ایک کو چھوڑ دیں تو بھی تنزل شروع ہو جاتا ہے مثلاً ایک وقت آ سکتا ہے جب کہ دشمن نہایت کمزور اور ذلیل ہو جائے جیسا کہ مسلمانوں کے لئے آیا تھا اسی طرح جب ہمارے لئے وقت آیا تو اس وقت اگر ہماری کوششیں اپنی پچھلی کوششوں سے کم رہیں تو ضرور نقصان ہوگا...... اپنی طاقت کو ہر وقت بڑھانا چاہئے ورنہ نقصان ہوتا ہے مثلاً دشمن کھڑا ہوا اور ہم چل رہے ہوں تو اس سے آگے ہوں گے اور اگر دشمن دوڑ کر آئے اور ہم ذرا تیز قدم کر لیں تو وہ آگے نکل جائے گا۔ اُس وقت ہمیں دشمن سے بھی زیادہ تیز دوڑنے کی ضرورت ہوگی تو ہمیں جہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہماری تجاویز دشمن کی تجاویز سے اعلیٰ ہوں وہاں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہماری پہلی تجاویز سے بھی اعلیٰ ہوں۔ جب یہ دونوں باتیں مدنظر رہیں تو سوائے اس کے کہ خدا کا غضب بھڑکا دیا جائے دنیاوی لحاظ سے کوئی قوم تباہ نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں باتوں کا مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

11- رائے دیتے وقت یہ بات دیکھ لینی چاہئے کہ جو بات پیش ہے وہ واقعہ میں مفید ہے یا مضر۔ مقابلہ پر آ کر کسی معمولی سی بات پر بحث شروع ہو جاتی ہے حالانکہ اس کا اصل بات کے مضر یا مفید ہونے سے تعلق نہیں ہوتا۔ پس فروعی باتوں پر بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ واقعہ کو دیکھنا چاہئے کہ مفید ہے یا مضر۔

12- سوائے کسی خاص بات کے یونہی دہرانے کے لئے کوئی کھڑا نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص بولے۔ ہاں اگر نئی تجویز ہو تو پیش کرے۔

13- چاہئے کہ ہر ایک اپنا وقت بھی بچائے اور دوسرے کا بھی وقت ضائع نہ کرے۔

اس اہم نکتہ کے بارہ میں کہ پھر اس مشورہ کا اثر کیا ہوگا حضرت مصلح موعود...... فرماتے ہیں کہ یہ نہیں کہ ووٹ لئے جائیں اور ان پر فیصلہ کیا جائے بلکہ...... طریق یہ ہے کہ مختلف خیالات معلوم کئے جائیں اور مختلف تجاویز پر غور کر لیا جائے تا کہ جو مفید باتیں معلوم ہوں وہ اختیار کر لی جائیں۔ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے یہ خیال پیدا ہوگا کہ کیوں رائے نہ لیں اور اس پر فیصلہ ہو مگر ہمارے لئے دین نے یہی رکھا ہے کہ **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ**۔ مشورہ ضرور لیا جائے مگر جب ارادہ کر لیا جائے تو پھر اس بات کو کر لیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ لوگ کیا کہیں گے اور...... میں یہی ہوتا رہا ہے

......تو مشورہ کی غرض ووٹ لینا نہیں بلکہ مفید تجاویز معلوم کرنا ہے۔ پھر چاہے تھوڑے لوگوں کی اور چاہے ایک ہی کی بات مانی جائے۔ صحابہ کا یہی طریق تھا اور قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے......۔

شوریٰ کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود...... نے فرمایا:

شوریٰ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کئی نئی تجاویز سوجھ جاتی ہیں۔ دوسرے مقابلہ کا خیال نہیں ہوتا اس لئے لوگ صحیح رائے قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تیسرے یہ بھی فائدہ ہے کہ باتوں باتوں میں کئی اور طریق معلوم ہوجاتے ہیں۔ چوتھے یہ بھی فائدہ ہے کہ باہر کے لوگوں کو کام کرنے کی مشکلات معلوم ہوجاتی ہیں۔ پانچویں خلیفۃ المسیح کے کام میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے وہ بھی انسان ہوتا ہے۔ مجلس شوریٰ میں خلیفۃ المسیح کی طرف سے پیش کیا جائے گا کہ کن باتوں پر مشورہ لینا ہے اور کن باتوں کا خیال رکھنا ہے۔

اس کے بعد ہر محکمہ کے لئے سب کمیٹیاں مقرر ہوجائیں گی کیونکہ فوراً رائے نہیں دینی چاہئے بلکہ تجربہ کار لوگ بیٹھ کر سکیم تجویز کریں۔ پھر وہ تجاویز مجلس عام میں پیش کی جائیں۔ جب تجاویز پیش ہوں تو لوگوں کو اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع دیا جائے کہ اس رپورٹ میں زیادتی کرنی چاہئے یا کمی کرنی چاہئے۔ جب بحث ختم ہوجائے تو اس وقت یا بعد میں خلیفۃ المسیح کی طرف سے اعلان ہوجائے کہ یہ بات یوں ہونی چاہئے۔ بولنے کے وقت بولنے والا کھڑے ہو کر بولے اور جو پہلے کھڑا ہو اسے پہلے بولنے کا موقع دیا جائے۔ اگر بہت سے کھڑے ہوں تو باری باری انہیں بولنے کے لئے کہنا چاہئے۔ جب لوگ سارے بول چکیں تو پھر پوچھنا چاہئے کہ اور کوئی بولنا چاہتا ہے۔ اگر اور لوگ کھڑے ہوں تو ان کو بھی موقع دیا جائے۔ اگر پہلے بولنے والا پھر کھڑا ہو تو پہلے نئے بولنے والے کو موقع دینا چاہئے سوائے اس صورت کے کہ کوئی سوال یا اعتراض اس کی تقریر پر کیا گیا ہو اس کے حل کرنے کے لئے کھڑا ہو اور دو دفعہ سے زیادہ بولنے نہ دیا جائے کیونکہ بات کو حل کرنا ہے بحث نہیں کرنی۔ وہ شخص جس کو بولنے کا موقع دینے کے لئے مقرر کیا جائے وہ خلیفۃ المسیح یا اس کے قائمقام کا مددگار ہوگا کیونکہ وہ دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرے گا ادھر توجہ نہ کر سکے گا اس لئے وہ بطور نائب کام کرے گا۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۳ تا ۱۸)

حضرت مصلح موعود...... نے اسی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ بعد میں بھی وقتاً فوقتاً جماعت کے اس مشاورتی ادارے کی مضبوطی کے لئے مزید ہدایات دیتے رہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۲۴ء کی مجلس شوریٰ میں فرمایا:

> ''دنیا میں بہترین زمانہ کسی قوم کا وہ زمانہ ہوتا ہے جو کہ نبی کے قریب کا ہوتا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کا جو میرے بعد آئیں اس کے بعد حالت خراب ہوجائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا ہے۔ پہلے میرا زمانہ بہتر ہے پھر اس کے بعد کا حتیٰ کہ تین سو سال گزر جائیں پھر فتنے پیدا ہوں گے اس لئے ضروری ہے کہ

اس بہتر زمانہ میں انتظام جماعت کے لئے ایسا قانون پاس ہو جائے کہ جو آنے والوں کے لئے داغ بیل ہوتا کہ وہ سیدھے راستہ سے ادھر ادھر نہ ہو سکیں خدا کی نصرت سے اس قوم کے فتنے پھر پیدا نہ ہوں جیسا کہ پیغامیوں نے پیدا کئے تھے ممکن ہے کہ کل پھر کوئی ایسے ہی لوگ پیدا ہو جائیں یا الگ الگ خلیفے بنالیں۔ تلوار جن کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ تلوار سے ایسے فتنے روک لیتے ہیں یا ان کے مقابلہ میں ایسے فتنے ظاہر ہی نہیں ہونے پاتے اور فتنہ انگیز لوگ کھڑے ہی نہیں ہوتے مگر ہمارے پاس تلوار نہیں عقیدت ہی ہے اور اس میں آزادی ہوتی ہے ایسے فتنوں کو ہم کس طاقت سے روک سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہم بھی ایک ایسا ہی انتظام کریں کہ جس میں تفرقہ کا خطرہ نہ رہے الا ماشاء اللہ اور خدا کے منشاء کو کوئی روک نہیں سکتا''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۱)

جماعت احمدیہ کے اس مشاورتی نظام کو آئندہ زمانہ کے لئے بنیادی پتھر قرار دیتے ہوئے حضرت مصلح موعود...... نے فرمایا:

''دنیا کی انجمنیں ہوتی ہیں جو یہ کہتی ہیں آج کام کر کے دکھا دو اور لوگوں کے سامنے رپورٹ پیش کر دو مگر میں نے رپورٹ خدا کے سامنے پیش کرنی ہے اور خدا کی نظر اگلے زمانوں پر بھی ہے۔ اس لئے مجھے یہ فکر ہوتی ہے کہ آج جو کام کر رہے ہیں یہ آئندہ زمانہ کے لئے بنیاد ہو۔ ہمارا کام یہ نہیں کہ دیکھیں کہ ہمارا کیا حال ہوگا۔ بلکہ یہ ہے کہ جو کام ہمارے سپرد ہے اسے اس طریق پر چلائیں کہ خدا کو کہہ سکیں کہ اگر بعد میں آنے والے احتیاط سے کام لیں تو تباہ نہ ہوں گے۔ پس مجھے آئندہ کی فکر ہے اور میری نظر آئندہ پر ہے کہ ہم آئندہ کے لئے بنیاد رکھیں آئندہ نسل اُن لوگوں پر جو یہ بنیاد رکھیں گے درود پڑھے گی...... وہ زمانہ آئے گا جب خدا ثابت کر دے گا کہ اس جماعت کے لئے یہ کام بنیادی پتھر ہے''۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۰)

پس جماعت احمدیہ کا یہ عظیم الشان مشاورتی نظام دراصل حضرت خلیفۃ المسیح...... کی دور رس نگاہ کا مرہون منت ہے۔ آپ نے جماعت احمدیہ کے اس مشاورتی نظام کو کس طرح پروان چڑھایا اس کے انتظامی ڈھانچے کو کس طرح مضبوط بنیادوں پر استوار کیا اور اس کے طریق کار میں کس طرح باقاعدگی اور پائیداری پیدا کی اور اس نظام کو کیسے علم ودانش اور غور وفکر کا شاہکار بنادیا۔ اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ نے سیرت فضل عمر جلد دوم میں بڑے پیارے اور دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی ہے ذیل میں یہ مضمون مفہوماً پیش کیا جا رہا ہے۔

مجلس مشاورت کا پاکیزہ اور بے مثال ماحول

جماعت احمدیہ کی مجلس شوریٰ صرف اپنے تنظیمی ڈھانچے اور طریق کار کے لحاظ سے ہی دنیا کی دوسری ایسی مجالس سے مختلف نہیں بلکہ اس کی فضا اور ماحول بھی دنیوی مجالس سے اس درجہ مختلف ہے کہ کوئی ظاہری نسبت نظر نہیں آتی۔ جب تک کوئی شخص اس ماحول کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے وہ اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ تاہم ذیل میں اسے لفظوں میں بیان کرنے کی کسی قدر کوشش کی جائے گی۔

قومیں ایک دن میں نہیں بنا کرتیں بلکہ قومی تربیت سالہا سال کی مسلسل عرق ریزی اور بھرپور نگرانی کی محتاج ہوتی ہے۔ مشاورت کے جس ماحول کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں اس کو قائم کرنے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... کی سالہا سال کی شدید محنت عرق ریزی نگرانی اور پُرخلوص دعاؤں کا بڑا دخل ہے اس مشاورت کے گوشہ گوشہ پر جسے ہم آج دیکھ رہے ہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... کے کردار اور شخصیت کی چھاپ ہے اور یہ پاکیزہ ماحول جو آج ہمیں نظر آ رہا ہے اس کا ہر منظر آپ کی یاد دلوں میں تازہ کر دیتا ہے۔ ایک پسماندہ ملک کے ایک پسماندہ علاقہ کے عوام کی تربیت کا کام آپ کو سونپا گیا اور وہ علاقہ دنیا کے کسی معیار کے اعتبار سے بھی مہذب اور متمدن کہلانے کا مستحق نہیں تھا بالخصوص پنجاب کی سرزمین تہذیب وتمدن کے لحاظ سے خود ہندوستان کے ہی دوسرے علاقوں میں پسماندہ مشہور تھی۔

پس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... کا کام ایک انتہائی مشکل کام تھا کیونکہ نہ صرف یہ کہ ایک پسماندہ غیر مہذب اور غیر متمدن اور غیر تعلیم یافتہ قوم کو آپ نے تہذیب وتمدن کے اعلیٰ اصول سکھانے تھے اور ان پر کاربند کروانا تھا بلکہ ..... نظام مشاورت کی ایک ایسی حسین تصویر عمل کے سانچے میں ڈھالنی تھی۔ جو دنیا کی تمام متمدن قوموں کے لئے قابل تقلید نمونہ بن جائے۔ اور عمل کے اس میدان میں بھی ..... کی تعلیم کی برتری دیگر ادیان اور نظریات پر ثابت ہو جائے یہ کام بہت مشکل تھا۔ بسا اوقات بار بار کی انتہائی موثر تقاریر اور نصائح کے بعد بھی یہ بات مشاہدہ میں آتی کہ سامعین میں سے بعض یا تو بات سمجھتے ہی نہیں یا عادت سے مجبور ہو کر پھر اس غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں بار بار وہی غلطیاں کرتے اور ان کو سمجھانا پڑتا۔ بار بار وہی ٹھوکریں کھاتے اور ان کو اٹھانا پڑتا۔ ایک ماں جیسے بچے کو چلنا پھرنا کھانا پینا سکھاتی ہے ایک استاد جیسے بار بار غلطی کرنے والے بچے کو بالآخر صحیح تلفظ سکھا دیتا ہے اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... نے جماعت احمدیہ کو مجلس مشاورت کے آداب واخلاق اور حکمت وفلسفہ سکھانے میں محنت کی اور آخری سانس نہ لیا جب تک اپنے پیچھے ایک ایسا مہذب ومتمدن ادارہ مشاورت نہ چھوڑ گئے جو بلاشبہ دنیا کے تمام مشاورتی اداروں کے لئے قابل تقلید نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن تربیت کی کمی کی وجہ سے جب بھی بعض حاضرین نے بولنے میں عجلت سے کام لیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

’’کل میں نے سمجھایا تھا کہ صرف بولنے کی خواہش سے نہیں بولنا چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ بولنا مفید ہے یا نہیں اور پھر بولنا چاہئے لیکن بوجہ عجلت کے جو حکمت کا حصہ نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے یونہی بول پڑتے ہیں۔ شائد کہ اپنے ہی خیالات میں محو ہوتے ہیں دوسرے کی سنتے ہی نہیں اس لئے ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو پہلے بیان کر چکے ہیں‘‘۔ (رپورٹ مجلس مشاورت۱۹۲۲ء صفحہ ۳۲)

بعض دفعہ ایسے مواقع پیدا ہوتے رہتے کہ حضور کو نہایت حکیمانہ انداز میں احباب کو نصائح کرنی پڑتیں۔ مثلاً ۱۹۲۳ء کی مجلس مشاورت کے موقع پر ایک ممبر کے ایک سوال کا لہجہ قابل اعتراض پایا تو آپ نے فرمایا:

’’...... یہ پارلیمنٹ نہیں ہے کہ اس میں ایک فریق کو دوسرے کے خلاف ابھارنا ہے بلکہ یہ مجلس مشاورت ہے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو اس کے متعلق سوال کیا جا سکتا ہے بعض لہجوں کا بھی اثر ہوتا ہے۔ گو ان لوگوں کی نیت وہ نہ ہو جو ان کے لہجے سے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر عادت کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے مثلاً جب یہ آیت نازل ہوئی کہ رسول کے سامنے بلند آواز سے نہ بولو تو ایک صحابی جن کی آواز بڑی تھی چپ ہو گئے اور مجلس میں آنا بند کر دیا کہ میں منافق ہوں میری آواز اونچی ہے۔ مگر پھر ان کو سمجھایا گیا۔ پس اگر بلند آواز سے ایسے لہجہ میں بولنے کی عادت ہو تو اپنے لہجہ اور آواز پر قابو رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (رپورٹ مجلس مشاورت۱۹۲۳ء صفحہ ۲۶)

ایک طرف سوال کرنے والوں کی نگرانی کی جاتی تھی تو دوسری طرف ناظروں کے جوابات کا محاسبہ بھی جاری رہتا تھا کہ قول سدید اور واقعات کے عین مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر کسی ناظر کے جواب میں غلطی کا امکان بھی نظر آتا تو اسے ایسے رنگ میں سمجھاتے کہ حاضرین مجلس کے لئے کسی مزید سوال یا اعتراض کی گنجائش نہ رہتی مثلاً مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء کے دوسرے روز ایک ناظر کے جواب کو غیر تسلی بخش پا کر آپ نے فرمایا:

’’...... بجائے یہ کہنے کے کہ میں اس قلیل عرصہ میں رپورٹ تیار نہیں کر سکا۔ انہوں نے کام کی ہی نفی کر دی۔ حالانکہ یہ اس دفتر کے نائب ناظر ہیں ان کے دفتر نے رپورٹ شائع کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کوئی ریکارڈ نہیں۔ اگر یہ صاف لفظوں میں کہتے کہ میں اس قلیل عرصہ میں یہ نہیں کر سکا تو بات کا یہ نیا پہلو نہ نکلتا‘‘۔ (رپورٹ مجلس مشاورت۱۹۲۳ء صفحہ ۲۹، ۳۰)

ناظر صاحبان کی رپورٹوں پر بھی حضور ہمیشہ کڑی نظر رکھتے کہ کہیں رپورٹوں کا کوئی پہلو دین کے نہایت بلند اخلاقی معیار سے گرا ہوا تو نہیں۔ ایک ناظر صاحب کی رپورٹ میں ایک جید عالم کا ذکر کچھ اس رنگ میں ہوا جس میں ہلکا سا طنز کا پہلو پایا جاتا تھا حضور نے اس بات کو قابل اصلاح سمجھا اور اس کی نشان دہی فرما کر اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔

یہ تو صرف چند مثالیں ہیں لیکن وہ دوست جنہیں سالہا سال مجلس مشاورت میں شامل ہونے کی توفیق ملی ہے وہ جانتے

ہیں کہ کس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... نے اس ادارہ میں دینی روایات کو زندہ کرنے کی مسلسل جدوجہد فرمائی ہے۔

حضور جب بعض ایسی غلطیوں کو دیکھتے جو کام کے اصول اور بنیادی امور سے تعلق رکھتی ہوں تو بعض دفعہ بحث کے دوران ہی جماعت کو مختلف رنگ میں نصیحت فرماتے۔ جن میں قرآن وحدیث سے استنباط کے علاوہ تاریخ...... سے دل پر اثر کرنے والے واقعات بھی بیان کرتے اور کبھی معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر اپنے آخری خطاب میں مزید تفصیل کے ساتھ اس معاملہ پر روشنی ڈالتے۔ چھوٹی موٹی یا روزمرہ کی معمولی غلطیوں اور کوتاہیوں کے موقع پر بسا اوقات آپ کبھی نرمی سے ایک آدھ فقرہ میں غلطی کرنے والوں کو سمجھا دیتے۔ کبھی کوئی لطیفہ سنا کر فضاء کو خوشگوار بناتے ہوئے آگے گزر جاتے۔ عموماً یہ طریق اس وقت اختیار فرماتے جب کوئی مقرر بلاوجہ وقت کو ضائع کرنے کی کوشش کرتا یا غیر مناسب تکرار کے ذریعہ حاضرین مجلس کو ملول کر رہا ہوتا۔ اس وقت آپ جس لطیف انداز میں اس کی غلطی کی نشاندہی کرتے اس سے سامعین کی ساری کوفت دور ہو جاتی تھکے ہوئے اعصاب تازہ دم ہو جاتے اور سوتے ہوئے دماغ اچانک بیدار ہو کر ہمہ تن گوش ہو جاتے۔

اس طریق سے نہ صرف غلط عادتوں کی اصلاح ہوتی بلکہ وقتاً فوقتاً تکان بھی دور ہوتی رہتی اور معاملات میں دلچسپی قائم رہتی کبھی کبھی بعض دوستوں کے نامناسب انداز اختیار کرنے پر آپ ناراض بھی ہوتے اور بعض اشخاص کو تنبیہہ بھی فرماتے۔ ایسے مواقع عموماً اس وقت پیدا ہوتے جب کسی شخص میں انانیت کی بو دیکھتے یا کسی کی گفتگو میں تکبر اور تمسخر کا رنگ پایا جاتا یا کوئی اپنے کسی بھائی کی دل شکنی کا موجب بنتا۔ یا ذاتیات میں الجھ کر اصل مقصد کو بھلا دیتا اسی طرح اگر کسی کی باتوں سے ریا اور منافقت کی بو آتی تو ایسے تمام مواقع پر آپ علی العموم سخت ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار فرماتے۔ ہاں اگر محض برادرانہ محبت کے انداز میں کوئی کسی مقرر کی بات کی طرف لطیف مزاحیہ رنگ میں اشارہ کرتا تو اسے آپ ہرگز ناپسند نہ کرتے بلکہ بعض دفعہ اس مومنانہ اخوت کی نوک جھونک میں خود بھی شامل ہو جاتے اور جس شخص کو نشانہ بنایا گیا ہوتا اس کی طرف سے ایسا پُرلطف جواب دیتے کہ حاضرین آپ کی حاضر جوابی پر عش عش کر اٹھتے اور محفل کشت زعفران بن جاتی۔

سلسلہ کے پرانے کارکنوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدام کی آپ کے دل میں بڑی عزت اور قدر تھی۔ چنانچہ مشاورت کے موقع پر بھی ان کے ساتھ احترام اور اعزاز کا غیر معمولی سلوک فرماتے ان کی باتوں کو بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ سنتے ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتے اور وقت کی بھی کوئی خاص قید عائد نہ کرتے۔ پنجاب کی اکثریت چونکہ زمیندار دیہاتی جماعتوں پر مشتمل تھی اور مجلس شوریٰ میں بھی عموماً پنجاب ہی کے نمائندگان کی کثرت ہوا کرتی تھی اس لئے جہاں ایک طرف آپ دیہاتی نمائندوں کی رائے سننے کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے وہاں اس طرف بھی خاص توجہ دیتے کہ دُور سے آنے والے نمائندگان خواہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں ان کو ضرور اظہار

رائے کا موقع ملے چنانچہ صوبہ سرحد، سندھ، بنگال، مدراس، بمبئی اور یوپی کے نمائندگان کے نام آپ عموماً خود کہہ کر اہم سب کمیٹیوں میں رکھواتے اور اگر وہ مجلس میں اظہار رائے کے لئے اپنا نام نہ بھی پیش کرتے تو بھی خود ارشاد فرما کر اظہار رائے کے لئے انہیں تاکید فرماتے۔

یہ مجلس ہر قسم کے مشیروں پر مشتمل ہوتی۔ کہیں علوم سے آراستہ بڑے بڑے ماہرین تعلیم اور حکومت کے اعلیٰ افسران، کہیں انجینئرز، وکلاء اور ڈاکٹر صاحبان اور کہیں پیشہ ور حضرات حتیٰ کہ بڑھئی اور لوہار جو مجلس شوریٰ میں اپنے علم اور استطاعت کے مطابق مشورہ کے لئے حاضر ہو جاتے۔ معمولی دکاندار اور آڑھتی، سادہ لوح ان پڑھ زمیندار، پنجابی، سندھی، بنگالی، مدراسی، مالاباری اور یوپی کے منجھی ہوئی زبان بولنے والے سبھی اس مجلس میں ایک صف میں کھڑے ہو کر محمود و ایاز کا منظر پیش کر رہے ہوتے۔ زبان اور بیان کی مشکلات ان کی راہ میں کبھی حائل نہ ہوتیں۔ ایسے احباب جن کو اپنے اظہار خیال میں مشکل پیش آتی وہ کبھی انگریزی کے الفاظ بکثرت استعمال کر کے کبھی اپنی علاقائی زبان کے الفاظ بول کر کبھی اردو میں پنجابی کا پیوند لگا کر اپنا مقصد بیان کر ہی لیتے۔ بایں ہمہ ایسے لوگوں کو کبھی استخفاف کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ کبھی تو محبت اور پیار کی مسکراہٹیں چہروں پر بکھر جاتیں اور کبھی آنکھیں اس تصور سے نم آلود ہو جاتیں اور زبانوں میں درود جاری ہو جاتے کہ اللہ اللہ! دین کے احیائے نو کی خاطر مسیح موعودؑ کو کہاں کہاں سے کیسی کیسی پاک اور سعید روحیں ملی ہیں جو محض للہ ...... کے غلبہ نو کے لئے تدبیریں سوچنے کے لئے قادیان کی دُور افتادہ بستی میں حاضر ہو گئیں۔ ایسے رائے دہندگان کو ایک سہولت یہ بھی تھی کہ ایک نہایت زیرک اور صاحب بصیرت امام ان کے سامنے بیٹھا ہوا بڑی توجہ سے ان کے مافی الضمیر کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوتا اور جہاں کبھی سامعین ان کو سمجھنے میں غلطی کرتے نہایت فصاحت اور بلاغت اور روانی کے ساتھ اپنے الفاظ میں ان کے منشاء کو اس طرح ظاہر کر دیتا کہ ایک طرف تو سننے والے خوب اچھی طرح سمجھ جاتے دوسری طرف کہنے والے کے چہرے پر امتنان اور مسرت کے جذبات اُمڈ آتے کہ ہاں میں جو کچھ بیان کرنا چاہتا تھا وہ یہی کچھ تھا۔ مختلف اہم مسائل پر بحث کے دوران کبھی حضرت خلیفۃ المسیح ...... کے مستقبل کے تصور میں منہمک ہو جاتے اور دل اس فکر سے بے چین ہو جاتا کہ آنے والی نسلوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں وہ انہیں کما حقہ نباہ بھی سکیں گے یا نہیں۔ مشاورت کے دوران آپ کے متعدد خطبات کا رنگ ایک خاص شان اپنے اندر رکھتا تھا۔ دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی آواز نوائے آسمانی معلوم ہوتی تھی اور فضا برقی لہروں سے بھر جاتی تھی۔ دل خدمت ...... کے لئے نئی امنگوں اور نئے ولولوں سے معمور ہو کر مچلنے لگتے اور بے اختیار تمام حاضرین کبھی زبان حال اور کبھی زبان قال سے پکار اٹھتے کہ ہاں ہمارے آقا! ہم حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہماری نسلیں حاضر ہیں۔ ہماری جانیں، ہمارے اموال، ہماری عزتیں سب کچھ جو ہم رکھتے ہیں ہمارا نہیں آپ کا ہے۔ جس طرح آپ چاہیں ...... کی قربان گاہوں کی نذر کر دیں۔ ...... کی زندگی اگر ہم سے ہماری جان اور مال اور عزتوں کا فدیہ مانگتی

ہے تو جان اور مال اور عزتیں پیش ہیں۔ اگر نسلاً بعد نسلٍ مسلسل قربانی کا مطالبہ ہے تو خدا گواہ ہے ہم قیامت تک اپنی نسلیں ..... کی زندگی کی خاطر مرنے کے لئے پیش کرتے چلے جائیں گے۔

ایسے خاص مواقع کی صحیح عکاسی تو کسی کے بس میں نہیں۔ ہاں ان خطابات میں سے چند فقرات پیش ہیں جو دلوں میں تلاطم برپا کر دیا کرتے تھے:

> ''اس وقت ہم جنگ کے میدان میں کھڑے ہیں اور جنگ کے میدان میں آ کر سپاہی لڑتے لڑتے سو جائے تو مر جاتا ہے۔ ہمارے سامنے نہایت شاندار مثال ان صحابہ کی ہے ..... (جن کے مثیل ہونے کے ہم مدعی ہیں) ..... دشمن پوری طرح کوشش کر رہا ہے اور سارا زور لگا رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں جو جھنڈا دے گئے اسے گرا دے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہیں اور اگر ہاتھ کٹ جائیں تو پاؤں میں پکڑ لیں اور اگر اس فرض کی ادائیگی میں ایک جان چلی جائے تو دوسرا کھڑا ہو جائے اور اس جھنڈے کو پکڑ لے۔ میں ان نمائندوں کو چھوڑ کر ان بچوں اور نوجوانوں سے جو اوپر بیٹھے سن رہے ہیں کہتا ہوں ممکن ہے یہ جنگ ہماری زندگی میں ختم نہ ہو کو اس وقت لوہے کی تلوار نہیں چل رہی لیکن واقعات کی۔ زمانہ کی اور موت کی تلوار تو کھڑی ہے ممکن ہے یہ چل جائے تو کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ اس جھنڈے کو گرنے نہ دو گے (اس پر سب نے بیک آواز لبیک کہا) ہمارے زمانہ کو خدا اور اس کے رسولوں نے آخری زمانہ قرار دیا ہے۔ اس لئے ہماری قربانیاں بھی آخری ہونی چاہئیں''۔
>
> (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۵ء صفحہ ۹۰ تا ۹۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... کا یہ بھی طریق تھا کہ بار بار مختلف رنگ میں حاضرین کی توجہ دعاؤں اور استغفار اور تقویٰ اللہ کی طرف مبذول کرواتے رہتے۔ جس کی وجہ سے فضاء تقدس سے اس طرح بھر جاتی جیسے برساتی ہوائیں نمی سے۔ ایسے موقع پر بسا اوقات وفور جذبات سے آنکھیں بھی امنڈ آتیں۔ بالخصوص الوداعی تقریر کے بعد کی دعا خدا تعالیٰ کے حضور الحاح اور عاجزی اور انابت کا ایک ایسا عجیب منظر پیش کرتی جس کی کوئی نظیر دنیا میں کہیں نظر نہیں آ سکتی۔ آپ کا عظیم اعجاز یہ نہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں یہ پاکیزہ ماحول پیدا کر دیا۔ بلکہ عظیم اعجاز یہ ہے کہ اس ماحول کو دوام بخشا اور جماعت احمدیہ کو اس طرح پیوست کر دیا کہ آج بھی یہ پاکیزگی اور تقدس کی روح مجلس مشاورت میں اسی طرح زندہ نظر آتی ہے۔ آج بھی وہی پاکیزہ فضا ہے آج بھی وہی قدوسیوں کا اجتماع انابت الی اللہ کا منظر پیش کرتا ہے۔ آج بھی محض للہ مشورے دیئے جاتے اور محض للہ قبول کئے جاتے ہیں آج بھی دعاؤں کا وہی رنگ ہے اور خلافت کی وہی عظمت اور وہی احترام دلوں میں قائم ہے۔ دعائیں آج بھی اسی طرح آنسوؤں ہی کی زبان سے کی

جاتی ہیں دنیا میں ایسے بھی رہنما ہوئے ہیں جن کے قائم کردہ نقوش ان کے مرنے کے ساتھ مٹ جاتے ہیں اور بے ساختہ قومیں یہ کہہ کر ان کو یاد کرتی ہیں:

اب نظر کاہے کو آئیں گی وہ تصویریں

لیکن عظیم تر رہنما وہ ہوتے ہیں جن کے مرنے کے بعد بھی ان کی بنائی ہوئی تصویریں زندہ رہتی ہیں۔ حضرت مصلح موعود...... ایک ایسے ہی عظیم رہنما تھے۔ جن کی بنائی ہوئی تصویریں نقش دوام کی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ زمانے کا ہاتھ انہیں دھندلا تو سکتا ہے لیکن مٹانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

(سیرت فضل عمر جلد ۲ مصنفہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ صفحہ ۲۱۲،۲۰۵)

طبقہ نسواں پر حضرت مصلح موعود کی عنایت خاص

لجنہ اماء اللہ کی تشکیل

(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب)

۲۵؍دسمبر کا مبارک دن

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یوں تو جس دن سے مسندِ خلافت پر قدم رکھا۔عورتوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی لیکن احمدی مستورات کی تاریخ میں ۲۵؍دسمبر ۱۹۲۲ء کا دن ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس روز حضور نے لجنہ اماء اللہ جیسی عالمگیر تحریک کی بنیاد رکھی۔۲۵؍دسمبر ۱۹۲۲ء کی صبح کو جب سورج طلوع ہوا ہوگا اس وقت کسے معلوم تھا کہ آج حضرت مصلح موعود کے ہاتھوں ایک ایسے عظیم کام کی بنیاد رکھی جائے گی جس پر احمدیت اور جماعت کی ترقی کا بہت حد تک انحصار ہوگا اور جس کے نتیجہ میں احمدی عورتیں تعلیمی، ذہنی، فکری اور عملی ہر لحاظ سے ترقی کر کے دُنیا کی خواتین کی صفِ اوّل میں نظر آئیں گی۔جس کے نتیجہ میں ان کے ذریعہ کفرستان کے مرکزوں میں خدائے واحد کا نام پوری قوت وشوکت سے بلند ہوگا۔

لجنہ اماءاللہ کے بنیادی مقاصد

حضرت سیّدہ امۃ الحیّ صاحبہ (حرم حضرت مصلح موعود) کو خدمتِ دین اور خدمتِ قوم کا بے حد شوق تھا۔آپ کی خواہش پر حضرت مصلح موعود نے ایک معین لائحہ عمل بنا کر جماعت کی عورتوں کے سامنے پیش کیا جو حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا اور تاریخ میں لجنہ اماءاللہ کے متعلق ابتدائی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔یہ مضمون من وعن درج ذیل کیا جاتا ہے۔اس مضمون میں لجنہ اماءاللہ کے بنیادی مقاصد بیان کئے گئے اور لجنہ اماء اللہ کی ممبر بننے کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اسے پڑھے اور پڑھ کر اس پر دستخط کرے۔

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا:

> ”ہماری پیدائش کی جو غرض وغایت ہے اس کو پورا کرنے کے لئے عورتوں کی کوشش کی بھی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح مردوں کی ہے۔جہاں تک میرا خیال ہے عورتوں میں اب تک اس کا احساس پیدا نہیں ہوا کہ......ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ہماری زندگی کس طرح صرف ہوئی

چاہئے؟ جس سے ہم بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر کے مرنے کے بعد بلکہ اسی دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوسکیں۔

اگر غور کیا جائے تو اکثر عورتیں اس امر کو محسوس نہیں کریں گی کہ روزمرہ کے کاموں کے سوا کوئی اَور بھی کام کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ دشمنانِ ...... میں عورتوں کی کوششوں سے جو رُوح بچوں میں پیدا کی جاتی ہے اور جو بدگمانی ...... کی نسبت پھیلائی جاتی ہے اس کا اگر کوئی توڑ ہوسکتا ہو تو وہ عورتوں ہی کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے اور بچوں میں اگر قربانی کا مادہ پیدا کیا جاسکتا ہے تو وہ بھی ماں ہی کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ پس علاوہ اپنی رُوحانی وعلمی ترقی کے آئندہ جماعت کی ترقی کا انحصار بھی زیادہ تر عورتوں ہی کی کوشش پر ہے۔ چونکہ بڑے ہوکر جو اثر بچے قبول کرسکتے ہیں وہ ایسا گہرا نہیں ہوتا جو بچپن میں وہ قبول کرتے ہیں۔ اس طرح عورتوں کی اصلاح بھی عورتوں کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے۔ ان امور کو مدِّنظر رکھ کر ایسی بہنوں کو جو اس خیال کی مؤید ہوں اور مندرجہ ذیل باتوں کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہوں دعوت دیتا ہوں کہ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مل کر کام شروع کریں۔ اگر آپ بھی مندرجہ ذیل باتوں سے متفق ہوں تو مہربانی کر کے مجھے اطلاع دیں تاکہ اس کام کو جلد سے جلد شروع کردیا جاوے۔

(۱) اس امر کی ضرورت ہے کہ عورتیں باہم مل کر اپنے علم کو بڑھانے اور دوسروں تک اپنے حاصل کردہ علم کو پہنچانے کی کوشش کریں۔ (۲) اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے لئے ایک انجمن قائم کی جائے تاکہ اس کام کو باقاعدگی سے جاری رکھا جاسکے۔ (۳) اس بات کی ضرورت ہے کہ اس انجمن کو چلانے کے لئے کچھ قواعد ہوں جن کی پابندی ہر رُکن پر واجب ہو۔ (۴) اس امر کی ضرورت ہے کہ قواعد وضوابط سلسلہ احمدیہ کے پیش کردہ ...... کے مطابق ہوں اور اس کی ترقی اور اس کے استحکام میں مد ہوں۔ (۵) اس امر کی ضرورت ہے کہ جلسوں میں ...... کے مختلف مسائل خصوصاً ان پر جو اس وقت کے حالات کے متعلق ہوں مضامین پڑھے جائیں اور وہ خود اراکینِ انجمن کے لکھے ہوں تاکہ اس طرح علم کے استعمال کرنے کا ملکہ پیدا ہو۔ (۶) اس امر کی ضرورت ہے کہ علم کے بڑھانے کے لئے ایسے مضامین پر جنہیں انجمن ضروری سمجھے ...... کے واقف لوگوں سے لیکچر کروائے جائیں۔ (۷) اس امر کی ضرورت ہے کہ جماعت میں وحدت کی رُوح قائم رکھنے کے لئے جو بھی خلیفۂ وقت ہو اس کی تیار کردہ سکیم کے مطابق اور اس کی ترقی کو مدِّنظر رکھ کر تمام کارروائیاں ہوں۔ (۸) اس امر کی ضرورت ہے کہ تم اتحادِ جماعت کے بڑھانے

کے لئے ایسی ہی کوشاں رہو جیسے کہ ہر مسلمان کا فرض قرآن کریم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے مقرر فرمایا ہے اور اس کے لئے ہر ایک قربانی کو تیار رہو۔ (۹) اس امر کی ضرورت ہے کہ اپنے اخلاق اور روحانیت کی اصلاح کی طرف ہمیشہ متوجہ رہو اور صرف کھانے پینے، پہننے تک اپنی توجہ کو محدود نہ رکھو۔ اس کے لئے ایک دوسری کو پوری طرح مدد کرنی چاہیئے اور ایسے ذرائع پر غور اور عمل کرنا چاہیئے۔ (۱۰) اس بات کی ضرورت ہے کہ بچوں کی تربیت میں اپنی ذمہ داری کو خاص طور پر سمجھو اور ان کو دین سے غافل اور بد دل اور سُست بنانے کی بجائے چُست، ہوشیار، تکلیف برداشت کرنے والے بناؤ اور دین کے مسائل جس قدر معلوم ہوں ان سے ان کو واقف کرو اور خدا، رسولؐ، مسیح موعودؑ اور خلفاء کی محبت، اطاعت کا مادہ ان کے اندر پیدا کرو۔...... کی خاطر اور ان کی منشاء کے مطابق اپنی زندگیاں خرچ کرنے کا جوش پیدا کرو۔ اس لئے اس کام کو بجالانے کے لئے تجاویز سوچو اور ان پر عمل درآمد کرو۔ (۱۱) اس امر کی ضرورت ہے کہ جب مل کر کام کیا جاوے تو ایک دوسرے کی غلطیوں سے چشم پوشی کی جائے اور صبر اور ہمت سے اصلاح کی کوشش کی جاوے نہ کہ ناراضگی اور خفگی سے تفرقہ بڑھایا جاوے۔ (۱۲) چونکہ ہر ایک کام جب شروع کیا جاوے تو لوگ اس پر ہنستے ہیں اور ٹھٹھا کرتے ہیں اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگوں کی ہنسی اور ٹھٹھا کی پرواہ نہ کی جاوے اور بہنوں کو الگ الگ مہنوں اور طعنوں یا مجالس کے ٹھٹھوں کو بہادری وہمت سے برداشت کا سبق اور اس کی طاقت پیدا کرنے کا مادہ پہلے ہی سے حاصل کیا جائے تاکہ اس نمونہ کو دیکھ کر دوسری بہنوں کو بھی اس کام کی طرف توجہ پیدا ہو۔ (۱۳) اس امر کی ضرورت ہے کہ اس خیال کو مضبوط کرنے کے لئے اور ہمیشہ کے لئے جاری رکھنے کے لئے اپنی ہم خیال بنائی جاویں اور یہ کام اس صورت میں چل سکتا ہے کہ ہر ایک بہن جو اس مجلس میں شامل ہو اپنا فرض سمجھے کہ دوسری بہنوں کو بھی اپنا ہم خیال بناویں گی۔ (۱۴) اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کام کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے صرف وہی بہنیں انجمن کی کارکن بنائی جاویں جو ان خیالات سے پوری متفق ہوں اور اگر کسی وقت خدانخواستہ کوئی متفق نہ رہے تو طیبِ خاطر انجمن سے علیحدہ ہو جاوے یا بصورتِ دیگر علیحدہ کی جاوے۔ (۱۵) چونکہ جماعت کسی خاص گروہ کا نام نہیں چھوٹے بڑے، غریب امیر سب کا نام جماعت ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس انجمن میں غریب امیر کی کوئی تفریق نہ ہو بلکہ غریب اور امیر دونوں میں محبت اور مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی جاوے اور ایک دوسرے کی حقارت اور

اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا مادہ دلوں سے دُور کیا جاوے اور یہ رُوح پیدا کی جاوے کہ باوجود مدارج کے فرق کے اصل میں سب مرد بھائی بھائی اور سب عورتیں بہنیں بہنیں ہیں۔ (۱۶) اس امر کی ضرورت ہے کہ عملی طور پر خدمتِ ...... کے لئے اور اپنی غریب بہنوں اور بھائیوں کی مدد کے لئے بعض طریق تجویز کئے جائیں اور ان کے مطابق عمل کیا جاوے۔ (۱۷) اس امر کی ضرورت ہے کہ چونکہ سب مدد اور سب برکت اور سب کامیابیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں اس لئے دعا کی جاوے اور کروائی جاوے کہ ہمیں وہ مقاصد الہام ہوں جو ہماری پیدائش میں اس نے مدِّنظر رکھے ہیں اور ان مقاصد کے پورا کرنے کے لئے بہتر سے بہتر ذرائع پر اطلاع اور پھر ان ذرائع کے احسن سے احسن طور پر پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر کرے۔ آئندہ آنے والی نسلوں کی بھی اپنے فضل سے راہنمائی کرے اور اس کام کو اپنی مرضی کے مطابق ہمیشہ کے لئے جاری رکھے یہاں تک کہ اس دُنیا کی عمر تمام ہوجائے۔''

(رسالہ احمدی خاتون فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۴، ۵ والازھار لذوات الخمار۔ ایڈیشن دوم صفحہ ۵۷ تا ۶۰)

اس مضمون کے اختتام پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تحریر فرمایا کہ

''اگر آپ ان خیالات سے متفق ہیں اور ان کے مطابق اور موافق قواعد پر جو بعد میں انجمن میں پیش کر کے پاس کئے جاویں گے عمل کرنے کے لئے تیار ہوں تو مہربانی کر کے اس کاغذ پر دستخط کر دیں۔ بعد میں ان قواعد پر ہر ایک بہن سے علیحدہ علیحدہ دستخط لے کر اقرار و معاہدہ لئے جائیں گے۔''

یہ سکیم حضور نے ۱۵ر دسمبر کو مستورات کے سامنے پیش کی اور اس پر ۱۴ خواتین نے دستخط کئے جن کے نام درج ذیل ہیں:

ابتدائی چودہ ممبرات کے نام

۱- حضرت اُمّ محمود نصرت جہاں بیگم (وفات ۲۰ر اپریل ۱۹۵۲ء)

۲- حضرت (صاحبزادی نواب) مبارکہ بیگم (بنت حضرت مسیح موعود علیہ السلام و بیگم صاحبہ نواب محمد علی خاں صاحب)

۳- حضرت سیّدہ محمودہ بیگم حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (وفات ۳۱ر جولائی ۱۹۵۸ء)

۴- حضرت سیّدہ امۃ الحیٔ (بنت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل و حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) (وفات ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء)

۵- حضرت سیّدہ (اُمّ طاہر) مریم بیگم (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) (وفات ۵ر مارچ ۱۹۴۴)

۶- (عزیزہ) ماجدہ بیگم اہلیہ چودھری فتح محمد صاحب (ناظر تالیف واشاعت) (وفات ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۷ء)

۷- (جنابہ) صالحہ اہلیہ میر محمد اسحٰق صاحب (وفات ۸ر ستمبر ۱۹۵۳ء)

۸- (جنابہ) مریم اہلیہ حافظ روشن علی صاحب

۹- (عزیزہ) حمیدہ خاتون خورشید بنت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی (وفات ۵ر جولائی ۱۹۲۸ء)

۱۰- (عزیزہ) رضیہ بیگم اہلیہ مرزا گل محمد صاحب (وفات ۷ر دسمبر ۱۹۶۲ء)

۱۱- عزیزہ کلثوم بانو اہلیہ قاضی محمد عبداللہ صاحب (ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول)

۱۲- (جنابہ) میمونہ خاتون صوفیہ اہلیہ مولوی غلام محمد صاحب

۱۳- (عزیزہ) سائرہ خاتون اہلیہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے (افسر ڈاک) (وفات ۷ر جنوری ۱۹۸۳ء)

۱۴- عزیزہ بشریٰ بیگم بنت مکرمی ماسٹر شیخ عبدالرحمٰن صاحب (نومسلم) (وفات ۱۱ر ستمبر ۱۹۳۳ء)

(احمدی خاتون سلسلۃ الجدید جلد نمبر ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶)

جب ۱۴ ممبرات نے دستخط کر دیئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو اعلان فرمایا کہ سب عورتیں جو لجنہ کی ممبر بنی ہیں حضرت اماں جان کے گھر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ بعد نماز ظہر تمام ممبرات لجنہ کے سامنے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تقریر فرمائی اور اس طرح لجنہ اماء اللہ کی بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی اور اس سال کے جلسہ سالانہ کا انتظام لجنہ اماء اللہ کے سپرد فرمایا اور جلسہ کے انتظامات کے متعلق قیمتی مشورے دیئے۔ (الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۹)

حضرت سیدہ امۃ الحیٔ مرحومہ سیکرٹری لجنہ اماء اللہ نے اس پہلے اجلاس کی اپنے قلم سے حسب ذیل رپورٹ شائع کی۔

انجمن کے نام اور کام کے لئے ابتدائی جلسہ

مندرجہ بالا تحریک کے بعد حضرت اقدس نے ایک ابتدائی جلسہ خواتین مذکور (چودہ ممبرات) کا کیا جس میں ان کو مختصر ہدایات مستورات کے سالانہ جلسہ کے انتظام کے متعلق دیں اور انجمن کا نام تجویز فرمایا: (اس جلسہ میں جو تقریر آپ نے فرمائی اس کا خلاصہ سیکرٹری صاحبہ لجنہ نے حسب ذیل لکھ کر بھیجا ہے)۔

(رسالہ احمدی خاتون فروری ۱۹۲۳ء جلد نمبر ۱ سلسلۃ الجدید صفحہ ۶، ۷)

حضور نے فرمایا:

"قلّتِ وقت کی وجہ سے اس وقت انجمن کا نام لجنہ اماء اللہ تجویز کر کے ہم جلسہ کے متعلق مختصر ہدایات دیتے ہیں۔ دیگر امور کے متعلق پھر انشاء اللہ العزیز دیں گے۔ یہ لجنہ ایک کلب کی صورت میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ عورتیں جو ہم خیال ہوں مل کر کام کریں اور صرف وہ جو ایک

دوسرے کی رائے سے متفق ہوں وہی ممبر ہیں اور اگر بعد میں کسی کا خیال بدل جاوے اور ان قوانین پر جو کلب نے قائم کئے ہیں نہ چل سکے تو علیحدہ ہو جاوے۔

اوّل تو مشورہ کر کے کثرتِ رائے سے ایک امیر منتخب کرو۔ امیر میں یہ شرائط ہونی چاہئیں:

(۱) لوگوں سے قواعد کی پابندی کروائے۔ لوگوں کے اُوپر افسر ہو لیکن قانون کے ماتحت ہو۔

(۲) طبیعت غصہ والی نہ ہو لیکن افراد پر حکومت کر سکے۔ کام کرنے والی ہو صرف رُعب ہی رُعب نہ ہو۔ اپنے منشاء کو منوا سکے اور خود بھی ماننے والی ہو۔

(۳) پھر ایک ناموس ہونا چاہیئے یعنی سیکرٹری۔

تحریریں وغیرہ لکھنے کے لئے اور جلسوں کی اطلاع دینے کے لئے اور ایسے ہی بعض امور کے لئے اس کو کاتب اسرار بھی کہتے ہیں۔

فی الحال جلسہ کا انتظام درپیش ہے میرا منشاء یہ ہے کہ یہ کام آپ کی لجنہ کرے۔ اس کے لئے مختصر طور پر بتاتا ہوں کہ انتظام کس طرح ہو؟

(۱) گزشتہ سالوں میں جو نقائص ہوئے ہیں ان کو سوچو۔

(۲) لیکچرار کے آنے میں باقاعدگی ہوتی رہے۔

(۳) عورتیں مردوں کے وعظ میں دخل نہ دیا کریں۔

(۴) تقسیم عمل کرو۔ ایک ہی کام پر سب نہ لگ جاؤ۔ اَور بہنوں کو بھی بلالو اور ایک انتظام کے ماتحت ہو کر اور اتحاد سے مل کر کام کرو۔

(۵) منتظمہ سٹیج اور جلسہ گاہ ایک ہو۔

(۶) لڑائی جھگڑا جلسہ گاہ میں اگر ہو تو باقاعدہ سیکرٹری کی رپورٹ کرو۔

(۷) انتظام میں ہر طبقہ کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لوگ مختلف طبائع کے ہوتے ہیں۔ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو ہی حقدار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جو غلطی ہو جائے آپس میں منتظمین میں سے کسی سے ہو یا اَور دوسروں کی غلطیاں علیحدہ لے جا کر سمجھا دو۔

(۸) کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے تمہاری حکومت پائی جائے۔ رُعب، نرمی، حلم اور علم اور محبت کا ہوا کرتا ہے۔ سخت الفاظ بالکل استعمال نہ کرو۔

(۹) ایک پروگرام عارضی بناؤ جو کہ مرد لیکچرار کے علاوہ وقت میں کام آوے۔ کشتی نوح اور بعض چیدہ مضامین اچھی بلند آواز والی سُنانے کے لئے مقرر کرو۔ اس طرح نظم

پڑھنے کے لئے بھی۔

جہاں عورتیں زیادہ اُترتی ہیں جیسے کہ ہمارے ہاں اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے مکان پر اور بعض اور گھروں میں ان کے تعلقات کرواؤ۔ ان کے حالات دریافت کرو۔ جماعت وہاں کس قدر ہے اور تعلیم وغیرہ کس طرح بچیوں کو دی جاتی ہے اور اس طرح اپنی معلومات کو وسیع کرو۔

اس ہدایت کے بعد سب ممبروں نے مل کر مشورہ کیا اور جنابہ محمودہ بیگم اہلیہ اوّل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو امیر لجنہ اور جلسہ اور خاکسار امۃ الحیٔ کو سیکرٹری جلسہ تجویز کیا گیا اور صرف جلسہ کے متعلق چند انتظامی اُمور طے ہوئے۔ امۃ الحیٔ''

مکرمہ استانی سکینۃ النساء صاحبہ مرحومہ، استانی مریم صاحبہ اہلیہ حضرت حافظ روشن علی صاحب اور عزیزہ رضیہ صاحبہ مرحومہ کی روایت کے مطابق لجنہ اماء اللہ کا مذکورہ بالا پہلا اجلاس زیر صدارت حضرت ...... (اماں جان) منعقد ہوا تھا اور صدر لجنہ اماء اللہ کے انتخاب کے بعد حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدھا نے حضرت سیّدہ اُمِ ناصر احمد صاحبہ کا ہاتھ پکڑ کر کرسی صدارت پر بٹھا دیا تھا۔ حضرت سیّدہ اُمِ ناصر احمد صاحبہ کو یہ فخر اور خصوصیت حاصل ہے کہ آپ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۵۸ء تک سوائے دو سال کے جب آپ نے بیماری کی وجہ سے رخصت لی لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی صدر رہیں اور مستورات کی تربیت و تعلیم کی نگرانی فرماتی رہیں۔

صدر اور سیکرٹری کے علاوہ اُستانی میمونہ صاحبہ کے ذمہ چندہ کی وصولی کا کام کیا گیا اور امین (خزانچی) کا عہدہ استانی مریم صاحبہ کو دیا گیا۔

پہلی ذمہ داری - جلسہ سالانہ کے انتظامات

قیام لجنہ اماء اللہ کے بعد بحیثیت لجنہ اماء اللہ پہلی ذمہ داری لجنہ اماء اللہ کی ممبرات پر جلسہ سالانہ کے انتظامات کی ڈالی گئی جسے انہوں نے احسن طور پر نبھایا۔ ''الفضل'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال جلسہ گاہ کے انتظامات کے لئے مندرجہ ذیل کو مقرر کیا گیا تھا:

۱- حضرت سیّدہ مریم بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی	منتظمہ سٹیج و جلسہ سالانہ
۲- میمونہ خاتون صاحبہ اہلیہ حکیم غلام محمد صاحب	نائبہ
۳- ہاجرہ صاحبہ اہلیہ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر تعلیم و تربیت	منتظمہ خاموشی
۴- مریم بیگم صاحبہ اہلیہ حافظ روشن علی صاحب	منتظمہ خاموشی
۵- کلثوم بانو صاحبہ اہلیہ حضرت قاضی محمد عبد اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول	بچوں کو سنبھالنے کا انتظام

۶- حمیدہ خاتون صاحبہ بنت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی	بچوں کو سنبھالنے کا انتظام
۷- عزیزہ رضیہ صاحبہ اہلیہ مرزا گل محمد صاحب	انتظام بیعت
۸- بشریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ محمد حسن صاحب ایڈیٹر البشریٰ	انتظام بیعت
۹- عائشہ صاحبہ اہلیہ مولوی رحمت علی صاحب	منتظمہ آب رسانی

۱۹۲۲ء کے جلسہ کی کارروائی کی رپورٹ حضرت سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ کی طرف سے الفضل میں شائع ہوئی۔ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مستورات کا جلسہ حسب دستور ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر کو منعقد ہوا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے علاوہ حضرت حافظ جمال احمد صاحب، حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی اور حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی تقریریں ہوئیں۔عورتوں میں سے صرف حضرت سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ مرحومہ نے بحیثیت سیکرٹری لجنہ ایک مضمون انتظامی امور کے متعلق سنایا۔ (الفضل ۱۱رجنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اسلام سے قبل عورت کی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے اسلام کے ذریعہ عورت کی ترقی کو بیان فرمایا۔عورتوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ مرد اور عورت کا تعلق الگ الگ ہے۔چنانچہ فرمایا:

> ’’آج مَیں اسی بات پر بیان کروں گا کہ عورتیں اپنے ایمان کے متعلق یہ یاد رکھیں کہ ان کا تعلق خدا کے ساتھ علیحدہ ہے۔چنانچہ عورتیں بھی خدا کے ساتھ تعلق رکھ سکتی ہیں بشرطیکہ ان کا ایمان اپنا ایمان ہو، خاوندوں کا ایمان نہ ہو۔‘‘

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا:

> ’’یاد رکھو کہ کوئی دین ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ عورتیں ترقی نہ کریں۔پس ......کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی ترقی کرو۔عورتیں کمرہ کی چار دیواروں میں سے دو دیواریں ہیں۔اگر کمرہ کی دو دیواریں گر جائیں تو کیا اس کمرہ کی چھت ٹھہر سکتی ہے۔نہیں ہرگز نہیں۔پس عورتوں کو کئی اہمیتیں حاصل ہیں۔‘‘

بچوں کی تربیت کرنے اور ان کو دین سکھانے کی طرف خاص توجہ دلاتے ہوئے۔آپ نے فرمایا:

> ’’جب تک تم ترقی نہ کرو دین کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہماری ترقیاں ، ہماری قربانیاں زیادہ

سے زیادہ پچیس سال تک رہیں گی مگر اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو تو قیامت تک اس ترقی کو قائم رکھ سکتی ہو۔ کیونکہ آئندہ نسلوں کو سکھانے والی تم ہی ہو۔" (الفضل ۲۲ رجنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۵ تا ۷)

آپ کی تقریر کے یہ اقتباسات ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کو عورتوں کی تعلیم اور تربیت کا کتنا فکر تھا کہ عورتیں اپنے فرائض کا احساس کریں اور قومی ذمہ داریوں کو اٹھانے کے قابل بن سکیں۔ چنانچہ آپ کی پوری توجہ اس کام کی طرف رہی اور ہر قدم پر آپ نے عورتوں کی راہنمائی فرمائی۔

لجنہ اماء اللہ کا دوسرا اجلاس

۲۵ دسمبر کے اجلاس کے بعد ۲۹ رجنوری ۱۹۲۳ء کو لجنہ اماء اللہ کے دوسرے اجلاس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے پھر قیام لجنہ کے مقاصد بیان فرمائے اور کاموں کے لئے ہدایات دیں۔ یہ تقریر بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے:

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر کا خلاصہ حضرت سیّدہ امۃ الحیٔ صاحبہ کے قلم سے

حضور نے یہ تقریر بروز پیر ۲۹ رجنوری ۱۹۲۳ء بعد نماز ظہر لجنہ اماء اللہ کے دوسرے اجلاس میں فرمائی۔
یہ تقریر اس مضمون کے متعلق بعض کی تشریح ہے جس پر دستخط کروائے گئے ہیں:

"کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کو ایک دفعہ ہی انسان سیکھ جائے۔ صرف کسی کام کو دیکھ کر یا ایک بار سُن کر وہ کام نہیں آجاتا بلکہ بار بار کے استعمال سے آتا ہے۔ اس لئے یہ مت خیال کرو کہ اس لجنہ کا کام تم ایک دن میں، چند ہفتوں میں سمجھ سکو گی۔ آہستہ آہستہ سمجھ آوے گا۔ ابھی تو تم کو یہ کام ایک معمولی کام معلوم ہوتا ہے لیکن انشاء اللہ بعد میں اس کی حقیقت کھلے گی۔

اِس کلب کے تین موٹے موٹے اغراض فی الحال تم کو بتاتا ہوں۔

۱- آپس میں مل کر علم سیکھنا

۲- دوسروں کو سکھانا

۳- بچوں کی اصلاح کی طرف خاص توجہ

پس اِس لجنہ کا کام ان اغراض کو پورا کرنے کے ذرائع سوچنے اور بعد مشورہ ان پر کام کرنا ہے۔

باہم مل کر کام کرنے سے علم بہت ترقی کرتا ہے۔ جب ایک مجلس بیٹھتی ہے تو کئی نئی نئی باتیں ذہن میں آتی ہیں۔ باہم مل کر کام کرنے سے حوصلے بہت بڑھ جاتے ہیں۔ جب حلقہ وسیع ہوجاتا

ہے تو کئی مل کر جب ایک انتظام کے ماتحت کسی کام کو کرتے ہیں تو وہ کام زیادہ عمدگی سے اور جلدی ہوسکتا ہے۔ باہم ملنا بھی ایک انتظام چاہتا ہے اور انہی کا نام انجمن ہے۔ اسلامی طریق یہی ہے کہ پہلے قاعدہ بنے اور پھر کام ہو۔

ترقی سلسلہ احمدیہ کے اصولوں پر ہو۔ کوئی دُنیاوی ترقی مقصود نہیں جب تک مرد و عورت مل کر کام نہیں کریں گے کوئی کام نہیں ہوسکے گا۔ عورتوں کا فرض آئندہ نسل کی تربیت ہے اور یہی اصول ہے جو حقیقی ہے۔

علم کو استعمال کرنے کے لئے مضمون لکھو۔ مضمون لکھنے سے نئے نئے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اس طرح علم وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس طریق کو ضرور استعمال کرو۔ اکثر باتیں تم کو معلوم نہیں ہیں اس لئے دوسروں سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے مَیں نے تجویز کیا ہے کہ تم سب کی موجودگی میں واقف لوگوں سے اور عالموں سے لیکچر کروایا کروں گا۔ انشاء اللہ۔ ان لیکچروں کو صرف ممبران لجنہ سُنیں گی۔

وحدت ترقی سلسلہ کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مسلمان اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ذلیل ہورہے ہیں۔ تفرقہ کا موقع ہی نہیں آنے دینا چاہئے۔

عورتیں اتحاد کے لئے قربانی نہیں کرسکتیں۔ قومی قربانیوں کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ جنگِ اُحد میں جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بھی اور بعض صحابہ کی رائے شہر کے اندر جنگ کی تھی لیکن وہ جوشیلے جوان جو جنگِ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے باہر کھلے میدان میں جنگ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی رائے کو ان کی رائے پر قربان کیا۔ اگر کسی بات میں اجماع ہو جاوے اور بعد میں اس میں کوئی نقصان ہی ہو تو اس کا اظہار کرنا اور پھر بار بار اس کو دُہرانا کہ ہماری رائے مانتے یا یہ رائے مانتے تو ایسا نہ ہوتا یہ نفاق ہے۔ پھر یہ کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کرو۔ انجمنیں تو سالہا سال تک چلتی ہیں اس لئے خلیفہ کی اطاعت چاہئے۔ جو بھی خلیفہ ہو۔ خلیفہ کے لئے کسی خاندان کسی دائرہ کی شرط کی ضرورت نہیں جس کو خدا بنادے۔

اخلاق اور روحانیت کی بھی بڑی ضرورت ہے۔ چوری، قتل وغیرہ یہ تو کبھی کبھی حالات کے ماتحت پیش آنے والے گناہ ہیں لیکن اخلاقی گناہ ہر ایک سے اور ہر وقت عموماً صادر ہوتے رہتے ہیں اس لئے اس طرف خصوصاً توجہ کرو۔ ایک دوسرے کی بات سُن کر برداشت کی عادت ڈالو۔ اگر کوئی عیب بتادے تو چڑو نہیں عیب بتانے والے کے مشکور و ممنون ہو۔ اگر تمہارے کپڑے میں

نجاست لگی ہو اور تمہیں بتا دے تو تم اس کی مشکور ہوگی۔ اور اس طرح بد اخلاقی وغیرہ بھی نجاست ہے۔ اگر یہ نقص تم کو کوئی بتا دے تو اس کا شکریہ ادا کرو۔ بتانے والے کو چاہئے مجلس میں اور کسی کے سامنے ہرگز کوئی نقص نہ بتا دے بلکہ علیحدہ بات بتا دے۔ اب یہ معلوم کرنے کی ضرورت پڑی کہ اخلاق کیا ہے۔ عموماً یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اخلاق کون کون سے ہیں۔ ان کو سیکھنے کی کوشش کرو اور ان پر بھی لیکچر کروا کر سنو۔

بچوں کو بزدل مت بناؤ۔ غرباء کی خدمت کے عادی کرو۔ ایک دوسرے سے چشم پوشی کرو۔ ناراضگی اور خفگی سے کبھی کام نہیں چلے گا۔ محبت و پیار سے ہر کام کرو۔ لوگوں کی ہنسی کی پرواہ مت کرو اور اپنا کام کئے جاؤ۔ بعض طبائع مایوس ہوتی ہیں وہ کہتی ہیں جی کیا ہے کچھ بھی نہیں دو تین دن کا جوش ہے باتیں ہی باتیں ہیں ان لوگوں کی کبھی پرواہ مت کرو بلکہ ان کی اصلاح میں کوشاں رہو۔ یہ کام مشکل ہے اور اس لئے مل کر کرنے والا ہے۔ اگر آسان ہوتا تو ایک شخص ہی نہ کر لیتا اور انجمن بنانے کی کیا ضرورت پڑتی۔

اپنی ہم خیال عورتیں بنانے کی کوشش کرو اور جب وہ بالکل تمہاری رائے سے متفق ہو جاویں تو پھر باقاعدہ سب کے سامنے اس کا نام پیش کر کے بعد مشورہ اس کو شامل کر لیا جاوے۔

قومی ترقی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ امیر و غریب کے درمیان فاصلہ نہ بنایا جائے۔ مساوات قائم کرنے کی کوشش کرو۔ غریب و امیر کا فرق اُٹھا دینا چاہئے خواہ کوئی اپنے میلے کپڑوں کی وجہ سے زمین پر بیٹھنا پسند کرے اور ایک عمدہ لباس والی اپنے لباس کے لئے فرش پر بیٹھنا ضروری سمجھے مگر تمہارے دلوں میں دونوں کی محبت اور عزت برابر ہو۔ تم دونوں کو اپنی بہن سمجھو۔ عملی طور پر خدمتِ ..... کرو۔ مل کر اور علیحدہ دعائیں کرو۔ مل کر دُعا کرنے میں بڑے فوائد ہیں افسوس ہے کہ اس ضروری بات کو یعنی مل کر کام کرنے کو مسلمان ضروری نہیں سمجھتے۔ عیسائیوں میں یہ ابھی تک رائج ہے اور عموماً مل کر دُعا کرتے ہیں۔

ایسوسی ایٹڈ کلب یعنی لجنات متحدہ اپنے فوائد کے ماتحت باہر بھی خط و کتابت کرو۔ خطوں اور اخباروں کے ذریعہ باہر بھی کلب بنائے جائیں۔

میرے مضمون کو باہر بھجواؤ اور جو جوان ضرورتوں کو تسلیم کریں ان کے دستخط کرواور پوری مدد دینے اور اپنے کام کو چستی سے کرنے کا اقرار لے کر دستخط ہوں۔ ایک شہر کی ممبر جب دوسرے شہر میں اور قادیان میں بھی آوے تو وہ اس جگہ کی مدتِ قیام تک ممبر سمجھی جائے گی۔ اس کو اپنے آنے

اور مدت قیام کی اطلاع آتے ہی سیکرٹری کو دینی ہوگی۔ اس کی موجودگی میں اگر کوئی جلسہ وغیرہ ہو تو اس کو بھی وقت پر بلانا سیکرٹری کا فرض ہوگا۔ یہاں مرکز میں جو کارروائی ہو اور جو مضمون علمی پڑھے اور سُنائے جاویں غرض تمام رپورٹ باہر کی سب کلبوں میں بھیجنی بھی ضروری ہوگی۔ پہلے تم اس مضمون کی نقل جس پر تمہارے دستخط ہوئے ہیں اس کی نقلیں بھیج کر دستخط کرواؤ۔ جب کلب قائم ہو جاوے تو پھر باقاعدہ رپورٹ وہاں جایا کرے اور یہ بھی مشورہ کر کے بتاؤ کہ تم کو کن مضمونوں کے سُننے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مضمون ہر عورت سوچ کر سیکرٹری کو اطلاع دیوے اور پھر وہ ان کی ایک فہرست مجھے دیوے اس پر پیر کے روز ہر مضمون کو اس کے عالم سے سنوایا جایا کرے گا۔

ان علمی تقریروں کی نقل بھی باہر کے کلبوں میں بھیجنی ہوگی۔ آپس میں ہر ہفتہ اپنے بنائے ہوئے مضمون پڑھ کر سُناؤ۔ اعتراض کسی کی تقریر یا مضمون پر کوئی نہ کرے۔ ہاں یہ ہو کہ کسی مضمون کے متعلق معلومات ایک کی کم تھیں اور دوسری کی زیادہ تو جو زائد باتیں اس کے مضمون میں ہوں وہ سُنا دے۔ اعتراض اور تمسخر ہرگز نہ ہو۔ مردمقرر صرف ممبروں میں تقریر کریں گے تاکہ دوسروں کو شاملِ کلب ہونے کی تحریک ہو۔ غرباء کی ہمدردی بھی ایک ضروری بات ہے۔ اس کے دو طریق بہت عمدہ ہیں۔ بیوہ اور غریب عورتوں کی دعوت لجنہ کی طرف سے ہوا کرے اور اپنے ہاتھوں سے سب کام کریں اور ان کے ہمراہ بیٹھ کر کھاویں تاکہ ان کے دل پر محبت کا اثر ہو۔ اس طرح تکبر کے کیڑے کو نکال دو۔ یتیم بچوں کو ٹی پارٹیاں دی جاویں۔ وہ محبت کے طالب ہوتے ہیں۔ ان سے محبت و شفقت کا سلوک کیا جاوے۔ اس طرح سے مایوسی اور بد اخلاقی دُور ہو جاوے گی۔ انشاء اللہ۔''

لجنہ کا ایک تمدنی جلسہ

مندرجہ بالا تقریر کے اگلے روز یکم فروری ۱۹۲۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم سے لجنہ کا ایک تمدنی جلسہ ہوا۔ چنانچہ حضور نے اسی روز بعد نماز عصر جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب ایڈیٹر الحکم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آج لجنہ کا ایک تمدنی جلسہ مَیں نے کر دیا ہے اس میں بیوہ عورتوں کو دعوت دی گئی ہے اور لجنہ کی ممبروں ہی نے سب کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے کسی نے کھانا پکایا اور کسی نے ہاتھ دھلائے۔

پھر سب نے باہم مل کر کھانا کھایا۔

میری غرض اس سے یہ ہے کہ ان میں باہم محبت اور ارتباط پیدا ہو اور اس طرح پر اخلاق میں ترقی ہو۔ اس قسم کے تمدنی جلسوں سے مفاخرت کا خیال جاتا رہتا ہے۔ مساوات اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ ایسا ہی اب میرا ارادہ ہے کہ ایک جلسہ لجنہ کی ممبروں سے یتامیٰ کی دعوت کرائیں ...... یتامیٰ کے اندر جو جذبات محبت اور پیار کے ہوتے ہیں وہ دب جاتے ہیں کیونکہ والدین کا سایہ سر پر نہیں ہوتا وہ کس سے محبت کا اظہار کریں۔ اس لئے اس طریق پر جب یہ بیبیاں ان بچوں کو اپنے پاس بٹھا کر ان سے محبت اور پیار کا برتاؤ کریں گی اور ان کو بہلائیں گی تو وہ دبے ہوئے جذبات پھر زندہ ہو جائیں گے اور اس سے ان کی اخلاقی قوتوں پر بھی ایک اثر پڑے گا۔ ان کی تعلیم و تربیت اس طریق پر ہوگی۔''

مکرمہ اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ لجنہ اماء اللہ کے قیام کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریک پر سب سے پہلا کام لجنہ اماء اللہ کی طرف سے بیوگان اور یتامیٰ کی دعوتوں کا سلسلہ تھا۔ سب ممبرات مل کر ایک ہی دستر خوان پر ان کے ساتھ کھانا کھاتیں۔ پھر حضور نے فرمایا کہ عید کے موقع پر ممبرات اپنے ہاتھ سے یتیم بچوں کو کپڑے سی کر پہنائیں اور چھوٹے بچوں کو کھلونے خرید کر اپنے ہاتھ سے دیں تا ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ سو اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے بھی دوسری ممبرات کے ساتھ مل کر کپڑے سئے اور کھلونے خریدنے میں حصہ لیا۔

۱۹۲۳ء مجلس مشاورت میں ذکر

۱۹۲۳ء کی مجلس مشاورت میں عورتوں میں تعلیم کو فروغ دینے اور تربیت کے مدِّ نظر یہ سوال اُٹھایا گیا کہ ہر شہر میں عورتوں کی انجمنیں قائم کی جائیں اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے لجنہ اماء اللہ کے قیام کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''سوال یہ ہے کہ عورتوں کی انجمنیں بنائی جائیں۔ اس قسم کی ہم مذاق عورتیں جمع ہوں اور وہ دین کی خدمت اور دین کی معلومات پر غور کریں۔ پہلے بعض انجمنیں بنائی گئیں وہ ٹوٹ گئیں پھر اب لجنہ اماء اللہ (اللہ کی لونڈیوں کی انجمن) کے نام سے ایک انجمن یہاں بنائی گئی ہے۔ مَیں نے اس کی تحریک رسالہ احمدی خاتون میں جس کا مَیں نے اب نام ''تادیب النساء'' رکھ دیا ہے شائع کرادی۔ اس میں غلطی سے یہ میری طرف منسوب کر دی گئی۔ دراصل یہ میری منجھلی بیوی کی طرف سے ہے جو حضرت خلیفہ اوّل کی لڑکی ہیں۔ اس میں عورتوں کے لئے آسانی ہے اور پہلے اسے عام نہیں کیا گیا۔''

اس کے بعد حضور نے رسالہ تادیب النساء سے لجنہ اماء اللہ کے قواعد پڑھ کر سُنائے۔ پھر فرمایا:

''لجنہ اماء اللہ کی ممبر عورتوں کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ غریبوں کی مدد کریں خود لیکچر دیں۔ عام مضامین لکھے جائیں۔ مَیں نے لجنہ اماء اللہ کے ہفتہ وار جلسوں میں علوم کی فہرست اور اُن کی مختلف کیفیت بتائی ہے کہ اس وقت دُنیا میں اتنے علوم کام کر رہے ہیں اور یہ بات انہی پر چھوڑ دی کہ وہ ان علوم میں سے جو علوم چاہیں ہم اس کے ماہر سے ان کے لئے لیکچر دلوائیں گے تا کہ ان کی معلومات اور علم و عمل میں بہتری اور ترقی ہو۔ اس میں یہ بھی رکھا ہے کہ اس کی ممبر مستورات خواہ وہ امیر ہوں یا غریب مل کر کھائیں اور پھر یتامیٰ اور غرباء کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلائیں اور ان کی خدمت کریں۔ یتیم بچے جو کسی جماعت کا اچھا حصہ بن سکتے ہیں جب وہ ہر طرف سے سختی اور بے مہری دیکھتے ہیں تو ان کے دل سے محبت اور نرمی غائب ہو جاتی ہے۔ پس جب وہ ان کو بلائیں گی، ان کی خدمت کریں گی اور ان سے حُسنِ سلوک سے کام لیں گی تو اُن میں بھی اچھے احساسات پیدا ہوں گے اور اُن کی آئندہ زندگی درست ہو جائے گی۔ دل پر اثر ڈالنے والی اس قدر تقریر نہیں ہو سکتی جس قدر حُسنِ سلوک ہو سکتا ہے۔ جب اُن سے عمدہ اور نرمی کا سلوک ہوگا تو وہ جماعت کا معزز اور بہترین رُکن بن جائیں گے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۷، ۱۸)

لجنہ کی سب سے پہلی شاندار قربانی - چندہ بیت برلن

قیام لجنہ اماء اللہ کے بعد سب سے پہلی مالی تحریک جو حضور کی طرف سے خواتین جماعتِ احمدیہ کے لئے کی گئی وہ بیت برلن کی تحریک تھی۔ یعنی احمدی عورتیں اپنے چندہ سے برلن (جرمنی) میں ایک بیت بنوائیں۔ احمدی عورتوں نے اس بیت کی تعمیر کے لئے بے مثال قربانی دی۔

جرمنی میں بیت کی تعمیر کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایک عرصہ سے کوشش فرما رہے تھے۔ چنانچہ اس غرض سے ستمبر ۱۹۲۲ء میں مولوی مبارک علی صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے لندن سے برلن بھجوا دیا جہاں انہوں نے بیت کے لئے زمین حاصل کی۔ اس پر حضور نے ۲؍ فروری ۱۹۲۳ء کے خطبہ جمعہ میں اعلان فرمایا:

''مَیں نے سوچنے اور غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ جرمنی میں جو...... بننے والی ہے وہ عورتوں کے چندہ سے بنے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سی عورتوں کی ذاتی جائداد نہیں ہو گی لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عورتوں کی مالی بنیاد زیورات پر ہوتی ہے...... عورتیں اپنے

زیورات وغیرہ سے چندہ دے سکتی ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کے پاس زیادہ ہو اور کسی کے پاس تھوڑا ہو۔ خدا کے حضور تھوڑے، بہت کا سوال نہیں اس کے حضور تو اخلاص کا سوال ہے۔''

پھر حضور نے فرمایا:

''پس میرا یہ منشاء ہے کہ جرمنی میں ......عورتوں کے چندہ سے بنے کیونکہ یورپ میں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم میں عورت جانوروں کی طرح سمجھی جاتی ہے۔ جب یورپ کو یہ معلوم ہوگا کہ اس وقت اس شہر میں جو دنیا کا مرکز بن رہا ہے۔ اس میں ......عورتوں نے جرمنی کے نو...... بھائیوں کے لئے ......تیار کروائی ہے تو یورپ کے لوگ اپنے اس خیال کی وجہ سے جو......عورتوں کے متعلق ہے کس قدر شرمندہ اور حیران ہوں گے اور جب وہ ...... کے پاس سے گزریں گے تو ان پر ایک موت طاری ہوگی اور ......آواز بلند ہر وقت پکارے گی کہ پادری جھوٹ بولتے ہیں جو کہتے ہیں کہ عورت کی ......میں کچھ حیثیت نہیں ......پانچ ہزار کی زمین اور ۲۵ ہزار عمارت پر خرچ آئے گا۔''

اس خطبہ میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ

''پہلے لندن والی ...... میں عورتوں کا دس ہزار چندہ تھا ...... اب عورتیں ۵ ہزار روپیہ...... احمدیہ برلن کے لئے تین ماہ کے اندر دے دیں۔''

حضور نے یہ بھی فرمایا کہ

''یہ کام مَیں نے اس انجمن کے سپرد کیا ہے جس کا نام مَیں نے لجنہ اماء اللہ رکھا ہے۔''

(الفضل ۸؍فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۵،۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نہ صرف خطبہ کے ذریعہ ہی اعلان فرمایا بلکہ ۴؍فروری کو ایک جلسہ عورتوں کا خاص اس غرض کے لئے حضور کے ارشاد کے مطابق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کے صحن میں منعقد ہوا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مستورات سے خطاب فرماتے ہوئے اس بیت کی تحریک کی اور دُنیا کے نقشہ پر ملک جرمنی کی وضاحت بھی فرمائی تا عورتوں میں دلچسپی پیدا ہو۔ حضور نے فرمایا:

''جیسا کہ ہماری بہنوں کو معلوم ہو گیا ہوگا مَیں نے اس جگہ تمام مستورات کو جمع کیا ہے کہ ......برلن کے لئے چندہ کی تحریک کی جائے۔''

حضور نے جرمنی کے جنگ کے بعد کے حالات پر تبصرہ فرماتے ہوئے دین کی ترقی اور پھر ایک ایک کر کے...... کے ہاتھ سے ملکوں کے نکل جانے کا دردناک نقشہ کھینچا اور فرمایا:

''اب خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ ساری دُنیا میں ......پھیلا دے اور خدا نے میرے دل میں

تحریک پیدا کی ہے کہ...... کے لئے بہت کچھ کوشش کروں ...... اس لئے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ احمدی جماعت کی مستورات ہی ...... برلن کا چندہ دیں تا کہ وہاں ...... بنوا کر اس پر موٹے حروف سے احمدی مستورات کا نام لکھا جائے۔‘‘

آپ نے قادیان کی عورتوں کو خصوصاً مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

’’قادیان کی غریب عورتیں اگر اپنا دینی جوش اور ہمت دکھلا دیں گی تو باہر والیوں کو اس سے تحریک ہوگی اور اگر تم نے سستی اور کم ہمتی دکھلائی تو باہر بھی اثر بہت کم ہوگا۔‘‘

(الفضل ۸ ؍فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۸)

حضور کی تقریر کے بعد اسی دن ساڑھے آٹھ ہزار روپے چندہ نقد اور وعدوں کی صورت میں احمدی خواتین قادیان کی طرف سے جمع ہو گیا۔

اس کے چند دن بعد حضور نے اپنے قلم سے ایک مضمون تحریر فرمایا جو الفضل میں ۱۵ ؍فروری ۱۹۲۳ء اور الحکم میں ۲۱ ؍فروری ۱۹۲۳ء کو شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا ’’تحریک برائے چندہ ...... برلن‘‘

حضور نے اس میں ملک جرمنی میں ...... کا مرکز احمدیت قائم کرنے اور اس غرض سے ...... بنانے کی اہمیت کو واضح فرماتے ہوئے قادیان اور قادیان سے باہر کی مستورات کو چندہ کی تحریک کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

’’اگر اس کام کو صرف عورتیں ہی مل کر پورا کریں تو یہ سلسلہ کی بہترین خدمات میں سے ایک خدمت شمار ہوگی اور آئندہ آنے والی نسلیں ہماری عورتوں کی سعی اور ان کی ہمت کو دیکھ کر اپنے ایمانوں کو تازہ کریں گی اور ان کے دلوں سے بے اختیار ان کے لئے دعا نکلے گی جو ہمیشہ کے لئے موت کے بعد کی زندگی میں ان کے درجوں کی ترقی کا موجب ہوتی رہے گی۔‘‘

(الفضل ۱۵ ؍فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲۔ الحکم ۲۱ ؍فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۶)

قادیان کی مستورات کی مالی قربانی

حضور نے مستورات قادیان کی قربانی کو سراہتے ہوئے فرمایا:

’’قادیان کی عورتوں کا چندہ پہلے ہی جلسہ میں ساڑھے آٹھ ہزار تک پہنچ گیا ہے اور ابھی بڑھ رہا ہے اور غالباً کچھ تعجب نہیں کہ دس ہزار تک پہنچ جائے۔ جس اخلاص اور جوش سے انہوں نے چندہ دیا ہے اس کا اندازہ غریب عورتوں کے چندہ سے کیا جا سکتا ہے جن کی آمد کا کوئی ذریعہ نہیں۔‘‘

پھر آپ نے ان نادار مگر مخلص اور غنی دل رکھنے والی بہنوں کی قربانیوں کو تفصیل سے بیان فرمایا۔

''ایک پٹھان عورت جو نہایت مسکین ہے اور جو اپنے ملک کے بھیڑیوں کی سی طبیعت رکھنے والے مولویوں کے مظالم سے تنگ آ کر قادیان ہجرت کر آئی ہے اور جو بوجہ ضعف کے سونٹا لے کر بمشکل چل سکتی ہے اس نے دو روپے چندہ دیا۔ ایک اور پٹھان عورت جو نہایت ضعیف ہے اور چلتے وقت بالکل پاس پاس قدم رکھ کر چلتی ہے میرے پاس آئی اور اس نے دو روپے میرے ہاتھ پر رکھ دیئے ...... اس کی زبان پشتو ہے اور وہ اُردو کے چند الفاظ ہی بول سکتی ہے۔ اپنی ٹوٹی ہوئی زبان میں اپنے ایک ایک کپڑے کو ہاتھ لگا کر کہنا شروع کیا یہ دوپٹہ دفتر کا ہے۔ یہ پاجامہ دفتر کا ہے۔ یہ جوتی دفتر کا ہے۔ میرا قرآن بھی دفتر کا ہے یعنی میرے پاس کچھ نہیں۔ میری ہر ایک چیز بیت المال سے مجھے ملی ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ ایک طرف تو میرے دل پر نشتر کا کام کر رہا تھا دوسری طرف میرا دل اس محسن کے احسان کو یاد کر کے جس نے ایک مُردہ قوم میں سے ایسی زندہ اور سرسبز رُوحیں پیدا کر دیں شکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہو رہا تھا اور میرے اندر سے یہ آواز آ رہی تھی خدایا! تیرا یہ مسیح کس شان کا تھا جس نے ان پٹھانوں کی جو دوسروں کا مال لوٹ لیا کرتے تھے اس طرح کایا پلٹ دی کہ وہ تیرے دین کے لئے اپنے ملک اور اپنے عزیز اور اپنے مال قربان کر دینے کو ایک نعمت سمجھتے ہیں۔''

حضور کی زبان مبارک سے خواتین کی قربانیوں کا تذکرہ

ان دنوں کے اخباروں کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ کس طرح تھوڑے تھوڑے دنوں کے وقفہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کبھی خطبہ کے ذریعہ، کبھی عورتوں کے جلسوں میں تقاریر کے ذریعہ، کبھی اخباروں میں مضامین کے ذریعہ عورتوں میں وہ قربانی کی رُوح، دین کی خاطر محبت کا جذبہ اور قربانی کی لگن پیدا کی جس کے نتیجہ میں نہ صرف ایک بیت الذکر بلکہ تین بیوت کے بنانے کی ان کو توفیق ملی اور اس کے علاوہ ہر بیت جو تعمیر کی گئی اس میں بھی عورتوں کے چندوں کا خاصا حصہ تھا۔

۲/ مارچ ۱۹۲۳ء کا حضور کا خطبہ جمعہ بھی اسی مضمون پر ہی مشتمل تھا۔ آپ نے فرمایا:

''درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے ...... برلن میں ...... کے متعلق جو تحریک کی گئی ہے اس میں دیکھا گیا ہے کہ عورتوں نے اپنے اخلاص کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے جو کسی اور جگہ ہرگز نہیں مل سکتا۔ اس وقت تک ۲۵ ہزار کے وعدے ہو چکے ہیں ...... مَیں نے اس ...... کی تحریک کے لئے

یہ شرط رکھی تھی کہ احمدی عورتوں کی طرف سے یہ...... ہوگی جو ان کی طرف سے تو...... بھائیوں کو بطور ہدیہ پیش کی جائے گی۔ اب بجائے اس کے کہ وہ عورتیں جنہیں کمزور کہا جاتا ہے اس تحریک کو سن کر پیچھے ہٹیں عجیب نظارہ نظر آیا اور وہ یہ کہ اس تحریک پر اس وقت تک گیارہ عورتیں احمدیت میں داخل ہو چکی ہیں تا کہ وہ بھی اس چندہ میں شامل ہو سکیں...... مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ عورتیں پہلے ہی احمدی تھیں۔ کوئی اس لئے مذہب نہیں بدلا کرتا کہ چندہ دے۔ وہ پہلے احمدی تھیں مگر ان میں احمدیت کے اظہار کی جرأت نہ تھی اب انہوں نے دیکھا کہ اگر اب بھی جرأت نہ کی تو اس ثواب سے محروم رہ جائیں گی گویا اس طرح اس تحریک نے گیارہ رُوحوں کو ہلاکت سے بچا لیا اور یہ پہلا پھل ہے جو اس تحریک سے ہم نے چکھا ہے۔''

۲۱ر جون ۱۹۲۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رحمہ اللہ نے الفضل کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے جس نے ہماری جماعت کی خواتین کو ایسی توفیق عطا فرمائی کہ ۲۰ر مئی سے پہلے پہلے جو آخری تاریخ چندہ کی تھی، ان کا چندہ مطلوبہ رقم سے بڑھ گیا یعنی اس تاریخ تک پچپن ہزار تک کی رقوم کے وعدے ہو چکے تھے جن میں سے اڑتالیس ہزار روپیہ تک وصول بھی ہو چکا تھا۔'' (الفضل ۲۱ر جون ۱۹۲۳ء صفحہ ۱)

صحیح اعداد و شمار ناظر بیت المال خان صاحب مولوی فرزند علی خان صاحب مرحوم کے بیان کے مطابق جو آپ نے اپنے ایک مضمون میں لکھے ہیں وہ بیت برلن کے لئے ۶۱۷۲۷ روپے تھے جس کا اندازہ اگر آج کے روپیہ کے اندازہ سے کیا جائے تو لاکھوں روپے سے بھی زائد بنتا ہے۔ کیا ہی عظیم الشان ایثار و قربانی کا نمونہ ہماری ماؤں نے دکھایا جو آئندہ نسلوں کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک نمونہ ہوگا اور جس پر ان خواتین کی نسلیں اور ساری جماعت ہی فخر کریں گی۔ ان کی قربانیاں بھی (کو برلن میں بیت بننے میں رکاوٹیں پڑتی گئیں اور اُس وقت وہاں بیت تعمیر نہ ہو سکی) پھل لائے بغیر نہ رہیں۔ اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے خلافتِ خامسہ میں برلن میں بیت خدیجہ بن گئی ہے۔

بیت برلن کے چندہ کے عوض بیت لندن عورتوں کے نام سے منسوب کئے جانے کا فیصلہ

جلسہ سالانہ ۱۹۲۶ء کے موقع پر ۲۷ر دسمبر کو تقریر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:

''...... لندن کے متعلق پانچ سال ہوئے مَیں نے تحریک کی تھی۔...... برلن کا چندہ بھی اس میں شامل کیا گیا۔ اَب مَیں عورتوں میں تحریک کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ یا تو وہ مسجد لندن اپنے اس روپیہ کے معاوضہ میں لے لیں اور یا اپنا روپیہ بطور قرضہ ہمارے پاس رہنے دیں تا ہم اسے

سلسلہ کی اور ضروریات کے لئے کام میں لے آئیں۔ ان دو باتوں میں سے جو بات وہ پسند کریں اس کے لئے ہم تیار ہوں۔'' (الفضل ۱۴ ؍جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۳)

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے الفضل میں ایک نوٹ کے ذریعہ جس کا عنوان تھا ''جماعتِ احمدیہ کی خواتین توجہ کریں'' عورتوں کو ارشاد فرمایا کہ:

''مَیں اس سے پہلے اعلان کر چکا ہوں کہ چونکہ برلن میں روپیہ کی کمی کی وجہ سے...... بنی ناممکن ہو گئی تھی اس لئے لندن میں عورتوں کے چندہ سے...... بنا دی گئی ہے اور مَیں نے عورتوں سے دریافت کیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو اسی مسجد کو ان کی طرف منسوب سمجھا جائے اور اگر چاہیں تو مرد اس کی قیمت ان کو ادا کر دیں گے اور ان کی...... کسی اور ملک میں بنوا دی جائے گی۔ چونکہ اس کا جواب عورتوں کی طرف سے نہیں ملا اس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت کی خواتین اس امر پر راضی ہیں کہ لندن کی...... جو اب ایک عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہے ان کی طرف منسوب کر دی جائے اور میرے خیال میں لندن کی عظمت کو مدِّنظر رکھ کر مناسب بھی یہی ہے کہ اس مسیحیت کے مرکز میں عورتوں کی بنائی ہوئی...... ہو تا کہ مسیحیت جو اعتراض کرتی ہے کہ...... عورتوں کے حقوق کو پامال کرتا ہے ایک عملی جواب ہو۔'' (الفضل ۲۳ ؍اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)

اس طرح بفضل تعالیٰ جو کام بیت الذکر برلن کے لئے تحریک کے ساتھ شروع ہوا تھا وہ بیت الذکر لندن کی شکل میں اختتام پذیر ہوا جو سارے یورپ و انگلستان میں پہلی بیت الذکر تھی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے احمدی خواتین کی قربانیوں کی تصویری داستان ہے۔ جہاں اس بیت الذکر کے ذریعہ دینِ حق کا پیغام پہنچے گا وہ ساتھ ہی اس زمانہ کی خواتین کی قربانیوں کی داستان بھی دُہرائے گا اور ہر طرف سے ان پر سلامتی کی بارش ہوگی۔

(یہ مضمون تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد اوّل مرتبہ حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ کی تلخیص پر مشتمل ہے۔)

حضرت مصلح موعود ...... کا ایک گراں بار احسان عظیم

مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام

(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب)

قیام کا پس منظر

۱۹۳۷ء کا سال جماعت احمدیہ کی تاریخ کا ایک اہم سال ہے کیونکہ اس سال میں ایک طرف تو حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انفاس قدسیہ سے برکت لے کر تربیت پانے والے وہ رفقاء جو افقِ علم کے درخشندہ ستارے تھے۔ایک ایک کر کے اس عالمِ فانی سے الوداع ہو رہے تھے اور دوسری طرف مخالفِ احمدیت تحریکیں جو احراری شورش کے زمانہ میں بری طرح ناکام و نامراد اور پسپا ہو چکی تھیں ۔۱۹۳۷ء میں دوبارہ پوری قوت وطاقت کے ساتھ جمع ہو گئیں اور انہوں نے قادیان میں ایک اندرونی فتنہ (فتنہ عزل خلافت جس کے بانی شیخ عبدالرحمن مصری تھے) کھڑا کر کے براہ راست سلسلہ احمدیہ کے نظامِ خلافت پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک بہت بڑا دورِ ابتلاء تھا جس میں ۱۹۱۴ء، ۱۹۲۷ء اور ۳۵-۱۹۳۴ء میں اُٹھنے والے سب فتنے متحد ہو کر ایک نئی شکل میں جماعت احمدیہ کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے تھے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ نے ان مہیب اور خطرناک ایام کے خوفناک نتائج کو اپنی خدا داد روحانی فراست سے بھانپا اور اللہ تعالیٰ کی مشیتِ خاص کے ماتحت عالمگیر غلبہ دینِ حق کے لیے جن عظیم الشان تحریکات کی بنیاد رکھی اُن میں سے نہایت شاندار، نہایت اہم اور مستقبل کے اعتبار سے نہایت دُور رس نتائج کی حامل تحریک مجلس خدام الاحمدیہ ہے۔جس کا قیام ۱۹۳۸ء کے آغاز میں ہوا۔

حضور کو اپنے عہدِ خلافت کی ابتداء ہی سے احمدی نوجوانوں کی تنظیم و تربیت کی طرف ہمیشہ توجہ رہی کیونکہ قیامت تک اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ دینِ حق کے لیے ضروری ہے کہ ہر نسل پہلی نسل کی پوری قائمقام ہو اور جانی اور مالی قربانیوں میں پہلوں کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہو اور ہر زمانے میں جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کی تربیت اس طرح پر ہوتی رہے کہ وہ ...... کا جھنڈا بلند رکھیں۔

حضرت مصلح موعود نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف انجمنیں قائم فرمائیں مگر ان سب تحریکوں کی خصوصیات مکمل طور پر مجلس خدام الاحمدیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئیں اور حضور کی براہ راست قیادت، غیر معمولی توجہ،

حیرت انگیز قوتِ قدسی کی بدولت مجلس خدام الاحمدیہ میں تربیت پانے کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کو ایسے مخلص اور ایثار اور دردمند دل اور انتظامی قابلیتیں اور صلاحیتیں رکھنے والے مدبّر دماغ میسر آ گئے جنہوں نے آگے چل کر جماعت احمدیہ کی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے اپنے کندھوں پر اُٹھایا اور آئندہ بھی ہم خدا تعالیٰ سے یہی اُمید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نسل میں ایسے لوگ پیدا کرتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ نے اس مجلس کی بنیاد رکھتے ہوئے پیشگوئی فرمائی تھی:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری طرف سے (دشمن کے) اُن حملوں کا کیا جواب دیا جائے گا ایک ایک چیز کا اجمالی علم میرے ذہن میں موجود ہے اور اسی کا ایک حصہ خدام الاحمدیہ ہے اور درحقیقت یہ رُوحانی ٹریننگ اور رُوحانی تعلیم وتربیت ہے...... آج نوجوانوں کی ٹریننگ کا زمانہ ہے اور اُن کی تربیت کا زمانہ خاموشی کا زمانہ ہوتا ہے۔ لوگ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کچھ نہیں ہو رہا۔ مگر جب قوم تربیت پا کر عمل کے میدان میں نکل کھڑی ہوتی ہے تو دُنیا انجام دیکھنے لگ جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اُٹھنے پر اُٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دُنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے''۔ (تاریخ احمدیت جلد ۸ طبع اول صفحہ ۴۴۶)

مجلس خُدام الاحمدیہ کی تاسیس

مجلس خدام الاحمدیہ کی تاسیس کس طرح ہوئی اس کے متعلق محترم ومکرم جناب شیخ محبوب عالم صاحب خالد بیان فرماتے ہیں:

''۳۰ رجنوری ۱۹۳۸ء کی شام کو جامعہ احمدیہ سے فارغ ہو کر جب گھر پہنچا تو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کا ایک کارندہ یہ پیغام لے کر آیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ نے یاد فرمایا ہے۔ جب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے مجھے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے شائع کردہ ٹریکٹ دیئے اور فرمایا کہ ان کا جواب لکھو۔ دارالمجاہدین میں جاؤ اور واقفین کو ساتھ لے لو اور چاہو تو جامعہ سے بھی۔ صفِ اوّل کے علماء سے کام نہیں لینا۔ صرف مولوی قمر دین صاحب اور مولوی ظہور حسین صاحب کو ساتھ رکھو اور کام شروع کر دو۔ اگر کسی کتاب کی ضرورت ہو تو مَیں اپنی ذاتی لائبریری سے دے دوں گا۔ خیر یہ ٹریکٹ لے لئے اور کھانا کھائے بغیر واقفین کو ساتھ لے کر کام شروع کر دیا۔ ایک روز حضور نے فرمایا کہ اجلاس کر کے عہدیداران کا انتخاب کر لو''۔

(تاریخ مجلس خدام الاحمدیہ جلد اوّل صفحہ ۵)

چنانچہ ۳۱ رجنوری ۱۹۳۸ء کو بعد نمازِ عصر مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد کی رہائش گاہ مبارک منزل حلقہ

......المبارک (متصل بورڈنگ ہاؤس مدرسہ احمدیہ) قادیان میں شیخ صاحب کی دعوت پر قادیان کے دس نوجوان جمع ہوئے۔ ان نوجوانوں نے احمدیت کی ترقی اور خلافت کی تائید میں کوشاں رہنے کا عزم اور اس کے خلاف اُٹھنے والے فتن کا مقابلہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے مدد و نصرت چاہی۔ نوجوانوں کی اس تنظیم کے السابقون الاوّلون یہ تھے۔

۱- مولوی قمر الدین صاحب ۲- حافظ بشیر احمد صاحب ۳- مولانا ظہور حسین صاحب
۴- مولانا غلام احمد فرخ صاحب ۵- مولوی محمد صدیق صاحب (لائبریرین)
۶- مولانا سیّد احمد علی شاہ صاحب ۷- حافظ قدرت اللہ صاحب ۸- مولوی محمد یوسف صاحب
۹- مولانا محمد احمد صاحب جلیل ۱۰- چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر

ان نوجوانوں نے اپنے پہلے اجلاس میں مجلس کے عہدیداروں کا انتخاب کیا۔ انتخاب میں پہلے نام تجویز ہوئے اور پھر اُس کی تائید ہوئی۔ مکرم مولوی قمر الدین صاحب صدر اور مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد اس کے سیکرٹری منتخب کئے گئے۔ اس کی منظوری سیّدنا حضرت مصلح موعود سے ۴؍فروری ۱۹۳۸ء کو لی گئی۔

تنظیم کا خُدام الاحمدیہ کے نام سے موسوم ہونا

اس مجلس کا قیام چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ کی ہدایت پر ہو رہا تھا اس لیے حضور سے اس کا نام رکھنے کی درخواست کی گئی چنانچہ محترم شیخ محبوب عالم صاحب خالد فرماتے ہیں:

> ''جب مَیں نے انتخاب کی رپورٹ پیش کی تو حضور نے پیڈ سے ایک کاغذ لیا جو کہ نیلے رنگ کا لکیردار تھا اور اُس پر اپنی قلم مبارک سے ''خدام الاحمدیہ'' تحریر فرمادیا''۔

محترم سیّد مختار احمد صاحب ہاشمی کا بیان ہے کہ اس پر حضور نے ۴؍فروری ۱۹۳۸ء کی تاریخ بھی رقم فرمائی تھی۔

خدام الاحمدیہ کے قیام کی بنیادی غرض

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجلس خدام الاحمدیہ کی تاسیس کے زمانہ میں واضح لفظوں میں اس کی غرض و غایت یہ بیان فرمادی تھی کہ:

> ''میری غرض اس مجلس کے قیام سے یہ ہے کہ جو تعلیم ہمارے دلوں میں دفن ہے، اُسے ہوا نہ لگ جائے بلکہ وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ دلوں میں دفن ہوتی چلی جائے۔ آج وہ ہمارے دلوں میں دفن ہے تو کل وہ ہماری اولادوں کے دلوں میں دفن ہو اور پرسوں اُن کی اولادوں کے دلوں میں۔ یہاں تک کہ یہ تعلیم ہم سے وابستہ ہو جائے۔ ہمارے دلوں کے ساتھ چمٹ جائے اور ایسی صورت

اختیار کرے جو دنیا کے لیے مفید اور بابرکت ہو۔ اگر ایک یا دو نسلوں تک یہ تعلیم محدود رہی تو کبھی ایسا پختہ رنگ نہ دے گی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے''۔ (الفضل ۱۷ر فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۳)

خُدام الاحمدیہ سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح کا معرکۃ الآراء خطبہ

بانی خُدام الاحمدیہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ نے یکم اپریل ۱۹۳۸ء کو...... اقصیٰ قادیان میں خطبہ جمعہ ارشاد کرتے ہوئے پہلی مرتبہ مجلس خُدام الاحمدیہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ یہ خطبہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ یہی وہ خطبہ ہے جس میں حضور نے مجلس کے ابتدائی لائحہ عمل سے متعلق ازراہ نوازش اپنی اُن خاص ہدایات سے نوازا جو مجلس کی بنیاد بنیں اور جن پر آج اُس کی مضبوط عمارت قائم ہے۔ حضور نے فرمایا:

''میں نے متواتر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ نئی نسلیں جب تک اُس دین اور اُس اصول کی حامل نہ ہوں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی اور مامور دُنیا میں قائم کرتے ہیں اُس وقت تک اس سلسلہ کا ترقی کی طرف کبھی بھی صحیح معنوں میں قدم نہیں اُٹھ سکتا۔

''اصلاح اُسی رنگ میں ہو سکتی ہے کہ نوجوانوں کو اس امر کی تلقین کی جائے کہ وہ اپنے اندر ایسی روح پیدا کریں کہ......اور احمدیت کا حقیقی مغز اُنہیں میسر آ جائے ......اگر دوست چاہتے ہیں کہ وہ تحریک جدید کو کامیاب بنائیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ......ہر جگہ نوجوانوں کی انجمنیں قائم کریں۔ قادیان میں بعض نوجوانوں کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے اجازت حاصل کرتے ہوئے ایک مجلس خدام الاحمدیہ کے نام سے قائم کر دی ہے۔ چونکہ ایک حد تک کام میں ایک دوسرے کے ذوق کا ملنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لیے شروع میں مَیں نے انہیں یہ اجازت دی ہے کہ وہ ہم ذوق لوگوں کو اپنے اندر شامل کریں لیکن مَیں نے انہیں یہ ہدایت بھی کی ہے کہ جہاں تک اُن کے لیے ممکن ہو باقی لوگوں کو بھی اپنے اندر شامل کریں۔ مگر مَیں نے اس بات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کہ نوجوانوں میں کام کرنے کی روح پیدا ہو، یہ ہدایت کی ہے کہ جو لوگ جماعت میں تقریر وتحریر میں خاص مہارت حاصل کر چکے ہوں ان کو اپنے اندر شامل نہ کیا جائے جس کی وجہ سے بعض دوستوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے چنانچہ ہماری جماعت کے ایک مبلغ مجھ سے ملنے کے لیے آئے اور کہنے لگے کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ مَیں نے کہا مَیں تو ناراض نہیں۔ آپ کو یہ کیونکر وہم ہوا کہ مَیں ناراض ہوں۔ وہ کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے

مجلس خدام الاحمدیہ میں میری شمولیت کی اجازت نہیں دی۔ مَیں نے کہا یہ صرف آپ کا سوال نہیں۔ جس قدر لوگ خاص مہارت رکھتے ہیں، ان سب کی شمولیت کی مَیں نے ممانعت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بڑے آدمیوں کو بھی ان میں شامل ہونے کی اجازت دے دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پریذیڈنٹ بھی انہی کو بنائیں گے۔ مشورے بھی انہی کے قبول کریں گے اور اس طرح اپنی عقل سے کام نہ لینے کی وجہ سے وہ خود بدھو کے بدھو ہی رہیں گے۔ مثلاً اگر مَیں کسی انجمن یا جلسہ میں شامل ہوں تو یہ قدرتی بات ہے کہ چونکہ جماعت کے اعتقاد کے مطابق خلیفۃ المسیح سے بڑا مقام اور کوئی نہیں۔ اس لیے وہ کہیں گے کہ خلیفۃ المسیح کو ہی پریذیڈنٹ بنایا جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جو تربیت پریذیڈنٹی سے حاصل ہوتی ہے وہ بیچ میں ہی رہ جائے گی اور جماعت اس قسم کے تجربے سے محروم رہ جائے گی۔ پس مَیں نے خاص طور پر انہیں یہ ہدایت دی ہے کہ جن لوگوں کی شخصیتیں نمایاں ہو چکی ہیں ان کو اپنے اندر شامل نہ کیا جائے تا اُنہیں خود کام کرنے کا موقع ملے۔ ہاں دوسرے یا تیسرے درجہ کے لوگوں کو شامل کیا جا سکتا ہے تا اُنہیں خود کام کرنے کی مشق ہو اور وہ قومی کاموں کو سمجھ سکیں اور انہیں سنبھال سکیں چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ اس وقت تک انہوں نے جو کام کیا ہے، اچھا کیا ہے اور محنت سے کیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر مَیں انہیں یہ اجازت دے دیتا کہ وہ پُرانے مبلغین مثلاً مولوی ابو العطاء اللہ دتہ صاحب یا مولوی جلال الدین صاحب شمس اور اس قسم کے دوسرے مبلغوں کو بھی اپنے اندر شامل کرلیں تو جو اشتہارات اس وقت انہوں نے لکھے سب وہی لکھتے، وہی اعتراضات کے جوابات دیتے اور دوسرے نوجوانوں کو کچھ بھی پتہ نہ ہوتا کہ اعتراضات کا جواب کس طرح دیا جاتا ہے۔ پس مَیں نے انہیں ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے سے روک دیا۔ مَیں نے کہا تم مشورہ بے شک لو مگر جو کچھ لکھو وہ تم ہی لکھو تا تم کو اپنی ذمہ داری محسوس ہو، گو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شروع میں وہ بہت گھبرائے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر سے کتابیں لیں اور پڑھیں۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ فلاں بات کا کیا جواب دیں۔ مضمون لکھے اور بار بار کاٹے مگر جب مضمون تیار ہو گئے اور انہوں نے شائع کئے وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے اور مَیں سمجھتا ہوں وہ دوسرے مضمونوں سے دوسرے نمبر پر نہیں ہیں۔ گو ان کو ایک ایک مضمون لکھنے میں بعض دفعہ مہینہ دو مہینہ لگ گیا اور ہمارے جیسا شخص جسے لکھنے کی مشق ہو شاید ویسا مضمون گھنٹے دو گھنٹے میں لکھ لیتا اور پھر کسی اور کی مدد کی ضرورت بھی نہ پڑتی مگر وہ دس بارہ آدمی ایک ایک مضمون کے لیے مہینہ مہینہ لگے رہے لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جو اسلامی لٹریچر ان کی نظروں سے

پوشیدہ تھا وہ ان کے سامنے آ گیا اور دس بارہ نوجوانوں کو پڑھنا پڑا اور اس طرح ان کی معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔ تو اگر اس قسم کے علمی کام یہ انجمنیں کریں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی تاریخ کی کتابیں، اسلامی تفسیر کی کتابیں، حدیث کی کتابیں، فقہ کی کتابیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں اور اس طرح اور بہت سی کتب ان کے زیر نظر آ جائیں گی اور انہیں اپنی ذات میں بہت بڑا علمی فائدہ حاصل ہوگا۔ دوسرا فائدہ جماعت کو اس قسم کی انجمنوں سے یہ پہنچے گا کہ اسے کئی نئے مصنف اور مؤلف مل جائیں گے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ نوجوانوں میں اعتماد نفس پیدا ہوگا اور انہیں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہم بھی کسی کام کے اہل ہیں......

''میں انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تحریک جدید کے اصول پر کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ نوجوانوں کے اخلاق کی درستی کریں۔ انہیں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی ترغیب دیں۔ سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کریں۔ دینی علوم کے پڑھنے اور پڑھانے کی طرف توجہ کریں اور ان نوجوانوں کو اپنے اندر شامل کریں جو واقعہ میں کام کرنے کا شوق رکھتے ہوں......

''میں چاہتا ہوں کہ باہر کی جماعتیں بھی اپنی اپنی جگہ خدام الاحمدیہ نام کی مجالس قائم کریں۔ یہ ایسا ہی نام ہے جیسے لجنہ اماء اللہ۔ لجنہ اماء اللہ کے معنی ہیں اللہ کی لونڈیاں اور خدام الاحمدیہ سے مراد بھی یہی ہے کہ احمدیت کے خادم۔ یہ نام انہیں یہ بات بھی ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا کہ وہ خادم ہیں، مخدوم نہیں......

''انہیں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں یعنی یہاں کی مجلس خدام الاحمدیہ کو بھی اور ان مجالس خدام الاحمدیہ کو بھی جو میرے خطبہ کے نتیجہ میں قائم ہوں کہ وہ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ ان کا تعداد پر بھروسہ نہ ہو بلکہ کام کرنا اُن کا مقصود ہو...... اپنا عملی نمونہ بہتر سے بہتر دکھانا چاہئے۔ اگر تم نوجوانوں کے لیے کامل نمونہ بن جاؤ تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ تم سے نہ ملیں...... تم بھول جاؤ اس امر کو کہ قادیان میں کوئی اور شخص بھی ہے۔ تم سمجھو کہ صرف تم پر ہی اس کام کی ذمہ داری عائد ہے کیونکہ وہ شخص ہرگز مومن نہیں ہوسکتا جو کہتا ہے کہ میری یہ ذمہ داری ہے اور فلاں کی وہ ذمہ داری ہے۔ مومن وہ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ صرف اور صرف میری ذمہ داری ہے...... یہ وہم اپنے دلوں سے نکال دو کہ لوگ تمہارے ساتھ شامل نہیں ہوتے۔ اگر نیک کاموں میں سرگرمی سے مشغول ہو جاؤ تو میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ لوگوں پر اس کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع کر سکتا ہے۔ سورج مغرب کی بجائے مشرق میں ڈوب سکتا ہے مگر یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی نیک کام کو جاری کیا جائے اور

وہ ضائع ہو جائے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ تم نیک کام کرو اور خدا تمہیں قبولیت نہ دے۔

مگر وہ یہ بھی یاد رکھیں کہ کام تحریک جدید کے اُصول پر کریں میں نے بارہا کہا ہے کہ الا مام جُنۃٌ یقاتل من ورائہ۔ تمہارا کام بے شک یہ ہے کہ تم دشمن سے لڑو مگر تمہارا فرض ہے کہ امام کے پیچھے ہو کر لڑو۔ پس کوئی نیا پروگرام بنانا تمہارے لیے جائز نہیں۔ پروگرام تحریک جدید کا ہی ہوگا اور تم تحریک جدید کے والنٹیرز ہو گے۔

''میں اعلان کرتا ہوں کہ موجودہ حالات میں عارضی طور پر سال دو سال کے لیے قادیان کی مجلس خدام الاحمدیہ کی بیرونی جماعتوں کی مجالس خدام الاحمدیہ شاخیں ہوں گی اور ان کا فرض ہو گا کہ اس انجمن کے ساتھ اپنی انجمنوں کا الحاق کریں اور اس انجمن کی اپنے آپ کو شاخ سمجھیں۔ اسی طرح ہر جگہ ان کا یہ کام ہو گا کہ وہ سلسلہ کا لٹریچر پڑھیں۔ نوجوانوں کو دینی اسباق دیں۔ مثلاً صبح کے وقت یا کسی اور وقت ایک دوسرے کو پڑھایا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پڑھنے کے لیے کہا جائے اور پھر ان کا امتحان لیا جائے۔

''اسی طرح وہ خدمتِ خلق کے کام کریں اور خدمتِ خلق کے کام میں یہ ضروری نہیں کہ مسلمان غریبوں اور مسکینوں اور بیواؤں کی خبر گیری کی جائے بلکہ اگر ایک ہندو یا سکھ یا عیسائی یا کسی اور مذہب کا پیرو کسی دُکھ میں مبتلا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اس کے دُکھ کو دُور کرنے میں حصہ لو۔ کہیں جلسے ہوں تو اپنے آپ کو خدمت کے لیے پیش کرو...... مجلس خدام الاحمدیہ کے ارکان اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے اور اپنی زندگی کو کارآمد بنائیں گے اور سلسلہ کے درد کو اپنا درد سمجھیں گے۔ مجلس خدام الاحمدیہ میں جو بھی شامل ہو وہ اقرار کرے کہ میں آئندہ یہی سمجھوں گا کہ احمدیت کا ستون میں ہوں اور اگر میں ذرا بھی ہلا اور میرے قدم ڈگمگائے تو میں یہ سمجھوں گا کہ احمدیت پر زد آ گئی...... اگر تم بھی یہ سمجھنے لگو کہ ہمارے پیچھے...... کا چہرہ ہے اور...... اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دو نہیں بلکہ ایک ہی ہیں تو تم بھی ایک مضبوط چٹان کی طرح قائم ہو جاؤ اور تم بھی ہر وہ تیر جو...... کی طرف پھینکا جاتا ہے، اپنے ہاتھوں اور سینوں پر لینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پس یہ مت خیال کرو کہ تمہارے ممبر کم ہیں یا تم کمزور ہو بلکہ یہ سمجھو کہ ہم جو خادمِ احمدیت ہیں۔ ہمارے پیچھے...... کا چہرہ ہے تب بے شک تم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی طاقت ملے گی جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکے گا۔ پس تم اپنے عمل سے اپنے آپ کو مفید وجود بناؤ، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو۔ نہ صرف اپنے مذہب کے غریبوں اور مسکینوں کی بلکہ ہر قوم کے غریبوں اور بے کسوں

کی تا دُنیا کو معلوم ہو کہ احمدی اخلاق کے کتنے بلند ہوتے ہیں۔

''مشورہ دینے کے لحاظ سے مَیں ہر وقت تیار رہوں۔ مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نمایاں شخصیتوں کو اپنا ممبر مت بناؤ کیونکہ بڑے درخت کے نیچے اگر آؤ گے تو تمہاری اپنی شاخیں سوکھ جائیں گی۔ اسی طرح سچائی کو اپنا معیار قرار دو۔ قواعد کے تیار کرنے میں مَیں انشاء اللہ تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔ سردست یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہر ممبر سے یہ اقرار لو کہ اگر وہ جھوٹ بولے گا اور اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے گا تو وہ خوشی سے ہر سزا برداشت کرنے کے لیے تیار رہے گا۔ جب تم سچائی پر قائم ہو جاؤ گے، جب تم نمازوں میں باقاعدگی اختیار کر لو گے، جب تم دین کی خدمت کے لیے رات دن مشغول رہو گے تب جان لینا کہ اب تمہارا ہر قدم ایسے مقام پر ہے جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں ......

''اگر تم یہ کام کرو تو دنیا میں تمہارا نام کوئی جانے یا نہ جانے (اور اس دنیا کی حقیقت ہے ہی کیا۔ چند سال کی زندگی ہے اور بس) مگر خدا تمہارا نام جانے گا اور جس کا نام خدا جانتا ہو، اس سے زیادہ مبارک اور خوش قسمت اور کوئی نہیں ہو سکتا''۔

(الفضل ۱۰/اپریل ۱۹۳۸ء)

حضور کے تین مزید خطبات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ نے ۸/ اور ۱۵/اپریل اور ۱۸/نومبر ۱۹۳۸ء کے خطباتِ جمعہ بھی خدام سے متعلق ارشاد فرمائے۔ ان خطبات کا خلاصہ حضور کے الفاظ میں ہی درج کیا جاتا ہے۔

پہلا خطبہ

۸/اپریل کے خطبہ میں نوجوانوں کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اپنی حالت کو سدھارنے اور دین کی خدمت کے لئے تقویٰ اور سعی سے کام لینے کی طرف توجہ کریں۔ آج ...... غربت میں ہے اور اگر آج کوئی جماعت اسے قائم نہ کرے تو تھوڑے عرصہ میں کوئی اس کا نام لیوا بھی باقی نہ رہے گا۔ ہندو اور عیسائی تو اسے مٹانے میں لگے ہی ہوئے ہیں مگر ...... کہلانے والے بھی اصلاحات کے نام سے اس کی تعلیم کو مٹانے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ...... کی تعلیم کو جو قرآن کریم میں ہے بدل دیں ...... ایسے وقت میں ضرورت ہے ایک ایسی جماعت کی جو ...... کی تعلیم کو دنیا میں پھر قائم کرے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے ...... اگر تم اپنے اندر سے ظلم نکال دو اور حزب اللہ میں داخل ہو جاؤ تو تمہیں کوئی خفیہ تدبیریں اور منصوبے جیسے آج بعض حکام

کی مدد سے کیے جا رہے ہیں، نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ سب جھاگ ہے اور جھاگ ہمیشہ مٹ جاتی ہے اور پانی قائم رہتا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ تم حزب اللہ بن جاؤ۔...... اور اللہ تعالیٰ کی محبت، نیکی، سچائی، ہمت اپنے دلوں میں پیدا کرلو۔ دُنیا کی بہتری کی کوشش میں لگ جاؤ اور بنی نوع انسان کی خدمت کا شوق اپنے دلوں میں پیدا کرو۔...... کا کامل نمونہ بن جاؤ پھر خواہ دنیا تمہیں سانپ اور بچھو بلکہ پاخانہ اور پیشاب سے بھی بدتر سمجھے، تم کامیاب ہو گے اور خواہ کتنی طاقت ور حکومتیں تمہیں مٹانا چاہیں، وہ کامیاب نہیں ہوسکیں گی اور تم جو آج اس قدر کمزور سمجھے جاتے ہو، تم ہی دُنیا کے رُوحانی بادشاہ ہو گے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ تم کو دُنیا کی بادشاہت مل جائے گی بلکہ مَیں تو یہ بھی نہیں کہتا کہ تم تحصیلدار بن جاؤ گے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مَیں یہ بھی نہیں کہتا کہ تم ایک کانسٹیبل ہی بن جاؤ گے۔ ظاہری حیثیت خواہ تمہاری چپڑ اسی سے بھی بدتر ہو مگر دُنیا پر قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ تم کو بادشاہوں سے بڑا اور تم پر ظلم کرنے والوں کو ادنیٰ نوکروں سے بھی بدتر نہیں بنا دیا جائے گا...... جماعت کے نوجوانوں کو خواہ وہ قادیان کے ہوں یا باہر کے توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں میں ایک عزم اور ارادہ لے کر کھڑے ہوں کہ ہم نے خدا تعالیٰ کو حاصل کرنا ہے اور اس طرز پر اپنی زندگیاں گذاریں کہ ان کا وجود ہی خدا تعالیٰ کا نشان بن جائے۔ یہ نہ ہو کہ صرف ان کی زبانیں نشانات بیان کریں بلکہ ایسا ہو کہ اُن کے جسم بھی خدا تعالیٰ کا نشان بن جائیں اور یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے بھی اپنے فضلوں کے دروازے ویسے ہی کھول رکھے ہیں جیسے ان سے پہلوں کے لیے کھولے گئے تھے''۔

(الفضل ۱۳؍اپریل ۱۹۳۸ء)

دوسرا خطبہ

خدام الاحمدیہ سے متعلق اپنے گذشتہ خطبات کا حوالہ دینے کے بعد سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ نے ۱۵؍اپریل ۱۹۳۸ء کے خطبہ میں فرمایا:

''مَیں آج پھر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ قومی نیکیوں کے تسلسل کے قیام کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے، اُس قوم کے بچوں کی تربیت ایسے ماحول اور ایسے رنگ میں ہو کہ وہ ان اغراض اور مقاصد کو پورا کرنے کے اہل ثابت ہوں جن اغراض اور مقاصد کو لے کر وہ قوم کھڑی ہوئی ہو...... اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مقصد اور مدعا کو نوجوانوں کے ذہنوں میں پورے طور پر داخل کرے اور ایسے رنگ میں ان کی عادات اور خصائل کو ڈھالے کہ وہ جب بھی کوئی کام کریں خواہ عادتاً یا بغیر عادت کے کریں، وہ اس جہت کی طرف جا رہے

ہوں جس جہت کی طرف اُس قوم کے اغراض و مقاصد اسے لے جا رہے ہوں ۔جب تک کسی قوم کے نوجوان اس رنگ میں کام نہیں کرتے ، اس وقت تک اُسے ترقی حاصل نہیں ہوتی .....قوم کے نوجوانوں کے اندر اس قسم کی بیداری اور ہوشیاری پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر جگہ مجلس خدام الاحمدیہ قائم کی جائے اور اس میں ایسے نوجوان شامل کیے جائیں جو عملی رنگ میں اپنی ایسی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اُن کا وجود دوسروں کے لئے نمونہ بن جائے .....مجالس خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض یہ ہے کہ نوجوانوں کے سامنے وہ مقاصد رکھے جائیں جن کے بغیر ان میں ارتقائی روح پیدا نہیں ہو سکتی......

''پس جماعت کے تمام دوستوں کو چاہئے کہ اپنے اپنے ہاں نوجوانوں کو منظم کریں اور ان کی ایک مجلس بنا کر خدام الاحمدیہ اس کا نام رکھیں ۔انہیں سلسلہ کے وقار کے تحفظ اور......اور احمدیت کی ترقی کے لیے کام کرنے کی ترغیب دیں ۔جب کسی قوم کے ذہن میں راسخ طور پر کوئی نیک عقیدہ پیدا ہو جائے ، اس وقت اسے کوئی قتل نہیں کر سکتا اور اگر اس قوم کے کسی فرد پر کوئی شخص ہاتھ اٹھاتا اور اسے قتل کرتا ہے تو اس کی موت ایسی شاندار موت ہوتی ہے کہ ہزاروں اس کے قائمقام پیدا ہو جاتے ہیں ۔دنیا میں ہمیشہ یہ نظارہ نظر آیا ہے اور اب بھی یہ نظارہ نظر آ سکتا ہے بشرطیکہ ہمارے نوجوان یہی روح اپنے اندر پیدا کریں ۔پھر نہ انہیں وطن میں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ غیر ممالک میں ان کو کوئی مٹا سکتا ہے کیونکہ وہ اس روح کے نتیجہ میں وہی لوگ بن جائیں گے جن کو اسی دُنیا میں خدا تعالیٰ ایسی زندگی دے دیتا ہے جس پر موت نہیں آتی اور ایسی حیات دے دیتا ہے جس پر فنا طاری نہیں ہوتی''۔ (الفضل ۲۲ را پریل ۱۹۳۸ء)

تیسرا خطبہ

۱۸ رنومبر کو خطبہ جمعہ میں حضور نے مجلس کو ''تحریک جدید کی فوج'' قرار دیتے ہوئے یہ عظیم الشان پیش خبری عطا فرمائی:

''مجالس خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے کام کے اثرات صرف موجودہ زمانہ کے لوگوں تک ہی محدود نہیں رہیں گے بلکہ اگر وہ اسی خوش دلی اور اخلاص کے ساتھ کام جاری رکھیں گے تو آئندہ نسلوں تک ان کے نیک اثرات جائیں گے اور جس طرح آج صحابہ کا ذکر آنے پر بے اختیار (خدا اُن سے خوش ہو اور وہ اُس سے) کا فقرہ زبان سے نکل جاتا ہے اسی طرح ان کا نام لے کر آئندہ آنے والی نسلوں کا دل خوشی سے بھر جائے گا اور وہ اُن کی ترقی مدارج کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں کریں گے ۔لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ

وہ جس کام کو شروع کریں اسے استقلال سے کرتے چلے جائیں۔ جو شخص بھی اس جدوجہد میں کھڑا ہو گا وہ گر جائے گا اور سلامت وہی رہے گا جو اپنے قدم کی تیزی میں کمی نہیں آنے دے گا۔ مجلس خدام الاحمدیہ تحریکِ جدید کی فوج ہے اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس فوج میں داخل ہوں گے اور اپنی عملی جدوجہد سے ثابت کر دیں گے کہ انہوں نے اپنے فرض کو سمجھا ہوا ہے''۔ (الفضل ۲۴ ؍نومبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۷)

مجلس کا ابتدائی لائحہ عمل

ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد خدام الاحمدیہ کا اس وقت لائحہ عمل حسبِ ذیل قرار پایا اور اس کے مطابق مجلس کا کام بھی مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔

۱۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں کی تنظیم

۲۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں میں قومی رُوح اور ایثار پیدا کرنا

۳۔ دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت

۴۔ نوجوانوں میں ہاتھ سے کام کرنے اور صاف ماحول میں رہنے کی عادت پیدا کرنا

۵۔ نوجوانوں میں مستقل مزاجی پیدا کرنے کی کوشش کرنا

۶۔ نوجوانوں کی ذہانت کو تیز کرنا

۷۔ نوجوانوں کو قومی بوجھ اُٹھانے کے قابل بنانے کے لیے ان کی ورزش جسمانی کا اہتمام

۸۔ نوجوانوں کو دینی اخلاق میں رنگین کرنا (مثلاً سچ، دیانت اور پابندئ نماز وغیرہ)

۹۔ قوم کے بچوں کی اس رنگ میں تربیت اور نگرانی کہ ان کی آئندہ زندگیاں قوم کے لئے مفید ثابت ہوں

۱۰۔ نوجوانوں کو سلسلہ کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے کی ترغیب و تحریص

۱۱۔ نوجوانوں میں خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرنا

۱۲۔ نوجوانانِ سلسلہ کی بہتری کے لیے حتی الوسع ہر مفید بات کو جامہ عمل پہنانا (تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۴۴۹)

مجلس کی ابتدائی خدمات

تاسیس کے ابتدائی دنوں میں مجلس کے کاموں کے متعلق مؤرخ احمدیت مولانا دوست محمد صاحب شاہد لکھتے ہیں:

''اس دوران میں مجلس کا کام یہ تھا کہ اس کے ارکان قرآن و حدیث، تاریخ، فقہ اور احمدیت و اسلام کے متعلق کتب دینیہ کا مطالعہ کرنے اور مخالفِ احمدیت و خلافت، فتنوں کے جواب میں تحقیق و تدقیق کرتے۔ ان دنوں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کا فتنہ برپا تھا۔ چنانچہ مجلس

نے یکے بعد دیگرے دو ٹریکٹ شیخ مصری صاحب کے اشتہاروں کے رڈ میں لکھے جو بہت مقبول ہوئے پہلا ٹریکٹ ''شیخ مصری صاحب کا صحیح طریق فیصلہ سے فرار'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ دوسرے کا عنوان ''رُوحانی خلفاء کبھی معزول نہیں ہوسکتے'' تھا''۔ (تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۴۴۷)

ان ابتدائی ایام کے بارہ میں محترم شیخ محبوب عالم صاحب خالد لکھتے ہیں کہ ''جب بھی رہنمائی کی ضرورت ہوئی، مَیں حضور کی خدمت میں بلاتردّد حاضر ہو جاتا تھا اور حضور رہنمائی فرماتے۔

''ٹریکٹ کے جواب کے سلسلہ میں حضور کے پاس مَیں اور خلیل احمد صاحب ناصر مسودہ لے کر جاتے تھے۔ اُسی پر حضور کانٹ چھانٹ فرماتے۔ ایک دن فرمایا کہ اس کی اشاعت کی رقم مَیں خود دوں گا۔ ۴ر فروری ۱۹۳۸ء کو مکرم مرزا منور احمد صاحب لاہور سے احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن کے تحت ڈیڑھ سو نوجوانوں کو لے کر قادیان آئے۔ خاکسار نے ان طلبہ کی دعوتِ چائے میں حضور کو تشریف لانے کی درخواست کی۔ چنانچہ ۶ر فروری کو حضور ۱۰ بجے تشریف لائے۔ قریباً چار گھنٹے تک مغربی تہذیب کی برائیوں کے خلاف حضور نے مفصل تقریر کی۔ جب حضور جانے لگے تو خاکسار نے عرض کی کہ حضور نے ٹریکٹ کی اشاعت کے لیے رقم دینے کا فرمایا تھا۔ اس پر حضور نے کچھ رقم اپنی جیب سے، کچھ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سے اور کچھ مکرم عبدالرحمٰن صاحب انور سے لے کر دی۔ یہ کل تیس روپے تھے۔ دس روپے اپنے پاس سے ڈال کر مَیں نے حافظ فیض اللہ صاحب کو امرتسر بھیجا کہ کاغذ لے آئیں۔ دس روپے بعد میں حضور نے مجھے عطا فرما دیئے''۔

آرٹ پیپر پر یہ ٹریکٹ ضیاء الاسلام پریس قادیان سے چھپوائے گئے۔ پہلے ان ٹریکٹوں کو محلّہ محلّہ جا کر سنایا گیا، پھر ایک ایک پیسہ میں انہیں بیچا گیا۔ حضور کی عطاء کردہ رقم اور ٹریکٹس کی فروخت سے حاصل شدہ رقم سے دوسرے ٹریکٹ شائع ہوتے رہے''۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارکانِ مجلس کی ان ابتدائی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مَیں نے دیکھا ہے کہ اس وقت تک انہوں نے جو کام کیا ہے، اچھا کیا ہے اور محنت سے کیا ہے..... شروع میں وہ بہت گھبرائے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر سے کتابیں لیں اور پڑھیں اور لوگوں سے دریافت کیا کہ فلاں بات کا کیا جواب دیں۔ مضمون لکھے اور بار بار کاٹے مگر جب مضمون تیار ہو گئے اور انہوں نے شائع کیے تو وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے''۔ (تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۴۸)

مجلس اطفال الاحمدیہ کا قیام

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

اَلْعِلْمُ فِی الصِّغَرِ کَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ

یعنی بچپن میں سیکھی ہوئی بات گویا پتھر پر لکیر ہوتی ہیں جس کا نقش دیر تک قائم رہتا ہے اور

آسانی سے مٹتا نہیں۔

یہی مضمون بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''مختصر یہ کہ تعلیمی طریق میں اس امر کا لحاظ اور توجہ چاہیے کہ دینی تعلیم ابتداء سے ہی ہو اور میری ابتداء سے یہی خواہش رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے۔''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۷۰)

سیدنا حضرت مصلح موعود نے حضرت مسیح موعود کی اس خواہش کو پورا کرتے ہوئے احمدی بچوں کی تربیت کے کام کو ایک منظم شکل دی اور جماعت کی دیگر تنظیموں کے ساتھ ساتھ آپ نے سات سے پندرہ سال کے بچوں کی بھی دو الگ تنظیمیں جاری فرمائیں۔ یعنی

۱- لڑکوں کی تنظیم ''اطفال الاحمدیہ'' جس کی نگرانی مجلس خدام الاحمدیہ کے ذمہ ہوئی۔

۲- لڑکیوں کی تنظیم ''ناصرات الاحمدیہ'' جس کی ذمہ دار لجنہ اماء اللہ قرار دی گئی۔

اطفال الاحمدیہ کی اس نئی تنظیم کے قائم کرنے کا ارشاد حضور نے اوّلاً ۱۵؍اپریل ۱۹۳۸ء کو...... اقصیٰ قادیان میں خطبہ جمعہ کے دوران بایں الفاظ فرمایا:

''اصل چیز یہ ہے کہ اچھی عادت بھی ہو اور علم بھی ہو مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب عادت کے زمانہ کی بھی اصلاح کی جائے اور علم کے زمانہ کی بھی اصلاح کی جائے۔ عادت کا زمانہ بچپن کا زمانہ ہوتا ہے اور علم کا زمانہ جوانی کا زمانہ ہوتا ہے پس خدام الاحمدیہ کی ایک شاخ ایسی بھی کھولی جائے جس میں پانچ چھ سال کے بچوں سے لے کر ۱۵-۱۶ سال کی عمر تک کے بچے شامل ہو سکیں یا اگر کوئی اور حد بندی تجویز ہو تو اس کے ماتحت بچوں کو شامل کیا جائے۔ بہرحال بچوں کی ایک الگ شاخ ہونی چاہئے اور ان کے الگ نگران مقرر ہونے چاہئیں مگر یہ امر مدّنظر رکھنا چاہئے کہ ان بچوں کے نگران نوجوان نہ ہوں بلکہ بڑی عمر کے لوگ ہوں...... نماز کے بغیر...... کوئی چیز نہیں۔ اگر کوئی قوم چاہتی ہے کہ وہ اپنی نسلوں میں...... روح قائم رکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوم کے ہر بچہ کو نماز کی عادت ڈالے۔ اسی طرح سچ کے بغیر اخلاق دُرست نہیں ہو سکتے۔ جس قوم میں سچ نہیں اس قوم میں اخلاقِ فاضلہ بھی نہیں اور محنت کی عادت کے بغیر سیاست اور تمدن کوئی چیز نہیں۔ جس قوم میں محنت کی عادت نہیں، اس قوم میں سیاست اور تمدن بھی نہیں۔ گویا یہ تین معیار ہیں جن کے بغیر قومی ترقی نہیں ہوتی...... ہر مقام کے احمدی نوجوان جہاں خود خدام الاحمدیہ میں شامل ہوں، وہاں سات سے پندرہ سال تک کی عمر کے بچوں کے لیے مجلس اطفال الاحمدیہ

قائم کریں''۔ (الفضل ۲۲؍اپریل ۱۹۳۸ء)

اس ارشاد کی تعمیل میں ۲۳؍اپریل ۱۹۳۸ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ میں ریزولیوشن نمبر ۱۶ کے ذریعہ مجلس خدام الاحمدیہ میں احمدی بچوں کی شاخ کھولی گئی۔

خدام الاحمدیہ سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح کی زریں ہدایات پر مشتمل اہم سلسلہ خطابات

۱۹۳۹ء کے نصف اوّل میں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... نے خدام الاحمدیہ کی اہمیت وضرورت اور خدام کے فرائض سے متعلق خطباتِ جمعہ کا ایک نہایت اہم اور خصوصی سلسلہ جاری فرمایا اور مندرجہ ذیل تاریخوں کو خطبات جمعہ ارشاد فرمائے:

۳؍فروری ۱۹۳۹ء	۱۰؍فروری ۱۹۳۹ء	۱۷؍فروری ۱۹۳۹ء	۲۴؍فروری ۱۹۳۹ء
۳؍مارچ ۱۹۳۹ء	۱۰؍مارچ ۱۹۳۹ء	۱۷؍مارچ ۱۹۳۹ء	

ان تمام خطبات میں حضور نے خدام کو ان کے کام سے متعلق زریں ہدایات سے نوازا۔ انہی خطبات میں بیان کردہ امور کو مجلس کے متعلق لائحہ عمل کی حیثیت سے اختیار کیا گیا۔ حضور کے یہ ارشادات مشعلِ راہ ہیں اور مجلس کے فرائض میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور انہی پر مجلس بفضلہٖ تعالیٰ عمل پیرا ہو کر دنیائے احمدیت میں ایک حسین انقلاب پیدا کر رہی ہے اور گزرنے والا ہر سال، ہر ماہ اور ہر دن حضرت مصلح موعود...... کی ظاہری و باطنی بصیرت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا چلا جا رہا ہے۔

قارئین کی خدمت میں ان خطبات کا خلاصہ خود حضور ہی کے الفاظ میں پیش کر کے اس مضمون کو ختم کروں گا کہ حضور کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔ ان میں مجلس کے آغاز سے لے کر انجام تک کا نقشہ اُس ''کلمۃ اللہ'' نے کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

خطبہ فرمودہ ۳؍فروری ۱۹۳۹ء

۳؍فروری ۱۹۳۹ء کے خطبہ جمعہ کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

''قوموں کی کامیابی کے لیے کسی ایک نسل کی درستی کافی نہیں ہوتی۔ جو پروگرام بہت لمبے ہوتے ہیں وہ اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب کہ متواتر کئی نسلیں ان کو پورا کرنے میں لگی رہیں۔ جتنا وقت اُن کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہو۔ اگر اتنا وقت اُن کو پورا کرنے کے لیے نہ دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ کسی صورت میں مکمل نہیں ہو سکتے اور اگر وہ مکمل نہ ہوں تو اس کے معنے یہ

ہوں گے کہ پہلوں نے اس پروگرام کی تکمیل کے لیے جو محنتیں، کوششیں اور قربانیاں کی ہیں وہ سب رائیگاں گئیں ......اسی لیے مَیں نے جماعت میں مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھی ہے''۔

(الفضل ۱۷؍فروری ۱۹۳۹ء صفحہ ۱، ۳)

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍فروری ۱۹۳۹ء

''خدام الاحمدیہ اس بات کو اپنے پروگرام میں خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ قومی اور ملّی روح کا پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اصولی طور پر ہر ایک سے یہ اقرار لیا جائے اور اسے بار بار دُہرایا جائے۔ محض اقرار کافی نہیں ہوتا بلکہ بار بار دہرانا اشد ضروری ہوتا ہے''۔

''دوسری بات جو انہیں پروگرام میں شامل کرنی چاہیئے وہ......تعلیم سے واقفیت پیدا کرنا ہے۔ یہ ایک مذہبی انجمن ہے، سیاسی نہیں اور اس لئے اصل پروگرام یہی ہے''۔

''خدام الاحمدیہ کا اہم فرض یہ ہے کہ اپنے ممبروں میں قرآن کریم باترجمہ پڑھنے اور پڑھانے کا انتظام کریں اور چونکہ وہ خدام الاحمدیہ ہیں، صرف اپنی خدمت کے لیے ان کا وجود نہیں۔ اس لئے جماعت کے اندر قرآن کریم کی تعلیم کو رائج کرنا ان کے پروگرام کا خاص حصہ ہونا چاہیئے۔

''تیسری بات جو ان کے پروگرام میں ہونی چاہیئے وہ آوارگی کا مٹانا ہے۔ آوارگی بچپن میں پیدا ہوتی ہے اور یہ سب بیماریوں کی جڑ ہوتی ہے۔ اس کی بڑی ذمہ داری والدین اور استادوں پر ہوتی ہے وہ چونکہ احتیاط نہیں کرتے اس لیے بچے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مٹانے کے لئے کتنا انتظام کیا ہے۔ فرمایا۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان اور تکبیر کہی جائے اور اس طرح عمل سے بتا دیا کہ بچہ کی تربیت چھوٹی عمر سے شروع ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بچوں کو......اور عیدگاہوں میں ساتھ لے جانا چاہیئے۔ خود آپ کا اپنا طریق بھی یہی تھا......پس بڑوں کا فرض ہے کہ چھوٹوں کو یہ آداب سکھائیں ...... بچہ کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھنا چاہیئے۔ مَیں کھیل کو بھی کام ہی سمجھتا ہوں۔ یہ کوئی آوارگی نہیں۔ آوارگی میرے نزدیک فارغ اور بیکار بیٹھنے کا نام ہے یا اس چیز کا کہ گلیوں میں پھرتے رہیں......اس لئے خدام الاحمدیہ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ جماعت کے بچوں میں یہ آوارگی پیدا نہ ہو...... ورزش انسان کے کاموں کا حصہ ہے۔ ہاں گلیوں میں بیکار پھرنا، بیکار بیٹھے باتیں کرنا اور بحثیں کرنا آوارگی ہے اور ان کا انسداد خدام الاحمدیہ کا فرض ہے''۔

(الفضل ۱۱؍مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۵، ۷)

خطبہ فرمودہ ۱۷/ فروری ۱۹۳۹ء

’’اب میں چوتھی بات بیان کرتا ہوں کہ اچھے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے ..... بہترین اخلاق جن کا پیدا کرنا کسی قوم کی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے، وہ سچ اور دیانت ہیں۔ اور بھی بہت سے اخلاق ہیں مگر سچ اور دیانت نہایت اہمیت رکھنے والے اخلاق ہیں۔ جس قوم میں سچ پیدا ہو جائے اور جس قوم میں دیانت آ جائے وہ قوم نہ کبھی ذلیل ہو سکتی ہے اور نہ کبھی غلام بنائی جا سکتی ہے۔ سچائی اور دیانت دونوں کا فقدان ہی کسی قوم کو ذلیل بناتا اور ان دونوں کا فقدان ہی کسی قوم کو غلام بناتا ہے‘‘۔

پھر دیانت کی اقسام بیان کرتے ہوئے حضور نے قومی، تجارتی اور اخلاقی دیانت کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ

’’میں خدام الاحمدیہ سے کہتا ہوں کہ تینوں قسم کی دیانتیں تم لوگوں کے اندر پیدا کرو..... تم سچ کی حفاظت کرو اور کوشش کرو کہ تمہارا ہر ممبر سچا ہو اور سچائی میں تمہارا نام اس قدر روشن ہو جائے کہ خدام الاحمدیہ کا ممبر ہونا ہی اس بات کی ضمانت ہو کہ کہنے والے نے جو کچھ کہا ہے، وہ صحیح ہے......

جب تم اس مقام کو حاصل کر لو گے تو تمہاری دعوت الی اللہ کا اثر اتنا وسیع ہو جائے گا کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں اور تم ہزاروں عیوب قوم میں سے دور کرنے کے قابل ہو جاؤ گے‘‘۔

(الفضل ۱۵/ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۔۱۰)

خطبہ فرمودہ ۲۴/ فروری ۱۹۳۹ء

’’مجلس خدام الاحمدیہ کے فرائض میں سے ایک اہم فرض یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت پیدا کی جائے۔ کسی جائز کام کے ذلیل ہونے کا احساس مٹا دیا جائے۔ یہ معاملہ بظاہر چھوٹا سا نظر آتا ہے لیکن دراصل یہ اپنے اندر اتنے فوائد اور اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا اندازہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا‘‘۔ (الفضل ۱۷/ مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۳)

خطبہ فرمودہ ۳/ مارچ ۱۹۳۹ء

’’ہمارے نوجوانوں کو ذہین بننا چاہیئے اور ان کی نظر وسیع ہونی چاہیئے۔ وہ جب بھی کوئی کام کریں انہیں چاہیئے کہ اس کے سارے پہلوؤں کو سوچ لیں اور کوئی بات بھی ایسی نہ رہے جس کی طرف انہوں نے توجہ نہ کی ہو..... پس خدام الاحمدیہ کا کام اس طرز کا ہونا چاہیئے کہ نوجوانوں میں ذہانت پیدا ہو‘‘۔

پھر فرمایا:

''خدام الاحمدیہ کا ساتواں فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر استقلال پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ استقلال اس بات کو کہا جاتا ہے کہ کسی کام کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے انسان برابر اپنے کام میں لگا رہے''۔ (الفضل ۲۱؍مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۵، ۷، ۱۰)

خطبہ فرمودہ ۱۰؍مارچ ۱۹۳۹ء

''آٹھواں امر یہ ہے کہ انسانی صحت دماغ پر خاص اثر کرتی ہے ...... مَیں خدام الاحمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ بچوں کو کھیل کود کے زمانہ کو وہ زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کریں۔ ان میں تین باتوں کا خیال رکھا جائے۔ ایک تو جسم کو فائدہ پہنچے۔ دوسرے ذہن کو فائدہ پہنچے اور تیسرے وہ آئندہ زندگی میں ان کے کام آسکیں۔ جس کھیل میں یہ تینوں باتیں ہوں گی وہ کھیل ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم بھی ہوگی''۔

اس سلسلہ میں حضور نے تین کھیلوں کی نشاندہی فرمائی۔ تیر اندازی، نشانہ کی مشق، دوڑنا۔
پھر حضور نے حواس خمسہ کو تیز کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔

''نویں بات جس کی طرف میں خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں وہ علم کا عام کرنا ہے۔ میں پہلے ان کو توجہ دلا چکا ہوں کہ ان کا فرض ہے کہ علم سیکھیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی شخص کا نیکی حاصل کرنا اُسے بچا نہیں سکتا جب تک اس کے اردگرد بھی نیکی نہ ہو...... کوشش کریں کہ سال دو سال کے عرصہ میں کوئی احمدی ایسا نہ ہو جو پڑھا ہوا نہ ہو۔ خواہ احمدی عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا، سب پڑھے ہوئے ہونے چاہئیں۔ اس کے لئے چھوٹے سے چھوٹا معیار مقرر کر لیا جائے اور پھر اس کے مطابق سب کو تعلیم دی جائے ...... یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک علم عام نہ ہو جماعت پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتی ...... اس لئے خدام الاحمدیہ کو کوشش کرنی چاہئے کہ ہر احمدی لکھنا پڑھنا سیکھ جائے''۔ (الفضل ۲۸؍مارچ ۱۹۳۹ء)

خطبہ فرمودہ ۱۷؍مارچ ۱۹۳۹ء

''خدام الاحمدیہ کا کام کوئی معمولی کام نہیں۔ یہ نہایت ہی اہمیت رکھنے والا کام ہے اور درحقیقت خدام الاحمدیہ میں داخل ہونا اور اس کے مقررہ قواعد کے ماتحت کام کرنا ایک ...... فوج تیار کرنا ہے۔ مگر ہماری فوج وہ نہیں جس کے ہاتھوں میں بندوقیں یا تلواریں ہوں۔ ہماری فوج وہ ہے جس نے دلائل سے دُنیا پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ ہماری تلواریں، ہماری بندوقیں

وہ دلائل ہیں جو احمدیت کی صداقت کے متعلق ہماری طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہماری بندوقیں اور ہماری تلواریں وہ دعائیں ہیں جو ترقی احمدیت کے متعلق ہم ہر وقت مانگتے رہتے ہیں اور ہماری بندوقیں اور ہماری تلواریں وہ اخلاقِ فاضلہ ہیں جو ہم سے صادر ہوتے ہیں''۔

عظیم الشان خوش خبری

اپنے ۱۷؍مارچ کے خطبہ کے آخر میں حضور نے خدام الاحمدیہ کو یہ عظیم الشان خوشخبری عطا فرمائی کہ اگر وہ امام وقت کی آواز پر لبیک کہیں گے تو وہ دن دُور نہیں جب احمدیت کا پرچم ساری دنیا پر لہرانے لگے گا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:

''جونہی ان کے کانوں میں خلیفۂ وقت کی طرف سے کوئی آواز آئے اس وقت جماعت کو یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں نے ان کو اُٹھا لیا ہے اور صورِ اسرافیل ان کے سامنے پھونکا جا رہا ہے۔ جب آواز آئے کہ بیٹھو تو اس وقت انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں کا تصرف ان پر ہو رہا ہے اور وہ ایسی سواریاں ہیں جن پر فرشتے سوار ہیں۔

''جب وہ کہے بیٹھ جاؤ تو سب بیٹھ جائیں۔ جب کہے کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جائیں۔ جس دن یہ رُوح ہماری جماعت میں پیدا ہو جائے گی، اس دن جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا ہے اور اُسے توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اسی طرح احمدیت اپنے شکار پر گرے گی اور تمام دنیا کے ممالک چڑیا کی طرح اس کے پنجہ میں آ جائیں گے اور دُنیا میں ...... کا پرچم پھر نئے سرے سے لہرانے لگ جائے گا''۔

(الفضل ۷؍اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۷)

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

حضرت مصلح موعود کا ایک عظیم کارنامہ

جوانوں کے جوانوں کی تنظیم ”انصار اللّٰہ“ کا قیام

(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب)

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا ذہین و فہیم بنایا تھا اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا تھا، حضور اپنے خدا داد علم و فراست سے اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ الٰہی کام کس طرح مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں، نیکیوں کا تسلسل نسلاً بعد نسلٍ کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے اور حالات حاضرہ میں غلبہ ...... کی مہم کو کس طرح آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے ابتدائی دورِ خلافت میں اوّل تو ان مسائل کو حل کیا جو وقتی اور فوری طور پر توجہ طلب تھے اور جو بیرونی حملے مختلف جہات سے ہو رہے تھے ان کا سدِ باب کیا۔ پھر جماعت کی اندرونی تنظیم اس طرح کی کہ سارا کام نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی سے چلنے لگا۔ ان امور سے فارغ ہونے کے بعد حضور نے جماعت میں نیکی اور تقویٰ اور ایثار و قربانی کی روح کو قائم رکھنے کے لیے ذیلی تنظیموں کے قیام کی طرف توجہ فرمائی۔ پہلے لجنہ اماء اللہ کا قیام عمل میں آیا پھر نوجوانوں اور بچوں کی اصلاح کی غرض سے خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کی تنظیمیں قائم ہوئیں اور سب کے آخر میں جولائی ۱۹۴۰ء میں انصار اللہ کی تنظیم قائم فرمائی۔

مجلس انصار اللہ کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ نے ۲۶ر جولائی ۱۹۴۰ء کو خطبہ جمعہ میں اس مجلس کے قیام کا اعلان فرمایا۔ اس اہم خطبہ کے چند اقتباسات پیش ہیں:

جماعت احمدیہ قادیان کی تنظیم:

”میں سمجھتا ہوں کام کی ذمہ داری صرف پندرہ سے چالیس سال کی عمر والوں پر ہی نہیں بلکہ اس کے اوپر اور نیچے والوں پر بھی ہے...... اسی طرح چالیس سال سے اوپر عمر والے جس قدر آدمی ہیں وہ انصار اللہ کے نام سے اپنی ایک انجمن بنائیں اور قادیان کے وہ تمام لوگ جو چالیس سال سے اُوپر ہیں، اس میں شریک ہوں۔ ان کے لیے بھی لازمی ہوگا کہ وہ روزانہ آدھا گھنٹہ خدمت دین کے لیے وقف کریں، اگر مناسب سمجھا گیا تو بعض لوگوں سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے

مہینہ میں تین دن یا کم وبیش اکٹھے بھی لیے جا سکتے ہیں مگر بہر حال تمام بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کا بغیر استثنا کے قادیان میں منظم ہو جانا لازمی ہے۔ مجلس انصار اللہ کے عارضی پریذیڈنٹ مولوی شیر علی صاحب ہوں گے اور سیکرٹری کے فرائض سر انجام دینے کے لیے میں مولوی عبدالرحیم صاحب درد، چوہدری فتح محمد صاحب اور خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کو مقرر کرتا ہوں۔ تین سیکرٹری میں نے اس لیے مقرر کیے ہیں کہ مختلف محلوں میں کام کرنے کے لیے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔، ان کو فوراً قادیان کے مختلف حصوں میں اپنے آدمی بٹھا دینے چاہئیں اور چالیس سال سے اوپر عمر رکھنے والے تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہیے۔''

بیرونی جماعتوں میں انصار اللہ:

''اس کے ساتھ ہی مَیں بیرونی جماعتوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ...... اب انہیں ہر جگہ چالیس سال سے زائد عمر والوں کے لئے مجالس انصار اللہ قائم کرنی چاہئیں۔ ان مجالس کے وہی قواعد ہوں گے جو قادیان میں مجلس انصار اللہ کے قواعد ہوں گے۔ مگر سر دست باہر کی جماعتوں میں داخلہ فرض کے طور پر نہیں ہوگا بلکہ ان مجالس میں شامل ہونا ان کی مرضی پر موقوف ہوگا لیکن جو پریذیڈنٹ یا امیر یا سیکرٹری ہیں، ان کے لئے لازمی ہے کہ وہ کسی نہ کسی مجلس میں شامل ہوں۔ کوئی امیر نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اگر وہ چالیس سال سے اُوپر ہے تو اس کے لئے انصار اللہ کا ممبر ہونا ضروری ہوگا۔ اس طرح سال ڈیڑھ سال تک دیکھنے کے بعد خدا نے چاہا تو آہستہ آہستہ باہر بھی ان مجالس میں شامل ہونا لازمی کر دیا جائے گا۔''

جماعت کی تین ذیلی تنظیمیں:

''......پس میں قادیان کی جماعت کو آئندہ تین گروہوں میں تقسیم کرتا ہوں، اوّل اطفال الاحمدیہ ۸ سے ۱۵ سال تک، دوم خدام الاحمدیہ ۱۵ سے ۴۰ سال تک، سوم انصار اللہ ۴۰ سے اوپر تک۔

پندرہ دن کے اندر اندر اس کام کو تکمیل تک پہنچایا جائے اس کے لیے قطعاً اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ محلوں میں پھر کر لوگوں کو شامل ہونے کی تحریک کریں بلکہ وہ...... میں بیٹھ رہیں جس نے اپنا نام لکھانا ہو وہاں آ جائے اور جس کی مرضی ہو ممبر بنے اور جس کی مرضی ہو نہ بنے۔ جو ہمارا ہے وہ آپ ہی ممبر بن جائے گا اور جو ہمارا نہیں اسے ہمارا اپنے اندر شامل رکھنا بے فائدہ ہے۔''

''اس طرح پندرہ دن کے اندر اندر قادیان کی تمام جماعت کو منظم کیا جائے گا اور ان سے وہی کام لیا جائے گا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے لیا گیا یعنی کچھ تو اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو تبلیغ کریں۔ کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو قرآن اور حدیث پڑھائیں۔ کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں، کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ تعلیم و تربیت کا کام کریں اور کچھ یــزکیھــم کے دوسرے معنوں کے مطابق اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کی دنیوی ترقی کی تدابیر عمل میں لائیں۔ یہ پانچ کام ہیں جو لازماً ہماری جماعت کے ہر فرد کو کرنے پڑیں گے، اسی طرح جس طرح جماعت فیصلہ کرے اور جس طرح نظام اس سے کام کا مطالبہ کرے۔

''جو شخص کسی واقعی عذر کی وجہ سے شامل نہیں ہو سکتا، مثلاً وہ مفلوج ہے یا اندھا ہے یا ایسا بیمار ہے کہ چل پھر نہیں سکتا، ایسے شخص سے بھی اگر عقل سے کام لیا جائے تو فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مثلاً اُسے کہہ دیا جائے کہ اگر تم کچھ اور نہیں کر سکتے تو کم سے کم دو نفل روزانہ پڑھ کر جماعت کی ترقی کے لیے دعا کر دیا کرو، پس ایسے لوگوں سے بھی اگر کچھ اور نہیں تو دعا کا کام لیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو کوئی نہ کوئی کام نہ کر سکے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں وہی شخص زندہ رکھا جاتا ہے جو کسی نہ کسی رنگ میں کام کر کے دوسروں کے لیے اپنے وجود کو فائدہ بخش ثابت کر سکتا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت کا کام جس میں جسمانی محنت سب سے کم برداشت کرنی پڑتی ہے، دعا ہے۔'' (الفضل یکم اگست ۱۹۴۰ء صفحہ ۷ تا ۱۰)

پھر ۲۳؍ اگست ۱۹۴۰ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''مَیں سمجھتا ہوں کہ...... اگر کوئی شخص ایسا ہے جو چالیس سال سے اُوپر کی عمر رکھتا ہے مگر وہ انصار اللہ کی مجلس میں شامل نہیں ہوا تو اس نے بھی ایک قومی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔''

بیرونی مجالس کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشادات کی روشنی میں متعدد بار الفضل میں یہ اعلان کیا گیا کہ قادیان سے باہر اندرون ہند یا بیرون ہند جہاں جہاں جماعتیں ہوں وہ بھی انصار اللہ کی تنظیم قائم کریں اور حضور کے خطبات میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کے مطابق کام شروع کر دیں چنانچہ اس کے مطابق بیرونی جماعتوں نے اس طرف توجہ کی۔ ۱۹۴۱ء کے آخر تک پچاس کے قریب بیرونی مجالس قائم ہو گئیں۔

ان تمام مجالس کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ وہ اپنی کارگذاری کی رپورٹ ہر ماہ کی ۳ تاریخ تک مرکز میں بھجوا دیا کریں، تاکہ ان کا خلاصہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کیا جا سکے۔ ماہوار رپورٹوں کے لیے ایک فارم بھی تجویز کر کے اس کا اعلان ۱۹ر جولائی ۱۹۴۱ء کے الفضل میں کرادیا گیا۔

ابتدائی تنظیم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشادات کے بموجب قادیان میں تمام انصار کو پندرہ دن کے اندر منظّم کرلیا گیا۔ شہر کو مندرجہ ذیل تین حلقوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر حلقہ کا ایک ایک سیکرٹری مقرر کیا گیا، تاکہ جملہ امور کی نگرانی ہو سکے۔

۱- حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال — کھارا، دارالبرکات، دارالانوار، قادرآباد

۲- حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد — ......مبارک، ......اقصیٰ، بیت الفضل، ناصرآباد، ننگل

۳- حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب: دارالرحمت، دارالعلوم مع احمدآباد، دارالفضل، دارالفتوح

ہر محلّہ میں انصاراللہ کا ایک زعیم مقرر کیا گیا تاکہ وہ جملہ امور کی نگرانی کرے اور اپنی کارگذاری کی رپورٹ متعلقہ سیکرٹری کے سامنے پیش کرے۔ سہولت کے پیشِ نظر ہر محلّہ میں دس دس اراکین کے حزب بنا کر ان کا گروپ لیڈر یا سائق مقرر کیا گیا۔

ہر سیکرٹری نے اپنے اپنے حلقہ میں تقسیم کار کے طور پر چھ چھ ناظمین بطور معاون مقرر کیے، یعنی ناظم مال، ناظم تعلیم، ناظم تربیت، ناظم دعوت الی اللہ، ناظم امور دنیوی، جنرل سیکرٹری۔ تاکہ ہر شعبہ کا کام بطریق احسن انجام دیا جا سکے۔

سیکرٹری صاحبان اپنے اپنے حلقہ میں انصاراللہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے رہے اور کبھی کبھی اجتماعی جلسہ بھی منعقد کیا جاتا جس میں تمام انصار شریک ہو کر استفادہ کرتے۔ وقتاً فوقتاً انصاراللہ مرکزیہ کے اجلاس بھی منعقد ہوتے رہے جن میں انصاراللہ کے لائحہ عمل اور دستور اساسی کے بارے میں تجاویز پیش ہوتی رہیں، مرکزی مجلس کے بعض اجلاسوں کی روئداد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں بغرض اطلاع پیش کی جاتی رہیں اور حضور کی طرف سے ان کے بارے میں ہدایات بھی ملتی رہیں۔

انصاراللہ کا ابتدائی پروگرام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشادات کی روشنی میں انصاراللہ کے لیے جو پروگرام مرتب کیا گیا اس میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔

۱- تمام حلقہ جات میں نماز کی پابندی کی نگرانی کی جائے۔ سست افراد کو ترغیب کے ذریعہ چست کیا جائے اور جو

پابند نہ ہوں، ان کی رپورٹ مرکزی دفتر میں کی جائے۔

۲- خدام الاحمدیہ کے تعاون سے ناخواندہ افراد کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

۳- تبلیغ کے لئے انصاراللہ میں سے والنٹیرز لیے جائیں اور انہیں مختلف دیہات میں بھجوایا جائے۔

۴- ہر سال ایک ہفتہ منایا جائے جس میں مخالفین سلسلہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات سے اراکین کو باخبر کیا جائے اور یہ کام خدام الاحمدیہ کے تعاون سے کیا جائے۔ اس بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یہ ہدایت فرمائی کہ جوابات اسباق کے رنگ میں سکھائے جائیں اور امتحان کے ذریعہ اس امر کی تسلی کر لی جائے کہ مضامین پوری طرح ذہن نشین ہو گئے ہیں۔

انصاراللہ کی دعوت الی اللہ جدوجہد کا آغاز

قادیان میں انصاراللہ کے دعوت الی اللہ کے کام کو باقاعدہ بنانے کے لیے شہر کو آٹھ حلقوں میں تقسیم کیا گیا۔ طریق کار یہ مقرر ہوا کہ باری باری دو حلقوں کی دوکانیں ہر جمعرات کو سارا دن اور اگلے روز نماز جمعہ تک بند رہیں، اس طرح دوکانداروں کا ایک چوتھائی حصہ دعوت الی اللہ کے لیے باہر جایا کرے اور جمعرات و جمعہ کی درمیانی رات باہر گذار کر نماز جمعہ کے لئے واپس آئے۔ اس انتظام کے نگران اعلیٰ حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب مقرر ہوئے اور انہیں کی ہدایات کے مطابق دعوت الی اللہ کام کا آغاز ہوا، قادیان کے گردونواح میں پیغام حق پہنچانے کے لیے ممبران انصاراللہ ایک تنظیم کے ماتحت یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۴۴ء کے ایک خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ:

> ”ہم لوگوں کو چاہیے اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کے پاس جا کر ان کو اس رنگ میں تبلیغ کریں۔ یا تو ہمیں مسائل سمجھا دو یا ہم سے سمجھ لو اور وہاں سے اٹھیں نہیں جب تک صداقت کا قائل نہ کر لیں۔ اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے تو بہت مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔“

حضور کے اس ارشاد کی روشنی میں قادیان کے بعض انصار اپنے رشتہ داروں کے پاس دوسرے مقامات پر گئے اور انہیں پیغام حق پہنچایا۔ دعوت الی اللہ پروگرام کے سلسلہ میں ہفتہ تلقین منایا جاتا رہا جس میں دلائل ذہن نشین کرائے جاتے اور نوٹ لکھوائے جاتے تھے۔

ماہانہ جلسوں کی ابتداء

قادیان کے محلہ جات میں تمام افراد کو تنظیم انصاراللہ سے متعارف کرانے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ محلہ وار اجلاس منعقد کئے جائیں تاکہ انصاراللہ کا کام پوری تندہی سے چلایا جا سکے۔

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا پہلا مقامی اجتماع

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے زیر اہتمام پہلا اجتماعی جلسہ مورخہ ۲۵ رفتح ۱۳۲۰ ہش / دسمبر ۱۹۴۱ء...... اقصیٰ میں مکرم نواب چوہدری محمد دین صاحب کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ جس میں حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب نے ”تحریک وفرائض انصار اللہ“ کے موضوع پر ایک مبسوط تقریر کی اور انصار اللہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور بتلایا کہ ان کا وہی کام ہے جو انبیاء کا ہوتا ہے یعنی دعوت الی اللہ، کتاب اللہ کا سکھانا، شریعت کی حکمت بیان کرنا، اولاد کی عمدہ تربیت اور جماعت کی اقتصادی کمزوریوں کو دور کرنا، معمولی وقت دعوت الی اللہ کے لیے دینا اور حقیر سی رقم چندہ میں ادا کرنا کوئی بڑی قربانی نہیں، بلکہ یہ بھی ایسے ذرائع ہیں جن سے ہم خدا کو پا سکتے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحب کے بعد حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب نے انصار اللہ کے طریق کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی، آخر میں صاحب صدر نے انصار اللہ کی تحریک کی اہمیت پر اظہار خیال کیا۔

دوسرے اجلاس میں جو نواب اکبر یار جنگ صاحب آف حیدرآباد دکن کی صدارت میں منعقد ہوا بعض اصحاب نے موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیوں پر تقاریر کیں۔

مرکزی دفتر کا قیام

مجلس انصار اللہ کے قیام کے بعد ابتدائی ایام میں مجلس کا کوئی دفتر نہ تھا۔ اس زمانہ میں اجلاس عموماً...... مبارک میں ہوا کرتے تھے اور ان کا ریکارڈ مجلس کے ایک آنریری کارکن مکرم شیخ عبدالرحیم صاحب شرما (سابق کشن لعل) ایک رجسٹر میں کیا کرتے لیکن صلح ۱۳۲۲ ہش / جنوری ۱۹۴۳ء سے مجلس کا دفتر باقاعدہ طور پر گیسٹ ہاؤس (دارالانوار قادیان) کے ایک کمرہ میں قائم کر دیا گیا اور مکرم شیخ عبدالرحیم شرما صاحب کو ہی بیس روپیہ مشاہرہ بطور کلرک مقرر کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک مددگار کارکن بمشاہرہ بارہ روپے کی منظوری بھی دی گئی۔

دفتر کے لیے فرنیچر کی ضرورت بھی تھی۔ کچھ عرصہ تک تو ”مجلس تعلیم“ اور ”ترجمۃ القرآن“ کے دفاتر کا فرنیچر استعمال ہوتا رہا۔ پھر ۴ رہجرت ۱۳۲۳ ہش / مئی ۱۹۴۴ء کو ساٹھ روپے کی منظوری دی گئی تا کہ اس سے ایک میز، چار کرسیاں اور ایک بنچ خریدا جا سکے۔

کچھ عرصہ بعد مرکزی دفتر دارالانوار سے شہر میں کرایہ کے مکان میں منتقل کر دیا گیا اور آئندہ سال کے بجٹ میں اس کے کرایہ کے لیے تیس روپیہ کی گنجائش رکھی گئی۔

۲رفتح ۱۳۲۳ہش/دسمبر ۱۹۴۴ء کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجلس کا مستقل دفتر تعمیر کیا جائے، تعمیر کا اندازہ مبلغ پندرہ ہزار روپے لگایا گیا۔

شعبہ نشر و اشاعت

اسی اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مجلس کے ماتحت ایک شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا جائے جس کا کام یہ ہو کہ اغراض تبلیغ کے لیے اشتہارات اور ٹریکٹ تیار کر کے ان کی اشاعت کا انتظام کرے۔ ان ہر دو امور کے لیے رقم کی فراہمی کا کام حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے سپرد کیا گیا اور ان کو اختیار دیا گیا کہ اس غرض کے لیے عطایا جمع کریں۔ چنانچہ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر شاہ صاحب موصوف نے تعمیر دفتر اور نشر و اشاعت کا فنڈ قائم کرنے کی تحریک کی اور ان ہر دو مدات میں ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء تک ۱۴۷۶ روپے وصول ہوئے۔

قیادتوں کا قیام اور دستور اساسی کی تشکیل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲راخاء ۱۳۲۲ہش/اکتوبر ۱۹۴۳ء کی روشنی میں تنظیم انصار اللہ کے ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں کرنے اور حضور کے ارشاد کو موثر رنگ میں عملی جامہ پہنانے کی غرض سے مورخہ ۲۷راخاء ۱۳۲۲ہش/اکتوبر ۱۹۴۳ء کو مرکزی مجلس کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تا کہ دستور اساسی کے رنگ میں کچھ قواعد وضوابط مقرر کر لیے جائیں۔ اس اجلاس میں صدر مجلس حضرت مولوی شیر علی صاحب کے علاوہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب نے شرکت کی اور ابتدائی دستور اساسی کی شکل میں کئی فیصلے کئے گئے اور قیادتوں کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔

اس دستور اساسی کی نقل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں بغرض ملاحظہ اور منظوری صدر مجلس کے دستخطوں کے ساتھ ارسال کی گئی۔ حضور انور نے اس پر تحریر فرمایا:

”منظور ہے عمل کیا جائے“ (الفضل ۲ردسمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۳)

مجلس انصار اللہ کا پہلا بجٹ

مجلس انصار اللہ کا پہلا بجٹ آمد وخرچ از یکم مئی ۱۹۴۴ء تا آخر اپریل ۱۹۴۵ء مورخہ ۲ردسمبر ۱۹۴۴ء پیش ہو کر منظور کیا گیا۔ جو یہ تھا:

الف- بجٹ آمد

۱- آمد چندہ جات مقامی و بیرونی انصار اللہ	۱۲۰۰
۲- عطیات از ذی ثروت احباب	۶۰۰
کل آمد:	۱۸۰۰ روپے

ب- بجٹ اخراجات:

۱- اخراجات عملہ	۷۲۰
۲- سائر	۶۰
۳- سامان فرنیچر	۲۸۰
ج- اخراجات غیر معمولی	۴۷۵
میزان کل اخراجات:	۱۵۳۵ روپے

انصار اللہ کا پہلا اجتماع

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲/اکتوبر ۱۹۴۳ء میں علاوہ اور باتوں کے اس طرف بھی توجہ دلائی تھی کہ انصار اللہ میں اجتماعی روح پیدا کرنے کے لیے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی طرح انصار اللہ مرکزیہ کو بھی ایک سالانہ اجتماع منعقد کرنا چاہیے۔ اس ہدایت کی تعمیل میں مرکزی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۲/دسمبر ۱۹۴۴ء میں یہ فیصلہ کیا کہ پہلا اجتماع مورخہ ۲۵/فتح ۱۳۲۳ ہش/دسمبر ۱۹۴۴ء بوقت ۳ بجے...... اقصیٰ قادیان میں (بعد نماز ظہر و عصر) منعقد کیا جائے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے بھی اس میں شرکت کی درخواست کی جائے، اس فیصلہ کے بموجب مجوزہ تاریخ پر...... اقصیٰ میں بعد نماز ظہر و عصر ۴ بجے اجلاس منعقد ہوا، اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جو افتتاحی خطاب فرمایا وہ درج ذیل ہے:

خطاب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی:

''میں صرف مجلس انصار اللہ کی خواہش کے مطابق اس جلسہ کے افتتاح کے لیے آیا ہوں اور صرف چند کلمات کہہ کر دعا سے اس جلسہ کا افتتاح کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ انصار اللہ کی مجلس کے قیام کو کئی سال گذر چکے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب تک اس مجلس میں زندگی کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ زندگی کے آثار پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اوّل تنظیم کامل ہو جائے،

دوسرے متواتر حرکت پیدا ہو جائے اور تیسرے اس کے کوئی اچھے نتائج نکلنے شروع ہو جائیں۔ میں ان تینوں باتوں میں مجلس انصار اللہ کو ابھی بہت پیچھے پاتا ہوں۔ انصار اللہ کی تنظیم ابھی ساری جماعتوں میں نہیں ہوئی۔ حرکت عمل ابھی ان میں ہوتی نظر نہیں آتی۔ نتیجہ کچھ عرصہ کے بعد نظر آنے والی چیز ہے مگر کسی اعلیٰ درجہ کے نتیجہ کی امید ہوتی ہے اور کم از کم اس نتیجہ کے آثار کا ظہور تو شروع ہو جاتا ہے مگر یہاں وہ امید اور آثار بھی نظر نہیں آتے۔ غالباً مجلس انصار اللہ کا پہلا سالانہ اجتماع ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس اجتماع میں وہ ان کاموں کی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور قادیان کی مجلس انصار اللہ بھی اور بیرونی مجالس بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں گی کہ بغیر کامل ہوشیاری اور کامل بیداری کے کبھی قومی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی اور ہمسایہ کی اصلاح میں ہی انسان کی اپنی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اس کے ہمسایہ کا اثر اس پر پڑتا ہے نہ صرف انسان بلکہ دنیا کی ہر ایک چیز اپنے پاس کی چیز سے متاثر ہوتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ پاس پاس کی چیزیں ایک دوسرے کے اثر کو قبول کرتی ہیں، بلکہ سائنس کی موجودہ تحقیق سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ جانوروں اور پرندوں وغیرہ کے رنگ ان پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے ہوتے ہیں جہاں وہ رہتے ہیں...... پس اگر جانوروں اور پرندوں کے رنگ پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے بدل جاتے ہیں حالانکہ ان میں دماغی قابلیت نہیں ہوتی تو انسان کے رنگ جن میں دماغی قابلیت بھی ہوتی ہے، پاس کے لوگوں کی وجہ سے کیوں نہیں بدل سکتے، خدا تعالیٰ نے اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ کونوا مع الصادقین یعنی اگر تم اپنے اندر تقویٰ کا رنگ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا گُر یہی ہے کہ صادقوں کی مجلس اختیار کرو تا کہ تمہارے اندر بھی تقویٰ کا وہی رنگ تمہارے نیک ہمسایہ کے اثر کے ماتحت پیدا ہو جائے جو اس میں پایا جاتا ہے۔

پس جماعت کی تنظیم اور جماعت کے اندر دینی رُوح کے قیام اور اس روح کو زندہ رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اصلاح کی کوشش کرے......

اب میں دعا کے ذریعہ جلسہ کا افتتاح کرتا ہوں، خدا کرے مجلس انصار اللہ کا آج اجتماع اور آج کی کوششیں بیج کے طور پر ہوں جن سے آگے خدا تعالیٰ ہزاروں گنا اور پیدا کرے اور پھر وہ بیج آگے دوسری فصلوں کے لیے بیج کا کام دیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی روحانی بادشاہت اسی طرح دنیا میں قائم ہو جائے جس طرح کہ اس کی مادی بادشاہت دنیا پر قائم ہے۔ آمین۔‘‘

(الفضل ۶؍ اگست ۱۹۴۵ء صفحہ ۱، ۲)

بقیہ کارروائی اجتماع:

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے افتتاحی خطاب کے بعد تشریف لے گئے تو اجلاس کی بقیہ کارروائی حضرت مولوی شیر علی صاحب صدر مجلس انصار اللہ کی صدارت میں جاری رہی اور مندرجہ ذیل اصحاب نے بتفصیل ذیل تقاریر فرمائیں:

۱- آنریبل حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب	پابندی نظام
۲- حضرت مفتی محمد صادق صاحب	انصار اللہ کے فرائض
۳- حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب	تعلیم وتربیت
۴- مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ وامیر جماعت لاہور	اطاعت
۵- حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی	قربانی اور تقویٰ
۶- حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب	تحریک برائے تعمیر دفتر مرکز نشر واشاعت

تعداد مجالس بیرون

اس دور سے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ فتح ۱۳۲۴ ہش/دسمبر ۱۹۴۵ء تک بیرونجات میں ۲۴۸ مجالس قائم ہوئیں جن میں سے ۱۲۵ شہری تھیں اور ۱۲۳ دیہاتی۔ تقسیم ملک کے بعد تک اس تعداد میں کس قدر اضافہ ہوا اس بارے میں مرکزی ریکارڈ اور الفضل دونوں سے کوئی راہنمائی نہیں ملتی، درحقیقت اُس زمانہ کے حالات ہی کچھ اس قسم کے تھے کہ ریکارڈ کی تکمیل اور تفصیل کا کماحقہ، انصرام نہ ہوسکا۔

انصار اللہ کا ابتدائی عہد

نومبر ۱۹۴۴ء تک انصار اللہ کے اجلاس میں کوئی عہد نہیں دہرایا جاتا تھا۔ ۳۰ نبوت ۱۳۲۳ ہش/نومبر ۱۹۴۴ء کے ماہانہ اجلاس میں قائد عمومی حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد نے یہ تجویز پیش کی کہ انصار اللہ کے جلسوں میں عہد دہرانے کا طریق رائج کیا جائے اور اس غرض کے لیے وہ الفاظ مقرر کیے جائیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے جلسہ جوبلی ۱۹۳۹ء کے موقع پر لوائے احمدیت لہراتے وقت بطور عہد مقرر فرمائے تھے۔ اس تجویز کو منظور کرلیا گیا اور اسی جلسہ میں پہلی مرتبہ عہد دہرایا گیا۔ عہد کے الفاظ یہ تھے:

> "مَیں اقرار کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے...... اور احمدیت کے قیام، اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کے لئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس

امر کے لیے ہر ممکن قربانی پیش کروں گا کہ احمدیت یعنی حقیقی ...... دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہو بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اونچا اُڑتا رہے۔ اللھم آمین ۔اللھم آمین ۔ اللھم آمین ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۹ صفحہ ۹۲)

تنظیم انصار اللہ کے اغراض ومقاصد

حضرت مصلح موعود نے جہاں چالیس سال سے اوپر عمر رکھنے والوں کی الگ تنظیم قائم کرنے کا ارشاد فرمایا وہاں ان کے لیے لائحہ عمل بھی خود تجویز فرمایا تا کہ صحیح خطوط پر بلا توقف کام شروع کیا جا سکے۔ جو مقاصد اس تنظیم کے قیام سے حضور کے پیش نظر تھے، ان کا ذکر بڑی تفصیل سے حضور نے اپنے بعض خطبات اور تقاریر میں فرمایا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ضروری اقتباسات اس جگہ درج کر دیئے جائیں تا کہ حضور کے اپنے الفاظ میں ان کی وضاحت ہو۔

انصار اللہ کے قیام کی چھ اغراض

ذیلی تنظیموں کے قیام کے چھ اہم اغراض کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:

''میں نے چالیس سال سے کم عمر والوں کے لیے خدام الاحمدیہ اور زیادہ عمر والوں کے لیے انصار اللہ قائم کی ہے یا پھر عورتیں ہیں ان کے لیے لجنہ اماء اللہ قائم کی ہے۔ میری غرض ان تحریکات سے یہ ہے کہ جو قوم بھی اصلاح وارشاد کے کام میں پڑتی ہے ان کے اندر ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے کہ اور لوگ ان کے ساتھ شامل ہوں اور یہ خواہش کہ اور لوگ جماعت میں شامل ہو جائیں جہاں جماعت کو عزت بخشتی ہے وہاں بعض اوقات جماعت میں ایسا رخنہ پیدا کرنے کا موجب بھی ہو جایا کرتی ہے جو تباہی کا باعث ہوتا ہے ...... جو قومیں تبلیغ میں زیادہ کوشش کرتی ہیں ان کی تربیت کا پہلو کمزور ہو جاتا ہے اور ان مجالس کا قیام میں نے تربیت کی غرض سے کیا ہے ......

پس جماعت کا تقویٰ پر قائم ہونا بے حد ضروری ہے ......''

ایمان بالغیب:

''...... تقویٰ کی پہلی ضروری چیز ایمان کی درستی ہی ہے قرآن کریم نے مومن کی علامت یہ بتائی ہے کہ یومنون بالغیب ...... پہلی علامت ایمان بالغیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ، ملائکہ، قیامت اور رسولوں پر ایمان لانا، پھر اس ایمان کے نیک نتائج پر ایمان لانا بھی ایمان بالغیب ہے ......

ان تینوں مجلسوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ایمان بالغیب ایک میخ کی طرح ایک احمدی کے دل میں گڑ جائے کہ اس کا ہر خیال، ہر قول اور ہر عمل اس کے تابع ہو اور یہ ایمان قرآن کریم کے علم کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا......

اقامت صلوٰۃ:

''قرآن کریم نے یؤدون الصّلوٰۃ کہیں نہیں فرمایا۔ یصلون الصّلوٰۃ نہیں کہا بلکہ جب بھی نماز کا حکم دیا ہے یقیمون الصّلوٰۃ فرمایا ہے اور اقامت کے معنی باجماعت نماز ادا کرنے کے ہیں اور پھر اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرنا بھی اس میں شامل ہے...... اس میں خود نماز پڑھنا، دوسروں کو پڑھوانا، اخلاص و جوش کے ساتھ پڑھنا، باوضو ہو کر، ٹھہر ٹھہر کر، باجماعت اور پوری شرائط کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ اس کی طرف ہمارے دوستوں کو خاص توجہ کرنی چاہئے۔''

انفاق فی سبیل اللہ:

''تیسری چیز ومما رزقنٰھم ینفقون یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کیا جائے، خدا تعالیٰ کی دی ہوئی پہلی چیز جذبات ہیں۔''

ایمان بالقرآن:

''اس کے بعد فرمایا والذین یؤمنون بما انزل الیک۔ اس میں ایمان بالقرآن کا حکم ہے مگر اس کو صرف ماننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ہر حکم کو اپنے اوپر حاکم بنانا ضروری ہے۔''

بزرگان دین کا احترام:

''اس کے بعد ایمان بما اُنزل من قبلک کا حکم ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کے بزرگوں کا جائز ادب و احترام کرو۔ گویا اس میں صلح کی تعلیم دی گئی ہے پھر اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ تبلیغ میں نرمی اور سچائی کا طریق اختیار کرو۔''

یقین بالآخرۃ:

''آخری چیز یقین بالآخرۃ ہے۔ اس کے معنی دو ہیں۔ ایک تو مرنے کے بعد زندگی کا یقین ہے...... پھر اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ انسان ایمان رکھے کہ خدا تعالیٰ مجھ پر بھی اسی طرح کلام نازل کرسکتا ہے جس طرح اس نے پہلوں پر کیا۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔

پس یہ چھ کام ہیں جو انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کے ذمہ ہیں۔ ان کو چاہئے کہ پوری کوشش کر کے جماعت کے اندر ان امور کو رائج کریں تاکہ ان کا ایمان صرف رسمی ایمان نہ رہے بلکہ حقیقی ایمان ہو جو انہیں خدا تعالیٰ کا مقرب بنا دے اور وہ غرض پوری ہو جس کے لیے میں نے اس تنظیم کی بنیاد رکھی ہے۔" (تاریخ انصار اللہ جلد اوّل صفحہ ۶۴ تا ۶۹)

منظّم دعوت الی اللہ کی ضرورت

منظّم دعوت الی اللہ کی ضرورت واضح کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:

"......ہمارا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اس پیغام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا دنیا کے کناروں تک پہنچائیں ...... ہمارے لیے سال میں دو تین بلکہ چار ہزار احمدی بنانا تو افسوس کی بات ہونی چاہئے۔ جب تک جماعت کے ہر فرد کے اندر یہ آگ نہ ہو کہ اس نے ہر ایک اپنے قریب بلکہ بعید کے شخص کو بھی جماعت میں داخل کرنا ہے اور جب تک لوگ افواج در افواج احمدیت میں داخل نہ ہوں، ہماری حیثیت محفوظ نہیں ہو سکتی اور ذمہ داری ختم نہیں ہو سکتی۔" (تاریخ انصار اللہ جلد اوّل صفحہ ۷۰، ۷۱)

انصار اللہ اشاعت دین حق اور اعمال خیر کی ترویج میں مشغول ہوں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ ر تبوک ۱۳۲۳ ہش / ستمبر ۱۹۴۴ء میں فرمایا:

"میں نے جماعت کو کچھ عرصہ سے تین مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ جماعت کا سارا زور اور اس کی طاقت ...... اور اشاعت اور احمدیت میں صرف ہو، ...... عقائد کے قیام میں وہ مشغول ہو جائے اور اعمال خیر کی ترویج میں اس کی تمام مساعی صرف ہونے لگ جائیں، جماعت کے یہ تین اہم ترین حصے انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ ہیں۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جس قسم کا کوئی آدمی ہوتا ہے اسی قسم کے لوگوں کی وہ نقل کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ بوڑھے عام طور پر بوڑھوں کی نقل کرتے ہیں اور نوجوان عام طور پر نوجوانوں کی نقل کرتے ہیں اور بچے عام طور پر بچوں کی نقل کرتے ہیں......

یہی حکمت ہے جس کے ماتحت میں نے انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ تین الگ الگ جماعتیں قائم کی ہیں تا کہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی نقل کا مادہ جماعت میں زیادہ سے زیادہ پیدا ہو۔'' (الفضل ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۴ء)

تنظیم انصار اللہ کا مقصد - جماعت میں بیداری پیدا کرنا

حضور نے ۲۲/اکتوبر ۱۹۴۳ء کے خطبہ جمعہ میں تنظیم کے قیام کا مقصد یہ بتایا کہ ہر فرد کے اندر ایک بیداری اور پھر کام کرنے کا ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کرنا ہے تا وہ اغراض پوری ہوں جن کے لئے یہ تنظیمیں قائم کی گئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں انصار اللہ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں سے گزر رہے ہیں اور یہ آخری حصہ وہ ہوتا ہے جب انسان دنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان جانے کی فکر میں ہوتا ہے...... نوجوان تو خیال بھی کر سکتے ہیں کہ اگر ہم سے خدمتِ خلق میں کوتاہی ہوئی تو انصار اللہ اس کام کو ٹھیک کر لیں گے مگر انصار اللہ کس پر انحصار کر سکتے ہیں۔ وہ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیں گے اور اگر دین کی محبت اپنے نفوس میں اور پھر تمام دنیا کے قلوب میں پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ وہ اگر احمدیت کی اشاعت کو اپنا اوّلین مقصد قرار نہ دیں گے اور وہ اگر اس حقیقت سے اعراض کر لیں گے کہ انہوں نے ...... کو دنیا میں پھر زندہ کرنا ہے تو انصار اللہ کی عمر کے بعد اور کون سی عمر ہے جس میں وہ یہ کام کریں گے۔ انصار اللہ کی عمر کے بعد تو پھر ملک الموت کا زمانہ ہے اور ملک الموت اصلاح کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ اس مقام پر کھڑا کرنے کے لئے آتا ہے جب کوئی انسان سزا یا انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔'' (الفضل ۱۷/نومبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۲)

فرائض کی ادائیگی میں مجنونانہ کوشش

پھر حضور نے انصار کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے مجنونانہ کوشش کرنے کا ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

''ہماری جماعت کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ ہم نے تمام دنیا کی اصلاح کرنی ہے، تمام دنیا کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جھکانا ہے، تمام دنیا کو ...... اور احمدیت میں داخل کرنا ہے، تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کرنا ہے......

یہ کام اس وقت ہو سکتا ہے جب ...... وہ سب کے سب اس مقصد کے لیے کہ ہم نے دنیا میں ...... اور احمدیت کو قائم کرنا ہے اس طرح رات اور دن مشغول رہیں جس طرح ایک پاگل

اور مجنون شخص تمام جہالت سے توجہ ہٹا کر صرف ایک کام کی طرف مشغول ہو جاتا ہے وہ بھول جاتا ہے اپنی بیوی کو، وہ بھول جاتا ہے اپنے بچوں کو، وہ بھول جاتا ہے اپنے دوستوں کو، رشتہ داروں کو اور صرف ایک مقصد اور صرف ایک کام اپنے سامنے رکھتا ہے اگر ہم یہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کرلیں اور اگر ہماری جماعت کا ہر فرد دن اور رات اس مقصد کو اپنے سامنے رکھے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے کاموں میں برکت ڈالے گا اور اس کی کوششوں کے حیرت انگیز نتائج پیدا کرنا شروع کردے گا...... (تاریخ انصار اللہ جلد اول صفحہ ۷۳،۷۴)

عظیم الشان انقلاب:

اگر ہماری ساری جماعت ......اور احمدیت کی اشاعت کے لیے کھڑی ہو جائے اور دن اور رات اس کام میں لگ جائے وہ اپنے آرام کو نظر انداز کردے، اپنی سہولت کو پس پشت پھینک دے اور دیوانہ وار اس کام میں مشغول ہو جائے تو گو ہماری تعداد تھوڑی ہے ہمارے پاس اور اقوام کے مقابلہ میں سامان بہت کم ہیں مگر یقیناً اس مجنونانہ کوشش کے نتیجہ میں دنیا میں ایک عظیم الشان تغیر رونما ہو جائے گا اور ایک بہت بڑا انقلاب الٰہی ہاتھ سے ظاہر ہوگا۔''

خلاصہ:

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے مندرجہ بالا خطبات و تقاریر کا خلاصہ یہ ہے کہ انصار اللہ کی تنظیم اس غرض کے لیے قائم کی گئی ہے کہ وہ

۱- جماعت میں نیکی و تقویٰ پیدا کرے، دینی عقائد کو ذہن نشین کرائے، اعمال خیر کی ترویج میں کوشاں ہو کر اچھی تربیت کے سامان پیدا کرے۔

۲- نمازوں کے قیام کی طرف خصوصی توجہ کرے۔

۳- قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کرے اور احکام شریعت کی حکمتیں لوگوں پر واضح کرے۔

۴- اجتماعی اور انفرادی دعوت الی اللہ بالخصوص رشتہ داروں کو دعوت الی اللہ کرنے کی طرف متوجہ ہو۔

۵- خدمت خلق کے کاموں میں حصہ لے۔

۶- قوم کی دنیوی کمزوریوں کو دور کر کے اسے ترقی کے میدان میں آگے بڑھائے۔

۷- جماعت میں بیداری پیدا کرنے اور اسے قائم رکھنے کی کوشش کرے اور اس غرض کے لیے دوسری تنظیموں سے تعاون کرے تا کہ جماعتی اتحاد میں کوئی رخنہ واقع نہ ہو۔

دار القضاء کا قیام

حضرت مصلح موعود ...... کا عظیم کارنامہ

(مکرم حافظ راشد جاوید شاہد صاحب ناظم دار القضاء)

دنیا میں بعض ایسے افراد جنم لیتے ہیں جن کو نہ تو گردشِ زمانہ مٹا سکتی ہے اور نہ ہی ان کی محبت دلوں سے محو ہو سکتی ہے۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود کے وجود باجود میں ایسی ہی ایک عظیم ہستی اس دنیا میں آئی جس کے علمی، دینی اور ملی کارنامے رہتی دنیا تک اقوام وملل کی راہنمائی کرتے ہوئے اُن کو کامرانیوں کی نئی نئی چوٹیاں سَر کرنا سکھاتی رہے گی۔ خدائی نوشتوں میں بیان فرمودہ پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی گئی خدائی بشارات کے موافق آپ ہی وہ مصلح موعود ہیں جس کے بارے میں عرش کے خدا نے مسیح محمدی کو خوشخبری دی تھی کہ

”وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم۔ اور علومِ ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائے گا......اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا“

اِسی بابرکت وجود مصلح موعود کے عظیم کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ جماعت کے انتظامی ڈھانچے کی تشکیل اور اس کا مستحکم بنیادوں پر قیام ہے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اب جماعت احمدیہ ہی وہ جماعت ہے جسے دنیا کو نظام نو عطاء کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ آپ نے قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تعلیمات کے موافق جہاں دیگر انتظامی شعبے قائم کئے وہاں معاشرہ کی بقاء اور امن کے ضامن نظام عدل کے قیام کے لئے قضاء کا شعبہ قائم فرمایا۔ کیونکہ کائنات کی سب سے کامل شریعت قرآن مجید میں عدل وانصاف پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے یہاں تک فرما دیا کہ دشمن قوم کے معاملات طے کرتے وقت بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ فرمایا:

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مجبور نہ کردے کہ تم عدل کا دامن چھوڑ دو، عدل کرو یہی تقویٰ کے قریب تر ہے“

اسلامی نظام حکومت میں عدل وانصاف کی فراہمی کو اہم ترین فرائض میں شامل کرتے ہوئے مملکت کا سب سے اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود...... نے اپنے عہد مبارک میں جماعت کے تنظیمی ڈھانچے کی بنیاد رکھی اور یکم جنوری ۱۹۱۹ء سے باقاعدہ طور پر مختلف صیغہ جات قائم فرمائے۔ جماعتی تنظیمی ڈھانچے کا پہلا باقاعدہ اعلان مورخہ ۴ رجنوری ۱۹۱۹ء کے الفضل میں شائع ہوا۔ اسی اعلان میں قضاء کے قیام کا بھی ذکر تھا۔ یہ اعلان الفضل کے صفحہ اوّل پر

درج ذیل عنوان کے تحت شائع ہوا:

انتظام سلسلہ کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح کا اعلان

''تمام احباب جماعت کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ ضروریات سلسلہ کے پورا کرنیکے لئے قادیان اور بیرونجات کے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ سلسلہ کے مختلف کاموں کو سرانجام دینے کے لئے چند ایسے افسران مقرر کئے جائیں جن کا فرض ہو کہ وہ حسب موقع اپنے متعلقہ کاموں کو پورا کرتے رہیں اور جماعت کی تمام ضروریات کے پورا کرنے میں کوشاں رہیں۔ فی الحال میں نے اس غرض کے لئے ایک ناظر اعلیٰ، ایک ناظر تالیف و اشاعت، ایک ناظر تعلیم وتربیت، ایک ناظر امور عامہ اور ایک ناظر بیت المال مقرر کیا ہے۔ اور ان عہدوں پر سر دست ان احباب کو مقرر کیا ہے۔ ناظر اعلیٰ مکرمی مولوی شیر علی صاحب، ناظر تالیف و اشاعت مکرم مولوی شیر علی صاحب، ناظر تعلیم وتربیت مکرمی مولوی سیّد سرور شاہ صاحب، ناظر امور عامہ عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب، ناظر بیت المال مکرمی ماسٹر عبدالمغنی صاحب۔ ان کے علاوہ جماعت کی ضروریات افتاء اور قضاء کو مدنظر رکھ کر افتاء کے لئے مکرمی مولوی سیّد سرور شاہ صاحب، مکرمی مولوی محمد اسماعیل صاحب اور مکرمی حافظ روشن علی صاحب کو۔ قضاء کے لئے مکرمی قاضی امیر حسین صاحب مکرمی مولوی فضل دین صاحب اور مکرمی میر محمد اسحاق صاحب کو مقرر کیا ہے۔ آئندہ جو تغیرات ہوں گے ان سے وقتاً فوقتاً احباب کو اطلاع دی جاتی رہے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب ان لوگوں کے کام میں پوری اعانت کریں گے اور سلسلہ کی کسی خدمت سے دریغ نہ کریں گے......''

خاکسار مرزا محمود احمد

چونکہ اس وقت الفضل ہفتہ میں دوبار ہر منگل اور ہفتہ کے دن شائع ہوتا تھا اس لئے یہ اعلان مورخہ ۴رجنوری ۱۹۱۹ء کے الفضل میں شائع ہوا تاہم اس نئے نظام نے باقاعدہ طور پر اپنے کام کا آغاز یکم جنوری ۱۹۱۹ء سے ہی کر دیا تھا۔ اس کے بارے میں بھی ۴رجنوری ۱۹۱۹ء کے روزنامہ الفضل کے پہلے صفحہ پر ''مدینۃ المسیح'' کے عنوان سے قادیان کی جو خبریں شائع ہوا کرتی تھیں اس میں یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ

''یکم جنوری سے اس نئے انتظام کے ماتحت جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے تجویز فرمایا ہے اور جس کے متعلق اسی صفحہ پر حضور کی طرف سے مختصر سا اعلان شائع ہوا ہے کہ کام شروع ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ خدا تعالیٰ اسے جماعت کے لئے بہت مفید اور بابرکت بنائے گا''۔

اس طرح دار القضاء کا باقاعدہ قیام یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو ہوا۔ تاہم ۷؍جنوری ۱۹۱۹ء کے اخبار ''الحکم'' سے پتہ چلتا ہے کہ اس نئے نظام کے حوالے سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۱۸ء میں ہی ایک جامع اور مکمل خاکے کا اعلان کردیا تھا چنانچہ اخبار الحکم نے اپنی ۷؍جنوری ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک فرمان محررہ یکم اکتوبر ۱۹۱۸ء شائع کیا جس میں حضور نے قضاء کے متعلق درج ذیل ارشاد فرمایا:

''قاضیوں کا کام فیصلہ کرنا اور قاضی القضاۃ کا اپیل سننا ان کے تمام فیصلوں کی اپیل خلیفہ وقت کے پاس ہو سکے گی۔ سوائے ان فیصلوں کے کہ جن میں خود خلیفہ ایک یا دوسرا فریق ہو۔ ایسے وقت میں قاضی القضاۃ کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا''۔ (بحوالہ اخبار الحکم ۷؍جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۵)

مزید فرمایا:

''مختلف علاقہ جات میں قاضی ہوں جن کا تعلق قاضی القضاۃ سے ہو۔ خاص جھگڑوں میں جن میں شرعی مسائل کی واقفیت کی ضرورت نہ ہو یا ایسے امور میں جن کو صرف آسان شرعی مسائل کی ضرورت ہوتی ہو ان کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسلامی طریق شہادت و ثبوت اور آسان مسائل کے متعلق ان کو تعلیم حاصل کر کے اس کا امتحان دینا ہوگا''۔

(بحوالہ اخبار الحکم ۷؍جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۷)

حضور نے ۱۹۱۸ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جو مارچ ۱۹۱۹ء میں منعقد ہوا، کے موقع پر اپنے دوسرے روز کے خطاب میں قضاء کے قیام کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''پھر ہماری جماعت کے لوگوں میں اگر کسی جگہ کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو وہ عدالت میں جاتے ہیں جس سے احمدیت کی ذلت ہوتی ہے۔ ابتداء میں جب ابھی جھگڑے کی بنیاد پڑتی ہے اس وقت تو ہمارے پاس اس لئے نہیں آتے کہ چھوٹی سی بات کے متعلق انہیں کیا تکلیف دیں لیکن جب بات بڑھ جاتی ہے تو پھر اس خیال سے ہمارے سامنے پیش کرنے سے جھجکتے ہیں وہ کہیں گے پہلے کیوں ہمیں نہ بتایا اور کیوں جھگڑے کو اتنا بڑھایا اس طرح بات بڑھتی بڑھتی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ پھر اگر ہم بھی کہیں کہ اس جھگڑے کو چھوڑ دو تو نہیں مانتے اور احمدیت کو چھوڑ دیتے ہیں اس نقص کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہر جگہ محکمہ قضاء مقرر نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو مسائل سکھلا کر مختلف مقامات پر مقرر کر دیا جائے تو ایسا نہ ہوتا۔ اب قاضی القضاۃ کا محکمہ تو یہاں مقرر کیا گیا ہے۔ آئندہ موٹے موٹے اور ضروری مسائل کچھ لوگوں کو سکھلا کر مختلف جماعتوں میں انہیں مقرر کر دیا جائے تا کہ وہ مقامی جھگڑوں اور فسادوں کا تصفیہ کر دیا کریں اور بات زیادہ بڑھ کر خرابی کا

موجب نہ ہو۔ ہاں ان کے فیصلہ کی اپیل یہاں کے محکمہ قضاء میں ہو سکے گی‘‘۔

(عرفان الٰہی مرتبہ منشی غلام نبی۔ ایڈیٹر الفضل شائع کردہ ضیاء الاسلام مشین پریس قادیان ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۸۰)

دارالقضاء کے ریکارڈ کے مطابق حضور نے جو پہلا اپیل کا فیصلہ فرمایا ہے وہ ۱۰/ جون ۱۹۱۹ء کا محررہ ہے اور یہ مقدمہ ۱۲/ ستمبر ۱۹۱۸ء کو دائر ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو قضاء کے باقاعدہ قیام سے قبل ہی قادیان میں قضاء کا نظام جاری کر دیا گیا تھا۔ تاہم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ...... نے نئے نظام کا باقاعدہ اجراء یکم جنوری ۱۹۱۹ء سے فرمایا تھا اور اسی میں قضاء کے لئے بھی باقاعدہ تین احباب مقرر کئے گئے تھے اس لئے تاریخی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قضاء کا باقاعدہ قیام یکم جنوری ۱۹۱۹ء سے ہی ہوا۔

مورخہ ۲۸/ جنوری ۱۹۱۹ء کے اخبار الحکم میں مکرم ایڈیٹر صاحب اخبار الحکم نے نوٹ دیا ہے کہ نئے نظام کے تحت دفاتر نے کام شروع کر دیا ہے اور ان میں قضاء کا بھی ذکر کیا ہے۔

قادیان میں مرکزی قضاء کے علاوہ دوسری جماعتوں میں بھی قضاء کا نظام انہی ایام میں قائم ہو گیا۔ صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ ۱۹-۱۹۱۸ء صفحہ ۴۷ پر فیروزپور جماعت کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں ذکر ہے کہ نئے نظام کے تحت مکرم مرزا ناصر علی صاحب بی اے وکیل فیروزپور جماعت کے قاضی مقرر ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسی طریق کے مطابق تمام بڑی جماعتوں اور اضلاع میں قاضی مقرر ہیں۔

اسی طرح حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اپنی کتاب سلسلہ احمدیہ میں ’صیغہ قضاء کا قیام‘ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

’’اس انتظامی تشکیل کے ساتھ ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک جدید نظام صیغہ قضاء کا بھی قائم کیا۔ یعنی جماعت کے اندرونی تنازعات کے فیصلہ کے لئے ایک نئے صیغہ کی بنیاد رکھی جس میں مختلف لوگ بطور قاضی مقرر کئے گئے اور ان قاضیوں کے اوپر اپیلوں کے فیصلہ کے لئے قاضیوں کے بنچ قائم کئے گئے اور آخری اپیل خود حضرت خلیفۃ المسیح کے پاس رہی۔ ان قومی عدالتوں میں صرف ایسے تنازعات پیش ہوتے ہیں جو یا تو محض دیوانی حقوق کا رنگ رکھتے ہیں اور یا وہ حکومت وقت کے قانون کے ماتحت قابل دست اندازی پولیس نہیں سمجھے جاتے۔ اس صیغہ کے قیام سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اوّل تو گویا گھر کا فیصلہ گھر میں ہی ہو جاتا ہے اور سرکاری عدالتوں میں روپے اور وقت ضائع نہیں کرنا پڑتا دوسرے جو ناگوار اثرات اخلاقی لحاظ سے قانونی عدالتوں کی فضاء میں پیدا ہو سکتے ہیں ان سے جماعت کے لوگ محفوظ ہو گئے۔ تیسرے بعض اوقات مقدمات کے نتیجہ میں جو ایک صورت پارٹی بندی کی پیدا ہونے لگتی ہے اس کا خطرہ جاتا رہا۔ جماعت کے دشمنوں نے اس صیغہ کے قیام پر بہت کچھ شور مچایا ہے کہ گویا جماعت

احمدیہ نے ایک نئی حکومت قائم کر لی ہے اور لوگوں کے لئے سرکاری عدالتوں میں جانے کا رستہ بند کر دیا گیا ہے اور حکومت کو بھی طرح طرح کی رپورٹوں سے بدظن کرنے کی کوشش کی گئی مگر سمجھ دار طبقہ محسوس کرتا ہے کہ یہ ایک بہت مفید نظام ہے جس میں ایک طرف تو حکومت کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں بلکہ جیسا کہ پنجاب ایکٹ وغیرہ کا منشاء ہے حکومت اس بات کو پسند کرتی ہے کہ لوگ آپس میں خود فیصلہ کر لیا کریں اور دوسری طرف جماعت کے اندرونی تنازعات کے تصفیہ کا ایک بہت سہل اور عمدہ اور سستا رستہ نکل آیا ہے۔ جماعت کے اس نظام میں دو خصوصیتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ صیغہ قضاء کے تمام مقدمات شریعت اسلامی کے مطابق تصفیہ پاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں اہل مقدمہ سے کوئی فیس چارج نہیں کی جاتی بلکہ ہر مقدمہ سلسلہ کے خرچ پر مفت کیا جاتا ہے کیونکہ یہی قدیم اسلامی طریق ہے''۔

(سلسلہ احمدیہ تصنیف حضرت مرزا بشیر احمد صاحب طبع دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۳۶۴)

کچھ ہی عرصہ میں حضرت مصلح الموعود...... کے قائم کردہ اس ادارہ کی بازگشت دیگر قومی اخبارات میں بھی سنائی دینے لگی چنانچہ مہاشہ خوشحال چند ایڈیٹر آریہ گزٹ نے مورخہ ۱۹ر مئی ۱۹۲۱ء کو اپنے اخبار میں لکھا ہے:

''احمدیوں کی اپنی کورٹ ہے اور احمدیوں کا کوئی مقدمہ سرکاری عدالت میں نہیں جانے پاتا''۔ (بحوالہ تاثرات قادیان از مہاشہ محمد فضل حسین)

شروع میں قضاء کا طریق کار یہ تھا کہ قاضی اوّل کے فیصلہ کے خلاف مرافعہ اولیٰ میں دو قاضی صاحبان اپیل کی سماعت کرتے تھے جن کا تقرر انچارج محکمہ قضاء کرتا تھا۔ مرافعہ اولیٰ کے فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرمایا کرتے تھے۔ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو حضور نے اپیلوں کی سماعت کے لئے ایک بورڈ قائم فرمایا بورڈ کا فیصلہ ہی آخری قرار پاتا تھا۔ تاہم کسی بھی معاملہ میں بغرض استصواب خلیفۃ المسیح کی خدمت میں درخواست کی جاسکتی تھی۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ بھی خود اپیلوں کی سماعت فرماتے رہے۔ خلافت رابعہ کے دور میں جب حضور لندن تشریف لے گئے تو پھر حضور نے اپنی نیابت میں پانچ رکنی بورڈ مقرر فرمایا جو کہ آخری سماعت کر کے فیصلہ کرتا ہے۔

شروع میں اس شعبہ کا نام محکمہ قضاء تھا تقسیم ملک کے بعد مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۵۰ء کو پہلے ریکارڈ کے مطابق ''ناظم دارالقضاء پاکستان'' کی مہر استعمال کی گئی۔

غرض حضرت مصلح موعود نے اپنی خداداد ذہانت سے جماعت کے لوگوں کے عمومی تنازعات کے حل کے لئے نہ صرف ایک بہترین فورم مہیا کیا بلکہ جو فیصلے کئے اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو انسان ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ ایسا شخص جس کی بظاہر تعلیم انتہائی معمولی تھی مگر خدا نے فرما دیا تھا کہ سخت ذہین وفہیم ہوگا آپ نے عدل کے اسلامی اور حقیقی

تصور کے حوالے سے ایسے نکات بیان کئے کہ پیشگوئی کے الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مصلح موعود کے قضائی فیصلہ جات کا مطالعہ کریں تو آپ کے فیصلوں کا ایک ایک لفظ اس پیشگوئی کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہوا نظر آئے گا۔

آپ کے فیصلے پُرشوکت اور عدل و انصاف کی عظیم بلندیوں پر فائز نظر آتے ہیں۔ آپ اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکال کر لوگوں کے ذاتی مسائل حل کرنے کے لئے مسل کا بڑی تفصیل سے مطالعہ فرماتے تھے۔ آپ نے اس امر کا اظہار اپنے فیصلوں میں کئی جگہ کیا ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے مسل کو بار بار پڑھا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں'' پھر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے مسل کو کریدا'' آپ کے فیصلوں میں عدل و انصاف کی عظمت بھی موجود ہے اور دل کا حلیم ہونے کے سبب باپ کی شفقت بھی نظر آتی ہے۔ بطور نمونہ ایک مثال پیش کرتا ہوں ایک تنازعہ کا فیصلہ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جب ان کے پاس روپے ہے ہی نہیں بلکہ وہ مقروض ہیں تو روپے کس طرح ادا کریں۔ میرے نزدیک گو یہ قرض انہوں نے بے جا غضب کی بناء پر چڑھایا ہے۔ مگر ان کی موجودہ مالی حالت فی الواقع نازک ہے اور وہ اپنی دیرینہ خدمات کے سبب سے باوجود اس مصیبت کے واحد ذمہ دار ہونے کے ہمدردی کے مستحق ہیں۔ اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ ان کے اس قرض کو پورا کر کے حسب سہولت ان سے واپس لے لے لیکن اگر اس کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو چونکہ یہ قرض فوراً واجب الادا ہے ان کے مکان کو گروی یا فروخت کر کے اس قرضہ کی ادائیگی کی جائے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ان کا بہت نقصان ہوگا اس لئے میں پھر ایک دفعہ انجمن کے پاس ان کی اعانت کی سفارش کرتا ہوں''۔ (کیس نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲۱)

حضرت مصلح موعود نے نہ صرف خود قضائی فیصلے کئے بلکہ اپنی خداداد ذہانت اور فراست سے فیصلوں کے دوران ایسے امور بھی بیان کر دیئے جو قضائی نظام کو بہتر انداز سے چلانے اور بطور قاضی خدمات سرانجام دینے والوں کے لئے مشعل راہ اور راہنما اصول ہیں۔ جن میں سے چند ایک ذیل میں پیش ہیں۔

- حضرت مصلح موعود نے جماعتی قضائی نظام کے بارے میں جو بنیادی اصول قرار دیا وہ یہ تھا کہ یہاں معاملات شریعت کے مطابق طے ہوں گے ایک مقدمہ میں حضور فرماتے ہیں:

> ''اور ججوں کو تاکید کی جائے کہ وہ مقدمات کو ایسے طور پر طے نہ کیا کریں کہ عدالتی رنگ ہو۔ بلکہ اسلامی اصول کے مطابق طے کیا کریں''۔

- پھر آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ تنازعات کی کارروائی کے دوران فریقین کے نام عزت کے ساتھ لکھے جائیں۔
- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیان فرماتے ہیں کہ قاضی کا فیصلہ مدلل مگر اختصار سے ہو۔

ایک فیصلے میں حضور بیان فرماتے ہیں کہ

''قاضی کا فیصلہ لکھتے وقت اس قسم کی تفصیلات میں نہیں پڑنا چاہئے جس سے معلوم ہو کہ وہ مضمون نویسی کر رہا ہے۔ ایسا کرنا قاضی کی شان کے خلاف ہے بلکہ قاضی کو فیصلہ میں اختصار کو مدّنظر رکھنا چاہئے اور دلائل کو مختصر پیرائے میں بیان کرنا چاہئے''۔

- پھر ایک اچھے فیصلے کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جن کا فیصلہ ہو ان کی طرف سے اٹھائے گئے تمام نکات کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا کسی فریق کو یہ احساس نہ ہو کہ میری بات دھیان سے نہیں سُنی گئی یا قاضی نے اس طرف توجہ نہیں کی، اگر کسی فریق نے کسی پر الزام لگائے ہیں تو جو الزام قاضی تسلیم کرے اس کی دلیل دے کہ کیوں اس کو تسلیم کر رہا ہے۔حضور ایک فیصلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''درخواست خلع میں جو جو الزامات لگائے گئے، پس ان میں سے ہر ایک الزام کو دلائل سے ثابت یا رد کیا جانا چاہئے''۔

- پھر بسا اوقات کسی فریق کا حق دبانے یا قاضی کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے دوسرا فریق قاضی کو فریق مخالف کے خلاف ذاتی طور پر بھڑکانے کی کوشش کر کے مقدمہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا ہے کہ دوسرا فریق آپ کے بھی خلاف ہے اس نے فلاں فلاں وقت آپ کی شان میں گستاخی کی۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب ایسا ہی ایک معاملہ ایک فریق نے دوسرے فریق کی بابت عرض کیا تو اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی خداداد فہم و فراست سے یہ بھانپ لیا کہ اس سے مقدمہ کے فیصلہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی جارہی ہے۔ چنانچہ حضور نے اس پر بالوضاحت جو ارشاد فرمایا وہ ذیل میں پیش ہے جو کہ کرسی انصاف پر بیٹھنے والے ہر شخص کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں کہ

''مدعی نے مجھے اس طرح بھڑکانا چاہا ہے کہ اس نے مدعا علیہم میں سے ایک فریق کے متعلق اپنی اپیل میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ میرے خلاف الزام دیتا رہا ہے اور گویا کہ وہ اس وجہ سے بھی اس کے خلاف جوش رکھتا تھا یہ واقعات میرے سامنے آ چکے ہیں، میں تحقیقات کر چکا ہوں اور ان پر مناسب کارروائی کر چکا ہوں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ان واقعات کو اپیل کے وقت قاضی کے سامنے پیش کرنے میں اس کے سوا اور کوئی غرض ہو سکتی ہے کہ اس کی طبیعت میں جوش پیدا کیا جاوے لیکن میں نہ مدعا علیہم کے قریب آنا چاہتا ہوں اور نہ مدعی کے دھوکہ میں آ سکتا ہوں۔ شریعت قاضی کو بھی ہدایت کرتی ہے کہ وہ ہر قسم کے اثرات سے محفوظ ہوتے ہوئے انصاف کے مطابق فیصلہ صادر کرے۔ پس نہ صرف یہ کہ ان امور کا میرے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ میں اس

طریق کے خلاف اظہارِ نفرت بھی کرنا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک اس قسم کے امور کا مقدمات کے تحریروں میں لانا دیانتداری اور تقویٰ کے خلاف ہے محض اپنے خلاف فیصلہ کرنے کی بناء پر قاضیوں پر الزام لگا دینا یا قاضی کو اس رنگ میں بھڑکانے کی کوشش کرنا کہ دوسرا فریق اس سے ذاتی عداوت رکھتا ہے ایک نہایت ہی شرمناک فعل ہے۔ اگر مدعی کو واقعہ میں ایک مدعا علیہ کے خلاف ان بدکلامیوں کی وجہ سے غصہ تھا جو اس نے میرے خلاف کی تھیں تو اسے چاہئے تھا کہ اُس وقت میرے سامنے یا دوسرے کارکنان سلسلہ کے سامنے پیش کرتا۔ ایسے وقت میں اس بات کو پیش کرنا جبکہ فوراً مدعا علیہ سے جھگڑا پیدا ہو گیا تھا ظاہر کرتا ہے کہ اس کو میری بدنامی کا کوئی خیال نہیں تھا وہ اس بیان سے اپنے مقدمہ میں فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے مگر چونکہ دونوں فریق کم عمری ہیں میں ان جھوٹوں کو جو دونوں فریق کی طرف سے استعمال کئے گئے ہیں اور ان ناجائز ذرائع کو جن کے ذریعہ سے انہوں نے فیصلہ پر اثر ڈالنے کی کوشش کی ہے ان کی ان حرکات کو نظر انداز کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ وہ بھی اور دوسرے بھی ہمارے نوجوان بھی ایسے موقعوں پر کہ جب ان کا کسی سے اختلاف ہو جائے انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے اور اس بات کا لحاظ رکھیں گے کہ قاضیوں کے فیصلہ پر ایسے بیانات سے اثر ڈالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ جن کا مقدمہ کے ساتھ تعلق نہ ہو اور جو خلاف واقعہ ہوں''۔

- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اس حوالے سے بھی بڑی وضاحت سے ہدایات تھیں کہ ہر فریق کو صفائی کا پورا موقع دیا جائے۔ چنانچہ ایک معاملہ کا فیصلہ کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ

''مدعا علیہم کو شکایت ہے کہ ہمیں صفائی کا موقع نہیں دیا گیا۔ مجلس قضاء کہتی ہے کہ ان کو موقع دیا گیا تھا مجلس قضاء کے ممبروں کو قابل اعتماد سمجھتے ہوئے میں خیال کرتا ہوں کہ ضرور موقع دیا گیا ہوگا لیکن مسل سے یہ بات ثابت نہیں۔ مسل مدعا علیہم کی تائید کرتی ہے چاہئے یہ تھا کہ بات تحریر میں لائی جاتی کہ مدعا علیہم کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا ہے لیکن انہوں نے اس سے فائدہ اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس پر مدعا علیہ کے دستخط لے لئے جاتے''۔

- پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قاضیوں کو یہ ہدایات بھی دیں کہ صرف اصل مقدمہ سے متعلق جو کاغذات ہوں انہی پر غور کیا جائے دوسروں سے متاثر نہ ہوا جائے۔

''بعض ایسے کاغذات شامل کر لئے گئے ہیں جن کا اصل مقدمہ سے تعلق نہ تھا قاضی کو چاہئے کہ اصل مقدمہ کے متعلق جس قدر حالات ہوں ان سے متاثر ہو دوسروں سے نہ ہو''۔

- ایک مقدمہ کے فیصلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیان فرماتے ہیں کہ

> ''شریعت قاضی کو بھی ہدایت کرتی ہے کہ وہ ہر قسم کے اثرات سے محفوظ ہوتے ہوئے انصاف کے مطابق فیصلہ صادر کرے''۔

- حضور نے قاضیوں کا احترام قائم کرنے کے حوالے سے بہت سے ارشادات فرمائے اور قاضیوں پر الزام لگانے والوں کی بھی سخت الفاظ میں حوصلہ شکنی کی۔ایک مقدمہ کی اپیل کے فیصلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تحریر فرماتے ہیں:

> ''قاضی صاحب کسی کے خلاف فیصلہ کریں یا موافق۔وہ سلسلہ کے خادم ہیں اور کسی قوم کے خدام کو اس طرح ہدف فحش ہونے دینا نہایت مکروہ اور مہلک امر ہے۔پس میں اس امر کے متعلق پھر وضاحت سے لکھ دینا چاہتا ہوں کہ عدالت مرافعہ کو چاہئے کہ ہمیشہ اس امر پر نوٹس لے اور میں سلسلہ کی ممتاز دانش وعقل سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے قاضیوں کو ایسے ظالمانہ حملوں سے بچانے کی ہمیشہ کوشش کرے گی''۔

عدل وانصاف کی فراہمی کے حوالے سے حضرت مصلح موعود نے قرآن وسنت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی میں جو راہنما اصول وضع فرمائے وہ بلاشبہ دنیا کو ایک بہترین عدالتی نظام مہیا کرنے کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور انشاء اللہ انہی بنیادوں پر خلفائے احمدیت کی راہنمائی میں جماعت احمدیہ دنیا کو ایک بہترین عدالتی نظام مہیا کرے گی۔حضرت مصلح موعود......جنہوں نے ......کی نشاۃ ثانیہ کے اس دور میں ایک مکمل انتظامی ڈھانچہ فراہم کیا اور دنیا کو نظام عدل کا ماڈل فراہم کرنے کے لئے نہ صرف دارالقضاء کا قیام فرمایا بلکہ آپ نے دارالقضاء کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اپنی بے پناہ مصروفیت میں سے وقت نکال کر خود مقدمات کی سماعت کی اور تفصیلی فیصلے تحریر کئے۔اس طرح آپ نے احباب جماعت کے ایسے تنازعات جن میں حکومت وقت دخل دینا ضروری نہ سمجھتی ہو اور جو ثالثی کے ذریعہ حل ہو سکتے ہوں ان کے لئے ایک ایسا فورم مہیا کر دیا جہاں ......کی تعلیمات کے موافق بلا معاوضہ ان کے تنازعات حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی بہت سے اخراجات اور مقدمات کی صعوبت سے بچ جاتے ہیں اور دنیاوی عدالتوں میں عمومی لین دین کے مسائل پر بھی چلنے والے مقدمات جو اکثر اوقات قید وبند جیسے ہولناک نتائج پر منتج ہوتے ہیں ان کے لئے ایک ایسا ادارہ مہیا کر دیا جہاں لوگوں کی عزت نفس اور تکریم کا خیال کرتے ہوئے ان کے تنازعات کے حل کی کوشش کی جاتی ہے۔اس طرح آپ پیشگوئی کے موافق اس پہلو سے بھی بہت سے اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوئے اور بلاشبہ دارالقضاء کا قیام حضرت مصلح موعود کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

حضرت مصلح موعود اور افتاء

(مکرم فضل احمد صاحب ساجد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھجوانے کا ارادہ فرمایا تو ان سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ آئے گا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں کتاب اللہ میں اس کا حل نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کہ پھر رسول خدا کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں وہ مسئلہ نہ رسول خدا کی سنت میں ملا اور نہ ہی کتاب اللہ میں تو پھر کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی مَیں اپنی رائے کے مطابق سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں گا اور ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ کا یہ جواب سُن کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمام قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے رسول خدا کے قاصد کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ جس سے اللہ کا رسول خوش ہوتا ہے۔'' (سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرای فی القضاء)

علم کا ایک شعبہ تفقہ فی الدین ہے یعنی دین سے متعلق سمجھ بوجھ حاصل کرنا۔ اسی سے لفظ فقہ اور فقیہہ ماخوذ ہیں۔ اصطلاح میں علم فقہ سے مراد انسان کے دینی اعمال کے ظاہری پہلوؤں پر بحث کرنا ہے۔ اس علم میں مہارت حاصل کرنے والے کو اصطلاحاً فقیہہ کہتے ہیں اور اس علم کی روشنی میں لوگوں کے سوالات کا جواب دینے والے کو مفتی کہتے ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام شریعت کے مآخذ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے لئے تین چیزیں ہیں۔ (۱) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں۔ وہ خدا کا کلام ہے وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے۔ (۲) دوسری سنّت ......سنّت سے مراد ہماری صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتداء سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور قدیم سے عادۃ اللہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کے لئے لاتے ہیں تو اپنے عملی فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں۔ (۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے اور حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں کہ جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ پس سنّت اور حدیث میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ سنّت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی اشاعت کے لئے مامور تھے ایسا ہی سنّت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے۔''

(ریویو بر مباحثہ چکڑالوی و بٹالوی صفحہ ۴، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام مآخذ حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنّت نہ ہو تو خواہ کیسی ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں۔ ہاں جہاں قرآن اور سنّت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اس حدیث کو چھوڑ دیں۔''

(ریویو بر مباحثہ چکڑالوی و بٹالوی صفحہ ۶، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۱۲)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں جو لوگ حضور علیہ السلام سے سوال پوچھتے، حضور علیہ السلام خود ہی اس کا جواب دے دیا کرتے تھے اور بعض اوقات جواب کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل...... یا حضرت مولوی سیّد محمد احسن صاحب امروہی...... کی طرف وہ جواب دینے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل...... کے دور میں بھی آپ سے پوچھے گئے سوالوں کا جواب حضور خود ہی دیا کرتے تھے اور یہی طریق خلافت ثانیہ کے ابتدائی سالوں میں بھی جاری رہا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو نظارتوں کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

''تمام احباب جماعت احمدیہ کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ ضرورت سلسلہ کے پورا کرنے کے لئے قادیان اور بیرون جات کے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد مَیں نے یہ انتظام کیا ہے کہ سلسلہ کے مختلف کاموں کے سرانجام دینے کے لئے چند ایسے افسران مقرر کئے

جائیں جو کافرض ہو کہ وہ حسب موقع اپنے متعلقہ کاموں کو پورا کرتے رہیں اور جماعت کی تمام ضروریات کے پورا کرنے میں کوشاں رہیں ...... جماعت کی ضروریات افتاء ...... کو مدنظر رکھ کر افتاء کے لئے مکرمی مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب مکرمی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مکرمی حافظ روشن علی صاحب ...... کو مقرر کیا ہے۔" (الفضل قادیان دارالامان ۴؍جنوری ۱۹۱۹ء صفحہ ۱۰)

حضور نے ان تینوں بزرگوں کو فتوی دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ تاہم افتاء کا زیادہ تر کام حضرت حافظ روشن علی صاحب ہی سرانجام دیتے رہے۔ ۲۳؍جون ۱۹۲۹ء کو حضرت حافظ روشن علی صاحب وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کے بعد افتاء کا کام حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب کے سپرد ہوا۔

۱۹۳۱ء سے فتاویٰ کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جانے لگا۔ چنانچہ دارالافتاء میں مفتیان کرام سلسلہ عالیہ احمدیہ کے فتاویٰ کا جو ریکارڈ موجود ہے اس میں حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب کا پہلا فتویٰ ۲۳؍اگست ۱۹۳۱ء کا ہے۔

شریعت ...... کے مطالعہ کے بارہ میں حضرت مصلح موعود کا ارشاد

"شریعت کے مشکل ترین مسائل میں سے ایک مسئلہ تفقہ اور اجتہاد کا بھی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق اگر صحیح اور درست طریق اختیار کر لیا جائے تو بہت بڑے ثواب کا موجب ہوتا ہے اور اگر اس بارے میں انسان غلطی کر بیٹھے تو پھر نقصان بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ یہ ایک نہایت نازک مقام ہے اور اس مقام پر کود کر جلدی سے پہنچ جانے کی کوشش کرنا ایک بڑی بھاری غلطی ہوتی ہے۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ زید اور بکر سب کو معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سورج چڑھا ہوا ہو تو اسے دیکھنے میں عالم اور جاہل دونوں برابر ہوں گے۔ ایک تجربہ کار بھی ویسے ہی سورج دیکھے گا جیسے ایک ناتجربہ کار۔ ان دونوں میں جہاں تک سورج دیکھنے کا تعلق ہے کوئی فرق نہیں ہوگا لیکن اس کے بالمقابل بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کا تعلق دریافت کرنے اور معلوم کرنے سے ہوتا ہے مثلاً علم ہیئت کی باریکیاں اور تفصیلات ہیں۔ ان کو محض دیکھنے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک شخص محض تک بندی سے کہہ دے کہ فلاں ستارہ زمین سے دو صد میل کے فاصلہ پر ہے تو یہ اس کی ایک خطرناک غلطی ہوگی کیونکہ جب تک علم ہیئت کی باریکیاں اور تفصیلات کا علم نہ ہو اس وقت تک ستاروں کا فاصلہ معیّن نہیں کیا جا سکتا۔ علم ہیئت کی عام باتیں بے شک لوگ معلوم کر سکتے ہیں لیکن خاص خاص باتیں اس علم کے ماہر ہی کو معلوم ہوں گی۔ اسی طرح ہر فن میں ایک تفقہ کا مقام ہوتا ہے جہاں تک ہر شخص نہیں پہنچ سکتا۔ اسلامی مسائل کے ایک فقیہہ کو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کیا کہتا ہے اور احادیث سے مجموعی طور پر کیا نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔

گزشتہ فقہاء نے کیا رائے ظاہر کی ہے۔ غرض اسے شریعت کا سارا پس پردہ معلوم ہوتا ہے۔ تب جا کر وہ صحیح طور پر اپنی رائے ظاہر کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ غرض یہ ایک نہایت نازک اور اہم مقام ہے۔ تمام صحابہ کو بھی یہ مقام حاصل نہ تھا اور نہ تمام علماء آسانی سے اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی اہمیت کو نظر انداز کر کے اس میں دخل دینے کی کوشش کرنا ایک بڑی خطرناک غلطی ہوتی ہے۔" (مجلس افتاء اور اس کے فرائض صفحہ ۱۵، ۱۶)

۱۹۴۳ء کے آخر میں نظارت تعلیم و تربیت کی تجویز پر حضرت مصلح موعود نے فقہ اسلامی کے مختلف مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے افتاء کمیٹی کا تقرر فرمایا اور درج ذیل ابتدائی ممبران نامزد فرمائے۔

۱۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب

۲۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب

۳۔ حضرت مولانا ابو العطاء جالندھری صاحب (روزنامہ الفضل قادیان ۳؍ دسمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۶)

۱۹۴۴ء میں حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی وفات پر اس کمیٹی کے ممبران میں حضور نے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل کا اضافہ فرمایا اور کمیٹی کا صدر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کو اور سیکرٹری حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کو مقرر فرمایا۔ (روزنامہ الفضل قادیان ۲۴؍ مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۲)

۱۹۴۸ء میں حضرت مصلح موعود نے اس کمیٹی کا نام مجلس افتاء رکھا نیز اس کے ابتدائی قواعد و ضوابط مقرر فرمائے۔ اس کے درج ذیل ممبران مقرر ہوئے:

۱۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس

۲۔ مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری

۳۔ مولانا نور الحق صاحب

۴۔ مولانا محمد احمد ثاقب صاحب

۵۔ مولانا خورشید احمد صاحب شاد

۶۔ مولانا محمد احمد صاحب جلیل (روزنامہ الفضل ۷؍ نومبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۲)

تقرر مجلس افتاء کے بارہ میں خود حضرت مصلح موعود کا تحریر فرمودہ اعلان محررہ ۷؍ جنوری ۱۹۵۲ء جو الفضل ۱۱؍ جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ وہ اعلان درج ذیل ہے۔

"جیسا کہ جلسہ پر اعلان کیا گیا تھا، فقہی مسائل پر یکجائی غور کرنے اور فیصلہ کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کی ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے۔ تمام اہم مسائل پر فتویٰ اس کمیٹی کے غور کے بعد

شائع کیا جائے گا۔

ایسے فتاویٰ خلیفہ وقت کی تصدیق کے بعد شائع ہوں گے اور صرف انہی امور کے متعلق شائع ہوں گے جن کو اہم سمجھا گیا ہو۔ ایسے فتاویٰ جب تک ان کے اندر کوئی تبدیلی نہ کی گئی ہو یا تنسیخ نہ کی گئی ہو، جماعت احمدیہ کی قضاء کو پابند کرنے والے ہوں گے اور وہ ان کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکے گی۔ ہاں وہ ان کی تشریح کرنے میں آزاد ہوگی لیکن اگر وہ تشریح غلط ہو تو یہی مجلس فتویٰ دہندہ اس تشریح کو غلط قرار دے سکتی ہے۔

اس کمیٹی کے ممبر فی الحال مندرجہ ذیل ہوں گے:

۱۔ مولوی سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین

۲۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس

۳۔ مولوی راجیکی صاحب

۴۔ مولوی ابو العطاء صاحب

۵۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب

۶۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل نمائندہ قضاء

۷۔ مولوی تاج دین صاحب نمائندہ قضاء

۸۔ مولوی نذیر احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ

۹۔ مولوی محمد صدیق صاحب پروفیسر جامعۃ المبشرین

۱۰۔ مولوی خورشید احمد صاحب پروفیسر جامعۃ المبشرین

۱۱۔ مرزا بشیر احمد صاحب

۱۲۔ مرزا ناصر احمد صاحب

۱۳۔ مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا

۱۴۔ مولوی محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ لائل پور

۱۵۔ چوہدری عزیز احمد صاحب سب جج

ان ممبران کا اعلان سال بہ سال خلیفہ وقت کی طرف سے ہوا کرے گا اور ایک سال کے لئے یہ ممبر نامزد کئے جایا کریں گے۔ مناسب ہوگا کہ کچھ نہ کچھ ممبر اس میں سے بدلے جایا کریں تا کہ جماعت کے مختلف طبقوں کے لوگوں کی تربیت ہوتی رہا کرے۔ خاص امور کے متعلق خلیفہ وقت

اس انجمن کا اجلاس اپنی نگرانی میں کروائے گا لیکن عام طور پر یہ کمیٹی اپنا اجلاس اپنے مقررہ صدر کی صدارت میں کیا کرے گی لیکن اس کے فیصلوں کا اعلان خلیفہ وقت کے دستخطوں سے ہوا کرے گا اور ایسے ہی فیصلے سند سمجھے جایا کریں گے۔ سردست اس کمیٹی کے صدر جامعۃ المبشرین کے پرنسپل ملک سیف الرحمٰن صاحب ہوں گے اور اس کے سیکرٹری مولوی جلال الدین صاحب شمس۔"

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۵۲-۱-۷

(روزنامہ الفضل لاہور ۱۱/جنوری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے عہد خلافت میں جب نظارت افتاء کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے لئے درج ذیل قواعد وضوابط مقرر کئے گئے۔

(قاعدہ نمبر ۸۴) سلسلہ کے فرائض دربارہ افتاء تیاری فتاویٰ کی ادائیگی کے لئے ایک نظارت افتاء ہوگی۔

(قاعدہ نمبر ۸۵) نظارت افتاء کا یہ کام ہوگا کہ تمام مذہبی مسائل کے متعلق فتاویٰ جاری کرے۔

(قاعدہ نمبر ۸۶) مقرر شدہ مفتیوں کے سوائے کسی دوسرے شخص کو اجازت نہ ہوگی کہ کوئی فتویٰ دے۔

(قاعدہ نمبر ۸۷) جو امور کہ نص قرآن وحدیث سے یا سنت سے ثابت ہوں یا جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ موجود ہو۔ ان کے متعلق مفتیوں کا صرف یہ کام ہوگا کہ استفتاء پر اس فیصلہ کے مطابق فتویٰ دیں اور ہر مفتی اس کا مجاز ہوگا مگر جس امر میں اجتہاد کی ضرورت ہو اور اس کے متعلق وحدت رکھنی بھی لازمی ہو۔ ایسے امر کے متعلق مجلس افتاء مجموعی طور پر فیصلہ کرے گی۔

(قاعدہ نمبر ۱۹۲) نظارت افتاء کا فرض ہوگا کہ تمام فتاویٰ کا باقاعدہ ریکارڈ رکھے اور حتی الوسع ان کی اشاعت کا انتظام کرے۔ (قواعد وضوابط صدر انجمن احمدیہ پاکستان مطبوعہ ۲۰۰۱ء)

یہ مجلس افتاء جس کی بنیاد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے رکھی تھی یہ خدا کے فضل سے اب بھی خلیفہ وقت کی زیر نگرانی فقہی خدمات بجالا رہی ہے۔

حضرت مصلح موعود کے عہد خلافت میں باقاعدہ مقرر شدہ مفتیان کرام کے فتاویٰ کی کل تعداد ۳۸۸۶ ہے۔ جن میں سے حضرت سیّد محمد سرور شاہ صاحب کے فتاویٰ کی تعداد ۲۲۵۱ ہے اور حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کے فتاویٰ کی تعداد ۱۶۳۵ ہے۔

حضرت سیّد محمد سرور شاہ صاحب مفتی سلسلہ کا پہلا فتویٰ جو دارالافتاء کے ریکارڈ میں درج ہے وہ ۲۳/اگست ۱۹۳۱ء کا ہے جبکہ آپ کا آخری فتویٰ ۳۱/مئی ۱۹۴۷ء کا ہے اور اسی طرح حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ کا پہلا فتویٰ ۸/اپریل ۱۹۴۸ء کا ہے جبکہ حضور کے عہد خلافت کا آخری فتویٰ ۴/نومبر ۱۹۶۵ء کا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے عہد خلافت میں اپنی تقاریر، خطبات، قضائی فیصلوں یا مجالس سوال و جواب میں بہت فتاویٰ بیان فرمائے۔ اس مضمون میں ان سب کا احاطہ کرنا تو ممکن نہیں، البتہ ان میں سے چند فتاویٰ پیش ہیں:

۱- شوال کے روزوں کی بابت

آپ نے ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء کو قادیان میں خطبہ عید الفطر میں فرمایا:

''رمضان ختم ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ شوال کے مہینہ میں عید کا دن گزرنے کے بعد چھ روزے رکھتے تھے۔ اس طریق کا احیاء ہماری جماعت کا فرض ہے۔ ایک دفعہ حضرت صاحبؑ نے اس کا اہتمام کیا تھا کہ تمام قادیان میں عید کے بعد چھ دن تک رمضان ہی کی طرح اہتمام تھا۔ آخر میں چونکہ حضرت صاحب کی عمر زیادہ ہو گئی تھی اور بیمار بھی رہتے تھے اس لئے دو تین سال بعد آپ نے روزے نہیں رکھے۔ جن لوگوں کو علم نہ ہو وہ سن لیں اور جو غفلت میں ہوں وہ ہوشیار ہو جائیں کہ سوائے ان کے جو بیمار اور کمزور ہونے کی وجہ سے معذور ہیں چھ روزے رکھیں۔ اگر مسلسل نہ رکھ سکیں تو وقفہ ڈال کر بھی رکھ سکتے ہیں۔'' (خطبات محمود جلد اوّل صفحہ ۱۷)

۲- جس شخص کو دین کے کام پر لگایا جائے وہ مستعفی نہیں ہو سکتا

''شرعی حکومت میں استعفیٰ کا قانون نہیں۔ حکومت کے ماتحت وہ کام کرتے ہیں جو ان کو پسند ہوتے ہیں لیکن شریعت میں یہ نہیں ہوتا کہ وہ کام کریں جو لوگوں کو پسند ہو، بلکہ وہ کرنا پڑتا ہے جس کا شریعت حکم دے اور اس شخص کا حق نہیں ہوتا کہ وہ جواب دے۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ یہ نہیں کہ وہ اہلیت زیادہ رکھتے تھے بلکہ وہ ایک حکم تھا جس کی اطاعت اسامہ پر فرض تھی۔ اسامہ نے بھی انکار نہیں کیا اور اسامہ کے ماتحت عمر اور عمرو بن العاص جیسے شخصوں کو کر دیا۔ جن کے نام سے ایشیاء کے لوگ تھرا اٹھتے ہیں ...... پس ایسی حالت میں اسامہ نے اپنے تئیں اس کام کے جو اسے سپرد کیا تھا نا قابل ظاہر کر کے علیحدگی نہیں چاہی اور یہ نہیں کہا کہ میں استعفیٰ پیش کرتا ہوں اور اگر وہ ایسا کرتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ میں دین سے علیحدہ ہوتا ہوں۔'' (الفضل ۱۵ / نومبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۸، ۹)

۳- کیا دو آدمیوں کا بھی جمعہ ہو سکتا ہے؟

سوال ہوا کہ کیا دو آدمیوں کا بھی جمعہ ہو سکتا ہے؟

فرمایا: ''ہو سکتا ہے۔'' (الفضل ۱۹ / جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۸)

٤- مہر کتنا ہونا چاہیئے؟

’’میں نے مہر کی تعیین چھ ماہ سے ایک سال تک کی آمد کی ہے۔ یعنی مجھ سے اگر کوئی مہر کے متعلق مشورہ کرے تو مَیں یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اپنی چھ ماہ کی آمد سے ایک سال تک کی آمد بطور مہر مقرر کرو اور یہ مشورہ میرا اس امر پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الوصیت کے قوانین میں دسویں حصہ کی شرط رکھوائی ہے۔ گویا اسے بڑی قربانی قرار دیا ہے۔ اس بناء پر میرا خیال ہے کہ اپنی آمدنی کا دسواں حصہ باقی اخراجات کو پورا کرتے ہوئے مخصوص کر دینا معمولی قربانی نہیں بلکہ ایسی بڑی قربانی ہے کہ جس کے بدلے میں ایسے شخص کو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس حساب سے ایک سال کی آمد جو گویا متواتر دس سال تک کی آمد کا دسواں حصہ ہوتا ہے بیوی کے مہر میں مقرر کر دینا مہر کی اغراض کو پورا کرنے کے لئے بہت کافی ہے بلکہ میرے نزدیک انتہائی حد ہے۔‘‘ (الفضل ۱۲ دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۱)

٥- روزہ رکھنے کی عمر

حضور فرماتے ہیں:

’’پھر کئی ہیں جو چھوٹے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک فرض اور حکم کے لئے الگ الگ حدیں اور الگ الگ وقت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک بعض احکام کا زمانہ چار سال کی عمر سے شروع ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ سات سال سے بارہ سال تک ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ پندرہ یا اٹھارہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ میرے نزدیک روزوں کا حکم پندرہ سال سے اٹھارہ سال تک کی عمر کے بچے پر عائد ہوتا ہے اور یہی بلوغت کی حد ہے۔

’’میرے نزدیک اس سے پہلے بچوں سے روزے رکھوانا ان کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے کیونکہ وہ زمانہ ان کے لئے ایسا ہوتا ہے جس میں وہ طاقت اور قوت حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ پس جس زمانہ میں کہ وہ طاقت اور قوت کے ذخیرہ کو جمع کر رہے ہوتے ہیں اس وقت ان کی طاقت کو دبانا اور بڑھنے نہ دینا ان کے لئے سخت مضر ہے...... بارہ سال سے کم عمر کے بچے سے روزہ رکھوانا تو میرے نزدیک جرم ہے اور بارہ سال سے پندرہ سال کی عمر کے بچے کو اگر کوئی روزہ رکھواتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ پندرہ سال کی عمر سے روزہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں روزے فرض سمجھنے چاہئیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے ہمیں بھی روزہ رکھنے کا شوق ہوتا تھا مگر حضرت مسیح موعودؑ ہمیں روزہ نہیں رکھنے دیتے تھے اور بجائے اس کے کہ ہمیں روزہ

رکھنے کے متعلق کسی قسم کی تحریک کرنا پسند کریں ہمیشہ ہم پر روزہ کا رُعب ڈالتے تھے۔ تو بچوں کی صحت کو قائم رکھنے اور ان کی قوت کو بڑھانے کے لئے روزہ رکھنے سے انہیں روکنا چاہئے‘‘

(الفضل ۱۱/اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۷)

۶- ذبح کرنے نیز مچھلی کو کیوں ذبح نہیں کیا جاتا کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

’’...... نے ان جانداروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جن میں دوران خون ہوتا ہے اور ہوا میں سانس لیتے ہیں اور ذبیحہ میں یہ حکمت ہے کہ خون جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور جس میں زہر ہوتا ہے ذبح کرنے سے نکل جاتا ہے لیکن جھٹکہ کرنے کی صورت میں خون جسم میں ہی رہتا ہے۔ ورنہ..... کو اس سے کیا کہ جانور کو گلے سے ذبح کیا جائے یا گردن کاٹی جائے۔ گردن میں ایسی رگیں ہوتی ہیں کہ ان پر چوٹ پڑنے سے ہی بے ہوشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور دوران خون رُک جاتا ہے۔ مچھلی میں چونکہ دوران خون نہیں ہوتا اس لئے اسے ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔‘‘

(الفضل ۸/اکتوبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳)

۷- امتیازی ھبہ

حضرت مصلح موعود امتیازی ہبہ کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ایسا ہبہ کرنا جس میں امتیاز پایا جاتا ہو اسلامی روح کے خلاف ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کے دوستوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ قاضیوں کو بھی اس مسئلہ کے متعلق اچھی طرح علم ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایسا معاملہ ان کے سامنے پیش ہو جس میں نظر آئے کہ اس میں امتیاز پیدا ہو رہا ہے تو ان کا فرض ہے کہ اس امتیازی سلوک کی تردید کرتے ہوئے حقدار کو حق دلائیں اور اگر اس معاملہ میں امتیازی سلوک نہ ہو بلکہ مصلحت وقت کے تحت کسی نے ایسا کیا ہو تو اسے قبول کر لینا چاہئے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مَیں نے اپنے بڑے بچوں کو پڑھا لیا ہے اور اب میرے چھوٹے بچے رہ گئے ہیں جن کو تعلیم دلانا مقصود ہے اور مَیں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اس لئے چھوٹے بچوں کے لئے مَیں اس قدر روپیہ reserve کر دینا چاہتا ہوں تو یہ جائز ہوگا۔ اس میں یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے دوسرے بیٹوں کو محروم کرنا چاہتا ہے۔‘‘

(الفضل ۲۵/اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۳)

تحریک شدھی میں حضرت مصلح موعود کا قائدانہ کردار

(مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب)

ہندوستان میں اسلام کی وسیع پیمانے پر اشاعت صوفیا کے ذریعہ عمل میں آئی تھی۔ ان صوفیا نے ہندوستان میں مختلف جگہوں پر ڈیرے ڈال لئے اور اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ خاص طور پر دہلی، لکھنؤ، آگرہ، شاہجہان پور، فرخ آباد، راجستھان وغیرہ علاقوں کے لوگ ان صوفیا حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت بختیار کاکیؒ وغیرہ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مگر اُن نو مسلموں کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لئے ایک لمبا عرصہ درکار تھا۔ ان کے رسم ورواج ہندوانہ تھے۔ ان کا رہن سہن، کھانا پینا، بول چال، پہناوا، برتاواسب ہندوانہ طریق کے مطابق تھا۔ مذہبی لحاظ سے یہ نماز بھی پڑھ لیتے تھے۔ مندر بھی چلے جاتے تھے۔ رمضان کے روزے بھی رکھ لیتے تھے، دسہرہ بھی مناتے تھے۔ محرم کی مجالس بھی منعقد کرتے تھے اور عیدین بھی مناتے تھے مگر ہولی بھی کھیلتے تھے۔ غرضیکہ یہ مسلمان اور ہندوانہ کلچر کا ملغوبہ تھے۔ ان کے ہاں شادی کی تقریبات پر مولوی بھی بلوائے جاتے تھے اور پنڈت بھی۔ یہی حال غمی کی تقریبات کا تھا۔ اس پر کئی صدیاں گذر چکی تھیں یہ لوگ اپنے رسم ورواج پر پختہ ہو چکے تھے۔ مسلمان ان کو مسلمان سمجھتے، ہندو ان کو ہندو شمار کرتے۔ چونکہ حکومت مسلمانوں کی تھی اس لئے ہندو ان لوگوں کو جبراً ہندو بنانے کی جرأت نہ کر سکے۔ مغلیہ حکومت کے خاتمے کے ساتھ اور انگریز حکومت کی حمایت میں ہندوؤں نے اپنے پَر پُرزے نکالنے شروع کئے۔ جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دلائل اور اپنی تحریرات سے میدان مناظرہ اور مباحثہ میں شکست فاش سے دوچار کیا۔ لیکھرام کے قتل سے آریہ سماج دم بخود رہ گئی تھی۔ ان کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے۔ یہ صورت حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات تک رہی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آریہ سماجیوں نے خیال کیا کہ ان کا مقابلہ کرنے والا اس دنیا میں نہیں رہا۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کو آریہ سماج میں داخل کرنے میں بالکل آزاد ہو گئے ہیں۔ اب ان کو روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں رہا۔ اس لئے اب موقع ہے ہندوستان کو مسلمانوں سے پاک صاف کر دو۔ اب کے بار انہوں نے نہایت گہری سازش سے کام لیتے ہوئے نہایت خاموشی سے تحریک شدھی کا آغاز کیا تاکہ مسلمانوں کے کانوں میں اس کی بھنک نہ پڑ جائے کہیں پھر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی جیسا وجود ان کے مقابل پہ آ کر ان کے عزائم کو خش وخاک میں نہ ملا دے۔ مگر خدا کی لکھی تقدیروں کو کون مٹا سکتا ہے۔

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں آریہ سماج نے پھر سر اُٹھایا اور اپنا کام تحریک شدھی یعنی مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کا کام صوبہ یوپی کے اضلاع ہردوئی، شاہ جہان پور، فرخ آباد، بدایوں، متھرا ایٹہ، اٹاوہ، آگرہ، مین پوری،

علی گڑھ اور ریاستہائے میسور اور بھرت پور اور مزوا وغیرہ کے علاقوں میں جوش وخروش اور دھوم دھام سے جاری کیا۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے ہندوؤں کے جبر اور لالچ میں آ کر ہندوازم کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ جس کا انکشاف مولانا شبلی نعمانی پر ہوا تو آپ نے اپنے دکھ اور تکلیف کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''جس وقت میں یہاں سے چلا ہوں میری جو حالت ہے یہ طلباء ندوہ کے جو یہاں بیٹھے ہیں وہ اس کے شاہد ہوں گے کہ میں نے اس وقت کوئی گالی نہیں اٹھا رکھی تھی جو میں نے ان ندوہ والوں کو نہ سنائی ہوگی کہ اے بے حیاؤ اور اے کم بختو ڈوب مرو یہ واقعات پیش آئے ہیں ندوہ کو آگ لگا دو اور علی گڑھ کو بھی پھونک دو یہی الفاظ میں نے اس وقت کہے تھے اور آج بھی کہتا ہوں۔''

(حیات شبلی صفحہ ۵۵۸،۵۵۷ از مولانا سیّد سلیمان ندوی)

تحریک شدھی کے خوفناک نتائج پر غور وخوض اور سدباب کرنے کے لئے مولانا شبلی نعمانی نے ۶، ۷، ۸/ اپریل ۱۹۱۲ء کو اجلاس لکھنؤ میں منعقد کیا جس میں شدھی کے مقابلہ اور اشاعت اسلام کی تجاویز پر غور کرنا مقصود تھا۔ اس اجلاس میں شرکت کے لئے مولانا شبلی نعمانی کی دعوت پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی شرکت فرمائی مگر اس اجلاس میں بجائے تحریک شدھی کے انسداد کی تجاویز پر غور ہوتا۔ سارا وقت اس مخالفت کی نذر ہو گیا کہ قادیانی کیوں بلوائے گئے اس سلسلہ میں مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا یہ چاہتے تھے کہ اشاعت اسلام کے کام تمام فرقے مل کر کریں اس لئے مرزا بشیر الدین محمود جو اب خلیفہ قادیان ہیں اور خواجہ کمال الدین صاحب تک کی شرکت سے انکار نہیں کیا۔ اس پر اس جلسہ کے دوران میں مولانا پر یہ الزام رکھا گیا کہ انہوں نے قادیانیوں کو جلسہ میں کیوں شریک کیا؟ اور ان کو تقریر کی اجازت کیوں دی۔ مگر مولانا شیروانی کی ثالثی سے یہ بلا ٹل گئی۔''

(حیات شبلی صفحہ ۵۶۹)

اس کا اثر مولانا شبلی پر یہ ہوا کہ

''مولانا بیمار اور پراگندہ خاطر ہو کر مولوی عبدالسلام صاحب اور سیرت کو لے کر بمبئی روانہ ہو گئے اور دو چار ماہ کے غور وفکر کے بعد جولائی ۱۹۱۳ء کو ندوہ سے مستعفی ہو کر سبکدوش ہو گئے اور کام کی ساری تجویزیں درہم ہو کر رہ گئیں۔''

(حیات شبلی صفحہ ۵۷۳)

مفکر احرار چوہدری افضل حق نے مسلمان علماء کی اس غفلت و بے حسی پر اظہار تأسف کرتے ہوئے لکھا:

''آج سے پہلے اسلام کو تبلیغی جماعت سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان علماء اپنی خدمات کو جابجا ہر جگہ بیان کرتے تھے حالانکہ ان کی تمام کوششیں مسلمانوں کو کافر بنانے میں صرف ہوتی رہیں...... جہاں

اسلام کے سب سے بڑے دعویدار موجود تھے ان ہی کے دروازوں پر مسلمان مرتد ہورہے تھے اور ان کے بنائے کچھ نہیں بنتی جن کے ہندوستان بھر میں کفر کے فتوے کام کرتے تھے۔ ان کا اپنا عمل قریب کے مسلمانوں پر کچھ اثر نہ ڈال سکا۔ تین چار سو برس سے ایک قوم اسلام کے دروازے کے اندر داخل ہوئی مسلمانوں کو متوجہ نہ پا کر آج پھر واپس چلی گئی۔ ایک مسخرہ نے سچ کہا کہ "علماء کا کام ہی مسلمانوں کو کافر بنانا ہے" سوانہوں نے ملکانہ، راجپوتوں میں اپنی کامیاب تبلیغ کر دی ہے۔ حضرات فرنگی محل، حضرات دیوبند، حضرات دہلوی کی صد سالہ اسلامی تبلیغ کا نتیجہ دیکھو کہ ان ہی اضلاع کے گردونواح میں ارتداد کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ ہمارے علماء کے لئے اس میں عبرت ہے۔ ان کے لئے ندامت سے گردن جھکا لینے کا وقت ہے۔ اس فتنہ ارتداد کی تاریخ اغیار کے لئے دلچسپ اور مسلمانوں کے لئے باعث شرم ہے" (فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں صفحہ ۴،۵)

ہندو پنڈت اور لیڈران تحریک شدھی کے لئے پس پردہ معاون ومددگار تھے۔ ہر طرح کی دامے درمے سخنے اس تحریک کی مدد کر رہے تھے۔ اس تحریک کو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے گاندھی نے جو مکارانہ حیلہ جوئی میں ماہر تھے۔ مسلمان لیڈروں کو خلافت کے نام پر سیاست میں الجھائے رکھا جبکہ ان کو ہندوستان سے ہجرت کر جانے کی ترغیب دیتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمان راستے کی صعوبتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے لقمہ اجل بن گئے۔ لاکھوں مسلمانوں نے اپنا کاروبار اور جائیدادیں ہندوؤں کے ہاتھوں میں دے دیں کہ ہم ہجرت کر رہے ہیں واپسی پر آ کر ان سے واپس لے لیں گے بھلا لالہ کسی کو کچھ واپس کرتا ہے؟ وہ اس دعویٰ میں اپنے کاروبار اور جائیدادوں سے محروم کر دیئے گئے۔ جب مسلمان ہر طرف سے لٹ رہے تھے مگر گاندھی مسلمانوں کو مخاطب کر رہے تھے اور ان کو بتا رہے تھے "ہندوستان میں اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا رہا تھا۔ مسلمان گاندھی کے مکارانہ نعروں پر سر دھن رہے تھے گویا مسلمان علماء اور مسلمان گاندھی کے سحر میں مکمل طور پر گرفتار ہو چکے تھے۔ کلکتہ میں مدرسہ اسلامیہ کے افتتاح کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر کے بعد گاندھی نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"آپ اپنے ارادوں میں مستقل رہیے جو پاؤں آگے اُٹھ چکا ہے اسے پیچھے نہ ہٹائیے۔ اس وقت اسلام خطرے میں ہے خلافت تباہ کر دی گئی ہے۔ مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لیا گیا ہے ...... یہ آپ کا فرض ہے کہ ان کاموں پر کمربستہ ہوں اور جو فرائض آپ کے ذمے اسلام اور ہندوستان کے ہیں انہیں ادا کریں" (علم و آگہی کراچی خصوصی شمارہ ۱۹۷۴ء-۱۹۷۵ء صفحہ ۸۹،۹۰)

مسلمان تحریک خلافت تحریک موالات اور عدم تعاون میں دن رات ایک کئے ہوئے تھے۔ مسلمان لیڈران کرام گاندھی کے ادنیٰ اشارے پر اپنا تن من دھن سب قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر ایک منٹ کے لئے یہ سوچنے کے

لئے تیار نہیں تھے کہ ایک کٹر ہندو کو اسلام سے کیا کام۔ اسلام کے مقاماتِ مقدسہ سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ مسلمان سیاسی اور مذہبی لیڈر جمعیت العلماء ہند، علی برادران وغیرہ پوری طرح گاندھی کے سحر میں آ چکے تھے۔ اس جوش کے زمانہ میں جس نے ہوش کی بات کرنے کی کوشش کی اس کی پگڑی سلامت نہ رہ سکی۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے مسلمانوں کو پوری قوت سے تحریک خلافت تحریک موالات اور عدم تعاون کے عواقب و نتائج سے آگاہ کیا مگر کسی نے ان ہوش اور عقل کی باتوں پر کان دھرنا مناسب نہ سمجھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس تحریک کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی مگر بُری طرح ناکام رہے بلکہ ایک جلسہ سے جان بچا کر بمشکل نکلنا پڑا۔

ہندوؤں کے عزائم

ہندوؤں کے ایک مشہور لیڈر ”سوامی ستیہ دیو“ نے ایک تقریر کے دوران ہندوؤں کے خفیہ عزائم اور مسلمانوں کے خلاف طے شدہ لائحہ عمل کے متعلق جو کچھ کہا قابل غور ہے۔ جب ہم طاقتور ہو جائیں گے تو مسلمانوں کے سامنے یہ شرائط رکھیں گے:

1- قرآن کو الہامی کتاب مت مانو۔

2- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کا نبی مت مانو۔

3- مکہ کے ساتھ اپنا کوئی تعلق نہ رکھو۔

4- سعدی اور رومی کے بجائے کبیر اور تلسی داس کو پڑھو۔

5- اسلامی تقریبات کے بجائے ہندوؤں کی تقریبات مناؤ۔

6- وہ تمام تقریبات مناؤ جن کا تعلق رام کرشن اور دوسرے دیوتاؤں سے ہے۔

(اخبار وکیل امرتسر ۹ر دسمبر ۱۹۲۵ء)

پروفیسر رام دیو نے کھلے الفاظ میں مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں اپنے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”ہندوستان کی ہر ایک مسجد پر ویدک دھرم یا آریہ تاج کا جھنڈا بلند کیا جائے گا۔“

(اخبار گرو گھنٹال ۱۰ر جنوری ۱۹۲۷ء)

لالہ ہر دیال جو ہندوؤں کا ایک جوشیلا لیڈر تھا اس نے سنگھٹن (ہندوؤں کا منظم اتحاد) اور شدھی (مسلمانوں کو تبدیلی مذہب سے ہندو بنانے) کی تحریکوں کو عام کرنے کے لئے منظم پروپیگنڈا اپنی تقاریر اور تحریروں میں کیا اور اخبار ”تیج“ میں لکھا:

> ”ہندو سنگھٹن“ کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں ایک متحد اور گردو پیش سے باخبر فعال سیاسی جماعت کی تشکیل کی جائے جو ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے قیام کے لئے جدوجہد کر سکے۔

ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کے حل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو شدھی کے ذریعے ہندو دھرم میں شامل کرلیا جائے۔'' (اخبار تیج دہلی کرشن نمبر اپریل ۱۹۲۴ء)

لالہ ہردیال نے روزنامہ تیج دہلی میں لکھا:

''ہندو سنگھٹن کے لئے ہندو سوراجیہ حکومت کا آدرش (نصب العین) ضروری ہے۔ پنجاب میں ہندو سوراجیہ قائم کرنے کے آدرش ہی سے لوگوں میں قربانی کی طاقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ ہندو سنگھٹن کا یہ اصول ہونا چاہئے کہ جب تک ہندوستان بالخصوص پنجاب بدیشی مذہبوں سے پاک نہیں ہوگا۔ ہمیں کبھی چین سے سونا نہ ملے گا۔ جو ہندو اس آدرش کو نہیں مانتا وہ کپوت ہے، بے جان ہے، مردہ دل ہے، بے سمجھ ہے۔''

اس نے ہندوؤں کو مزید مشتعل کرنے کے لئے لکھا:

''پنجاب اور ہندوستان میں دو قومیں نہیں رہ سکتیں یا سب ہندو اسلام قبول کرلیں یا سب مسلمانوں کو شدھی کے ذریعے ہندو بنالو۔ یہی اس سوال کا حل ہے مذہب اسلام ایک ایسی انوکھی چیز ہے کہ مسلمان کسی ملک میں دوسری قوموں کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتے۔ اتفاق اور امن کے لئے ضروری ہے کہ یا صرف اسلام یا اسلام بالکل نہ ہو۔ بیس فیصد اسلام سے صرف بلوہ فساد ہوں گے۔ بیس فیصد اسلام کے روڑے کو کوئی ملک ہضم نہیں کرسکتا۔ جس ملک نے اس پتھر کو نگل لیا اس کے پیٹ میں ہمیشہ درد رہے گا۔ پس اسلام کی تاریخ اور مزاج کو جان کر ہمیں ہندو اتحاد کی کوششیں شروع کردینی چاہئیں۔ اب تو صرف ذاتی طور پر شدھی کرنی چاہئے۔ سوراج ملنے پر ریاست کی مدد سے شدھی کی تحریک کو ترقی دینی چاہئے۔'' (روزنامہ تیج دہلی ۲۱ / مارچ ۱۹۲۵ء)

لالہ ہردیال نے شدھی کی تحریک میں عوام کو شمولیت کی دعوت دیتے ہوئے مزید لکھا:

''افغانستان کوئی جدا ملک نہیں یہ ہندوستانی پنجاب کا ایک حصہ ہے افغانستان میں ہماری مورتیاں، بت اور مندروں کے کھنڈرات آج تک پائے جاتے ہیں۔ جب تک افغان اور سرحدی قبائل کے مسلمان بھی ہندو قوم میں شامل نہیں کئے جائیں گے اس وقت تک ہمارے ملک کی حفاظت کا پورا پورا انتظام نہیں ہوسکتا۔ تاریخ ہند سے ظاہر ہے کہ ان پہاڑی علاقوں سے ہم کو بہت دکھ پہنچ سکتا ہے۔ مگر اس دکھ کا اندیشہ صرف اس وقت تک ہے جب تک یہ بہادر لوگ اسلام کے پیرو اور مسلمان ہیں مگر جب ہم ان کو ہندو بنالیں گے یہ خطرہ جاتا رہے گا۔ لہٰذا افغان اور سرحدی مسلمانوں کو ہندو بنالینا ہمارا ضروری فرض ہے۔ تمام ہندو قوم کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ہندو

کے سامنے یہ تین اصول ہر وقت رہنے ضروری ہیں ایک تو ہندو سوراج دوسرے ہندوستان کے سب مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانا، تیسرے افغانستان اور سرحد کو ختم کرنا اور وہاں کے باشندوں کو ہندو بنانا۔'' (روزنامہ تیج دہلی ۱۰ رمئی ۱۹۲۵ء)

ہندوؤں کے ارادے صرف ہندوستان کے مسلمان علاقوں پر قبضہ کرنا ہی نہیں بلکہ افغانستان سے بھی آگے بڑھ کر اردگرد کے مسلمان ممالک پر نظر تھی۔

''جب ہندو قوم میں پورا پورا جوش پیدا ہو جائے گا تو سوراج شدھی اور افغانستان کی فتح کے علاوہ ممکن ہے کہ ہم مشرقی افریقہ فجی اور دوسرے ملکوں پر بھی قابض ہو جائیں۔ جہاں ہندو بھائی آباد ہیں کیونکہ اس وقت ہم کسی ہندو بھائی کو غلامی کی حالت میں نہیں چھوڑیں گے۔ پس ہندوستان کو اگر کبھی آزادی ملے گی تو یہاں ہندو راج قائم ہوگا بلکہ مسلمانوں کو شدھی افغانستان کی فتح وغیرہ باقی آدرش پورے ہو جائیں گے۔'' (اخبار ملاپ ۱۴ رجون ۱۹۲۵ء)

شردھانند کی طرف سے ہندوؤں کو میدان عمل میں آنے کا اعلان

مسلمانان ہند خدا جانے کب تک خواب غفلت میں پڑے رہتے کہ وسط مارچ ۱۹۲۳ء میں مشہور آریہ ماجی لیڈر شردھانند نے جو اس تحریک کے پُر جوش علمبردار تھے اور سب سے بڑے لیڈر تھے اور جنہیں اس سے پہلے مسلمان علماء نے ہندو مسلم اتحاد کے خیال سے نہ صرف خلافت کانفرنس کے نائب صدر ہونے کا موقع دیا تھا بلکہ جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھا کر تقریر کروائی تھی۔ ہندوؤں سے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ

''نواح آگرہ میں راجپوتوں کو تیز رفتاری سے شدھ کیا جا رہا ہے اور اب تک قریباً چار ہزار تین سو راجپوت ملکانے گوجر اور جاٹ ہندو ہو چکے ہیں نیز کہا ایسے لوگ ہندوستان کے ہر حصے میں ملتے ہیں یہ پچاس ساٹھ لاکھ سے کم نہیں اور اگر ہندو سماج ان کو اپنے اندر جذب کرنے کا کام جاری رکھے تو مجھے تعجب نہ ہوگا کہ ان کی تعداد ایک کروڑ تک ثابت ہو جائے۔''

(اخبار پرتاپ لاہور ۱۶ رمارچ ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۳۳۰ طبع اوّل)

یہ تحریک شدھی کی سکیم بہت گہری تھی اور بہت سی طاقتور قومیں اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ مثلاً مہاراجہ کشمیر نے ساڑھے چار لاکھ ملکانہ راجپوتوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے مسئلہ پر کامل غور وخوض کے بعد پنجاب کے سناتن دھرم پنڈتوں کو دعوت دی کہ وہ اس مسئلہ پر کشمیری پنڈتوں سے گفت وشنید کریں۔

(اخبار کیسری ۱۲ رمارچ ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ جدید ایڈیشن)

ایک آریہ سماجی راجکمار آشھی نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''بھلا شدھی ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہوسکتی۔ جس وقت سب مسلمان شدھ ہو کر ہندو ہو جائیں گے تو سب ہندو ہی ہندو نظر آئیں گے پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو آزادی سے نہیں روک سکتی۔''

(اخبار تیج دہلی ۲۰ مارچ ۱۹۲۶ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ جدید ایڈیشن)

اس کے علاوہ تمام کانگریس کے ہندو لیڈران اور جمعیت العلماء کے علماء اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کر کے اس کے شریک و معاون تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا احباب جماعت کے نام پیغام
فتنہ شدھی کے لئے احمدی سرفروشوں کی ضرورت ہے

ہندوؤں کی شدھی کے سلسلہ میں سرگرمیوں اور کامیابی کی خبر جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تک پہنچی تو آپ نے ۹ مارچ ۱۹۲۳ء کو خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہ فتنہ شدھی کے لئے احمدی سرفروشوں کی ضرورت ہے فرمایا:

''آریوں نے سولہ سال سے کوشش شروع کی ہوئی تھی کہ جس قدر بھی ان لوگوں کو...... سے تعلق ہے اس سے ہٹا کر اپنے خیالات ان میں پھیلائیں اور ان کو شدھ کرلیں۔ اس کے لئے آریوں نے ان کو کہنا شروع کیا تم لوگ تو ہو ہی ہندو، مسلمان بادشاہوں کی سختی اور یا کسی لالچ کی وجہ سے تمہارے بزرگوں نے...... کی ظاہری شکل اختیار کر لی تھی...... آریوں کی کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان میں سے ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی ہے کہ...... چھوڑ کر ہندو ہو جائے چند مہینے گذرے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہوئی ہے وہ بھی اس طرح کہ جب آریوں کا قبضہ ہو گیا......

جماعت کو آگاہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے نفوس اور جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار رہیں۔

مَیں نے بتایا ہے کہ کام بہت سخت ہے ساڑھے چار لاکھ نفوس کی ایک قوم ہے جو مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے وہ تیار ہیں کہ...... چھوڑ کر ہندو ہو جائیں...... یہ کام برسوں میں کرنے کا نہیں بلکہ دو چار مہینہ کا ہے ان کے بعض گاؤں شدھ ہو چکے ہیں۔ ان کے بڑے لوگ شدھ ہو چکے ہیں ہمیں ایسے قلیل عرصہ میں ساری قوم کو یا متعدد بہ کو روکنا ہے......''

(خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۳۵، ۳۷)

حضور نے مسلسل خطبات کے ذریعہ احمدی احباب کو مالی قربانی اور اپنے کو وقف کرنے کی تحریک فرمائی۔ آپ نے سردست ۱۵۰ افراد اور پچاس ہزار روپیہ کی قربانی کا مطالبہ کیا۔ احباب جماعت نے اپنے امام کی آواز پر دیوانہ وار لبیک کہتے ہوئے اپنے اموال اور اپنی جانیں، بوڑھوں نے اپنے کم سن بچے، عورتوں اور بچوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور چند ایام میں ہی احمدی مجاہدین کے قافلے اس میدان کارزار شدھی میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ ان میں وکلاء بھی تھے گریجویٹ بھی۔ دفاتر میں کام کرنے والے احباب تھے اور زمیندارہ کرنے والے لوگ بھی تھے۔ غرضیکہ جماعت کے ہر طبقہ نے اپنی خدمات خلیفہ وقت کے حضور پیش کر دیں تا کہ شدھی کی تحریک میں اشاعت دین حق کا کام رکنے نہ پائے۔

تحریک شدھی اور تحریک خلافت کے لیڈروں کا رویہ

اس اہم تاریخی موقعہ پر جو مسلمانان ہند کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا تحریک خلافت کے لیڈران نے جو رویہ اختیار کیا اور جس قسم کی بے حسی کا مظاہرہ کیا اس کو تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے اس واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ ۶، ۷ راپریل ۱۹۲۳ء کو آگرہ میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دو تین مسلمان لیڈر شامل ہوئے جنہوں نے فتنہ ارتداد کا ذکر نہایت معمولی واقعہ کی طرح کیا۔ مولوی آزاد سبحانی نے کہا کہ

> ''میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہمارا اصل مقصد سوراج حاصل کرنا ہے۔ جب سوراج حاصل ہو جائے گا تو پھر ہم یہ فیصلہ کریں گے کہ ہمیں اسلام پر قائم رہنا چاہئے یا ہندو ہو جانا چاہئے۔ اس لئے سوامی شردھانند سے عرض کروں گا اور مسلمان دوسرے ہندوؤں سے عاجزی کے ساتھ درخواست کریں کہ وہ چند دن کے لئے شدھی روک دیں۔ (الفضل ۱۶ راپریل ۱۹۲۳ء)

مولانا ابو الکلام آزاد نے بیان دیا:

> ''میں پورے وثوق کے ساتھ رائے رکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے موجودہ وقت میں یہ تحریک شروع کی انہوں نے ملک کا عام مفاد نظر انداز کر دیا۔ مسلمانوں کو نہ چاہئے تھا کہ شکوہ شکایت کریں یا اپنے لئے کوئی ایسی پوزیشن (رویہ) اختیار کریں جس سے توقع اور خواہش نکلتی ہو۔ یہ کام شروع نہ کیا جاتا تو بہتر تھا لیکن جب شروع کر دیا گیا ہے تو مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی چارہ کار رہ گیا ہے یعنی وہ بھی اپنا فرض سکون اور خاموشی کے ساتھ انجام دیں۔ دوسروں کے لئے نیا قدم ہے لیکن ان کے لئے ان کا اعلیٰ اور دائمی فرض ہے اگر انہوں نے اپنا فرض ادا کیا ہوتا تو آج یہ نتائج پیش نہ آتے۔''

(تبرکات آزاد صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ جدید ایڈیشن)

مولانا شوکت علی نے اپنے ایک بیان میں کہا:

''مسلمانوں کو ہندوؤں کا احسان ماننا چاہئے کہ تم تو ذرا سی باجہ بجانے کی بات پر ہی ان سے لڑ پڑتے ہو۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ اگر ہندو بھائی تمہاری کسی مسجد کو بھی گرا دیں تو بھی تمہیں برداشت کرنا چاہئے۔'' (اخبار کیسری ۱۱رنومبر ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۱۷ جدید ایڈیشن)

نیز کہا:

''مَیں اور بھائی محمد علی نے اور محترمہ بی اماں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ خواہ کوئی ہندو ہماری ماں، بہن، بہو، بیٹی کی بے عزتی ہی کیوں نہ کرے ہم کبھی کسی ہندو کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے۔ اُمید ہے اس طرح آپس میں محبت اور ہمدردی پیدا ہو جائے گی۔''

(اخبار وکیل امرتسر ۹رنومبر ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۱۷ جدید ایڈیشن)

جماعت احمدیہ کے تبلیغی جہاد کی ان مہمات کے مقابل تحریک خلافت کے لیڈروں کی بے حسی انتہاء تک پہنچی ہوئی تھی اور انہوں نے اس اہم ترین مسئلہ کی طرف سنجیدگی سے توجہ کرنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں فرمائی۔ چنانچہ اخبار ''روزگار'' آگرہ یکم مئی ۱۹۲۳ء نے لکھا:

''اس میں شک نہیں کہ جتنے وفد اور جس قدر واعظ اور ہمدردانِ اسلام کوشاں ہیں ان میں سب سے بڑھا ہوا نمبر جماعت قادیان کا ہے۔ جس کے واعظ ہر قسم کے مصائب اور مصارف برداشت کر کے مصروف کار ہیں۔ بے حد قابل شکرگزاری کے ہیں لیکن افسوس یہ کیسا برتاؤ ہے کہ فرضی یا اصلی خلافت کے حامیان کی جماعت جو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی گہری پسینے کی کمائی سے باون لاکھ وصول کر کے ٹھکانے لگا چکی ہے وہ واقعات فتنہ ارتداد دیکھتے ہیں اور خاموش ہیں۔'' (کارزار شدھی صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۲۸ جدید ایڈیشن)

جہاں مسلمانوں کے دیگر فرقے شدھی کی تحریک سے صرف نظر کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں کی جانے والی مساعی کو بے کار کا سودا سمجھتے تھے شیعہ اصحاب بھی فتنہ ارتداد کا مقابلہ کرنے کو کہاں تک اہمیت دیتے۔ ایک شیعہ اخبار نے کارزار شدھی میں احمدی مجاہدین کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ سرگرمیوں کو فراموش کرتے ہوئے لکھا:

''ملکانہ راجپوت کے فتنہ ارتداد کو روکنا عبث اور بے فائدہ کوشش ہے۔ ہزاروں روپے کا مفت برباد کرنا ہے۔''

اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ

''فرض کرو اگر وہ مسلمان بھی ہو گئے تو کون سے مسلمان ہوں گے سُنّی مسلمان، پیر پرست،

گور پرست، اوہام پرست، تقلید پرست یا غلام احمدی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اللہ جری اللہ مانیں گے۔ یا اہلحدیث جو خدا تعالیٰ کو مجسم قرار دے کر عرش پر بٹھائیں گے اور پنڈلی کا سجدہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ (کے) قدم دوزخ میں ڈالیں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ گفتگو کر کے اس سے مصافحہ و معانقہ وغیرہ کریں گے۔ ملکانہ راجپوت سے زیادہ خطرناک وہ مسلمان ہیں جو دائرہ اسلام میں رہ کر صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں۔''

(درنجف یکم جولائی ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد۴ صفحہ ۳۷۸ جدید ایڈیشن)

شدھی اور دوسرے مسلمان

مسلمانوں کا کثیر حصہ تو اس تحریک سے کنارہ کش رہا۔ جو چند لوگوں نے اس انسداد ارتداد میں حصہ لیا انہوں نے اپنی مخالفانہ سرگرمیوں سے بجائے فائدہ پہنچانے کے نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس کی تفصیل چوہدری نذیر احمد خاں وکیل جے پوری نے ۲/اپریل ۱۹۲۳ء کو دہلی کی جامع مسجد میں بیان فرمائی اور کھلے لفظوں میں مسلمانوں کو بتایا کہ:

''حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے آریوں کے بطلان میں وہ مصالحہ جمع کر دیا ہے اگر اس کو اب استعمال کیا جائے تو یہ لوگ بیخ و بُن سے اُکھڑ سکتے ہیں لیکن تعجب اور افسوسناک امر تو یہ ہے کہ ہمارے مسلمان علماء اُن کی اور ان کی جماعت کی خواہ مخواہ مخالفت کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ ''دشمنانِ اسلام'' کے مقابلہ پر ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس میدان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مَیں نہ تو خود احمدی ہوں اور نہ میرا کوئی رشتہ دار احمدی ہے نہ اس مُلک کا رہنے والا ہوں جہاں احمدیوں کی آبادی ہے لیکن ان کے کام کے طریق، ان کی سرگرمی، ان کے اخلاص، ان کی تندہی اور جفاکشی سے کام کرنے کی حالت کا اندازہ کر کے مجبور ہوں کہ تمام اہلِ اسلام سے کہہ دوں کہ وہ ان حضرات کی مخالفت کو چھوڑ دیں۔ انہی لوگوں کے اخلاق ایسے ہیں جو جاہل اور اکھڑ ملکانوں کو آریہ ہونے سے باز رکھ سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہماری انجمنوں کے مبلغین ۵۵ کی تعداد میں وہاں گئے تھے جن میں سے اکثر شب برات کے حلوے کھانے اور عرس کرنے کے لئے واپس آ چکے ہیں اور باقی جو ہیں وہ رمضان میں واپس گھر پہنچنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ لوگ خیال کریں ان لوگوں سے کیا اُمید ہو سکتی ہے؟ اس لئے جو جماعت کام کرتی ہے اس کے رستے سے تمام رکاوٹیں دُور کی جائیں۔''

(جماعت احمدیہ کی......خدمات صفحہ ۴۵ از چوہدری فتح محمد سیال)

مجاہدین کا رزار شدھی پر ظلم وتشدد اور مسلم تنظیموں کا رویہ

میدان کارزار شدھی میں احمدی مجاہدین کو آریہ اور علماء کی طرف سے ظلم وستم وتشدد کا تختۂ مشق بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ فرخ آباد میں ماسٹر محمد شفیع اسلم صاحب کے مکان کا محاصرہ کیا۔ ایک مولوی آل نبی نے کئی سو آدمیوں کو لے کر ان کے مکان پر دھاوا بول دیا۔ ماسٹر صاحب بمع اہلیہ ان کی بوڑھی والدہ اور بچے کو گھر سے باہر نکال دیا گیا۔ اس مولوی نے احمدی مبلغ عبدالرشید صاحب کو فحش گالیاں دیں اور قتل کی دھمکیاں دیں۔ موضع اسہار میں آریوں اور مرتد ملکانوں نے مرزا غلام رسول صاحب ریڈر سیشن جج پشاور ہائی کورٹ پر حملہ کر کے ان کا مکان گرا دیا۔ وہ چھت کے نیچے دب گئے۔ اکرن میں احمدی مجاہد کو علاقہ سے باہر جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ مہاراجہ بھرت نے اپنی ریاست میں احمدی مجاہدین کے داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ اس طرح بعض علاقوں میں مجاہدین کو رات قیام کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ اپنے سامان اٹھائے میلوں پیدل چل کر ان علاقوں میں ......کا نام بلند کرنے کے لئے پھر بھی پہنچ جاتے جہاں ان کو کھانے پینے کا سامان میلوں دور سے لانا پڑتا تھا۔ ان مشکلات کے باوجود احمدی مجاہدین نے ان ملکانوں کے ارتداد کو روکنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔ خود ہندو بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اپنوں نے اعتراف کیا۔ مگر جن کے دلوں میں خدا واسطے کا بیر تھا وہ اپنی روش ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ان مسلمان علماء کو اعتراض تھا۔ ملکانے احمدی ہو رہے ہیں۔ ان مسلمان علماء کو ان ملکانوں کے ہندو ہونے پر اعتراض نہیں تھا۔ اعتراض تھا تو یہ کہ یہ ملکانے کہیں قادیانی نہ ہو جائیں۔ وہ اس سلسلہ میں مخالفت کو اپنی انتہا تک پہنچانے پر کوشاں تھے۔ اس ساری صورت حال کو دیکھتے ہوئے اخبار زمیندار نے مجلس نمائندگان تبلیغ اور دوسری جماعتوں کو شرم دلاتے ہوئے لکھا:

> ''اگر چہ سوامی شردھانند آریہ ساجی ہیں لیکن آریہ سماج کی جماعتوں کے علاوہ سناتن دھرم اور جینی وغیرہ بھی ان کے شریک کار ہیں اور آج تک ان لوگوں میں اختلاف کی ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی۔ سناتن دھرم والوں نے کبھی شکایت نہیں کی کہ سوامی شردھانند ملکانوں کو آریہ بنا رہے ہیں۔ پرتاپ، کیسری اور تیج کے فائل اٹھا کر دیکھئے۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ آپ کو ایک تحریر ایک خبر ایک اطلاع ایک مراسلہ بھی ایسا نہ ملے گا جس سے ہندو مبلغین کا ذرہ برابر باہمی اختلاف ظاہر ہوتا ہے لیکن ''زمیندار''، ''سیاست''، ''وکیل'' اور دوسرے اسلامی اخبارات کی جلدیں پڑھیئے تو آپ پر بار بار اس افسوسناک حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ ایک انجمن دوسری انجمن کو حلقۂ ارتداد میں کام کرتے دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔ خدا کا کام ہے لیکن مسلمانوں نے اسے ذاتی اختلاف اور ذاتی شہرت پسندی کی جولانگاہ بنا رکھا ہے کیا یہ سر پیٹنے کا مقام نہیں۔ ہم

''مجلس نمائندگان تبلیغ'' اور دوسری تمام تبلیغی انجمنوں کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر احمدی مبلغین ملکانوں کو احمدی بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو بگڑنے کا کوئی حق نہیں۔ جس طرح آپ ان کو حنفی واہلحدیث بنانے کا حق رکھتے ہیں احمدی مبلغین ان لوگوں پر اپنا کیش و مذہب پیش کرنے میں آزاد ہیں اور ہندو ہو جانے سے ہزار درجے بہتر ہے کہ ایک مسلمان احمدی ہو جائے......سیاسی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر چھ لاکھ ملکانے مسلمانوں کی کسی جماعت میں شامل ہو جائیں تو مسلمان شمار کئے جائیں گے لیکن اگر ہندو ہو گئے تو فریق ثانی کی طاقت میں اضافہ کا باعث ہوں گے۔ مسلمانوں کے مقاصد سیاسی کی حفاظت کے دعویدار بتائیں کہ صواب کی راہ کونسی ہے؟'' (اخبار زمیندار بحوالہ الفضل ۲۸ رمئی ۱۹۲۳ء)

اس بروقت انتباہ کے باوجود ان حضرات کے طرز عمل میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا جبکہ احمدیوں کی کامیابی پر اور بھی زیادہ سیخ پا ہوئے۔ دراصل یہ بھی آریہ اخبارات کی ایک چال تھی کہ انہوں نے غیر احمدی علماء کو اکسایا کہ قادیانی تو ملکانوں کو احمدی بنالیں گے۔ دوسرے علماء سے احمدی جماعت کے خلاف فتویٰ کفر طلب کر کے شائع کئے گئے اور ملکانوں سے کہا گیا کہ احمدی تو خود بھی مسلمان نہیں تمہیں کیا اسلام سکھائیں گے۔

اس وقت احمدیوں کے علاوہ ''جمعیت العلماء'' ''رضائے مصطفیٰ'' ''خدام الصوفیہ'' وغیرہ تبلیغ کے لئے پہنچی ہوئی تھیں۔ آریوں کا جادو چل گیا اور یہ سب جماعتیں الاماشاءاللہ اپنی طاقت وقوت احمدیوں کے خلاف استعمال کرنے لگیں۔ اگر کوئی گاؤں احمدی مجاہدین کی کوششوں کے نتیجہ میں شدھی سے تائب ہو کر واپس اسلام میں داخل ہوتا تو یہ اصحاب وہاں جا کر ملکانوں سے کہتے کہ قادیانی تو آریوں سے بھی بدتر ہیں ان کے ذریعہ تم کیوں مسلمان ہوئے؟

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۳۵۴ طبع اول)

اب احمدی مجاہدین کو بیک وقت دو زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ آگے آریہ صاحبان اور پیچھے علماء کرام۔ یہ افسوسناک صورت حال معلوم کر کے مولوی ممتاز علی صاحب ایڈیٹر اخبار ''تہذیب نسواں'' لاہور نے لکھا:

''مَیں نے سُنا ہے کہ میدانِ ارتداد میں ہر فرقۂ اسلام نے تبلیغ کے لئے اپنے اپنے نمائندے بھیجے ہیں۔ مناسب جانا کہ میں جس گروہ کے مبلغین کو سب سے زیادہ کامیاب دیکھوں ان میں سے ایک اپنے لئے منتخب کر لوں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تبلیغ کے کام میں سب سے زیادہ کامیابی احمدی مبلغوں کو ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اگر تہذیبی بہنوں کو اعتراض نہ ہو تو وہ ان میں سے کسی ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ لے لیں۔ مگر اسی اثناء میں ہمارے علماء نے اعلان شائع کیا کہ احمدی فرقہ کے لوگ سب کافر ہیں اور ان کا کفر ملکانہ راجپوتوں کے کفر سے بھی

زیادہ شدید ہے۔ اس زمانہ میں علماء کا کام مسلمان بنانا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دنیا میں ایک بھی ایسا مسلمان نہ ہوگا جس کے متعلق سب علماء دین بالاتفاق یہ کہہ سکیں کہ واقعی یہ ٹھیک مسلمان ہیں۔ ہمارے علماء سے جسے چاہو کافر بنوالو، وہابی کافر، بدعتی کافر، رافضی کافر، خارجی کافر لیکن اگر ان سے چاہو کہ چند کافروں کو مسلمان بنادو تو یہ کام ان سے نہیں ہوسکتا۔'' (اخبار تہذیب نسواں لاہور ۲ مئی ۱۹۲۵ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۸۰، ۳۸۱)

اسی کی تائید میں مولانا عبدالمجید سالک اپنی کتاب سرگزشت میں لکھتے ہیں کہ

''ملکانہ راجپوتوں میں انسداد ارتداد اور تبلیغ اسلام کا کام شروع ہوا۔ بریلوی، دیوبندی، شیعہ، احمدی، لاہوری احمدی، میر نیرنگ کی جمعیۃ تبلیغ الاسلام کے مبلغ غرض ہر فرقے اور ہر جماعت کے کارکن آگرہ اور نواحی علاقوں میں پھیل گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مل جل کر اسلام کی خدمت کرتے لیکن ان جماعتوں نے وہاں آپس میں لڑنا شروع کردیا۔ صرف احمدی مبلغین تو کچھ کام کرتے تھے اور باقی تمام فرقوں کے لوگ یا آپس میں مصروف پیکار تھے یا احمدیوں کے خلاف کفر کے فتوے شائع کرتے تھے۔'' (سرگزشت صفحہ ۲۰۰ طبع اوّل)

کامیاب مدافعت اور شاندار پیشقدمی

آریہ سماجی جو گاؤں پر گاؤں فتح کر رہے تھے اور اپنی خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے اور وہ اس علاقہ سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دینے کا عزم لے کر داخل ہوئے تھے۔ مگر حضرت محمود کے جانثاروں نے اپنی سرفروشانہ مساعی سے ان آریہ سماجیوں کا ہر قدم پر مقابلہ کیا باوجود دشمن ہر لحاظ سے طاقت وقوت میں تھا مگر ان مجاہدوں نے ہمت نہ ہاری اور آریہ سماجیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اپنوں کے علاوہ ہندوؤں نے بھی اس کا اعتراف کیا:

مجاہدین احمدیت کے ہاتھوں شدھی تحریک کو جس عبرتناک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اس کا اقرار ہندوؤں اور سکھوں دونوں کی طرف سے برملا کیا گیا۔ چنانچہ لالہ سنت رام بی۔ اے سیکرٹری جات پات توڑک منڈل لاہور نے بیان دیا۔

''الفاظ بہت کڑوے ہیں اور سخت مایوسی سے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سچائی ہے چاہے کڑوی ہو۔ بہت سے بھائی پوچھیں گے۔ ہم اخباروں میں روز شدھی اور اچھوت ادھار کی خبریں پڑھتے ہیں ...... پھر تم کیسے کہتے ہو کہ شدھی اور اچھوت ادھار کی تحریک کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے جواب میں میری عرض یہ ہے کہ کسی کو جھوٹا کہنے کی ضرورت نہیں۔ پرمیشور نے آپ کو آنکھیں دی ہیں کہ اس وقت ہندو سماج میں دوسرے دھرموں سے کتنے لوگ شدھ ہو کر آئے ہیں جن کی شدھی کی خبریں اخباروں میں جلی الفاظ میں چھپتی ہیں ان کی تعداد کم سے کم پانسو تو ہوگی مگر ان میں

سے مجھے بیس کے نام تو گن دیجئے جو آج بھی ہندو ہوں ...... ملکانوں کی شدھی پر بڑا فخر کیا جاتا ہے۔ تھی بھی وہ بڑی فخر کی بات مگر جو لوگ سچائی کو جانتے ہیں وہ بڑے متفکر ہیں۔ ملکانوں کی شدھی کی جو رپورٹ وقتاً فوقتاً اخبارات میں چھپتی رہی ہے اس کے بموجب شدھ ہونے والوں کی گنتی ڈھائی لاکھ سے کم نہیں پہنچتی مگر ...... ان لوگوں میں بہت سے تو اپنی پہلی حالت میں واپس چلے گئے ہیں اور باقی بیچ میں لٹکے ہوئے کسی ٹھوکر کی راہ دیکھ رہے ہیں۔''

(اخبار ''تازیانہ'' لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۱ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۸۷، ۳۸۸)

پروفیسر پریتم سنگھ ایم۔ اے اپنی کتاب ''ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں'' میں لکھتے ہیں:

''آریہ سماج نے شدھی یعنی ناپاک کو پاک کرنے کا طریقہ جاری کیا۔ ایسا کرنے سے آریہ سماج کا مسلمانوں کے ایک تبلیغی گروہ یعنی قادیانی فرقہ سے تصادم ہوگیا۔ آریہ سماج کہتی تھی کہ وید الہامی ہیں اور سب سے پہلا آسمانی صحیفہ ہیں اور مکمل گیان ہیں۔ قادیانی کہتے تھے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور حضرت محمدؐ خاتم النبیین ہیں۔ اس کد و کاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی عیسائی یا مسلمان اب مذہب کی خاطر آریہ سماج میں شامل نہیں ہوتا۔ مذہب کی تبدیلی بے معنی سی ہوگئی ہے۔ آریہ سماج کا تعلیمی کام اب تک جاری ہے ...... مگر سماج کا تبلیغی کام تقریباً بند ہے ...... آریہ سماج کی تحریک خاطر خواہ ترقی نہ کرسکی۔ پرانے ہندو جو بت پرست اور مقلد تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اور کچھ انگریزی پڑھے لکھے لوگ جو سماج میں داخل ہوئے وہ مادیات میں پھنس کر دہریہ ہوگئے ان کی تو وہی حالت ہے ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔''

(ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں صفحہ ۴۲، ۴۳ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۸۸ جدید ایڈیشن)

یہ مجاہدانہ سرگرمیاں دیکھ کر مشہور مسلم اخبار ''زمیندار'' جو پہلے ہی جماعت کے تبلیغی کارناموں کو دیکھ کر رطب اللسان تھا اور زیادہ تعریف کرنے لگا۔ چنانچہ اخبار ''زمیندار'' نے لکھا:

۱۔ ''جو حالات فتنہ ارتداد کے متعلق بذریعہ اخبارات علم میں آچکے ہیں ان سے صاف واضح ہے کہ ...... جماعت احمدیہ ...... کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار اور کمربستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت اور قدر دانی کے قابل ضرور ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت

کر کے دکھادی ہے۔'' (بیان شیخ نیاز علی صاحب وکیل ہائیکورٹ لاہور اخبار زمیندار ۲۴؍جون ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۸۶ جدید ایڈیشن)

۲- ''قادیانی احمدی اعلیٰ ایثار کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا قریباً ایک سو مبلغ امیر وفد کی سرکردگی میں مختلف دیہات میں مورچہ زن ہے۔ ان لوگوں نے نمایاں کام کیا ہے۔ جملہ مبلغین بغیر تنخواہ یا سفر خرچ کے کام کر رہے ہیں۔ ہم گو احمدی نہیں لیکن احمدیوں کے اعلیٰ کام کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جس اعلیٰ ایثار کا ثبوت جماعت احمدیہ نے دیا ہے۔ اس کا نمونہ سوائے متقدمین کے مشکل سے ملتا ہے۔ ان کا ہر ایک مبلغ غریب ہو یا امیر بغیر مصارف سفر و طعام حاصل کئے میدانِ عمل میں گامزن ہے۔ شدت کی گرمی اور لوؤں میں وہ اپنے امیر کی اطاعت میں کام کر رہے ہیں۔''

(بیان شیخ غلام حسن صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول جہلم زمیندار ۲۹؍جون ۱۹۲۳ء بحوالہ ایضاً)

۳- ''احمدی مبلغ جس جوش اور ولولہ سے فتنہ ارتداد کے انسداد میں مصروف ہیں ان کی تعریف و توصیف کرنے سے ہم باز نہیں رہ سکتے۔'' (اخبار زمیندار ۲۲؍فروری ۱۹۲۳ء بحوالہ ایضاً)

کارزار شدھی میں احمدیوں کی کامیابی سے ڈر کر تحریک شدھی کو روکنے کی کانگریس اور مسلم لیڈروں کی مشترکہ کوششیں

جب کارزار شدھی میں احمدی مجاہدین کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھیں۔ انسداد ارتداد اپنے اختتام کو پہنچ رہا تھا۔ ہندوؤں کو اپنی اس تحریک کا انجام ناکام ہوتا نظر آنے لگا تو انہوں نے مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ایک چال چلی۔ دہلی میں آل انڈیا نیشنل کانگریس نے شدھی اور سنگھٹن کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک خاص اجلاس بلوایا۔ اس اجلاس میں جب مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ موجودہ ملکی حالت یہ ہے کہ سوراج اور خلافت کی جگہ شدھی سنگھٹن کی تحریک اور اس کی مدافعت نے لے لی ہے۔ ہمیں متحدہ قومیت کی ضرورت ہے۔ میں تمام ہندو مسلمانوں سے وطن کے نام سے اپیل کرتا ہوں کہ آئندہ کے لئے ان تمام سرگرمیوں کو بند کر دیں جو شدھی تحریک اور اس کی مدافعت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

اتحاد کمیٹی کا قیام

اس سلسلہ میں ایک اتحاد کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جو حسب ذیل ممبروں پر مشتمل تھی۔ پنڈت شردھانند، پنڈت مالویہ جی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، مولوی شبیر حسین، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، پنڈت موتی لال نہرو، سی۔ آر۔ داس، مسٹر کینڈا، مسز سروجنی نائیڈو اور ڈاکٹر ستیہ پال۔ یہ اتحاد کمیٹی سوامی

شردھانند سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہوگئی کہ آریہ اپدیشک بھی تحریک شدھی سے الگ ہو جائیں اور مسلمان بھی میدان ارتداد سے ہٹ جائیں اور ملکانوں کو موقع دیا جائے کہ وہ خود کوئی فیصلہ کریں۔

یہ اطلاع جب قادیان پہنچی تو حضرت مصلح موعود کے حکم سے ناظر صیغہ انسداد ارتداد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر کچلو کے نام (جو اتحاد کمیٹی کے ممبر تھے) اس سمجھوتہ کے خلاف زبردست احتجاج کرتے ہوئے تار دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ سمجھوتہ خلاف مصالح اسلامیہ ہے۔ کئی ہزار کو آریہ بنایا جا چکا ہے۔ پیچھے ہٹ جانے کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو آریہ رہنے دیا جائے ..... ''پس ہم بڑے زور سے اس سمجھوتہ کے خلاف پروٹسٹ کرتے ہیں۔ اس وقت تک کہ اس علاقہ کے لوگ واپس ..... میں آ جائیں ہم صبر نہیں کریں گے اور ..... کی عزت کے مقابلے میں کسی سمجھوتہ کی پرواہ نہیں کریں گے۔ ہماری جماعت امید رکھتی ہے کہ آپ اس وقت تک ..... کی طرف سے جو ذمہ داری آپ پر عائد ہے اس کو محسوس کرتے ہوئے کوئی ایسا سمجھوتہ نہیں ہونے دیں گے جو ..... کی تبلیغی روح کے خلاف ہو۔'' (الفضل ۲۱ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲،۱)

اتحاد کمیٹی احمدیوں سے بالا بالا سمجھوتہ کرنا چاہتی تھی مگر شردھانند نے مسلمان لیڈروں سے کہا جناب آپ لوگ کس خیال میں ہیں یہ سارا کھیل ہی احمدیوں کا ہے پس آپ انہیں الگ رکھ کر کس حیثیت میں سمجھوتہ کریں گے اور کیا سمجھوتہ کریں گے؟ اس پر ان مسلمان لیڈروں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اتحاد کمیٹی کے ممبروں حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر انصاری کی طرف سے تار پہنچا کہ

> ''حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیان، بٹالہ۔ ہماری پُرزور درخواست ہے کہ آپ اپنے ذمہ دار قائم مقام کو جو آپ کے خیالات سے واقف ہو بھیجیں تا کہ شدھی اور شدھی کی تحریکات کی وجہ سے جو فسادات پیدا ہو رہے ہیں ان کو روکنے کے لئے مشورہ کیا جائے۔''
>
> (الفضل ۲۱ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲)

حضرت مصلح موعود کے حکم پر حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب، چوہدری فتح محمد صاحب سیال امیر وفد المجاہدین اور حضرت ذوالفقار علی خاں صاحب (علی برادران کے بڑے بھائی) ۱۹ ستمبر ۱۹۲۳ء کو دہلی پہنچے۔ حضرت مصلح موعود نے ان کے ہاتھ مسلم لیڈروں کے نام ایک خط بھجوایا۔ وفد کے پہنچنے پر حکیم اجمل خاں نے تار دیا۔

حضرت مرزا محمود احمد صاحب قادیان بٹالہ۔ خط اور فوری توجہ کا تہہ دل سے شکریہ آپ کا مشورہ ہمارے لئے بڑی مدد کا موجب ہوگا۔ اجمل خاں (الفضل ۲۵ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۲،۱)

احمدی نمائندوں نے حضرت مصلح موعود کا مؤقف پوری طرح واضح کر دیا کہ جب تک شدھ شدہ مسلمانوں میں سے ایک فرد واحد بھی باقی ہے ہم یہ مہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سمجھوتہ نہ ہو سکا اور شردھانند اور دوسرے

کانگریسی ہندوؤں کی یہ سیاسی تدبیر جو انہوں نے کانگریس کے پلیٹ فارم سے کی تھی کامیاب نہ ہوسکی۔

علاقہ ارتداد میں مستقل مجاہدین کا تقرر

حضرت مصلح موعود نے کارزار شدھی کے میدان جنگ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے الگ الگ امیر تبلیغ مقرر فرمائے۔ ہر امیر کے تحت چھ چھ سات سات مبلغ لگا دیئے تاکہ جو ملکانے مسلمان ہو چکے ہیں ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام مستقل بنیادوں پر ہو سکے جو ابھی تک ہندو تھے ان کو صحیح طور پر سمجھا بجھا کر واپس ..... میں لایا جا سکے۔ تحریک شدھی کے بعد بھی ان علاقوں میں تبلیغ اور تعلیم وتربیت کا انتظام مستقل بنیادوں پر قائم کر دیا جس کی مسلم پریس نے بہت تعریف کی۔ اخبار ''اہلسنت'' امرتسر نے لکھا:

> ''جب فتنہ ارتداد کی ابتداء تھی تو بہت سی انجمنیں وہاں کام کرنے کے لئے پہنچ گئیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں وہ انجمنیں چلتی پھرتی نظر آنے لگیں۔ باوجودیکہ ان کے مقابل پر قادیانی بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ سواج پور میں قادیانیوں کا قبضہ ہوگیا ہے۔ محمد اسمٰعیل کا آگرہ سے خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ شدھی کا زور بہت کم ہے لیکن قادیانیوں کا زور زیادہ ہے۔ تمام انجمنیں کنارہ کشی کر گئیں۔ کوئی مدرسہ مسلمانوں کا نہیں رہا۔ تمام گاؤں پر قادیانی قبضہ کر رہے ہیں۔ صالح نگر اور ساندھن میں بھی قادیانی ہیں۔''
>
> (اخبار اہلسنت امرتسر یکم جون ۱۹۲۵ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۹۳ جدید ایڈیشن)

شردھانند کا کارزار شدھی سے فرار اور عبرتناک انجام

ہندوستان بھر کے ہندوؤں اور سیاسی لیڈروں اور ریاستوں کے راجاؤں کی پشت پناہی نے شردھانند کے دماغ میں ہوا بھر دی۔ وہ بہت اونچا اُڑنے لگے اور بڑھ چڑھ کر اپنی کامیابی کے دعوے کر رہے تھے۔ اس کی مدد کے لئے ریاستوں سے روپیہ بھی آنے لگا۔ جب تک یہ کام خاموشی سے جاری تھا چلا رہا۔ جب یہ خبریں پریس میں آگئیں اور جماعت احمدیہ کے مجاہدین ان علاقوں میں پہنچے ان شُدھی کے پرچارکوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ یہ ساری اطلاعات اخبارات کی زینت بننے لگیں تو شردھانند کو بہت فکر ہوا، اب کیا ہو۔

چنانچہ اس نے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے ایک تو کانگریس کے ذریعہ شدھی اور انسداد ارتداد کی تحریکوں میں سمجھوتہ کی داغ بیل ڈالی دوسرے اس نے ۱۹ر اگست ۱۹۲۳ء کو مسلمانوں کو مباحثہ کا چیلنج دے دیا اور مسلمانوں نے اس چیلنج کو کیا قبول کرنا تھا۔ جماعت کی طرف سے ناظر تالیف واشاعت کی طرف سے فوراً مناظرہ کی منظوری بذریعہ تار بھیج دی اور اخبارات کو بھی اطلاع کر دی۔ پھر اس نے ''ہندوستان کے سب مسلمانوں کو کھلا چیلنج'' کے نام سے نیا اعلان کر

دیا کہ ۹ رستمبر تک جو مباحثہ کرنا چاہتا ہے اس کی طرف سے تحریری درخواست آنی چاہئے۔جماعت احمدیہ نے اس کا یہ چیلنج بھی قبول کیا اور لکھا کہ جماعت احمدیہ کو اس کی ہر شرط منظور ہے۔شردھانند مناظرہ کی منظوری کا اعلان کریں اور اب شردھانند کے فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔جب کانگریس نے دہلی کی اتحاد کانفرنس میں اتحاد کمیٹی قائم کردی تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا شردھانند نے اعلان شائع کر دیا کہ

''کمیٹی صلح کے بن جانے سے ہر دو مذاہب کے درمیان پھر سے اتحاد کی بنیاد قائم ہوگئی۔ اب میں اس بنی ہوئی فضا کے راستے کو مکدر کرنا نہیں چاہتا اس لئے مباحثہ کو اپنی طرف سے بند کرتا ہوں۔'' (اخبار ملاپ لاہور بحوالہ کارزار شدھی صفحہ ۹۶)

اس اعلان نے دُنیا پر واضح کر دیا کہ آریوں کے مشہور لیڈر اور شدھی کے بانی شردھانند نے احمدیوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی شکست پر اپنے ہاتھوں سے دستخط کر دیئے۔یہ بات اتنی واضح اور کھلی تھی کہ ہندو اخبار ملاپ لاہور نے لکھا:

''انہوں نے خود ہی مناظرہ کا اعلان کیا، خود ہی اسے منسوخ کر دیا۔''

(بحوالہ الفضل ۲ر اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۶)

ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ۲ر اپریل ۱۸۹۳ء کا کشف پورا ہونا تھا جس میں آپ نے دیکھا کہ

''ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرہ پر سے خون ٹپکتا ہے گویا وہ انسان نہیں۔ ملائک شداد وغلاظ میں سے ہے۔وہ میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور اس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور مَیں اس کو دیکھتا تھا کہ ایک خونی شخص کے رنگ میں ہے۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور ایک اور شخص کا نام لیا اور کہا کہ وہ کہاں ہے (اب تک مجھے معلوم نہیں کہ وہ اور شخص کون ہے..... قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص بھی لیکھرام کا روپ یا یوں کہو کہ اس کا بروز ہے اور توہین اور گالیاں دینے میں اس کا مثیل ہے۔) تب مَیں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص لیکھرام اور اُس دوسرے کی سزا کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲، ۲۹۷ مع حاشیہ)

شردھانند جس کا اصلی نام منشی رام تھا۔آریوں میں سے بڑے پایہ کے لیڈر تھے۔۲۳ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو قتل ہوئے۔ اس کے قتل پر اخبارات نے شردھانند کو لیکھرام کا قائمقام ہونا تسلیم کیا ہے۔چنانچہ اخبار تیج نے لکھا:

''پنڈت لیکھرام کے بلیدان کے سماچار سنتے ہی شریمان مہاتما منشی رام جی (شردھانند) جالندھر سے لاہور آئے اور پنڈت لیکھرام کی شہادت کے متعلق سب کام اپنے ہاتھ میں لے کر آریہ جنتا کو دھرم پر درڑ (پختہ) رہنے کا اپدیش دیا۔'' (روزنامہ تیج ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۲)

شردھانند کے قتل کی بہت سی باتیں لیکھرام کے قتل سے ملتی ہیں۔لیکھرام بھی ہفتہ کے دن جمعہ وعید سے اگلے روز قتل

ہوا۔ شردھانند جمعرات کو قتل ہوا جو جمعہ کے ساتھ کا دن ہے۔ وہاں بھی قاتل کمبل پوش تھا یہاں بھی قاتل کمبل پوش تھا۔ لیکھرام کے قتل کے وقت قاتل کو پہلے روکا گیا لیکن اس کو اندر جانے کی اجازت دی گئی اور شردھانند کے قتل کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔

مسلمان اور ہندو اخبارات کی طرف سے خراجِ تحسین

حضرت مصلح موعود نے جس طرح اس ...... دشمن گہری سازش کو سمجھا اتنی ہی تیزی اور منظم اور دیرپا اثرات کا حامل منصوبہ تیار کیا۔ یہ ایک عظیم الشان جنگ تھی جس کا محاذ قریباً سو میل کی وسعت پر پھیلا ہوا تھا اور اس وسیع محاذ پر ...... اور کفر کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پر تخت یا تختہ کے عزم کے ساتھ ڈیرہ جمائے ہوئے تھیں۔ حضرت مصلح موعود ایک فتح نصیب جرنیل کے طور پر اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے اور ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے۔ آپ عملی جد وجہد کے میدان میں ایک کامیاب جرنیل کے طور پر اُمت ...... کے سامنے آئے اور دنیا نے ایک اور پہلو سے آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا مشاہدہ کیا۔ ذیل میں ہندو اور مسلم اخبارات کے اعتراف کے چند نمونے پیش ہیں:

اخبار ''مشرق'' گورکھپور نے لکھا:

> ''جماعت احمدیہ کے امام و پیشوا کی لگاتار تقریروں اور تحریروں کا اثر اُن کے تابعین پر بہت گہرا پڑا ہے اور اس جہاد میں اس وقت سب سے آگے یہی فرقہ نظر آتا ہے اور باوجود اس بات کے احمدی فرقہ کے نزدیک اس گروہ نومسلم کی تائید کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس فرقہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا مگر اسلام کا نام لگا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی شرم سے امام جماعت احمدیہ کو جوش پیدا ہو گیا ہے اور آپ کی بعض تقریریں دیکھ کر دل پر بہت ہیبت طاری ہوتی ہے کہ ابھی خدا کے نام پر جان دینے والے موجود ہیں اور اگر ہمارے علماء کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ احمدیہ جماعت اپنے عقائد کی تعلیم دے گی تو وہ اپنی متفقہ جماعت میں ...... ایسا خلوص پیدا کر کے آگے بڑھیں کہ ستو کھائیں اور چنے چبائیں اور اسلام کو بچائیں۔ جماعت احمدیہ کے ارکان میں ہم یہ خلوص بیشتر دیکھتے ہیں۔ دیانت، ایفاءِ عہد، اپنے امام کی اطاعت۔ پس یہ جماعت فرد ہے۔ جناب مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی عالی حوصلگی اور ایثار کی تعریف کے ساتھ مسلمانوں کو ایسے ایثار کی غیرت دلاتے ہیں۔ دیانت اور امانت جو مسلمانوں کی امتیازی صفتیں تھیں آج وہ ان میں نمایاں ہیں۔ جماعت احمدیہ کی فیاضی اور ایثار کے ساتھ ان کی دیانت اور آمد و خرچ کے ابواب کی درستگی اور باقاعدگی سب سے زیادہ قابل ستائش ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود آمدن کی کمی کے یہ لوگ

بڑے بڑے کام کر رہے ہیں۔‘‘

(اخبار مشرق گورکھپور ۲۹ مارچ ۱۹۲۳ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی ..... خدمات صفحہ ۴۴،۴۳)

نذیر احمد خان صاحب وکیل جے پور نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

’’قادیان کی احمدیہ جماعت کے ۲۷ مبلغین کام کر رہے ہیں۔ چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے امیر وفد ایک نہایت ہی زیرک، فہیم، بردبار، مدبّر اور تبلیغ میں سالہا سال کا تجربہ رکھنے والے انسان ہیں۔ ان کا انتظام اور نظام ایسے اعلیٰ پیمانہ اور طریق پر ہے کہ تمام مبلغین بھیجنے والوں کو ان کا اتباع کرنا چاہئے اور حق یہ ہے کہ جب تک اس جماعت کے قواعد و ضوابط اور ہدایات پر جو اِن کو مرکز سلسلہ سے ملتی رہتی ہیں سب مبلغین کاربند نہ ہوں گے کامیابی محال ہے۔ ان احمدی مبلغین کو ہدایت ہے کہ وہ اپنے افسر کی اطاعت ایسی کریں کہ اگر جان جانے کا خطرہ بھی ہو تو بھی حکم بجا لائیں ..... مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس جماعت کے سوا اور کسی فرد کی ایسی اعلیٰ تربیت نہیں۔ نہ سنیوں میں نہ شیعوں میں نہ کسی اور جماعت میں۔ پس مَیں سچے دل سے مشورہ دیتا ہوں کہ اس اعلیٰ نمونہ کی تقلید سب بھائی کریں اور فائدہ اٹھاویں کہ بغیر اس کے کامیابی محال ہے۔‘‘

(بحوالہ جماعت احمدیہ کی ..... خدمات صفحہ ۴۵ حاشیہ)

اخبار ’’وکیل‘‘ امرتسر ۳ مئی ۱۹۲۳ء نے اپنے اداریہ میں لکھا:

’’احمدی جماعت کا طرز عمل اس بات میں نہایت قابلِ تعریف ہے جو باوجود چھیڑ چھاڑ کے محض اس خیال سے کہ اسلام چشم زخم سے محفوظ رکھا جائے۔ ان خانہ جنگیوں کے انسداد کی طرف خود مسلمانوں کے لیڈروں کو توجہ دلاتے ہیں اور ہر طرح کام کرنے کو تیار ہیں۔ ..... ہم علیٰ وجہ البصیرت اعلان کرتے ہیں کہ قادیان کی احمدی جماعت بہترین کام کر رہی ہے۔‘‘

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۷۷ جدید ایڈیشن)

اخبار ’’نور‘‘ علی گڑھ ۱۳ مئی ۱۹۲۳ء نے لکھا:

’’اب تک جتنی انجمنوں نے اس کار خیر میں قدم رکھا ہے ان میں سے اعلیٰ کام قادیانی جماعت کا ہے۔‘‘

(بحوالہ کارزار شدھی صفحہ ۱۱۹)

اخبار نجات نے لکھا:

’’..... کی مذہبی حمیت اور جوش مذہبی کا اندازہ یہ ہے کہ صرف قادیانی جماعت کے ڈیڑھ سو مبلغین تین ماہ تک بغیر کسی معاوضہ کے اور اپنے ذاتی خرچ پر کام کر رہے ہیں اور دو سو مبلغ آمادہ

کار ہیں۔ ان مجاہدین میں زمیندار، علماء، گریجویٹ، اخبار نویس اور جج شامل ہیں۔"

(اخبار نجات بجنور ۲۷/اپریل ۱۹۲۳ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی..... خدمات صفحہ ۴۷)

چنانچہ اخبار "زمیندار" لاہور ۸/اپریل ۱۹۲۳ء نے لکھا:

"احمدی بھائیوں نے جس خلوص، جس ایثار، جس جوش اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے۔" (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۷۵ جدید ایڈیشن)

اخبار "ہمدم" لکھنؤ ۶/اپریل ۱۹۲۳ء نے لکھا:

"قادیانی جماعت کی مساعی حسنہ اس معاملہ میں بے حد قابلِ تحسین ہیں اور دوسری اسلامی جماعتوں کو بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئے۔" (بحوالہ الفضل ۱۲/اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲)

اب ہندو اخبارات کی رائے پڑھیئے

آریہ پتر کا "بریلی" نے یکم اپریل ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھا:

"اس وقت ملکانے راجپوتوں کو...... اپنی پرانی راجپوتوں کی برادری میں جانے سے باز رکھنے کے لئے جتنی...... انجمنیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان میں سے احمدیہ جماعت قادیان کی سرگرمی اور کوشش فی الواقع قابلِ داد ہے۔" (بحوالہ الفضل ۱۲/اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۲)

دیو ساجی اخبار "جیون تت" (لاہور) نے لکھا:

"ملکانہ راجپوتوں کی شدھی کی تحریک کو روکنے اور ملکانوں میں......مت کا پرچار کرنے کے لئے احمدی صاحبان خاص جوش کا اظہار کر رہے ہیں۔ چند ہفتے ہوئے قادیانی فرقہ کے لیڈر مرزا محمود احمد صاحب نے ڈیڑھ سو ایسے کام کرنے والوں کے لئے اپیل کی تھی جو تین ماہ کے لئے ملکانوں میں جا کر مفت کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جو اپنا اور اپنے اہل وعیال کا وہاں کے کرایہ وغیرہ کا کل خرچہ خود برداشت کر سکیں اور انتظام میں جس لیڈر کے ماتحت جس کام پر انہیں لگایا جاوے اسے وہ خوشی خوشی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس اپیل پر چند ہفتوں کے اندر چار سو سے زیادہ درخواستیں ان شرائط پر کام کرنے کے لئے موصول ہو چکی ہیں اور تین پارٹیوں میں ۹۰ احمدی صاحبان آگرہ کے علاقہ میں پہنچ چکے ہیں اور بہت سرگرمی سے ملکانوں میں اپنا پرچار کر رہے ہیں۔ اس نئے علاقہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے ان میں سے بعض نے جن میں گریجویٹ نوجوان بھی شامل تھے۔ اپنے بستر کندھوں پر رکھ کر اور تیز دھوپ میں پیدل سفر کر کے سارے علاقہ کا دورہ کیا ہے۔ اپنے مت کے پرچار کے لئے ان کا جوش اور ایثار تعریف

کے قابل ہے۔'' (اخبار ''جیون تت'' ۲۲؍ اپریل ۱۹۲۳ء جماعت احمدیہ کی ..... خدمات صفحہ ۴۴ حاشیہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب جنہوں نے میدان کارزار شدھی میں جا کر خود سلسلہ احمدیہ کے مجاہدین کی جانفشانی اور سخت کوشش مساعی کا مظاہرہ کیا ان چشم دید حالات کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی جماعت کو حرکت میں لا کر اس شدھی کے طوفان کو روکنے کی کوشش کی اور فوراً اپنے بعض مبلغ اس علاقہ میں بھجوا کر کام شروع کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے جماعت احمدیہ میں ایک عام اپیل کر کے سینکڑوں آنریری مبلغ بھرتی کر لئے اور ملکانہ راجپوتوں کے علاقہ میں احمدی مبلغوں کا ایک وسیع جال پھیلا دیا اور ایسا انتظام کیا کہ جب ایک دستہ مبلغوں کا فارغ ہوتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا دستہ پہنچ جاتا تھا۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ کے ہر طبقہ نے اپنی آنریری خدمات پیش کر کے اس عظیم الشان مہم میں تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ گورنمنٹ کے ملازم، رؤسا، وکلاء، تاجر، زمیندار، صناع، پیشہ ور، مزدور، استاد، طالب علم، عربی دان، انگریزی خوان غرض ہر طبقہ کے لوگ اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آگے آئے اور ایسا انتظام کیا گیا کہ ایک ایک وقت میں ایک ایک سو آنریری مبلغ اس علاقہ میں کام کرتے تھے اور یہ سارا کام ایک باقاعدہ نظام کی صورت میں تھا جس کی باگ ڈور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی ذاتی ہدایات کے ماتحت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے سابق مبلغ لندن کے ہاتھ میں تھی۔ احمدیوں کو دیکھ کر بعض غیر احمدی انجمنیں بھی میدانِ عمل میں آئیں مگر یہ بات افسوس کے ساتھ کہنی پڑتی ہے کہ ان کا کام سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ لوگوں کو احمدی مبلغوں کے خلاف اُکسا کر اور کفر کے فتوے دے کر تبلیغ کے کام میں روڑا اٹکائیں۔ مگر جو کام خدا نے جماعت احمدیہ سے لینا تھا اسے کون روک سکتا تھا۔ چنانچہ چند ماہ کی مسلسل اور دن رات کی والہانہ جدوجہد کے نتیجہ میں شدھی کی رَو کو قطعی طور پر روک دیا گیا اور نہ صرف آئندہ شدھی کا سلسلہ بند ہو گیا بلکہ جو لوگ پہلے شدھی ہو چکے تھے انہیں بھی آہستہ آہستہ..... میں لا کر حق کا جھنڈا بلند کیا گیا حتیٰ کہ بیشتر مقامات پر ہندو واعظ مقابلہ ترک کر کے میدان خالی کر گئے۔

''خاکسار مؤلف رسالہ ہذا کو ان ایام میں خود اس علاقہ میں جا کر حالات دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا اور میرے دل پر جو اثر تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم الشان جنگ تھی جس کا محاذ قریباً ایک سو میل کی وسعت پر پھیلا ہوا تھا اور اس وسیع محاذ پر ......اور کفر کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پر تخت یا تختہ کے عزم کے ساتھ ڈیرہ جمائے پڑی تھیں۔ دورانِ جنگ میں احمدیت کے جنگجو

دستہ کے لئے بعض خطرے کے موقعے بھی پیش آئے جن میں بعض اوقات غنیم نے نازک حالات پیدا کر دیئے اور ایسا تو کئی دفعہ ہوا کہ احمدی والنٹیر اپنی کوشش سے ایک شدھ شدہ گاؤں کو...... میں واپس لائے مگر ہندو دستہ نے پھر یورش کر کے اسے پھسلا دیا مگر احمدیوں نے دوبارہ حملہ کر کے پھر دوسری دفعہ قلعہ سر کر لیا۔ بعض دیہات نے کئی کئی دفعہ پہلو بدلا کیونکہ اس کشمکش کے دوران میں بعض ملکانہ دیہات میں کچھ لالچ بھی پیدا ہو گیا تھا مگر بالآخر ایک ایک کر کے ہر ہندو مورچہ فتح کر لیا گیا اور خدا کے فضل سے شدھی کے مواج دریا نے مکمل پلٹا کھا کر اپنا رستہ بدل لیا۔ بلکہ اس جدوجہد میں ایک حد تک ملکانہ راجپوتوں کی دینی تربیت بھی ہو گئی اور ان میں سے کم از کم ایک حصہ خدا کے فضل سے صرف نام کا مسلمان نہیں رہا بلکہ......کی حقیقت کو سمجھنے والا اور...... کے احکام پر چلنے والا بن گیا۔ مگر اس عظیم الشان فتح کے باوجود احمدیہ جماعت نے ابھی تک اس علاقہ کو چھوڑا نہیں بلکہ جہاں غیر احمدی اور غیر مسلم واعظ وہاں سے عرصہ ہوا کہ واپس آ گئے ہوئے ہیں احمدی مبلغوں کا ایک حصہ ابھی تک میدان عمل میں ہے اور ان گری ہوئی قوموں کو اٹھانے اور پختہ...... بنانے کا کام جاری ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ ایک ایسا سُنہری کارنامہ تھا کہ سلسلہ احمدیہ کے دشمنوں تک نے اس کا برملا اعتراف کیا۔" (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۷۰، ۳۷۱ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے)

آریوں کی طرف سے احمدیت کی زبردست طاقت کا اقرار

اس معرکہ حق و باطل نے آریوں کو جماعت احمدیہ کی زبردست اور بے پناہ تبلیغی و تنظیمی طاقت وقوت کا پورا پورا احساس کرا دیا۔ چنانچہ اخبار "پرتاپ" (لاہور) نے لکھا:

"مشکل یہ ہے کہ ہندوؤں کو اپنے ہی ہموطنوں کی ایک جماعت کی طرف سے خطرہ ہے اور وہ خطرہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے نتیجہ کے طور پر آریہ جاتی صفحۂ ہستی سے مٹ سکتی ہے وہ خطرہ ہے تنظیم و تبلیغ کا۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ کام اس تیزی سے ہو رہا ہے کہ ہندوؤں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں ان کی تعداد سال بہ سال کم ہو رہی ہے اگر اسے کسی طرح روکا نہ گیا تو ایک وقت ایسا آ سکتا ہے جبکہ آریہ دھرم کا کوئی بھی نام لیوا نہ رہے۔"

(اخبار پرتاپ لاہور ۲۱/ اکتوبر ۱۹۲۹ء ایڈیٹر مہاشہ کرشن بی اے بحوالہ راہنمائے تبلیغ صفحہ ۱۲۷)

اس سے بڑھ کر ایک متعصب آریہ سماجی نے لکھا:

"میں نے اسلام کے اندر رہ کر اور اسلام کے ترک کرنے کے بعد مسلمانوں کے تبلیغی

نظام کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس مؤثر اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والی طاقت احمدیہ جماعت ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ ہم سب سے زیادہ اس کی طرف سے غافل ہیں اور آج تک ہم نے اس خوفناک جماعت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اگر کی ہے تو فی الحال ہم اسے سمجھ نہیں سکے۔ اگر ہم نے اس کی طرف کبھی دیکھا بھی تو ہماری نگاہیں اس کے بیرونی خدوخال کو دیکھ کر پلٹ آئیں اور اس کے اندرونی حالات ابھی تک ہمارے لئے ایک بھید اور سرِّ مخفی ہیں۔ بلا مبالغہ احمدیہ تحریک ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بظاہر اتنا خوفناک معلوم نہیں ہوتا لیکن اس کے اندر ایک تباہ کن اور سیال آگ کھول رہی ہے جس سے بچنے کی کوشش نہ کی گئی تو کسی وقت موقع پا کر ہمیں بالکل جھلس دے گی۔

''آریہ سماج اور تحریک احمدیت کے جو تعلقات رہے ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی طرف سے بالکل غافل نہ ہوتے۔ خاص کر پنڈت لیکھرام جی کی شہادت تو ایک ایسا سبق تھا جس کو ہمیں بالکل نہ بھولنا چاہئے تھا۔ مگر افسوس ہم نے ہمیشہ غفلت برتی اور آج تک غافل ہیں۔ بظاہر خواہ معلوم نہ ہو لیکن درحقیقت ہندوستان اور دوسرے ممالک میں شدھی کی تحریک کے لئے سب سے بڑی روک احمدیہ جماعت ہے اور اس روک کو دور کئے بغیر ہمارے لئے پوری پوری کامیابی حاصل کرنا بالکل محال ہے۔ آج شائد میری اس بات کو تسلیم کرنے میں کسی کو تأمل ہو گا لیکن زمانہ خود بتا دے گا کہ میرا کہنا کس قدر صداقت پر مبنی ہے۔

''آج سے تیس چالیس سال پیچھے ہٹ جایئے۔ جبکہ یہ جماعت اپنی ابتدائی حالت میں تھی اور دیکھئے اس زمانہ میں ہندو اور مسلمان دونوں اس جماعت کو کس قدر حقیر اور بے حقیقت سمجھتے تھے۔ ہندو تو ایک طرف رہے خود مسلمانوں نے ہمیشہ اس کا مذاق اُڑایا اور اس پر لعنت و ملامت کے تیر برسائے۔ اس جماعت نے اپنی ابتدائی حالت میں جن جن کاموں کے کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا آج ان میں سے اکثر انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ اس زمانہ میں جب احمدیوں نے ان کاموں کی ابتداء کی تھی ان کو پاگل سمجھا جاتا تھا اور ان کی حماقت پر ہنسی اُڑائی جاتی تھی۔ مگر واقعات یہ کہہ رہے ہیں کہ ان پر ہنسی اُڑانے والے خود بے عقل اور احمق تھے۔ اس بارے میں عیسائی مشنریوں نے نہایت عقلمندی سے کام لیا۔ انہوں نے اس وقت سے جب احمدیہ جماعت نے جنم ہی لیا تھا کہ اس کی طرف صرف توجہ ہی نہ کی بلکہ ہمیشہ نہایت گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان اور ہندوؤں سے زیادہ امریکہ اور یورپ کے پادری

احمدیہ تحریک سے زیادہ واقف ہیں۔ ان کے پاس اس جماعت کے متعلق درجنوں کتابیں موجود ہیں۔ ان کی ہوشیاری اور باخبری کا یہ عالم ہے کہ احمدیوں نے ابھی یورپ وامریکہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ تمام پادری ان کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ نصف صدی سے یہ جماعت اپنا خوفناک کام ہمارے مقدس ملک میں کر رہی ہے مگر ہمارا متوجہ ہونا اور انسدادی تدابیر اختیار کرنا تو ایک طرف رہا ہم اس سے اچھی طرح واقف بھی نہیں ہیں۔''

(اخبار تیج دہلی ۲۵ر جولائی ۱۹۲۷ء ایڈیٹر لالہ دیش بندھو)

نیز لکھا:

''احمدی جماعت کا اثر ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ہے۔ یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، عرب، ایشیا کے تمام حصے غرضیکہ دنیا کا کوئی قابل ذکر ملک نہیں ہے جہاں احمدیہ جماعت کی شاخ یا کم از کم کوئی احمدی کام نہ کر رہا ہو۔ یورپ کے تمام ممالک انگلستان، فرانس، جرمنی وغیرہ میں ان کے باقاعدہ مشن موجود ہیں۔ امریکہ میں بھی تبلیغ ہو رہی ہے۔ افریقہ اور عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں، مصر، ایران کے زرخیز متمدن ممالک، ترکستان، شام، افغانستان کی خوشنما وادیوں میں غرضیکہ ہر جگہ ان کی کوششیں برابر جاری ہیں اور دن بدن ترقی کر رہی ہیں۔ اگر آج ہم نے ہندوستان میں احمدیوں کا مقابلہ نہ کیا اور ان کی طرف سے غافل رہے تو کل کو ہمارے لئے ممالک اسلامیہ، یورپ اور امریکہ میں شدھی کا کام کرنا ناممکن ہو جائے گا...... ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں پھر ایک بار کہتا ہوں کہ ہمیں ذرا عقل مندی سے کام لے کر اپنے طریق کار کو بدلنا چاہیئے۔ ہماری قیمتی طاقتیں بالکل رائیگاں جا رہی ہیں۔ ہم ایسے حریفوں سے ابھی بالکل ناواقف ہیں۔ اب آئندہ کے لئے ہمیں اس تاریکی میں نہ رہنا چاہیئے اور جلد سے جلد احمدیہ جماعت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اگر ہم چند سال اور اس خوفناک جماعت کی طرف سے غافل رہے تو اس کے نتائج نہایت افسوسناک اور نقصان دہ ہوں گے۔ آج تک احمدی جو کچھ کرتے رہے ہیں وہ ان کی ذاتی کوششیں ہی تھیں۔ دوسرے مسلمانوں نے کبھی بھی ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ان کی مخالفت کی...... لیکن اب یہ حالت نہیں ہے آجکل سوائے پرانے خیال کے مولویوں کے باقی تمام مسلمان ان کے مددگار اور ان کے کام کے مداح ہیں یہ تبدیلی ایسی ہے جس میں ہمارے لئے بہت سے خطرے پوشیدہ ہیں جن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا بندوبست نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔''

(اخبار تیج دہلی ۲۵ر جولائی ۱۹۲۷ء بحوالہ تاثرات قادیان صفحہ ۲۲۱، ۲۲۳)

میدانِ ارتداد میں جماعت احمدیہ کے مجاہدانہ کارناموں نے جہاں آریوں کولرزہ براندام کردیا وہاں مسلمانوں پر بھی ظاہر ہوگیا کہ اس زمانہ میں اگر دنیا کے پردہ پر...... کا سچا درد رکھنے والی اور...... کی حقیقی خدمت کرنے والی کوئی جماعت ہے تو وہ صرف احمدیہ جماعت ہے چنانچہ چوہدری افضل حق صاحب نے (جو بعد کو مفکر احرار کے نام سے یاد کئے گئے) تحریک شدھی کے دوران لکھا:

> ''مسلمان پبلک کو چاہیئے کہ فتویٰ بازوں سے مطالبہ کریں کہ وہ غیر اقوام میں تبلیغ کرکے غیروں کو اپنا سچا ہم خیال مسلمان بنائیں تا کہ ان پر یہ راز کھل جائے کہ مسلمانوں کو کافر بنانا کتنا آسان اور کافر کو مسلمان بنانا کس قدر دشوار ہے مگر مسلمان فتویٰ باز کسی کے روکے نہیں رُکتے تو انہیں اجازت دی جائے کہ جہاں وہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں وہاں کبھی کبھی غیر قوموں میں تبلیغ بھی کریں تا کہ ان کا مزاج اعتدال پر آجائے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں دینی مکاتب ہندوستان میں جاری ہیں مگر سوائے احمدی مدارس و مکاتب کے کسی اسلامی مدرسہ میں غیر اقوام میں تبلیغی و اشاعت کا جذبہ طلباء میں پیدا نہیں کیا جاتا کس قدر حیرت ہے کہ سارے پنجاب میں سوائے احمدی جماعت کے اور کسی ایک فرقے کا بھی تبلیغی نظام موجود نہیں ...... آریہ سماج کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسدِ بے جان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہوچکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چونکا کردیا۔ مگر حسبِ معمول جلدی خوابِ گراں طاری ہوگیا۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہوسکی ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہوکر اُٹھا اور مختصری جماعت اپنے گرد جمع کرکے ...... کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کرگیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابلِ تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔''
>
> (فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں صفحہ ۴۱، ۴۲)

تحریک شدھی اور اس کا پیشگوئی مصلح موعود کے ساتھ ایک خاص تعلق

تحریک شدھی کا آغاز آریہ سماج کی طرف سے ہوا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے ہندوؤں کے تمام فرقوں میں سے صرف آریہ سماج نے آگے بڑھ کر مقابلہ کی ٹھانی اور خود تو دیانند سرسوتی سامنے نہ آیا۔ اس کے بعد پنڈت لیکھرام نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوت نشان کو قبول کیا اور قادیان بھی گیا۔ اس دعوت نشان نمائی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نشان رحمت حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی صورت میں عطا فرمایا تھا۔ جس کے بارے

میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیشگوئی فرمائی تھی وہ موعود لڑکا ۵۲ صفات کا حامل ہوگا۔جن کا پیشگوئی میں ذکر ہے۔ پنڈت لیکھرام نے حضور کی اس پیشگوئی کے مقابل پر ہر فقرے کے مقابل پر اس کا اُلٹ لکھا۔نشان رحمت کو نشان زحمت لکھا غرضیکہ اس نے اپنی طرف سے بلکہ مخالفانہ رنگ میں اس موعود لڑکے کی صفات کا ذکر کیا۔بلکہ لکھا آپ کی ذریت عرصہ تین سال تک رہے گی۔آخر لیکھرام خدائی لعنت کا شکار ہوکر ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل ہوگیا۔وہ بھی ایک شدھ ہونے والے کے ہاتھوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہندو دھرم کا مقابلہ دلائل اور دعاؤں کی تلوار سے کیا تھا۔جس کے نتیجہ میں لیکھرام گھائل ہوگیا۔مگر خدا کی قدرت اس موعود لڑکے کے زمانہ میں پھر آریہ سماج زور پکڑ گئی۔ہندوستان کے تمام ہندو اس کی پشت پر کھڑے تھے۔جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالف علماء حضور کے دیگر مذاہب کے ساتھ مقابلے کے وقت مخالفوں کی صف میں نہ صرف کھڑے ہوتے بلکہ ان کی ہر طرح مدد کر رہے ہوتے تھے۔اسی طرح اس معرکہ حق وباطل میں حضرت محمود نے کارزار شدھی کے میدان میں جو چومکھی لڑائی لڑی اور ہندوؤں کی تمام طاقت کے ساتھ مسلمان علماء کی بھرپور مخالفت کے باوجود آپ نے آریہ سماج کی تحریک شدھی اور انسداد ارتداد کے پرخچے اُڑا دیئے۔دشمن ناکامی کی حالت میں زمین پر غصے اور حسرت سے لوٹنے پر مجبور ہوگیا۔''وہ حسن واحسان میں تیرا نظیر ہوگا۔'' دُنیا نے یہ نظارہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دشمن آریہ لیڈر جو ہندوستان بھر کے ہندوؤں کا لیڈر لیکھرام تھا خدائی نشان کے طور پر قتل ہوا اور اس زمانے میں تحریک شدھی کا لیڈر شردھانند بھی ۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو قتل ہوا۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں یہ بات خدائی یہی تو ہے

تحریک آزادی کشمیر
اور
سیّدنا حضرت مصلح موعود کی مساعی

(مکرم عفیف احمد محمود صاحب)

قدرت کے دلکش، خوبصورت اور دلفریب مناظر سے اٹی جنت نظیر کے نام سے موسوم وادی کشمیر کو جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ مسیح اوّل واقعہ صلیب کے بعد کشمیر میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی ہدایت و راہنمائی کرنے کے بعد اسی خطہ میں سرینگر کے مقام پر مدفون ہیں اور مسیح ثانی کی بڑی بھاری جماعت وہاں موجود ہے۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

”جس ملک میں دو مسیحوں کا دخل ہے وہ ملک بہر حال مسلمانوں کا ہے اور مسلمانوں کو ہی ملنا چاہئے“ (الفضل ۲۳ فروری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳)

اس وادی میں مختلف وقتوں میں مختلف قومیں قابض رہیں اور یہ قوم ان کے زیر تسلط رہی ہندو، بدھ، کشان، سکھ اور انگریزوں کے زیر تسلط رہنے والی یہ قوم ظلم، بربریت کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اس وادی میں مادی درخت تو سرسبز تھے ہی اور کھیت لہلاتے اور وادی شاداب تھی مگر وہ درخت جو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کی شکل میں پیدا کیا اس پر مُردگی چھائی ہوئی تھی اور مسلسل کئی صدیوں سے زیر تسلط رہنے کی وجہ سے سوچ و بچار نہ ہونے کے برابر تھا اور ترقی کا مادہ مفقود تھا۔ اسی اثناء میں انگریزوں کے ذریعہ ڈوگرہ راج قائم ہوا جس نے مظالم کی انتہا کر دی۔

ان مظالم سے آزادی دلوانے کی مہم میں سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی نمایاں کوششیں اس مضمون کا موضوع ہیں۔

کشمیریوں کی آزادی کے لئے حضرت مصلح موعود کے دل میں تحریک کا موجب

کشمیریوں کی تحریک آزادی پر کو کام شروع ہو گیا تھا مگر سیدنا حضرت مصلح موعود کی اس میں براہ راست مداخلت کشمیریوں کے بارے میں وہ ہمدردیاں بنیں جب آپ نے اپنے زمانہ خلافت سے پانچ سال قبل ۲۰ سال کی عمر میں یکم جولائی ۱۹۰۹ء کو پہلی بار کشمیر کا دورہ فرمایا۔ اسی دوران قیام کشمیر میں آپ نے کشمیری مسلمانوں پر ظلم وستم کے ایسے

ایسے نظارے دیکھے کہ آپ کی آنکھیں غم سے بھر آئیں اور ان مظلوموں اور بے کسوں کی رہائی اور آزادی کے لئے آپ کے دل میں زبردست جذبہ پیدا ہوا۔ آپ انہی جیسے دردناک واقعات کا نظارہ کرنے کے بعد خود ہی فرماتے ہیں۔

> ’’یہ ایسی دردناک بات تھی جس سے میں بہت ہی متاثر ہوا اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ کشمیر کے لوگوں کی آزادی کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔‘‘
>
> (الفضل ۲۳ رجون ۱۹۴۶ء از تاریخ احمدیت جلد ۵ جدید ایڈیشن صفحہ ۳۷۴)

یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے چند ایک ایسے واقعات اختصار کے ساتھ درج کرنے ضروری ہوں گے تا کشمیریوں پرظلم وستم کی ایک لمبی داستان کی ایک جھلک مضمون پر تفصیلی نگاہ ڈالنے سے قبل نظروں سے گزر جائے۔ اسی سفر میں حضرت مصلح موعود کو قیام کشمیر کے دوران ایک بار بوجھ اٹھانے کے لئے ایک آدمی کی ضرورت محسوس ہوئی تو تحصیلدار نے ایک ایسے کشمیری کو پکڑ کر بھجوا دیا جو اپنے علاقے کا معزز زمیندار تھا اور ایک برات کے ساتھ جا رہا تھا۔

اسی طرح اسی سفر کے دوران اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ واقعہ ایک افسر نے حضرت مصلح موعود کو سنایا کہ جب وہ پونچھ میں وزارت کے عہدہ پر فائز تھا تب اسے ایک دفعہ مزدوروں کی ضرورت پڑی جب انہوں نے حاکم مجاز سے مطالبہ کیا تو اس نے جو لوگ بھجوائے ان میں سے ایک بھی مزدور نہ تھا وہ سب کے سب براتی تھے جس میں دولہا بھی شامل تھا۔

الغرض اس نوعیت کے تلخ واقعات کی یاد لے کر آپ ۲۲ راگست ۱۹۰۹ء کو واپس قادیان پہنچے۔ آپ نے آتے ہی کشمیریوں کی فلاح وبہبود کے لئے جو پہلا قدم اٹھایا وہ یہ تھا کہ کشمیری طلبہ کو تعلیم دلوانے کے لئے قادیان میں انتظام فرمایا۔ ان کے وظائف مقرر فرمائے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ کشمیر میں احمدیوں کے مشہور گاؤں ناسنور میں ۱۹۰۹ء کے جلسہ میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور جو وہاں تاریخی خطاب ارشاد فرمایا اس سے متاثر ہو کر وہاں کے ایک احمدی دوست حضرت حاجی عمر ڈار...... حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ریاست میں تعلیم بالغاں کی بنیاد رکھی اور اس میدان میں خوب محنت کی اور نام کمایا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کی کاوشوں سے متاثر ہو کر ایک غیر احمدی صحافی جناب منشی محمد الدین صاحب فوق نے لکھا۔

> ’’مرزا صاحب کے عقائد و دعاوی سے کسی کو مخالفت ہو یا موافقت اور خواجہ عمر ڈار کی قبول احمدیت اچھی ہو یا بُری لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی احمدیت نے اس گاؤں میں ایک بیداری سی پیدا کر دی ہے اور اس بیداری نے وہ علمی انقلاب پیدا کر دیا جس کی بدولت آج ناسنور میں ایک پرائمری اسکول کے علاوہ ایک زنانہ اسکول بھی قائم ہے اور چھ مولوی فاضل کا

امتحان پاس ہونے کے علاوہ متعدد انگریزی خواں نوجوان وہاں موجود ہیں جو مختلف محکموں میں اچھے اچھے عہدوں پر برسرروزگار ہیں۔''

(تاریخ اقوام کشمیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۳۷۴)

آزادی کشمیر میں حضرت مصلح موعود کی دلچسپی لینے کے مزید عوامل ومحرکات مندرجہ بالا سبب کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے میدان عمل میں آنے کے چار مزید اسباب وجوہ بنے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

۱- پہلی وجہ تو یہ تھی کہ میں کشمیر کا کئی دفعہ سفر کر چکا تھا اور میں نے وہاں کے مسلمانوں کی مظلومیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا تھا۔

۲- دوسری وجہ یہ تھی کہ پچاس ہزار کے قریب وہاں احمدی تھے جن کے حالات احمدی جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے مجھے قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملتا تھا اور اس وجہ سے ان کی مظلومیت مجھ پر زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتی رہتی تھی۔

۳- نواب امام دین صاحب (جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں جالندھر کے گورنر تھے) کو سکھ گورنمنٹ نے گورنر بنا کر کشمیر بھجوایا۔ آپ نے اپنے گہرے دوست مرزا غلام مرتضیٰ صاحب رئیس قادیان (میرے دادا) کو بطور مددگار ساتھ لے جانے کی اجازت چاہی۔ ان دونوں کے کشمیر جانے پر انگریزوں اور سکھوں کی لڑائی ہوئی اور انگریزوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لڑکے پر فتح پائی۔ انگریزوں نے تاوان جنگ مانگا جو سکھوں کے پاس نہ تھا۔ جس کے عوض کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاں بیچ دیا گیا۔ جس نے اردگرد مسلمان ریاستوں پر قبضہ کر کے ریاست جموں وکشمیر کے ساتھ ملانا چاہا۔ جس پر نواب امام دین صاحب نے اس کے خلاف مسلمان ریاستوں کا ایک جتھہ بنانا چاہا۔ مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ یہ جنگ انگریزوں کے خلاف ہوگی اور انگریزوں کے خلاف پہاڑی نواب نہیں لڑ سکتے۔ اس لئے نواب امام دین صاحب چارج دے کر وہاں سے آ گئے۔

۴- چوتھی وجہ کشمیر میں دلچسپی کی یہ تھی کہ میرے استاد اور جماعت احمدیہ کے پہلے خلیفہ اور میرے خسر حضرت مولوی نورالدین صاحب کشمیر میں بطور شاہی حکیم کے ملازم رہے تھے۔ راجہ ہری سنگھ کے باپ امر سنگھ اور چچا رام سنگھ جو عمر میں ۱۵، ۱۶ سال کے تھے، نے اسلام کی خوبیوں کو محسوس کیا اور حضرت مولوی نورالدین صاحب سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ ابھی ۱۵-۱۶ پارے پڑھے تھے کہ مہاراجہ کو علم ہوا تو مہاراجہ (پرتاپ سنگھ) نے حضرت مولوی صاحب کو تین دن کے اندر اندر جموں سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور ان لڑکوں کو عملاً نظر بند کر دیا...... پس ایک طرف مسلمانوں کی ہمدردی اور ان کی مظلومیت کے احساس کی وجہ سے اور دوسری طرف اس خواہش کی وجہ سے کہ کشمیر جس میں میرے دادا سالہا سال تک کام کرتے رہے ہیں اور پھر اس وجہ سے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے باپ

نے میرے خسر سے قرآن کریم پڑھا ہے ان سب کی ترقی کے لئے کوشش کروں میں نے فوراً اس معاملہ میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۳۹۴،۳۹۵)

اہل کشمیر کو رسم و رواج کے چنگل سے آزاد ہونے کی تحریک

سیدنا حضرت مصلح موعود کی اہل کشمیر کے ساتھ ڈوگرہ راج کے روح فرسا حالات کو دیکھ کر اور بڑھ کر ہمدردیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور آپ ایسے اقدام کر رہے تھے جن کے طفیل کشمیریوں کو مظالم سے رہائی مل سکے۔ تاہم کشمیریوں کے ساتھ مظالم کی داستان کا بنظر غایت مطالعہ کرنے کے لئے آپ نے ۱۹۲۱ء میں کشمیر کا دوسرا سفر اختیار کیا۔ جس میں آپ نے مظلومین کشمیر کو باہمی اتحاد، اتفاق، تعلیم کی اشاعت، اقتصادی حالت کی بہتری بالخصوص اسلامی احکام کی تعمیل اور رسم و رواج سے علیحدگی کی طرف توجہ دلائی۔ کیونکہ کشمیر میں تعلیم کا فقدان تھا اور اسلامی تعلیم کی جگہ لوکل رسم و رواج نے لے رکھی تھی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق یہ لوگ اپنے قدیم مذہبی خیالات وعقائد سے زبردست متاثر اور ان پر سختی سے قائم تھے۔ چنانچہ حضور نے اپنے قیام کے دوران ایک خطبہ جمعہ میں اہل کشمیر کو مخاطب ہو کر فرمایا:

> ''اگر کامیابی یا ترقی کرنا چاہتے ہو تو جہاں خدا کا حکم آوے اسے کبھی حقیر نہ سمجھو۔ رسم و رواج کو جب تک خدا کے لئے چھوڑنے کو تیار نہ ہو گے تب تک نمازیں، روزے اور دوسرے اعمال آپ کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ جہاں نفس فرمانبرداری سے انکار کرتا ہے اسی موقعہ پر حقیقی فرمانبرداری کرنے کا نام اسلام ہے اگر کوئی ایسا فرمانبردار نہیں ہے اور رسم و رواج کو مقدم کرتا ہے تو اس کا اسلام اسلام نہیں ہے۔'' (الفضل یکم ستمبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۹)

ڈوگرہ راج کے مظالم کا تسلسل اور احمدی مخلصین کی قربانیاں

گو ابھی تک حضرت مصلح موعود نے کشمیریوں کی امداد و تعاون کے لئے مجموعی طور پر کوئی تحریک جماعت کے سامنے نہ رکھی تھی تاہم احباب جماعت نے اپنے خلیفہ کی خواہش کا احساس کرتے ہوئے خلیفۃ المسیح کی خوشنودی کی خاطر کشمیریوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام شروع کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں ڈوگرہ مظالم سے تنگ آ کر جب مسلمانان کشمیر کے نمائندوں نے اپنی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی شکایات کا ایک میموریل تیار کر کے لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کو پیش کیا تو مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ان لوگوں پر مظالم ڈھانے شروع کئے اور جن لوگوں نے اس میموریل پر دستخط کئے تھے۔ اس کے پاداش میں ان لوگوں کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ ملک بدر کیا گیا۔ نوکریوں سے نکالا گیا۔ بغاوت کے مقدمات بنائے گئے۔ ایسے حالات میں بعض احمدیوں نے نجی طور پر کشمیریوں کے حقوق کے لئے علم بلند کیا۔

کشمیر اور جموں میں تعلیمی جدوجہد اور زمینداروں کو منظم کرنے کی سعی

خواجہ محمد عمر صاحب ڈار کے بیٹے خواجہ عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نصائح پر عمل پیرا ہو کر

سارے علاقہ کا دورہ کیا۔ مسلمانوں کو منظم کیا۔ ان کے اختلافات رفع کرنے کی کوشش کی۔ ادھر علاقہ جموں میں میاں فیض احمد صاحب نے خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کے دوش بدوش اس تحریک میں حصہ لیا۔

کشمیر میں زمینوں کی مالک ریاست تھی اور کوئی زمیندار اپنی ہی زمین پر مالکانہ تصرف نہ رکھتا تھا وہ اپنی زمین پر اُگے درخت کاٹ نہیں سکتا تھا اور نہ ہی کوئی مکان تعمیر کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ریاست کو یہ بھی قانوناً حق حاصل تھا کہ ریاست کو جب بھی زمین کی ضرورت محسوس ہوگی معمولی معاوضہ پر زمیندار کو بے دخل کر دیا جائے گا بعض جگہ مسلمان زمینداروں پر غیر مسلم اشخاص کو لا کر مالک قرار دیا گیا۔

زمینداروں کی اس حالت زار کو دیکھ کر خواجہ عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایات کی روشنی میں زمینداروں کی تنظیم واصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے ریاست بھر کے مسلمان زمینداروں کی تنظیم قائم کر لی۔ جس پر حکام ریاست نے انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور پولیس نے ان کو ڈوگرہ مظالم کے خلاف احتجاج اور محض زمینداروں کو منظم کرنے کے جرم میں باغیوں میں شامل کر لیا۔

ii- ایک اور احمدی خلیفہ عبدالرحیم صاحب کی خدمات اور وزیر خارجہ وسیاسیات سر ایلبین بینرجی کے استعفیٰ کی صورت میں ایک اہم نمایاں کامیابی

چونکہ ریاست کی کلیدی آسامیوں پر مسلمانوں کی ملازمت برائے نام تھی اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسلمانوں کو مسلسل تلقین فرمائی کہ وہ ریاست کی ملازمت میں زیادہ سے زیادہ آگے آنے کی کوشش کریں اور جو مسلمان ان آسامیوں پر ہیں وہ مسلمانوں کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔ چنانچہ حضرت خلیفہ نورالدین جمونی صاحب کے فرزند جناب خلیفہ عبدالرحیم صاحب (جو بعد میں ہوم سیکرٹری حکومت جموں وکشمیر بنے) نے اپنے دور ملازمت میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے ریاستی وزراء سر ایلبین بینرجی اور مسٹر ویکفیلڈ کے سامنے اعداد وشمار کے ذریعہ واضح کیا کہ کس طرح ۹۵ فیصد مسلمان کی اکثریت بے انصافی اور جبر وتشدد کا شکار ہو رہی ہے۔

جناب خلیفہ عبدالرحیم صاحب کی اس جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ سر ایلبین بینرجی وزیر خارجہ وسیاسیات اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے اور استعفیٰ کے بعد اپنے مشاہدہ وتجربہ کی بناء پر مسلمانان کشمیر کے متعلق ایک اہم بیان دیا جو اخبار سٹیٹسمین (Statesman) کلکتہ نے شائع کر دیا۔

> ”کشمیر کی ریاست میں تقریباً تمام مسلمانوں کی آبادی ہے لیکن اس قدر جاہل اس قدر سادہ لوح اور مظلوم ومعصوم کہ حالت حد بیان سے باہر ہے افلاس بے انتہا بڑھا ہوا ہے اور حکومت کی بے اعتنائی اور بے پرواہی قدر ناقابل برداشت ہیں کہ مجھے ان کی حالت دیکھ دیکھ کر رقت ہوتی ہے

حکومت اور رعایا کے درمیان کوئی رابطۂ محبت نہیں ہے وہ بے زبان مویشیوں کی طرح ہیں جو حاکم جس صورت سے چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا حکومت کی انتظامی مشینری اس قدر خراب اور ناقص ہے کہ میں عرض نہیں کرسکتا۔ اشد ضروری ہے کہ تمام انتظامی عملہ کو از سر نو تشکیل کیا جائے اور تمام نقائص فوراً دور کر دیئے جائیں ...... کشمیر کے دستکار جس قدر ...... جفاکش مشہور تھے اب ان کی ہمت افزائی نہیں ہوتی اور اس وجہ سے ان کی حالت اس قدر مائل بہ انحطاط ہے کہ بیان سے باہر ہے حکومت ان کی سرپرستی اور امداد نہیں کرتی اس وجہ سے ان کی حالت روز بروز گرتی چلی جارہی ہے۔ میسور کی حکومت اپنے صناعوں کی جتنی امداد وسرپرستی کرتی ہے وہ اس ریاست (کشمیر) کے لئے نمونہ ہے۔"

(اسٹیٹسمین کلکتہ ۱۹؍اگست ۱۹۳۱ء بحوالہ مسئلہ کشمیر اور ہندو مہا سبھائی از ملک فضل حسین صاحب صفحہ ۲۵۹ تا ۲۶۲)

iii- سر ایلبین کے بیان پر حکومت ہند کا ردّ عمل اور ایک احمدی ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب کی خدمات

احمدیوں کی نجی طور پر کشمیریوں کے حقوق میں آواز بلند کرنے کی ایک مثال ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب آف جموں کی خدمات کی ہے۔ جنہوں نے اس وقت بڑی جانفشانی کوشش، خلوص اور استقلال سے کردار ادا کیا جب حکومت ہند کی تمام مشینری سر ایلبین کے بیان کی نفی کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی اور اسلامی انجمنوں سے اس بیان کی تردید کی کوششیں ہونے لگیں اور عملاً ان انجمنوں نے اس کی تردید کے لئے حامی بھی بھر لی۔ تب ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب نے یہ تجویز دی کہ ایسا قدم اٹھانے سے قبل مسلمانوں سے استصواب ضروری ہے۔ یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ پانسا ہی پلٹ گیا۔ کُل انجمن اسلامیہ نے سر ایلبین بینرجی کے خیالات پر اظہار رائے کے لئے منادی کروادی۔ پھر کیا تھا۔ اسلامی انجمنوں کو لینے کے دینے پڑ گئے اور مسلمانوں نے اپنی تمام مشکلات کا ذکر کیا اور رائے سر ایلبین کے بیان اور خیالات کے حق میں دی۔ اس تمام واقعہ کا ذکر ہندوستان کے ایک مشہور اخبار "انقلاب" نے اپنے تین شماروں میں کیا۔ ایک شمارہ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

"خدا بھلا کرے مستری یعقوب علی صاحب قبلہ کا جنہوں نے کہہ دیا کہ پہلے مسلمانوں سے استصواب ضروری ہے۔"

(انقلاب ۷؍اپریل ۱۹۲۹ء)

حضرت مصلح موعود کا تیسرا سفر کشمیر اور کشمیریوں کی بیداری

کشمیر کے بے بس اور مظلوم مسلمانوں کی غلامانہ زندگی کی دکھ بھری داستان سے اس مہربان کا دل بہت دکھ محسوس کرنے لگا تو آپ نے کشمیریوں پر اخلاق سوز اور خلاف انسانیت واقعات کا جائزہ لینے اور ان کے سدباب کے لئے

جون ۱۹۲۹ء میں تیسری بار کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ حضور کو اس سفر میں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ کشمیر اب بیدار ہو رہا ہے مگر اس بات سے ٹھیس بھی پہنچی کہ کشمیر کی آزادی کے لئے کام کرنے والوں سے ریاستی سلوک بہت نا روا ہے۔ اس سفر میں کشمیر کے لوگوں کی ہمدردی کا نقش اور گہرا ہو گیا اور حضور نے اہل کشمیر کو اپنی مدد آپ اور آپس میں متحد و منظم رہنے کی پُر زور تلقین فرمائی۔

سرینگر میں ریڈنگ روم پارٹی کا قیام اور خواجہ غلام نبی گلکار کی خدمات

خواجہ غلام نبی گلکار سری نگر کے پُر جوش احمدی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ ۱۹۲۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جب سری نگر بھی تشریف لے گئے تو موصوف نے حضور کی تحریک اپنی مدد آپ پر لبیک کہتے ہوئے پبلک مقامات پر اصلاحی تقاریر کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور تعلیم، اتحاد اور معاشرتی رسوم ورواج کی اصلاح پر زور دینے لگے۔

چونکہ ریاست میں سیاسی انجمن بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے آپ نے مساجد اور دوسرے اجتماعات سے انجمنوں کا کام لے کر لیکچر دیئے اور بعد ازاں تحریک آزادی کے لئے ایک پراپیگنڈہ سینٹر ''ریڈنگ روم'' کے نام سے کھولا۔ اس سے وابستہ لوگ ریڈنگ روم پارٹی کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس کے صدر شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے سری نگر واپس آ چکے تھے مقرر ہوئے اور جنرل سیکرٹری محترم خواجہ صاحب موصوف کو مقرر کیا گیا اور اس پارٹی کے ذریعہ جموں کی طرح سری نگر سے بھی پنجاب کے مسلم پریس میں ڈوگرہ راج کے ظلم وستم اور مسلمانوں کی مظلومی اور بے کسی کے متعلق خطوط ومضامین بھجوائے جانے لگے۔

سری نگر کا مشہور اخبار ''اصلاح'' جناب خواجہ غلام نبی گلکار کی ان ابتدائی خدمات کا ذکر یوں کرتا ہے:

> ''کشمیر کا ہر کس وناکس بخوبی جانتا ہے کہ مسٹر گلکار ہی وہ مایہ نازہستی ہے جس کو سب سے پہلے اپنی قوم کی مظلومی و بے کسی کے خلاف آواز اٹھانے کا فخر حاصل ہوا۔ کشمیر کا بچہ بچہ اس امر کا زندہ گواہ ہے کہ مسٹر گلکار ان ہونہار نوجوانوں میں سے ہے جس کے دل نے سب سے پہلے قوم کی خستہ حالی پر درد محسوس کیا جونہی کہ اس نے عالم شباب میں قدم رکھا۔ اس کی نگاہ قوم کی زبوں حالی وبد حالی پر پڑی اور اس کے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تحریک کشمیر کا جھنڈا بلند کرتا ہوا میدان میں کودا اور خطرات ومصائب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قوم کو بیدار اور ہوشیار کرنے کے لئے عملی جدوجہد شروع کر دی۔ اس مجاہد اعظم کی دردبھری آواز اور مخلصانہ تحریک نے صدیوں کے سوئے ہوئے غلام مُلک کو بیدار کیا اور سالہا سال کی روندی ہوئی قوم میں زندگی کی لہر پیدا کر دی۔''

(اصلاح ۲۷ رنومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۳۸۸)

تحریک آزادی کے انقلاب انگیز دور کا آغاز اور حضرت مصلح موعود کے مضامین

۱۹۳۱ء کا سال تحریک آزادی کشمیر کے لئے بہت اہمیت کا سال ثابت ہوا۔ سال کے آغاز پر اپریل کے مہینہ میں عید الاضحیہ کے روز ایک آریہ ڈپٹی انسپکٹر پولیس نے جموں کی مسجد کے ایک خطیب کو عید کا خطبہ دینے سے روک دیا اور اس کے چند روز بعد ۵ رجون کو ایک ہندو سارجنٹ کے ہاتھوں قرآن کریم کی سخت بے حرمتی کا دل آزار واقعہ پیش آیا۔ جس پر مسلمانان کشمیر سراپا احتجاج بن گئے۔ حکومت جموں وکشمیر نے مسلمانوں پر مزید سختی شروع کر دی اور مسلم اخبارات جیسے انقلاب، مسلم آؤٹ لک اور سیاست کے ریاست کے اندر داخلے پر پابندی لگا دی۔ جب دوسرے ناموں سے اخبار نکالنے شروع کیے تو وہ بھی حکماً بند کر دیئے گئے جس پر مسلمان نوجوانوں کے ایک وفد نے ۹ رجون ۱۹۳۱ء کو ریاست کے انگریز وزیر (دفاع اور پولیٹیکل امور) مسٹر ویکفیلڈ (Mr Wakefield) جو ان دنوں جموں آئے ہوئے تھے سے ملاقات کی۔ اپنی شکایات ان کے سامنے رکھیں۔ اپنے مطالبات سے آگاہ کیا اور کہا کہ ہماری درخواست کو مہاراجہ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ مسٹر ویکفیلڈ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا ایک وفد تشکیل دیں اور خود مہاراجہ صاحب کے پاس جا کر شکایات پیش کریں۔ وہ خود بھی مہاراجہ صاحب کے ساتھ مشورہ کر کے ان کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔

(انقلاب ۱۲ رجون ۱۹۳۱ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۳۹۱)

(یہاں یہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن چار لیڈروں کا وفد تجویز ہوا ان میں ایک پر جوش احمدی مستری ٹھیکیدار یعقوب علی صاحب بھی شامل تھے۔)

جونہی انقلاب ۱۲ رجون ۱۹۳۱ء کی خبر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نظروں سے گزری تو آپ نے اپنی خداداد فراست وذہانت سے ضروری جانا کہ اب کی خاموشی کشمیریوں کی ابدی غلامی پر منتج ہوگی آپ نے فوراً آزادی کشمیر کے متعلق مضامین کا آغاز فرمایا اور پہلا مضمون ریاست جموں وکشمیر میں مسلمانوں کی حالت کے عنوان سے تحریر فرمایا جو انقلاب کے علاوہ ۱۶ رجون ۱۹۳۱ء کے الفضل میں بھی شائع ہوا۔

اس مضمون میں حضور نے زمینداروں کو اپنے حقوق کے حصول کی طرف توجہ دلائی اور صنعت وحرفت کے ذریعہ کشمیر کو مضبوط کرنے کی تجویز دی نیز اپنے مطالبات تفصیل کے ساتھ مسٹر ویکفیلڈ کے سامنے پیش کرنے کی درخواست کی اور انجمنیں قائم کرنے کی تلقین فرمائی اور لاہور۔ سیالکوٹ۔ راولپنڈی میں سے ایک جگہ کانفرنس منعقد کرنے کا اہل کشمیر کو مشورہ دیا۔

حضور کے پہلے مضمون کی صدائے بازگشت اور اس کے نتائج

حضور کا مضمون ابھی شائع ہوا ہی تھا کہ مسلمانان کشمیر سے ہمدردی رکھنے والے مسلمانوں نے فوراً اس پر ردعمل ظاہر کیا اور روزنامہ سیاست کے ایڈیٹر نے اس کی تائید میں ایک مضمون بعنوان ''کشمیر کانفرنس کے انعقاد کی تجویز'' لکھا

اور مسلمانان ہند کے مشہور صوفی لیڈر خواجہ حسن نظامی دہلوی صاحب نے حضور کے نام ایک خط میں کشمیر کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کر دی۔

اسی پر بس نہیں جنرل سیکرٹری مسلم کشمیری کانفرنس لاہور جناب سید محسن شاہ صاحب بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ نے حضور کو ایک مکتوب لکھا جو انقلاب یکم جولائی ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس خط میں موصوف نے حضور کی کشمیر کی آزادی کی خاطر کاوش کو سراہا اور لکھا کشمیر کا معاملہ ایسا معاملہ ہے جس میں سب مسلمانوں کا متفقہ طور پر شریک ہونا نہایت ضروری ہے جس کے لئے الگ انجمن قائم کرنی زیادہ مفید ہوگی اور آخر میں لکھا:

> ”میں اور تمام مسلمان آپ کے شکرگزار ہیں کہ آپ نے اس معاملے میں دلی ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے۔ جس سے یقین کامل ہے کہ بہت جلد مفید عملی نتائج پیدا ہوں گے۔ خداوند کریم آپ کو اس نیک کام میں حصہ لینے کے لئے جزائے خیر عطا فرمائے۔“

(انقلاب یکم جولائی ۱۹۳۱ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۳۹۶، ۳۹۷)

آزادی کشمیر سے متعلق دوسرا مضمون اور کشمیر بارے کانفرنس کے انعقاد سے اتفاق پہلے مضمون کے ردعمل کے طور پر جو خطوط حضور کو موصول ہوئے اور جو مضامین اخبارات میں لکھے گئے۔ ان سے متاثر ہو کر حضور نے دوسرا مضمون ”ریاست کشمیر اور مسلمان“ کے عنوان سے تحریر فرمایا جو انقلاب ۲۵ر جون ۱۹۳۱ء اور الفضل ۲ر جولائی ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں حضور نے کانفرنس کے انعقاد کے لئے اپنے بھرپور تعاون اور مدد کی یقین دہانی کروائی اور اس کانفرنس کو کامیاب اور مؤثر بنانے کے لئے بعض تجاویز بھی دیں۔ اور پبلسٹی کمیٹی کے قیام سے بھی اتفاق فرمایا بلکہ پُرزور تائید فرمائی۔ کانفرنس میں کشمیری نمائندوں کو شامل کرنے کی تجویز دی۔ یہ مضمون اس قدر جاندار اور مؤثر تھا کہ مسلمانان کشمیر کے اندر اس مضمون نے ایک نئی روح پھونک دی۔

آزادی کشمیر کے متعلق تیسرا مضمون اور متفقہ کشمیر ڈے منانے کی تجویز

کشمیر کے بارے میں حضرت مصلح موعود کے پہلے مضمون پذیرائی پا رہے تھے اور آپ کی تجاویز کو سراہا جانے لگا تو مسلمانوں نے کسی نظام کے ماتحت نہیں بلکہ کشمیر ڈے منانے کے لئے الگ الگ تاریخیں مقرر کر دیں جیسے پشاور نے ۱۰ر جولائی، کانپور نے ۲۸ر جولائی اور لاہور نے ۲۴ر جولائی تب حضور نے تیسرا مضمون تحریر فرمایا جو الفضل کے ۱۶ر جولائی اور انقلاب کے ۱۸ر جولائی ۱۹۳۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اس میں حضور نے تحریر فرمایا کہ یہ کام بغیر نظام کے ہونے والا نہیں۔ انگریز کہہ چکا ہے کہ میں ریاستوں کے معاملہ میں دخل نہیں دوں گا اور ہندو اور مسلمان ان کی اسی پالیسی کو پسند کر چکے ہیں اس لئے جب تک ”کل ہند“ بنیاد پر کوئی تحریک جاری نہ کی جائے اور ان مشکلات کو سوچ کر کوئی قدم نہ اٹھایا گیا اس وقت تک یہ مسئلہ کبھی حل نہ ہوگا۔ پس میں تحریک کرتا ہوں کہ ایک ایسے مقام پر جہاں کشمیر کے لوگ

بھی بآسانی آسکیں کل ہند مسلم اجتماع کیا جائے۔ پھر تحریر فرمایا کہ:

''میں نے تو اس مشکل کا حل یہ کیا کہ دس جولائی کو اپنی جماعت کا جلسہ کرا دیا تا کہ ہمارے پشاور کے دوستوں کی تحریک رائیگاں نہ جائے اور دشمنوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی بات کا احترام کرنے کے لئے تیار نہیں۔''

حضور نے مزید تحریر فرمایا:

''میرے نزدیک کشمیر ڈے کی کوئی تاریخ مقرر کرنی چاہئے۔ کہ سارے ہندستان میں جلسوں کی تیاری کی جا سکے اس دن علاوہ کشمیر کے حالات سے مسلمانوں کو واقف کرنے کے پروگرام کا وہ حصہ بھی لوگوں کو سنایا جائے جس کا شائع کرنا مناسب سمجھا جائے اور ہر مقام پر چندہ بھی کیا جائے اگر فی گاؤں پانچ پانچ روپیہ بھی اوسطاً چندہ کے ہو جائیں۔ تو قریباً تین لاکھ روپیہ پنجاب میں ہی جمع ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس جدوجہد میں بہت کچھ روپیہ بھی صرف کرنا پڑے گا اور بغیر ایک زبردست فنانشل کمیٹی کے جس پر ملک اعتبار کر سکے۔ کسی بڑے چندہ کی تحریک کرنا یقیناً مہلک ثابت ہوگا۔

''میں امید کرتا ہوں کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، شیخ دین محمد صاحب، سید محسن شاہ صاحب اور اسی طرح دوسرے سربرآوردہ ابنائے کشمیر جو اپنے وطن کی محبت میں کسی دوسرے سے کم نہیں ہیں۔ اس موقعہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے موجودہ طوائف الملوکی کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب طاقت ضائع ہو جائے گی اور نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔''

(الفضل قادیان ۱۶؍جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۴)

مظلومین کشمیر کی فوری مالی اعانت اور مفتی اعظم کا حضور کو خراج تحسین

حضرت مصلح موعود نے جہاں مضامین میں مالی اعانت کرنے کی مسلمان لیڈروں کو درخواست کی وہاں خود ایک خطیر رقم فوری طور پر بھجوائی جس کی نسبت تحریک آزادی کے ایک مشہور لیڈر مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء سابق مفتی اعظم پونچھ نے فارسی زبان میں ایک نوحہ کشمیر تحریر کیا۔ جس میں لکھا:

''آغاز تحریک آزادی میں مظلوم کشمیریوں کی طرف سے زعماء ہندوستان کی خدمت میں خطوط بھیجے گئے جن میں ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال صاحب، جناب شیخ صادق حسن صاحب امرتسری، امام جماعت احمدیہ اور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی شامل ہیں اور کہا گیا کہ مظلوموں کی مدد کیجئے۔ امام جماعت احمدیہ کے سوا سب کی طرف سے یہ جواب آیا کہ آپ نے ایسے خطرناک کام

میں کیوں ہاتھ ڈالا اور بس۔ صرف امام جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے یکمشت ایک خطیر رقم مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے موصول ہوگئی۔''

(اردو ترجمہ لوحہ کشمیر صفحہ ۱۲-۱۳ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۰۱)

حضور کے مضامین کا ردعمل اور مسلمانان کشمیر پر مظالم میں تیزی

جناب محمد یوسف صاحب بی اے ایل ایل بی نے سری نگر سے حضور کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ

''حضور کے دوسرے مضمون نے جو الفضل میں شائع ہوا بہت مفید نتیجہ یہاں پیدا کیا ہے اور مطالبات میں ان مضامین سے Points لئے جارہے ہیں۔ یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ کی توجہ حضور کی طرف بہت زیادہ ہوگئی ہے اور اب ہر بات میں وہ حضور کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۰۳)

چنانچہ خانقاہ معلی اور جامع مسجد سری نگر میں آزادی کشمیر کے حوالے سے باقاعدہ اجلاس منعقد ہونے شروع ہوئے اور ایک جلسہ جامع مسجد سری نگر میں منعقد ہوا جس میں ۳۰ ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس طرح ۲۱ / جون ۱۹۳۱ء کو خانقاہ معلی کے کھلے صحن میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس کی روئیداد پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اپنی کتاب Inside Kashmir میں لکھی ہے۔ اس کے صفحہ 125 پر لکھتے ہیں کہ

''یہ تحریک آزادی کی تاریخ میں نہایت اہم جلسہ تھا جس میں میر واعظ یوسف شاہ اور مولوی عبداللہ وکیل ''مرزائی'' ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے۔ تمام فرقہ وارانہ اختلاف یکسر نظر انداز کردیئے گئے اور سنی، شیعہ، حنفی اور وہابی اور احمدی پوری طرح اپنے مطالبات منوانے کے لئے متفق و مجتمع ہوگئے۔

''جلسہ میں امروہہ یوپی سے ایک صاحب عبدالقدیر خاں بھی موجود تھے جنہوں نے جلسہ کے آخر میں ایک پُر جوش اور جذباتی تقریر کی اور توہین قرآن جیسے واقعات یاد کروا کروا کر مسلمانوں کو بے غیرتی کی زندگی ترک کرنے کو کہا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۰۴)

اس صاحب کو گرفتار کرکے بغاوت کا مقدمہ دائر کیا گیا اور ۱۳ / جولائی ۱۹۳۱ء کو مقدمہ کی سماعت کے دن ہزاروں مسلمان ہری پربت جیل پہنچ گئے جہاں یہ مسلمان پولیس کے مظالم کا نشانہ بنے ان پر اندھادھند گولیاں برسائی گئیں۔ دسیوں شہید ہوئے اور سینکڑوں کی تعداد میں گرفتاریاں ہوئیں۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ اس روز بے بس نہتے مسلمان پولیس کی گولیوں سے اس طرح گرے جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں۔

ان واقعات نے کشمیر میں گویا ایک قیامت برپا کردی۔ شہر میں عام ہڑتال کا اعلان ہوا جو ۷ دن تک جاری

رہی۔ حکومت نے خبروں پر سنسر لگا دیا ریاست کے مفاد کے خلاف کوئی مواد بذریعہ تار یا ڈاک باہر نہ جا سکتا تھا ان حالات کی تمام روئیداد کا علم حضرت مصلح موعود کو ایک تار کے ذریعے ہوا جو سیالکوٹ سے کی گئی تھی۔

۱۳/جولائی ۱۹۳۱ء کے المناک حادثہ پر حضرت مصلح موعود کی خدمات

جونہی بذریعہ تار اس قتل و غارت کی اطلاع حضرت مصلح موعود کو پہنچی۔ آپ نے فوراً ہدایت فرمائی کہ زخمی مسلمانوں کی طبی امداد کے لئے ایک وفد ریاست بھجوائے جانے کی استدعا کی جائے۔ یہ وفد ڈاکٹر محمد شاہنواز صاحب کی سرکردگی میں بھجوایا جانا تجویز ہوا تھا جسے حکومت کشمیر نے داخلہ کی اجازت نہ دی۔ (الفضل ۳۰/جولائی ۱۹۳۱ء)

دوسرا قدم: حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا وائسرائے ہند کے نام تار

حضور کو اس خونی واقعہ سے بہت تکلیف پہنچی تھی۔ حکومت نے اسی پر بس نہیں کی تھی بلکہ واقعہ کے بعد یہ بھانپتے ہوئے کہ مسلمان اب آپے سے باہر ہو گئے ہیں اور مظالم کی برداشت ان سے ناممکن ہے حکومت کشمیر نے اہم اسلامی لیڈروں کو حیلے بہانوں سے قید کر دیا اور ہندو اخبارات نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اس پر حضور نے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ فوراً اسی روز وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن کو ایک تار بھجوایا۔ جس میں مسلمانوں پر نہایت ہی خلاف انسانیت اور وحشیانہ مظالم کا ذکر کیا اور لکھا کہ حکومت کشمیر کی ۹۵ فیصد آبادی کو اس کے جائز حقوق سے صریح ناانصافی کر کے محروم رکھا گیا ہے اور ظلم و بربریت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس لئے آنجناب سے اپیل ہے کہ آپ کشمیر کے لاکھوں غریب مسلمانوں کو جنہیں برٹش گورنمنٹ نے چند سکوں کی عوض غلام بنا دیا ان مظالم سے بچالیں تا کہ ترقی اور آزاد خیالی کے موجودہ زمانہ کے چہرہ سے سیاہ داغ دور ہو سکے اگر حکومت ہند اس میں مداخلت نہ کرے گی تو مجھے خطرہ ہے مسلمان اس انتہائی ظلم و ستم کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے گول میز کانفرنس میں شمولیت سے انکار نہ کر دیں۔

(الفضل ۱۸/جولائی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲)

تیسرا قدم

مظلومین کی امداد کے لئے مکرم چوہدری عصمت اللہ صاحب کے ذریعہ گراں قدر رقم ارسال فرمائی۔

چوتھا قدم۔ شملہ میں کشمیر کانفرنس کا انعقاد

اس لرزہ خیز سانحہ کے بعد چوتھا قدم جو حضور نے اٹھایا وہ یہ تھا کہ آپ نے جہاں شملہ میں مسلمان لیڈروں کو ۲۵/جولائی ۱۹۳۱ء کو بلوایا وہاں تین مزید یہ اقدام فرمائے۔

i- لندن مشن کو کشمیر کے حالات پر احتجاج کرنے کو لکھا۔

ii- روزنامہ الفضل کو اس ظلم و ستم پر آواز بلند کرنے کی ہدایت فرمائی۔

iii- افراد جماعت کو تحریک آزادی کے لئے مستعد و تیار رہنے کے لئے ۱۸/جولائی ۱۹۳۱ء کو قادیان میں وسیع پیمانہ پر

احتجاجی جلسہ منعقد کیا۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام

حضور کی تحریک پر بہت سے مسلم زعماء ۲۵؍جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ اکٹھے ہو گئے اور نواب سر ذوالفقار علی خان آف مالیر کوٹلہ کی کوٹھی Fair View پر اجلاس ہوا۔

جس میں اور بہت سی مفید تجاویز کے ساتھ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام ہوا اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے پُر زور اصرار پر ۳۲ لاکھ مسلمانان جموں کو بنیادی انسانی حقوق دلانے اور انہیں اقتصادی غلامی سے نجات دلانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس کی صدارت قبول فرمائی اور نمائندوں کی رضامندی سے کمیٹی کے سیکرٹری مولوی عبدالرحیم درد صاحب ایم اے مقرر ہوئے۔

اس سارے اجلاس کی روداد قلمبند کرنے کا فریضہ جناب چوہدری ظہور احمد صاحب سابق آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے ادا کیا وہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ’’مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تجویز کیا کہ اس کمیٹی کے صدر امام جماعت احمدیہ ہوں ان کے وسائل، مخلص اور کام کرنے والے کارکن یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان سے بہتر ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے فوراً اس کی تائید کی اور سب طرف سے درست ہے کی آوازیں آئیں۔‘‘

اس پر امام جماعت احمدیہ نے فرمایا کہ

> ’’مجھے اس تجویز سے ہرگز اتفاق نہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری جماعت ہر رنگ میں کمیٹی کے ساتھ تعاون کرے گی لیکن مجھے صدر منتخب نہ کیا جائے۔‘‘

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے امام جماعت احمدیہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ’’حضرت صاحب جب تک آپ اس کام کو صدر کی حیثیت سے نہ لیں گے یہ کام نہیں ہوگا۔‘‘ (ہفت روزہ لاہور ۵؍اپریل ۱۹۶۵ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۱۶، ۴۱۷)

اس امر کا اظہار خود ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے ملک غلام فرید صاحب ایم اے سے بھی ایک ملاقات میں کیا۔

(ہفت روزہ لاہور مئی ۱۹۶۵ء)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو فعال بنانے کی سعی

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی قیادت وصدارت میں تحریک آزادی کشمیر بڑی شان کے ساتھ آگے بڑھی اور منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہی۔ آپ نے سب سے قبل اس کا آئینی ڈھانچہ اور لائحہ عمل تشخیص دیا اور اس امر کی

وضاحت فرمائی کہ ہماری ساری کوششیں نظام کے اندر رہوں گی اور تعاون کی روح پر مبنی ہوں گی جو ہے۔

دوسرا اہم کام اس سلسلہ میں آپ نے یہ کیا کہ آپ نے ملک ہند کے مختلف مسلمان لیڈروں کو خطوط، تار اور نمائندوں کے ذریعہ کمیٹی سے تعاون کی اپیل کی حتیٰ کہ آپ نے مظہر علی صاحب اظہر اور چوہدری افضل حق صاحب (مفکر احرار) جیسے لوگوں کو بھی خطوط لکھوائے کہ مجھے امید ہے کہ آپ اس میں شامل ہو کر ہمارا ہاتھ بٹائیں گے گو انہوں نے تو شمولیت سے انکار کر دیا لیکن حضور کی مسلسل توجہ اور زبردست کوشش سے بہت سے اہم مذہبی پیشوا، سکالرز، صحافی اس کمیٹی کے ممبر بن گئے۔ جن کی یہاں فہرست دینی مضمون کی طوالت کا باعث بنے گی۔

پبلسٹی کمیٹی

اگست ۱۹۳۱ء کے آغاز میں ہی حضور نے ایک پبلسٹی کمیٹی تشکیل دی۔ جس کا کام مسلمانان کشمیر کے حقوق و مطالبات کی حمایت و اشاعت تھا چنانچہ اس کمیٹی کی کاوشوں سے ''کشمیر کے حالات'' ''مسلمانان کشمیر اور ڈوگرہ راج'' اور ''مسئلہ کشمیر اور ہندو مہا سبھائی'' جیسی اہم کتب منظر عام پر آئیں جن سے کشمیریوں کے موقف کو بہت تقویت ملی۔ اس اہم لٹریچر کے علاوہ ہینڈ بلز اور ٹریکٹ بھی شائع ہو کر تقسیم ہوتے رہے۔ مہاراجہ کشمیر کے لئے مسلمانان کشمیر کا محضر نامہ شائع ہوا۔ احمدی اخبارات الفضل، پیغام صلح اور سن رائز نے کشمیریوں کے حقوق پر اداریے لکھے۔ جن سے متاثر ہو کر پنجاب کے مشہور صحافی اور سیاسی لیڈر مولوی ظفر علی خاں صاحب مدیر زمیندار کو لکھنا پڑا کہ شیخ محمد عبداللہ تو اخبار الفضل کے اداریوں سے شیر کشمیر بنے ہیں۔

سن رائز کے بعض اداریے خود حضور نے لکھے جو انگریزی ترجمہ کے ساتھ بغیر نام کے شائع ہوتے تھے کے متعلق بمبئی کے اخبار سوشل ریفارمر نے لکھا کہ

> ''سن رائز جس جرأت اور قابلیت سے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے مسلمانوں کا کوئی اور اخبار نہیں کرتا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۳۴)

کشمیر ریلیف فنڈ

اس سے قبل ہر گاؤں کے لئے ۵ روپے کی تحریک تو حضور کر چکے تھے تاہم اب حضور نے ہر احمدی کے لئے ایک پائی فی روپیہ کے حساب سے کشمیر ریلیف فنڈ لازمی قرار دے دیا۔ اس فنڈ کے پہلے فنانشل سیکرٹری چوہدری برکت علی خان صاحب مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ مالی قربانی کا ذکر مختلف جگہوں پر موجود ہے۔

کشمیر کمیٹی کے اجلاسات کے لئے حضور کے دورہ جات اور مسلم زعماء کی قادیان آمد

کشمیر کمیٹی کے اجلاسات میں شمولیت اور تحریک آزادی کے سلسلہ میں مختلف شہروں کا حضور نے دورہ فرمایا اور

اب چونکہ قادیان تحریک آزادی کشمیر کے لئے اہم مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اس لئے مسلم زعماء کی قادیان حضرت مصلح موعود سے مشورہ کی غرض سے آمد کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

تحریک آزادی کشمیر میں احمدیوں کی کاوش کو جناب محی الدین صاحب قمر قمرازی مصنف ''ارمغان کشمیر'' نے سراہتے ہوئے لکھا:

> ''تحریک آزادی کے دوران جو پارٹ احمدیوں اور ان کے امیر جماعت نے ادا کیا ہے وہ کوئی شخص بشرطیکہ غیر متعصب ہو بھلا نہیں سکتا۔ تحریک کے دنوں میں سوپور میں سپیشل طور پر گورنر کشمیر ٹھاکر کرتار سنگھ کے حکم سے وہاں تعینات ہوا تھا اور مجھے بخوبی علم ہے کہ احمدی جماعت کے افراد نہایت تندہی اور خلوص نیت سے تحریک آزادی کی قلمے' درمے امداد کرتے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں گھر میں صبح سویرے اٹھتا تھا تو مجھے سرہانے پر تحریک کشمیر کے سلسلہ میں کارکنان جماعت احمدیہ کی طرف سے ٹریکٹ رکھے ہوئے مل جاتے تھے جنہیں پڑھ کر ہماری بڑی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۴۱)

جناب پروفیسر محمد اسحٰق صاحب قریشی ایم اے نے جماعت احمدیہ کی خدمات کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

> ''میرا تاثر یہ ہے کہ تحریک آزادی کشمیر ۳۲-۱۹۳۱ء میں جو ذہنی انقلاب اور عملی تحریک اُبھری اس میں سب سے زیادہ جماعت احمدیہ کی مخلصانہ کوششوں کا عمل دخل تھا۔ میں نے جس تنظیم، مستعدی اور خلوص سے اس زمانہ میں تحریک آزادی کشمیر کے لئے جماعت احمدیہ کو کام کرتے دیکھا وہ اب تک میں پاکستان میں بھی نہ دیکھ سکا۔ جماعت احمدیہ نے اس سلسلہ میں مالی اور قانونی امداد بھی کی اور ہر رنگ میں تحریک آزادی کو کامیاب بنانے کے لئے ایثار واخلاص سے بے مثال کام کیا ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۴۵)

شیر کشمیر شیخ محمد عبد اللہ صاحب سے صدر کشمیر کمیٹی کی پہلی ملاقات

شیر کشمیر شیخ محمد عبد اللہ جب قلعہ ہری پربت سے رہا ہو کر واپس آئے تو گڑھی حبیب اللہ میں ملاقات کا انتظام کروایا گیا۔ اس ملاقات میں کشمیر کی آزادی کے بارے میں لمبی گفتگو ہوئی۔ جس میں حضور نے کشمیر میں تحریک آزادی کا لیڈر بننے کی تحریک کی۔ مگر جناب شیخ محمد عبد اللہ صاحب نے انکار کر دیا۔ تب حضور نے اصل حقیقت یوں سمجھائی۔

بات یہ ہے کہ جب ہم برطانوی ہندوستان میں کشمیر کے متعلق آواز اٹھائیں گے تو لازماً انگریز ہم سے یہ پوچھے گا۔ آپ لوگ تو ریاست کے باشندے نہیں۔ آپ ان کے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہیں اس کے دو ہی جواب میں ان کو دے سکتا ہوں یا تو یہ کہ وہ احمدی ہیں مگر ان کی اکثریت احمدی نہیں ہے اور یا میں ان کو یہ جواب دے سکتا ہوں

کہ میں ان کا وکیل ہوں اور وکیل کے لئے کوئی شرط نہیں کہ وہ اس ملک کا باشندہ ہو۔پس مجھے کشمیر میں تنظیم کی اس لئے ضرورت ہے کہ جب کبھی میں گورنمنٹ برطانیہ کو مخاطب کروں اور (وہ) مجھ سے پوچھیں کہ تمہارا ان سے کیا واسطہ ہے تو میں ان کو دلیری سے کہہ سکوں کہ میں کشمیر اور جموں کے لوگوں کا وکیل ہوں۔پس جب تک جموں وکشمیر سے ایسی آواز نہ اٹھتی رہے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے صدر اس کے نمائندے ہیں اور وکیل ہیں اس وقت تک ہماری کوششیں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکتیں۔شیخ محمد عبداللہ! تم یہ بتاؤ کہ کیا یہ آواز تم کشمیر سے زور کے ساتھ اٹھوا سکتے ہو یا نہیں؟ شیخ محمد عبداللہ نے جواب دیا یہ آواز تو نہایت شاندار طور پر اٹھا سکتا ہوں اس پر میں نے کہا بس آپ اس کام کے اہل ہیں اور خدا کا نام لے کر اس کو شروع کر دیں میں نے ان کو اخراجات کے متعلق ہدایتیں دیں کہ اس طرح دفتر بنانا چاہئے اور وعدہ کیا کہ دفتر کے اخراجات اور دوسری ضرورتیں جو پیدا ہوں گی ان کے اخراجات میں مہیا کرتا رہوں گا چنانچہ اس گفتگو کے بعد درد صاحب شیخ محمد عبداللہ صاحب کو لے کر کشمیر چلے گئے اور ان کی واپسی پر کشمیر گورنمنٹ کو علم ہوا کہ انہوں نے کشمیر کے بارڈر پر مجھ سے ملاقات کی ہے۔چنانچہ اس کی طرف مسٹر جیون لعل پرسنل اسسٹنٹ پرائم منسٹر نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے......جس کے الفاظ یہ ہیں۔

> ''کسی قدر ہمیں یہ تسلی بھی تھی کہ صدر صاحب خود ریاست کی سرحد پر آ کر اپنے نمائندگان سے مل گئے ہیں اور تمام معاملات معلوم کر گئے ہیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد۵ صفحہ ۴۴۶-۴۴۷)

وائسرائے ھند سے ملاقات اور کشمیریوں کے حق میں آواز اٹھانے کی اپیل

حضور ۲۴؍جولائی ۱۹۳۱ء کو جب کانفرنس میں شرکت کے لئے شملہ تشریف لے گئے تو آپ نے وائسرائے سے ملاقات کے لئے لکھا اور حضور نے مولوی عبدالرحیم درد صاحب کے ساتھ یکم اگست ۱۹۳۱ء کو وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن سے ملاقات کی۔

اس ملاقات کی تفصیل اور اس کے نتائج حضور ہی کے الفاظ میں یہ ہیں:

> ''پہلے تو وہ بڑی محبت سے باتیں کرتے رہے جب میں نے کشمیر کا نام لیا تو وہ اپنے کوچ سے کچھ آگے کی طرف ہو کر کہنے لگے کہ کیا آپ کو بھی کشمیر کے معاملات میں انٹرسٹ ہے آپ تو مذہبی آدمی ہیں مذہبی آدمی کا ان باتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے میں نے کہا میں بے شک مذہبی آدمی ہوں اور مجھے مذہبی امور میں ہی دخل دینا چاہئے مگر کشمیر میں تو لوگوں کو ابتدائی انسانی حقوق بھی حاصل نہیں اور یہ وہ کام ہے جو ہر مذہبی شخص کر سکتا ہے بلکہ اسے کرنا چاہئے اس لئے مذہبی ہونے کے لحاظ سے بھی اور انسان ہونے کے لحاظ سے بھی میرا فرض ہے کہ میں انہیں وہ ابتدائی انسانی حقوق دلواؤں جو ریاست نے چھین رکھے ہیں آپ اس بارے میں کشمیر کے معاملات میں دخل

دیں تا کہ کشمیریوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں ان کا انسداد ہو۔ وہ کہنے لگے آپ جانتے ہیں کہ ریاستوں کے معاملات میں ہم دخل نہیں دیتے۔ میں نے کہا میں یہ جانتا تو ہوں مگر کبھی کبھی آپ دخل دے دیتے ہیں چنانچہ میں نے کہا کیا حیدرآباد میں آپ نے انگریز وزیر بھجوائے ہیں یا نہیں؟ کہنے لگے تو کیا آپ کو پتہ نہیں نظام حیدرآباد کیسا بُرا مناتا ہے۔ میں نے کہا یہی بات تو میں کہتا ہوں کہ آخر وجہ کیا ہے کہ نظام حیدرآباد بُرا منائیں تو آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور مہاراجہ صاحب کشمیر بُرا منائیں تو آپ ان کے معاملات میں دخل دینے سے رک جائیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۵۲)

گفتگو ہوتی رہی اور اخیر میں انہوں نے ان الفاظ میں تسلی دلائی کہ

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس عرصہ میں مجھ سے جو کچھ ہو سکا میں کروں گا اور کشمیر کے مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔''

(الموعود لیکچر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلسہ سالانہ ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۶۱)

یوم کشمیر (کشمیر ڈے) کے عظیم الشان جلسے

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پہلے اجلاس کے فیصلہ کے مطابق ۱۴/اگست ۱۹۳۱ء کو ملک بھر میں کشمیر ڈے منایا گیا جس کو شایانِ شان طریق سے منانے کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۶/اگست کو ایک مضمون کے ذریعہ پُرزور تحریک ان الفاظ میں کی تھی:

''مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے بتیس لاکھ بھائی بے زبان جانوروں کی طرح قسم قسم کے ظلموں کا تختۂ مشق بنائے جا رہے ہیں جن زمینوں پر وہ ہزاروں سال سے قابض تھے ان کو ریاست کشمیر اپنی ملکیت قرار دے کر ناقابل برداشت مالیہ وصول کر رہی ہے۔ درخت کاٹنے، مکان بنانے، بغیر اجازت زمین فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی شخص کشمیر میں مسلمان ہو جائے تو اس کی جائیداد ضبط کی جاتی ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اہل وعیال بھی اس سے زبردستی چھین کر الگ کر دیئے جاتے ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں، انجمن بنانے کی اجازت نہیں۔ اخبار نکالنے کی اجازت نہیں غرض اپنی اصلاح اور ظلموں پر شکایت کرنے کے سامان بھی ان سے چھین لئے گئے ہیں وہاں کے مسلمانوں کی حالت اس شعر کے مصداق ہے۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

(الفضل ۶/اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۳)

چنانچہ ۱۴/ اگست کو ہندوستان بھر کے مشہور شہروں جیسے دیوبند، علی گڑھ، کلکتہ، بہار اور سری نگر وغیرہ میں بڑے جوش وخروش سے یوم کشمیر منایا جانے کے علاوہ قادیان میں بھی یوم کشمیر منایا گیا۔

قادیان میں یوم کشمیر

اس روز قادیان میں بھی مظلومین کشمیر کی حمایت میں مظاہرہ کیا گیا۔ چھ ہزار سے زائد افراد نے جلوس میں شرکت کی۔ یہ اس شان کا جلوس تھا کہ قادیان میں اس جیسا جلوس پہلے نہ دیکھا گیا تھا۔ حضور ناسازی طبع کے باوجود ......مبارک کی سیڑھیوں پر ایک گھنٹہ تک کھڑے جلوس کو دیکھتے رہے۔ جلوس سبزی منڈی کے قریب جا کر ختم ہوا جہاں جناب چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر اعلیٰ کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ جس میں جناب ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب اور جناب حکیم فضل الرحمٰن صاحب نے تقاریر کیں اور ڈوگرہ حکومت کے جابرانہ قوانین کے خلاف اور مظلوم کشمیریوں کو ان کے حقوق دلوانے کے لئے گیارہ ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس ہوئے اور مظلومان کشمیر کی امداد کے لئے چندہ بھی اکٹھا ہوا۔

قادیان کی خواتین کا الگ اجلاس زیر صدارت محترمہ سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی منعقد ہوا۔ (الفضل ۲۰/ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۳، ۴)

سری نگر میں یوم کشمیر

یہاں ہر جگہ کے جلسہ کی روداد دینی مشکل ہے تاہم سری نگر میں کشمیر ڈے کا ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ ایک دفعہ پھر اس موقعہ پر خون کی ہولی کھیلی گئی جب جلوس پر حکومت کشمیر نے گولی چلا دی۔ چونکہ حضرت مصلح موعود کشمیریوں کی آزادی کے لئے کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اس لئے آپ نے فوراً دو تاروں کے ذریعہ اس واقعہ کی اطلاع مہاراجہ کشمیر اور وائسرائے ہند کو کر دی اور اپنا ایک نمائندہ فوٹو گرافر کے ساتھ بھجوایا جس نے اس سارے واقعہ کو تصویری رنگ میں محفوظ کر لیا۔

ملک ہند سے باہر دیگر ممالک میں آزادی کشمیر کے لئے پراپیگنڈہ

حکومت ہند اور ریاست کشمیر پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایک مؤثر ذریعہ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنایا وہ غیر ممالک میں کشمیری عوام کے حق میں مہم کا آغاز تھا۔ حضور نے اپنی توجہ امریکہ، سماٹرا، جاوا، عرب، مصر و شام بالخصوص انگلستان کی برطانوی حکومت، برطانوی پریس اور برطانوی عوام کی طرف دی کیونکہ ریاست کشمیر حکومت ہند کی نگرانی میں تھی اور حکومت ہند برطانوی حکومت کے ماتحت تھی۔

اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے لندن مشن کے انچارج مکرم مولوی فرزند علی صاحب کو آزادی کشمیر کے لئے آواز بلند کرنے کی ہدایات دیں۔ جن کی تعمیل میں Kashmir Past and Present کشمیر ماضی وحال

کے نام سے پمفلٹ اور کئی ایک مؤثر مضامین اخبارات میں شائع ہوئے۔

حضور نے امام...... فضل لندن کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ گول میز کانفرنس میں شامل ہونے والے مسلمان ممبروں کے ذریعہ بھی مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے۔

لندن میں اہل کشمیر کے حق میں جو آواز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی راہنمائی میں جماعت احمدیہ نے بلند کی اور اس کے جو نتائج نکلنے لگے ان کا اقرار غیروں نے بھی کیا جیسے انقلاب اخبار نے لکھا:

> ''آج کل برطانوی اخبارات میں کشمیر کے متعلق جو مضامین شائع ہو رہے ہیں ان کی بناء پر معتبر حلقوں میں اہل کشمیر کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔'' (انقلاب یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱)

جناب غلام رسول مہر صاحب نمائندہ انقلاب نے لکھا:

> ''کشمیری مسلمانوں کے تعلق میں برطانوی جرائد کا رویہ پہلے کی نسبت بہتر ہے اور اس میں بلاشائبہ وریب مولوی فرزند علی صاحب امام......لندن کا بڑا حصہ ہے جو شروع سے لے کر کشمیر کے تعلق میں مسلسل جدوجہد فرماتے رہے ہیں۔'' (انقلاب ۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۶۲)

جناب عبدالحمید سالک صاحب نے لکھا:

> ''انگلستان میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جو کام کیا وہ ہندوستان کے کام سے بھی کہیں زیادہ بیش بہا ہے...... آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر کے برقی پیغامات اور مولوی فرزند علی امام......لندن کی ان تھک مساعی سے اب حالات بہت بہتر ہیں اور اکثر انگریزی اخبارات کا لب ولہجہ ہمدردانہ ہو گیا ہے۔'' (انقلاب ۳۰ نومبر ۱۹۳۱ء بحوالہ الفضل ۲۶ نومبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۰)

مہاراجہ کشمیر کی سازش

انگلستان میں آزادی کشمیر کے حوالے سے کامیاب تحریک پر مہاراجہ کشمیر اور اس کے دیگر عمائدین بوکھلا گئے اور انہوں نے بھی اپنے حق میں پراپیگنڈہ کرنے کی ٹھانی اور منصوبے بنائے مگر ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ ہندو لیڈر دیوان چمن لال کے ذریعہ لندن میں ایک صحافی خاتون اور گول میز کانفرنس کے ممبروں کو ریاست کشمیر کے حق میں کرنے کے لئے ریاست کے ایک وزیر کی تقرری ہوئی مگر حضور کی بروقت کارروائی سے ان ہر دو اشخاص نے نہ صرف پراپیگنڈہ بند کیا بلکہ معذرت بھی کی۔ (الفضل ۱۴ نومبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۴)

سیالکوٹ میں کشمیر کمیٹی کا جلسہ اور مخالفین کی سنگباری

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی خدمات پر جہاں اندرون اور بیرون ملک سے ہمدردیاں مل رہی تھیں وہاں مخالفت کا بھی شدید سامنا کرنا پڑا۔ جس میں ہندو اخبار بالخصوص ''ملاپ'' پیش پیش تھا۔ اس مخالفت میں اپنے مسلمان بھائی بھی شامل

ہو گئے اور احرار نے بھی نہ صرف مخالفت میں اپنا حصہ ڈالا ۔ بلکہ جماعت احمدیہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے اور در پردہ مہاراجہ کشمیر اور دوسرے اعلیٰ افسروں سے روابط کر کے کشمیر ایجی ٹیشن کو قادیانی سازش کا حصہ قرار دینے لگے ۔

۱۲، ۱۳ ؍ ستمبر ۱۹۳۱ء کو سیالکوٹ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں عارضی معاہدہ کی روشنی میں کشمیر کی صورتحال پر غور کیا گیا ۔ کشمیر کمیٹی کا اجلاس تو بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا جبکہ کشمیر کمیٹی نے ۱۳ ؍ ستمبر ۱۹۳۱ء کو سیالکوٹ میں قلعہ کے میدان میں ایک بہت بڑے جلسہ کا پروگرام بنایا جس میں صدر کشمیر کمیٹی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تقریر کرنی تھی ۔ مخالفین نے اس روز فتنہ پیدا کرنے کے لئے اوباش اور لفنگے اکٹھے کر رکھے تھے ابھی حضور جلسہ گاہ تشریف نہ لائے تھے کہ انہوں نے پتھراؤ شروع کر دیا بہت سے شرکاء زخمی بھی ہوئے ۔ حضور کو مشورہ دیا گیا کہ آپ اس جلسہ میں شرکت نہ فرمائیں مگر حضور نے تقریر کرنے کا فیصلہ فرمایا اور ایسی زوردار اور مؤثر اور نہایت پُرشوکت تقریر فرمائی کہ سب لوگ نہ صرف اپنے زخموں اور چوٹوں کو بھول گئے بلکہ نہایت لطف و سرور محسوس کرنے لگے حضور نے اس میں فرمایا ۔ یہ خون آخر ایک دن ضرور رنگ لائے گا اور یہ جلسہ آزادیٔ کشمیر کے لئے ایک نیا دروازہ کھولنے کا باعث بنا ۔

حضور نے اپنی تقریر کے آخر میں فرمایا:

> ''آخر میں سب حاضرین سے اور ان سب سے جن تک میرا یہ پیغام پہنچے کہتا ہوں کہ اٹھو! اپنے بھائیوں کی امداد کرو ۔ اپنے کام بھی کرتے رہو مگر کچھ نہ کچھ یاد ان مظلوموں کی بھی دل میں رکھو جہاں اپنے خانگی معاملات اور ذاتی تکالیف کے لئے ہمارے دلوں میں ٹیسیں اٹھتی ہیں وہاں ایک ٹیس ان مظلوموں کے لئے بھی پیدا کرو اور ان آنسوؤں کی جھڑیوں میں سے جو اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے برساتے ہو اور نہیں تو ایک آنسو ان ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے بھی ٹپکاؤ ۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری آنکھوں سے ٹپکا ہوا ایک ایک آنسو جس کی محرک سچی ہمدردی ہو گی ۔ ایک ایسا دریا بن جائے گا ۔ جو ان غریبوں کی تمام مصائب کو خس و خاشاک کی مانند بہا کر لے جائے گا اور اس ملک کو آزاد کر دے گا ۔'' (الفضل ۲۴ ؍ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۹)

اس موقعہ پر جو احمدی زخمی ہوئے نہایت صبر کے ساتھ زخمی حالت میں اپنے آقا کی تقریر سنتے رہے اور یوں اپنے آقا سے وفاداری کا ثبوت دیا ۔

اس کا اظہار ہفت روزہ ''سلطنت'' دہلی کے ایڈیٹر سید شفیع احمد دہلوی نے اپنے اداریہ ۲ ؍ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں یوں کیا ۔

> ''غرض جب پتھروں کی بارش پورے زور پر تھی تو احمدیوں کے کسی ایک بچہ نے بھی خطرہ کو محسوس کر کے اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہ سمجھی ۔ تمام لوگ نہایت صبر و سکون کے ساتھ پتھر

کھاتے اور نعرہ تکبیر بلند کرتے رہے......اشرار کی اس شرارت اور احمدیوں کے صبر و استقلال اپنے خلیفہ کے لئے جذبہ فدا کاری اور خطرناک سے خطرناک حالات میں اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے احکام کی تعمیل واطاعت کے جوش سے سیالکوٹ کے شریف النفس اور سمجھدار لوگ بے حد متاثر ہوئے۔" (رسالہ ہفت روزہ سلطنت دہلی ۲۱/ اکتوبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶،۸)

کشمیر میں شدید مخالفت اور ظلم و بربریت کا بازار گرم ہونا اور حضرت مصلح موعود کا عزم

سیالکوٹ کے اجلاس کے بعد کشمیر میں ریاستی زعماء کی طرف سے بھی مخالفت میں تیزی آ گئی۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب کو گرفتار کر لیا گیا تو احتجاج کرنے والوں پر ریاستی پولیس اور فوج نے حملہ کر دیا متعدد مسلمان شہید ہوئے پھر اسلام آباد میں مسلمانوں کا کشت و خون ہوا اور ۲۵ مسلمان شہید ہوئے۔ شوپیاں اور اس کے نواح میں بعض مسلمانوں کے مکانوں کو نہایت بے دردی اور بے رحمی سے جلا دیا گیا۔ جس پر مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو مارشل لاء لگا دیا گیا۔ (الفضل ۶/ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

حضور کو جب ان مظالم کی رپورٹ مع فوٹو ملی تو اندیشہ محسوس کیا کہ کہیں یہ تحریک دب ہی نہ جائے۔ جس پر حضور نے اہل کشمیر اور مسلمانان ہند کو تحریک آزادی کے لئے مسلسل قربانیوں کی پرجوش تحریک یوں فرمائی:

"میرے نزدیک اپنی اور اپنے ملک کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ ہر باشندہ کشمیر جو آزادی کی خواہش رکھتا ہے یہی ارادہ کر لے کہ خواہ میری ساری عمر آزادی کی کوشش میں خرچ ہو جائے میں اس کام میں اسے خرچ کر دوں گا اور آگے اپنی اولاد کو بھی یہی سبق دوں گا کہ اسی کوشش میں لگی رہے اور اسی طرح قربانی کے متعلق ہر ایک شخص کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آزادی جیسی عزیز شے کے لئے جو کچھ بھی مجھے قربان کرنا پڑے میں قربان کر دوں گا۔ اگر اس قسم کا ارادہ رکھا جائے گا تو لازماً درمیانی مشکلات معمولی معلوم ہوں گی اور ہمت بڑھتی رہے گی۔"

(الفضل ۲۷ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۳،۴)

مظلومین کشمیر کی مالی امداد

کشمیر ریلیف فنڈ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ ۱۹۳۱ء کا سال مظلوم، نہتے اور مفلوک الحال کشمیریوں پر مصائب و آلام کا پہاڑ بن کر آیا اور اس تکلیف دہ عرصہ میں جو مسائل سامنے آئے ان میں

i- ڈوگرہ مظالم سے زخمی ہونے والوں کے علاج کا معاملہ

ii- اسیران کشمیر کے اہل و عیال کی ضروریات

iii- اسیران کشمیر کے لئے آئینی امداد

چنانچہ ان مسائل کے حل کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے ذاتی، جماعتی اور ممبران کشمیر کمیٹی کے تمام وسائل وذرائع بروئے کار لائے زخمیوں کو طبی امداد پہنچانے کے لئے مکرم چوہدری عصمت اللہ خاں صاحب کی نگرانی میں ڈاکٹروں کا پہلا وفد جموں بھجوایا۔ دوسرا طبی وفد مکرم میجر ڈاکٹر شاہ نواز صاحب کی نگرانی میں میرپور اور تیسرا مکرم ڈاکٹر محمد منیر صاحب کی نگرانی میں بھمبر بھجوایا اور اسیران کشمیر کے اہل وعیال کی مالی اعانت، ان کے کیسز کی آئینی امداد کے لئے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔

اخبار انقلاب نے اس کا ذکر یوں کیا ہے:

''آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مسلمانان کشمیر کے شہداء پسماندگان اور زخمیوں کی امداد اور ماخوذین بلا کی قانونی اعانت میں جس قابل تعریف سرگرمی محنت اور ایثار کا ثبوت دیا ہے اس کو مسلمانان کشمیر کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اب تک اس کمیٹی کے بے شمار کارکن اندرون کشمیر مختلف خدمات میں مصروف ہیں اور ہزار ہا روپیہ مظلومین و ماخوذین کی امداد میں صرف کر رہے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اب تک اس کمیٹی کی مالی امداد میں کافی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمیٹی ہزار ہا روپیہ کی مقروض ہے۔'' (انقلاب ۱۱/مارچ ۱۹۳۲ء صفحہ ۴)

کشمیر کے معزز مسلمانوں نے کشمیر کمیٹی کی شاندار خدمات پر ہدیہ تشکر پیش کیا:

''ان حالات میں ہم تمام مسلمانان کشمیر جناب پریذیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے دوسرے رہبران قوم کے ساتھ شامل ہو کر بہت ہی بلند کام کیا ہے اور جو ان تھک کوششیں وہ ہم مظلومین کی امداد کے لئے کر رہے ہیں اس کو بیان کرنے سے ہماری ناچیز زبانیں قاصر ہیں۔ ہم کو جناب پریذیڈنٹ صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے عقائد اور اختلافی خیالات سے کوئی غرض نہیں ہے ہم ان کے اختلافی خیالات کے ایسے ہی مخالف ہیں جیسے کہ خواجہ حسن نظامی صاحب و دیگر عمائدین دین متین مخالف ہیں لیکن قومیت کے سوال میں عقائد کو چھوڑ کر ان کا کام نہایت ہی قابل تعریف ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۷۳)

جناب سید حبیب صاحب مدیر ''سیاست'' نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے صرف دو جماعتیں پیدا ہوئیں۔ ایک کشمیر کمیٹی دوسری احرار۔ تیسری جماعت نہ کسی نے بنائی نہ بن سکی۔ احرار پر مجھے اعتبار نہ تھا اور اب دنیا تسلیم کرتی ہے کہ کشمیر کے یتامیٰ، مظلومین اور بیواؤں کے نام سے روپیہ وصول کر کے احرار شیر مادر کی طرح

ہضم کر گئے۔ ان میں سے ایک لیڈر بھی ایسا نہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ کشمیر کمیٹی نے انہیں دعوت اتحاد عمل دی۔ مگر اس شرط پر کہ کثرت رائے سے کام ہو اور حساب باقاعدہ رکھا جائے۔ انہوں نے دونوں اصولوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لہذا میرے لئے سوائے ازیں چارہ نہ تھا کہ میں کشمیر کمیٹی کا ساتھ دیتا اور میں یہ بہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب صدر کشمیر کمیٹی نے تندہی، محنت، ہمت، جانفشانی اور بڑے جوش سے کام کیا اور اپنا روپیہ بھی خرچ کیا اور اس کی وجہ سے میں ان کی عزت کرتا ہوں۔''

(تحریک قادیان حصہ اول صفحہ ۴۲ از مولانا سید حبیب مدیر سیاست)

ریاست کشمیر کے حکام نے ظلم وستم کی حد کر دی تھی اور اصلاح احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی مگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی جمیلہ کا بالآخر رنگ لائی اور مہاراجہ ہری سنگھ نے ۵/اکتوبر ۱۹۳۱ء کو اپنی سالگرہ کے موقعہ پر شیخ محمد عبداللہ صاحب اور بعض دوسرے سیاسی قیدیوں کی عام رہائی کا اعلان کر دیا۔ مارشل لاء ختم کر دیا اور مسلمانوں کے حقوق ومطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ اس عظیم الشان تغیر پر جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی زبردست جدوجہد اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی کوششوں سے رونما ہوا تھا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے روزنامچہ مورخہ ۲۴/اکتوبر ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو عظیم الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ

''حقیقت یہ ہے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اس کے اراکین کی اندرونی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے .... زیادہ اثر انڈیا کشمیر کمیٹی کے ولایتی پراپیگنڈہ کا ہے۔'' (الفضل ۱۰/نومبر ۱۹۳۱ء)

اور یہاں تک لکھ دیا کہ یہ صدر صاحب کشمیر کمیٹی کا کمال ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑنے سے محفوظ رکھ کر پیار ومحبت کی فضا میں یہ تحریک آگے چلائی۔

مہاراجہ کے سامنے مطالبات کی فہرست

جونہی مہاراجہ صاحب نے اپنی سالگرہ پر آزادی کشمیر بارے مسلمانوں کے مطالبات پر غور کرنے کا اعلان کیا تو کشمیر کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک وفد خود مہاراجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مطالبات پیش کرے۔ جس کے لئے مسٹر یعقوب علی صاحب اور چوہدری عباس علی صاحب نے قادیان حاضر ہو کر حضور کی راہنمائی میں ایک مسودہ تیار کیا۔ ادھر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے تار کے ذریعہ حضور سے درخواست کر دی کہ اپنے ذمہ دار نمائندوں کو کشمیر بھجوائیں تا وہ اسے آخری شکل دے کر خود مہاراجہ صاحب کے سامنے پیش کریں۔

حضور نے اس درخواست پر مولوی عبدالرحیم درد صاحب کی سرکردگی میں ۴ افراد پر مشتمل وفد سری نگر بھجوایا۔ ادھر ریاستی کارندوں کو بھی وفد کے آنے کا علم ہو گیا تو انہوں نے ان کا استقبال چیک پوسٹ پر کیا اور سرکاری رہائش کی

درخواست کی مگر جناب درد صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم تو ان کے مہمان ہیں جنہوں نے ہمیں بلوایا ہے۔

چنانچہ یہ وفد میر اکدل پہنچا جہاں شیخ محمد عبداللہ صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے۔ وہاں غور وفکر کر کے اس مسودہ کو آخری شکل دی گئی۔ بعض ترامیم ہوئیں اور ۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو نمائندگان نے خود مہاراجہ کے سامنے اس مسودہ اور میموریل کو پیش کیا۔ (لاہور ۳/ مئی ۱۹۶۵ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۸۸، ۴۸۹)

دوسری کامیابی

مہاراجہ نے ابتدائی حقوق دینے کا اعلان کر دیا اور پتھر مسجد واگزار کر دی

مہاراجہ سے وفد کی ملاقات کے معاً بعد حضور نے مہاراجہ صاحب کو ان کے نام ایک تار کے ذریعہ ''دلال کمیشن'' کے جانبدارانہ رویہ کی طرف توجہ دلا کر اس کی رپورٹ کو منسوخ کرنے کی درخواست کی۔ اس تار کے چند روز کے اندر اندر مہاراجہ صاحب نے رعایا کو ۱۲/ نومبر ۱۹۳۱ء کو ابتدائی انسانی حقوق دینے کا مفصل اعلان کر دیا۔ یہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور تحریک آزادی کشمیر کی شاندار فتح تھی۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی حکمت عملی، فہم وتدبر اور آئینی جدوجہد کی مرہون منت تھی یہ اعلان ۱۱/ نومبر کو لکھا گیا۔ اس اعلان میں ایسی مساجد جن پر گورنمنٹ کا قبضہ تھا واگزار کرنے کو کہا۔ آزادی تحریر وتقریر واجتماع کا ذکر تھا اور بہت سی مراعات کا بھی۔

چنانچہ مہاراجہ صاحب نے اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور فوری قدم یہ اٹھایا کہ پتھر مسجد جو سرکاری گودام کے طور پر استعمال ہو رہی تھی مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ اس مسجد کی رسم افتتاح بڑے جوش وخروش کے ساتھ ۲۹/ نومبر ۱۹۳۱ء کو عمل میں آئی جب ۵۰ ہزار افراد کا عظیم جلسہ ہوا اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے شکریہ کی قراردادیں منظور ہوئیں۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب جو اس جلسہ میں مدعو تھے شامل ہوئے۔ (ہفت روزہ لاہور ۱۰/ مئی ۱۹۶۵ء)

گیلنسی اور مڈلٹن کمیشن کا قیام اور جماعت کی فتح

اب حضور کی کاوشوں کے رنگ لانے کا وقت آ چکا تھا۔ ایک دو بڑی کامیابیاں تو حاصل ہو گئی تھیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ والی جموں وکشمیر نے ۱۱/ نومبر ۱۹۳۱ء کے اعلان کے بعد جو کمیشن مڈلٹن اور گیلنسی کے نام سے قائم کئے۔ جن کے سپرد تمام واقعات کی تحقیق اور مفید شہادتوں کا اکٹھا کرنا تھا۔

اس معرکہ کو سر کرنے کے لئے بھی صدر صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے بہت جدوجہد کی اور سری نگر، جموں، پونچھ اور میر پور میں فوراً ایسی معلومات اکٹھی کرنے کے لئے دفاتر کھول دیئے اور احمدی جاں نثار کارندوں کو مختلف کام سونپے۔ جن میں شیخ بشیر احمد صاحب بی اے ایل ایل بی مولوی عبدالرحیم درد صاحب، چوہدری عصمت اللہ صاحب، چوہدری ظہور احمد صاحب اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز نمایاں تھے۔ زعمائے کشمیر نے بھی حضور سے بذریعہ خطوط۔ تار روابط رکھے ان کمیشنز کو تحقیق کرنے اور رپورٹ کی تیاری میں جناب ملک فضل حسین صاحب کی دو تصانیف مسلمانان کشمیر اور

ڈوگرہ راج اور مسئلہ کشمیر اور ہندو مہا سبھائی نے اہم کردار ادا کیا۔

گیلنسی نے اپنی رپورٹ پہلے تیار کر لی۔ جسے قبل از دستخط کسی طریق سے حضور تک پہنچایا گیا حضور نے ملاحظہ فرمائی اور بعض غلطیوں اور غلط مندرج امور کی طرف توجہ دلائی اور مہاراجہ صاحب کی خدمت میں رپورٹ پیش ہوتے ہی مہاراجہ صاحب نے ۱۰/اپریل ۱۹۳۲ء کو رپورٹ کی سفارشات منظور کرنے کے احکام جاری کر دیئے اور یوں **حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی قیادت میں صرف چند ماہ کی آئینی جدوجہد سے اہل کشمیر کو بہت وہ حقوق قانوناً حاصل ہو گئے جو سکھوں کے عہد حکومت سے چھن گئے تھے اور جن کے حصول کی خاطر یہ قانونی جنگ جاری تھی۔**

چنانچہ گیلنسی کمیشن کے نتیجہ میں خانقاہ سوختہ خانقاہ شاہدرہ، زیارت مدنی صاحب، خانقاہ بلبل شاہ، خانقاہ دارا شکوہ، شاہی باغ مسجد، خانقاہ مدنی شاہ، عیدگاہ سری نگر اور بہت سی مساجد، مقابر اور مقدس مقامات جو مدت سے ڈوگرہ حکومت کے قبضہ میں تھے مسلمانوں کو واپس کر دیئے گئے۔

اور مہاراجہ صاحب نے یہ اعلان کیا کہ اس نوع کی تمام مقدس عمارتیں مسلمانوں کے سپرد کر دی جائیں گی اور اگر ان پر قابض لوگوں کو معاوضہ دینے کا عدالتی فیصلہ ہو تو ریاست اسے معاوضہ ادا کرے اور نئی مساجد بنانے کی درخواست پر بھی ہمدردانہ غور کیا جائے۔

اس کے علاوہ مذہبی آزادی۔ مذاہب کی تبدیلی سے جو ہراساں اور خوفزدہ کیا جاتا تھا اس کی کوشالی کرنے کا حکم دیا۔ تعلیم عام کر دی گئی۔ مسلمانوں کو وظائف بڑھا دیئے گئے۔ زمینداروں کو حقوق مالکانہ مل گئے اور سب سے بڑھ کر مہاراجہ صاحب نے ریاستی مطالبہ کو برطانوی ہند کے مطابق بنانے کے لئے ایک نیا ترمیم شدہ قانون جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور اس بارے میں احکام بھی جاری کر دیئے گئے۔ (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۵۱۳، ۵۱۴)

گیلنسی اور زعماء کشمیر کو مبارکباد

حضور نے اس اعلان کے بعد گلانسی، مہاراجہ صاحب اور زعمائے کشمیر کو مبارکباد پیش کی اور ان کی خدمات کو سراہا اور مکرم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو کشمیر کے دورہ پر بھجوایا تا وہ اندرون کشمیر کا دورہ کر کے رپورٹ کریں کہ گیلنسی کمیشن کی اصطلاحات پر کہاں تک عمل ہو رہا ہے۔

مظلومان کشمیر کی مالی اعانت اور دعاؤں کی تحریک پر مشتمل خطبات

تحریک آزادی کشمیر میں ایک اہم قدم سیدنا حضرت مصلح موعود کا خطبات کی ایک سیریز جاری کرنا ہے۔ جن کے ذریعہ آپ نے احمدیوں میں ایک زبردست جذبہ اور روح پھونک دی۔ یہ پانچ خطبات درج ذیل تاریخوں میں آپ نے ارشاد فرمائے جو خطبات محمود جلد ۱۳ میں طبع ہو چکے ہیں۔

☆ ۲۳/جنوری ۱۹۳۲ء بعنوان مسلمانان کشمیر کی مال اور دعا سے مدد کرو۔

☆ ۵/فروری ۱۹۳۲ء بعنوان مسلمانان کشمیر کی مدد کرو اور فتنہ و فساد سے بچو۔

☆ ۱۲/فروری ۱۹۳۲ء بعنوان دعوت الی اللہ پر زور دو اور مخالفین کا ڈر دل سے نکال دو۔

☆ ۱۹/فروری ۱۹۳۲ء بعنوان کشمیر کے مظلومین کی امداد کرو۔

☆ ۲۶/اگست ۱۹۳۲ء بعنوان جماعت کے مخلصین سے قربانیوں کا مطالبہ۔

یہ خطبات چونکہ رمضان المبارک میں دیئے گئے اس لئے ان میں حضور نے احباب جماعت سے کشمیر کی آزادی کے لئے جہاں دعاؤں کی بار بار خصوصی تحریک فرمائی وہاں مالی امداد کی طرف بھی بلایا۔

''میں پھر تحریک کرتا ہوں کہ رمضان المبارک کے آخری ایام کی مبارک دعاؤں اور صدقوں میں ان مظلومین کو نہ بھولو اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین عبادت وہی ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے۔ اس لئے آئندہ بھی جب تک یہ کام ختم نہ ہو اس سلسلہ کو جاری رکھو۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ قلیل ترین اخراجات کے لئے اس تحریک پر دو ہزار روپیہ ماہوار خرچ آتا ہے اور اگر ہماری جماعت کے دوست ایک پائی فی روپیہ ماہوار اپنے اوپر مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے لازم کرلیں تو بھی کافی رقم جمع ہو سکتی ہے.......... جو زیادہ دے سکتا ہو وہ زیادہ دے لیکن کم از کم ایک پائی تو ہر شخص دے اور یہ کوئی بڑا بوجھ نہیں۔ جو شخص ماہوار سو روپیہ تنخواہ پاتا ہے اسے سو پائی یعنی سوا آٹھ آنہ ماہوار دینے ہوں گے اور یہ کوئی ناقابل برداشت بوجھ نہیں۔ پچاس روپے والے کو چار آنہ اور ایک دھیلہ دینا پڑے گا۔ اس قسم کے چندوں میں طالب علم بھی حصہ لے سکتے ہیں۔ جو طالب علم پندرہ روپیہ ماہوار خرچ کرلیتا ہے وہ نہایت آسانی کے ساتھ پندرہ پائیاں ادا کرسکتا ہے۔'' (خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۲، ۳۵۳)

دعاؤں کی تحریک کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''دوسری چیز دعا ہے میں دوستوں کو تحریک کرتا ہوں کہ رمضان کی دعاؤں میں کشمیر کی آزادی کو بھی شامل رکھیں۔ اگر ہمارے پاس ریاست کے مقابلہ میں روپیہ نہیں، آدمی نہیں، فوجیں نہیں اور دوسرے دنیوی اسباب نہیں تو کچھ پرواہ نہیں کیونکہ ہمارے پاس وہ ہتھیار ہے جو دنیا کے سارے بادشاہوں کے پاس نہیں اور جس سے تمام حکومتوں کی متحدہ طاقتوں کو بھی شکست دی جاسکتی ہے اور وہ دعا ہے.......... سو اگر تم اس مالی خدمت کے علاوہ جو کرسکتے ہو سہام اللیل بھی چلاؤ اور دعائیں کرو اور اگر مالی امداد نہیں کرسکتے تو صرف دعائیں ہی کرو تو یہ مدد معمولی مدد نہیں۔'' (خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۸)

پھر ایک اور خطبہ میں فرمایا:

''پس دوستوں کو پہلے سے بھی زیادہ دعاؤں اور توجہ کی نصیحت کرتا ہوں۔ بتیس لاکھ بندگان خدا کی مظلومیت کوئی معمولی بات نہیں۔ کسی انسان کا اگر ایک بیٹا یا بیٹی بیمار ہو تو اسے کس قدر تکلیف ہوتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کی اتنی مخلوق جب اس قدر مصیبت میں گرفتار ہے تو یقیناً ہم بھی آرام کی نیند نہیں سو سکتے۔ ہم اگر اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اور بھی کئی طریق سے ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ مثلاً روپیہ سے، لوگوں میں ان کے لئے ہمدردی پیدا کرنے سے، غرضیکہ کئی ذرائع ہیں لیکن اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا تو ضرور کریں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔''

(خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۳۷۷)

ان خطبات میں کشمیریوں سے محبت سے سرشار دل اور درد کے ساتھ احباب کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

''میں احباب جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ تیس لاکھ انسانوں کی قوم سینکڑوں سال سے ظلم اور استبداد کے نیچے چلی آتی ہے۔ پھر وہ ہماری تحقیق کے مطابق بنی اسرائیل میں سے ہے۔ وہی بنی اسرائیل جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے ذریعہ فرعون کے مظالم سے نجات دلائی تھی اور کوئی تعجب نہیں کہ وہ پھر اس فرعونی حکومت سے ان غریبوں کو بھی بچانا چاہتا ہو۔ اس لئے اس معاملہ میں ہماری مدد اس کی خوشنودی کا موجب ہوگی۔ پس جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ اس موقع سے محروم نہ رہیں اور اس معاملہ میں یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ لوگ ہماری جماعت سے تعلق نہیں رکھتے، ہمیں ان کی مدد کی کیا ضرورت ہے، جس طرح خدا تعالیٰ کا احسان اپنے پرائے میں کوئی فرق نہیں کرتا اسی طرح مومن کے احسان میں بھی کوئی اس قسم کی تمیز نہ ہونی چاہئے۔''

(خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۲)

کشمیریوں کی آزادی کے لئے نوجوانوں کو اپنی زندگیاں پیش کرنے کی تحریک

جب حکومت کشمیر نے ہمارے اُن احمدیوں کو جو کشمیر میں خدمات بجالا رہے تھے ریاست سے نکال دیا اور ہمارے کام میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی تو حضور نے احمدی نوجوانوں کو کشمیر جا کر آزادی کشمیر کے لئے جماعت کی جدوجہد میں ہاتھ بٹانے کی تحریک اپنے ایک خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ ر فروری ۱۹۳۲ء میں یوں فرمائی۔

''دوسرا کام جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے وہ مظلومان کشمیر کی امداد کا کام ہے۔ اس وقت غلط طور پر ریاست کشمیر سخت جوش میں آئی ہوئی ہے اور اس نے اسی جوش میں ہمارے آدمیوں کو جو وہاں کام کر رہے تھے نکال دیا ہے۔..........ہم کشمیر میں عدل اور انصاف قائم کرنا

چاہتے تھے مگر باوجود اس کے حکومت نے نہایت ہی ظالمانہ اور غیر منصفانہ طریق پر ہمارے نمائندوں کو وہاں سے نکال دیا ہے.......... ہماری جماعت کے نوجوان اس مہم کے سر کرنے کے لئے اپنے آپ کو بطور والنٹیئرز پیش کریں اور وہ اپنے عمل سے دکھادیں کہ اگر ان کے بھائیوں کو ریاست سے نکال دیا گیا ہے تو وہ ان کی جگہ کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہماری جماعت کے نوجوان اس طرف توجہ کریں جنہوں نے ابھی تک کوئی ملازمت اختیار نہیں کی یا کوئی کام شروع نہیں کیا تو میں سمجھتا ہوں ایسے سینکڑوں نوجوان ملیں تو اس معاملہ میں ہمیں بہت جلدی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔'' (خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۹، ۳۷۲)

اسیروں کی رستگاری کا موجب

احمدی وکلاء کی مقدمات میں شاندار وکالت اور بے نظیر کامیابی

آزادی کشمیر کے لئے جماعت احمدیہ کے سامنے کئی آئینی محاذ تھے۔ ان میں سے ایک تو مڈلٹن کمیشن اور گیلنسی کمیشن تھا جہاں احمدی وکلاء اور مندوبین نے نہایت اعلیٰ رنگ میں اپنا کیس پیش کیا اور شاندار طریق پر کامیاب وکامران ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک محاذ مظلومین کشمیر کے مقدمات کی پیروی کا تھا۔ جس میں احمدی وکلاء کو بہت محنت کرنے اور مالی قربانی کرکے محاذ کے ہر حصے پر جنگ لڑنا پڑی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خود ان وکلاء کی بے لوث قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں متواتر حکومت کشمیر نے مسلمانوں کو مختلف بہانوں سے گرفتار کرلیا ان گرفتاریوں کے نتیجہ میں بہت سے مقدمات دائر ہوئے جن میں، بعض قتل کے تھے بعض ڈکیتی، بعض بغاوت، بعض بلوے کے تھے۔ یہ بیسیوں تھے اور سینکڑوں ملزم اس میں پیش ہوئے۔ ان لوگوں کے دفاع کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے عموماً اور احمدیہ جماعت نے خصوصاً اپنے وکلاء کی خدمات پیش کیں۔ عملاً احمدیہ جماعت سے باہر صرف ایک صاحب یعنی غلام مصطفیٰ صاحب نامی بیرسٹر گوجرانوالہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ جنہوں نے ایک مہینے کے قریب کام کیا۔ باقی تمام کے تمام وکلاء جو سب نوجوان احمدی تھے۔ اور اپنی عمر کے اس دور میں سے گزر رہے تھے کہ اگر ایک ماہ بھی اس کام میں حرج ہو جائے تو ساری عمر کی پریکٹس ضائع ہو جاتی ہے۔ ان کے نام اور کام کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ شیخ بشیر احمد صاحب وکیل جو اس وقت لاہور کے چوٹی کے سول سائڈ کے وکیل ہیں انہوں نے چار ماہ تک سری نگر میں کام کیا۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ انہوں نے میرپور

میں بھی کام کیا۔

۲- چوہدری یوسف خاں اور چوہدری عصمت اللہ صاحب وکلاء نے میرپور میں کئی ماہ تک کام کیا۔

۳- شیخ محمد احمد صاحب وکیل جو ریاست کپورتھلہ میں سیشن جج اور ایڈووکیٹ جنرل بھی رہے ہیں انہوں نے سات ماہ تک سرینگر میں کام کیا۔

۴- چوہدری یوسف خان صاحب نے اڑھائی ماہ سری نگر میں کام کیا۔

۵- چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ نے پانچ ماہ تک پونچھ میں کام کیا۔

۶- قاضی عبدالحمید صاحب پلیڈر نے پونچھ میں چار ماہ تک کام کیا۔

۷- میر محمد بخش صاحب پلیڈر نے جو گوجرانوالہ میں کامیاب ترین وکلاء میں سے ہیں۔ جموں میں چھ ماہ تک کام کیا۔

۸- چوہدری اسد اللہ خان صاحب بار ایٹ لاء (برادر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب) نے بعض اپیلوں میں کام کیا۔

۹- قاضی عبدالحمید صاحب پلیڈر نے راجوری میں تین ماہ تک کام کیا۔

۱۰- میر محمد بخش صاحب نے نوشہرہ میں تین ماہ کام کیا۔

جو مقدمات ہوئے ان میں ۱۲۱۰ آدمیوں پر مقدمات چلائے گئے اور اندازاً ایک سو مقدمات تھے۔ ان وکلاء کی کوشش سے ان میں ۱۰۷۰ کے قریب بری ہو گئے اور ۱۴۰ کو بہت ہی معمولی سزائیں ہوئیں۔ حالانکہ مقدمات اکثر قتل اور ڈکیتی وغیرہ تھے...... ہمارے احمدی وکیل ڈیڑھ درجن کے قریب تھے جن میں سے نصف نے اپنے آپ کو پیش کیا اور بعض ایسے ہیں جو آج تک دوبارہ اپنی پریکٹس نہیں کر سکے۔'' (تاریخ احمدیت جلد۵ صفحہ ۵۳۵،۵۳۶)

پھر ایک موقعہ پر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کے وکلاء نے کشمیر کے معاملہ میں بہت بڑی قربانی کی ہے۔ کئی ہیں جنہوں نے اپنی مفت خدمات پیش کیں اور بغیر ایک پیسہ لینے کے انہوں نے کام کیا۔ کئی ہیں جنہوں نے اپنے پیشے چھوڑ دیئے۔ دکانیں بند کر دیں اور بغیر کوئی معاوضہ لئے کام کرنے لگ گئے۔'' (خطبات محمود جلد۱۳ صفحہ ۳۷۳)

وکلاء کی خلوص وہمدردی سے پُرخدمات کو اندرون وبیرون کشمیر غیروں کی طرف سے سراہا گیا۔ یہاں صرف ایک

کشمیری لیڈر جناب عتیق اللہ کا حوالہ درج کرتے ہیں آپ وکلاء کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جس خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مظلوم مسلمانان ریاست جموں وکشمیر کو مالی، جانی، قانونی امداد دی۔ اس کے لئے ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ زبان سپاس ہے اور ہم لوگ اس کمیٹی کی بے لوث مالی امداد کے تا زیست ممنون رہیں گے۔ اس کمیٹی نے شہداء کے پسماندگان کا خیال رکھا۔ یتامیٰ و ایامیٰ کی پرورش کی۔ محبوسین کے پسماندگان کو مالی امداد دی۔ ماخوذین کو قانونی امداد دی۔ کارکنوں کو گرانقدر مشورے دیئے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر مظلومین کی امداد کی۔ ماخوذین کی اپیلیں دائر کیں۔ اور ان کے مقدمات کی پیروی کی۔ قابل ترین قانونی مشیر بہم پہنچائے۔ ہندوستان اور بیرون ہند میں ہماری مظلومیت ظاہر کرنے کے لئے جان توڑ کوشش کی۔ ہماری آواز کو مقام بالا تک پہنچایا۔ ہماری تسلی اور تسکین کی خاطر اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کئے۔ ہر وقت قابل اور موزوں والنٹیر دیئے۔ دنیائے اسلام کو ہمارے حالات سے آگاہ کر کے ہمدردی پر آگاہ کیا۔ اخبارات کے ذریعہ سے ہماری مظلومیت کو ظاہر کیا گیا۔''

(انقلاب ۲۰/اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۶)

مطبوعہ خطوط کے ذریعہ اہل کشمیر کو ایک پلیٹ فارم پر رکھنے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اہل کشمیر کی یکجہتی، تنظیم اور ان میں روح قربانی قائم رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا۔ اخبارات میں مضامین لکھنے، خطبات جمعہ اور تقاریر کے ذرائع اپنانے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ ایک اہم ذریعہ خطوط ہے جو آپ نے اہالیان کشمیر کو تحریر فرمائے۔ ان خطوط نے بالخصوص ان ایام میں جبکہ شیخ محمد عبداللہ صاحب نظر بند تھے کشمیریوں میں زبردست تنظیم ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔

حضور نے ان خطوط میں اس حد تک دلچسپی لی کہ جب ایک دو خطوط حکام نے ضبط کر لئے تو حضور نے فرمایا

> ''آئندہ لوگ یہ احتیاط کیا کریں کہ میرا مطبوعہ خط ملتے ہی فوراً اسے پڑھ کر دوسروں تک پہنچا دیا کریں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۵۲۸)

ان اہم اور ولولہ انگیز پیغامات بذریعہ خطوط کی تعداد بیسیوں سے بھی زائد ہے ان تمام کو یہاں درج کرنا مشکل ہو گا تاہم یہ خطوط حریت کشمیر کی مستند تاریخ ہیں۔ ایک خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''پس جن تقریروں سے آپ کو باہر روک دیا گیا ہے وہ تقریریں آپ میں سے ہر شخص رات کے وقت اپنے اپنے گھر میں گھر کی عورتوں اور بچوں کے سامنے کرے کہ اس سے سارے ملک کی تربیت بھی ہوتی چلی جائے گی اور باہر کی تقریروں کا جو مقصد تھا اس طرح اور بھی زیادہ عمدگی سے

پورا ہوتا رہے گا۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ جو شخص اکیلا ہے اسے چاہئے کہ رات کو سونے سے پہلے خواہ اونچی آواز سے خواہ دل میں ایک دفعہ ان ظلموں کا ذکر کر لیا کرے۔ جو امن کے قیام کے نام سے گزشتہ دنوں میں کشمیر میں روا رکھے گئے ہیں۔

''دوسری نصیحت میں یہ کرتا ہوں کہ آپ لوگ رات کو سونے سے پہلے سب گھر والوں کو جمع کر کے اپنے ان لیڈروں کی آزادی کے لئے جو اپنے کسی جرم کے بدلے میں نہیں۔ بلکہ صرف آپ لوگوں کو انصاف دلانے کے لئے جیل خانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ رو رو کر دعائیں کریں تا کہ آپ کی دعائیں عرش عظیم کو ہلائیں اور وہ شہنشاہ جو سب بادشاہوں پر حکمران ہے آپ کی مصیبت کو دور کرنے کے لئے اپنے فرشتوں کو بھیجے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۵۵۸)

اپنے ایک خط میں مساجد کے اماموں سے اپیل کی کہ وہ نمازیوں سے ان تمام مظالم اور مسلمانوں کی قربانیوں کا ذکر کریں، دعا اور چندہ کی اپیل کریں۔

مسلم کانفرنس کا قیام

برادران کشمیر کے نام حضور نے اپنے آٹھویں خط میں اہل کشمیر کو یہ تحریک فرمائی تھی کہ ہماری کاوشوں سے مسلمانوں کی کامیابی کو دیکھ کر ہندوؤں نے بھی ایجی ٹیشن شروع کر دی ہے تا جو تھوڑے بہت حقوق مسلمانوں کو ملے ہیں وہ بھی نہ ملیں۔ اس لئے شیخ عبداللہ کی عدم موجودگی میں ایک انجمن مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت میں بنائی جائے۔

اس تجویز کو بہت سراہا گیا اور جب شیخ عبداللہ صاحب رہا ہو کر آئے تو آپ نے ایک خط کے ذریعہ یہ اطلاع بھجوائی کہ میں ایک پولیٹیکل کانفرنس کشمیر ستمبر کے پہلے ہفتہ ہی بلا رہا ہوں۔ آپ اس میں شامل ہوں۔ آپ کی شمولیت سے کانفرنس کے کامیاب بنانے میں ہمیں بہت امداد مل سکتی ہے۔

چنانچہ حضور بنفس نفیس تو تشریف نہ لا جا سکے تاہم آپ نے سید ولی اللہ شاہ صاحب اور مولوی عبدالرحیم درد صاحب کو انتظامات کرنے اور تعاون کی غرض سے کشمیر بھجوایا۔ جن کے تعاون سے پہلا اجلاس ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو پتھر مسجد میں ہوا۔

حضور نے جو پیغام بھجوایا۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا:

''برادران میرا آپ کے لئے یہی پیغام ہے کہ جب تک انسان اپنی قوم کے مفاد کے لئے ذاتیات کو فنا نہ کر دے وہ کامیاب خدمت نہیں کر سکتا۔ بلکہ نفاق اور انشقاق پیدا کرتا ہے۔ پس اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو نفسانی خیالات کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دو۔ اور اپنے قلوب کو صاف کر کے قطعی فیصلہ کر لو کہ خالق ہدایت کے تحت آپ ہر چیز اپنے اس مقصد کے لئے قربان کر

دیں گے جو آپ نے اپنے لئے مقرر کیا ہے۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم یعنی مسلمانان ہندوستان آپ کے مقصد کے لئے جو کچھ ہماری طاقت میں ہے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور خدا کے فضل سے آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ اور امیدوں سے بڑھ کر ہوں گے۔ اور آپ کا ملک موجودہ مصیبت سے نکل کر پھر جنت نشان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔'' (الفضل ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

یہ اجلاس پانچ دن جاری رہا۔ اور اس کے بعد مختلف سالوں میں اس کے اجلاس منعقد ہوتے رہے۔ اس کانفرنس نے سیاسی اثر ورسوخ پیدا کر لیا۔ اور مسلمانوں کو ایک متحدہ سیاسی پلیٹ فارم حاصل ہوا۔

کشمیر کمیٹی سے حضور کا استعفیٰ اور اس کا ردعمل اور حضور کو خراج تحسین

مسلم کانفرنس بھی مسلمانوں کے افتراق وتشتت کی وجہ سے اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکی تو یہ آواز بلند کر دی گئی کہ آئندہ کشمیر کمیٹی کا صدر غیر قادیانی ہو اور لاہور کے گیارہ ارکان کے دستخطوں سے صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں ایک مکتوب پہنچا کہ آپ پندرہ دن کے اندر اندر عہدیداروں کا انتخاب کروا دیں۔ چنانچہ حضور نے ۷/ مئی ۱۹۳۳ء کو اجلاس بلوا کر ایک تحریر سنائی۔ جس میں آپ نے فرمایا:

''غرض میں ان احباب کی خواہش سے متفق ہوں اور آئندہ انتخاب کے لئے راستہ صاف کرنے کی غرض سے اور اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اب کشمیر کمیٹی کے کام کی نوعیت بہت کچھ بدل گئی ہے میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہوتا ہوں۔ میں اس موقعہ پر یہ بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبروں کا شکریہ ادا کروں۔ انہوں نے باوجود قسم قسم کے مشکلات کے حتی الوسع تعاون سے کام لیا۔ اور کئی موقع پر میری خواہش کی بناء پر اپنی آراء کو ایک ایسے دائرہ میں محدود کر دیا جو اتحاد کے لئے ضروری تھا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۴۴)

بعد از اں جو قرارداد منظور ہوئی اس میں بھی حضور کی مسلمانان کشمیر کے لئے گراں قدر مخلصانہ خدمات پر دلی شکریہ ادا کیا گیا اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قائم مقام صدر اور ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ کو قائم مقام جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ جو زیادہ دیر تک قیادت نہ کر سکے اور ۲۰/ جون ۱۹۳۳ء کو مستعفی ہو گئے۔ اور یوں یہ کمیٹی اپنا مقام کھو بیٹھی۔ قدیم کشمیر کمیٹی کے خاتمہ پر جدید کشمیر کمیٹی کا آغاز ہوا مگر اس کی زندگی بھی مختصر رہی۔

ردعمل

حضور کے مستعفی ہونے کے بعد مسلمانان کشمیر دوبارہ جبر وتشدد کا تختہ بننے لگے۔ گرفتاریاں دوبارہ شروع ہوئیں اور مشکلات میں اضافہ ہوا۔

حضور کے استعفیٰ پر اندرون و بیرون کشمیر حضور کے کام اور انتھک محنت کو خراج تحسین پیش کیا گیا جو تاریخ احمدیت کا ایک زندہ باب ہے۔ چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ میر احمد اللہ حمدانی میر واعظ کشمیر نے لکھا۔

۱- ’’اگر چہ میں قادیانیت سے دور ہوں مگر سیاسی مصالح کے لحاظ سے متحدہ محاذ بنانے کے حق میں ہوں کشمیر کمیٹی اور جناب کی انتھک کوشش ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے جس کی ہر وقت کی امداد اور قیمتی مشوروں نے مشکلات کے حل کرنے میں آسانیاں پیدا کیں‘‘۔

۲- وائس پریذیڈنٹ انجمن اسلامیہ کوٹلی نے لکھا:

’’احرار کمیٹی نے مسلمانوں کو تحت لحد میں پہنچا دیا۔ ہم مسلمانان ریاست آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ جنہوں نے اس نازک موقعہ پر جانی و مالی و دماغی امداد دے کر ہمیں مشکور کیا۔ اگر کشمیر کمیٹی کا وجود نہ ہوتا تو مسلمانان ریاست ہی معدوم ہو گئے ہوتے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۴۷)

۳- سری نگر کے مسلمانوں نے اعلان کیا:

’’ہم مسلمانان محلہ کلاش پورہ محلہ مخدوم منڈو اور محلہ بابا ندہ گنائی...... جناب مرزا محمود احمد صاحب نے جو خدمات مسلمانان کشمیر کے لئے فرمائیں ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ حضرت امام جماعت احمدیہ آئندہ بھی مسلمانان کشمیر کی اعانت پہلے سے بھی زیادہ فرمائیں گے۔ کیونکہ مسلمانان کشمیر کو ان کی ہمدردی اور مدد کی ہر وقت ضرورت ہے جملہ مسلمانان کشمیر کو جناب ممدوح پر بہت اعتماد اور بھروسہ ہے اور جناب ممدوح کے خلاف پراپیگنڈا کرنے والے عنصر کو کشمیری مسلمان قومی غدار خیال کرتے ہیں۔‘‘ (الفضل ۱۳/اگست ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰)

۴- جناب شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ جموں نے اپنے بیان میں کہا:

’’میرے نزدیک دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس امر کا اظہار بلاخوف تردید کیا جائے کہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ اور ان کی تشکیل کردہ کشمیر کمیٹی اور ان کی جماعت کے افراد نے جو گراں بہا خدمات تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں انجام دیں۔ اس کا ہی یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانان ریاست اپنے حقوق حاصل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

’’تعصب مذہبی نے جب میاں بشیر الدین صاحب کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ تو ان کی جگہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم و مغفور صدر چنے گئے علامہ مسلمانوں کے لحاظ سے بڑے محترم تھے مگر ان کے پاس ایسی کوئی منظم جماعت نہ تھی کہ جیسی جماعت احمدیہ

میاں بشیر الدین صاحب کے تابع فرمان تھی اور نہ ہی علامہ کے پاس ایسا کوئی سرمایہ تھا کہ جس سے وہ ریاست کے اندر جماعت احمدیہ کی طرح اپنے خرچ پر دفاتر کھول دیتے۔ اس لئے ان کی صدارت کے ایام میں کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا۔ کہاں میاں بشیر الدین محمود کے حکم سے سر ظفر اللہ اور شیخ بشیر احمد و چودھری اسد اللہ وغیرہ وکلاء مقدمات کی پیروی کے لئے آتے رہے بلکہ مستقل طور پر بعض سری نگر، میر پور، نوشہرہ و جموں میں رہ کر کام کرتے رہے ان کے طعام و قیام وغیرہ کے تمام اخراجات بھی میاں صاحب بھیجتے رہے۔ ان کے مستعفی ہونے کے بعد نہ دفتر رہے نہ مستقل وکلاء ہی رہے۔‘‘

۵۔ پروفیسر علیم الدین صاحب سالک اسلامیہ کالج لاہور نے لکھا:

’’امام جماعت احمدیہ نے استعفیٰ دے دیا اور اس طرح حکومت کشمیر اور ہندو قوم کے راستہ سے بزعم ان کے وہ کانٹا دور ہو گیا جس نے ہمالیہ کے پہاڑوں سے لے انگلستان و امریکہ کے در و دیوار تک ان کے ناک میں دم کر رکھا تھا جس نے حکومت کشمیر کو صدیوں کے جبر و استبداد کے راستہ میں چٹان بن کر تھوڑے عرصہ میں ہی ایسا انقلاب پیدا کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں حکومت کشمیر مسلمانان کشمیر کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئی تھی اور اسے عوام کو مطلوبہ حقوق دینے پڑے تھے۔

’’ادھر امام جماعت احمدیہ نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا ادھر اندرون کشمیر جو کام چل رہا تھا اس میں یکا یک تعطل پیدا ہو گیا۔ اور ایک عام بے چینی پھیل گئی کیونکہ وہاں پکڑ دھکڑ جاری تھی اور اس سلسلہ میں ان کی مالی اور قانونی امداد جو صدر کشمیر کمیٹی کی طرف سے جاری تھی بند ہو گئی اور نئے عہدیداران اندرون کشمیر کام کرنے والے سابق وکلاء اور کارکنوں کو نہ نئے انتخاب اور نئے انتظام کی کوئی اطلاع بھیج سکے اور نہ ہی ان سابق کارکنوں کے خورونوش اور رہائش اور کام کے لئے کوئی بندوبست کر سکے اور نہ اپنی طرف سے متبادل مالی اور قانونی امداد کشمیر میں بھیج سکے جس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ سابق وکلاء اور کارکن کام سے واپس آنے پر مجبور ہو گئے۔‘‘ (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۵۵۲، ۵۵۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے صدارت کمیٹی کے استعفیٰ پر اہل کشمیر پر کیا بیتی اس کا مختصر تذکرہ اوپر ہو گیا ہے۔ پنجاب کے مسلم پریس نے بھی اس کو موت کے مترادف ہی قرار دیا۔ چنانچہ جناب سید حبیب صاحب نے اخبار سیاست ۱۸ رمئی ۱۹۳۳ء میں لکھا:

’’میری رائے میں مرزا صاحب کی علیحدگی کمیٹی کی موت کے مترادف ہے‘‘

(الفضل ۲۸ رمئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۸)

اخبار ”اصلاح“ کا اجراء

۴/اگست ۱۹۳۴ء کا دن تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ میں ہمیشہ یادر ہے گا کیونکہ اس دن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خاص ہدایت سے مسلمانان کشمیر کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ترجمانی کے لئے سری نگر سے سہ روزہ اخبار ”اصلاح“ جاری کیا گیا۔

اخبار اصلاح کو اپنے مدلل اور ٹھوس ادارتی مضامین کی وجہ سے کافی شہرت ملی اور اس نے مسائل حاضرہ میں مسلمانان کشمیر کی بروقت رہنمائی کر کے اہم خدمات انجام دیں۔

سری نگر میں ہنگامہ اور جماعت کی خدمات

ہندو اخبار ”ملاپ“ کی مخالفت اور مسلمانوں کو طیش دلانے اور ان میں پھوٹ ڈالنے کے کردار کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ کشمیری مسلمانوں کو جو کامیابیاں مل رہی تھیں اور آئندہ ملنے والی تھیں ان کی روک تھام کے لئے سری نگر سے ہندو اخبار ”مارتنڈ“ نے بعض اداریوں اور خبروں کے لئے کشمیر کے امن کو برباد کرنے کی کوشش کی اور ایسی خبریں شائع کیں جو مسلمانوں کو مذہبی جوش دلانے والی تھیں۔ اس کی بعض خبروں کی وجہ سے مسلمانوں نے جلوس نکالے۔ شہر اور ریاست کا امن تار تار رہوا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔

اس موقعہ پر بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پیچھے نہیں رہے بلکہ مجروحین و مظلومین کی مالی امداد کی۔ اور ان خبروں کے جواب میں ”اصلاح“ میں مضامین چھپوائے جن میں مہاشہ محمد عمر صاحب کے مضامین بہت پسند کئے گئے۔

اخبار ”ہدایت“ نے لکھا:

> ”یہ مضامین نہایت ہی پُر از معلومات اور مفید ثابت ہوئے اور انہیں ریاست کے گوشہ گوشہ میں نہایت ہی پسند کیا گیا۔“ (ہدایت کشمیر ۷/مئی ۱۹۴۰ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۱)

مسلم کانفرنس کا احیاء

اس دوران یہ المیہ پیش آیا کہ مسلم کانفرنس جو کشمیریوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی۔ نیشنل کانفرنس میں بدل گئی۔ حضرت مصلح موعود کو ساتھ کے ساتھ تمام اطلاعیں مل رہی تھیں۔ آپ نے پیچھے رہ کر بعض اراکین کے ذریعہ مسلم کانفرنس کا احیاء کروایا۔ اور حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے ۱۹۴۴ء میں آل جموں و کشمیر ویلفیئر ایسوسی ایشن کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا۔ جو مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کی آواز کو حکومت تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ (اخبار اصلاح ۲۱/ستمبر ۱۹۴۴ء)

آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن کی صورت میں کشمیر کمیٹی کا احیاء

جب قدیم کشمیر کمیٹی عملاً معطل و مفلوج ہو کر رہ گئی اور کشمیریوں کی مشکلات میں پھر سے اضافہ ہونے لگا تو ممبران

کے مشورہ سے کشمیر کمیٹی کی جگہ ایسوسی ایشن کے نام سے ایک اور ادارہ بنایا گیا۔ سید حبیب صاحب مدیر سیاست اس کے صدر اور منشی محمد الدین صاحب فوق اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ یہ تنظیم چار سال تک کام کرتی رہی اور اس تنظیم کی مالی ضروریات کے بار حسب سابق جماعت احمدیہ نے اٹھائے اور ہر معاملہ میں اس کی پوری پوری سرپرستی فرمائی۔ جن احمدیوں نے اس کے تحت نمایاں خدمات سر انجام دیں۔ ان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا نام تو سرفہرست ہے ہی اس کے علاوہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر ایٹ لاء بھی شامل ہیں۔

آزاد کشمیر حکومت کا قیام

اسیروں کی رستگاری کا الہام ایک دفعہ پھر سیدنا حضرت محمود کے وجود باجود میں مورخہ ۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پورا ہوا جب آپ کے مبارک دور میں آپ کی مساعی سے آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ اور خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب پہلے صدر مقرر ہوئے۔ اور کابینہ بھی تشکیل دی۔

چنانچہ مسٹر ریڈی نے انہی دنوں پاکستان سے ہندوستان پہنچنے کے بعد ''پاکستان کا بھانڈا چوراہے پر'' نامی ایک کتابچہ شائع کیا۔ جس میں لکھا کہ

> ''آزاد کشمیر کا قیام مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کے دماغ کا نتیجہ ہے جس کا پروگرام انہوں نے رتن باغ لاہور میں بنایا تھا۔ ۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو حکومت آزاد کشمیر کا قیام دراصل اس پروگرام کا ابتدائی اقدام تھا۔''

(میری یادداشت کا ایک ورق از منور کاشمیری خواجہ عبدالغفار ڈار محررہ ۳دسمبر ۱۹۶۳ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۸۷)

معروف مضمون نویس اور تحریک آزادی کشمیر کے ایک مشہور کارکن پروفیسر محمد اسحاق قریشی صاحب قائم مقام جنرل سیکرٹری مسلم کانفرنس نے اس کامیابی کو یوں نقل کیا:

> ''میں ذاتی علم کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ امام جماعت احمدیہ کشمیر کی آزادی کے سلسلہ میں بہت اہم رول ادا کر رہے تھے۔ اور حکومت پاکستان کے وزیر اعظم کی بالواسطہ یا بلاواسطہ اس سلسلہ میں انہیں حمایت حاصل تھی۔ اور حضرت صاحب جو کچھ کہہ رہے تھے حکومت کے علم کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ میں متعدد بار حضرت میاں بشیر الدین محمود احمد سے ملا ہوں۔ اور کشمیر کو آزاد کرنے کے سلسلے میں جو تڑپ میں نے ان کے دل میں دیکھی ہے۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے محب وطنوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ اس موضوع پر میں نے ان کے ساتھ بڑی طویل ملاقاتیں کی ہیں اور میں نے ان جیسی صاف سوچ اور ان جیسا تدبر بہت کم مدبروں میں دیکھا۔ میرا جماعت احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن میں نے میاں بشیر الدین صاحب کا ان جذبات کے لئے ہمیشہ احترام کیا

ہے۔ میں نے اب تک حضرت مرزا صاحب جیسا عالی دماغ مدبر اور آزادی کشمیر میں مخلص کسی کو نہیں دیکھا۔“ (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۸۸)

کشمیر فنڈ کا قیام اور مجاهدین کشمیر کی اعانت

تحریک آزادی کشمیر کے پورے عرصہ میں حضور مظلومین کشمیر کی مالی اعانت فرماتے رہے اور اس بارہ میں تحریکات مختلف اوقات میں اپنی تقریروں، وخطبات اور تحریروں میں کیں۔ ۱۲؍ نومبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر فنڈ کے قیام کی تحریک فرمائی اور ملک کے طول وعرض میں مختلف اہم شہروں میں پبلک لیکچر دیئے۔

حضور کے ۲؍ دسمبر ۱۹۴۷ء لاہور کے لیکچر کا خلاصہ اخبار ”نظام“ نے یوں شائع کیا:

”مسئلہ کشمیر پاکستان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ کشمیر کا ہندوستان میں جانے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کو ہر سمت سے گھیر لیا جائے۔ اور اس کی طاقت کو ہمیشہ زیر رکھا جائے انہوں نے فرمایا کہ باشندگان پاکستان کو کشمیر کے جہاد حریت میں ہر قسم کی امداد کرنی چاہئے۔ مجاہدین کشمیر میں نہایت بہادرانہ جنگ لڑ رہے ہیں اور ان کو گرم کپڑوں کی فوری اشد ضرورت ہے جو ان کو فوراً پہنچائے جائیں۔“ (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۹۵)

اخبار ”سفینہ“ (۴؍ دسمبر ۱۹۴۷ء) نے حضور کے یہ الفاظ شائع کئے:

”پاکستان کے باشندوں کو کشمیر کی جنگ آزادی جیتنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنی چاہئے اس میں پاکستان کی نوزائیدہ ریاست کے استحکام اور دفاع کا راز ہے کشمیر میں مجاہدین مشکل ترین حالات کے باوجود جنگ لڑ رہے ہیں۔ انہیں گرم کپڑوں کی اشد ضرورت ہے۔“

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۹۵)

سلامتی کونسل میں اهل کشمیر کی طرف سے نمائندگی

حکومت ہند کشمیر کے معاملہ کو سلامتی کونسل میں لے گئی اس کا خیال تھا کہ سلامتی کونسل کے ذریعہ پاکستان کو حملہ آور قرار دلوا کر پوری ریاست پر قبضہ کرنے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ مگر پاکستان کے نمائندہ وزیر خارجہ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب نے اہل کشمیر کے حق خود ارادیت اور تحریک آزادی کشمیر کی اس قابلیت اور عمدگی سے نمائندگی کی کہ دنیا پر بھارتی موقف کی غیر معقولیت ہی نہیں اس کی جارحانہ روش بھی واضح ہوگئی۔ اور ایک ایسی قرارداد منظور کروائی جو آج بھی سلامتی کونسل میں موجود ہے اور تحریک آزادی کشمیر کی آئینی وقانونی جد وجہد کا کام دے رہی ہے۔

پاکستانی پریس نے حضرت چوہدری صاحب کو جس والہانہ انداز میں خراج تحسین پیش کیا۔ اس میں ایک نوائے وقت بھی ہے جو لکھتا ہے:

''ہندوستان نے کشمیر کا قضیہ یو۔این۔او میں پیش کر دیا چوہدری صاحب پھر نیویارک پہنچے ۱۶/فروری ۱۹۴۸ء کو آپ نے یو۔این۔او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک وملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تقریر کی۔ظفر اللہ کی تقریر ٹھوس، دلائل اور حقائق سے لبریز تھی......کشمیر کمیشن کا تقرر ظفر اللہ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان کبھی نہ بھولیں گے۔''
(نوائے وقت ۲۴/اگست ۱۹۴۸ء)

اخبار ''سفینہ'' لاہور نے اپنی اشاعت ۲/جولائی ۱۹۴۹ء میں یوں تبصرہ کیا:

''سر محمد ظفر اللہ خان نے مسئلہ کشمیر اس خوبی اور جانفشانی سے پیش کیا کہ انہوں نے اپنے حریف آئنگر کو شکست فاش دی اور میدان سیاست میں آنے کا نہیں چھوڑا۔ایک ہفتوں کے قلمی اور عقلی معرکوں کے بعد سر ظفر اللہ اپنے وطن لوٹے......جس دن وادیٔ کشمیر کا الحاق حکومت پاکستان سے اعلان کیا جائے گا تو سر ظفر اللہ خان کی عزت اور شہرت اور بھی بڑھ جائے گی ان کی شخصیت حکومت پاکستان کی تاریخ میں درخشندہ ستارہ رہے گی۔''
(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۹۷)

ایک ممتاز رہنما سابق سفارتکار اور خارجہ امور کے ماہر جناب شاہد امین نے یوں خراج تحسین پیش کیا:

''اس زمانے میں وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان تھے۔بڑے مضبوط کردار کے حامل تھے۔بیوروکریسی ان کو گھما نہیں سکتی تھی۔وہ خاص نظریات کے حامل فرد تھے۔میرا ذاتی تاثر ہے کہ انہوں نے اپنی ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اقوام متحدہ میں خاص تاثر قائم کیا تھا۔کشمیر کے سلسلے میں انہوں نے پاکستان کا کیس بڑے مضبوط طریقے سے پیش کیا تھا۔''(روزنامہ جنگ ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۱ء)

بھارتی پریس میں بھی حضرت چوہدری صاحب کی تقریر پر ردعمل ہوا۔ہندو اخبار ''پرتاپ'' نے ۲۳/اگست ۱۹۵۰ء کے شمارہ میں لکھا کہ

''یو این او سے پاکستان کے خلاف فریاد کرنا ہمالیہ جیسی بڑی غلطی تھی۔ہم وہاں گئے تھے مستغیث بن کر اور لوٹے وہاں سے ملزم بن کر''
(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۶۹۸)

فرقان بٹالین کا قیام

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کے لئے سرحدیں متعین ہو رہی تھیں تو ملی بھگت سے پنجاب کی تقسیم کے وقت برصغیر کے آخری گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بھارت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے کمیشن کے سربراہ ریڈکلف کو ساتھ ملا کر مشرقی پنجاب کے مسلم اکثریت کے کچھ علاقے بھارت میں شامل کروا دیئے اور یوں پٹھان کوٹ بھارت میں چلے جانے سے کشمیر کے ساتھ ہندوستان کا زمینی رابطہ ہو گیا اور کشمیر کو ہڑپ کرنے کے اقدام اس نے شروع کر دیئے۔جس کی وجہ

سے بھارت اور پاکستان میں حالات کشیدہ سے کشیدہ تر ہوگئے۔تب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے وطن عزیز پاکستان کی طرف سے جہادِ کشمیر میں حصہ لینے کے لئے جون ۱۹۴۸ء میں فرقان بٹالین قائم فرمائی اور معراجکے میں متعین احمدی سپاہی اس بٹالین میں منتقل کر دیئے گئے اور اپنے بیٹے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو اس کا راہنما مقرر فرمایا۔

سرائے عالمگیر کے قریب تربیتی کیمپ میں ایک ماہ فوجی ٹریننگ کے بعد بٹالین محاذ جنگ باغسر کی طرف روانہ ہوئی۔جہاں راستوں اور بارشوں کی شدید مشکلات میں یہ فورس آگے بڑھنے لگی۔میدان جنگ میں حضرت سیدنا حضرت المصلح الموعود بھی بنفس نفیس تشریف لے گئے۔آپ کی تشریف آوری سے احمدی جوانوں میں ایک نیا جوش نئی امنگ اور نیا ولولہ پیدا ہوا۔تاہم حکومت پاکستان کے ایک فیصلہ کے مطابق محاذ آزاد کشمیر سے رضا کار سپاہیوں کو واپس بلالیا گیا اور ۱۷ رجون ۱۹۵۰ء کو فرقان بٹالین کی سبکدوشی کی تقریب منعقد ہوئی۔جس میں پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف کا درج ذیل پیغام پڑھ کر سنایا گیا:

''آپ کی بٹالین خاص رضا کار بٹالین تھی جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے ان میں کسان بھی تھے اور مزدور پیشہ بھی ،کاروباری لوگ بھی تھے اور نوجوان طلباء و اساتذہ بھی۔وہ سب کے سب خدمت پاکستان کے جذبہ میں سرشار تھے آپ نے اس قربانی کے بدلے میں جس کے لئے آپ میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو بخوشی پیش کیا کسی قسم کے معاوضہ اور شہرت و نمود کی توقع نہ کی۔

''آپ جس جوش اور ولولے کے ساتھ آئے اور اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لئے تربیت حاصل کرنے میں جس ہمہ گیر اشتیاق کا اظہار کیا اس سے ہم سب بہت متاثر ہوئے ان تمام مشکل مراحل پر جو نئی پلٹن کو پیش آتے ہیں آپ کے افسروں نے بہت عبور حاصل کر لیا۔

''کشمیر میں محاذ کا ایک اہم حصہ آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ نے ان تمام توقعات کو پورا کر دکھایا جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں۔دشمن نے ہوا پر سے اور زمین پر سے آپ پر شدید حملے کئے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین بھی اپنے قبضہ سے نہ جانے دی آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا اور تنظیم کا جذبہ بھی انتہائی قابل تعریف!!

''اب جبکہ آپ کا مشن مکمل ہو چکا ہے آپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جارہی ہے۔میں اس قابل قدر خدمت کی بناء پر جو آپ نے اپنے وطن کی انجام دی ہے آپ میں سے ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا ہوں'' (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۷۰۲)

معرکے میں دو احمدی جوانوں کی شہادت کے علاوہ فرقان بٹالین کے نو احمدی جوانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جس کا ذکر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے بٹالین کے جوانوں کے واپس آنے پر ایک تقریب کے دوران یوں فرمایا:

''ہم نے کشمیر میں اپنے شہید چھوڑے ہیں جگہ جگہ ان کے خون کے دھبوں کے نشان چھوڑے ہیں۔ ہمارے لئے کشمیر کی سرزمین اب مقدس جگہ بن چکی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جب تک ہم کشمیر کو پاکستان کا حصہ نہ بنالیں اپنی کوششوں میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے دیں۔''

(الفضل ۲۳ رجون ۱۹۵۰ء صفحہ ۸)

غیروں نے بھی اس فرقان فورس کے کاموں کو سراہا۔ جیسے حکیم احمد الدین صاحب صدر جماعت ''المشائخ'' سیالکوٹ نے اپنے رسالہ ''قائد اعظم'' بابت ماہ جنوری ۱۹۴۹ء میں لکھا:

''اس وقت تمام مسلم جماعتوں میں سے احمدیوں کی قادیانی جماعت نمبر اول پر جاری ہے وہ قدیم سے منظم ہے نماز روزہ وغیرہ امور کی پابند ہے یہاں کے علاوہ ممالک غیر میں بھی اس کے مبلغ احمدیت کی تبلیغ میں کامیاب ہیں۔ قیام پاکستان کے لئے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے اس کا ہاتھ بہت کام کرتا تھا جہاد کشمیر میں مجاہدین آزاد کشمیر کے دوش بدوش جس قدر احمدی جماعت نے خلوص اور درد دل سے حصہ لیا ہے اور قربانیاں کی ہیں ہمارے خیال میں مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت نے ابھی تک ایسی جرأت اور پیش قدمی نہیں کی۔ ہم ان تمام امور میں احمدی بزرگوں کے مداح اور مشکور ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ملک وملت اور مذہب کی خدمت کرنے کی مزید توفیق بخشے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۷۰۸)

گو سلامتی کونسل کے فیصلہ کی تعمیل میں فرقان فورس واپس بلا لی گئی تھی مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دل میں آزادی کشمیر کی لو اس قدر روشن ہو چکی تھی کہ آپ تمام عمر آزادی کشمیر کے لئے سعی میں مصروف رہے۔ اور مسئلہ کشمیر کو ملک میں زندہ اور تازہ رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا۔

چنانچہ ۱۶ راپریل ۱۹۴۹ء کو آزادی کشمیر کے تعلق میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے خصوصیت سے یہ تڑپ ہے کہ کشمیر کے مسلمان آزاد ہوں اور اپنے دوسرے بھائیوں سے مل کر اسلام کی ترقی کی جد وجہد میں نمایاں کام کریں اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے میں تمام ان لوگوں سے جو کشمیر کے کام سے دلچسپی رکھتے ہیں اپیل کرتا ہوں کہ اب جبکہ یہ آزادی کی تحریک آخری ادوار میں سے گزر رہی ہے اپنی سب طاقت اس کی کامیابی کے حصول کے لئے لگادیں اور

ایسی تمام باتوں کو ترک کر دیں۔ جو اس مقصد کے حصول کے لئے روک ہو سکتی ہیں۔''

(الفضل ۱۷/ مئی ۱۹۴۹ء صفحہ ۸)

آزادی کشمیر کے لئے دعا کی تحریک

۳/ دسمبر ۱۹۵۵ء کو مشہور کشمیری مصنف جناب کلیم اختر صاحب مؤلف شیر کشمیر سے ملاقات کے دوران فرمایا:

''میرا مسئلہ کشمیر سے گہرا تعلق ہے اور اس سانحہ کا زخم ابھی میرے دل پر قائم ہے میں ہر وقت کشمیریوں کی بے بسی پر خون کے آنسو روتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی رستگاری کے لئے دعا کو ہوں۔''

(شیر کشمیر صفحہ ۱۲۹ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۷۱۴)

پھر ۲۸/ دسمبر ۱۹۵۶ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر دعا کی پُر زور تحریک فرمائی۔ پھر اگلے سال کے آغاز پر ۸/ فروری ۱۹۵۷ء کو حضور نے آزادی کشمیر کے لئے ایک بار پھر خصوصی دعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''ہماری جماعت کے دوستوں کو دعائیں کرنی چاہئیں کہ کشمیر کے قریباً نصف کروڑ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے منشاء کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق دے اور ایسے سامان پیدا کرے کہ یہ لوگ جبری غلامی میں نہ رہیں۔ بلکہ اپنی مرضی سے جس ملک کے ساتھ چاہیں مل جائیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۷۱۵)

حضور نے دعاؤں کی تحریکات پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں پاک بھارت کی پہلی جنگ کے دوران صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کے نام ۶/ ستمبر ۱۹۶۵ء کو درج ذیل پیغام بھجوایا:

''میں اپنی طرف سے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کو دل و جان کے ساتھ مکمل تعاون اور مدد کا یقین دلاتا ہوں۔ اس نازک موقعہ پر ہم ہر مطلوبہ قربانی بجا لانے کا عہد کرتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے بے پایاں فضل کے نتیجہ میں اپنی خاص راہنمائی سے آپ کو نوازے اور ہم سب کو اپنے وطن عزیز کا دفاع کرنے کی طاقت و ہمت عطا فرمائے یہاں تک کہ اس کے فضل سے کلی طور پر فتحیاب ہوں اور ہمارے کشمیری بھائی آزادی سے ہمکنار ہوں۔ آمین۔''

(الفضل ۸/ ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱)

اسیروں کا رستگار

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب بھارتی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ صاحب کو گرفتار کر لیا تو اُن کی وکالت کے لئے کوئی وکیل تیار نہ تھا۔ حضرت مصلح موعود نے بہار کے مشہور احمدی وکیل جناب محی الدین صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ شیخ محمد عبداللہ صاحب کی وکالت کریں چنانچہ وہ ایک لمبا عرصہ بہار سے کشمیر جا کر اُن کا مقدمہ لڑتے رہے۔

یہ تھی حضرت مصلح موعود کی کشمیر کی خاطر قربانی اور آزاد کروانے کے لئے سعی اور اس کا نتیجہ۔ آپ کے اسی عمل سے پیشگوئی مصلح موعود کہ وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا بڑی شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ آپ خود فرماتے ہیں:

”پھر اسیروں کی رستگاری کے لحاظ سے کشمیر کا واقعہ بھی اس پیشگوئی کی صداقت کا ایک زبردست ثبوت ہے اور ہر شخص جو ان واقعات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ہی کشمیریوں کی رستگاری کے سامان پیدا کئے اور ان کے دشمنوں کو شکست دی۔“

اس حوالہ سے آپ دوستوں سے بھی یوں مخاطب ہوئے:

”دوستوں کو چاہئے کہ پہلے سے بھی زیادہ دعائیں کریں اور مالی و جانی قربانیوں کے لئے بھی تیار رہیں۔ میں نے بتایا تھا کہ یہ بھی غلام کو آزاد کرانا ہے۔ اب اس قسم کے غلام تو نہیں جو پہلے زمانہ کے تھے۔ اس لئے اس زمانہ میں ایسے لوگوں کو جو اس طرح کے مظلوم اور حکام کی تیغ ستم کے نیچے ہیں چھڑانا غلام کو آزاد کرانے کے مترادف اور ثواب کا موجب ہے۔“

(خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۳۷۹)

اور پھر فرمایا:

”کشمیر کے مسلمان احمدی نہیں ہیں کہ کوئی ہم پر اعتراض کر سکے۔ یہ غلام قوم کی آزادی کا سوال ہے۔ اس کے لئے کسی سے مانگنے اور تحریک کرنے میں کوئی شرم نہیں۔ ایک، دو، تین، چار دن بلکہ اس وقت تک جاؤ جب تک کہ خدا تعالیٰ ان غلاموں کو آزاد کرا دے۔ ویسے غلام تو اس زمانہ میں نہیں ہیں جو پہلے ہوا کرتے تھے۔ ان کو تو یورپ نے آزاد کرا دیا۔ اب یہی غلام باقی ہیں جو نام کے طور پر آزاد ہیں لیکن عملاً غلام ہیں۔ ان کو آزادی دلانے کے لئے ہمیں ثواب کا ایک موقع حاصل ہے۔ پس جہاں جہاں بھی کوئی احمدی ہے خواہ جماعت کی صورت میں خواہ اکیلا۔ میں پھر اسے متوجہ کرتا ہوں کہ وہ اس عظیم الشان کام سے غفلت نہ کرے۔“ (خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۰، ۳۴۱)

سیدنا حضرت مصلح موعود نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے الگ ہونے کے بعد بھی (جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں) کمیٹی سے تعاون جاری رکھا اور مالی امداد بھی فرماتے رہے مگر کمیٹی اس طرح منظم کام نہ کر پائی جس طرح حضرت مصلح موعود کی زیرک اور بافراست قیادت کے تحت کر پا رہی تھی اور آپ کی کوششوں سے کامیابیاں ملنے لگی تھیں۔ جو تعصب اور دشمنی حضور کو علیحدہ کرنے کا ذریعہ بنی اس میں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا۔ نہ صرف اضافہ ہوتا گیا بلکہ تاریخ کو مسخ کر کے جماعت احمدیہ کو کشمیر کے دشمنوں کی صف میں کھڑا کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔

حضرت مصلح موعود کی

قیام پاکستان کے لئے جدوجہد

(مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب)

تحریک پاکستان اور ہندوستان کی آزادی کا باضابطہ آئینی مرحلہ ۱۹۱۷ء میں شروع ہوتا ہے جبکہ برطانوی حکومت کے وزیر ہند نے جو کہ عملاً ہندوستان کا حاکم شمار ہوتا تھا۔ ۲۰ر اگست ۱۹۱۷ء کو یہ اعلان کیا کہ ہندوستانیوں کو صرف حکومت میں شریک کرنا ہی برطانیہ کا منشاء نہیں بلکہ منتہائے مقصود یہ ہے کہ وہ حکومت خود اختیاری کے قابل ہو جائیں اور رفتہ رفتہ ملک کا پورا انتظام ان کے سپرد کر دیا جائے۔

وزیر ہند مسٹر مانٹیگو کے اعلان کے ساتھ ہی تحریک پاکستان کی وہ تاریخی جدوجہد شروع ہوگئی جو بالآخر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔ تحریک پاکستان کے دوران جماعت احمدیہ نے ہر مرحلہ پر قیام پاکستان کے لئے بھرپور جدوجہد کی اور دامے درمے سخنے ہر قسم کی امداد کی۔ حصول پاکستان کے لئے تاریخی خدمات سرانجام دیں۔ خاص طور پر سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے اپنی خداداد ذہانت اور کمال سیاسی فراست سے کام لیکر ہر مرحلہ پر مسلمانان ہند کی بھرپور راہنمائی فرمائی اس طویل تاریخی جدوجہد کا ایک مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے۔

وزیر ہند کے اعلان سے ہندوستان کی سیاست میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔ ہندو حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ انگریزوں کو ہم سے معاملہ طے کرنا ہے۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں۔

مسلم لیگ تو لکھنو پیکٹ کے نتیجہ میں کانگریس کی طفیلی جماعت بن کر رہ گئی تھی۔ وزیر ہند مسٹر مانٹیگو کی ہندوستان آمد کے موقع پر حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت مصلح موعود ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء کو دہلی تشریف لے گئے۔ اور جماعت احمدیہ کے بعض سرکردہ ممبران کو بھی دہلی بلوا لیا۔ حضور کی ہدایات کے مطابق ۱۵ر نومبر ۱۹۱۷ء کو ایک احمدیہ وفد نے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو سے ملاقات کی۔ جس میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، خان بہادر رائے پائندہ خاں صاحب جنجوعہ آف جہلم، عبداللہ بھائی الہ دین صاحب سکندر آباد دکن، مولوی غلام اکبر خاں صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدر آباد دکن، حضرت مولوی شیر علی صاحب حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب ممبران تھے۔ حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے وفد کی طرف سے ایڈریس پیش کیا اور آئندہ سیلف گورنمنٹ کے طریق انتقال سے متعلق مشورہ دیا اس میں مندرجہ ذیل نکات شامل تھے۔

اوّل: انتخاب کا کوئی ایسا طریق نہ رکھا جائے جس میں قلیل التعداد جماعتیں نقصان میں رہیں۔

دوم: حقوق و فرائض کے تمام معاملات میں یورپین اور غیر یورپین کی تقسیم کو کلیۃً ختم کر دیا جائے۔

سوم: اندرونی مذہبی اختلافات سے قطع نظر حکومت برطانیہ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جماعت احمدیہ کا سیاسی مفاد کلیۃً ایسے تمام فرقوں کے ساتھ وابستہ ہے جو جماعت احمدیہ کی طرح دعویٰ اسلام رکھتے ہیں۔

احمدیہ وفد کی خبر دیتے ہوئے اخبار پانیئر الٰہ آباد نے لکھا:

''احمدیہ وفد عصر کے وقت پیش ہوا۔ سیکرٹری وفد نے اصلاحات کی ضرورتوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یورپین اور ہندوستانیوں میں جو تفریق کی جاتی ہے یہ موجودہ بے اطمینانی کا باعث ہے۔ ایسی کوئی اصلاحات نافذ نہ ہوں جو چھوٹی جماعتوں کے حقوق کے لئے ضرر رساں ہوں آخر میں بیان کیا ہندوستانیوں کے واسطے دو قسم کی اصلاحات ضروری ہیں۔

اوّل: وہ اصلاحات جو سارے ملک کی مجموعی حالت کا خیال کر کے پیش کی جاتی ہیں۔

دوم: وہ اصلاحات جو تعلیم یافتہ اصحاب کی اکثریت چاہتی ہے۔

دونوں قسم کی اصلاحات بہت ضروری ہیں اور انصاف کا تقاضہ ہے کہ ان اصلاحوں کو جاری کیا جائے لیکن آخری فیصلہ کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے.....کوئی ایسی اصلاح نہ ہو جس سے قلیل التعداد اقوام کے حقوق کو نقصان پہنچے...... جو اصلاحات اس ملک کی مختلف اقوام کی بہبودی کے لئے ضروری نظر آرہی ہیں اور ان سے جائز حقوق پورے ہوتے ہیں ان کو مسترد نہیں ہونا چاہئے۔'' (بحوالہ الفضل ۲۰ر نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۱)

احمدیہ وفد کے موقف کی مزید وضاحت کے لئے حضرت مصلح موعود بھی اسی دن چھ بجے شام وزیر ہند مسٹر مانٹیگو سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے اور ۴۵ منٹ تک گفتگو فرمائی۔ ترجمانی کے فرائض چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے انجام دیئے۔ (الفضل ۲۰ر نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۱)

دیگر مواقع پر ملت اسلامیہ کی راہنمائی

مسٹر مانٹیگو کی ہندوستان آمد کے بعد تحریک آزادی کے دوسرے اہم مواقع پر حضرت مصلح موعود نے ملت اسلامیہ کی سیاسی طور پر راہنمائی جاری رکھی ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے نتیجہ میں ہندوستان بھر میں ہنگاموں کا ایک دور شروع ہوگیا۔ معاہدہ سیورے کے نتیجہ میں ترکی کے حصے بخرے کئے گئے۔ جس سے مسلمانان ہند کے مذہبی جذبات کو سخت زک پہنچی۔ مسلمانوں نے تحریک خلافت شروع کی۔ مہاتما گاندھی بھی مسلمانوں کی خالص مذہبی تحریک خلافت

میں کود پڑے اور مسلمان اپنی سادہ لوحی میں گاندھی کے داؤ میں پھنس گئے۔ حضرت مصلح موعود نے ایسے اہم موقع پر مسلمانوں کو صحیح اسلامی تعلیم سے متعارف کرایا کہ ...... ایسے کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

''جلیانوالہ باغ کے واقعہ میں سختی سے کام لیا گیا ہے وہ نہایت ہی قابل افسوس ہے۔ جنرل ڈائر کا یہ قول کہ وہ اس لئے گولیاں چلاتے گئے تا کہ ملک کے دوسرے حصہ پر اثر پڑے اور بغاوت نہ ہو جائے ان کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب لوگ پراگندہ ہونے شروع ہو گئے تو ان کے بھاگنے پر گولیاں چلانا فوجی قانون کے لحاظ سے جائز نہ تھا نہ ملکی قانون کے لحاظ سے اور اس میں تجربہ کار جرنیل کو دھوکہ نہیں لگ سکتا''

جہاں تک فوجی حکومت کی تشدد آمیز پالیسی کا تعلق ہے آپ نے اسے وحشیانہ اور ظالمانہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ رینگ کر چلنے کا حکم ایسا وحشیانہ اور ظالمانہ ہے کہ کوئی شخص بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے خلاف اگر ہندوستانیوں کو غصہ پیدا ہوا تو یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں'' (ترک موالات اور احکام اسلام از حضرت مصلح موعود صفحہ ۲ تا ۴)

ستمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا جہاں گاندھی نے تحریک عدم تعاون اور ترک موالات کا اعلان کیا۔ جس میں لوگوں کو انگریزی عدالتوں اور گورنمنٹ کے دیگر اداروں سکولوں، کالجوں اور کونسلوں سے قطع تعلق کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اور ہندو مسلم اتحاد پر خاص زور دیا گیا تھا۔ مولویوں نے گاندھی کے ترک موالات کو عین شریعت کے مطابق قرار دیا لیکن حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

''یہ تحریک نا قابل عمل اور موجب فساد ہے''

آپ نے ترک موالات اور احکام اسلام کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں آپ نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے قدیم مسلمانوں کے طرز عمل سے ثابت کیا کہ

''ترک موالات کی تحریک قطعاً اسلامی نہیں ہے اور محض ہوائے نفس کے ماتحت ہے نہ اسلام کی خاطر اور اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے''

تحریک ہجرت اور ترک موالات کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمان طلبہ تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہو گئے بعض نے اپنی ملازمتیں چھوڑ دیں۔ ہندو اس سے ہندوستان کے مسلمانوں کو کمزور کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ ہندوستان کو مسلمانوں سے صاف کرنا چاہتا تھا اس پر حضرت مصلح موعود نے ہجرت کے متعلق لکھا:

''اوّل تو شرعاً یہ موقع ہجرت کا ہے نہیں۔ دوم اگر خلاف شریعت ہجرت کی بھی گئی تو اس کے سامان چونکہ آپ کے پاس نہیں ہیں اس کا نقصان ہوگا اور دشمنوں کو ہنسی کا موقع ملے گا۔ پھر

افغانستان میں گنجائش بھی نہیں ہوگی'' (معاہدہ ترکیہ صفحہ ۱۰، ۱۱)

چنانچہ بعد کے حالات نے حضرت مصلح موعود کی بات کو سچا ثابت کیا ہزاروں مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر اور اپنا کاروبار ہندوؤں کے ہاتھوں اونے پونے فروخت کر کے افغانستان کے دروازے بند پا کر خستہ حالی کا شکار ہو گئے ہزاروں راستے کی صعوبتوں کی تاب نہ لاتے ہوئے موت کا شکار ہو گئے۔

تحریک خلافت

تحریک خلافت کے آغاز کے وقت گاندھی نہ صرف تحریک خلافت میں شامل ہوئے بلکہ تحریک خلافت مکمل طور پر ان کے ہاتھوں میں چلی گئی گاندھی کی تحریک کے اعلان کرتے ہی جمیعت العلماء نے اس کو مذہبی جواز کا فتویٰ مہیا کر دیا گویا جمیعت علماء کانگرس اور خلافت کا مذہبی ونگ تھا۔ جسے جب چاہے استعمال میں لے آتے۔ آپ نے لکھا:

''یقیناً ترکوں سے وہ سلوک نہیں کیا گیا جو دوسری مسیحی حکومتوں سے کیا گیا ہے۔ ترک مجرم ہی سہی لیکن وہ اتنا مجرم نہ تھا جتنا کہ جرمن لیکن جرمنی سے جو سلوک روا رکھا گیا اس قدر سلوک بھی ترک سے نہیں کیا گیا اور یہ عمل ان اعلانوں کے باوجود ہوا ہے جو اس سے پہلے شائع کئے جا چکے تھے اور جن میں اس کے بالکل برعکس فیصلہ کی امید دلائی گئی تھی۔''

(ترک موالات و احکام اسلام صفحہ ۴)

آپ نے ترکوں کے مستقبل کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں ترک حکومت کے زوال اور ضعف سے مسلمانوں کی وابستگی ثابت کی گئی تھی کہ ہم باوجود سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین تسلیم نہ کرنے کے مسلمان ہونے کے ناطے اس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

مسلم لیگ کا احیاءِ نو

جب تحریک خلافت ہجرت اور تحریک عدم تعاون کے بادل چھٹے اور جوش کا وقت گزر گیا تو مسلمانوں کو سوچنے کا موقعہ ملا کہ اس ہنگامہ پر جد وجہد نے مسلمانوں کو کیا دیا۔ زیڈ اے سلہری صاحب لکھتے ہیں:

''غدر کے بعد انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا جسمانی مذبح تیار ہوا تھا۔ ایام خلافت میں گاندھی نے ان کی روحوں کو کچل ڈالا غدر اور خلافت جیسے دو عظیم ابتلاؤں کا تقابل کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ خلافت نے مسلمانوں کو ناقابل بیان صدمہ پہنچایا۔ غدر کے بعد مسلمان مصائب و آلام سے دو چار ہوئے لیکن ان کا اعتماد ذات ضرور باقی رہا اور اس مصیبت کے پہاڑ کا صبر و استقلال سے مقابلہ کر سکے لیکن گاندھی کے سایہ میں آ کر ان کے ارادہ اعتماد اور استقلال

کی گراں بہا متاع لٹ گئی۔'' (داستان غدر از مشیر فیروز پوری صفحہ ۹۲، ۹۳)

ان حالات میں محمد علی جناح کی ذات باقی تھی جس کے دل میں مسلمانوں سے ہمدردی کا جذبہ موجزن تھا جو ہندوؤں کی عیاری اور مکاری اور اپنوں کی بے وفائی دیکھ دیکھ کر کڑھتا تھا۔ آخر اس مرد مجاہد نے مسلم لیگ کی احیاء نو کا فیصلہ کیا اور ۲۳ رمئی ۱۹۲۴ء کو لاہور میں پہلا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت مصلح موعود کو بھی مسلم لیگ کے اس اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت مصلح موعود خود تو اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ آپ لندن میں ایک مذہبی کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ نے مسلم لیگ کے اس اجلاس کے لئے ''اساس الاتحاد'' کے نام سے ایک اہم کتاب تصنیف فرمائی۔ آپ نے سب سے اہم نکتہ مسلم لیگ کے ارباب حل وعقد کے سامنے مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھا:

> ''مسلم کی تعبیر مذہبی نقطہ خیال سے اور ہے اور سیاسی نقطہ خیال سے اور۔ مذہبی نقطہ خیال سے تو مختلف فرق ...... کے نزدیک وہ لوگ مسلم ہیں جو ان اصولی مسائل میں جن پر وہ اپنے نزدیک بنائے ...... رکھتے ہیں متفق ہوں اور سیاسی نقطہ خیال کے مطابق ہر شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مدعی ہے اور آپ کی شریعت کو منسوخ نہیں قرار دیتا اور کسی جدید شریعت کا قائل نہیں ہے لفظ مسلم کے دائرہ کے اندر آجاتا ہے ......
>
> ''پس ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے دروازے ہر ایک فرقہ اس کے لئے کھلے ہوں جو اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے خواہ اس کو دوسرے فرقوں کے لوگ مذہبی نقطہ نگاہ سے کافر ہی سمجھتے ہوں اور اس کے کفر پر تمام علماء کی مہریں ثبت ہوں'' (اساس الاتحاد صفحہ ۳، ۴)

حضرت مصلح موعود نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لئے صرف مشوروں اور تجویز بتلانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہر ممکن اخلاقی اور آئینی اور مالی ذرائع سے اس کی اعانت بھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> ''جب مسلم لیگ قائم ہوئی تو اس کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ انہیں جلسے منعقد کرنے کے لئے بھی روپیہ نہیں ملتا تھا اور ہمیشہ میں انہیں مدد دیا کرتا تھا ...... مجھے لاہور میں ایک دفعہ لکھنو کے ایک وکیل ملے انہوں نے کہا میں قریباً نو سال تک مولانا محمد علی صاحب کا سیکرٹری رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ جب کبھی مسلم لیگ کا جلسہ ہوا کرتا تھا آپ کو اس میں بلایا جاتا تھا اور آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا ...... اور جب روپیہ کی وجہ سے جلسہ نہ ہو سکتا تھا تو آپ سے مالی امداد لی جاتی تھی۔ ہم لوگ جو ابھی تک زندہ موجود ہیں اس بات کے گواہ ہیں۔''

(الفضل ۱۴ رجون ۱۹۵۶ء صفحہ ۴)

فرقہ وارانہ نیابت کے سوال کا حل

فرقہ وارانہ نیابت کا مسئلہ دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس میں زیر بحث آیا مگر کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ حضرت مصلح موعود نے مسلمانوں کو مشورہ دیا۔

۱- ''مسلمان اپنا یہ مطالبہ کہ ان کو بعض صوبوں میں ان کی تعداد سے زیادہ حق نیابت دیا جائے چھوڑ دیں۔ ہر ایک قوم کو اس کی آبادی کے مطابق حق نیابت ملے

۲- ہر قوم کا انتخاب اس کی اپنی قوم کے افراد کے ذریعہ کیا جائے۔

۳- ایسے قواعد تجویز کئے جائیں جن کی موجودگی میں کثیر التعداد قومیں قلیتوں پر ظلم نہ کر سکیں۔ پس آئندہ سمجھوتہ کی بنیاد ان شرائط پر ہونی چاہئے۔

الف- ایک قوم دوسری قوم کے مخصوص تمدنی قوانین کے خلاف بھی قانون نہیں بنا سکتی اور نہ ان امور کے متعلق جو ما بہ النزاع ہوں۔

ب- ایسے امور میں نہ صرف مذاہب کے کثیر التعداد فرقوں کے جذبات کا احترام کیا جائے بلکہ اگر قلیل التعداد فرقہ کثیر التعداد کے خلاف ہو تو اس کیلئے کوئی قانون اس کی مرضی کے خلاف نہیں بنایا جائے گا'' (الفضل ۱۴؍فروری ۱۹۲۵ء صفحہ ۳،۴)

آل مسلم پارٹیز کانفرنس امرتسر کے موقعہ پر راہنمائی

۱۶، ۱۷؍جولائی ۱۹۲۵ء کو امرتسر میں آل پارٹیز کانفرنس نواب اسمٰعیل خان صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوئی جس میں حضرت مصلح موعود کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ آپ نے آل مسلم پارٹیز کانفرنس پر ایک نظر کے عنوان سے ایک کتابچہ تحریر فرمایا اس میں دس دیگر امور کے علاوہ مسلمان لیڈروں کو مندرجہ ذیل نکات پر خاص طور پر توجہ دلائی۔

۱- ہم حکومت سے صحیح تعاون کر کے جس قدر جلد حکومت پر قابض ہو سکتے ہیں عدم تعاون سے نہیں۔

۲- مسلمانوں کو اپنا مطالبہ حق نیابت اور اپنے دوسرے ضروری مطالبات نہایت درجہ مدلل و معقول صورت میں پیش کرنے چاہیئے ہیں تا انگلستان کی رائے عامہ ان کے حق میں ہو جائے۔

۳- مسلمان دینی تعلیم کی طرف خاص توجہ دیں اسلامی تمدن پر تاریخی کتب لکھی جائیں۔

۴- مسلمان اپنے بچوں کو مسیحی تمدن سے آزاد کرائیں۔

۵- مسلمانوں کی تجارتی ترقی کے لئے مسلم چیمبر ز آف کامرس اور بورڈ آف انڈسٹریز قائم کئے جائیں۔

(الفضل ۱۸؍جولائی ۱۹۲۶ء صفحہ ۴)

حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۹۲۷ء میں محترم مولانا عبدالرحیم صاحب درد امام بیت الفضل لندن کو ہدایت فرمائی کہ چونکہ برٹش پارلیمنٹ کے بہت کم لوگ ہندوستان کی موجودہ حالت کے متعلق نقطۂ خیال سے واقف ہیں اور عموماً مسلمانان ہند کے متعلق اب تغافل ہوتا جا رہا ہے اور پارلیمنٹ کے وہ ممبر جو سیاحت ہند کے لئے آتے ہیں ان کو ایسی فضا میں رکھا جاتا ہے جہاں ان کو مسلمانوں سے ملنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے مفاد کے متعلق کچھ بھی علم حاصل کئے بغیر واپس انگلستان چلے جاتے ہیں۔ اس لئے حالات کے پیش نظر لندن میں ایک ایسی پولیٹیکل جماعت بنائی جائے جس میں ممبران پارلیمنٹ اور دیگر ایسے صاحب اقتدار لوگ شامل ہوں جو ہندوستانی معاملات میں دلچسپی رکھتے ہوں اور جس کا مقصد یہ ہو کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مطالبات کے متعلق پارلیمنٹ اور برٹش پبلک کی ہمدردی حاصل کر سکے اور جس طرح نیشنل کانگریس کی دعوت پر وقتاً فوقتاً ممبران پارلیمنٹ ہندوستان آتے ہیں۔ اس طرح کوشش کرنی چاہئے کہ مناسب اور موزوں ممبران پارلیمنٹ مسلمانوں کی دعوت پر ہندوستان آئیں اور ان کے دورہ ہندوستان کا پروگرام اس طرح مرتب کیا جائے کہ انہیں مسلمان لیڈروں کے ساتھ میل جول کا پورا پورا موقع مل سکے جو مفاد اسلام کے متعلق پوری معلومات بہم پہنچا سکیں۔ (الفضل ۳راگست ۱۹۲۷ء)

جب ڈاکٹر علامہ اقبال گول میز کانفرنس میں شرکت کیلئے لندن گئے تو مولانا غلام رسول مہر صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے۔ یہ دونوں بیت الفضل احمدیہ لندن کی ایک تقریب میں بھی شامل ہوئے اور وہاں امام بیت الفضل مولانا فرزند علی خان صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان کی گول میز کانفرنس میں مسلم نمائندوں کے ساتھ تعاون اور مسلم حقوق کے سلسلہ میں ممبران پارلیمنٹ کی ملاقاتوں کا بھی ذکر ہوا تو مولانا غلام رسول مہر صاحب نے امام صاحب کی سیاسی خدمات سے متاثر ہو کر ایک خط لکھا جو اخبار ''انقلاب'' میں شائع ہوا۔

> ''مولانا فرزند علی نہایت خوش اخلاق اور نیک طبع بزرگ ہیں۔ فرائض امامت و تبلیغ کی بجا آوری کے علاوہ مسلمانوں کے جماعتی سیاسی کاموں میں بھی کافی وقت صرف کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے یہاں کے اونچے طبقے میں بہت گہرا اثر رسوخ پیدا کر لیا ہے۔
>
> (انقلاب ۲۹؍اکتوبر ۱۹۳۱ء)

جداگانہ انتخاب اور مخلوط انتخاب

تحریک پاکستان کا ایک فیصلہ کن موڑ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ تھا۔ مسلمانوں کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ جب تک ان کے حلقہ ہائے انتخاب ہندوؤں کے حلقوں کے ساتھ مشترک رہیں گے کوئی ہندو کسی مسلمان کو ووٹ نہیں دے گا۔ اس لئے اسمبلیوں میں مسلمانوں کو کوئی نمائندگی نہیں ملے گی۔ اسی بنیادی مطالبہ نے دراصل تحریک پاکستان کو ایک سیاسی

قوت بخشی تھی۔ چنانچہ اتحاد کانفرنس کے سلسلہ میں ستمبر ۱۹۲۷ء میں شملہ میں ہندوستان کے مسلم سیاسی جماعتوں کے نمائندگان کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ حضرت مصلح موعود کو بھی اس اجلاس میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔ اس اجلاس کی روداد شاہ ولی اللہ شاہ صاحب بیان کرتے ہیں جو خود بھی اس وفد میں شامل تھے۔

”یہ موسم گرما ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے ستمبر کا مہینہ تھا۔ تمام صوبوں کے لیڈر شملہ میں اکٹھے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رائے جداگانہ انتخاب کے حق میں تھی اور آپ کو نہرو رپورٹ بمبئی کانفرنس اور دہلی کانفرنس کی روئیدادوں کے مطالعہ سے علم ہو چکا تھا کہ کانگریس کا مطمح نظر کیا ہے اور کانگریس کے زیر اثر مسلمان لیڈروں کا رخ کیا ہے۔ قائد اعظم بھی اس وقت مشترک انتخاب کے حق میں تھے.......... ہوا کا رخ دیکھتے ہوئے آپ نے انتہائی کوشش کی کہ مسلمان مشترک انتخاب کے سراب نما خوش کن نظریہ کے فریب میں نہ آ جائیں۔ چنانچہ آپ نے مختلف صوبوں کے لیڈروں کو ایک ایک کر کے اپنے ہاں مدعو کیا۔ ہر ایک کے ساتھ فرداً فرداً تبادلہ خیال کر کے ان پر اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ اکثر لیڈر اس راہ میں آپ کے ہم خیال ہو گئے کہ انتہائی کمزوری کو پہنچے ہوئے مسلمانوں کی حالت سنبھالنے کے لئے جداگانہ انتخاب ہی ضروری ہیں۔ مرحوم قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کہلاتے تھے۔ آپ کو بھی کنگز لے میں چائے کی دعوت چائے دی گئی تھی۔ میں اس وقت دعوت میں موجود تھا۔ آپ نے تبادلہ خیال کے آخر میں فرمایا مرزا صاحب میں نہیں مان سکتا کہ نصب العین ہمارا یہ ہو کہ ہندوستانی قوم بلند مقام تک جا پہنچے اور اس کا ذریعہ یہ جداگانہ انتخاب ہو؟ قومیت ہمیشہ مشترک انتخاب کے ذریعہ ہی بن سکتی ہے۔

”حضور نے فرمایا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جہاں تک آئیڈیل کا تعلق ہے مشترک انتخاب قومیت بنانے کے لئے ضروری ہے مگر یہ اس کا وقت نہیں۔ مسلمان حد درجہ کمزور ہیں۔ وہ مشترک انتخاب میں ہندو سرمایہ اور ہندو چالوں کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکیں گے۔

”مگر مسٹر محمد علی جناح نہ مانے اور اپنی رائے پر قائم رہے۔ چنانچہ شملہ میں جب آپ کے زیر صدارت آخری اجلاس ہوا اور اس میں مقررین کے موافق ناموافق دونوں طرح کی تقریریں ہوئیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی تقریر فرمائی تو اکثر حضرات جداگانہ انتخاب کے حق میں تھے مگر جب رائے حاصل کرنے کا سوال اٹھایا گیا تو صدر جلسہ نے بدیں عذر رائے حاصل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ اجلاس باقاعدہ نہیں۔ حاضرین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو مسلم لیگ کے ممبر نہیں غرض قائد اعظم کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت کس طریقہ انتخاب کے حق میں ہے اور جب انہوں نے اجلاس کے خاتمے پر آخری تقریر کی تو ان کا اٹھنا اور مسکراتے ہوئے یہ کہنا میں کبھی نہیں بھولا کہ مجھے ان تقریروں سے قوم کی اکثریت کا جداگانہ انتخاب کے حق میں معلوم ہو گیا ہے جب ہندوؤں کے سامنے فیصلہ کرنے کا موقع آنے لگا تو میں ان کی اس رائے کا خیال رکھوں گا اور اس شریف انسان نے اپنے اس عہد کو

نہایت احتیاط اور دیانتداری سے پورا کیا ایسی احتیاط اور دیانتداری کہ جس کی مثال آج بہت کم ملتی ہے۔ اور قائداعظم کی حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بچی سیاسی جدوجہد کے ہر معاملہ پر آپ کی بروقت راہنمائی اور امداد کی اس وجہ سے ہمیشہ آپ قدردان رہے۔ جیسا کہ آپ مرحوم نے ...... خط وکتابت میں اپنے جذبات تشکر کا اظہار فرمایا۔''

(ہماری ہجرت اور قیام پاکستان صفحہ ۱۴ تا ۱۶)

سائمن کمیشن

تحریک پاکستان کا ایک اہم مرحلہ سائمن کمیشن تھا۔ ہندوستان کے آئینی مسائل کے حل کے لئے برطانوی حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا ۸/نومبر ۱۹۲۷ء کو قائم ہونے والے اس کمیشن کا مقصد اہل ہند کے مقاصد اور مطالبات کی تحقیقات تھا۔ تاکہ اس رپورٹ کی روشنی میں نئی اصلاحات نافذ کی جاسکیں۔ کمیشن کے ساتوں ممبر انگریز تھے ظاہر ہے کہ ایسے ارکان (ہندوستان جن کا وطن نہیں) ہندوستانی مسائل کے بارے میں ہمدردانہ نقطۂ نظر نہیں رکھ سکتے تھے اور مسائل کی روح اور اس کے پس منظر کو نہیں جان سکتے تھے۔ اس لئے کانگریس اور مسلم لیگ نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کر دیا۔ حضرت مصلح موعود نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ایک کتابچہ ''مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت'' شائع فرما کر مسلمانان ہند کی راہنمائی کے لئے درج ذیل تجاویز پیش کیں۔

۱- انگریزوں کے نزدیک اقلیتوں کی حفاظت کی خاص اہمیت نہیں کیونکہ برطانیہ میں پارٹیوں کی بنیاد سیاسی خیالات پر ہوتی ہے مگر ہندوستان کی پارٹیوں کی بنیاد مذہب پر ہے۔ اس لئے اقلیتوں کی حفاظت پر زور دینا چاہئے۔

۲- دوسری اقلیتوں کو بھی کمیشن کے سامنے اپنے حقوق اور مطالبات پیش کرنے میں مدد دیں تاکہ ہندوؤں کی اجارہ داری ختم ہو۔

۳- جداگانہ انتخاب کو ہندوستان کے اساسی قانون میں درج کیا جائے۔

۴- پنجاب اور بنگال کے صوبوں میں مسلمانوں کو اس قدر حقوق دیئے جائیں کہ ان کی کثرت اقلیت میں نہ بدل جائے۔

۵- صوبہ سرحد کو باقاعدہ صوبہ بنایا جائے اور سندھ کو بمبئی سے علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔

۶- مذہبی آزادی دی جائے۔

۷- زبان کسی قوم کی ترقی کا اہم ذریعہ ہوتی ہے اس لئے مسلمانوں کو اردو زبان اختیار کرنے کی پوری آزادی ہونی چاہئے۔

حضور نے یہ رسالہ اُردو اور انگریزی میں شائع فرمایا اور اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت فرمائی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا کثیر طبقہ کمیشن سے تعاون کرنے کو ضروری سمجھنے لگا۔ حضرت مصلح موعود نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کمیشن کا بائیکاٹ نہ کریں۔ حضور نے دلیل دی کہ ہندوؤں کے مطالبات سے انگریز اچھی طرح واقف ہیں کیونکہ ہوتی

لال نہرو اور سائمن کئی ماہ اکٹھے رہ چکے ہیں اس لئے مسلمانوں کو اپنا نقطۂ نظر کمیشن کے سامنے ضرور پیش کرنا چاہئے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے کمیشن کے لئے احمدیہ وفد تیار کیا جو مسلمانانِ ہند کے حقوق کے لئے کمیشن کو تجاویز پیش کرے۔ احمدیہ وفد ایک مرتبہ گورداسپور میں کمیشن کے سامنے پیش ہوا جو درج ذیل ممبران پر مشتمل تھا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ احمدیہ وفد دوسری بار کمیشن کے سامنے لاہور میں پیش ہوا۔ اس وفد میں پنجاب کے مختلف حصوں سے ۱۶ نمائندے شامل ہوئے جماعت احمدیہ کے کمیشن کے سامنے پیش ہونے پر مسلم لیگ کے سر شفیع گروپ نے بھی کمیشن سے تعاون کا ارادہ کر لیا۔

نہرو رپورٹ

کانگریس کے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے نتیجہ میں مسٹر برکن ہڈ وزیر ہند نے ایک بیان دیا کہ ہندوستانی اس درجہ سے منقسم ہیں کہ وہ کسی متحدہ دستور اساسی پر متفق نہیں ہو سکتے اور کہا اگر وہ حکومت کے قائم کردہ کمیشن کا بائیکاٹ کرتے ہیں تو خود ہندوستان کے لئے مناسب دستور کا خاکہ تیار کر کے دکھاویں۔ کانگریس نے اس چیلنج کو قبول کر لیا۔

۱۲ر فروری ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز کانفرنس طلب کی گئی جس میں ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جو دستور مرتب کرے۔ اس کمیٹی نے جو رپورٹ مرتب کی بعد میں وہ ''نہرو رپورٹ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ رپورٹ خالص ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے تیار کی گئی تھی۔ بعد ازاں ایک کمیٹی نے اس رپورٹ کی منظوری دی۔ اس کمیٹی میں مسلمانوں کے دو اہم نمائندے مولانا شوکت علی اور مولانا حسرت موہانی صاحب تھے رپورٹ کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱- ملک کا نظام وفاق کی بجائے وحدانی تجویز کیا گیا ہے (تا کہ مرکزی حکومت جو ہندوؤں کی ہوگی وہ صوبائی حکومتوں پر دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں ہمیشہ قائم رہے ناقل)

۲- مخلوط انتخابات کا نظام رائج کیا جائے اس سے متحدہ قومیت پیدا ہوتی ہے (یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ مسلمان مخلوط انتخاب کو قبول کر لیں گے)۔

۳- سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے مستقل صوبہ بنایا جائے۔

۴- سرحد اور بلوچستان کو جہاں پہلے ریزیڈینسی سسٹم نافذ تھا اس کی جگہ سرحد اور بلوچستان کو صوبائی اختیارات دے کر دوسرے صوبوں کے مساوی درجہ دیا جائے۔

۵- مسلمانوں کو مرکز میں ایک تہائی نمائندگی دی جائے۔

۱۴ر دسمبر کو آل پارٹیز کانفرنس میں اس رپورٹ کی حتمی توثیق کر دی گئی۔ اس کانفرنس میں مسلم لیگ کا ۲۳ ارکان پر

مشتمل وفد مسٹر جناح کی قیادت میں شریک ہوا۔ مولانا محمد علی جوہر بطور کانگریس کے سابق صدر کے شامل تھے۔ جب مسٹر جناح نے اپنی ترمیمی تجاویز پیش کیں تو انہیں نہایت سختی سے مسترد کر دیا گیا۔

رپورٹ کی منظوری کے بعد حکومت کو نوٹس دیا گیا کہ اگر ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک رپورٹ کو منظور نہ کیا گیا تو سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی۔

نہرو رپورٹ پر تبصرہ

حضرت مصلح موعود کی دور اندیش نگاہیں فوراً اس رپورٹ کے نتائج اور عواقب کو بھانپ گئیں۔ چنانچہ حضور نے اس رپورٹ پر تبصرہ لکھا۔ مسلمانان ہند کو اس رپورٹ کے ضرر رساں نتائج سے آگاہ فرمایا۔ اس کے نمایاں سات نکات درج ذیل ہیں۔

۱- حکومت کا طریق فیڈرل یا وفاقی ہو۔

۲- جن صوبوں میں کسی قوم کی اقلیت کمزور ہو اسے اپنے حق سے زیادہ ممبریاں دی جائیں۔

۳- کم از کم پنجاب اور بنگال میں جداگانہ طریق انتخاب جاری رہے۔

۴- صوبہ سرحد اور بلوچستان کو دوسرے صوبوں کے برابر حقوق دیئے جائیں اور سندھ کو الگ صوبہ بنایا جائے۔

۵- کسی صوبہ میں بھی اکثریت کو اقلیت کی زبان یا اس کی طرز تحریر میں مداخلت کا حق حاصل نہ ہو۔

۶- حکومت مذہب یا مذہب کی تبلیغ میں دخل دینے کی مجاز نہ ہو۔

۷- ان حقوق کو دستور اساسی میں اس وقت تک نہ بدلا جا سکے جب تک منتخب شدہ ممبران میں سے دو تہائی اس کے بدلنے کی رائے نہ دیں۔

چونکہ نہرو رپورٹ شائع ہو کر انگلستان اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکی تھی اس لئے حضرت مصلح موعود نے ''مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ'' کے عنوان سے کتاب تصنیف فرمائی۔ جس میں مسلمانوں کے مطالبات کو ناقابل تردید دلائل کے ساتھ معقول ہونا ثابت کیا۔ اس کتاب کے انگریزی ایڈیشن کی انگلستان میں وسیع پیمانے پر اشاعت کی گئی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی ہال میں ایک اجلاس میں ''India today'' کے موضوع پر تقریریں کی گئیں۔ جس میں امام بیت الفضل لندن مولانا جلال الدین شمس صاحب نے بھی مقالہ پڑھا۔ صدر جلسہ مسٹر فلپس نے اپنے صدارتی ریمارکس میں کہا کہ ''ہم نے جس قدر تقریریں سنی ہیں ان سب سے یہ تقریر زیادہ ٹھوس اور جامع ہے'' سر ہنری نے کہا ''یہ وجوہات نہایت ہی مفید ہیں اور ہر جگہ کی اقلیتوں کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے مشعل راہ بن سکتی ہیں'' اس طرح نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے خلاف اثر کو زائل کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی اور نہرو ہندوستان کے مسلمانوں کے

حقوق غصب کرنے کی کوشش میں بری طرح ناکام ہوئے۔ اس کتاب میں آپ نے مسلمانانِ ہند کی راہنمائی کے سلسلہ میں بہت سی تجاویز پیش کیں وہاں آخر پر آپ نے فرمایا:

> ’’میں اور احمدیہ جماعت اس معاملہ میں باقی تمام مسلمان فرقوں کے ساتھ مل کر ہر قسم کی جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہیں اور میں احمدیہ جماعت کے مضبوط نظام کا اس اسلامی کام کی اعانت کے لئے تمام جائز صورتوں میں تعاون دینے کا وعدہ کرتا ہوں‘‘
>
> (مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ صفحہ ۲ تا ۱۱)

پاکستان کا تصور

جہاں آپ نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی تجاویز بیان فرمائیں وہاں آپ نے مسلمانان ہند کے حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا:

> ’’پس موجودہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے چاہا تھا کہ پنجاب بنگال سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان آزاد اور خود مختار اسلامی صوبے ہوں ...... اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کا مطالبہ ضروری تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس امر کی ضرورت کو تمام دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ جن اقوام کے مذہب اور تمدن میں اختلاف ہو انہیں آزادانہ نشوونما کا موقعہ ضرور ملنا چاہئے ورنہ فساد اور فتنے کا دروازہ وسیع ہو جاتا ہے اور صلح اور امن حاصل نہیں ہوتا۔‘‘ (صفحہ ۶۸)

پھر ہندوستان کی فیڈریشن میں پانچ خودمختار اسلامی صوبوں کی تجویز پیش کی اور زیگوسلوایکا میں نافذ فیڈریشن کی ایک نئی مثال دیتے ہوئے کہا:

> ’’زیگوسلوایکا جس میں نئی قسم کا تجربہ کیا گیا ہے یعنی سارے ملک میں تو فیڈریشن نہیں ہے لیکن اوتھنیا کے علاقہ کو ان لوگوں کے خوف کی وجہ سے کامل خودمختاری حکومت دے دی گئی ہے جس کو کبھی نہ مٹا سکنے کا عہد چیکوسلوا کیہ نے کیا ہے مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اگر اس طریق پر ہندو راضی ہو جائیں یعنی پانچوں مسلم صوبے فیڈریشن کے اصول پر ہندوستان سے ملحق رہیں اور ہندو صوبے مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت رہیں‘‘ (صفحہ ۶۴)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی تجویز کے متعلق جناب ریاض صدیقی صاحب نے لکھا:

’’اس سال ۱۹۲۸ء نہرو رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی فرقے کے راہنما مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ایک واضح تجویز پیش کی۔ بنگال .... شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلمان علاقہ قائم کرنے کا مشورہ دیا............

اقبال کا خطبہ الٰہ آباد اسی تجویز کی تعبیر و تشریح ہے۔ (قرارداد پاکستان کا پس منظر صفحہ ۳۶)

یاد رہے علامہ اقبال کی تجویز میں بنگال شامل نہیں تھا اور تقسیم پنجاب کا مطالبہ علامہ نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں کر دیا تھا۔

حضرت مصلح موعود کی آل پارٹیز کانفرنس شملہ میں تقریر اور آپ کے لیکچروں سے جو آپ نے مسلمانوں کی راہنمائی اور ان کی تنظیم اور ان کے حقوق کے لئے کی۔ مسلمانوں کے نامور لیڈر مولانا محمد علی جوہر صاحب بہت متاثر ہوئے چنانچہ انہوں نے حضور کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے اخبار ہمدرد میں لکھا:

> ''ناشکری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں یہ حضرات اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم تبلیغ میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب کہ اسلام کے لئے بالعموم اور ان کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ثابت ہوگا جن جن اصحاب کو جماعت احمدیہ کے اس جلسہ عام میں جس میں مرزا صاحب موصوف نے اپنے عزائم اور طریق کار پر اظہار خیالات فرمایا ہے شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتے'' (ہمدرد ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

اسی طرح اخبار ''مشرق'' گورکھپور نے لکھا:

> ''اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہے اور خالص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے'' (مشرق گورکھپور ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل

تحریک پاکستان کا ایک اہم مرحلہ گول میز کانفرنس تھی۔ نومبر ۱۹۳۰ء کو پہلی گول میز کانفرنس ہونا قرار پائی اور حکومت نے اعلان کیا کہ کانفرنس میں کوئی خاص سکیم غور کرنے کے لئے معین نہیں کی جائے گی۔ مگر مصلح موعود نے اپنی روحانی اور سیاسی فراست سے آنے والے حالات کو بھانپ لیا اور آپ نے اہل ہند اور خصوصاً مسلمانوں کی راہنمائی

کے لئے ''ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل'' نامی کتاب لکھی اور اُردو اور انگریزی میں اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔صرف دو تاثرات پیش خدمت ہیں:

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے لکھا:

''تبصرہ کے چند مقامات کا میں نے مطالعہ کیا ہے نہایت عمدہ اور جامع ہے''

اخبار انقلاب نے لکھا:

''جناب مرزا صاحب نے اس تبصرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے بڑی بڑی اسلامی جماعتوں کا کام تھا جو مرزا صاحب نے انجام دیا''

(انقلاب ۱۹۳۰ء)

۱۹۳۳ء میں برصغیر کی سیاسی فضا پر ہندو نواز کانگریس اور کانگریس کی حاشیہ بردار مسلم جماعتیں چھائی ہوئی تھیں۔ برطانوی حکومت اور کانگریس میں مفاہمت ہو چکی تھی مگر مسلمانان ہند قیادت عظمیٰ سے محروم ہونے کے باعث سخت پریشان اور شکستہ خاطر ہو چکے تھے اور ان کا سیاسی سفینۂ حیات خوفناک طوفانوں کی زد میں تھا۔قائد اعظم محمد علی جناح ہندوستانی سیاست سے دلبرداشتہ ہو کر ہندوستان چھوڑ کر لندن میں رہائش اختیار کر چکے تھے۔

قائداعظم کے اس فیصلہ سے کانگریس اور کانگریس نواز مسلمان تنظیموں جمعیت العلماء اسلام اور احرار اسلام وغیرہ کی باچھیں کھل گئیں کیونکہ وہ ایک عرصے سے کانگریس کے اشارے پر قائداعظم کو ہندوستان کی سیاست سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ ہندو جانتا تھا کہ مسلمانوں کے پاس ایک عظیم دماغ رکھنے والا با اصول اور باہمت لیڈر قائداعظم کی صورت میں موجود ہے حضرت مصلح موعود کی عظیم شخصیت ہی تھی جس کا دل مسلمانوں کی اس محرومی پر تڑپ اٹھا۔آپ نے قائداعظم محمد علی جناح کو واپس ہندوستان لانے کے لئے انگلستان میں احمدیہ مشن کے امام مولانا عبدالرحیم درد ایم۔اے کو منتخب فرمایا چنانچہ درد صاحب ۲۳/مارچ ۱۹۳۲ء کو دوبارہ انگلستان تشریف لے گئے اور اپنے امام کی ہدایت اور منشاء کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح سے متعدد ملاقاتیں کیں آخر کار قائداعظم کو ہندوستان واپسی کے لئے آمادہ کر ہی لیا قائداعظم نے فرمایا وہ ہندوستانی سیاست سے دست کش ہو چکے ہیں درد صاحب نے ان کے لئے احمدیہ مشن بیت الفضل میں تقریر کا انتظام کر دیا چنانچہ ۶/اپریل ۱۹۳۳ء کو قائداعظم نے India of the future ''ہندوستان کے مستقبل'' پر تقریر فرمائی۔قائداعظم نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا The eloquent persuation of the Imam left me no escape ایک مذہبی جماعت کے مرکز میں ایک سیاسی تقریر کو اخبارات نے بہت اہمیت دی سر اڈوائر، مکلیگن وغیرہ کے علاوہ دیگر مشہور ارباب سیاست اور سفراء بھی اس تقریب میں شریک ہوئے۔

اس تقریب کو وسیع پیمانے پر اخبارات نے شہرت دی۔

(سنڈے ٹائمز لندن ۷/اپریل ۱۹۳۳ء، مدراس میل ۷/اپریل ۱۹۳۳ء، ہندوستینڈرڈ ۷/اپریل ۱۹۳۳ء، سٹیٹ مین کلکتہ ۸/اپریل ۱۹۳۳ء)

تحریک پاکستان کے مایہ ناز بزرگ صحافی میاں محمد شفیع (م۔ش) قائد اعظم کو واپس ہندوستان لانے کے سلسلہ میں درد صاحب کی کوششوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> "So disgusted was Mr.Jinnah with washing of the dirty linen Indian politics in public by the leaders of Indian public opinion that he decided to retire from Indian politics and in token thereof took his abode in London. It was Mr. Liaquat Ali Khan and Maulana Abdur Rahim Dard, an imam of London Mosque, who persuaded Mr. M.A Jinnah to change his mind and return home to play his role in the national politics. Consequently, Mr. Jinnah returned to India in 1934 and was elected to the Central Assembly, unoppposd.

(پاکستان ٹائمز ۱۱/ستمبر ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۱ کالم نمبر ۱، قائد اعظم سپلیمنٹ)

ترجمہ: مسٹر جناح ہندوستان کی گندی سیاست سے اسقدر بددل ہو گئے اور رائے عامہ کے ہندوستانی لیڈروں سے اتنے برگشتہ خاطر ہوئے کہ انہوں نے ہندوستانی سیاست سے ریٹائر ہونے کا فیصلہ کر لیا اور انہوں نے لندن میں قریباً ہمیشہ کے لئے قیام کر لیا۔ یہ مسٹر لیاقت علی خاں اور مولانا عبدالرحیم درد امام (بیت الفضل) لندن ہی تھے جنہوں نے مسٹر محمد علی جناح پر زور دیا کہ وہ اپنا ارادہ بدلیں اور وطن واپس آ کر قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کریں اس کے نتیجہ میں مسٹر جناح ۱۹۳۴ء میں ہندوستان آئے اور مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔

قائد اعظم کی واپسی کے بعد حضرت مصلح موعود کا آپ کے ساتھ رابطہ رہا۔

۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد لاہور جس کو بعد میں قرارداد پاکستان کہا جانے لگا اس اہم موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے جماعت کا دو افراد پر مشتمل وفد مولانا عبدالرحیم نیر صاحب اور مولانا محمد یار عارف صاحب سابق نائب امام لندن مشن کو بھجوایا جس نے اس اہم موقعہ پر بھرپور حصہ لیا۔

قرارداد لاہور کی منظوری کے بعد سر سٹیفورڈ کرپس نے ہندوستان آ کر آزادی ہند کا ایک جدید فارمولا پیش کیا جس کو مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے مسترد کر دیا جس سے صورتِ حال بہت خراب ہو گئی۔ حضرت مصلح موعود نے

۱۲؍جنوری ۱۹۴۵ء کو ایک خطبہ جمعہ کے ذریعہ انگلستان اور ہندوستان دونوں کو مفاہمت و مصالحت کی دعوت دی۔

(الفضل ۱۷؍جنوری ۱۹۴۵ء)

اسی طرح حضرت مصلح موعود نے ۲۲؍جون ۱۹۴۵ء کے خطبہ جمعہ میں مسلمانوں اور ہندو لیڈروں کو نہایت درد کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ انگلستان صلح کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہے اس پیشکش کو قبول کر کے آئندہ نسلوں پر احسان عظیم کرتے ہوئے مفاہمت کی صورت نکالیں۔ حضور کا یہ خطبہ جمعہ انگریزی ترجمہ کر کے ہندوستانی سیاسی لیڈروں تک پہنچایا گیا۔

مشہور اہلحدیث عالم جناب مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اپنے اخبار ''اہلحدیث'' میں شائع کیا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> ''یہ الفاظ کس جرأت اور حیرت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کانگریسی تقریروں میں اس سے زیادہ نہیں ملتے۔ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا جذبہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا''
>
> (اہلحدیث امرتسر ۶؍جولائی ۱۹۴۵ء صفحہ ۴)

انتخابات ۱۹۴۵ء کے دوران مسلم لیگ کی پُرجوش حمایت

ہندوستانی سیاسی لیڈروں کی کانفرنس ۲۵؍جون تا ۱۶؍جولائی ۱۹۴۵ء جاری رہی مگر کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی آخر میں ہندوستان میں انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ قائداعظم کی مخالفت میں کانگریس کے سدھائے ہوئے علماء نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مرکزی اور صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کامیاب نہ ہو سکے اس اہم موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے ۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک مفصل مضمون میں درج ذیل اعلان کیا:

> ''آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی تائید کرنی چاہئے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف و تردد کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اگر ہم نے اور دوسری (مذہبی) جماعتوں نے ایسا نہ کیا تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ چالیس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی عقلمند اس حالت کی ذمہ داری اپنے سر پر لینے کو تیار ہو۔'' (الفضل ۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

حضرت مصلح موعود نے جہاں جماعت احمدیہ کے افراد کو تاکید فرمائی کہ وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب کروائیں وہاں اس امر کی تاکید کی جہاں وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر سکتے ہیں ان کے ووٹ بھی مسلم لیگ کے لئے

حاصل کریں۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے افراد جماعت اپنے شدید مخالفین مثلاً مولانا ظفر علی خان کے حق میں انتخابی سرگرمیاں سرانجام دیتے رہے۔ حضرت مصلح موعود نے مسلم لیگ کی حمایت کے سلسلہ میں جو ہدایات جماعت کو فرمائیں تھیں۔ قائداعظم نے ۸؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کے ڈان میں انہیں شائع کروادیا۔ جس کی شہادت میں ممتاز مسلم لیگی اور تحریک پاکستان کے راہنما سردار شوکت صاحب اپنی کتاب The Nation that lost its soul میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: ملتان، ڈیرہ غازی خان، ہوشیارپور، امرتسر، بٹالہ، گورداسپور، اٹک، پنڈی اور سرگودھا میں تمام علاقے میری ان حدود میں شامل تھے جہاں میں دن رات سفر کرتا اور انتخابی مہم کے جلسوں سے خطاب کرتا اور مسلم لیگی امیدواروں کی مدد کرتا تھا۔ اس دوران میرا معمول تھا کہ اپنے روزانہ پروگرام کی ایک کاپی قائداعظم کو ارسال کردیتا تھا۔ ایک روز مجھے قائداعظم کی طرف سے پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا:

> ’’شوکت مجھے معلوم ہے کہ تم بٹالہ جارہے ہو اور میرا خیال ہے کہ بٹالہ سے قادیان پانچ میل دور ہے مہربانی کرکے تم وہاں جاؤ اور قادیان کے حضرت صاحب سے درخواست کرو کہ وہ پاکستان کے لئے دعا کریں اور پاکستان کے لئے عملاً مدد بھی کریں‘‘

بٹالہ میں جلسہ عام کے ختم ہونے کے بعد آدھی رات کے وقت میں قادیان پہنچا مجھے بتایا گیا کہ حضرت صاحب تو سوچکے ہیں۔ میں نے انہیں پیغام بھجوایا کہ میں آپ کے لئے قائداعظم کا پیغام لے کر آیا ہوں جونہی یہ پیغام بھجوایا گیا وہ فوری طور پر اٹھ کر آگئے اور آتے ہی مجھ سے پوچھا کہ

> ’’قائداعظم نے میرے لئے کیا احکامات دیئے ہیں .... میں نے انہیں قائداعظم کا پیغام دیا کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں اور تحریک پاکستان کی مدد بھی کریں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ قائداعظم کو ہماری طرف سے بتادیں کہ ہم پاکستان کے لئے دعائیں کررہے ہیں اور پوری طرح تحریک پاکستان کی مدد کررہے ہیں اور جہاں تک میرے پیروکاروں کا تعلق ہے کوئی احمدی کسی مسلم لیگی امیدوار کی مخالفت یا اس کا مقابلہ نہیں کرے گا اور کہیں ایسا ہو بھی گیا تو ہماری جماعت ایسے لوگوں کی حمایت نہیں کرے گی یہی وجہ ہے کہ سیالکوٹ ضلع سے میاں ممتاز محمد خان دولتانہ جماعت احمدیہ کے مقامی امیر کے مقابلہ میں بڑی بھاری اکثریت سے جیت گئے‘‘
>
> (باب ۵ صفحہ ۱۴۷)

مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت کیلئے جدوجہد

پارلیمانی مشن نے وائسرائے ہند کے مشورے سے ۱۶؍جون ۱۹۴۶ء کو ملک میں ایک عارضی حکومت کے قیام کا

اعلان کیا اس میں شمولیت کے لئے مسلم لیگ اور کانگریس کے لیڈروں کو دعوت نامے جاری کر دیئے اور اعلان کیا کہ جو پارٹی عبوری حکومت میں شامل نہیں ہوتی اس کو رد کر کے دوسری پارٹی کو حکومت دے دی جائے گی۔ مسلم لیگ نے ایک قرارداد کے ذریعے عبوری حکومت میں شرکت پر آمادگی ظاہر کر دی مگر کانگریس نے انکار کر دیا۔ اس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے بیان دیا:

> ''مشن نے اعلان کیا تھا کہ اگر عارضی حکومت کے متعلق کسی پارٹی نے ہماری تجاویز منظور نہ کیں تو پھر ہم حکومت قائم کر دیں گے اس اعلان کے مطابق اب اس کا فرض ہے کہ وہ کانگریس کو چھوڑ کر باقی پارٹیوں کے ساتھ عارضی حکومت قائم کر دے''

(الفضل ۲۸ / جون ۱۹۴۶ء صفحہ ۳)

وائسرائے کا خیال تھا کہ مسلم لیگ دعوت رد کر دے گی جبکہ مسلم لیگ نے دعوت قبول کر لی جس سے انگریز کے سارے منصوبے پر پانی پھر گیا۔ کانگریس کے بغیر انگریز کوئی نظام قائم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت کوششوں کے بعد کانگریس کو تیار کیا تو اس صورت حال میں مسلم لیگ نے انکار کر دیا۔ اس مشکل صورت حال میں مسلم لیگ کا مستقبل بظاہر تاریک نظر آنے لگا اس صورت حال میں حضرت مصلح موعود نے اپنے خدام سمیت ۲۳ ستمبر تا ۱۴ / اکتوبر ۱۹۴۶ء دہلی میں قیام فرمایا اس دوران آپ نے قائد اعظم محمد علی جناح، نواب صاحب بھوپال، خواجہ ناظم الدین، سردار عبدالرب نشتر، نواب سر احمد سعید چھتاری کے علاوہ گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی تبادلہ خیال کیا۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول کو خط لکھا کہ ان حالات میں جماعت احمدیہ کی تمام تر ہمدردی مسلم لیگ کے ساتھ ہے حضرت مصلح موعود کی دعاؤں اور مادی تدابیر نے بالآخر کامیابی کی راہ کھولی اور وائسرائے نے سارے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ پر مشتمل عبوری حکومت معرض وجود میں آئی۔

خضر وزارت کے استعفیٰ کی کامیاب کوشش

حالات قیام پاکستان کی طرف تیزی سے جا رہے تھے۔ جب کہ پنجاب میں مسلمانوں اور ہندوؤں پر مشتمل یونینسٹ پارٹی کی حکومت سر خضر حیات ٹوانہ کی صورت میں موجود تھی۔ جو قیام پاکستان کے سلسلے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ حضرت مصلح موعود نے اس سلسلہ میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ذریعہ کوششیں شروع کر دیں۔ بالآخر خضر وزارت کے استعفیٰ کی صورت میں واضح ہوگئی۔ جبکہ مسلم لیگ ان کے خلاف احتجاج اور جلسے جلوس کر کے ناکام ہو چکی تھی۔ خضر وزارت کے استعفیٰ کی خبر دیتے ہوئے انگریزی اخبار ٹریبون نے یہ الفاظ شائع کئے:

''ترجمہ: معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خاں صاحب نے یہ فیصلہ سر محمد ظفر اللہ

خان صاحب کے مشورہ اور ہدایات کے مطابق کیا ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کی تازہ ایجی ٹیشن کے دوران جماعت احمدیہ کے امام نے خضر حیات خاں کو خط لکھا کہ وہ مسلم لیگ کے سامنے جھک جائیں۔ یہ خط سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ذریعے بھیجا گیا تھا۔ جنہوں نے اپنے امام کی ہدایت کی پُر زور تائید کی۔ ملک خضر حیات صاحب نے سر ظفر اللہ خاں کو لاہور مشورہ کے لئے بلایا جس کے بعد ملک صاحب نے وہ بیان دیا کہ جو اخبارات میں شائع ہوا۔

(ٹربیون ۵/مارچ ۱۹۴۷ء بحوالہ الفضل ۶/مارچ ۱۹۴۷ء)

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کے سلسلہ میں حضرت مصلح موعود نے قائداعظم سے جو خط وکتابت فرمائی اس میں سے دو خطوط درج ذیل کیے جاتے ہیں:

8, York Road,

New Dehli

6.10.46

Dear Mr. Jinnah,

Assalam-o-Alaikum.

I am very glad to hear that after all the present negotiations are nearing a settlement. I have all along been of the opinion that though we should never lose sight of our ideal or slacken our struggle for it we should at the same time be ready to accept a compromise (for Islam allows compromise on such occasions) provided it is honourable and leaves us free to continue lawful struggle for further achievement. This is what is popularly known as accepting a thing under protest. As the interim government has immense power for good and evil I was naturally very anxious that some way might be found for the Muslims to get in and I am glad that your good handling of the situation and the co-operation of influential friends have made that possible.

If no further hitch crops up and a settlement is finally reached, which we all hope and pray for, I would draw your attention to the great need of strengthening and expanding the organization of the Muslim League. To begin with five things seem to be essential:

1. Organizing the Centre, the Provinces and the Districts on a firmer and more representative basis.
2. Laying out a scheme for premanent funds and ensuring premanent income.
3. Strengthening Muslim Press at the Centre and in Provinces.
4. Setting up Central League Organization for helping Muslims in the fields of commerce, industry etc.
5. Extending and consolidating foreign relations.

There is, of-course, a very vast field of work but even if a modest beginning is made the foundation will be laid for future progress and prosperity. May God help you.

The expanded organization will be beneficial in another way also. There is at present a fairly large number of capable Muslims who are ready or rather eager to serve the cause of Islam and Muslims in India. The expanded organization will open the door for absorbing them; otherwise they might become gradually alienated and even discontented and some of them may eventually turn out to be a source of mischief.

I did not perhaps inform you that the very day I met you I

sent a note to H.E. the Viceroy telling him that the Muslim League demands had the full sympathy and support of my community.

Sd/-

(Mirza B. Mahmud Ahmad)

۸-پارک روڈ۔نئی دہلی۔

۶/اکتوبر۱۹۴۶ء

السلام علیکم

مجھے یہ سُن کر بے حد مسرت ہوئی کہ آخرکار موجودہ گفت وشنید تصفیہ کے آخری مراحل میں ہے۔ اس دوران میں مَیں اس رائے پر پختگی سے قائم رہا ہوں کہ ہمیں ہرگز اپنے نصب العین کو بھولنا نہیں چاہئے اور نہ اس کے حصول کے لئے اپنی جدوجہد میں کمزوری دکھانی چاہئے لیکن ہمہ وقت سمجھوتے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔ کیونکہ اسلام ایسے موقعوں پر سمجھوتہ کرنے کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ ایسا سمجھوتہ باعزت ہو اور ہمارے آگے بڑھنے کے لئے آئینی جدوجہد کا رستہ کھلا رہے۔تا کہ ہم مستقبل میں اپنے مطمحِ نظر کے حاصل کرنے میں فائز المرام ہوسکیں۔یہی وہ امر ہے جسے عُرفِ عام میں ''زیرِ احتجاج'' قبول کرنا کہتے ہیں۔چونکہ عبوری حکومت کو نیک وبد کرنے کے وسیع اختیارات دے دیئے گئے ہیں اس لئے قدرتی طور پر مجھے بے حد تشویش ہوئی کہ کوئی ایسا راستہ نکالا جائے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان حکومت میں شامل کئے جائیں۔تاہم مجھے مسرت ہوئی کہ آپ نے موقعہ کی نزاکت کو بڑی عقلمندی اور فراست سے سنبھال لیا اور بااثر دوستوں کے تعاون سے یہ ممکن ہوسکا۔

اگر کوئی مزید رکاوٹ اچانک پیدا نہ ہوگئی اور تصفیہ بالخیر طے پا گیا (جس کی ہمیں اُمید ہے اور مَیں دُعا گو بھی ہوں) تو مجھے آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانی ہے کہ مسلم لیگ کی تنظیم وتوسیع کی اشد ضرورت ہے۔اس کے لئے مندرجہ ذیل پانچ امور پر اساس قائم کی جائے:

۱- مرکزی تنظیم وترتیب میں استحکام پیدا کیا جائے۔صوبوں اور اضلاع کو تنظیم میں مضبوطی اور زیادہ سے زیادہ نیابت دی جائے۔

۲- مستقل فنڈز قائم کرنے کی سکیم بنائی جائے اور مستقل آمد کے لئے یقینی صورت پیدا کی جائے۔

۳- مرکز اور صوبائی سطح پر مسلم پریس کو مضبوط کیا جائے۔

۴- لیگ کی مرکزی تنظیم کا ایسا نظام قائم کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کو تجارت اور صنعت کے میدان میں ترقی کے مواقع بہم پہنچائے۔

۵- بیرونی تعلقات وسیع اور اُستوار کئے جائیں۔

لاریب (کام کرنے کا) نہایت وسیع میدان موجود ہے۔ تاہم اگر اب سیدھی سادی ابتداء کی داغ بیل ڈال دی جائے تو مستقبل میں ترقی و خوشحالی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس تنظیم کی وسعت پذیری ایک اور رنگ میں بھی خوش آئند ہو سکتی ہے وہ یہ کہ موجودہ دَور میں ایک کافی تعداد قابل اور صاحب دانش و فہم مسلمانوں کی ایسی ہے جو اسلام اور مسلمانانِ ہند کی خدمت کے لئے بطیبِ خاطر اور ذوق شوق سے اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس توسیع شدہ تنظیم کو چاہئے کہ ایسے آمادہ بہ کار لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے دروازے وا کر دے۔ ورنہ رفتہ رفتہ یہ لوگ برگشتہ ہو جائیں گے بلکہ ان میں سے بعض غیر مطمئن ہو کر شر پسندی اور فساد کا موجب بن سکتے ہیں۔

مَیں شاید اس سے قبل آپ کو مطلع نہیں کر سکا کہ اُسی روز جس دن مَیں نے آپ سے ملاقات کی تھی مَیں نے ہزایکسی لینسی وائسرائے کو ایک خط بھجوا دیا تھا جس میں انہیں لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے تمام مطالبات کے ساتھ مجھے اور میری جماعت کو پورا پورا تعاون اور حمایت حاصل ہے۔

آپ کا مخلص

(دستخط مرزا بشیر الدین محمود احمد)

Qadian

Oct. 27, 1946

Dear Mr. M. A. Jinnah,

Assalam-o-Alaikum.

The new allotment of portfolios has been announced. Though their distribution is not equitable yet I must congratulate you on your successful efforts. The important portfolios like Defence, External Affairs, Home etc. are still with the Congress. One of them especially the Defence or the Supply ought to have been

given to the Muslim League. However, the Muslim League representatives will follow your advice and work assiduously till the rights of Muslims are fully secured. May Allah help you in your great task and lead you to the right path, Amen.

Yours Sincerely,

Sd/-

(M.B. Mahmud Ahmad)

قادیان

۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۶ء

ڈیئر مسٹر ایم۔اے۔جناح

السلام علیکم۔

قلمدانِ وزارت کی نئی تشکیل کا اعلان ہو چکا ہے۔اگرچہ ان کی تقسیم منصفانہ اور معقول نہیں ہے۔تاہم مَیں آپ کو آپ کی کامیاب مساعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔بعض اہم وزارتیں مثلاً دفاع، امور خارجہ، امور داخلہ وغیرہم اب بھی کانگرس کے ہاتھوں میں ہیں۔ان میں سے خصوصاً ایک یعنی دفاع یا رسد کا محکمہ مسلم لیگ کو تفویض کرنا چاہئے تھا۔تاہم مسلم لیگ کے نمائندے آپ کی ہدایت کے تابع رہیں گے اور اُس وقت تک تندہی اور محنت سے کام کرتے رہیں گے۔جب تک کہ مسلمانوں کے حقوق کا کلی طور پر تحفظ نہیں ہو جاتا۔اللہ تعالیٰ آپ کی عظیم مساعی میں برکت ڈالے اور صحیح رستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

آپ کا مخلص

دستخط (مرزا بشیر الدین محمود احمد)

(تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۲ تا ۴۶۴ ایڈیشن اول)

باؤنڈری کمیشن میں مسلم حقوق کی حفاظت

۳۰؍جون ۱۹۴۷ء کو باؤنڈری کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا گیا۔پنجاب اور بنگال کی تقسیم ریڈکلف کے سپرد کی گئی۔مسلم لیگ کا تو پورے پنجاب کا مطالبہ تھا اس طرح پورے بنگال کا بھی مطالبہ کر رہی تھی۔وائسرائے نے سراسر بددیانتی

کرتے ہوئے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا فیصلہ کیا ہندو پنجاب اور بنگال کا کم سے کم حصہ مسلمانوں کو دینا چاہتے تھے جبکہ مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ حصہ کے حصول کے لئے کوشاں تھی ۔ جماعت احمدیہ نے مسلم لیگ کے اشارے پر مسلم لیگ کی حمایت میں الگ میمورنڈم پیش کیا تا کہ زیادہ سے زیادہ علاقہ پاکستان کے حصے میں آئے ۔ حضرت مصلح موعود نے اس سلسلہ میں سرحدی امور کے سلسلہ میں نہایت قیمتی لٹریچر اور کتب امریکہ اور یورپ سے منگوائیں جبکہ برطانیہ سے ایک ماہر اور ممتاز جغرافیہ دان ڈاکٹر اوسکر ایچ کے سپیٹ (Dr. O.H.K. Sate) کی خدمات بھی حاصل کیں ۔ جنہوں نے لندن سے ہندوستان پہنچ کر ہر ممکن مدد کی ۔ مسلم لیگ کے کیس کو قائد اعظم کی ہدایت پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب پیش کر رہے تھے ۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن کا اجلاس ۲۶ر جولائی تا ۳۰ر جولائی ۱۹۴۷ء لاہور میں ہوا۔ اس سارے موقع پر حضرت مصلح موعود اجلاس میں موجود رہے اور اپنے قیمتی مشوروں سے وکلاء کو نوازتے رہے ۔ جواہر لال نہرو اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے سازش کرتے ہوئے پنجاب کا ضلع گورداسپور ہندوستان کو دے دیا تا کہ کشمیر کے لئے ہندوستان کو ایک راستہ مل جائے ۔

اس غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجہ میں بیس لاکھ کے قریب مسلمان قتل و غارت کا شکار ہوئے ۔ حضرت مصلح موعود کی ہدایات پر قادیان میں ایک مہاجر کیمپ قائم کیا گیا جس میں ایک لاکھ کے قریب مہاجر رہائش رکھتے تھے ۔ ان کو خوراک اور رہائش جماعت احمدیہ دیتی رہی تا وقتیکہ ان مہاجرین کا پاکستان آمد کا انتظام ہو گیا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مصلح موعود نے استحکام پاکستان کے سلسلہ میں لاہور، کراچی ، پشاور، کوئٹہ اور حیدر آباد میں لیکچر دیئے کہ ہم پاکستان کا استحکام کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں ۔ جس میں فوجی امور، اقتصادی اور مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلہ میں اہم تجاویز اور مشورے دیئے گئے تھے ۔

حکومت آزاد کشمیر کا قیام اور مجاہدین کشمیر کے لئے گرم ملبوسات کی تحریک

حضرت مصلح موعود کا تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ آپ نے قیام پاکستان کے ساتھ ہی آزاد کشمیر حکومت کے لئے کوششوں کا آغاز فرمایا جس کے نتیجہ میں ۱۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو راولپنڈی میں آزاد کشمیر حکومت کا قیام عمل میں آیا ۔ جس کے پہلے صدر حکومت خواجہ غلام نبی گلکار قرار پائے جن کو ”انور“ کا نام دیا گیا ۔ جس نے آزادی کے لئے مجاہدین کو کشمیر میں بھیجا ان مجاہدین کی ضروریات میں سے اہم ضرورت گرم ملبوسات کا مہیا کرنا تھا۔ آپ نے اس اہم موقعہ پر پاکستان کے عوام سے اپیل کی ۔ کشمیر میں مجاہدین اپنی آزادی کے لئے جدوجہد میں مصروف عمل ہیں اور ہندوستان کے خلاف برسر پیکار ہیں ۔ سردیاں آن پہنچی ہیں مگر مجاہدین موزوں لباس سے محروم ہیں اور انہیں گرم جرابوں، سویٹروں، بوٹوں، پٹیوں، کمبلوں اور دیگر لباس کی ضرورت ہے ۔ آپ نے ۲۱ر نومبر ۱۹۴۷ء کو مجاہدین کشمیر کے لئے

اعانت کی بھرپور اور پرزور اپیل کرتے ہوئے فرمایا:

''کشمیر کا مستقبل پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے آج اچھا کمانے اور اچھا پہننے کا سوال نہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کو خود فاقے رہ کر اور ننگے رہ کر بس پاکستان کی مضبوطی کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور ہم پاکستان کے رہنے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آزادی کشمیر کی جدوجہد میں حصہ لینے والوں کی کمبلوں، گرم کوٹوں، برساتی کوٹوں، زمین پر بچھانے والی رضائیاں، برفانی کوٹوں، گرم جرابوں اور گرم سویٹروں سے امداد کریں۔''

حضور کی اس اپیل کو دیگر اخبارات نے بھی شائع کیا۔ یاد رہے حضرت مصلح موعود نے یہ اپیل اس وقت کی جب دوسرے لوگ یہ فتوے جاری کر رہے تھے کہ جہاد کشمیر ناجائز اور حرام ہے۔

آزادی کشمیر کے سلسلہ میں فرقان فورس کا قیام

قیام پاکستان کے موقعہ پر وائسرائے نے نہرو کے ساتھ سازباز کرکے کشمیر پر ہندوستان کا قبضہ کروا دیا جس کے نتیجہ میں کشمیریوں کی زندگی اجیرن ہوگئی۔ حکومت پاکستان کے مطالبہ پر آپ نے فرقان فورس کے قیام کی ہدایات دیں۔ اس فورس میں زندگی کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ جب تک حکومت پاکستان کو اس کی ضرورت رہی یہ بٹالین خدمات سرانجام دیتی رہی۔ اس بٹالین کو ختم کرنے کے موقع پر کمانڈر انچیف کی طرف سے فرقان فورس کی خدمات کا شکریہ ادا کیا گیا۔

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں حمایت

۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہندوستان کی افواج پاکستان کی سرحدوں پر حملہ آور ہوئیں تو حضرت مصلح موعود نے صدر پاکستان کی خدمت میں اپنی مکمل حمایت وتائید کا ٹیلی گرام بھجوایا:

''مجھے یہ معلوم کرکے انتہائی دکھ اور صدمہ ہوا ہے کہ بھارتی حکومت نے بزدلانہ طور پر ہماری مقدس سرزمین پر جارحانہ حملہ کیا ہے امتحان وآزمائش کے موجودہ وقت میں پوری کی پوری قوم فرد واحد کی طرح آپ کے پیچھے ہے۔

میں اپنی طرف سے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کو دل وجان کے ساتھ مکمل تعاون اور مدد کا یقین دلاتا ہوں۔ اس نازک موقع پر ہم ہر مطلوب قربانی بجالانے کا عہد کرتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے بے پایاں فضل کے نتیجہ میں اپنی خاص راہنمائی سے آپ کو نوازے اور ہم سب کو اپنے وطن عزیز کا دفاع کرنے کی طاقت وہمت عطا

فرمائے یہاں تک کہ ہم اس کے فضل سے کلی طور پر فتح یاب ہوں اور ہمارے کشمیری بھائی آزادی سے ہمکنار ہوں۔ آمین

احباب جماعت احمدیہ کے نام پیغام

''آپ کو علم ہے کہ ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے اور پاکستان میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا ہے میں پاکستان کے تمام احمدیوں کو یہ ہدایت دیتا ہوں کہ وہ اپنی شاندار روایات کو قائم رکھتے ہوئے حکومت پاکستان سے ہر طرح تعاون کریں اور استحکام پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانیاں بشاشت سے پیش کرتے ہوئے حب الوطنی کا ثبوت دیں اور اپنے رب رحیم سے دعائیں بھی کریں اور کرتے رہیں کہ ہمارا وہ مہربان خدا حق وصداقت اور انصاف کی فتح کا دن ہمیں جلد تر دکھلائے۔

''کوئی احمدی مرد اور عورت اپنے شہر قصبہ اور گاؤں کو ہرگز نہ چھوڑے سوائے اس کے کہ حکام وقت دفاعی مصالح کے پیش نظر ان مقامات کو خالی کروانا چاہتے ہوں۔

دعاؤں اور قربانیوں کے ساتھ اپنے محبوب وطن کو مستحکم اور ناقابل تسخیر بنادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام

مرزا بشیر الدین محمود احمد''

جب صدر پاکستان فوجی دفاعی فنڈ کا اجراء کیا تو جماعتی ادارہ جات نے دل کھول کر اس میں حصہ لیا اور افراد جماعت نے بھی انفرادی طور پر فراخ دلی سے اس فنڈ میں رقومات ادا کیں۔

حضرت مصلح موعود نے مسلمانانِ ہند کے حقوق کی جنگ کا جو آغاز ۱۹۱۷ء سے فرمایا تھا اس مبارک کام کو پوری تندہی، سرگرمی اور جانفشانی سے ساری عمر جاری رکھا اور اپنی مبارک کوششوں کا ثمرہ قیام پاکستان کی صورت میں دیکھ کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوئے۔

سیّدنا حضرت فضل عمر المصلح الموعود

کا ایک غیر مطبوعہ مکتوبِ گرامی حضرت اماں جان کے نام

ذیل میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی..... کے دست مبارک سے لکھے ایک مکتوب کا چربہ دیا جارہا ہے۔ یہ خط حضور نے حضرت اماں جان کے نام تقسیم برصغیر کے پُرآشوب ایام میں تحریر فرمایا تھا۔

No dated

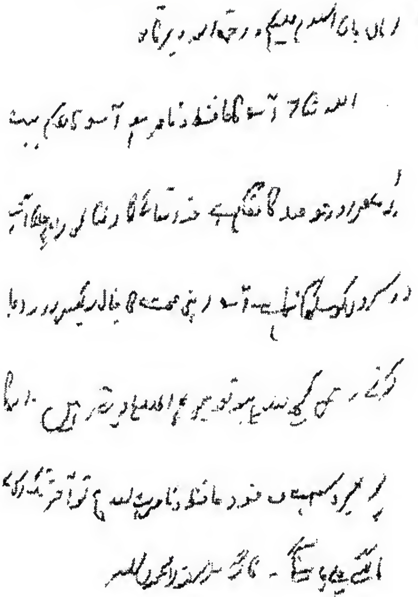

اماں جان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو آپ کا مقام بہت بڑے صبر اور حوصلہ کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ پر چلنا آپ نے دوسروں کو سکھایا ہے۔ آپ اپنی صحت کا خیال رکھیں اور دعائیں کرتی رہیں کچھ معلوم ہو تو ہمیں بھی اطلاع دیتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے وہ خود حافظ و ناصر ہے اور ہم تو آخر تک اس سے خیر مانگتے چلے جائیں گے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

مرکز ربوہ کی ابتداء صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے دفاتر خیموں میں

ربوہ میں پہلی نماز 20 ستمبر 1948ء

ربوہ کے ابتدائی ایام

رت مصلح موعود دفتر مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد دعا کرتے ہوئے (20 فروری 1956

حضور سنگ بنیاد مبارک ربوہ رکھتے ہوئے

ت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی، مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب، مکرم جبزادہ مرزا منور احمد صاحب حضور انور کے س

”وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ“

سیّدنا حضرت مصلح موعود کا عظیم الشان کارنامہ

پاکستان میں نئے مرکزِ احمدیت کا قیام

(مکرم محمد محمود طاہر صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد الہامات اور رؤیا وکشوف میں ہجرت کا اشارہ ملتا ہے۔ ۸/ستمبر ۱۸۹۴ء کو آپ کو الہام ہوا ”داغ ہجرت“ (تذکرہ صفحہ ۲۱۸) بعض مشکلات اور نا مساعد حالات میں آپ نے قادیان سے ہجرت کا ارادہ بھی ظاہر فرمایا اور آپ کے محبین نے آپ کو بھیرہ، لاہور، سیالکوٹ اور چک پنیار میں ہجرت کر کے جانے اور اپنے قیام کے لئے جگہ کی پیشکش کرنے کی سعادت پائی لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ جب اذن ہوگا تب ہجرت ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض رؤیا نبی کے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعہ سے پورے ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصر وکسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے“۔ (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۳۶۲)

یہ مشیتِ ایزدی تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود کو جو ہجرت کی خبر دی گئی وہ آپ کے متبع کامل اور پسر موعود حضرت فضل عمر کے بابرکت دور میں پوری ہوئی۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کے وقت جماعت کو اپنے دائمی مرکز قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا۔

پسر موعود کی علامات مذکورہ پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں یہ علامت بھی موجود تھی:

”وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنی سمجھ نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ“

(تذکرہ صفحہ: ۱۱۰)

اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ایک عظیم الشان موقع نئے مرکز احمدیت کا قیام ہے۔ جو اولوالعزم خلیفہ سیدنا حضرت مصلح موعود کا ایک عظیم المرتبت کارنامہ ہے۔ جب تقسیم ہند کے نتیجہ میں بکھری ہوئی جماعت کو پھر ایک جگہ جمع کر کے اشاعتِ دین کے فریضہ کو دوبارہ اسی شان وشوکت کے ساتھ شروع کر دیا گیا جس طرح یہ سلسلہ قادیان میں جاری تھا۔

دارالہجرت حضرت مصلح موعود کی دوربین نگاہ اور آپ کی اولوالعزم قیادت کا آئینہ دار ہے۔ حضور بیان فرماتے ہیں:

> ”یہاں (پاکستان) پہنچ کر میں نے پورے طور پر محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک درخت کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا ہے۔ یعنی ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ فوراً ایک مرکز بنایا جائے اس کے لئے ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ایک میٹنگ بلائی گئی۔ جس طرح میرے قادیان سے نکلنے کا کام کیپٹن عطاء اللہ صاحب کے ہاتھ سے سرانجام پایا تھا اسی طرح ایک نئے مرکز کا کام ایک دوسرے آدمی کے سپرد کیا گیا جو پیچھے آیا اور کئی لوگوں سے آگے بڑھ گیا۔ میری مراد نواب محمد دین صاحب مرحوم سے ہے“۔ (الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء)

حضرت مصلح موعود کے اس عظیم الشان اور تاریخی کارنامہ جس کے ذریعہ ایک بے آب و گیاہ وادی کو بسایا گیا اور پھر اسے گل و گلزار میں اللہ کے فضل سے تبدیل کر دیا گیا اس کی مختصر روئیداد آئندہ سطور میں ہدیہ قارئین کی جائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ العزیز۔

نئے مرکز کے لئے جگہ کی تلاش

قادیان سے پاکستان ہجرت کے بعد سب سے بڑا مرحلہ پاکستان میں نئے مرکز سلسلہ کے لئے مناسب اور موزوں جگہ کی تلاش تھی۔ نئے مرکز کے لئے جگہ کی تلاش کی خدمت کی سعادت محترم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ کے حصہ میں آئی۔ آپ ان ایام میں سرگودہا میں سیشن جج کے عہدہ پر فائز تھے۔ حضرت مصلح موعود نے انہیں لاہور بلوا کر ان سے مشورہ لیا اور ہدایات دیں۔

نئے مرکز کے لئے کئی مقامات زیر غور آئے جن میں شیخوپورہ اور سیالکوٹ کے متعدد علاقے کلاس والا، پسرور، چوہڑمنڈہ، چناب کنارے جہاں وہ پہاڑوں سے نکلتا ہے، ننکانہ صاحب نیز کھوبہ، راوی کنارے نزد سرحد کشمیر، کرانہ پہاڑی کا دامن اور چنیوٹ کے نزدیک دریائے چناب کے پار کے علاقے شامل تھے۔

محترم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ نے ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو حضور کی خدمت میں مذکورہ بالا مختلف مقامات کے بارہ میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ ان علاقوں کے فائدے اور نقصانات کا بھی ساتھ ساتھ ذکر کیا۔ دارالہجرت والی زمین کے بارہ میں لکھا کہ یہ جگہ ہر لحاظ سے موزوں ہے کیونکہ کافی رقبہ گورنمنٹ سے مل سکے گا۔ تاہم اردگرد احمدی کم ہیں۔

حضور نے چوہدری عزیز احمد صاحب کو ہدایت فرمائی کہ وہ علاقہ شیخوپورہ جا کر اراضیات دیکھ آئیں۔ چوہدری صاحب نے شیخوپورہ، جڑانوالہ اور چنیوٹ کے علاقوں میں زمینوں کا جائزہ لیا۔ موجودہ دارالہجرت والی زمین کو پسند کر کے حضور کی خدمت میں رائے پیش کر دی۔

حضرت مصلح موعود کی مجوزہ زمین پر آمد

رائے حاصل کر لینے کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعود نے نئی مجوزہ جگہ کو بذاتِ خود ملاحظہ فرمانے کی غرض کے لئے ۱۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور سے سرگودہا کی طرف تشریف لائے۔ یہ وہ تاریخی دن ہے جب سرزمین ربوہ پر حضرت مصلح موعود کے پہلی بار مبارک قدم پڑے۔

حضور کے ہمراہ مندرجہ ذیل احباب شریک سفر تھے:

۱- حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے
۲- حضرت نواب محمد الدین صاحب
۳- حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد
۴- محترم چوہدری اسد اللہ خان صاحب
۵- محترم راجہ علی محمد صاحب افسر مال
۶- محترم شیخ محمد دین صاحب دفتر جائیداد صدر انجمن احمدیہ

حضور صبح سویرے رتن باغ سے روانہ ہوئے اور تقریباً دس بجے سرزمین ربوہ بس اڈہ کے قریب پہنچے۔ حضور نے کار سے اتر کر جگہ کا معائنہ فرمایا نیز قریبی پہاڑی کے اوپر جا کر بھی حضور نے جگہ ملاحظہ فرمائی اور پھر سرگودہا کی طرف آگے چل کر نلکے سے پانی چکھ کر فرمایا کہ پانی تو بہت اچھا ہے۔ یہاں سے روانہ ہو کر احمد نگر کے بالمقابل سڑک پر نکل کر ایک کنویں کے قریب درخت کے نیچے ٹھہر کر اور احمد نگر کے غیر از جماعت معززین سے مخاطب ہوئے اور ربوہ کی زمین کے بارہ میں بعض معلومات لیں اور پھر سرگودہا کی طرف روانہ ہو گئے۔ کرانہ پہاڑیوں کے دامن میں کھلے میدان کا جائزہ لیا۔ سرگودہا پہنچ کر محترم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ کی کوٹھی پر کھانا تناول فرمایا۔ نماز ظہر و عصر کی ادائیگی کے بعد حضور لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔ (تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۶، ۲۸۷)

خرید اراضی کے لئے کارروائی

سرزمین دارالہجرت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضور نے اس جگہ کو پسند فرمایا یہ جگہ حضور کی رؤیا بیان فرمودہ ۱۲/ دسمبر ۱۹۴۱ء سے ملتی جلتی تھی۔ خواب میں جو جگہ دیکھی تھی وہ سرسبز تھی لیکن یہاں سبزہ نام کی چیز نہ تھی۔ حضور نے اس پر فرمایا تھا کہ اگر کوشش کی جائے تو یہاں بھی سبزہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے فضل سے یہ زمین اب سرسبز و شاداب ہو گئی ہے۔

حضور کی ہدایت پر ڈپٹی کمشنر جھنگ کی خدمت میں ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے سرزمین ربوہ کے حصول کی درخواست دے دی گئی۔ یہ درخواست حضور کے سفر ربوہ سے ایک روز قبل ۱۷/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ٹائپ کی گئی اور ۱۸/ اکتوبر کو بنگلہ لالیاں میں ڈپٹی کمشنر جھنگ کو پیش کر دی گئی۔

یہ رقبہ جو چک ڈھگیاں کے نام پر تھا کل اراضی ۱۵۰۶ ایکڑ تھی جبکہ اس میں ۴۷۲ ایکڑ رقبہ آبادی کے قابل نہ تھا جس میں بڑی سڑک، ریلوے لائن اور پہاڑیاں شامل ہیں۔ بقیہ ۱۰۳۴ ایکڑ جو کہ زراعت کے ناقابل تھا تاہم اس میں مکانات تعمیر ہو سکتے تھے اور یہ رقبہ کسی کی ملکیت بھی نہیں تھا اس رقبہ کے حصول کی درخواست پیش کی گئی۔

درخواست پیش کئے جانے کے بعد اس کی کئی قانونی کارروائیاں شروع ہوئیں۔ بہرحال ایک طویل سلسلہ کے بعد حضور نے ۱۱؍جون ۱۹۴۸ء کے خطبہ جمعہ میں اس اراضی کی خرید کی کارروائی کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ ۲۷؍جون ۱۹۴۸ء کو زمین کی قیمت جھنگ سرکاری خزانہ میں جمع کروائی گئی یوں سرکاری رجسٹری مکمل ہوئی۔

جگہ کی قیمت کے بارہ میں بعض معاند اخبارات آزاد، احسان، زمیندار نے یہ غلط پروپیگنڈا کیا کہ سستے داموں دے دی گئی ہے جبکہ مہنگے داموں خریدنے والے موجود تھے۔ جماعت نے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا اور حکومت پنجاب کی طرف سے بھی بیان شائع ہوگیا کہ

''احمدیوں کو دس روپے فی ایکڑ کے بھاؤ بنجر زمین دی گئی ہے۔ یہاں قادیاں کے خانماں ویران لوگ آباد ہوں گے''۔ (اخبار انقلاب لاہور ۳۱؍اگست ۱۹۴۸ء)

حضور کی ہدایت تھی کہ خرید کے بعد اس جگہ کا فوری قبضہ لیا جائے چنانچہ حضور کی دعاؤں اور توجہ کی بدولت صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے ۵؍اگست ۱۹۴۸ء کو جگہ کا قبضہ حاصل کیا۔ یوں یہ عظیم معجزہ اولوالعزم خلیفۃ المسیح سیدنا حضرت مصلح موعود کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔

تعمیر اراضی ربوہ کا آغاز

جب ربوہ کی اراضی کی خرید سرکار سے مکمل ہوئی تو ان دنوں حضور کوئٹہ میں تشریف فرما تھے۔ ۱۱؍جون ۱۹۴۸ء کو نئی جگہ کی منظوری ہوئی حضور نے کوئٹہ سے ہدایات جاری فرمائیں کہ فوری طور پر ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو نئے مرکز سلسلہ کی تعمیر کے لئے جائزہ لے کر دفاتر، سکولز، بہشتی مقبرہ، ہسپتال وغیرہ کہاں بنائے جائیں، پانی کا انتظام، تیل اور غلہ کا کوٹہ، تازہ دودھ کی فراہمی، درختوں کی کاشت، بیت الذکر کی تعمیر، فوری آبادی کہاں ہوگی، زمین احباب کو فروخت کرنے کا پلان اور اس کی قیمت، دوکانوں کے معاملات وغیرہ کا جائزہ لے گی۔ اس ارشاد کی تعمیل میں صدر انجمن احمدیہ نے ۱۹؍جون ۱۹۴۸ء کے اجلاس میں درج ذیل کمیٹی جو دس ممبران پر مشتمل تھی تجویز کی:

۱- حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صدر	۲- حضرت مرزا ناصر احمد صاحب
۳- حضرت نواب محمد الدین صاحب	۴- ناظر اعلیٰ (حضرت نواب عبداللہ خان صاحب)
۵- وکیل الدیوان (مولوی عبدالرحمان انور صاحب)	۶- ناظر امور عامہ (صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب)
۷- ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۸- سید محمود اللہ شاہ صاحب
۹- ناظم جائیداد (چوہدری صلاح الدین صاحب)	۱۰- ناظر مال (چوہدری عبدالباری صاحب)

محلِ وقوع اور تاریخی پس منظر

محکمہ مال کے ریکارڈ میں تحصیل چنیوٹ میں دارالہجرت کا رقبہ چک ڈھگیاں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مقام سطح سمندر سے زیادہ سے زیادہ ۶۱۳ اور کم از کم

۵۹۰ فٹ بلند ہے۔ یہ رقبہ صدیوں سے بنجر اور بے آباد تھا بلکہ اسے ناقابلِ زراعت سمجھا جاتا تھا۔ موجودہ شہر ربوہ کے مشرق میں چنیوٹ اور مغرب کی طرف لالیاں ہے اور یہ دو بڑے شہروں فیصل آباد اور سرگودہا کے عین وسط میں واقعہ ہے۔ ربوہ کے اردگرد سادات، نسوآنے، گلوہتر، ریحان، لالی و دیگر اقوام آباد ہیں۔ ربوہ دریائے چناب کے مغربی کنارے پر آباد ہے جہاں پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ہے جو ایک قدرتی فصیل بنائے ہوئے ہیں۔ چک جھمرہ، فیصل آباد، سرگودہا ریلوے لائن اور شارع سرگودہا و فیصل آباد گزرتی ہے۔ ایک چھوٹے قصبہ ساہیوال ضلع سرگودہا کے لئے بھی شاہراہ ساہیوال کا یہاں سے گزر ہوتا ہے۔ دریائے چناب پر ۱۹۲۸ء میں پُل کی تعمیر مکمل ہوئی جو کہ ایک احمدی انجینئر خاں بہادر نعمت اللہ خان صاحب کی نگرانی میں تعمیر ہوا۔

ڈاکٹر عبدالحمید صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (رائل نیوی) اپنی کتاب ''محمد بن قاسم پاکستان میں'' کے ایک مقام پر موجودہ ربوہ کی جگہ کی تاریخی اہمیت کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے ۷۱۰ء میں سندھ کی فتوحات کے بعد ملتان کا رخ کیا اور یہ فوج کشمیر کی طرف بڑھی۔ عرب فوج کا راستہ ملتان، تلنبہ، شورکوٹ، کمالیہ کے بعد چندرود تھا۔ چندرود سے مراد چنیوٹ ہے۔ چندرور دریائے چناب کا دوسرا نام ہے۔ عرب فوج کے سپاہیوں نے چنیوٹ کو فتح کیا اور شہداء فوجیوں کا قبرستان چنیوٹ کے باہر حال ربوہ میں موجود ہے۔ محمد بن قاسم چنیوٹ سے جہلم اور یہاں سے کشمیر گیا۔ (صفحہ ۲۰ تا ۲۲)

ایک خیال یہ بھی ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے فوجیوں کی قبریں بھی اس قبرستان میں موجود ہیں۔ بہر حال یہ خطہ تاریخی اہمیت کا حامل تھا جس کو مرکز توحید بنا کر دنیا میں ایک خاص مقام حاصل ہوگیا ہے اور یہ خدا کی محبوب بستی بن گئی ہے۔

احباب جماعت کو نئے مرکز کی اطلاع اور حصول جگہ کے لئے والہانہ جوش

نئے مرکز کی جگہ کی خرید کی کارروائی مکمل ہونے اور جگہ پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد نئے مرکز کے بارہ میں سیّدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰؍ستمبر ۱۹۴۸ء کو بمقام لاہور میں اس کی تفصیلات احباب جماعت کے سامنے بیان فرمائیں اور نئی اراضی پر مکانات تعمیر کرنے کے حوالہ سے اپنی ہدایات سے نوازا اور احباب جماعت کو نئے مرکز میں خرید اراضی کی تحریک فرمائی اور ایک ماہ کے اندر اندر سو روپیہ Rs.100/- فی کنال کے حساب سے (جو کہ پچاس روپیہ ہدیہ مالکانہ ہوگا اور پچاس روپے اخراجات ابتدائی انتظامات کے ہوں گے) رقم خزانہ میں جمع کروانے کی ہدایت فرمائی۔ (الفضل ۲۸؍ستمبر ۱۹۴۸ء)

احباب جماعت کی طرف سے والہانہ انداز میں اس تحریک پر لبیک کہا گیا اور ۱۵؍اکتوبر ۱۹۴۸ء کی آخری تاریخ مقررہ تک ایک ہزار کنال کی قیمت داخل خزانہ کرادی گئی۔ اکتوبر کے آخر تک ۵۳۹ سابقون کی فہرست جنہوں نے ربوہ کی زمین کی رقم داخل خزانہ کرادی تھی ان کی فہرست الفضل کی دو اشاعتوں ۲۶؍اکتوبر اور ۲؍نومبر ۱۹۴۸ء میں شائع ہو

گئیں جن میں پہلا نام حضرت مصلح موعود کا تھا۔ آپ نے ۶۰ کنال زمین خرید فرمائی۔

نئے مرکز کا نام ربوہ رکھا گیا

۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء کو لاہور میں حضرت مصلح موعود نے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے مشترک اجلاس میں نئے مرکز کے افتتاح کے لئے ۲۰ ستمبر کا دن مقرر فرمایا اور اس کے انتظامات کی بعض اہم ہدایات دیں۔

اسی اجلاس میں نئے مرکز کا نام زیرِ غور آیا۔ حضرت مصلح موعود نے مولانا شمس صاحب کا تجویز کردہ نام ''ربوہ'' منظور فرمایا۔ جس کے معنی ٹیلہ، پہاڑی، بلند زمین کے ہیں اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی والدہ کے ہمراہ ہجرت کے واقعہ میں انہیں ربوہ میں اللہ کی طرف سے پناہ دیئے جانے کا ذکر موجود ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد ۱۲ صفحہ ۴۲۳، ۴۲۲)

افتتاح کے انتظامات

افتتاح کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد حضور کی ہدایات کی روشنی میں صدر انجمن اور تحریک جدید نے فوری پر انتظامات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لئے ۱۹ ستمبر کو ربوہ کے لئے لاہور سے دو قافلے روانہ ہوئے۔ پہلا قافلہ چوہدری عبدالسلام صاحب اختر اور مولانا چوہدری محمد صدیق صاحب پر مشتمل تھا جس نے رات ربوہ گزاری جبکہ دوسرا قافلہ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کی امارت میں شام پانچ بجے لاہور سے بس کے ذریعہ براستہ فیصل آباد (لائلپور) رات گیارہ بجے چنیوٹ پہنچا۔ اس قافلے نے رات سڑک کے کنارے گزاری اور اگلے روز یعنی ۲۰ ستمبر کو صبح ساڑھے آٹھ بجے ربوہ پہنچا اس قافلہ میں صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے ۳۴ عہدیداران شامل تھے۔

افتتاح سے قبل ۲۰ ستمبر کو مولوی عبدالرحمٰن انور صاحب (وکیل الدیوان) تحریک جدید کا ریکارڈ لے کر آئے۔ حضور کے فیصلہ کے مطابق اراضی ربوہ کے تہائی حصہ کی مالک تحریک جدید انجمن احمدیہ تھی جس نے اخراجات کا تہائی ادا کیا تھا۔

۱۹ اور ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو تقریب افتتاح نئے مرکز کے لئے وسیع وعریض شامیانہ نصب کیا اس مقام پر سیدنا مصلح موعود نے نماز بھی پڑھائی تھی۔ افتتاحی شامیانہ کے علاوہ چھ رہائشی خیمے بھی نصب کئے گئے۔

ربوہ میں پہلی رات

۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو نئے مرکز کا افتتاح ہوا۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پہلا قافلہ سرزمین ربوہ پر افتتاح کی تیاری کے لئے یہاں پہنچا۔ اس قافلے میں محترم عبدالسلام اختر صاحب اور مولانا چوہدری محمد صدیق صاحب سابق انچارج خلافت لائبریری شامل تھے۔ ان بزرگوں نے اس ویرانے میں پہلی رات گزاری اور ربوہ میں پہلا خیمہ نصب کیا۔ محترم عبدالسلام اختر صاحب نئے مرکز میں پہلی رات کا احوال تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''شام کے سات بجے کے قریب ہمارا ٹرک جس میں چھولداریاں، خیمہ جات اور سائبان وغیرہ لدے ہوئے تھے اس سرزمین میں پہنچ گیا جسے اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں دین..... کی حیات ثانیہ کا مرکز تجویز فرمایا ہے۔ اس ٹرک میں ڈرائیور اور دو مزدوروں کے علاوہ میں اور مکرم مولوی محمد صدیق صاحب مولوی فاضل تھے۔ چناب کے پل کے نگران سپاہی اور کچھ راہگیر جو شام کے بعد اس سڑک سے خال خال ہی گذرتے ہیں، حیران ہو کر ہمیں دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نہایت ہی اطمینان اور سکون کے ساتھ ٹرک میں سے اپنا سامان اتارنے میں مصروف تھے۔ جب تمام سامان اتارا جا چکا تو ڈرائیور و مزدوروں کو رخصت کیا گیا۔ اس وقت علاقہ بالکل ویران اور سنسان حالت میں ہمارے سامنے تھا۔ دائیں طرف بڑی سڑک تھی جس پر رات کو ٹریفک کلیۃً بند ہو جاتا ہے اور بائیں طرف ریلوے لائن تھی جو پہاڑوں کے بیچ میں سے چکر کاٹتی ہوئی ایک طرف چنیوٹ اور دوسری طرف سرگودہا کو چلی جاتی ہے۔ مگر رات کو یہاں سے کوئی گاڑی نہیں گزرتی۔

''رات کے نو بج چکے تھے۔ میں نے سامان خاص اس جگہ اتارا تھا جو میرے آقا سیدنا (خلیفۃ المسیح الثانی) نے تجویز فرمائی تھی۔ اگلے دن حضور مع خدام کے خود تشریف لانے والے تھے اس لئے ہم نے سائبان اور خیمے حضور کی آمد سے پہلے نصب کرنے تھے۔ مگر اس جنگل میں پہلی رات کا تصور کچھ خوف اور کچھ لذت کی سی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ خوف تو اس بات کا تھا یہاں کے اکثر دیہاتی لوگوں کے متعلق سنا تھا کہ وہ جانوروں سے کم نہیں اور پھر اس علاقے میں سانپ، بچھو، گیدڑ اور بعض اوقات بھیڑیا بھی پایا جاتا ہے۔ غرض کہ عجیب قسم کے خیالات آ رہے تھے مگر اس سے بہت زیادہ شیریں وہ کیفیت تھی جو اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ یہی وادی غیر ذی زرع ایک دن ہجوم خلائق کا مرکز بننے والی ہے۔ چنانچہ ہم دونوں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے محض اپنے خاص فضل سے ہمیں سب سے پہلے آبادکاروں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

رات بڑھتی جا رہی تھی اور ہمارے دلوں کا تموج بھی بڑھ رہا تھا۔ ہم چنیوٹ سے آتی دفعہ محترم سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کو یہ پیغام دے کر آئے تھے کہ تین چار طلباء کو ایک لالٹین کے ساتھ جلدی بھیج دیں مگر رات دس بجے تک اس سنسان اور بے آب و گیاہ وادی میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی انسان نظر نہ آتا تھا..... دفعۃً دور سے ایک ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ ہمارے سکول کے تین بچے لالٹین ہاتھ میں لئے ہماری طرف قدم بڑھاتے

آ رہے تھے۔ یہ تین بچے دو بنگال کے رہنے والے اور ایک سیلون کا رہنے والا اپنے وطن سے ہزاروں میل دور رات کے دس بجے ایک سنسان وادی میں اپنے آقا کے خدام سے ملنے چلے آ رہے تھے۔ جب روشنی آئی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ اس زمین پر سب سے پہلا خیمہ بغیر مزدوروں کی مدد کے خود اپنے ہاتھ سے لگایا جائے۔ چنانچہ میں نے اور مولوی محمد صدیق صاحب نے ایک چھولداری کو درست کیا اور بغیر کسی کی مدد کے اس میدان کے وسط میں یہ چھولداری اپنے ہاتھ سے لگائی۔ اس کے بعد ہم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں اور کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ یہ خیمہ نئے مرکز کی سرزمین پر پہلا خیمہ تھا جس کے نصب کئے جانے کی سعادت قادیان کے دو رہنے والوں کو حاصل ہوئی۔

''تقریباً نصف شب گزرنے پر احمد نگر سے مکرم مولوی ابو العطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کی طرف سے کچھ چپاتیاں اور کچھ دال آئی جس کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ یہ بہرحال نہایت عجلت میں تیار کی گئی ہے۔ اس وقت اس دال روٹی نے جو لطف دیا وہ زندگی کے قیمتی اور پُرتکلف لمحات میں بھی کم محسوس ہوا ہے۔

''چونکہ صبح حضور کی تشریف آوری تھی اس لئے سائبانوں اور خیمہ جات کو درست کیا گیا اور انہی کے ڈھیر پر دراز ہو گئے۔ تمام رات بلا کھٹکے اور نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ سوئے۔ مجھے تو کچھ ہوش نہیں رہا البتہ مولوی صاحب نے بتایا کہ دور سے کچھ گیدڑوں کی آوازیں آتی رہیں لیکن خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے بہرحال ہمیں ہر قسم کی اذیت سے محفوظ رکھا اور محفوظ رکھتا آ رہا ہے۔ فالحمدللہ''۔ (روزنامہ الفضل ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۸ء)

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا کہ جب نئے مرکز کی زمین کی خرید کی سرکاری کارروائی مکمل ہو گئی تو حصول قبضہ کے لئے یہاں ماہ اگست ۱۹۴۸ء میں ایک قافلہ بھیجا گیا جو نظارت دعوت الی اللہ کے تحت دیہاتی معلمین (طلبہ) پر مشتمل تھا اس میں بارہ ممبر اور ایک استاد ممتاز احمد بنگالی صاحب تھے۔ یہ پہلے احمد نگر آیا اور پھر دریائے چناب کے کنارے موجود بنگلہ میں فروکش ہو گیا۔ نئے مرکز ربوہ کی تقریب کے لئے اس گروپ کے طلبہ کو بھی خدمت کی توفیق ملی۔

(''تعمیر مرکز ربوہ کے ابتدائی حالات اور ایمان افروز واقعات'' از خان عبدالرزاق خان)

نئے مرکز کا افتتاح

۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء وہ تاریخی دن ہے جس دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی گئی کئی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ ''تین کو چار کرنے والا'' پسر موعود کی علامت تھی اس کا ایک ظہور بھی ہونے والا تھا اور ایک بے آب و گیاہ، وادی غیر ذی ذرع کی آبادی کا سامان ہونے والا تھا اور ایک ایسی بستی

کی بنیاد ڈالی جارہی تھی جہاں سے دین کی نشاۃ ثانیہ کے لئے فدایان وجاں نثاران نے اکناف عالم میں پھیل جانا تھا۔

افتتاح کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود بنفس نفیس لاہور سے سرزمین ربوہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور بذریعہ کار صبح نو بج کر بیس منٹ پر لاہور سے روانہ ہوئے۔ یہ یادگار سفر حضور نے براستہ فیصل آباد (لائلپور) طے فرمایا۔ حضور کے ہمراہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور دوسرے بزرگان سلسلہ بھی تھے۔ حضور نے ایک بج کر بیس منٹ پر نئے مرکز پر قدم رنجہ فرمایا۔

سب سے پہلا کام نماز ظہر کی ادائیگی تھی۔ دراصل اس نماز کے ساتھ ہی نئے مرکز کا افتتاح عمل میں آ گیا۔ ڈیڑھ بجے حضور نے نماز ظہر پڑھائی۔ یہ پہلی باجماعت نماز تھی جو سیدنا مصلح موعود کی اقتداء میں احباب جماعت نے نئے مرکز میں ادا کی۔ اس نماز میں ۲۵۰ کے قریب احباب موجود تھے۔ جو حضور کی آمد سے قبل چنیوٹ، احمد نگر، لالیاں، لائلپور، سرگودہا، لاہور، قصور، سیالکوٹ، گجرات، گوجرانوالہ، جہلم اور بعض دوسرے مقامات سے بھی اس تاریخی تقریب میں شرکت کے لئے پہنچ گئے تھے۔ ربوہ کی افتتاحی تقریب میں شامل احباب کی فہرست تیار کی گئی تھی۔ ان خوش قسمت احباب کے اسماء تاریخ احمدیت جلد ۱۲ میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ یہ فہرست حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری کی نگرانی میں تیار ہوئی۔ جو ۶۱۶ احباب پر مشتمل ہے۔

جس مقام پر حضور نے نماز ظہر پڑھائی وہاں پر ایک ...... یادگار ۱۹۵۳ء میں تعمیر کر دی گئی۔ جو کہ احاطہ فضل عمر ہسپتال میں انتہائی خوبصورت عمارت کی صورت میں موجود ہے اور وہاں پانچ وقت باجماعت نماز ہوتی ہے اور ہسپتال آنے والے مریض اور ان کے لواحقین بھی اسے عبادت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

حضرت مصلح موعود کا تاریخی افتتاحی خطاب

نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد حضرت مصلح موعود نے ابراہیمی دعاؤں کے ساتھ جن کو خوش نصیب حاضر احباب جماعت سے بھی دہرایا، ربوہ کا افتتاح کیا۔ حضرت مصلح موعود نے ابراہیمی دعاؤں کو ۳،۳ بار دہرایا اور احباب جماعت بھی ساتھ ساتھ دہراتے رہے۔ یہ دعائیں حسب ذیل تھیں:

۱- ربّنا اجعل ھٰذا بلدا امنًا وارزق اھلہ من الثمرات

۲- ربّنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

۳- ربنا واجعلنا مسلمین لک ...... انت التواب الرحیم

۴- ربنا وابعث فیھم رجالا منھم یتلون علیھم آیاتک ویعلمونھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔

(حضور نے جمع کا صیغہ دعا میں استعمال فرمایا تھا)

ان دعاؤں کو پڑھنے کے بعد حضور نے فرمایا:

''یہ وہ دعائیں ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے بساتے وقت کیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرما کر ایک ایسی بنیاد رکھ دی جو ہمیشہ کے لئے نیکی اور تقویٰ کو قائم رکھنے والی ثابت ہوئی۔

''سو ہمیں بھی اس کام کی یاد کے طور پر اور اس بستی کی یاد کے طور پر جس جگہ خدا کے ایک نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے انتظار میں دعائیں کی گئیں۔ اپنے نئے مرکز کو بساتے وقت جو اسی طرح ایک وادی غیر ذی زرع میں بسایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرنی چاہئیں کہ شاید ان لوگوں کے طفیل جو مکہ مکرمہ کے قائم کرنے والے اور مکہ مکرمہ کی پیشگوئیوں کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی اپنا فضل نازل کرے اور ہمیں بھی ان نعمتوں سے حصہ دے جو اس نے پہلوں کو دیں۔

''خدائی خبروں اور اس کی بتائی ہوئی پیشگوئیوں کے مطابق ہمیں قادیان کو چھوڑنا پڑا۔ اب انہی خبروں اور پیشگوئیوں کے ماتحت ہم ایک نئی بستی اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں بسا رہے ہیں۔ ہم چیونٹی کی طرح کمزور اور ناطاقت ہی سہی مگر چیونٹی بھی جب دانہ اٹھا کر دیوار پر چڑھتے ہوئے گرتی ہے تو وہ اس دانے کو چھوڑتی نہیں بلکہ دوبارہ اسے اٹھا کر منزل مقصود پر لے جاتی ہے اسی طرح گو ہمارا وہ مرکز جو حقیقی اور دائمی مرکز ہے دشمن نے ہم سے چھینا ہوا ہے لیکن ہمارے ارادہ اور عزم میں کوئی تزلزل واقعہ نہیں ہوا۔

''اس وادیٔ غیر ذی زرع کو اس ارادہ اور نیت کے ساتھ چنا ہے کہ جب تک یہ عارضی مقام ہمارے پاس رہے گا ہم ...... کا جھنڈا اس مقام پر بلند رکھیں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا میں قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور جب خدا ہمارا قادیان ہمیں واپس دیدے گا یہ مرکز صرف اس علاقہ کے لوگوں کے لئے رہ جائے گا۔ یہ مقام اجڑے گا نہیں کیونکہ جہاں خدا کا نام ایک دفعہ لے لیا جائے وہ مقام برباد نہیں ہوا کرتا۔

''یہ زمین ہم نے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان اس لئے خریدی ہے کہ میری ایک رؤیا اس زمین کے متعلق تھی۔ یہ رؤیا دسمبر ۱۹۴۱ء میں مَیں نے دیکھی تھی اور ۲۱ر دسمبر ۱۹۴۱ء کے الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ اب تک دس ہزار آدمی یہ رؤیا پڑھ چکے ہیں اور گورنمنٹ کے ریکارڈ میں بھی یہ رؤیا موجود ہے۔ میں نے اس رؤیا میں دیکھا کہ قادیان پر حملہ ہوا ہے اور ہر قسم کے ہتھیار استعمال

کئے جا رہے ہیں مگر مقابلہ کے بعد دشمن غالب آ گیا اور ہمیں وہ مقام چھوڑنا پڑا۔ باہر نکل کر ہم حیران ہیں کہ کس جگہ جائیں اور کہاں جا کر اپنی حفاظت کا سامان کریں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں ایک جگہ بتاتا ہوں۔ آپ پہاڑوں پر چلیں...... اس رؤیا کے مطابق یہ جگہ مرکز کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ جب میں قادیان سے آیا تو اس وقت یہاں اتفاقاً چوہدری عزیز احمد صاحب احمدی سب جج لگے ہوئے تھے۔ میں شیخوپورہ کے متعلق مشورہ کر رہا تھا کہ چوہدری عزیز احمد صاحب میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ میں نے اخبار میں آپ کی ایک اس اس رنگ کی خواب پڑھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے قریب دریائے چناب کے پار ایک ایسا ٹکڑا زمین ہے جو اس خواب کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میں یہاں آیا اور میں نے کہا ٹھیک ہے۔ خواب میں جو میں نے مقام دیکھا تھا اس کے اردگرد بھی اسی قسم کے پہاڑی ٹیلے تھے صرف ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ میں نے اس میدان میں گھاس دیکھا تھا مگر یہ چٹیل میدان ہے۔ اب بارشوں کے بعد کچھ کچھ سبزہ نکلا ہے ممکن ہے ہمارے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ یہاں گھاس بھی پیدا کر دے اور اس رقبہ کو سبزہ زار بنا دے۔ بہرحال اس رؤیاء کے مطابق ہم نے اس جگہ کو چنا ہے۔

''آؤ اب ہم ہاتھ اٹھا کر آہستگی سے بھی اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمارے ارادوں میں برکت ڈالے اور ہمیں اس مقدس کام کو دیانتداری کے ساتھ سرانجام دینے کی توفیق بخشے۔''

(الفضل سالانہ نمبر دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۵ تا ۹)

اس پُر معارف اور ایمان افروز افتتاحی تقریر کے بعد حضرت مصلح موعود نے لمبی دعا کروائی۔ درویشان قادیان کو فون اور تار کے ذریعہ نماز اور دعا کے وقت کی اطلاع کر دی گئی تھی وہ اپنی جگہ انتظام کر کے دعا میں شریک ہو گئے۔

دعا کے بعد حضور نے چاروں کونوں پر بکروں کی قربانی کا ارشاد فرمایا اور ایک بکرا وسط رقبہ حضور نے اپنے دست مبارک سے قربان کیا۔ چاروں کونوں پر مندرجہ ذیل احباب نے قربانیاں ذبح کیں:

۱- محترم مولانا عبد الرحیم صاحب درد

۲- محترم مولوی عبد اللہ بوتالوی صاحب

۳- محترم چوہدری برکت علی خان صاحب وکیل المال تحریک جدید

۴- محترم مولوی چوہدری محمد صدیق صاحب مولوی فاضل

بکروں کی قربانی کے بعد ایک ترک نوجوان مکرم محمد افضل صاحب ترکی نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کر کے

جماعت میں شمولیت کی۔ اس کو نئے مرکز کا پہلا پھل قرار دیا گیا۔ اس موقع پر حضور نے نئے مرکز کا نام ربوہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ قربانی اور بیعت کے بعد حضور نے نماز عصر پڑھائی جس میں چھ سو کے قریب مرد و زن شریک ہوئے۔

نماز کے بعد حضور نے کھانا تناول فرمایا جس میں دوسرے احباب بھی شریک ہوئے۔ اس کھانے کا انتظام احباب جماعت چنیوٹ نے کیا تھا۔ چار بج کر چالیس منٹ پر حضور کی گاڑی لاہور کے لئے واپس روانہ ہوگئی اور آٹھ بج کر پانچ منٹ پر حضور بخیر و عافیت لاہور پہنچ گئے۔

تقریب افتتاح کے مقام پر ایک موٹر لاری، پانچ کاریں، ۲۴ تانگے اور ۳۲ سائیکل موجود تھے۔ وسیع شامیانے کے علاوہ چھ خیمے نصب کئے گئے تھے۔ بعض مستورات بھی افتتاحی تقریب میں شامل ہوگئی تھیں۔ انہوں نے پردہ کے پیچھے نماز ادا کی۔ (ملخص از مضمون حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مطبوعہ الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۴۸ء)

حضرت نواب محمد الدین صاحب کی نئے مرکز کے لئے خدمات

خان بہادر حضرت نواب محمد الدین صاحب کو نئے مرکز کے قیام کے سلسلہ میں غیر معمولی خدمات کی توفیق ملی آپ ۵ جولائی ۱۹۴۹ء کو وفات پا گئے۔ حضرت مصلح موعود نے آپ کی وفات کے بعد خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا:

> ”میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا یقیناً نواب محمد الدین صاحب مرحوم کے سر پر ہے اور یہ عزت اور رتبہ انہی کا حق ہے۔ جب تک یہ جماعت قائم رہے گی لوگ ان کے لئے دعا بھی کریں گے اور ان کی قربانی کو دیکھ کر نوجوانوں کے دلوں میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوگا کہ وہ ان جیسا کام کریں ...... یہ مقام ربوہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی کے ماتحت قائم کیا جا رہا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اس کی برکتیں اس سے وابستہ رہیں گی اور یقیناً اس مقام سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نواب صاحب مرحوم کا نام بھی قیامت تک قائم رہے گا“۔ (روزنامہ الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء)

حضرت نواب محمد الدین صاحب کے نام پر فضل عمر ہسپتال ربوہ میں ایک بلاک تعمیر کیا گیا جو آؤٹ ڈور مریضان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

”دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ“

نئے مرکز میں حضور کی مستقل آمد

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی پسر موعود میں درج ذیل دو علامات اکٹھی بیان ہوئیں:

''وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنی سمجھ نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ''

(تذکرہ صفحہ ۱۱۰)

اس پیشگوئی کے مطابق حضور کے ہاتھوں چوتھے مرکز کی بنیاد ڈال دی گئی اور تین کو چار کر دیا گیا اور پھر ''دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ'' میں اس کے افتتاح اور مستقل سکونت کے دن کا بھی بتا دیا گیا۔ ۲۰ رستمبر ۱۹۴۸ء کو نئے مرکز کا افتتاح ہوا جو کہ دوشنبہ (سوموار) کا دن تھا وہ بھی مبارک دن ہے اور پھر حضور ۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کو مستقل سکونت کے لئے ربوہ تشریف لائے۔ یہ بھی دوشنبہ کا دن جسے نئے مرکز کے لئے مبارک قرار دے دیا گیا۔ یوں یہ الہام بھی بڑی شان وشوکت کے ساتھ پورا ہوا اور دو دفعہ دوشنبہ کے الفاظ ہیں اور دو دفعہ یکے بعد دیگرے چوتھے مرکز سلسلہ کے تناظر میں پورے ہوئے۔

حضرت مصلح موعود ۱۹ ستمبر ۱۹۴۹ء بروز دوشنبہ لاہور سے صبح دس بج کر پچاس منٹ پر مستقل سکونت اختیار کرنے کے لئے نئے مرکز کے لئے عازم سفر ہوئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اس تاریخی سفر کی روئیداد میں فرماتے ہیں:

> ''حضور کی موٹر میں حضرت (اماں جان) اطال اللہ بقائھا اور حضرت سیدہ اُم ناصر اور شاید ایک دو بچیاں ساتھ تھیں۔ حضور کے پیچھے دوسری موٹر میں حضرت صاحب کی بعض دوسری صاحبزادیاں اور ایک بہو اور بعض بچے اور میاں محمد یوسف صاحب پرائیویٹ سیکرٹری سوار تھے۔ تیسری موٹر میں سیدہ بشریٰ بیگم مہر آپا صاحبہ اور محترمہ اُم وسیم احمد صاحبہ اور بعض دوسرے بچے تھے۔ ان کے پیچھے چوتھی موٹر میں خاکسار مرزا بشیر احمد اور میرے اہل وعیال اور عزیزہ آمنہ بیگم سیال اور محترمی چوہدری عبدالحمید صاحب سپرنٹنڈنٹ انجینئر اور میاں غلام محمد صاحب اختر اے پی او سوار تھے۔ شاہدرہ سے کچھ آگے نکل کر حضرت صاحب نے اپنی موٹر کو روک کر انتظار کیا کیونکہ ابھی تک تیسری موٹر نہیں پہنچی تھی اور کچھ وقت انتظار کرنے کے بعد آگے روانہ ہوئے۔ ایک لاری اور دو ٹرک کافی عرصہ بعد روانہ ہوئے۔
>
> ''رتن باغ سے روانہ ہونے سے پہلے حضرت ...... ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی تھی کہ سب لوگ رتن باغ سے روانہ ہوتے ہوئے اور پھر ربوہ کی سرزمین میں داخل ہوتے ہوئے یہ قرآنی دعا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی ہجرت کے وقت سکھلائی گئی تھی پڑھتے جائیں یعنی **ربّ ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانًا نصیراً**۔ چنانچہ اسی دعا کے ورد کے ساتھ قافلہ روانہ ہوا اور رستہ میں بھی یہ دعا برابر جاری رہی۔ چونکہ روانگی میں دیر ہوگئی تھی اس لئے موٹریں کافی تیز رفتاری کے ساتھ گئیں اور سفر کا آخری حصہ تو

غالباً ستر ؔ پچھتر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے ہوا ہوگا اور اس غرض سے رستہ میں کسی جگہ ٹھہرا بھی نہیں گیا۔ یہی وجہ ہے کہ محترمی شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی موٹر جو لاہور سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے روانہ ہوئی تھی اور اس میں محترمی مولوی عبدالرحیم صاحب درد بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ ہمیں رستہ میں ہی ربوہ کے قریب چناب کے پُل پر مل گئی تھی۔ یہ گویا اس سفر کی پانچویں موٹر تھی۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹی موٹر بھی تھی جس میں محترمی ملک عمر علی صاحب رئیس ملتان اور ہمارے بعض دوسرے عزیز بیٹھے تھے .... چناب کا پُل گزرنے کے بعد جس سے آگے ربوہ کی سرزمین کا آغاز ہوتا ہے حضرت ......ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنی موٹر سے اُتر آئے اور دوسرے سب ساتھی بھی اپنی اپنی موٹروں سے اتر آئے۔ البتہ مستورات موٹروں کے اندر بیٹھی رہیں۔ اس جگہ اتر کر بعض دوستوں نے اعلان کی غرض سے اور اہل ربوہ تک اطلاع پہنچانے کے خیال سے ریوالور اور رائفل کے کچھ کارتوس ہوا میں چلائے۔ اس کے بعد حضرت ......ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رفقاء میں اعلان فرمایا کہ میں یہاں قبلہ رُخ ہو کر مسنون دعا کرتا ہوں اور ہمارے دوست بھی اس دعا کو بلند آواز سے دہراتے جائیں اور مستوارت بھی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے یہ دعا دہرائیں۔ اس کے بعد حضور نے ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کرنی شروع کی:

" **ربّ ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانًا نصیراً و قل جاء الحق و ذهق الباطل ان الباطل کان زهوقا** ۔یعنی اے میرے رب مجھے اس بستی میں اپنی بہترین برکتوں کے ساتھ داخل کر اور پھر اے میرے آقا مجھے اس بستی سے نکال کر اپنی اصل قیام گاہ کی طرف اپنی بہترین برکتوں کے ساتھ لے جا اور اے مومنو تم خدا کی برکتوں کو دیکھ کر اس آواز کو بلند کرو کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کے لئے تو بھاگنا ہی مقدر ہو چکا ہے۔

یہ دعا حضرت ......ایدہ اللہ تعالیٰ نے چناب کا پُل گزر کر اور قبلہ رُخ ہو کر ربوہ کی زمین کے کنارے پر کھڑے ہو کر کئی دفعہ نہایت سوز اور رقت کے ساتھ دہرائی اور اس کے بعد موٹروں میں بیٹھ کر آگے روانہ ہوئے کیونکہ ربوہ کی موجودہ بستی چناب کے پُل سے قریباً دو میل آگے ہے اس عرصہ میں بھی سب دوست مندرجہ بالا دعا کو مسلسل دہراتے چلے گئے۔ جب ربوہ کی بستی کے سامنے موٹریں پہنچیں تو اُس وقت ربوہ اور اُس کے گردونواح کے سینکڑوں دوست ایک شامیانہ کے نیچے حضرت صاحب کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ اس وقت جبکہ عین ڈیڑھ بجے کا وقت تھا

سب سے آگے حضرت ...... ایدہ اللہ تعالیٰ کی موٹر تھی اس کے بعد ہماری موٹر تھی اس کے بعد غالباً سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ مہر آپا کی موٹر تھی ۔ اس کے بعد حضرت صاحب کی صاحبزادیوں کی موٹر تھی اور اس کے بعد غالباً محترمی شیخ بشیر احمد صاحب کی موٹر تھی ۔

جب حضرت صاحب اپنی موٹر سے اترے تو ربوہ کے چند نمائندہ دوست جن میں محترم مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے ناظر اعلیٰ اور محترم سیّد ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ و امیر مقامی اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور عزیز ڈاکٹر مرزا منور احمد سلّمہٗ اللہ اور بعض ناظر صاحبان اور تحریک جدید کے وکلاء صاحبان اور محترمی مولوی ابو العطاء صاحب وغیرہ شامل تھے آگے آئے اور حضور کے ساتھ مصافحہ کر کے حضور کو شامیانہ کی طرف لے گئے جو چند گز مغرب کی طرف نصب شدہ تھا اور جس میں دوسرے سب دوست انتظار کر رہے تھے حضرت صاحب اس وقت بھی رب ادخلنی مدخل صدق والی دعا دہرا رہے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت فرماتے تھے کہ میرے ساتھ ساتھ یہ دعا دہراتے جاؤ۔ شامیانے کے نیچے پہنچ کر حضرت صاحب نے وضو کیا اور پھر سب دوستوں کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر ظہر کی نماز ادا فرمائی ۔ یہ گویا ورود ربوہ کا سب سے پہلا کام تھا۔ نماز اور سنتوں سے فارغ ہو کر حضور نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی .... اس تقریر کے بعد جس میں ایک طرف موٹروں میں بیٹھے بیٹھے مستورات بھی شریک ہوئی تھیں حضرت مصلح موعود اپنی ربوہ کی عارضی فرودگاہ پر تشریف لے گئے جو ریلوے اسٹیشن کے قریب تعمیر کی گئی ہے ۔ میں نے اس فرودگاہ کو عارضی فرودگاہ اس لئے کہا ہے کہ اب تک جتنی بھی عمارتیں ربوہ میں بنی ہیں وہ دراصل سب کی سب عارضی ہیں اور اس کے بعد پلاٹ بندی ہونے پر مستقل تقسیم ہو گی اور لوگ اپنے اپنے مکان بنوائیں گے۔ حضرت صاحب کے مکان میں ربوہ کی مستورات استقبال کی غرض سے جمع تھیں جن کی قیادت ہماری ممانی سیدہ اُم داؤد صاحبہ فرما رہی تھیں ۔ اس کے بعد حضرت صاحب اور دوسرے عزیزوں اور اہل قافلہ نے کھانا کھایا جو صدر انجمن احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لنگر خانہ کی طرف سے پیش کیا تھا...... عصر کی نماز حضور نے اس ...... میں ادا فرمائی جو حضور کے عارضی مکان کے قریب ہی عارضی طور پر بنائی گئی ہے اور اس لئے اسے ...... کی بجائے ''جائے نماز'' کا نام دیا گیا ہے کیونکہ ...... میں یہ ...... مستقل جگہ کی طرف منتقل کر دی جائے گی ۔ یہ جائے نماز ایک کھلے چھپر کی صورت میں ہے جس کے نیچے لکڑی کے ستونوں کا سہارا دیا گیا ہے اور اس کے سامنے ایک فراخ کچا صحن ہے اور اس ...... کے علاوہ بھی ایک دو عارضی ......

ربوہ میں تعمیر کی جا چکی ہیں کیونکہ اس وقت ربوہ کی آبادی ایک ہزار نفوس کے قریب بتائی جاتی ہے
.....عصر کی نماز کے بعد دوستوں نے حضور سے مصافحہ کا شرف بھی حاصل کیا''۔

نئے مرکز میں حضور کا پہلا خطبہ جمعہ

(روزنامہ الفضل لاہور ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۹ء)

نئے مرکز میں مستقل رہائش اختیار کرنے کے بعد پہلا جمعہ ۳۰ر ستمبر ۱۹۴۹ء کو پڑھایا۔ اس سے قبل ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۹ء کا جمعہ حضور نے لاہور میں پڑھایا تھا۔

نئے مرکز کی سب سے پہلی مستقل ...... المبارک کا سنگ بنیاد

''دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ'' یہ الہام ایک بار پھر ۳ر اکتوبر ۱۹۴۹ء کو پورا ہوا جب ربوہ کی پہلی مستقل بیت الذکر بیت المبارک کا سنگِ بنیاد حضور نے اپنے دستِ مبارک سے فرمایا۔ اس تقریب کی اہمیت کے پیش نظر پاک و ہند کی جماعتوں اور لندن مشن کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی تا وہ بھی دعا میں شامل ہو جائیں۔ نماز عصر کا وقت سنگ بنیاد کے لئے مقرر تھا۔ حضور نے اسی جگہ نماز پڑھائی اور پھر حضور کی ہدایت کے مطابق حضرت مسیح موعود، مرد اور خاتون رفقاء، خاندان حضرت مسیح موعود کے افراد و خواتین، واقفین زندگی، امراء جماعت و ناظران سلسلہ اور مہاجرین قادیان کی نمائندگی میں تین تین اینٹیں رکھی گئیں۔ قادیان ...... المبارک کی دو اینٹیں بھی بنیاد میں رکھی گئیں۔ ابراہیمی دعاؤں سے حضور نے سنگ بنیاد رکھا۔ احباب بھی حضور کے پیچھے یہ دعائیں دُہراتے رہے۔

...... المبارک کا نقشہ حفیظ الرحمان واحد صاحب نے تیار کیا جبکہ حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی رفیق حضرت مسیح موعود (۳۱۳) کی نگرانی میں ...... المبارک اگست ۱۹۵۱ء میں مکمل ہوئی۔ حضور نے ۲۳ر اگست ۱۹۵۱ء میں اس میں پہلا خطبہ ارشاد فرمایا۔ کثرت سے احباب جماعت نے سنگ بنیاد کے دن ہی تعمیر کے لئے اپنے وعدے لکھوائے۔

نئے مرکز میں پہلا جلسہ سالانہ

جماعت احمدیہ کا سرزمین ربوہ پر پہلا جلسہ سالانہ ۱۵ تا ۱۷ر اپریل ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا۔ (یہ ۱۹۴۸ء کا جلسہ سالانہ تھا) جس میں حضور اقدس بنفس نفیس شامل ہوئے۔ غیر معمولی طور پر اس بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں سولہ ہزار سے زائد افراد اس جلسہ میں شامل ہوئے۔ پہاڑی کے دامن میں لنگر خانہ قائم کیا گیا جہاں ۴۵ تنور لگائے گئے۔ بہت سے احباب حضور کی تحریک پر گندم، آٹا اور دالیں وغیرہ ساتھ لے کر آئے۔ ٹینکروں کے ذریعہ پانی مہیا کیا گیا۔ متعدد مقامات پر پانی کے پمپ بھی لگائے گئے تھے۔ مہمانوں کی رہائش کے لئے ریلوے اسٹیشن کے دونوں طرف دور دور تک بیرکس تعمیر کی گئیں۔ بہت سے احباب نے اپنے طور پر میدان میں خیمے لگائے۔ ریلوے کا تعاون رہا جس نے اسٹیشن منظور کر لیا تھا یوں گاڑیاں رکنے لگیں اور زائد بوگیاں بھی ٹرینوں کو لگائی گئیں۔ ریلوے کے علاوہ دیو یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ کمپنی اور ویسٹ پنجاب ٹرانسپورٹ

کی لاریاں بھی کثرت کے ساتھ ان ایام میں شرکاء جلسہ کو لاتی رہیں۔

مہمانوں کی رہائش گاہ کے قریب ہی مردانہ و زنانہ جلسہ گاہ کا انتظام کیا گیا اور لاؤڈ سپیکر کا بہت اچھا انتظام تھا۔ منتظم بازار کی نگرانی میں جلسہ گاہ کے قریب ہی مختصر سا بازار بھی لگا ہوا تھا۔ پہلے جلسہ سالانہ منعقدہ ربوہ کے افسر جلسہ سالانہ محترم سید محمود اللہ شاہ صاحب تھے۔ جلسہ کے بیشتر کارکن تو مہمانانِ جلسہ میں سے تھے تاہم تعلیم الاسلام ہائی سکول چنیوٹ اور مدرسہ و جامعہ احمدیہ احمد نگر کے طلبہ نے انتظامات میں بطور معاون حصہ لیا۔ حفاظت کا کام خدام الاحمدیہ کے سپرد تھا۔ (الفضل ۲۳؍اپریل ۱۹۴۹ء)

مستقل الاٹمنٹ و تعمیر مکانات

تعمیر نئے مرکز کے سلسلہ میں جب محلہ جات بنائے گئے تو ان کو الف۔ب۔ ج۔د۔س۔ص اور ط کے نام دیئے۔ ستمبر ۱۹۵۰ء میں حضور کے حکم پر ان محلہ جات کے مندرجہ ذیل نام رکھے گئے:

دارالیمن (الف)، باب الابواب (ب)، دارالنصر (ج)، دارالبرکات (د)، دارالرحمت (س)، دارالصدر (ص)، دارالفضل (ط)۔ الاٹمنٹ پلاٹس سب سے پہلے دارالیمن اور دارالصدر کی ہوئی۔ پھر باب الابواب اور دارالفضل کی الاٹمنٹ کی گئی۔ دارالصدر میں سب سے پہلی کوٹھی نواب محمد احمد صاحب کی تعمیر ہوئی۔ دارالیمن میں پہلا ذاتی مکان ٹھیکیدار نور احمد صاحب نے تعمیر کیا۔ باب الابواب میں پہلا مکان چوہدری عبداللطیف صاحب نے اور دارالفضل میں کیپٹن نواب دین صاحب نے پہلا مکان بنایا۔ (تاریخ احمدیت جلد ۱۴ صفحہ ۲۱۶)

مرکزی عمارتوں کا سنگِ بنیاد

مرکز کے افتتاح کے بعد یہاں عارضی دفاتر تو قائم کر دیئے گئے تاہم مستقل دفاتر کی تعمیر کا سلسلہ ۱۹۵۰ء میں شروع ہوا۔ ۲۹ مئی ۱۹۵۰ء کو حضور نے اپنے ذاتی مکان کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۳۱ مئی ۱۹۵۰ء کو حضور نے مندرجہ ذیل عمارتوں کا سنگِ بنیاد رکھا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول، قصر خلافت، دفاتر تحریک جدید، دفاتر صدر انجمن احمدیہ اور دفاتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔

ریلوے اسٹیشن و ڈاکخانہ

ریلوے اسٹیشن کی منظوری مارچ ۱۹۴۹ء میں ہوگئی چنانچہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۹ء کے الفضل میں اسٹیشن کی منظوری کا اعلان شائع ہوا۔ یکم اپریل ۱۹۴۹ء سے ریلوے اسٹیشن ربوہ پر گاڑیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ مارچ ۱۹۵۰ء میں مستقل اسٹیشن کا نوٹیفکیشن جاری ہوا اور اپریل ۵۰ء سے مال و اسباب کی بکنگ ربوہ سے شروع ہوگئی۔ ریلوے اسٹیشن کے پہلے اسٹیشن ماسٹر مکرم چوہدری محمد صدیق صاحب آف نارووال مقرر ہوئے۔

ڈاکخانہ کا قیام ۱۴؍ستمبر ۱۹۴۹ء سے ہوا اور مکرم بابو برکت اللہ صاحب سب پوسٹ ماسٹر نے سمندری سے نئے مرکز آ کر ڈاکخانہ کا کام شروع کر دیا۔ ۲۹؍جنوری ۱۹۵۱ء سے ڈاکخانہ کے ساتھ تارگھر بھی کھول دیا گیا۔

یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ کمپنی کی جو بسیں لاہور سے سرگودھا کے لئے آتی تھیں انہوں نے نئے مرکز میں ٹھہرنا شروع کر دیا۔ چنیوٹ سے نئے مرکز آنے کے لئے تانگہ بھی استعمال ہوتا ۱۱رنومبر ۱۹۴۸ء کے الفضل میں تانگے کا کرایہ چنیوٹ سے نئے مرکز چھ آنے فی سواری جبکہ نئے مرکز سے احمد نگر دو آنے فی سواری مقرر کیا گیا۔

پہلا تعلیمی ادارہ

نصرت گرلز ہائی سکول اپریل ۱۹۴۹ء میں لاہور سے نئے مرکز منتقل ہوا۔ ربوہ میں قائم ہونے والا یہ پہلا تعلیمی ادارہ تھا۔ ہجرت کے بعد تعلیم الاسلام کالج لاہور میں، تعلیم الاسلام ہائی سکول چنیوٹ اور مدرسہ جامعہ احمدیہ احمد نگر میں قائم کئے گئے تھے۔

جامعہ نصرت برائے خواتین کا افتتاح ۱۴رجون ۱۹۵۱ء کو حضور نے فرمایا یہ حضور کی کوٹھی میں قائم کیا گیا تھا۔ اسے اگلے سال دفتر لجنہ میں جبکہ ۱۹۵۳ء میں اپنی موجودہ عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔

نئے مرکز کے بعض ابتدائی کوائف

۲۰ستمبر ۱۹۴۸ء کو نئے مرکز کے افتتاح کے ساتھ ہی یہاں عمارتی کاموں اور جماعتی دفاتر کی تعمیر کا آغاز ہو گیا۔ ۲۰ستمبر ۱۹۴۸ء کے بعد حضور بنفسِ نفیس کئی بار کاموں کا جائزہ لینے لاہور سے ربوہ آئے۔

☆ ۷رنومبر ۱۹۴۸ء کو حضور کی دعوت پر لاہور کے بڑے بڑے اخباروں کے نمائندگان نے حضور کی معیت میں نئے مرکز کا دورہ کیا اور انہیں نئے مرکز کے پلان کے بارہ میں آگاہ کیا گیا جنہوں نے اپنے اخبارات میں اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ صحافیوں میں فیض احمد فیض، میاں محمد شفیع، مولانا عبدالمجید سالک، سردار فضلی، باری علیگ، چوہدری بشیر احمد، مسٹر عبداللہ بٹ، مسٹر عثمان صدیقی، پروفیسر محمد سرور، میاں صالح محمد صدیق اور ثاقب زیروی صاحب شامل تھے۔ صحافیوں نے اپنے اخبارات میں نئے مرکز احمدیت کے بارہ میں اپنی آراء اور تبصرے تحریر کئے ان میں سے چند بطور نمونہ پیش ہیں:

محترم وقار انبالوی نے اخبار سفینہ ۱۳رنومبر ۱۹۴۸ء میں لکھا:

> ''ایک مہاجر کی حیثیت سے ہمارے لئے ربوہ ایک سبق ہے...... ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتدا کر دی ہے ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی ہمارے لئے محل نظر ہے وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونہ پر بسا سکتی ہے۔ اس طرح ربوہ عوام اور حکومت کے لئے ایک مثال ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعوے کئے بغیر کچھ کر دکھاتے ہیں''۔ (بحوالہ الفضل ۹رنومبر ۱۹۴۸ء)

''پاکستان ٹائمز'' کے نامہ نگار نے لکھا:

''دریائے چناب کے دائیں کنارے چنیوٹ کے قرب میں ایک نئے مثالی شہر کی بنا رکھنے میں نہایت دوراندیش اور صحیح تخیل کا مظاہرہ کیا گیا ہے ...... اس کا نام ربوہ تجویز ہوا ہے۔ پکی شاہراہ سے چند قدموں کے فاصلہ پر اتفاقاً گزرنے والوں کے لئے یہ ایک خوبصورت مقام ہوگا جہاں مہاجر احمدیہ خلافت کا مرکز بنایا جائے گا''۔

(پاکستان ٹائمز ۹رنومبر ۱۹۴۸ء بحوالہ الفضل ۱۱رنومبر ۱۹۴۸ء)

اخبار احسان نے لکھا:

''جماعت احمدیہ کے امیر مرزا بشیر الدین محمود احمد کی دعوت پر مقامی اخبار نویسوں کی ایک پارٹی جماعت احمدیہ پاکستان کے نئے مرکز ربوہ کو دیکھنے گئی جو لاہور سے کوئی ایک سو میل اور چنیوٹ سے پانچ میل کے فاصلہ پر دریائے چناب کے غربی کنارے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں ایک بے آب وگیاہ، غیر مزرع اور ناقابل آبادی قطعہ اراضی پر آباد کیا جارہا ہے۔ زمین کا یہ ٹکڑا جو ۱۰۳۴ ایکڑ پر مشتمل ہے اور جسے حکومت سے خرید لیا گیا ہے ان دنوں جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کا مرکز بن رہا ہے۔ یہاں ربوہ نام سے امریکی طرز پر ایک جدید ترین شہر زیر تعمیر ہے جس کی لاگت کا ابتدائی اندازہ کوئی ۲۵ لاکھ روپے کے قریب لگایا گیا ہے''۔

(بحوالہ الفضل ۱۱رنومبر ۱۹۴۸ء)

☆ نئے مرکز میں جماعتی آبادکاری کے ساتھ ہی یہاں نظام جماعت بھی عمل میں لایا گیا۔ ابتدائی امیر ربوہ محترم سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب تھے۔ ...... کے ابتدائی عہدے داران کے اسماء حسب ذیل تھے:

مال: مکرم قریشی محمد اکمل صاحب   دعوت الی اللہ: مکرم حکیم عبد اللہ صاحب
تعلیم وتربیت: مکرم محمد اسماعیل صاحب   وصایا: مکرم راجہ محمد نواز خان صاحب
تحریک جدید: مکرم صوفی خدا بخش صاحب   ضیافت: مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب
امور عامہ وقائد خدام الاحمدیہ: مکرم راجہ محمد یعقوب صاحب   (الفضل ۱۳رمئی ۱۹۴۹ء)

☆ ۱۹۴۹ء میں پہلا رمضان المبارک آیا۔ رمضان کی تراویح مکرم حافظ شفیق احمد صاحب نے پڑھائیں۔ رمضان میں درس القرآن مندرجہ ذیل بزرگان نے دیا:

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، مولانا جلال الدین صاحب شمس، مولوی قمر الدین صاحب، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی، قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی اور اختتامی درس حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے دیا۔ (الفضل ۱۶رجون ۱۹۴۹ء)

☆ نئے مرکز کے قیام کے ساتھ سرکاری حیثیت (لوکل باڈی) کے لئے ربوہ میں نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی کی منظوری ۲۶ رمئی ۱۹۴۹ء میں ہوگئی تھی جس کے پانچ ممبران نامزد ہوئے:

۱- ڈپٹی کمشنر جھنگ (صدر کمیٹی) ۲- تحصیلدار چنیوٹ ۳-نواب چوہدری محمد الدین صاحب

۴- صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ۵- صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب

اس کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۴رجون ۱۹۴۹ء کو ہوا۔ اس کمیٹی کا آنریری سیکرٹری صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کو مقرر کیا گیا۔ (الفضل ۱۷رجون ۱۹۴۹ء)

☆ نئے مرکز میں ابتدائی بازار جو کہ کچا بازار کہلاتا ہے یہ موجودہ دارالرحمت وسطی وشرقی کے درمیان تعمیر ہوا۔ حضور ۱۹رستمبر ۱۹۴۹ء کو نئے مرکز آئے تو ۲۰رستمبر کو حضور نے بازار بھی ملاحظہ فرمایا جس میں اس وقت تک ۲۸ دوکانیں بن چکی تھیں۔ حضور نے خوشی کا اظہار فرمایا اور دوکانوں کی اصلاح کے لئے ہدایات بھی دیں۔

(الفضل ۱۴راکتوبر ۱۹۴۹ء)

نئے مرکز میں پہلی دوکان قریشی فضل حق صاحب اور قریشی محمد اکمل صاحب نے کھولی۔

(''ربوہ'' از کیپٹن خادم حسین صاحب صفحہ ۱۱۴)

☆ عید الاضحیٰ ۱۹۴۹ء کے موقعہ پر ربوہ میں مندرجہ ذیل تعداد میں جانور قربان ہوئے۔ گائے ایک عدد، بکرا دنبہ ۲۶ عدد۔ (''ربوہ'' از کیپٹن خادم حسین صاحب صفحہ ۱۱۴)

☆ حضور کی ذاتی لائبریری جو جون ۴۹ء میں لاہور سے چنیوٹ منتقل کر دی گئی تھی مارچ ۱۹۵۰ء میں اسے ربوہ میں منتقل کر دیا گیا۔

☆ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا سرزمین ربوہ پر پہلا سالانہ اجتماع ۳۰، ۳۱راکتوبر وکیم نومبر ۱۹۴۹ء میں ہوا۔ جس میں حضرت مصلح موعود نے خطاب فرمایا اور اس اجتماع میں حضور نے اپنی صدارت خدام الاحمدیہ کا بھی اعلان فرمایا۔

☆ ربوہ کی ابتدائی شاہرات کے نام مندرجہ ذیل رکھے گئے:

شارع مبارک، محلہ، روضہ، تجارت، بعید، جامعہ، مصلیٰ، مبدأ، یمن، صحت، مقبرہ، اور رحمت۔

☆ ۲۱رمئی ۱۹۵۱ء کو نئے مرکز میں ٹیلی فون کنکشن لگا۔ ایک فون ڈاکخانہ میں لگا دیا گیا۔ پہلا فون شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کا آیا اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے پہلا فون درویشان قادیان کو کیا۔ جنوری ۱۹۵۷ء میں ٹیلی فون ایکسچینج نے بھی کام شروع کر دیا اور یوں دفاتر اور ذاتی ضرورت کے لئے احباب کو فون کی سہولت مل گئی۔

☆ بجلی کی آمد ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ ۹رجون ۱۹۵۴ء کو پہلا کنکشن لگا اس کا افتتاح حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ......مبارک کی بجلی کا سوئچ آن کر کے کیا۔

☆ نئے مرکز کا رقبہ تھانہ لالیاں کی حدود میں تھا جو آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ ۲۲؍ جون ۱۹۵۸ء کو ربوہ میں پولیس چوکی قائم ہوئی۔

☆ فضل عمر ہسپتال ربوہ کا آغاز ۲۱؍ اپریل ۱۹۴۹ء کو ایک خیمہ میں ہوا جس کی نگرانی صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے سپرد تھی۔ ان دنوں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب لاہور میں قیام رکھتے تھے ان کی آمد پر وہ نگران مقرر ہوئے۔ فضل عمر ہسپتال کی پختہ عمارت کا سنگ بنیاد ۲۰؍ فروری ۱۹۵۶ء کو حضرت مصلح موعود نے رکھا۔

☆ تعلیم الاسلام کالج کی عمارت کا سنگ بنیاد ۲۶؍ جون ۱۹۵۳ء کو رکھا گیا۔ ۷؍ نومبر ۱۹۵۴ء کو کالج لاہور سے نئے مرکز کی نئی عمارت میں منتقل ہوگیا۔ ۶؍ دسمبر ۱۹۵۴ء کو حضرت مصلح موعود نے اس کا باقاعدہ افتتاح فرمایا۔

☆ دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا سنگ بنیاد حضور نے ۶؍ فروری ۱۹۵۲ء کو جبکہ دفتر انصار اللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد ۲۰؍ فروری ۱۹۵۶ء کو رکھا۔

یہ نئے مرکز کے چند ابتدائی کوائف تھے جن کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر معلومات تاریخ احمدیت کا ایک باب ہے۔

ربوہ کا شہر آباد کرنا سیّدنا حضرت مصلح موعود کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جس کے قیام کے بعد دنیا بھر میں عَلم احمدیت بلند کرنے کے لئے جاں نثاران خلافت نئے مرکز سے تیار ہوکر روانہ ہوئے اور اب بھی یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں اور خدا کے ہزاروں پیاروں کی آخری آرام گاہ بہشتی مقبرہ یہاں ربوہ ہی میں ہے۔ اس لئے بلاشبہ ہماری یہ پیاری بستی ربوہ اللہ کے فضل سے ہمیشہ اللہ کی رحمتوں اور فضلوں کو جذب کرنے والی بستی رہے گی۔ انشاءاللہ۔

قیامت تک خدا کی محبوب بستی

نئے مرکز کے بارہ میں سیّدنا حضرت مصلح موعود نے فرمایا تھا کہ:

> ”یہ کبھی وہم نہ کرنا کہ ربوہ اجڑ جائے گا۔ ربوہ کو خدا تعالیٰ نے برکت دی ہے۔ ربوہ کے چپہ چپہ پر اللہ اکبر کے نعرے لگے ہیں۔ ربوہ کے چپہ چپہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ اس زمین کو کبھی ضائع نہیں کرے گا جس پر نعرۂ تکبیر لگے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا گیا ہے۔ یہ بستی قیامت تک خدا تعالیٰ کی محبوب بستی رہے گی اور قیامت تک اس پر برکتیں نازل ہوں گی۔ اس لئے یہ کبھی نہیں اجڑے گی، کبھی تباہ نہ ہوگی۔ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہمیشہ یہاں سے اونچا ہوتا رہے گا“۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴؍ مارچ ۱۹۵۷ء)

ربوہ کو ترا مرکزِ توحید بنا کر — اک نعرۂ تکبیر فلک بوس لگائیں
ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو — کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دعائیں

تاریخ احمدیّت کی تدوین واشاعت کا اِنتظام

(مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اپنے زمانہ خلافت کے آغاز ہی سے سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ کے محفوظ کئے جانے کا خیال دامن گیر رہا۔ چنانچہ حضور نے جلسہ سالانہ ۱۹۱۴ء کے موقع پر ارشاد فرمایا:

> ”ہمارے بہت بڑے فرائض میں سے ایک یہ بھی فرض ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حالات اور آپ کے سوانح کو بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے محفوظ کر دیں۔ ہمارے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اُسوۂ حسنہ نہایت ضروری ہے ...... آج بہت لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے دیکھنے والے اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے والے موجود ہیں اور ان سے بہت سے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں مگر جوں جوں یہ لوگ کم ہوتے جائیں گے آپ کی زندگی کے حالات کا معلوم کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے بہت جلد اس کام کو پورا کرنا چاہئے“۔ (”برکاتِ خلافت“ صفحہ ۹۳، ۹۴ طبع اوّل مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان)

حضور نے صرف جماعت ہی کو اس طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ بعد ازاں علاوہ رسالہ ”سیرت مسیح موعودؑ“ کی تالیف کے، اپنے خطبات، تقاریر اور ملفوظات اور کتب میں بڑی کثرت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک کے واقعات پر روشنی ڈالی۔ جہاں تک جماعتِ احمدیہ کے دوسرے افراد کا تعلق ہے جن بزرگوں کو سب سے بڑھ کر اس قومی فریضہ کی بجا آوری کا شرف حاصل ہوا ان میں سرفہرست حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراؔب (عرفانی) تھے جنہوں نے ”حیات النبی“ ”حیاتِ احمد“ اور ”سیرت مسیح موعودؑ“ کی متعدد جلدیں شائع فرمائیں۔ آپ کے علاوہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے رفقاء مسیح موعود کی روایات ”سیرت المہدی“ کے تین حصوں میں سپرد اشاعت فرمائیں۔ ”مُحِبِّ صادق“ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ”ذکرِ حبیب“ کے نام سے ایمان افروز کتاب لکھی۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی، جمالی شانوی کا ”سفرنامہ“ جو حضرت مسیح موعودؑ کے واقعات پر مشتمل تھا خلافتِ اُولیٰ کے عہدِ مبارک میں اخبار ”الحق“ (دہلی) میں چھپا اور جون ۱۹۱۵ء میں ”تذکرۃ المہدی“ کے نام سے شائع ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ اس کا دوسرا حصہ بھی چھپنا چاہئے۔ حضرت پیر صاحب کے قلم کا لکھا ہوا دوسرا حصہ ۵۷۳ صفحات کا تھا اور آپ کا ارادہ تھا کہ اسے کئی حصوں میں تقسیم کر کے چھپوا دیں مگر افسوس اس کے صرف ۴۸ صفحات ہی شائع کر پائے تھے کہ آپ انتقال کر گئے۔

۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء کو حضرت مصلح موعود نے روایات ..... جمع کرنے کی ایک اور مؤثر تحریک فرمائی۔ اس تحریک میں ابھی مرکزی نظام کے تحت باقاعدہ کام شروع نہیں ہوا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے نہایت یک رنگ، قدیم اور بے مثال فدائی وشیدائی حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی بیمار ہو گئے۔ حضرت خلیفہ ثانی المصلح الموعود نے ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء کو اپنے قلم مبارک سے مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلہ کو لکھا کہ:

> ''منشی صاحب کی بیماری کی خبر سے افسوس ہوا۔ آپ یہ کام ضرور کریں کہ بار بار پوچھ پوچھ کر ان سے ایک کاپی میں سب روایات حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھوالیں اس میں تاریخی اور واعظانہ اور سب ہی قسم کی ہوں یعنی صرف ملفوظات ہی نہ ہوں بلکہ سلسلہ کی تاریخ اور حضور علیہ السلام کے واقعات تاریخی بھی ہوں۔ یہ آپ کے لئے اور اُن کے لئے بہترین یادگار اور سلسلہ کے لئے ایک کارآمد سامان ہوگا''۔

(''..... احمد'' جلد ۳ صفحہ ۶۷ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے)

محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے اس ارشاد مبارک کی تعمیل میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب کی بیان فرمودہ روایات انہی کے الفاظ میں قلمبند کر کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز جنوری ۱۹۴۲ء میں شائع کرا دیں۔

۱۹۳۷ء کی تحریک کے نتیجہ میں نہ صرف روایات رفقاء کے جمع و اشاعت کا کام پوری توجہ اور باقاعدگی سے شروع ہو گیا بلکہ ایسا لٹریچر بھی تیار ہونے لگا جو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ اور خلافتِ اولیٰ وثانیہ کے عہد مبارک کی تاریخ پر مشتمل تھا۔ چنانچہ فروری ۱۹۳۸ء میں مکرم چوہدری محمد شریف صاحب مولوی فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ نے ''سلسلہ عالیہ احمدیہ'' اور دسمبر ۱۹۳۸ء میں ملک فضل حسین صاحب مہاجر نے ''تاثراتِ قادیان'' شائع کی۔ دسمبر ۱۹۳۹ء میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم سے ''سلسلہ احمدیہ'' جیسی شاندار تالیف اشاعت پذیر ہوئی جو سلسلہ احمدیہ کی پچاس سالہ تاریخ پر ایک مختصر مگر نہایت جامع اور حقیقت افروز کتاب تھی۔ ۱۹۴۲ء میں شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر الحکم نے ''مرکز احمدیت قادیان'' کے نام سے ایک پُر از معلومات کتاب چھپوائی۔ ۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے اپنی محققانہ تالیف ''Life of Ahmad'' کا حصہ اوّل مکمل کیا جو ۱۹۴۸ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

۱۹۵۰ء میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے درویش قادیان نے ''اصحاب احمد'' کی پہلی جلد اور ۱۹۵۲ء میں دوسری جلد شائع کی جس سے سلسلہ کے لٹریچر میں قابلِ قدر اضافہ ہوا۔ اسی طرح ۱۹۵۱ء کے دوران حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی ..... کی ''حیاتِ قدسی'' کے دو حصے حیدرآباد دکن سے سیٹھ علی محمد۔اے۔الہ دین صاحب کے زیر انتظام چھپے اور ہر طبقہ کے لئے ازدیاد ایمان کا موجب بنے۔

۱۹۵۳ء کا سال اگرچہ ابتلاؤں کا سال تھا مگر یہی وہ سال تھا جس میں سیدنا حضرت مصلح موعود کی تحریک خاص

سے مرکز احمدیت میں تاریخ سلسلہ احمدیہ کی تدوین واشاعت کی مرکزی سطح پر بنیاد پڑی۔

اس کا محرک دراصل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا ایک مکتوب تھا جو آپ نے ۲۴ر مارچ ۱۹۵۳ء (۲۴ر امان ۱۳۳۲ ہش) کو حضرت مصلح موعود کی خدمتِ بابرکت میں لکھا اور جس میں ایک عزیز کی یہ تجویز عرض کی گئی تھی کہ کوائف ۱۹۵۳ء سے متعلق حکومتِ پاکستان کے مرکزی اور صوبائی افسروں کے بیانات ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہونے چاہئیں۔ (اصل مکتوب ''شعبہ تاریخ احمدیت'' ربوہ میں محفوظ ہے)

سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس پر اپنے قلمِ مبارک سے تحریر فرمایا:

''اچھی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کی مکمل تاریخ لکھی جائے۔ میرے نزدیک مہاشہ فضل حسین......کو بلوا کر اس کام پر لگا دیا جائے یا دوست محمد بھی یہ کام کر سکتے ہیں......''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور کی توجہ اس طرف بھی منعطف فرمائی کہ سلسلہ احمدیہ کی پوری تاریخ کو محفوظ کیا جانا چاہیئے۔

حضرت مصلح موعود کی طرف سے تحریکِ خاص

چنانچہ اس سلسلہ میں حضور نے درج ذیل الفاظ میں تحریک فرمائی:

''احباب کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو علم ہے کہ ہماری جماعت کی تاریخ اَب تک غیر محفوظ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح بعض لوگوں نے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ بھی نامکمل ہیں۔ پس سلسلہ کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تاریخ سلسلہ احمدیہ کے مکمل کرانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے قریب کے زمانہ کی تاریخ مرتب کی جائے گی تاکہ ضروری واقعات محفوظ ہوسکیں۔ سلسلہ کی تاریخ کئی جلدوں میں مکمل ہوگی۔ تین سال تک کام کا اندازہ ہے۔ اس کی چھپوائی اور لکھوائی وغیرہ پر کم از کم تیں پینتیس ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ ہے۔ صدر انجمن احمدیہ پر چونکہ اس وقت کافی بار ہے اس لئے اس کام کا علیحدہ انتظام کرنے کے لئے مَیں احباب جماعت میں سر دست صرف مبلغ بارہ ہزار روپیہ کی تحریک اس کام کے لئے کر رہا ہوں۔ جب یہ روپیہ خرچ ہونے کو ہوگا پھر اور اپیل کی جائے گی۔ جماعت کے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے انہیں سلسلہ کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے تا یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں اس تحریک کے لئے مد کھول دی گئی ہے جو احباب

اس تحریک میں حصہ لینا چاہیں وہ اپنی رقوم محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ ربوہ کو ''بمد تصنیف تاریخ سلسلہ احمدیہ'' بھجوا دیں۔

یہ رقم میرے اختیار میں رہے گی اور میرے ہی دستخطوں سے برآمد ہو سکے گی۔

والسلام

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ''

یہ تحریک خاص اخبار ''المصلح'' (کراچی) ۲۰؍ہجرت ۱۳۳۲ہش (۲۰؍مئی ۱۹۵۳ء) میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی تو مخلصینِ جماعت نے اس کا پُر جوش خیر مقدم کیا۔ نیز اس اعلان نے جماعت کے اہلِ قلم اصحاب میں بھی ایک جنبش پیدا کر دی۔ چنانچہ لاہور کے ایک مخلص احمدی ایڈووکیٹ نے حضرت مصلح موعود ...... کی خدمتِ اقدس میں تحریری درخواست دی کہ انہیں تاریخ سلسلہ لکھنے کا موقعہ عطا فرمایا جائے لیکن حضور نے دفتر کو ارشاد فرمایا کہ:

''المصلح میں اعلان کیا جائے۔ تاریخِ سلسلہ کے لکھنے کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ تاریخ سے مَس ہو، ادیب ہوں، تحقیق اور مطالعہ کا بہت شوق ہو، جس تنخواہ پر آ سکیں اس سے بھی اطلاع دیں''۔

چنانچہ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ کی جانب سے المصلح ۱۶؍جولائی ۱۹۵۳ء صفحہ ۶ میں یہ اعلان بھی کر دیا گیا جس پر درج ذیل مقامات سے درخواستیں موصول ہوئیں:

لاہور (۲ عدد)، شیخوپورہ (۲ عدد)، کراچی (ایک عدد)، لطیف نگر اسٹیٹ ضلع تھرپارکر سندھ (ایک عدد)۔

حضرت مصلح موعود کی خدمتِ بابرکت میں جب یہ سب درخواستیں مع کوائف پیش کی گئیں تو حضور نے فیصلہ صادر فرمایا کہ

''درخواستوں پر کسی کارروائی کی ضرورت نہیں ان میں سے سردست کوئی پورا نہیں اُترتا''۔

چونکہ حضور تاریخِ سلسلہ کے مدوّن کئے جانے کا عزم صمیم کر چکے تھے اس لئے آپ نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ابتدائی مراسلہ کے قریباً سوا ماہ کے بعد مکرم مہاشہ فضل حسین صاحب کو تاریخِ احمدیت کا مواد اکٹھا کرنے کے لئے نامزد فرمایا اور ان کا تقرر خلافت لائبریری میں ہوا۔ آپ نے ۳۰؍اپریل ۱۹۵۳ء سے لے کر ۲۰؍مئی ۱۹۵۵ء تک یہ خدمت انجام دی۔ حضور ...... نے فسادات ۱۹۵۳ء کے واقعات کو جمع کرنے میں اوّلیت دینے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں مہاشہ صاحب نے علاوہ اخبارات و رسائل کا مطالعہ کرنے کے منٹگمری (ساہیوال) سے لے کر راولپنڈی تک کا دَورہ کیا اور بہت سی چشم دید شہادتیں جمع کر کے ان کو مرتب کیا نیز ''فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء

کا پس منظر'' کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھا۔

محترم مہاشہ فضل حسین صاحب کو مقرر ہوئے چند ہفتے ہی گزرے تھے کہ ۲۴ر جون ۱۹۵۳ء کو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے راقم الحروف (دوست محمد شاہد) کو اطلاع ملی کہ حضرت اقدس نے اس عاجز کو یاد فرمایا ہے چنانچہ اگلے دن حضور نے شرف باریابی بخشا اور تاریخ احمدیت کی تدوین سے متعلق بنیادی ہدایات ارشاد فرمائیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ:

۱۔ فی الحال ستمبر ۱۹۴۶ء سے اگست ۱۹۵۲ء تک کی تاریخ لکھنے کا کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ یہ حصہ لکھنے کے بعد دوسرے حصوں پر توجہ دینی ہوگی۔

۲۔ تاریخ کی ترتیب و تدوین میں علاوہ دیگر ماخذوں کے لاہور کی پبلک لائبریری سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

۳۔ اس حصہ تاریخ میں نمایاں طور پر قیام و استحکام پاکستان کے سلسلہ میں جماعتی خدمات کو پیش کیا جائے۔ حوالہ پورا نقل کیا جائے اور جو مواد بھی مل سکے اس کو جمع کر دیا جائے تا مستقبل کے مؤرخ اس سے انتخاب کر کے اپنے زمانہ میں ان واقعات کی ترتیب دے سکیں۔

تاریخ احمدیت کی تدوین کا دفتر ابتداءً پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر کے کمرہ ملاقات میں قائم کیا گیا بعد ازاں جب خلافت لائبریری کے نئے کمرے تعمیر ہو گئے تو اسے لائبریری میں منتقل کر دیا گیا۔

یہ شعبہ چونکہ حضور کی تحریکِ خاص سے قائم ہوا تھا اس لئے حضور اس کی خاص طور پر نگرانی اور راہنمائی فرماتے تھے۔ حضور کی شروع ہی سے تاکیدی ہدایت تھی کہ اس شعبہ کی ہفتہ وار رپورٹ آنی چاہئے۔ چنانچہ (حضور کی بیماری یا سفرِ یورپ کے دنوں کے سوا) اس شعبہ کی کارگزاری باقاعدگی سے حضور کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی۔ حضور اسے ملاحظہ فرما کر بعض اوقات اپنے دستِ مبارک سے اور بعض اوقات زبانی ارشادات فرما دیتے۔ حضور کے بعض احکام سیدہ اُمِّ متین صاحبہ حرم حضرت مصلح موعود...... کے قلم سے بھی لکھے ہوتے تھے۔

۲۲ر مئی ۱۹۵۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود زیورچ (سوئٹزرلینڈ) میں تشریف فرما تھے۔ اس روز حضور نے مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ پرائیویٹ سیکرٹری کو مکرم مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ کے نام خط لکھوایا کہ ''مہاشہ صاحب نے جتنا کام کرلیا کرلیا باقی دوست محمد صاحب شروع کر دیں بہر حال تاریخ سلسلہ ہم نے لکھنی ہے۔ ۱۹۳۸ء سے پہلے لکھ لیں پچھلی بعد میں لکھ لی جائے گی''۔

حضور کا یہ ارشاد ۲۹ر مئی ۱۹۵۵ء کو ربوہ میں موصول ہوا۔

ازاں بعد ۶ر فروری ۱۹۵۶ء کو شعبہ تاریخ کی رپورٹ ملاحظہ کر کے ارشاد فرمایا:

''یہ بتائیں چھپنے میں کیا دیر ہے؟ چھپنی جلد چاہئے تا کہ محفوظ ہو جائے پھر ابتدائی تاریخ کی تدوین شروع کر دیں۔ مَیں نے پچھلے زمانہ کی تاریخ اس لئے سپرد کی تھی کہ کم از کم یہ تو محفوظ ہو جائے''۔

''تاریخ احمدیت'' کی بیس جلدوں کی اشاعت

حضرت مصلح موعود کی اس مبارک خواہش کو پورا کرنے کی سعادت ادارۃ المصنفین کے حصہ میں آئی۔ حضور نے اس مرکزی ادارہ کی بنیاد دسمبر ۱۹۵۷ء میں رکھی اور اس کے بنیادی مقاصد میں تاریخ احمدیت کی اشاعت کو بھی شامل فرمایا اور مکرم ابوالمنیر نورالحق صاحب فاضل کو اس کے مینجنگ ڈائریکٹر کے فرائض سپرد فرمائے اور ان کو ''تاریخ احمدیت'' کے چھپوانے کے لئے خصوصی ہدایات فرمائیں۔ مکرم ابوالمنیر صاحب نے پوری توجہ، غیر معمولی ہمت واستقلال اور کمال دلجمعی اور ذوق وشوق کے ساتھ اشاعتِ تاریخ کا بیڑا اُٹھایا اور ادارہ کے معرضِ وجود میں آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملک فضل حسین صاحب کی کتاب ''فسادات ۱۹۵۳ء کا پس منظر'' طبع کروائی اور پھر گوناگوں مشکلات اور نامساعد حالات کے باوجود ۱۹۸۰ء تک ''تاریخ احمدیت'' کی سولہ ضخیم جلدیں شائع کرائیں۔ علاوہ ازیں پہلی تین جلدوں کے دو دو ایڈیشن بھی چھپوا دیئے۔

''تاریخ احمدیت'' کی ابتدائی پانچ جلدیں خلافتِ ثانیہ کے بابرکت عہد میں اور بقیہ گیارہ جلدیں خلافتِ ثالثہ کے مبارک دَور میں منظرِ عام پر آئیں۔

خلافت رابعہ میں یہ اہم ذمہ داری نظارت اشاعت صدر انجمن احمدیہ کے سپرد ہوئی۔ چنانچہ جلد ۱۶، ۱۸، ۱۹ خلافت رابعہ کے مقدس دور میں جبکہ بیسویں جلد خلافتِ خامسہ کے مبارک دور میں منظرِ عام پر آئیں۔

علاوہ ازیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ''تاریخ احمدیت'' کو ازسرِ نو سیٹ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس پر نظارت اشاعت صدر انجمن احمدیہ نے طبع اوّل کی جلدوں کو ترمیمات وتصحیحات کے بعد کمپیوٹر پر شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ طبع اوّل کی جلد اوّل ودوم پر مشتمل جلد اوّل ۲۰۰۰ء میں منصہ شہود پر آئی۔

پھر اس کے بعد چوتھی جلد تک خلافتِ رابعہ اور پانچویں سے ساتویں جلد خلافتِ خامسہ کے مبارک ادوار میں مکرم ومحترم سید عبدالحی شاہ صاحب ایم اے ناظر اشاعت نے کی نگرانی میں طبع ہوئیں۔

حضرت مصلح موعود کی مِلّی خدمات

(مکرم ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب)

حضرت مصلح موعود کی ملی خدمات کا دائرہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ان کا تعلق ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کے لئے جدوجہد سے بھی ہے، مسلمان ممالک کو غیروں کے تسلط سے بچانے سے بھی ہے، مسلمان ممالک کے قدرتی وسائل کی حفاظت سے بھی ہے، جنگِ عظیم کے دوران ان کی راہنمائی سے بھی تا کہ وہ غیروں کے ہاتھوں میں آلہ کار نہ بنیں، عراق سے بھی ہے اور ترکی کے حقوق سے بھی ہے، انڈونیشیا اور فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی سے بھی ہے۔ہم نے ان میں سے کچھ ملی خدمات کا ذکر اس مضمون میں کیا ہے۔

ایک قائد اور حقیقی خیرخواہ کسی قوم کی سب سے بڑی خدمت یہ کرسکتا ہے کہ وہ ان معاملات پر گہری نظر رکھے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔اور ان کا صحیح اور حقیقت پسندانہ تجزیہ قوم کے سامنے پیش کرے اور پھر ان کی راہنمائی کرے کہ ان حالات میں انہیں کیا کرنا چاہئے، انہیں کیا خطرات پیش آ سکتے ہیں اور ان کے سدباب کے لئے انہیں کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔ایک حقیقی ناصح تو وہی ہے جو کہ اس وقت حالات کا صحیح تجزیہ کرے جب کہ اکثر حقائق پردہ اخفاء میں ہوں یا ابھی تمام نتائج سامنے نہ آئے ہوں۔اور پھر وہ اس تجزیہ کی روشنی میں قوم کی صحیح راہنمائی کرے۔

مندرجہ بالا معاملات میں، جن کے بارے میں حضرت مصلح موعود نے راہنمائی فرمائی تھی، ان کے بارے میں بہت سے حقائق جو کہ اس وقت لوگوں کے علم میں نہیں تھے اب منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔اور بہت سے اقدامات جو اس وقت کئے گئے تھے ان کے نتائج بھی دنیا نے دیکھ لئے ہیں۔اب اگر کوئی شخص غیر جانبدار ہو کر تحقیق کرنے بیٹھے گا تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ صحیح اور بروقت راہنمائی وہی تھی جو اس وقت حضرت مصلح موعود نے فرمائی تھی۔اگر اس وقت اس راہنمائی پر عمل کیا گیا تو اس کا فائدہ اُٹھایا گیا۔اگر ان پر عمل نہیں کیا گیا تو اس کا نقصان اُٹھانا پڑا اور جہاں تک عملی خدمت کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضور کی قیادت میں جماعتِ احمدیہ سب سے پیش پیش رہی۔

حضرت مصلح موعود کی ذہانت کوئی عام دنیاوی ذہانت نہیں تھی۔آپ کی پیدائش سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو بشارت دے دی تھی کہ پیدا ہونے والا موعود بیٹا سخت ذکی اور فہیم ہوگا۔اور دنیاوی معاملات میں بھی دنیا نے اس اعجازی ذہانت کے نظارے دیکھے۔اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپ کی اس طرح راہنمائی فرماتا تھا کہ آپ اس وقت صحیح نتائج پر پہنچ جاتے تھے جب کہ دنیا کے ذہین ترین افراد بھی ان پر پہنچنے سے قاصر ہوتے تھے۔ہم تاریخ کے چند واقعات کا اس زاویہ سے جائزہ لیں گے۔

عرب ممالک میں استعماری قوتوں کا اثر روکنے کی کوشش

پہلی جنگِ عظیم کے دور میں بلکہ اب تک استعماری قوتوں کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مختلف سربراہان مملکت کو اور مختلف مملکتوں کو مالی مدد دی جاتی ہے اور ان سے اپنی باتیں منوائی جاتیں اور اس طرح اپنے مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں ۔لیکن اس عمل سے ان غریب ممالک اور ریاستوں کی آزادی متاثر ہوتی ہے اور ان کے مفادات پر منفی اثر پڑتا ہے ۔لیکن یہ مسئلہ اس وقت اور زیادہ نازک ہو جاتا ہے جب اس مالی مدد کے ذریعہ وہ ان ممالک میں اپنا اثر پیدا کر رہے ہوتے جہاں پر مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں یا یہ ممالک مقاماتِ مقدسہ کے قریب واقعہ ہوں ۔لارڈ چیمسفورڈ جب وائسرائے تھے (وہ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک وائسرائے رہے) یہ خبریں پھیلنی شروع ہوئیں کہ انگریز حکومت عرب رؤساء کو بھاری رقوم دے کر اپنے مفادات حاصل کر رہی ہے تو ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ اور ملک میں شور پڑ گیا ۔وائسرائے نے بیان دیا کہ ہم عرب رؤساء کو رقوم نہیں دے رہے اور مسلمان مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ۔لیکن حضرت مصلح موعود کی خداداد فراست ہر معاملہ کا مکمل طور پر جائزہ لیتی تھی ۔اس وقت حقائق پورے طرح منظرِ عام پر تو نہیں آئے تھے لیکن آپ نے اپنے طور پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ گو ہندوستان کی حکومت تو عرب رؤساء کو مدد نہیں دے رہی تھی لیکن انگلستان کی حکومت عرب رؤساء کو وظیفہ دے رہی تھی ۔ان میں اس وقت نجد کے سعودی حکمران عبد العزیز اور شریف مکہ کو حکومتِ برطانیہ رقوم مہیا کر رہی تھی ۔حضور نے اس پر لارڈ چیمسفورڈ کو خط لکھا کہ گو لفظی طور پر آپ کا اعلان صحیح ہے لیکن حقیقت میں یہ بات صحیح نہیں ہے اور ابن سعود اور شریف حسین (اس وقت شریف حسین حجاز پر حاکم تھے) کو مدد مل رہی ہے اور مسلمان عرب پر انگریز کا تسلط کسی قیمت پر پسند نہیں کر سکتے ۔
حضرت مصلح موعود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''آج سے کئی سال پہلے جب لارڈ چیمسفورڈ ہندوستان کے وائسرائے تھے مسلمانوں میں شور پیدا ہوا کہ انگریز بعض عرب رؤساء کو مالی مدد دے کر انہیں اپنے زیرِ اثر لانا چاہتے ہیں ۔یہ شور جب زیادہ بلند ہوا تو حکومتِ ہند کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ ہم عرب رؤساء کو کوئی مالی مدد نہیں دیتے ۔مسلمان اس پر خوش ہو گئے کہ چلو خبر کی تردید ہو گئی ۔لیکن میں نے واقعات کی تحقیقات کی تو مجھے معلوم ہوا کہ گو ہندوستان کی حکومت بعض عرب رؤساء کو مالی مدد نہیں دیتی مگر حکومتِ برطانیہ اس قسم کی مدد ضرور دیتی ہے ۔چنانچہ ساٹھ ہزار پونڈ ابن سعود کو ملا کرتے تھے اور کچھ رقم شریف حسین کو ملتی تھی ۔جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے لارڈ چیمسفورڈ کو لکھا کہ گو لفظی طور پر آپ کا اعلان صحیح ہے مگر حقیقی طور پر صحیح نہیں ۔کیونکہ حکومتِ برطانیہ کی طرف سے ابن سعود اور شریف حسین کو اس قدر مالی مدد ملتی ہے ۔اور اس میں ذرہ بھر بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمان

عرب پر انگریزی حکومت کا تسلط کسی رنگ میں بھی پسند نہیں کر سکتے۔ان کے جواب میں مجھے خط آیا (وہ بہت ہی شریف طبیعت رکھتے تھے) کہ یہ واقعہ صحیح ہے مگر اس کا کیا فائدہ کہ اس قسم کا اعلان کر کے فساد پھیلایا جائے۔ہاں ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ حکومتِ انگریزی کا یہ ہرگز منشاء نہیں کہ عرب کو اپنے زیرِ اثر لائے۔'' (خطباتِ محمود جلد ۱۲ صفحہ ۵۴۹)

اب اتنی دہائیاں گذرنے کے بعد جب کہ تمام حقائق منظرِ عام پر آچکے ہیں، ان حقائق کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ ۱۹۱۵ء میں سعودی فرمانروا عبد العزیز کی ملاقات سلطنتِ برطانیہ کے نمائندے Percy Cox سے ہوئی۔اس وقت عبد العزیز نجد کے حکمران تھے اور حجاز میں جہاں پر مکہ اور مدینہ منورہ واقعہ ہیں شریف مکہ کی حکومت تھی۔اور اس کے نتیجہ میں ایک معاہدہ ہوا۔اس معاہدہ کی رو سے نجد کی ریاست کو سلطنتِ برطانیہ کے ماتحت Protectoroate بنادیا گیا۔اور یہ طے ہوا کہ عبد العزیز ابن سعود کی حکومت کسی بیرونی حکومت سے براہِ راست رابطہ نہیں کرے گی۔کسی ایسے شخص کو ولی عہد نہیں مقرر کیا جائے گا جو سلطنتِ برطانیہ کے خلاف جذبات رکھتا ہو۔اور کسی اور ملک کو اس ریاست میں مراعات نہیں دی جائیں گی۔اور اگر عبد العزیز کو جنگ درپیش ہوئی تو سلطنتِ برطانیہ جس طرح مناسب سمجھے گی ان کی مدد کرے گی۔ اور اس کے بدلہ میں عبد العزیز ابن سعود نے یہ مراعات حاصل کیں کہ انہیں ترکی کی پکڑی گئیں ۳۰۰ پرانی بندوقیں دیں اور دس ہزار روپے کی مدد دی۔اور ۱۹۱۶ء میں مزید ایک ہزار بندوقیں اور بیس ہزار پاؤنڈ دیئے گئے۔اور پانچ ہزار پاؤنڈ ماہانہ یعنی ساٹھ ہزار پاؤنڈ سالانہ کا وظیفہ ملنا شروع ہوا۔اور یہ وظیفہ ۱۹۲۴ء تک جاری رہا اور برطانیہ کی سلطنت کی مدد سے انہوں نے رشید خاندان کو شکست دی جو کہ سلطنتِ عثمانیہ کے مددیافتہ تھے اور رشید خاندان کی حکومت ختم کردی گئی۔

اسی طرح شریف حسین ابن علی کو جو حجاز کے حکمران تھے سعودی خاندان سے زیادہ مالی مدد دی جاتی تھی۔اور انہیں اس طرح تیار کیا گیا کہ وہ برطانیہ کی مدد کے ساتھ سلطنتِ عثمانیہ سے ٹکرلیں۔تاریخ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس مالی مدد کے نتیجہ میں ان ریاستوں کی مکمل آزادی بری طرح متاثر ہوئی اور اس کے ذریعہ سے مختلف مسلمان ریاستوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ یا ان عرب ریاستوں کو آپس میں لڑایا گیا۔اور یوں اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا۔حضرت مصلح موعودؓ نے صرف حکومت کی تردید پر اعتبار نہیں کیا بلکہ اس کے نقصانات کا بروقت احساس کر کے اس کے خلاف آواز اُٹھائی۔جب کہ دوسرے مسلمان قائدین اس مالی مدد کے مضمرات کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگا سکے تھے۔

(The Kingdom,by Robert Lacey,p124, Wikipedia,under Abdul Aziz ibn Saud)

بعد میں خود شاہ عبد العزیز نے اعتراف کیا کہ انگریز مسلسل میرے اردگرد جال بنتے رہتے ہیں۔جب وہ کوئی چیز مجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اسے حاصل کر لیتے ہیں لیکن جب مجھے کوئی چیز لینی ہوتی ہے تو مجھے اس کے لئے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔

(The Kingdom,by Robert Lacey,p137)

حضرت مصلح موعودؓ کی نصیحت کہ سعودی خاندان تیل کی کمپنیوں سے معاہدے کرتے ہوئے احتیاط کرے

پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے درمیان رفتہ رفتہ دنیا میں ایندھن کے لئے کوئلے کی بجائے تیل کی مصنوعات کا استعمال بڑھتا گیا اور اس کے ساتھ ہی تیل کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔قبل اس کے کہ سعودی عرب میں تیل کے ذخائر دریافت ہوتے ، دوسرے اسلامی ممالک میں تیل کے ذخائر دریافت ہو چکے تھے لیکن چونکہ مسلمانوں کے پاس نہ تو سائنسی علم تھا کہ وہ اس نعمت سے فائدہ اُٹھا سکتے اور نہ ہی ان کی سیاسی قیادت اتنی بیدار مغز تھی کہ ایسے معاہدے کرپاتی کہ ان کے ممالک کو تیل کی دولت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ایران میں تیل دریافت ہوا تو ان ذخائر سے Anglo-Persian Company تیل نکال رہی تھی اس کے پچاس فیصد سے زیادہ حصص کی مالک برطانیہ کی حکومت تھی۔عراق میں جو تیل دریافت ہوا تو اس سے Iraq Petrolium Company تیل نکال رہی تھی۔ یہ کمپنی بہت سی کمپنیوں کی مشترکہ ملکیت تھی۔اس کے اکثر حصص برطانوی کمپنیوں کے پاس تھے اور باقی حصص کی مالک امریکی اور ڈچ کمپنیاں تھیں۔بحرین میں تیل ڈھونڈنے کا ٹھیکہ بھی امریکی کمپنی کو دیا گیا جس نے بحرین میں تیل ڈھونڈنے کے لئے Bapco کے نام سے کمپنی بنائی۔معاہدہ ۱۹۳۰ء میں ہوا اور ۱۹۳۲ء میں بحرین میں تیل کا پہلا کامیاب کنواں کھودا گیا۔اور یہاں پر بھی تیل دریافت ہوا۔سعودی عرب یعنی نجد اور حجاز کا علاقہ ایسا تھا جس کے متعلق ماہرین کا خیال تھا کہ یہاں پر تیل نکلنے کے امکانات بہت زیادہ ہیں لیکن یہ ایسا علاقہ تھا جس سے مغربی اقوام کے لوگ سب سے کم واقف تھے اور یہاں تک رسائی بھی ان کے لئے نسبتاً زیادہ مشکل تھی۔سعودی فرمانروا عبدالعزیز ابن سعود سے سب سے پہلے اس مقصد کے لئے رابطہ نیوزی لینڈ کے ایک شخص میجر فرینک ہولمس (Frank Holmes) نے ۱۹۲۲ میں کیا تھا۔اس کا پس منظر یہ تھا لندن میں بہت سے سرمایہ داروں نے مل کر ایک Eastern and General Syndicate بنایا تھا تا کہ عرب اور خلیج کے علاقوں میں منفعت بخش پراجیکٹ شروع کئے جا سکیں تو انہوں نے ان صاحب کو بحرین میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا۔اور بعد میں ان صاحب نے بحرین میں تیل کی تلاش کے لئے معاہدوں کی تکمیل کے لئے کلیدی کردار ادا کیا۔۱۹۲۲ میں انہوں نے سعودی فرمانروا سے معاہدہ کر لیا جس کی رو سے سعودی فرمانروا کو سالانہ کچھ رقم ادا کی جائے گی اور ان کی کمپنی مشرقی صوبہ میں تیل کی تلاش کرے گی۔بلجیئم کے ماہرین یہاں پہنچے اور کچھ سال تیل کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر مسئلہ یہ تھا یہاں پر بنیادی سہولیات کا مکمل فقدان تھا اور اس تلاش میں کامیابی نہیں ہوئی اور کمپنی مسلسل سالانہ رقم ادا نہ کر سکی اور یہ معاہدہ ختم ہو گیا۔لیکن جب بحرین کا تجربہ کامیاب ہوا تو ماہرین کو یقین ہو گیا کہ سعودی عرب میں بھی کامیابی کے قوی امکانات موجود ہیں۔

چنانچہ ازسرِنو سعودی فرمانروا اور تیل کی کمپنیوں کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے۔اس بار امریکہ کی کمپنی

Standard Oil of California اور دوسری کمپنی IPC میدان میں تھی ، اس کی کمپنی کے زیادہ تر حصص کی مالک برطانوی کمپنیاں تھیں۔ اس مرحلہ پر سعودی فرمانروا کو رقم کی سخت ضرورت تھی۔ ۱۹۲۹ء کے بعد پوری دنیا کی مالی حالت دگرگوں تھی۔ اور اس کی وجہ سے حج کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد نصف سے بھی بہت کم ہو کر ۴۰۰۰۰ سے بھی کم ہو گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی سعودی فرمانروا سخت مالی مشکلات میں پھنس گئے تھے۔

انہوں نے ایک دوست کے سامنے اظہار کیا کہ اگر کوئی اس وقت انہیں دس لاکھ پونڈ دے دے تو وہ اپنے ملک میں اسے تمام Concessions دینے کو تیار ہیں۔ (The Kingdom,by Robert Lacey,p229)

بہرحال ۱۹۳۳ء میں کئی مہینے یہ مذاکرات چلے۔ شروع ہی سے امریکن گروپ کا پلا بھاری تھا۔ برطانوی گروہ زیادہ پر امید نہیں تھا کہ یہاں پر تیل کے وسیع ذخائر مل سکتے ہیں۔ ایک مرحلے پر تو خود برطانوی نمایندے نے بھی دھیمے انداز میں انہیں مشورہ دیا کہ وہ امریکی کمپنی کی پیشکش قبول کر لیں۔ سعودی فرمانروا کے ساتھ ایک انگریز فلبی (Philby) نام کے بھی تھے۔ وہ شروع میں برطانوی حکومت کے نمایندے بن کر آئے اور پھر برطانوی حکومت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور پھر ...... قبول کر کے وہیں پر رہنے لگے۔ انہیں سعودی فرمانروا عبدالعزیز ابن سعود کا اعتماد بھی حاصل تھا۔ وہ ان مذاکرات کے دوران سعودی فرمانروا کے لئے زیادہ مراعات کے لئے بھی کوشش کرتے اور اس کے ساتھ وہ امریکی کمپنی سے ۱۰۰۰ ڈالر ماہوار کا وظیفہ بھی لیتے تا کہ ان کے مفادات کے لئے کام کریں اور انہیں مکہ میں ہونے والی میٹنگوں کی تفصیلات بھی مہیا کرتے رہتے کہ ان کی درخواست پر کیا کیا فیصلے ہو رہے ہیں۔ بالآخر مئی ۱۹۳۳ء میں یہ شرائط طے ہو گئیں۔

ان شرائط کو طے کرتے ہوئے سعودی حکومت کا زیادہ تر زور بھی اس بات پر تھا کہ کسی طرح اس کمپنی سے کچھ قرض مل جائے جو کہ بعد میں نکلنے والے تیل کی Royalty سے منہا کر لیا جائے۔ آخر معاہدہ ہوا کہ یہ کمپنی سعودی عرب کے مشرقی صوبہ میں تیل ڈھونڈے گی اور اس کے بدلے سعودی عرب کو پہلی قسط کے طور پر تیس ہزار سونے کے پاؤنڈ کا قرض ملے گا اور پھر اٹھارہ ماہ کے بعد مزید بیس ہزار پاؤنڈ کا قرض ملے گا۔ ہر سال پانچ ہزار پاؤنڈ ملیں گے۔ پہلے سال کی Royalty اور پہلا قرضہ تو سونے کے پاؤنڈ کی صورت میں ہوگا لیکن دوسرا قرضہ اور بعد کی سالانہ ادائیگی دوسری کرنسیوں میں ہوگی جس کا فیصلہ کمپنی کی صوابدید پر ہوگا۔ اور تیل کے ہر ٹن پر سونے کے چار شلنگ کا معاوضہ ادا ہوگا۔ یہ ادائیگی بھی سعودی امیدوں سے کم کی جا رہی تھی۔

یہ معاہدہ ۶۰ سال کی مدت کے لئے کیا جا رہا تھا۔ اس میں یہ قابلِ پریشانی بات تھی کہ Royalty کم تھی اور بعد کی سالانہ ادائیگی کس کرنسی میں ہوگی یہ کمپنی کی صوابدید پر تھا۔

(The Kingdom,by Robert Lacey p225.236, Discovery,by Wallace Stagener,Middle East Export Press Beirut,1971p14-22)

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت پوری دنیا کے مالی حالات دگر گوں تھے اور تیل کی قیمت کم تھی لیکن وقت کے ساتھ تیل کی ضرورت اور مانگ اور قیمت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس لحاظ سے تیل نکالنے پر جو royalty مقرر کی جا رہی تھی وہ وقت کے ساتھ بالکل ناکافی ثابت ہو سکتی تھی اور ایسا ہی ہوا۔

کسی اور نے یہ محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو کہ ایک مسلمان ملک معاہدے کرتے ہوئے پوری احتیاط نہیں کر رہا، خود اس ملک کے ذمہ دار افراد بھی اس کا احساس نہیں کر پا رہے تھے کہ مستقبل میں اس کے مفادات متاثر ہو سکتے ہیں لیکن حضرت مصلح موعود نے اس بات کا تجزیہ بھی فرمایا اور پھر اس کے متعلق آواز بھی اُٹھائی۔ اس سے بھی پہلے جب سعودی فرمانروا عبدالعزیز ابن سعود اور اٹلی کی حکومت کے درمیان کسی معاہدے کے لئے بات چیت چل رہی تھی تو حضرت مصلح موعود نے انہیں پیغام بھجوایا کہ معاہدہ کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیں کیونکہ یورپین قوموں کی عادت ہوتی ہے کہ معاہدے میں الفاظ نرم استعمال کرتی ہیں اور اس کے مطالب سخت ہوتے ہیں۔ جب تیل کے معاہدے طے ہوئے حضور نے فرمایا کہ معاہدات میں کبھی صرف اعتبار سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ کامل غور و فکر کے بعد معاہدہ کرنا چاہئے حضور نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کرنے والی کمپنی کے ذہن میں بھی کسی فریب کا خیال نہ ہو لیکن الفاظ ایسے ہیں کہ اگر کمپنی کی نیت بدل جائے تو سلطان عبدالعزیز کو مشکل میں ڈال سکتی ہے۔ (خطباتِ محمود جلد ۱۶ صفحہ ۵۴۹، ۵۵۳)

جس وقت حضور نے خطبہ جمعہ میں اس امر ذکر کیا اس وقت تو ابھی سعودی عرب میں تیل کی کوئی خاص دریافت نہیں ہوئی تھی لیکن جلد ہی یہ صورتِ حال بدل گئی اور اس ملک میں تیل کے وسیع ذخائر دریافت ہونے شروع ہو گئے۔ اور تیل کی کمپنیوں کو اتنا نفع ملنے لگا جو خود ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اور سعودی حکومت کو اس میں سے بہت کم حصہ مل رہا تھا۔ عملاً بعد میں سلطان عبدالعزیز کو یہ احساس ہوا کہ یہ معاہدہ ان کے اور ان کے ملک کے مفادات میں نہیں ہے اور ۱۹۵۰ میں انہیں یہ دھمکی دینی پڑی کہ تیل کی کمپنی کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے گی۔ اور تگ و دو کے بعد اس بات پر مفاہمت ہوئی کہ پچاس فیصد نفع سعودی حکومت کو دیا جائے گا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصلح موعود نے اس بات کا تجزیہ فرمایا کہ ان معاہدوں میں موجود پیچ سے مسلمان ممالک کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اور حضور نے متعلقہ ملک کو پیغام بھی بھجوایا کہ وہ اس معاملہ میں زیادہ احتیاط کریں۔

صوبہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی حفاظت کے لئے کاوشیں

تحریکِ پاکستان کے مشہور مورخ کے۔ کے۔ عزیز اپنی کتاب The Making of Pakistan میں تحریر کرتے ہیں:

"From 1858 to 1905 the Muslims had been cultivating the

British.From 1906 to 1911 this amity blossomed into friendship. .From 1911 to 1922 their relationship may be described as armed truce to open warfare....... There is another way of describing this development .From 1858 to 1905 Muslims were in a state of neutrality vis a vis Hindus; from 1906 to 1911 Hindu Muslim rift was marked and later ominous ; from 1911 to 1922 the two communities were co-operated against what they considered a common enemy_ British."

یعنی ۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۵ء تک مسلمان انگریزوں سے مہذب تعلق رکھ رہے تھے۔۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۱ء تک یہ مشفقانہ تعلق دوستی میں بدل گیا۔اور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۲۲ء تک ان دونوں کا تعلق مسلح جنگ بندی اور کھلی کھلی جنگ کے درمیان گھومتا رہا......

اس عمل کو بیان کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۵ء تک مسلمان ہندوؤں کے بارے میں غیر جانبدار تھے۔۱۹۰۶ سے ۱۹۱۱ تک دونوں کے درمیان اختلاف پہلے بہت زیادہ اور پھر بدشگونی کی حد تک پہنچ گیا۔اور ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۲ء تک دونوں گروہ آپس میں تعاون کر رہے تھے اور یہ تعاون ایک ایسے گروہ یعنی انگریزوں کے خلاف تھا جسے وہ اپنا مشترک دشمن سمجھتے تھے۔ (The Making of Pakistan ,A study in Nationalism,by K.K.Aziz,Sange Meel Publications 2005,p33)

جب ۱۹۱۴ء میں حضرت مصلح موعود منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو اس وقت ہندوستان کے مسلمان تاریخ کے اس دور سے گذر رہے تھے جب ہندوؤں کے ساتھ تعاون عروج پر تھا اور یہ دونوں مل کر انگریزوں کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے۔۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنو کا مرحلہ آیا۔

کانگرس اور مسلم لیگ لکھنو میں ملے۔اس سال مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح اور کانگرس کی صدارت موجمدار کر رہے تھے۔اس میثاق کے تحت دونوں پارٹیوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اقتدار اور اختیارات کو مقامی آبادی کے نمائندوں کی طرف منتقل کرنے کا عمل شروع کیا جائے۔اور کانگرس کی طرف سے مسلمانوں کا جداگانہ انتخابات کا مطالبہ تسلیم کر لیا گیا یعنی مسلمان اور ہندو اسمبلیوں کے لئے اپنے علیحدہ علیحدہ نمائندے منتخب کریں گے۔اور یہ مسلم لیگ کے لئے بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ اس سے پہلے کانگرس اس مطالبے سے متفق نہیں تھی اور اس کی مخالفت کرتی تھی۔اس کے ساتھ دونوں پارٹیوں نے ایک اور تجویز سے بھی اتفاق کیا اور وہ یہ کہ تمام صوبوں میں جن مذاہب سے تعلق رکھنے والے

اقلیت میں ہیں ان کو اسمبلی میں ان کی آبادی کی نسبت زیادہ نشستیں دی جائیں۔ سینٹرل لیجسلیٹو کونسل میں بھی مسلمانوں کے لئے تیس فیصد نشستیں مخصوص کی گئیں۔ صوبوں کے لئے جو کلیہ تجویز کیا گیا تھا اس کے مطابق اکثر صوبوں میں تو مسلمانوں کو فائدہ ہوتا تھا۔ یعنی پنجاب اور بنگال کے علاوہ باقی صوبوں میں وہ اقلیت میں تھے اور انہیں ان باقی صوبوں میں اپنی آبادی سے زیادہ نشستیں ملنی تھیں۔ بظاہر تو یہ سب اچھا لگ رہا تھا لیکن اس میں ایک پیچ تھا اور وہ یہ کہ مرکز میں اور پنجاب اور بنگال کے علاوہ باقی صوبوں میں تو ان کی نشستوں میں اضافہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کے نمائندوں نے اقلیت میں رہنا تھا لیکن پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمان اکثریت میں تھے ان میں ان کی اکثریت اتنی معمولی تھی کہ جب یہاں پر اقلیت ہونے کے ناطے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنی آبادی سے زیادہ نشستیں دینے کی تجویز تسلیم کی گئی تو اس کلیے کے مطابق پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کی نشستیں کم از کم اکثریت ۵۱ فیصد سے نیچے چلی جاتی تھیں اور تجویز تسلیم ہونے کی صورت میں یہاں پر بھی مسلمان اکثریت میں نہ رہتے۔ اس کے نقصانات اب تو سب کو واضح نظر آ سکتے ہیں لیکن اس وقت مسلم لیگ کے قائدین بھی اس مسئلہ کو کما حقہ محسوس نہیں کر پا رہے تھے۔ چنانچہ مسلم لیگ اور کانگرس نے مل کر جو کلیہ وضع کیا اس کی رو سے مسلمانوں کے لئے بمبئی میں ایک تہائی، پنجاب میں پچاس فیصد، بنگال میں چالیس فیصد، یوپی میں تیس فیصد، بہار اور اڑیسہ میں پچیس پچیس فیصد، مدراس (چنائی) اور مرکزی صوبہ میں پندرہ پندرہ فیصد نشستیں مختص کرنے کی تجویز دی گئی تھی۔

(Jinnah of Pakistan,byStanley Wolpert,published by Oxford University Press,2006p46)

اس پس منظر میں پہلی جنگ عظیم کے بعد وزیر ہند مانٹیگو ہندوستان آئے اور اس وقت کے وائسرائے چیمسفورڈ (Chemsford) سے مل کر ہندوستان کے مختلف گروہوں سے ملنا شروع کیا اور ان سے تجاویز لینی شروع کیں کہ آئندہ ہندوستان کا آئینی ڈھانچہ کیا ہونا چاہیے۔ ان کی تجاویز بعد میں Government of India Act 1991 کی صورت میں نافذ ہوئیں۔ ان تجاویز میں بھی ہر صوبے میں اقلیتوں کو زیادہ نشستیں دینے کا فارمولا صحیح تسلیم کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قباحتوں کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ اور اس وقت مسلم لیگ کی طرف سے بھی یہی زور دیا جا رہا تھا کہ اسی طرز پر نشستوں کی تقسیم کی جائے۔ حالانکہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے عملاً کہیں پر بھی اکثریت میں نہیں رہنا تھا۔ چنانچہ جب ۳۱ر اگست سے یکم ستمبر ۱۹۱۸ء کو مسلم لیگ کا خاص اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا، جس کی صدارت راجہ صاحب محمود آباد کر رہے تھے تو اس میں منظور ہونے والی قراردادوں میں سے سید وزیر حسن کی پیش کی گئی قرارداد نمبر سات میں لکھا تھا:

The proportion of the Mussalmans in the assembly and the legislative councils as laid down in the Congress-League scheme

must be maintained

اوراس قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کرلیا گیا تھا۔

(The Indian Muslims a documentary record (1900-1947),compiled by Shan Muhammad,published By Meenakshi Prakash,New Dehlip 186)

حضرت مصلح موعود نے سب سے پہلے اس امر کو محسوس فرمایا کہ اس طرح مسلمانوں کے مفادات کونقصان پہنچے گا۔ اس وقت کے صوبوں میں سے صرف دو میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل تھی لیکن اس طرح یہ اکثریت بھی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہے گی۔ جب وزیر ہند مانٹیگو صاحب ہندوستان آئے اور مستقبل میں ہندوستان کے آئینی ڈھانچے کو طے کرنے کے لئے ہندوستان کے مختلف گروہوں سے مذاکرات شروع کیے تو نومبر ۱۹۱۷ میں حضرت مصلح موعود ایک وفد کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور مانٹیگو صاحب سے ملاقات کی اور اس وقت جو ایڈریس پڑھا گیا اس میں اس مسئلہ کے متعلق موقف کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا۔

> ''انتخاب کا کوئی ایسا طریقہ نہ رکھا جائے کہ جس میں قلیل التعداد جماعتیں نقصان میں رہیں۔ ایسے تمام صوبوں میں جہاں کوئی قلیل التعداد جماعت خاص اہمیت رکھتی ہو اور اس کی تعداد اس قدر کم ہو کہ اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس جماعت کو اس تعداد سے زیادہ ممبروں کے انتخاب کا حق دیا جاوے جس قدر کے بلحاظ تعداد اس کے حصوں میں آتے ہیں جیسا کہ پنجاب و بنگال کے سوا باقی صوبوں میں مسلمان اور پنجاب میں سکھ بمبئی میں پارسی اور مدراس میں عیسائی ہیں۔ اور سرحدی صوبہ میں اگر کبھی اس کو آئینی حکومت ملی تو ہندو ہیں۔ مگر یہ حق ایسی قلیل التعداد جماعتوں کو زیادہ قلیل نہیں ہیں ہرگز نہیں ملنا چاہیے کیونکہ اس حق سے ان جماعتوں کو جو قلیل کثرت رکھتی ہیں سخت نقصان پہنچے گا۔ مثلاً اگر بڑی تعداد والی قلیل التعداد جماعتوں کو بھی یہ حق دیا جائے تو ہندوؤں کو جنکی میجارٹی جہاں ہے بہت زیادہ ہے تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ مگر مسلمانوں کو جن کی میجارٹی صرف بنگال اور پنجاب دو صوبوں میں ہے اور بہت ہی کم ہے سخت نقصان پہنچے گا اور ان کی میجارٹی کہیں بھی نہ رہے گی۔'' (ریویو آف ریلیجنز دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۴۵۷،۴۵۸)

کچھ عرصہ کے بعد مسلم لیگ قیادت کو بھی اس بات کا احساس ہوا کہ اس طرز پر اقلیتوں کی نشستوں میں اضافہ کرنے سے پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ختم ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے مفادات کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے چودہ نکات پر مشتمل مطالبات پیش کیے تو ان میں سے تیسرا مطالبہ یہ تھا۔

3. All legislative and other elected bodies shall be constituted on the definite principle of adequate and effective representation of minorities in every province without reducing the majority in any province to a minority or even equality

یعنی تمام لیجسلیچر اور دیگر منتخب اداروں کو اس اصول پر بنانا چاہئے کہ ہر صوبہ میں اقلیتوں کو کافی اور موثر نمائندگی ملے لیکن کسی بھی صوبہ میں اس کی اکثریت کو اقلیت یا برابری میں تبدیل نہیں کرنا چاہئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضور نے ۱۹۱۷ء میں ہی اس امر کی نشاندہی فرمادی تھی اور ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ کو بھی یہ بات اپنے مطالبات میں شامل کرنی پڑی۔

تحریک خلافت کے دوران حضرت مصلح موعود کی راہنمائی

قوموں کی زندگی میں اکثر ایسے موڑ آتے ہیں جب جذبات بھڑکے ہوتے ہیں اور طبیعتوں میں ایک جوش ہوتا ہے۔ایسے مواقع پر قوم کے خیر خواہ افراد اور قائدین کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اس جوش کو مثبت سمت میں لے کر جائیں۔جس سمت میں وہ اپنے مقاصد بھی حاصل کریں اور کم سے کم نقصان بھی برداشت کرنا پڑے۔اور اس سمت میں سفر کرنے سے روکیں جس پر چلنے سے محض وقتی جوش کے ہاتھوں قوم کو بے مقصد نقصانات کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔ تحریک خلافت ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔اس موقع پر ایک راہنمائی حضرت مصلح موعود نے بھی فرمائی اور کئی سعید لوگوں نے اس راہنمائی کو قبول بھی کیا۔لیکن بہت سے قائدین نے اس کے برعکس خیالات کا اظہار بھی کیا اور ایک بھاری تعداد نے ان کا اثر قبول کیا۔کئی لوگوں نے حضرت مصلح موعود کی راہنمائی کی اس وقت مخالفت بھی کی اور اس کی پاداش میں احمدیوں کو مظالم کا نشانہ بھی بنایا۔اب جب کہ تمام تاریخی واقعات ہمارے سامنے ہیں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ صحیح راہنمائی کس کی تھی؟

پہلی جنگِ عظیم کے دوران ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ جس کے تحت اس وقت شام ،عراق ،فلسطین ، لبنان اور حجاز کے عرب ممالک بھی آتے تھے جرمنی کی اتحادی بن کر میدان جنگ میں کود پڑی۔اس وقت ہندوستان کے لاکھوں مسلمان برطانوی فوج میں شامل ہو کر میدان جنگ میں گئے تھے اور ترکی کی افواج سے بھی لڑے تھے۔اور اس جنگ کے دوران مسلم لیگ نے بھی انگریز حکومت کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک اور صورت سامنے آنے والی تھی۔

جنگِ عظیم اول میں برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو کامیابی ہوئی اور جرمنی اور ترکی سمیت اس کے اتحادیوں کو شکست ہوئی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد اس قسم کے آثار واضح نظر آنے لگے کہ باقی مفتوحین کی نسبت ترکی کو زیادہ نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ سلطنتِ عثمانیہ کی سلطنت کی حیثیت ختم ہو رہی تھی کیونکہ اس کے ماتحت عرب علاقوں میں علیحدگی کی تحریک زور پکڑ چکی تھی یہ نظر آ رہا تھا کہ یہ عرب علاقے جن میں حجاز کا علاقہ بھی شامل تھا اب سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت نہیں رکھے جائیں گے۔ اور بہت سے یورپی شہر جو ترکی کے ماتحت تھے ان کے علیحدہ کئے جانے کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔ یہ اعلان بھی کیا جا رہا تھا کہ اب سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ کی حکمرانی محض آئینی سربراہِ مملکت ہونے تک محدود ہو جائے گی۔

لازماً ہندوستان کے مسلمانوں میں ترکی کے لئے ہمدردی پائی جاتی تھی اور اس مرحلہ پر انہیں ان معاملات پر تشویش ہونی شروع ہوئی۔ وہ چاہتے تھے کہ ترکی اور سلطنتِ عثمانیہ سے اس سے بہتر سلوک کیا جائے۔ اور اس ہمدردی نے جلد ہی ایک مضبوط تحریک کا رنگ اختیار کرنا شروع کیا اور اس کی طرز اور ان مطالبات کے خدوخال بھی جلد واضح ہو کر سامنے نظر آنے لگے۔

دسمبر ۱۹۱۸ میں دہلی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا اور یہ پہلی مرتبہ تھا کہ مسلم لیگ کے اجلاس میں علماء حضرات شامل ہوئے تھے۔ اس اجلاس میں خلافتِ عثمانیہ کے حق میں تقاریر کی گئیں اور قرارداد بھی منظور کی گئی کہ ترکی کے سلطان ہی وہ واحد شخص ہیں جو کہ خلیفۃ المسلمین کہلائے جا سکتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ شریف مکہ ہرگز خلیفۃ المسلمین نہیں کہلا سکتا۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 5,compiled by Shan Muhammad, published byMenakshi Prakashan New Dehilp p245)

انجمن موید اسلام فرنگی محل لکھنؤ کے تحت ۲۶ جنوری ۱۹۱۹ کو ایک اجلاس مولانا عبد الباری کی زیر صدارت ہوا۔ اس میں موجود علماء نے اس بات کا اعلان کیا کہ ترکی کے موجودہ سلطان محمد ششم (وحید الدین) ہی اسلامی عقائد کے مطابق خلیفہ ہیں اور اسلام کی رو سے غیر مسلموں کو اس مذہبی معاملہ میں دخل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور اس اجلاس میں علماء نے یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ وہ برطانیہ کے بادشاہ سے وفادار ہیں اور ان سے لگاؤ رکھتے ہیں اور اس کی بنیاد وہ مذہبی رواداری اور آزادی ہے جو ان کی طرف سے دی گئی ہے۔ اور وہ حکومت کے انصاف پر اپنے اعتماد کی تجدید کرتے ہیں۔ اور اس اجلاس میں یہ مطالبہ بھی منظور کیا گیا کہ قسطنطنیہ اور تمام مقدس مقامات ترکی کے سلطان کے ماتحت ہی رکھے جائیں۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehilp p5)

جنگ کے بعد جب مختلف فاتح طاقتیں مختلف قسم کے فیصلے کرنے کے لئے کانفرنس کر رہی تھیں تو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی طرف سے برطانوی سیکریٹری برائے ہندوستان کو مطالبات پر مشتمل ایک خط بھجوایا گیا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ سلطنتِ عثمانیہ میں شامل مختلف علاقوں کو اختیارات اس سلطنت میں شامل ہوتے ہوئے دیئے جائیں نہ کہ اس سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔

(تحریکِ خلافت، مصنفہ ڈاکٹر میم کمال او کے، ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۹۴)

انہی دنوں پنجاب میں سیاسی فضا مکدر تھی اور رولٹ ایکٹ کی وجہ سے سیاسی فضا میں سخت تناؤ تھا۔ پھر لاہور اور امرتسر میں مارشل لاء لگا اور ۱۸/ اپریل کو جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہوا۔ جس میں فائرنگ سے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان دنوں گاندھی جی بھی اپنی طرز پر ستیہ گرہ کی مہم چلا رہے تھے۔ لیکن ۲۱/ جولائی کو گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی مہم روک دی۔ اور ۲۷/ اگست ۱۹۱۹ء کو گاندھی جی نے سیاسی منظر پر ایک اور پیش قدمی کی اور فرنگی محل کے مولوی عبدالباری صاحب کو لکھا کہ اب ہماری مشترکہ جدوجہد کا وقت آ گیا ہے۔

(Jinnah Reinterpreted,by Saad Al Khairi,Oxford University Press karachi,P480)

اس کے بعد ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ اور ان کی حمایت میں چلنے والی تحریک خلافت ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوئی۔ جب یہ تحریک اس مرحلہ پر پہنچی تو فیصلہ کیا گیا کہ لکھنؤ میں ایک خلافت کانفرنس منعقد کی جائے۔ اور اس کے لئے پورے ہندوستان کے مسلمان رہنماؤں کو دعوت نامے بھیجے گئے۔ اس کانفرنس کے انعقاد سے چند روز پہلے گاندھی جی نے بمبئی میں خلافت کے مسئلہ پر مسلمانوں کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ آپ کو خلافت کے تحفظ کے لئے اپنا آرام، اپنا سکون اپنی معیشت حتّی کہ اپنی زندگی بھی قربان کر دینی چاہئے۔ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ ایک راہنما جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی قائل نہیں تھا اسلام میں خلافت کے قائم رہنے کے لئے اتنی فکر مندی کا اظہار کر رہا تھا اور مسلمانوں کو یہ تلقین کر رہا تھا کہ آپ فوراً اپنا سب کچھ اس خلافت کے لئے قربان کر دیں۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehilp p40)

بہر حال ۱۷/ ستمبر ۱۹۱۹ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو ایک اعلان موصول ہوا جس پر ہندوستان کے بعض سربرآوردہ اصحاب کے دستخط بھی تھے کہ اس موقع پر سب مسلمانوں کو آواز بلند کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ سید ظہور احمد سیکریٹری مسلم کانفرنس کا خط بھی تھا جس میں حضور کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ حضور بیماری کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ حضور کو اس کانفرنس میں جانے میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا تھا خود تو وہاں نہیں جا سکے لیکن حضور نے اس موقع کے لئے اپنا پیغام تحریر فرمایا جو کہ حضور کے نمائندے وہاں لے کر گئے۔ اس پیغام کے آغاز میں

حضور نے تحریر فرمایا:

''ترکوں کے مستقبل کا سوال ایک ایسا سوال ہے کہ جس سے طبعاً ہر ایک مسلمان کہلانے والے کو دلچسپی ہونی چاہئے اور ہے۔ اور جب تک ان سے ہمدردی کرنی اور ان کی موافقت کرنی شریعت کے کسی اور حکم کے خلاف نہ آپڑے ضروری اور لازمی ہے۔ اور جب تک ترک گورنمنٹ برطانیہ سے برسرِ پیکار رہے مسلمانانِ ہند کی ایک کثیر تعداد ہتھیار بند ہو کر ان کے خلاف لڑتی رہی۔ اور شاید ہزاروں ترک مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہوں گے۔ مگر یہ ان کا فعل اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کو ترکوں سے کسی قسم کا تعلق اور لگاؤ نہیں۔''

چونکہ اس وقت اس تحریک کو چلانے والے اپنے مطالبات کو اس طرح پیش کر رہے تھے کہ چونکہ ترکی کے سلطان مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اس لئے مسلمان ان پر ہونے والی کسی زیادتی کو برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن اس طرز پر تحریک چلانے میں ایک بڑی خامی یہ تھی کہ مسلمانوں کے کئی فرقے مذہباً ترکی کے سلطان کو خلیفہ نہیں سمجھتے تھے اور اس طرح اس مسئلہ پر مسلمانوں کا ایک مشترکہ موقف سامنے آنے کی بجائے اس بات کا خدشہ تھا کہ ترکوں کی ہمدردی کرنے کی یہ کاوشیں ایک طبقہ تک محدود ہو جائیں گی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تحریر فرمایا:

''پس اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام عالم ...... ترکوں کے مستقبل کی طرف افسوس اور شک کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان کی حکومت کا مٹا دینا یا ان کے اختیارات کو محدود کر دینا ان کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچائے گا۔ مگر اس کی یہ وجہ بیان کرنا کہ سلطان ترکی خلیفۃ المسلمین ہیں درست نہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ ان کو خلیفۃ المسلمین نہیں مانتے مگر پھر بھی ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں میرے نزدیک ایسے نازک وقت میں ...... کی ظاہری شان و شوکت سخت خطرہ میں ہے۔ اس مسئلہ کو ایسے طور پر پیش کرنا کہ صرف ایک ہی خیال اور ایک ہی مذاق کے لوگ اس میں شامل ہو سکیں سیاسی اصول کے بھی برخلاف ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک معتدبہ حصہ شیعہ مذہب کے لوگوں کا ہے۔ اور سوائے بعض نہایت متعصب لوگوں کے تعلیم یافتہ اور سمجھدار طبقہ ترکوں سے ہمدردی رکھتا ہے مگر وہ کسی طرح بھی سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح اہلِ حدیث میں سے گو بعض لوگ خلافتِ عثمانیہ کے ماننے والے ہوں مگر اپنے اصول کے مطابق وہ لوگ بھی صحیح معنوں میں خلیفۃ المسلمین سلطان کو نہیں مانتے۔ ہماری احمدیہ جماعت تو کسی صورت میں بھی اس اصل کو قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس کے نزدیک رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی قبل از وقت دی ہوئی اطلاعوں کے ماتحت آپ کی صداقت کے قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو اس زمانہ کے لئے مسیح موعود اور مہدی مسعود بنا کر مسلمانوں کی ترقی اور قیام کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور اس وقت وہی شخص خلافت کی مسند پر متمکن ہو سکتا ہے جو آپ کا متبع ہو۔ اور قریباً تمام کی تمام جماعتِ احمدیہ اس وقت اس عاجز کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر کے اس بات کا عملی ثبوت دے چکی ہے کہ وہ کسی اور خلافت کے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ان تین فرقوں کے علاوہ اور فرقے بھی ہیں جو ...... کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں لیکن خلافتِ عثمانیہ کے قائل نہیں۔ بلکہ خود اہل سنت والجماعت کہلانے والے لوگوں میں سے بھی ایک فریق ایسا ہے جو خلافت عثمانیہ کو نہیں مانتا ورنہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ ایک شخص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین تسلیم کر کے وہ اس کے خلاف تلوار اُٹھاتے۔ پس اندریں حالات ایسے جلسہ کی بنیاد جس میں ترکوں کے مستقبل کے متعلق تمام عالم اسلامی کی رائے کا اظہار مدِنظر ہو ایسے اصول پر رکھنی جنہیں سب فرقے تسلیم نہیں کر سکتے درست نہیں۔ کیونکہ اس سے سوائے ضعف واختلال کے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

''میرے نزدیک اس جلسہ کی بنیاد صرف یہ ہونی چاہئے کہ ایک مسلمان کہلانے والی سلطنت کو جس کے سلطان کو مسلمانوں کا ایک حصہ خلیفہ بھی تسلیم کرتا ہے ہٹا دینا یا ریاستوں کی حیثیت دینا ایک ایسا فعل ہے جسے ہر ایک فرقہ جو مسلمان کہلاتا ہے ناپسند کرتا ہے اور اس کا خیال بھی اسے گراں گذرتا ہے۔''

تاریخ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ کسی مقصد کے لئے وقتی جوش وخروش تو دکھایا جاتا ہے اور جلسے جلوس تو ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ کام کو صحیح منصوبہ بندی سے نہیں کیا جاتا اور نہ ہی صحیح صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور نہ ہی اس کام کے لئے مطلوبہ استقامت دکھائی جاتی ہے اس لئے نہ صرف کوئی مثبت نتیجہ نہیں ظاہر ہوتا بلکہ الٹا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

چنانچہ اس پہلو کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے حضور نے تحریر فرمایا:

''...... اس مخلصانہ مشورہ کے بعد میں تمام احباب کرام سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ لوگ اس طرح اتفاق کے ساتھ ایک مقام پر کھڑے ہو کر کام کرنے کے لئے تیار رہوں تو امید ہے کہ نہ صرف اس غرض کے لئے مفید ہو جس کے لئے یہ جلسہ کیا گیا ہے۔ بلکہ آئندہ کے لئے بھی بہت سے بابرکت نتائج پیدا کرے۔ تو یہ بات بھی آپ لوگوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے

کہ بڑے کام بڑی محنت اور قربانی چاہتے ہیں۔حکومتوں کا فیصلہ جلسوں کے ساتھ نہیں ہوتا......

''پس اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کام معمولی کام نہیں ہے۔ ترکوں نے میدان جنگ میں شکست کھائی ہے اور اب وہ مغلوب و مفتوح قوم کی حیثیت میں ہیں۔ ان پر فتح پانے والے ان کے مقبوضہ ممالک کو اپنا جائز حق سمجھتے ہیں اور ان کو آپس میں تقسیم کر لینا یا ان کی حکومت میں اپنے منشاء کے ماتحت تبدیلی کر دینا ان کے نزدیک عدل و انصاف کے بالکل مطابق ہے۔پس وہ قوم یا کسی فرقہ کے کہنے سے اپنے حقوق نہیں چھوڑ سکتے۔''

حضور نے اس امر کی نشاندہی فرمائی کہ یہ فیصلہ صرف برطانیہ کی مرضی سے نہیں ہونا بلکہ دوسری طاقتیں مثلاً امریکہ وغیرہ کی مرضی سے ہی کوئی فیصلہ ہونا ممکن ہے۔اس لئے خالی برطانیہ پر دباؤ ڈالنے سے کوئی نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ اس وقت ہندوستان میں یہ مطالبہ بھی کیا جا رہا تھا کہ حجاز جہاں پر مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں وہ علاقہ ترکی کی سلطنت کے ماتحت رہنا چاہئے۔جب کہ دوسری طرف سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت عرب علاقوں میں رہنے والے عرب اب ترکی کے ماتحت رہنے کے لئے تیار نہیں تھے اور ان میں آزاد ہونے کی تحریک زور پکڑ چکی تھی۔اس اہم نکتہ کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے حضور نے تحریر فرمایا:

''دوسرا امر اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان حکومت حجاز کا سوال بیچ میں سے بالکل اُٹھا دیں۔عربوں نے غیر اقوام کی حکومتوں کے ماتحت اپنی زبان اور اپنے تمدن کے متعلق جو کچھ نقصان اُٹھایا ہے وہ مخفی امر نہیں ہے۔اور ہر ایک شخص جو ان ممالک کے حالات سے آگاہ ہے اس امر سے واقف ہے۔اور پھر عربوں نے جو کچھ قربانی اس آزادی کے حصول کے لئے کی ہے وہ بھی چھپی ہوئی بات نہیں۔عرب کی غیرتِ قومی جوش مار رہی ہے اور اس کی حریت کی رگ پھڑک رہی ہے۔انہیں اب کسی صورت میں ان کی مرضی کے خلاف ترکوں کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔''

حضور نے مغربی قوتوں کو دلائل کے ساتھ ترکی کے بارے میں بہتر سلوک کے لئے ایک کونسل قائم کرنے کے لئے راہنمائی فرمائی:

''تیسری ضروری بات یہ ہے کہ مناسب مشورہ کے بعد اس غرض کے لئے ایک کونسل مقرر کی جاوے جس کا کام ترکی کی حکومت کی ہمدردی کو عملی جامہ پہنانا ہو۔صرف جلسوں اور لیکچروں سے کام نہیں چل سکتا، نہ روپیہ جمع کر کے اشتہاروں اور ٹریکٹوں کے شائع کرنے سے نہ انگلستان کی کمیٹی کو روپیہ بھیجنے سے بلکہ ایک باقاعدہ جدوجہد سے جو دنیا کے تمام ممالک میں اس امر کے انجام

دینے کے لئے کی جاوے۔ یہ زمانہ علمی زمانہ ہے اور لوگ ہر ایک بات کے لئے دلیل طلب کرتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ اپنے مدعا کی تائید کے لئے دلائل جمع کئے جائیں ...... دلیل ایک دم میں کسی کے دل کو نہیں پھیرتی اس کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ گو یہ فرق ضرور ہے کہ تلوار چند محدود آدمیوں کے مقابلہ میں چلائی جا سکتی ہے۔ لیکن دلیل ایک وقت میں کئی ہزار بلکہ لاکھ آدمی کے سامنے پیش کی جا سکتی ہے۔ پس اس مشکل کام کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ انتظام ہونا چاہئے۔ اور اسی طرح سنجیدگی سے کام کرنا چاہئے جس طرح دوسری اقوام کر رہی ہیں۔''

اس کے بعد حضور نے یہ بات تفصیل سے بیان فرمائی کہ کس طرح مختلف مغربی ممالک میں اسلام کا غلط تاثر رائج ہوگیا ہے اور اس کے صحیح کرنے کے لئے ایک منظم اور مسلسل کوشش درکار ہے۔ (انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۳۷۱ تا ۳۸۱)

جس کانفرنس کے لئے یہ پیغام بھجوایا گیا تھا وہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ کو لکھنو میں منعقد ہوئی۔ پورے ہندوستان سے پانچ ہزار مندوبین اس میں شامل ہوئے۔ اس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ مسلمانوں کے خلیفہ کی روحانی حیثیت اس کی مادی طاقت اور اقتدار کے بغیر بے معنی ہے۔ اور یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ ترکی کے جو علاقے اس سے علیحدہ کرنے کے بارے میں غور کیا جا رہا ہے وہ علاقے اس سے علیحدہ نہ کئے جائیں۔ ۱۷ اکتوبر کو خلیفہ کی عزت و وقار کا دن منایا جائے۔ بمبئی میں موجود خلافت کمیٹی کو مرکزی حیثیت دی جائے اور پورے ملک میں اس کی شاخیں قائم کی جائیں۔

(تحریک خلافت، مصنفہ ڈاکٹر میم کمال او کے ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۱، صفحہ ۹۷)

ان قراردادوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان قراردادوں کی حمایت کرنے والوں کے نزدیک ان کے خلیفہ کی روحانی حیثیت اس وقت تک ہی تھی جب تک اسے اقتدار حاصل تھا۔ اور اگر یہ اقتدار ختم کر دیا جاتا اس کی روحانی حیثیت بھی ختم ہو جاتی اور پھر وہی غلطی کی جا رہی تھی کہ ترکی کے سلطان کو تمام عالم اسلام کے خلیفہ کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ جب کہ نہ صرف جماعت احمدیہ اس نظریہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی بلکہ کئی دوسرے فرقے بھی ترکی کے بادشاہ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ کو اگر اس طرح پیش کیا جاتا تو ظاہر ہے مسلمانوں کے بہت سے گروہ اس کی مخالفت کرتے۔ لیکن اب یہ تحریک زور پکڑ چکی تھی اور اس کو چلانے والے بہت سے عواقب کا اندازہ لگانے سے قاصر تھے جن کی طرف حضور نے نشاندہی فرمائی تھی۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۱۹ کو سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ کے لئے دعاؤں کا دن منایا گیا اور ہندوستان بھر میں اس کے لئے اجتماعی دعائیں مانگی گئیں۔ اور ان دعاؤں میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کہا گیا اور مختلف مقامات پر جو دعاؤں کے جلسے ہوئے ان میں یہ مطالبہ بھی پیش کیا گیا کہ حجاز کا علاقہ اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ خلیفہ کے ماتحت رہنے چاہئیں۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehilp p41-45)

اب ہندوستان کے مسلمان اس چیز کا مطالبہ کر رہے تھے جس کا انہیں حق نہیں تھا۔عرب ممالک ترکی کے سلطان کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں یا نہیں اس فیصلہ کا اختیار عرب ممالک کے مسلمانوں کو ہے نہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو۔اور حضرت مصلح موعود نے تو پہلے ہی واضح فرمایا تھا کہ اب عرب ممالک کی علیحدگی کو ایک فیصلہ شدہ امر سمجھنا چاہئے کیونکہ اب عرب ترکی کے ماتحت رہنے کو تیار نہیں ہیں ۔لیکن وقت پر اس مشورہ کی قدر نہیں کی گئی اور اس تحریک کو ایک لا حاصل نتیجہ کی طرف لے جایا گیا ۔تاریخ گواہ ہے کہ ایسا نہ ہوا تھا اور نہ ہوا۔

نومبر ۱۹۱۹ میں اس تحریک کا ایک نیا رنگ ظاہر ہوا جو بہر حال قابل تشویش تھا۔اب گاندھی جی اس تحریک کے ایک نمایاں قائد کے طور پر ابھر رہے تھے ۔حالانکہ اگر اس مسئلہ کو ایک مذہبی مسئلہ کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا اور یہ بات اس طرز پر پیش کی جارہی تھی کہ ترکی کے سلطان مسلمانوں کے خلیفہ ہیں تو پھر ایک مذہبی مسئلہ پر ایک ہندو راہنما کو اس تحریک کا راہنما بنانا نا قابل فہم تھا۔بہر حال ۲۴ر نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا ایک جلسہ ہوا۔اس کے آغاز میں فضل الحق صاحب نے یہ قرارداد پیش کی کہ گاندھی جی کو اس جلسہ کا صدر بنایا جائے ۔اور انہوں نے کہا کہ اس موقع پر ہندو مسلم اتحاد بہت ضروری ہے اور جو شخص دونوں گروہوں کا اعتماد رکھتا ہو اسے اس کا صدر ہونا چاہئے اور گاندھی جی سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوسکتا۔اور ان الفاظ پر فضا داد وتحسین کے نعروں سے گونج اُٹھی ۔پھر ڈاکٹر انصاری صاحب نے اس قرارداد کی تائید کی اور کہا کہ اس وقت گاندھی جی سے زیادہ موثر شخصیت موجود نہیں ہے اور یہ بڑے اعزاز کی بات ہوگی اگر گاندھی جی اس میٹنگ کی صدارت کریں۔اور اس کے ساتھ انہوں نے گاندھی جی کی خدمات کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا ۔چنانچہ گاندھی جی کو اس میٹنگ کا صدر بنایا گیا۔تمام حاضرین احترام میں کھڑے ہوئے اور گاندھی جی پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں ۔اس عالم میں گاندھی جی نے اپنے خطبہ صدارت کا آغاز کیا۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehilp p58)

اس منظر کو قاضی محمد عدیل عباسی اپنی کتاب تحریک خلافت کے صفحہ ۱۵۴ پر یوں بیان کرتے ہیں :

”وقتِ مقررہ پر گاندھی جی ہال میں داخل ہوئے ۔سب لوگوں نے جے کارے لگائے اور سر قد کھڑے ہو گئے ۔گاندھی جی کا استقبال کیا گیا ۔خواجہ حسن نظامی مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، ڈاکٹر انصاری سیٹھ عبد اللہ ہارون، جان محمد چھوٹانی، ڈاکٹر ساورکر، خان بہادر شاہ ولایت حسین ، اور

مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی نے استقبال کیا۔اس کے بعد گاندھی جی کرسی صدارت پر تشریف لائے۔ ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔گاندھی جی پر اس قدر پھول پھینکے گئے کہ ان کے گرد پھول ہی پھول نظر آتے تھے۔جناب دانا اور خلیق کی نظمیں پڑھی گئیں۔اس کے بعد گاندھی جی نے تقریر فرمائی جس میں آپ نے خلافت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ اگر مسلمانوں کے دل رنجیدہ ہیں تو ہندو ان کے ساتھ شریک ہیں......اس کے بعد گاندھی جی نے خلافت کمیٹی کے لئے چندہ کی اپیل کی اور بذات خود ایک پیسہ تبرکاً عنایت کیا۔بس کیا تھا یہ پیسہ نیلام ہوا۔اور اسے ۵۰۱ روپیہ میں سیٹھ چھوٹانی نے خریدا۔ایک ہزار نقد چندہ وصول ہوا اور ڈیڑھ ہزار کا وعدہ ہوا۔

''اس کے بعد ایک دوسرے جلسہ میں عوام کا مطالبہ درشن کا تھا۔گاندھی جی نے کہا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ میرا درشن کیا جائے۔یہ کام کا وقت ہے عورتوں کو کہا کہ تم چرخہ چلاؤ تو میں خود آکر تمہارے درشن کروں گا اور تمہارے پاؤں چھوؤں گا۔''

خیر اس تبرک اور درشن کے ذکر کے بعد آگے چلتے ہیں۔

اس موقع پر حسرت موہانی صاحب نے یہ قرارداد پیش کی کہ انگلستان کی بنی ہوئی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔گاندھی جی نے اس کی مخالفت کی اور اس کی جگہ حکومت سے عدم تعاون کی تجویز پیش کی۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ دہلی میں ہونے والی آل انڈیا خلافت کانفرنس میں پیش کردہ تجویز کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے بمبئی میں موجود مرکزی خلافت کمیٹی میں پیش کی گئی اور اس کمیٹی ہی نے اس تجویز کو ناقابل عمل قرار دے دیا کیونکہ اس سے بمبئی میں موجود مسلمان تاجر بری طرح متاثر ہوں گے۔بہت سی اشیاء کی قیمت بہت بڑھ جائے گی اور عام آدمی پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ماضی میں بھی یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ اس قسم کا بائیکاٹ کامیاب نہیں رہتا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں خلافت کانفرنس اور مسلم لیگ اور کانگریس کے اجلاسات ہوئے۔۳۱ دسمبر کے خلافت کانفرنس کے اجلاس میں قرارداد منظور کی گئی کہ یہ کانفرنس ترکی کے سلطان کو جو مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اپنا اظہار عقیدت پیش کرتی ہے۔یہ فیصلہ کیا گیا کہ امریکہ اور انگلستان اور وائسرائے کی طرف وفود بھیجے جائیں۔اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ عرب علاقوں کے بارے میں ان کے مطالبات ابھی تک تسلیم نہیں کئے گئے۔اور اسی طرح امرتسر میں ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں پہلی قرارداد یہ پیش کی گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ شاہ برطانیہ کو اپنا وابستگی کا پیغام بھجواتی ہے اور مسلمانان ہند کی مسلسل وفاداری کا یقین دلاتی ہے۔اس قرارداد کے الفاظ یہ تھے

"All India Muslim league tenders its homage to the person and throne of His Majesty the King Emperor and assures him of

steadfast and continued loyalty of the Mussalman community of India."

اس کے ساتھ مسلم لیگ نے یہ قرارداد بھی منظور کی مسلم لیگ ترکی کے سلطان کو عالم اسلام کا خلیفہ سمجھتی ہے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سمجھتی ہے اور ان کی مقدس شخصیت پر غیر متزلزل یقین رکھتی ہے۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehilpp 113.115)

لیکن اس موقع پر خلافت کانفرنس کے دوران جذبات کا اور ہی عالم تھا۔ سٹیج پر گاندھی جی بھی موجود تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کی جو تقریر ہوئی تو اس کا نقشہ عبدالمجید سالک ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

''مولانا کی تقریر بے نظیر تھی۔ نہ صرف زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے بلکہ مطالب کے لحاظ سے بھی پورے مسئلہ پر حاوی تھی۔ اور جذبات انگیزی کی کیفیت اس فقرے سے معلوم ہوتی ہے کہ ہمیں اب اس ملک سے ہجرت کر جانے کے سوا اور کوئی شرعی چارہ باقی نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس ملک کو چھوڑ جائیں گے اور اپنے مکانات اور اپنی مساجد، اپنے بزرگوں کے مزارات سب بطور امانت اپنے ہندو بھائیوں کو سونپ جائیں گے۔ تا آنکہ ہم پھر فاتحانہ اس ملک میں داخل ہو کر انگریزوں کو نکال دیں۔ اور اپنی امانت اپنے بھائیوں سے واپس لے لیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہندو بھائی جن کے ساتھ ہم ایک ہزار سال سے زندگی بسر کر رہے ہیں ہماری اتنی خدمت سے پہلو تہی نہ کریں گے۔''

''ان کے بعد بریلی کے بنسی دھر پاٹھک کھڑے ہوئے۔ ان کی تقریر بہت پر جوش اور بے حد دلچسپ تھی۔ انہوں نے مولانا محمد علی کے نہلے پر دہلا یوں مارا کہ اگر مسلمان بھائی اپنی شریعت کے احکام کے ماتحت اس ملک سے ہجرت کر جانے پر مجبور ہیں تو ہندو بھی یہاں رہ کر کیا کریں گے۔ اگر مسلمان چلے تو ہندو جاتی بھی ہجرت میں مسلمانوں کا ساتھ دے گی۔ اور ہم اس ملک کو ایک بھائیں بھائیں کرتا ہوا ویرانہ بنا دیں گے۔ تا کہ انگریز اس ویرانے سے خود ہی دہشت کھا کر بھاگ جائیں۔

''کس قدر عقل سے دور باتیں ہیں۔ لیکن جذبات کی دنیا نرالی ہے۔ اس وقت جلسے کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگ چیخیں مار مار کر رو رہے تھے اور خلافت کانفرنس مجلس عزاء بن گئی تھی۔''

(سرگزشت از عبدالمجید سالک صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

یہ تحریک اب کس غلط سمت میں جا رہی تھی اس پر کسی طرح کے تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی یہ بھی نہیں سوچ رہا

تھا کہ ہندوستان کی کروڑوں کی آبادی یہاں سے نکل کر کہاں جائے گی؟

۸؍ جنوری ۱۹۲۰ء کو پہلی آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کی صدارت فضل حق صاحب نے کی اور اس میں گاندھی جی اور موتی لال نہرو صاحب بھی شریک ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح اس میں شریک نہیں ہوئے اور ان کی طرف سے بلاوے کے جواب میں معذرت کی تار موصول ہوئی۔ اس میں جو پہلی قرارداد منظور کی گئی وہ خلافت سے کسی وابستگی کے اعلان پر نہیں تھی بلکہ اس بارے میں تھی کہ ہندوستان بھر کے مسلمان گاندھی جی اور ہندوؤں کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے خلافت کے مسئلہ میں گہری دلچسپی لی ہے۔ اور اس کے علاوہ دو اہم قراردادیں یہ بھی منظور کی گئیں کہ اگر اس مسئلہ پر ان کے مطالبات منظور نہ کئے گئے تو وہ مرحلہ وار سلطنتِ برطانیہ سے تعاون ختم کر دیں گے اور اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو مرحلہ وار برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ بھی کر دیا جائے گا۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehilp p57)

۱۹؍ جنوری ۱۹۲۰ء کو تحریکِ خلافت کا وفد وائسرائے سے ملا اور ایک ایڈریس وائسرائے کو اس مسئلہ کے بارے میں پیش کیا۔ اس کے جواب میں وائسرائے نے واضح کیا کہ جہاں تک خلافت کا تعلق ہے تو یہ فیصلہ تو صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ کو اسی حالت میں برقرار رکھا جائے جس میں وہ جنگ میں شرکت کرنے اور شکست کھانے سے پہلے تھی تو یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں ہی گاندھی جی نے میرٹھ میں خلافت کانفرنس میں برطانوی حکومت سے عدم تعاون کی تحریک کے موٹے موٹے خدوخال پیش کئے جنہیں قبول کر لیا گیا۔ (Jinnah Reinterpreted,by Saad Al Khairi,Oxford University Press Karachi,p 481)

پھر اس تحریک میں فروری کے آخر میں اور تیزی آ گئی جب ۲۸، ۲۹؍ فروری کو کلکتہ میں اس کا اجلاس ہوا۔ اس میں قراردادیں منظور کی گئیں کہ اگر سلطنتِ عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کے برخلاف کیا گیا تو ہندوستان کے مسلمان سلطنتِ برطانیہ سے اپنی وفاداری ختم کر دیں گے۔ برطانوی مصنوعات کے بائیکاٹ کا آغاز کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا اور انور پاشا کی ان کوششوں کو سراہا گیا جو وہ خلافت کی حفاظت کے لئے کر رہے تھے۔ اور مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ فوج میں اور بحری جہازوں کی ملازمت اختیار نہ کریں۔ اور برطانوی فوج میں مسلمان فوجیوں سے یہ اپیل کی گئی کہ وہ اپنے افسران پر مطالبات کی منظوری کے لئے زور ڈالیں اور انہیں بتا دیں کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو وہ برطانوی حکومت سے اپنے تمام تعلقات ختم کر لیں گے۔

(The Indian Muslims,A documentary record 1900-1947 Vol 6,compiled by Shan Muhammad,published byMenakshi Prakashan New Dehilp p159-160)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مصلح موعود نے اس تحریک کو چلانے والوں کو پہلے ہی متنبہ کیا تھا کہ اس تحریک کو ان خطوط پر چلایا جائے کہ یہ بات سامنے نہ رکھی جائے کہ ترکی کے سلطان تمام عالم اسلام کے خلیفہ ہیں اور عرب ممالک کی آزادی کو ایک فیصلہ شدہ بات سمجھا جائے اور یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ محض جلسے جلوسوں سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ نہ ہی محض اشتہارات شائع کر کے یہ کام کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس کام کے لئے مختلف ممالک میں ایک باقاعدہ جد وجہد کرنی ہوگی۔ لیکن جیسا کہ اب تک کے حالات کے جائزہ سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اس تحریک کو چلانے والوں نے ان نصائح سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا تھا۔ اور یہ تحریک ایک جذباتی تحریک کا رنگ اختیار کرتی چلی جارہی تھی جس کا زمینی حقائق سے رابطہ منقطع ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے چند پہلو پیش ہیں۔

اس تحریک کا نعرہ یہ تھا کہ ترکی کے سلطان ہمارے بلکہ تمام عالم اسلام کے خلیفہ ہیں۔ اس لئے اگر ان کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو ہندوستان کے مسلمان اس پر حکومتِ برطانیہ سے عدم تعاون کریں گے، ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیں گے اور اپنے خلیفہ کی مدد کو آئیں گے اور سلطنتِ برطانیہ سے ہماری وفاداریاں ختم ہو جائیں گی۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک ترکی کے سلطان خلیفہ تھے تو یقیناً ان لوگوں پر ان کی اطاعت بھی فرض تھی۔ تو اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ اس وقت ترکی کے سلطان کا خود برطانوی حکومت کے ساتھ رویہ کیا تھا۔ تو بات قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت ترکی کے سلطان وحید الدین مکمل طور پر برطانوی حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ مکمل طور پر برطانوی حکومت سے تعاون کریں تا کہ ترکی کو مزید نقصان سے بچایا جا سکے۔ اور وہ مکمل طور پر برطانوی افسران سے رابطے میں تھے۔ اور اگر انہیں اس بات کی اطلاع ملتی کہ کوئی شخص برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کے خلاف منصوبہ بنا رہا ہے تو وہ اس بات کی اطلاع برطانوی افسران کو کر دیتے تھے اور جب مصطفیٰ کمال پاشا نے اناطولیہ میں برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کے خلاف لڑنے کے لئے فوج تشکیل دینا شروع کی تو خلیفہ وحید الدین نے اس جد وجہد کو دبانے کے لئے اپیل کر کے اپنی فوج تشکیل دی تا کہ اس جد وجہد کو چلانے والوں کو کچل کر وہ برطانیہ اور ان کے اتحادیوں کی مدد کریں۔ اس صورتِ حال کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ ترکی کا خلیفہ تو برطانیہ کی مدد کر رہا تھا اور ان کے خلاف اٹھنے والوں کو فوج کشی کر کے کچل رہا تھا اور اس کی اتباع کرنے والے اس کے نام پر برطانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے تھے۔ عقل اس انوکھی منطق کو قبول نہیں کر سکتی۔

(Grey Wolf by H.C.Armstrong,,published by Penguin Book Ltd.May 1938P109-138)

پھر اس بات کو لے لیں کہ وہ عرب علاقے جو پہلے ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت تھے انہیں اب اس سلطنت کا حصہ بنایا جائے کہ نہیں تو ایک پہلو تو یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان عرب ممالک میں بسنے والے مسلمان اب ترکی کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے تھے لیکن دوسرا یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس وقت سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ بھی یہ مطالبہ

پیش ہی نہیں کر رہے تھے کہ عرب ممالک کو ان کے ماتحت رکھا جائے اور نہ ہی ترکی کے سیاستدان، ان کی پارلیمنٹ اور مصطفیٰ کمال پاشا اس بات کا مطالبہ پیش کر رہے تھے۔ ان کی کوشش تو بس یہی تھی کہ وہ علاقے جو ان کے ملک ترکی کا حصہ ہیں انہیں کسی قیمت پر ترکی سے کاٹا نہ جائے۔ اور یہ بڑا معقول مطالبہ تھا۔ اب اس زبردستی کے اتحاد کے لئے نہ ترکی والے تیار تھے اور نہ عرب ممالک کے لوگ اور ان کے لیڈر تیار تھے لیکن تحریک خلافت کے قائدین پھر بھی مسلسل سلطنت برطانیہ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ عرب ممالک کو اس سلطنت سے علیحدہ نہ کیا جائے۔ اگر اس بات کی بجائے یہ کوشش کی جاتی کہ ان عرب ممالک کو مکمل آزادی ملے اور انہیں کسی مغربی ممالک کے زیر سایہ نہ رکھا جائے تو یہ ایک معقول بات ہوتی۔

پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے بہت سے قائدین زمینی حقائق سے لاعلم تھے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ فروری کے آخر میں جو اجلاس کلکتہ میں ہوا اس میں یہ قرارداد بھی پیش کی گئی کہ مصطفیٰ کمال پاشا خلافت کی حفاظت کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں ہم انہیں سراہتے ہیں۔ ترکی کی تاریخ کا ادنیٰ سا علم رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے کبھی خلافت عثمانیہ کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہی نہیں تھی۔ اس وقت ان کا یہی خیال تھا کہ یہ ایک فرسودہ نظام ہے اور اس کی اس دور میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ البتہ ان کے بہت سے ساتھی اس بات کے لئے کوشاں رہتے تھے کہ مصطفیٰ کمال پاشا خلیفہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور کم از کم خلافت بغیر اختیارات کے قائم رہے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لئے مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنے رویہ کو ذرا نرم کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ان سب حقائق کے باوجود ہندوستان میں یہ واہ واہ ہو رہی تھی کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کے استحکام کے لئے کوششیں کی ہیں ہم انہیں سراہتے ہیں۔

رفتہ رفتہ اس تحریک کی قیادت میں گاندھی جی کا حصہ بڑھتا جا رہا تھا حتیٰ کہ خلافت کی حفاظت کے لئے جو جلسے ہو رہے تھے ان کی صدارت بھی گاندھی جی کر رہے تھے۔ اور ۱۹۲۰ء کے اس سیاسی تموج میں اپنے پرائے قائداعظم محمد علی جناح سے کیا سلوک کر رہے تھے۔ اس کا نقشہ قائداعظم کی سوانح حیات لکھنے والے Wolpert Stanley نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ وہ قائداعظم کے متعلق لکھتے ہیں:

"Though he had presided over the Muslim League only three months earlier, Jinnah did not even bother to attend its Nagpur session, rightly gauging the futility of his opposition to the Gandhi - Khilafat express.He had no more heart for raucous confrontations that bitter December, no stomach left for the names he had been called. He had warned them openly of the

futility of thier battle plan,told them honestly of the havoc he correctly anticipated would be unleashed by and against the suddenly politicized masses. Yet every jury, Khilafat conference, Swaraj Sabha, Congress and Muslim League has rejected his arguements as out moded, cowardly, or invalid."

ترجمہ: اگرچہ انہوں نے صرف تین ماہ پہلے مسلم لیگ کی صدارت کی تھی، جناح نے ناگپور کے اجلاس میں شرکت تک نہیں کی۔وہ اس بات کا صحیح اندازہ لگا رہے تھے کہ گاندھی۔خلافت ایکسپریس کی مخالفت کرنا بے کار ہوگا۔اس تلخ دسمبر کے دوران وہ جھگڑوں کے لئے تیار نہیں تھے اوران کو جو کچھ کہا گیا تھا اب وہ ان کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔۔وہ ان کو کھلم کھلا بتا چکے تھے ان کا منصوبہ نا کام ہوگا اورانہیں دیانتداری سے بتا چکے تھے اوران کا اندازہ درست تھا کہ اس سے تباہی کا دہانہ کھل جائے گا کیونکہ لوگ سیاست میں ابھی نوآموز ہوں گے اوران کے خلاف بھی ردِ عمل سامنے آئے گا۔لیکن جس عدالت کے سامنے وہ گئے،خواہ وہ خلافت کانفرنس کی عدالت ہو، سوراج سبھا ہو، کانگرس ہو یا مسلم لیگ ہو ان کے دلائل کو رد کر دیا گیا کہ یہ دلائل تو قدیم وضع کے ہیں،بزدلانہ اور غلط ہیں۔"

(Jinnah of Pakistan ,by Stanley Wolpert,Oxford University press Karachi 2006,P72)

قائدِاعظم سے ہونے والے سلوک کی تفصیل ہم ذرا ٹھہر کر بیان کریں گے۔

مارچ میں تحریکِ خلافت کا وفد انگلستان اور یورپ کے دورے پر گیا اور اس نے انگلستان میں وزیرِ اعظم انگلستان لائیڈ جارج سے بھی ملاقات کی۔اس ملاقات میں مولانا محمد علی کی قیادت میں وفد نے اپنا موقف وزیرِ اعظم انگلستان کو پیش کیا۔مولانا محمد علی جوہر نے اس مسئلہ کو ایک مذہبی مسئلہ کے طور پر پیش کیا اور یہ بھی کہا کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک وسیع علاقے پر حکمران ہو۔اور پہلی جنگِ عظیم سے قبل بھی جو علاقہ خلیفہ کے زیرِ اقتدار رہ گیا تھا وہ بھی کم از کم تھا جو کہ ایک خلیفہ کے پاس ہونا چاہئے۔

ان کے نظریات کی بنیاد جو بھی تھی اس نے اسی وقت وزیرِ اعظم کو ایک اعتراض کرنے کا موقع دے دیا۔وزیرِ اعظم نے کہا کہ شام کے مسلمانوں نے امیر فیصل کو عرب کا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا، کیا آپ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔اگر پہلے ہی خلیفہ کے پاس صرف کم از کم معیار کا علاقہ باقی بچا تھا تو پھر عربوں کے اعلان آزادی سے یہ علاقہ خود مسلمانوں کی وجہ سے ہی کم از کم معیار سے نیچے چلا جائے گا اور خود مولانا محمد علی جوہر یہ کہہ چکے تھے کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ

وہ وسیع علاقے پر حکمران ہو۔ اس پر مولانا محمد علی جوہر نے کہا کہ وہ ترکوں اور عربوں کے درمیان صلح کرانا چاہتے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ امیر فیصل جب ایک مسلمان کی حیثیت سے اس معاملہ کو دیکھیں گے تو وہ اس بات کو منظور کر لیں گے کہ ترکی کی سلطنت کا حصہ رہتے ہوئے وہ مزید آزادی حاصل کریں۔ اس پر وزیر اعظم نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ عربوں کی آزادی کے مخالف ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں اور پھر کہا کہ زیادہ اختیارات ترکی کی سلطنت کا حصہ رہتے ہوئے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہ کہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یروشلم کے شہروں کے علاوہ نجف کربلا اور بغداد بھی ترکی کے خلیفہ کے ماتحت ہونے چاہئیں۔

اب یہاں مولانا محمد علی جوہر صاحب وہی غلطی کر رہے تھے جس کے بارے میں حضور نے متنبہ فرمایا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عرب ترکی کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے تھے اور یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا کہ کسی کے سمجھانے سے عرب رضا کارانہ طور پر ترکی کے ماتحت رہنا قبول کر لیں گے۔ سچ یہی تھا کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جاتا کہ یہ عرب علاقے اب ایک علیحدہ تشخص بنا چکے ہیں۔ اور رہا امیر فیصل کو سمجھانے کا تعلق تو اس بات کو لائیڈ جارج سنجیدگی سے نہیں لے سکتے تھے کیونکہ امیر فیصل کافی عرصہ سے انگریز حکومت سے رابطے میں تھے اور ان کے تعاون کے ساتھ سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس کے بعد مولانا محمد علی جوہر صاحب نے وزیر اعظم سے کہا کہ ہمارا انہیں خیال کہ یہودی اتنی بڑی تعداد میں فلسطین میں ہجرت کریں گے کہ اس سے مسلمانوں کی اکثریت کو خطرہ ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا۔

ہندوستان کی حکومت کو، انگلستان کے وزیر اعظم کو اور یورپ کے صاحبان اقتدار کو جس طرز پر تحریک خلافت کے قائدین اپنے مطالبات پیش کر رہے تھے اس سے وہ ان مغربی طاقتوں کی مدد کر رہے تھے جو اس بات کا تہیہ کئے بیٹھی تھیں کہ ترکی کے اپنے علاقے بھی عیسائی ممالک کو بخش دیئے جائیں۔ یہ بات سمجھنے کے لئے ترکی کے اندر ۱۹۲۰ء کے پہلے نصف میں رونما ہونے والے واقعات پر سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں ترکی کے سلطان عبد الوحید نے یہ چال چلی کہ اپنے سے باغی پارلیمنٹ کو دعوت دی کہ وہ قسطنطنیہ میں اپنا اجلاس کریں۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے بھانپ لیا تھا کہ یہ ایک چال ہے انہوں نے اپنے رفقاء کو وہاں جانے سے منع کیا۔ اس وقت قابض اتحادی افواج اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ترکی کے کئی علاقوں میں اپنی موجودگی کم کر رہی تھیں لیکن قسطنطنیہ میں ان کی بھاری تعداد موجود تھی۔ لیکن ممبران پارلیمنٹ نے مصطفےٰ کمال پاشا کی بات نہ مانی اور قسطنطنیہ چلے گئے اور سلطان کو اپنی وفاداری کا پیغام بھی بھجوایا لیکن مصطفےٰ کمال پاشا انگورہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ جب پارلیمنٹ کا مرکز قسطنطنیہ میں منتقل ہو گیا تو انگریز حکام نے پارلیمنٹ کے کام میں روزمرہ کی مداخلت کرنی شروع کی۔ لیکن ممبران پارلیمنٹ یہ دباؤ تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ چنانچہ ترکی پر انگریز حکام اور دوسرے قابضین کی گرفت کمزور پڑنی شروع ہوئی۔ سلطان عبد الوحید انگریز حکام

سے ملے ہوئے تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان سے تعاون نہ کیا تو ان کی رہی سہی حکومت بھی ختم ہو جائے گی اور وہ مصطفےٰ کمال پاشا کے ان خیالات سے واقف بھی تھے کہ وہ ترکی کی خلافت کے مخالف ہیں۔ مگر مصطفےٰ کمال پاشا اس بات کے لئے جدوجہد کر رہے تھے کہ انگریز اور یونانی اور دوسری مغربی قابض طاقتیں ترکی کے ملک کے مختلف علاقوں پر قبضہ نہ کر پائیں اور اس مقصد کے لئے وہ اور ان کے ساتھی مسلح جدوجہد کر رہے تھے۔ بہر حال سلطان عبد الوحید نے انگریز افواج کی مدد سے پارلیمنٹ کو برخواست کر دیا اور بہت سے ممبران پارلیمنٹ گرفتار کر لئے گئے اور بہت سے فرار ہو کر دوبارہ مصطفےٰ کمال پاشا کے پاس جانے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان عبد الوحید نے اس بات کا تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ مصطفےٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھیوں کو ختم کر دیں جو ملک کے مختلف علاقوں میں قابض افواج سے لڑ کر ان سے ترکی کے علاقے آزاد کروانے کی جدوجہد میں مشغول تھے۔ چنانچہ انہوں نے ترکی کے عوام سے مذہب کے نام پر اپیل کی کہ میں تمہارا خلیفہ ہوں اور یہ میرے خلاف باغی ہیں تمہارا مذہبی فرض ہے کہ میری مدد کو آؤ۔ چنانچہ خلیفہ کی فوج کے نام سے ایک فوج تشکیل دی گئی جنہوں نے ان ترکوں سے لڑنا شروع کر دیا جو اس وقت مغربی قابض افواج سے نبرد آزما تھے۔ اور ترک نے ترک کو مارنا شروع کر دیا اور مغربی افواج جو پہلے دبنا شروع ہو گئی تھیں انہوں نے اس کے نتیجہ میں پھر اپنی گرفت مضبوط کرنی شروع کر دی اور مزید علاقے اپنے قبضہ میں لینے شروع کر دیئے اور ایک مرحلہ پر تو مصطفےٰ کمال پاشا اپنے قریبی ساتھیوں سمیت ایک زرعی سکول میں محصور ہو گئے تھے اور ان کی موت یقینی نظر آنے لگی تھی۔ ان دنوں میں مغربی قوتوں کے سامنے یہ بات پیش کرنا کہ سلطان ترکی ہمارے واجب الا طاعت خلیفہ ہیں اور ہم ان کے اختیارات میں کسی قسم کی کمی نہیں دیکھنا چاہتے یہ ان مغربی قوتوں کو تقویت دینے کے مترادف جو ترکی کے اپنے علاقے بھی ہتھیانے کی فکر میں تھیں کیونکہ سلطان ترکی تو پہلے ہی ان سے ہر طرح کا تعاون کر رہے تھے۔ اور یہ طریق ان لوگوں کو کمزور کرنے کے مترادف تھا جو اس وقت قابض مغربی افواج سے لڑ کر اپنے ملک کو غلامی سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے اور سلطان ترکی نے تو ان کی موت کے احکامات جاری کر دیئے تھے۔

(Grey Wolf by H.C.Armstrong,,published by Penguin Book Ltd.May 1938P121-131)

بہر حال اس پس منظر میں جب مغربی افواج کی پوزیشن بہتر ہوئی تو انہوں نے ترکی کے سامنے معاہدے کی ایسی شرائط رکھ کر ان کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جس کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ کے دوسرے ممالک تو ایک طرف رہے خود ترکی کے بہت سے اہم علاقے بھی ہتھیا لینے کی شرائط بھی شامل تھیں۔ ہم یہ یاد دلاتے جائیں کہ حضرت مصلح موعود نے پہلے ہی تحریکِ خلافت کے قائدین کو متنبہ فرمایا تھا کہ وہ اس بات پر زیادہ زور نہ دیں کہ ترکی کے سلطان ہمارے خلیفہ ہیں بلکہ ترکی کے حقوق کی بات کریں اس کے لئے انصاف کی جدوجہد کریں۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ مشورہ قبول کرنے میں ہی بھلائی تھی مگر افسوس ایسا نہیں کیا گیا۔

بہر حال اعلیٰ حکام سے یہ ملاقاتیں بھی ثمر آور ثابت ہوتی نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ہڑتالیں اور جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہندوستان کے مسلمان اب اس مسئلہ پر بہت سرگرم نظر آتے تھے۔

۲۳ / مارچ ۱۹۲۰ کو میرٹھ کے مقام پر خلافت کانفرنس بڑے دھوم دھام سے منعقد کی گئی۔ گاندھی جی ان دنوں میں اس تحریک میں بہت سرگرم تھے۔ انہوں نے میرٹھ کی کانفرنس میں یہ فیصلہ سنایا کہ اگر اتحادیوں نے فیصلہ ترکی کے خلاف سنایا تو ہمیں انگریز حکومت سے عدم تعاون کرنا ہوگا۔ تمام سرکاری خطابات اور سول اور فوجی اور پولیس کی نوکریوں سے علیحدگی اختیار کرنی ہوگی۔ پھر ٹیکس اور دوسری سرکاری واجب الادا رقوم کی ادائیگی سے انکار کیا جائے گا۔ جگہ جگہ جلسے جلوس کئے جا رہے تھے اور ان میں پر جوش نعرے بلند کئے جا رہے تھے۔ حضرت مصلح موعود نے پہلے ہی متنبہ فرمایا تھا کہ بڑے کام محض جلسے جلوسوں سے نہیں ہوتے لیکن ایک جوش کے عالم میں یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔ اور اب یہ کام غیر منظم اور بے ہنگم طریق پر کیا جا رہا تھا۔ یہ بات اتنی بڑھی کہ خود اس تحریک کے ایک بڑے قائد مولوی عبد الباری فرنگی محل صاحب کو اعلان کرنا پڑا کہ بلاضرورت اور دیکھا دیکھی یہ کانفرنسیں نہ کی جائیں بلکہ اب یہ سلسلہ موقوف کرنا بہتر ہو گا۔ اور کہا کہ میں بھی صرف اس صورت میں ان کانفرنسوں میں شریک ہوں گا اگر اس سے کوئی فائدہ ہو۔

ایک طرف تو یہ جوش و خروش جاری تھا اور پورے ملک میں جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ اور دوسری طرف ہندوستان کے مسلمانوں کے راہنما ان کی غلط راہنمائی کر کے انہیں ایک اور مشکل میں ڈال رہے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، بعض لیڈروں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔ ہجرت کی اس تحریک کے حالات یہ تھے کہ اب تک یہ بھی پوری طرح تعین نہیں ہو سکا کہ اس کو شروع کرنے والا کون تھا؟ جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہندوستان سے باہر چلے گئے اور ان کو کسی مسلمان ملک میں بھی باعزت ٹھکانہ نہ مل سکا۔ بعض کہتے ہیں اس تحریک کا نقطہ آغاز ابو الکلام آزاد کا فتویٰ تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ فتویٰ سب سے پہلے مولوی عبد الباری فرنگی محل نے دیا تھا۔

ابو الکلام آزاد صاحب نے فتویٰ دیا:

> ''تمام دلائل شرعیہ حالات حاضرہ مصالح مہمہ اُمت اور مقتضیات و مصالح پر نظر ڈالنے کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہوگیا ہوں کہ مسلمانان ہند کے لئے بجز ہجرت کوئی چارہ شرعی نہیں ہے۔ ان تمام مسلمانوں کے لئے جو اس وقت سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔''

پھر اس بات کا جواز پیدا کرنے کے لئے کہ ان جیسے احباب اپنا قیام ہندوستان میں ہی رکھیں ابو الکلام آزاد صاحب نے فرمایا:

''البتہ جن لوگوں کی نسبت ظنِ غالب ہو کہ مقصد کی جد وجہد اور کلمہ حق کے اعلان وتذکیر کے لیے ان کا قیام ہندوستان میں بمقابلہ ہجرت زیادہ ضروری ہے یا جو لوگ دیگر عذرات مقبولہ شرع کی بنا پر ہجرت نہ کر سکیں یا ایک اتنی بڑی وسیع آبادی کی نقل وحرکت میں قدرتی طور پر جو تاخیر ہونی چاہیئے اس کی وجہ سے تاخیر ہو سو بلاشبہ وہ لوگ ٹھہر سکتے ہیں۔ان لوگوں کو اپنی تمام قوتیں اتباع شرع کے لئے وقف کر دینی چاہئیں۔''

اس کے ساتھ ابو الکلام آزاد صاحب نے یہ بھی کہا کہ ہجرت سے پہلے ہجرت کی بیعت ہے بغیر بیعت کے ہجرت نہیں ہوسکتی۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھی اس وقت اس بات کی کاوشیں بھی کر رہے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان ابو الکلام آزاد صاحب کی باقاعدہ بیعت کر لیں۔

ہندوستان کے ہزاروں مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر افغانستان کی طرف ہجرت کرنے لگے۔بہت سے مسلمانوں کو کچھ لوگ ہجرت کے فتاویٰ دکھاتے اور یہ سبز باغ بھی دکھاتے کہ وہاں تمہیں ہر طرح کی راحت ملے گی اور تم مالدار ہو جاؤ گے اور چین کی زندگی گذارو گے۔پہلے تو کابل میں حضوری باغ میں انہیں جگہ دی گئی۔لیکن جلد ہی طرح طرح کی مشکلات نے انہیں آن گھیرا۔ان کے اثاثے فروخت ہونے لگے۔کابل کے بعض بد اخلاق لوگوں نے ان کی پردہ پوش عورتوں پر آوازیں کسنی شروع کیں۔جب جگہ کم ہوئی تو انہیں افغانستان کے دوسرے شہروں کی طرف جانے کا حکم سنایا گیا۔کچھ بدخشاں اور ترکستان گئے مگر وہاں بھی مالی مشکلات کی وجہ سے پنپ نہ سکے اور انہیں واپس آنا پڑا۔کابل کے لوگوں نے مہاجروں کی سخت مخالفت شروع کی۔ایک مرحلہ پر ان ہندوستانیوں نے جب ایران جانے کی کوشش کی تو دونوں طرف کھڑے افغان یہ آوازیں لگا رہے تھے مارو ان ہندوستانیوں کو یہ چور ہیں۔بہر کیف بہت سی مشکلات کا شکار ہونے کے بعد ان لوگوں کو جو افغانستان چلے گئے تھے اپنا بہت کچھ برباد کرنے کے بعد واپس ہندوستان آنا پڑا اور یہ سب کچھ ان کے راہنماؤں کی غلط راہنمائی کی وجہ سے تھا جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے اس مہم کو ہوا دے دی تھی۔کسی نے یہ تکلف بھی نہیں کیا کہ افغانستان کی حکومت سے رابطہ کر کے یہی پوچھ لے کہ کیا وہ کروڑوں مسلمانوں کو اپنے وطن میں بسنے کی اجازت دے گی بھی کہ نہیں اور نہ ہی کسی نے یہ جائزہ لیا کہ یہ ملک ایک طویل عرصہ اس قسم کا دباؤ اور بوجھ برداشت بھی کر پائے گا کہ نہیں۔بس امیر افغانستان کی طرف سے ایک ہمدردانہ بیان آیا اور تفصیلات طے کئے بغیر اس تحریک کو ہوا دے دی گئی۔

(تحریک خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی صفحہ ۱۱۷ تا ۱۳۹)

بہر حال اب وہ وقت آ رہا تھا جب اتحادیوں کے تمام ارادے ظاہر ہو جانے تھے۔اب تک تحریک خلافت کی زیادہ تر کاوشیں اس بات کے اردگرد گھوم رہی تھیں کہ ترکی کے سلطان عالم اسلام کے نزدیک خلیفہ ہیں۔اور ان کے

عقائد کے مطابق یہ ضروری تھا کہ ایک وسیع علاقہ ان کے ماتحت ہو۔ اور اس غرض کے لئے وہ تمام ممالک جو پہلے سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت تھے اسی کے ماتحت رکھنے چاہئیں۔ واضح رہے کہ ان ممالک میں حجاز، فلسطین، عراق اور شام کے علاقے بھی شامل تھے۔ لیکن اتحادی قوتیں کچھ اور ہی ارادے بنا کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ترکی کے اپنے علاقے بھی کسی نہ کسی عیسائی ملک کو سونپ دینا چاہتی تھیں۔ اور اس طرح ترکی کے اپنے علاقے بھی اس کے ہاتھ سے نکل جانے تھے۔ کچھ سالوں قبل یہ ایک ایسی سلطنت تھی جس کے ماتحت بہت سے ممالک تھے۔

اب ان ارادوں کے خدوخال سامنے آنے لگے تھے۔ ایشیا میں عراق، فلسطین اور اردن کے علاقے سلطنتِ عثمانیہ سے الگ کر دیئے گئے اور ان پر برطانوی مینڈیٹ قائم کیا گیا۔ شام اور لبنان کو بھی ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور ان پر فرانسیسی مینڈیٹ قائم کیا گیا۔ عراق اور شام کو عارضی آزادی دینے کا اعلان کیا جا رہا تھا لیکن مینڈیٹ رکھنے والی طاقتیں ان کو حسبِ ضرورت مشورے دیں گی۔ حجاز کو بھی سلطنتِ عثمانیہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور یہ آزاد حیثیت میں آ گیا۔ بین الاقوامی گارنٹی میں آرمینیا کو آزاد حیثیت دے دی گئی۔ ترکی میں شامل کردستان کو خود مختاری دی گئی۔ سمرنا کو یونان کے حوالے کر دیا گیا۔ یوروپی علاقوں میں مشرقی تھریس کے کچھ علاقے اور بعض Aegean Islands کو یونان کے حوالے کر دیا گیا۔ Dodecanese اور Rhodes کو اٹلی کے حوالے کر دیا گیا۔ ان سب کے علاوہ اتحادی طاقتوں کو ترکی کے مالی معاملات میں مداخلت کا اختیار بھی مل رہا تھا۔ ابھی معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے تھے لیکن یہ ارادے مشتہر کر دیئے گئے تھے۔

یہ سن کر تمام مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ فیصلہ ہوا کہ جون کے شروع میں الہ آباد میں مشورے کے لئے جلسہ منعقد کیا جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو مولوی عبد الباری فرنگی محل کی طرف سے مشورہ کے لئے اس جلسہ میں شامل ہونے کا دعوت نامہ ملا۔

حضور نے اس میں خود شرکت نہیں فرمائی بلکہ اپنا پیغام تحریر کر کے اس کانفرنس میں بھجوایا۔ یہ مضمون بعد میں ''معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے آغاز میں حضور نے تحریر فرمایا:

> ''اگر میری شمولیت اس جلسہ میں کسی طرح بھی نفع رساں ہوسکتی اور مجھے امید ہوتی کہ میرا بذاتِ خود حاضر ہونا میرے اہلِ وطن اور میرے بھائیوں کے لئے کسی طرح بھی مفید ہوسکتا ہے تو میں سو کام چھوڑ کر بھی اس اہم اور وسیع الاثر معاملہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا۔ لیکن چونکہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے جلسوں میں ایسے اشخاص کو جنہیں ذرہ بھر بھی اختلافِ رائے ہو بولنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اس لئے میرا بذاتِ خود آنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ مگر دوسری طرف چونکہ اپنے بھائیوں کی ہمدردی اور ان کی خیر خواہی ...... کا جوش مجھے اس

بات پر بھی مجبور کرتا ہے کہ کوئی سنے نہ سنے۔ میں اپنا مشورہ ان تک پہنچا دوں میں اس تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات سے اس موقع پر جمع ہونے والے احباب کو آگاہ کرتا ہوں اور چند معزز دوستوں کے ہاتھ اس تحریر کو ارسال کرتا ہوں کہ تا جن دوستوں کے دلوں پر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس تحریر کا کوئی اثر ہو وہ زبانی بھی میرے قائمقاموں سے اس میں درج شدہ مسائل پر تبادلہ خیالات کر سکیں۔‘‘

حضور نے تحریر فرمایا کہ میں نے گذشتہ ستمبر میں تحریر کے ذریعہ اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اس تحریک کی بنیاد اس بات پر رکھنی چاہئے کہ سلطان ترکی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کے نزدیک خلیفہ ہیں اور باقی مسلمان بھی ان سے مسلمان بادشاہ ہونے کی وجہ سے ہمدردی رکھتے ہیں تو کوئی فرقے اپنے آپ کو اس تحریک سے علیحدہ نہ رکھتے۔ اور اس وقت جب کہ عرب ترکوں سے صلح کے لئے آمادہ ہو رہے تھے انہیں یہ کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی کہ خلافت صرف قریش کے لئے مخصوص ہے۔ اور اگر یہ تجویز قبول کر لی جاتی تو عرب کے وہابی فرقہ کو بھی اس تحریک میں شامل ہونے پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اور اس بنیاد پر یہ مطالبہ کیا جا سکتا تھا کہ مسلمانوں کے جذبات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترکی سے بھی اسی طرح معاملہ کیا جائے جس طرح دوسری عیسائی حکومتوں سے کیا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے حضور نے ستمبر ۱۹۱۹ء کی کانفرنس میں یہ پیغام بھجوایا تھا کہ پہلے اپنے موقف کے حق میں دلائل جمع کرنے چاہئیں اور پھر مختلف ممالک میں مستقل طریق اپنے موقف کو پہنچایا جائے۔ حضور نے اس دوسرے پیغام میں فرمایا کہ اس مشورہ پر صحیح طرح عمل نہیں کیا گیا۔ حضور نے تحریر فرمایا:

’’اور اگر اس کام کو تکمیل پر پہنچانے کے متعلق جو بات میں نے لکھی تھی اس پر عمل کیا جاتا تو یقیناً شرائط صلح موجودہ شرائط سے مختلف ہوتیں۔ وفود کا بھیجا جانا اس قدر معرض التوا میں ڈالا گیا کہ عمل کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ امریکہ کی طرف کوئی وفد نہیں بھیجا گیا۔ عراق، شام، عرب اور قسطنطنیہ کی طرف وفد بھیجے جانے ضروری تھے مگر اس کا کچھ خیال نہیں کیا گیا۔ فرانس اور اٹلی کی طرف مستقل وفدوں کی ضرورت تھی مگر اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ جاپان بھی توجہ کا مستحق تھا اسے بھی نظر انداز کیا گیا۔ انگلستان کی طرف وفد گیا اور وہ بھی آخری وقت میں۔ ساری کوشش ہندوستان کی گورنمنٹ کو برا بھلا کہنے میں یا ان لوگوں کو گالیاں دینے میں صرف کر دی گئی جو کو ترکوں سے ہر طرح ہمدردی رکھتے تھے مگر سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مگر کیا گالیاں دینے سے کام ہوتے ہیں؟ کام کام کرنے سے ہوتے ہیں۔‘‘

جب تاریخی حقائق کا جائزہ لیا جائے تو حضور کے اس ارشاد کی اہمیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ۱۹۱۸ء کے آخر میں

ہندوستان کے مسلمانوں نے اس مسئلہ پر بے چینی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ اور ۱۹۱۹ء میں تو تحریکِ خلافت باقاعدہ شروع ہو چکی تھی اور جگہ جگہ ہندوستان میں جلسے جلوس ہو رہے تھے۔ ستمبر ۱۹۱۹ء میں تو جب حضور سے مشورہ کے لئے رابطہ کیا گیا تو حضور نے باقاعدہ یہ تحریری مشورہ بھی بھجوا دیا تھا کہ اس مسئلہ پر اگر کوئی کام سنجیدگی سے کرنا ہے تو مختلف ممالک تک اپنا نقطۂ نظر بھجوانا ہوگا کیونکہ فیصلہ کسی ایک ملک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ مختلف ممالک نے مل کر کرنا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے یہ ممالک باقاعدہ اعلیٰ ترین سطح کے اجلاسات کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں مشہور Paris Peace Conference تو جنوری ۱۹۱۹ء میں ہوئی تھی پھر اس کے بعد پھر میٹنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا تھا اور فروری ۱۹۲۰ء میں لندن میں ہونے والی کانفرنس جس میں برطانیہ، اٹلی اور فرانس کے وزراءِ اعظم نے شرکت کی، اکثر فیصلے ہو بھی گئے تھے کہ سلطنتِ عثمانیہ کے حصے بخرے کس طرح کرنے ہیں۔ اور دوسری طرف تحریکِ خلافت کا وفد انگلستان اور یورپ کے لئے فروری ۱۹۲۰ء میں روانہ ہوا تھا اور مارچ کے وسط میں جا کر اس نے پہلے سربراہ حکومت برطانیہ کے وزیر اعظم لائیڈ جارج سے ملاقات کی تھی۔ اور اس وقت تک تو مختلف حکومتوں نے مل کر بیشتر فیصلے کر بھی لئے تھے۔ اب ان پر اثر انداز ہونے کا وقت گذر چکا تھا۔ اور یہ خیال غلط تھا کہ صرف ہندوستان میں دباؤ ڈالنے سے مطالبات منوائے جا سکتے ہیں کیونکہ اس معاملہ میں تو اتنے مختلف ممالک رائے پر اثر انداز ہو رہے تھے کہ خود امریکہ کے صدر اپنے چودہ نکات کو اپنے حلیفوں سے منظور نہیں کرا سکے تھے۔ پھر امریکہ کی طرف وفد بھجوا کر اپنا موقف پہنچانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی حالانکہ امریکہ کے صدر ولسن یہ کوشش کر رہے تھے کہ وہ اپنے اتحادیوں سے یہ تجویز منوا سکیں کہ کسی ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک کمیشن قائم کیا جائے جو وہاں کے لوگوں کی رائے معلوم کرے۔ اور برطانیہ اور فرانس اس تجویز کی حمایت نہیں کر رہے تھے۔ بعد میں امریکہ نے اپنا علیحدہ کمیشن قائم کر دیا تھا۔ اور ان کی حکومت تک اپنا موقف بھجوانے کا فائدہ ظاہر تھا۔ اسی طرح تحریک خلافت کے قائدین یہ مطالبہ تو بار بار پیش کر رہے تھے کہ عرب ممالک کو ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ کے تحت رکھا جائے لیکن یہ زحمت نہیں کی گئی تھی کہ وہاں وفد بھجوا کر وہاں کے لیڈروں کی رائے ہی معلوم کر لی جائے کہ انہیں یہ قبول بھی ہے کہ نہیں۔ اسی طرح جاپان بھی ان اجلاسات میں شامل تھا ان کے قائدین تک اپنی آواز پہنچانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ایسے بین الاقوامی مسئلہ پر جب کہ بڑی بڑی طاقتیں بھی اکیلے اپنی بات نہیں منوا سکتی تھیں خود برطانیہ بھی اپنی ساری باتیں نہیں منوا سکتا تھا۔ امریکہ کا صدر بھی اپنے چودہ نکات نہیں منوا سکا تھا تو یہ امید رکھنا کہ ہندوستان میں جلسے جلوس کر کے اور برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کر کے یا تمغے اور خطابات واپس کر کے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں محض ایک خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اس کے علاوہ حضور نے اس تحریر میں یہ تفصیلات بیان فرمائیں کہ کس طرح اس معاہدے کی شرائط طے کرتے ہوئے انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ حضور نے فرمایا کہ عراق کی آبادی کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع

نہیں دیا گیا، شام کی آبادی کو صاف صاف کہنے کے باوجود کہ وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں فرانس کے زیر اقتدار کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح لبنان کو فرانس کے زیر اقتدار کر دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضور نے یہ نشاندہی بھی فرمائی کہ فلسطین کو یہودی نو آبادی قرار دے دیا گیا ہے، باوجود اس کے کہ وہاں کی اکثریت مسلمان ہے۔ اسی طرح ترکی کو ناجائز طور پر اپنے بعض شہروں سے محروم کر دیا گیا ہے۔

حضرت مصلح موعود نے تحریر فرمایا کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اتحادی یہ شرائط نرم نہیں کریں گے اور حضور نے جائزہ پیش فرمایا کہ اب تک مختلف آراء پیش کی جارہی ہیں کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو ہندوستان کے مسلمان کیا ردِعمل دکھائیں۔ ان میں ہجرت، برطانوی حکومت سے قطع تعلق اور بغاوت کی تجاویز پیش کی جارہی ہیں۔ حضور نے ان کا تجزیہ پیش فرمایا کہ ان میں سے ایک تجویز بھی قابلِ عمل نہیں ہے۔ حضور نے متنبہ فرمایا کہ ہندوستان کی سات کروڑ آبادی اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی اور اس کو پیش کر کے سکی کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اور اس کو پیش کرنے والے خود بھی اس پر عمل نہیں کر رہے۔ اور حکومت سے عدم تعاون کے بارے میں حضور نے تحریر فرمایا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ہندو سربرآوردہ اس وقت مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے آمادہ ہیں۔ لیکن اس تجویز کی مخالفت ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے اور یقیناً پانچ فیصدی ہندو بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اگر مسلمان وکلاء اپنا کام چھوڑ دیں گے تو خود مسلمان اپنی دادرسی کے لئے ہندو وکلاء کی خدمات کو حاصل کریں گے اور وہ شوق سے ان کے مقدمات لیں گے اور اگر مسلمان جج استعفاء دے دیں گے تو ہندو امیدوار فوراً ان کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ اگر فوجی مسلمان استعفاء دے دیں گے تو علاوہ اس کے کہ وہ فوجی قواعد کی خلاف ورزی کر کے سزا پاویں گے ان کا مستعفی ہو جانا ایسا موثر نہ ہوگا کیونکہ ہندو قوم اب فوجی خدمات کی اہمیت سے کافی طور پر واقف ہو چکی ہے اور وہ اپنے قدیم ملک کو بلا حفاظت چھوڑنے پر کبھی رضامند نہ ہوگی۔ غرض ہر ملازمت کے لئے دوسری اقوام کے لوگ نہ صرف مل جاویں گے بلکہ شوق سے آگے بڑھیں گے۔ کیونکہ ملازمت تلاش کرنے والوں کی ہمارے ملک میں کمی نہیں ہے۔ ایسے لوگ مسلمانوں کے اس فیصلہ کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ سمجھیں گے اور ان کی بیوقوفی پر دل ہی دل میں ہنسیں گے۔ پس سوائے اس کے کہ اس فیصلہ سے لاکھوں مسلمان اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور تعلیم سے محروم ہو جاویں اور اپنے حقوق کو جو بوجہ مسلمانوں کے سرکاری ملازمتوں میں کم ہونے کے پہلے ہی تلف ہو رہے ہیں اور زیادہ خطرہ میں ڈال دیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔''

جیسا کہ ہم جائزہ لیں گے بعد میں پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کیا کہ حضور نے جو راہنمائی فرمائی اس کا

ایک ایک حرف سچا تھا۔اور احتجاج کے اس انداز کو اختیار کر کے مسلمانوں نے بہت بڑے نقصانات اُٹھائے۔

اس کے علاوہ حضور نے یہ تجویز سامنے رکھی کہ ایک عالمگیر لجنہ اسلامی قائم ہونی چاہئے جو اس امر کا جائزہ لے کہ ان علاقوں میں جنہیں عیسائی حکومتوں کے حوالے کیا گیا ہے کہیں مسلمانوں پر مذہبی جبر تو نہیں کیا جا رہا۔کیونکہ یورپین اور یونانیوں کا اسلام کے خلاف تعصب اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔اور یہ تنظیم ان حالات پر نظر رکھے اس طرح ان قوموں کو یہ احساس بھی رہے گا کہ ان کی حرکات پر نظر رکھی ہوئی ہے۔اور ان کی اطلاع پوری دنیا کو ہوگی۔حضور نے فرمایا کہ اپنے جوش کو ادھر اُدھر ضائع کرنے کے اسے ایک منظم شکل میں ڈھال کر کارآمد بنایا جائے۔

بہر حال الہ آباد میں جلسہ شروع ہوا اور اس مسئلہ پر غور کر کے سفارشات مرتب کی گئیں۔یہ سفارشات حضرت مصلح موعود کے دیے گئے مشوروں کے بالکل الٹ تھیں۔اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ وائسرائے کو الٹی میٹم دیا جائے کہ وہ خلافت کے مسئلہ کو جو ایک مذہبی مسئلہ ہے طے کرا دیں ورنہ ہم ترکِ موالات یعنی حکومت سے عدم تعاون پر مجبور ہوں گے۔تحریکِ خلافت کا وفد جون ۱۹۲۰ کے آخر میں وائسرائے سے ملا اور انہیں یہ بتایا کہ یا تو آپ حکومت پر دباؤ ڈال کر صلح کے معاہدے کے بارے میں ہمارے مطالبات منظور کرائیں یا پھر ہم مجبور ہوں گے کہ یکم اگست سے ترکِ موالات کی تحریک جاری کر دیں۔گاندھی جی نے بھی وائسرائے کو تحریک خلافت کے مطالبات کے حق میں خط لکھا۔

(تحریکِ خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی،، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ص ۱۵۶)

یکم اگست کا دن آیا تو ترکِ موالات کی تحریک کا آغاز گاندھی جی نے اپنے ان تمغوں کو واپس کر کے کیا جو انگریز حکومت نے انہیں جنگ میں خدمات پر دیئے تھے۔۱۰ اگست کا دن آیا تو معاہدہ سیورے پر دستخط ہوئے اور سلطان ترکی کے نمائندے توفیق پاشا نے بھی دستخط کر دیئے اور اس وقت مسلمانوں میں جو تبدیلی ہوئی اس کے متعلق قاضی محمد عدیل عباسی اپنی کتاب ''تحریکِ خلافت'' کے صفحہ ۱۵۷ پر لکھتے ہیں:

> ''ادھر مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ ان میں بالکل کایا پلٹ ہو رہی تھی۔انہوں نے کھدر پہنا اور گاندھی ٹوپی اختیار کرنا کثرت سے شروع کر دیا تھا۔لمبے کرتوں اور گھٹنے پاجاموں کا رواج کالج کے طالب علموں میں بھی دیکھا جا رہا تھا اور ایک اندھے جوش میں جولائی اور اگست میں تقریباً اٹھارہ ہزار آدمی ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔ہجرت کا فتویٰ صحیح تھا یا غلط اسے علماء جانیں۔لیکن اس سے مسلمانوں کے گہرے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔''

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۹ پر لکھتے ہیں:

> ''رفتہ رفتہ سکولوں اور کالجوں سے لڑکے نکلنے لگے، کچہریوں سے وکلاء نے علیحدگی اختیار

کرنا شروع کر دیا، خطابات واپس ہونے لگے اور لوگ نوکریوں سے استعفیٰ دینے لگے۔''

واضح رہے کہ یہ ہجرت کرنے والے، کالج سکول چھوڑنے والے، نوکریاں ترک کرنے والے تقریباً سب کے سب مسلمان تھے اور دوسرے لوگ بڑی تیزی سے ان کی جگہ لے رہے تھے۔ کس کا فائدہ اور کس کا نقصان تھا، یہ بالکل ظاہر ہے۔

اس ماحول میں مسلمان سیاستدانوں میں سے ایک آواز تھی جو ترکِ موالات اور عدم تعاون کی تحریک کے خلاف اُٹھ رہی تھی اور اس وقت کے قابلِ ذکر مسلمان سیاستدانوں میں سے یہ ایک ہی آواز تھی جو اس طرز کے خلاف بلند ہو رہی تھی اور اس آواز کو ہر طرف سے اپنے اور غیر حملوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ یہ آواز قائد اعظم محمد علی جناح کی آواز تھی۔

۶ سے ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں کانگرس کا خصوصی اجلاس ہوا اور اس میں بھی ترکِ موالات کی تحریک کی منظوری دی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ بچوں کو سرکاری یا سرکار کے امداد یافتہ سکولوں سے نکال لیا جائے اور آزاد تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں، فوج اور دیگر سٹاف عراق جا کر کام کرنے سے انکار کر دیں۔ تمام ممبر کونسلوں سے استعفیٰ دے دیں۔ غیر ملکی کپڑوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترکی کے بارے میں فیصلہ بدلنا صرف برطانیہ کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اگر ہندوستان کے مسلمان بچے سکول نہیں جائیں گے، یا مسلمان فوجی عراق نہیں جائیں گے یا وہ باہر کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہنیں گے یا کونسل میں نہیں بیٹھیں گے تو کیا امریکہ، فرانس اور اٹلی اپنے عزائم سے دستبردار ہو جائیں گے؟ ظاہر ہے ایسا ہرگز نہیں ہونا تھا۔

قاضی محمد عدیل عباسی صاحب اپنی کتاب تحریک خلافت کے صفحہ ۱۶۳ پر لکھتے ہیں:

''کانگرس اور خلافت کانفرنس کے اجلاس میں ترکِ موالات کی تجویز جوش و خروش کے ساتھ منظور ہوئی۔ البتہ کانگرس کے اجلاس میں مسٹر محمد علی جناح نے تنہا اس کی مخالفت میں آواز بلند کی......

''آخر اگست میں گاندھی جی کی راہنمائی میں گجرات پولیٹیکل کانفرنس صرف مسئلہ خلافت پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی۔ اس میں عدم تعاون کی مخالفت ہوئی لیکن عدم تعاون کی قرارداد ۱۸۵۵ آراء کی موافقت اور ۸۷۳ کی مخالفت سے پاس ہوگئی۔ تمام مسلمانوں نے بالاتفاق موافقت میں ووٹ دیئے بجز محمد علی جناح کے جنہوں نے مخالفت بھی کی اور ووٹ بھی مخالفت میں دیا۔''

ستمبر ۱۹۲۰ میں پانچ سو علماء نے بھی باقاعدہ ترکِ موالات کے حق میں فتویٰ دے دیا۔

اس پس منظر میں دسمبر ۱۹۲۰ء کے آخری دنوں میں ناگپور میں مسلم لیگ اور کانگرس کے اجلاسات ہوئے۔ گاندھی جی نے تحریک پیش کی کہ ہندوستان کے لوگ پر امن اور جائز طریقوں سے سوراج (یعنی مکمل خود مختاری) حاصل کریں

گے۔ قائداعظم نے متنبہ کیا کہ آزادی کے لئے تیاری کے بغیر ایسا کرنا خطرناک ہوگا کہ برطانیہ سے تمام تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ جب گاندھی جی کی قرارداد پیش ہوئی تو ہر طرف سے داد و تحسین کا شور بلند ہوا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کا ردعمل کیا تھا اس کے متعلق Stanley Wolpert اپنی کتاب Jinnah of Pakistan میں لکھتے ہیں:

"Mr. Jinnah with the usual smile on his face mounted the platform with the ease suggestive of self confidence and the conviction of the man, and opposed in arguementative ,lucid and clear style, the change of creed,' reported the Times of India. He was howled down with the cries of 'shame shame' and political imposter. He referred to" Mr.Gandhi's resolution" but the irate audience yelled "No Mahatima Gandhi" He repeated 'Mister' then finally abandoned any preface,seeking a way to inject some air of logical reasoning into an atmosphere charged with passionate emotion. "At the moment the destiny of the country is in the hand of two men "Jinnah argued" and one of them is Gandhi. Therefore standing on this platform knowing as I do that he commands the majority in this assembly, I appeal to him to pause, to cry halt, before it is too late."

ترجمہ: ٹائمز آف انڈیا نے لکھا کہ مسٹر جناح اپنی معمول کی مسکراہٹ، خود اعتمادی اور یقین کے ساتھ سٹیج پر آئے اور مدلل، صاف اور واضح انداز میں اس قرارداد کی مخالفت کی۔ ان کی آواز شرم شرم کے شور میں ڈوب گئی۔ انہوں نے مسٹر گاندھی کی قرارداد کا حوالہ دیا۔ لیکن غضبناک ہجوم چلایا "نہیں مہاتما گاندھی"۔ انہوں نے دوبارہ مسٹر کے لفظ دہرائے اور پھر کسی لفظ کا استعمال ترک کر دیا۔ انہوں نے جذبات سے معمور اس ماحول میں دلائل کی بات کرنے کی کوشش کی۔ جناح نے کہا کہ اس وقت ملک کی قسمت دو آدمیوں کے ہاتھ میں ہے اور ان میں سے ایک گاندھی ہیں۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ اس مجمع میں ان کے پاس اکثریت ہے میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ٹھہر جائیں اور رکنے کا کہیں بیشتر اس کے کہ بہت دیر ہو جائے۔"

(Jinnah of Pakistan, by Stanley Wolpert, Oxford University press Karachi 2006, P71-72)

یہی مصنف لکھتے ہیں کہ اس وقت قائدِ اعظم پر ہر طرف سے تنقید ہو رہی تھی اور یہ تحریک چلانے والے جہاں جاتے قائدِ اعظم محمد علی جناح پر تنقید کرتے، انہیں غدار اور حکومت کا نمائندہ کہا جاتا۔ ایک طویل عرصہ قائدِ اعظم نے عملی سیاست سے تقریباً علیحدگی اختیار کر لی۔ اب یہ واضح ہو چکا تھا کہ اس رو کے خلاف جو آواز اُٹھائے گا اور قوم کو صحیح سمت کی طرف لے جانے کی کوشش کرے گا، اسے سب سے زیادہ اپنوں کے ہاتھ سے چلے ہوئے تیروں کا نشانہ بننا پڑے گا۔ اس پس منظر میں صحیح سمت میں قوم کی راہنمائی کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن حضرت مصلح موعود نے فیصلہ فرمایا کہ وہ اپنی آواز قوم کے کانوں تک ایک بار پھر پہنچائیں گے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ نقصان اُٹھانے سے بچ جائیں۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۲۰ء میں ہی حضور نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام تھا ''ترکِ موالات اور احکامِ اسلام''۔ اس کے آغاز میں ایک 'التماسِ ضروری' تحریر فرمایا اور اس میں حضور نے تحریر فرمایا کہ میں نے محض ہمدردی کی وجہ سے یہ رسالہ تحریر کیا ہے اور اس کو پڑھنے والے اس کو اپنے دوستوں اور واقفوں تک پہنچائیں۔ مسلمان پہلے ہی بہت صدمہ خوردہ ہیں اور ہمیں چاہئے کہ اس خطرناک رو کو روکنے کے لئے سعی کریں جو مزید بدنامی کا باعث بن رہی ہے۔ لوگ بے شک ترکِ موالات کی مخالفت کی وجہ سے آپ کو بزدل کہیں گے لیکن وہ شخص بہادر نہیں ہوتا جو بزدل کہلانے سے ڈر جاتا ہے۔

پھر اس رسالہ کے آغاز میں حضور نے تحریر فرمایا کہ یقیناً ترکوں سے غیر منصفانہ سلوک کیا گیا اور ان سے وہ سلوک نہیں کیا گیا جو دوسرے عیسائی مفتوح ممالک سے کیا گیا ہے۔ اور اتحادیوں نے وہ وعدے پورے نہیں کئے جو جنگ سے قبل بظاہر نظر آتے تھے۔ اسی طرح امرتسر میں جنرل ڈائر کا جلسہ کرنے والوں پر فائر کھول دینا ایک ظالمانہ اور وحشیانہ فعل تھا۔

حضور نے بعض لوگوں کی اس بات کی تردید فرمائی کہ اب صبر کر کے بیٹھ جانا چاہئے کیونکہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور فرمایا اس فیصلہ کو بدلنا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ یہ اصولی بات بیان کرنے کے بعد حضور نے ترکِ موالات یا حکومت سے عدم تعاون اور ہجرت کی تجاویز کا تجزیہ بیان فرمایا۔ ہجرت کے متعلق حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ میں نے پہلے یہ لکھا تھا کہ شرعاً یہ موقع ہجرت کا نہیں ہے اور اگر ہجرت کی بھی گئی تو چونکہ اس کا سامان آپ کے پاس نہیں ہے اس کا نقصان پہنچے گا اور دشمن کو ہنسی کا موقع ملے گا۔ پھر افغانستان میں گنجائش بھی نہیں ہوگی۔ اور آخر یہی ہوا۔ افغانستان جانے والے ہزاروں واپس آ گئے اور ہزاروں مر گئے اور جو وہاں ہیں وہ بری حالت میں ہیں اور گذارہ کے لئے یہاں سے روپیہ طلب کر رہے ہیں۔

حضور نے تحریر فرمایا دوسری تجویز ترکِ موالات کی بتائی جا رہی ہے اور یہ بھی ناقابلِ عمل ہے۔ اور چونکہ اب اس مسئلہ نے بہت اہمیت حاصل کر لی ہے اس لئے میں دوبارہ اس کے متعلق اپنی تحقیق بیان کر رہا ہوں۔ حضور نے ترکِ

موالات کے حامیوں کی طرف سے دیئے جانے والے دلائل کا پوری طرح رد تحریر فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ تحریک چلانے والے اسے ایک مذہبی فرض کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور اس کے باوجود بعض چیزوں میں حکومت کا بائیکاٹ کیا جا رہا ہے اور بعض چیزوں میں نہیں کیا جا رہا۔ حضور نے اس تجزیہ کے بعد تحریر فرمایا:

> ”کیا ترکِ موالات کے حامیوں کے پاس ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب نہیں کہ مسٹر گاندھی نے چونکہ ایسا کہا ہے اس لئے ہم اس طرح کرتے ہیں؟ مگر میں کہتا ہوں ہم یہ نہیں کہتے کہ اس طرح نہ کرو جس طرح مسٹر گاندھی کہتے ہیں اگر کسی کے خیال میں مسٹر گاندھی کا پروگرام مفید اور قابل عمل معلوم ہوتا ہے تو وہ بے شک اس پر عمل کرے۔ مگر مسٹر گاندھی کے قول کو قرآن کریم کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ شریعت اس کا نام کیوں رکھا جاتا ہے؟“

جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس تحریک کا ایک تضاد یہ تھا کہ وہ ایک طرف تو ترکی کی خلافت کو حق پر سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کے لئے انگریز حکومت کا بائیکاٹ کر رہے تھے اور دوسری طرف ترکی کے سلطان خود انگریز حکومت سے ہر طرح کا تعاون کر رہے تھے۔ چنانچہ حضور نے تحریر فرمایا:

> ”......لیکن جبکہ وہ سلطان المعظم کی خلافت کے متعلق اتنا زور دے رہے ہیں کیا کبھی انہوں نے اس امر پر بھی غور کیا ہے کہ خود سلطان المعظم نے کبھی بھی ترکِ موالات کے لئے مسلمانوں کو دعوت نہیں دی بلکہ وہ خود اتحادیوں سے صلح کرنے کے لئے تیار ہو گئے بلکہ انہوں نے صلح کر لی۔ اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو خصوصاً ان کو جو سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ وہ ان کے منشاء بلکہ ان کے عمل کے خلاف کام کریں۔“

اس تحریک کو چلانے والے مسلسل یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہماری تحریک پر امن تحریک ہے اور ہم گاندھی جی کے عدم تشدد کے اصول اہنسا پر کار بند ہو کر اس کو چلائیں گے۔ اور اس بات پر بار بار زور دیا جاتا تھا۔ لیکن حضور کی فراست نے اسی وقت یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا انجام تشدد پر ہوگا۔ چنانچہ اس رسالہ میں حضور نے تحریر فرمایا:

> ”شاید اس جگہ یہ کہا جائے کہ ہم تو فساد نہیں کرتے لیکن یہ بات درست نہیں ترکِ موالات کا آخری نتیجہ ضرور فساد ہے...... اور ابھی تو ابتداء ہے یہ فساد روز بروز اور ترقی کرے گا اور اگر اس تحریک کو ترک نہ کر دیا گیا تو مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو بھی خاک میں ملا دے گا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عوام الناس کو کہا جائے کہ گورنمنٹ اب اس حد تک گر گئی ہے کہ اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں اور پھر وہ فساد سے باز رہیں۔ جب لوگوں کو یہ کہا جائے گا تو وہ گورنمنٹ سے وحشیوں والا سلوک کریں گے۔ ایک ملک اور ایک جگہ رہ کر اور روزمرہ کے تعلقات کی

موجودگی میں سوائے خاص حالات کے ایسی تحریک کبھی امن کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔‘‘

جیسا کہ ہم بعد میں جائزہ لیں گے کہ حضور کا تجزیہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور اس تحریک نے ایک خطرناک فساد کی طرف موڑ لیا اور یہ امر اس تحریک کے خاتمہ کا ایک باعث بھی بنا۔

گو کہ گاندھی جی ایک ماہر سیاستدان تھے لیکن اگر اس مسئلہ کو ایک مذہبی مسئلہ کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا تو پھر ایک مذہبی معاملہ میں گاندھی جی کی قیادت قبول کرنا نا قابل فہم تھا اور اس کے کیا خطرناک نتائج ہو سکتے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔اس اہم امر کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے حضور نے تحریر فرمایا:

’’کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ تم اس صحیح راستہ کو ترک کر کے کہاں کہاں دھکے کھاتے پھرتے ہو؟ اول تو تمام علماء وفضلاء کو چھوڑ کر ایک غیر مسلم کو تم نے لیڈر بنایا ہے......مسٹر گاندھی بے شک ایک سنجیدہ اور مخلص سیاسی لیڈر ہیں لیکن ان کو اس امر میں راہنما بنانا جس پر تم اسلام کی زندگی اور موت کا انحصار سمجھتے ہو اور جسے تم اہم ترین مذہبی فرائض میں سے خیال کرتے ہو۔قابل افسوس اور حیرت نہیں تو اور کیا ہے؟‘‘

تحریک کا نقطہ آغاز اور خدوخال اور حضرت مصلح موعود کے فرمودات درج کرنے کے بعد ہم مختصراً بیان کرتے ہیں کہ اس تحریک کا انجام اور حاصل کیا ہوا۔یہ تحریک چلائی گئی اور بڑے زور سے چلائی گئی۔بہت سی مسلمان آبادی نے اس سے اجتناب کیا اور بہت سے مسلمانوں نے اس میں شرکت کی۔جلسے جلوس ہوئے۔ترک موالات شروع ہوئی۔لڑکوں نے سکول اور کالجوں کو خیر باد کہا۔ان میں سے بھاری اکثریت مسلمانوں کی تھی۔بعض نے نوکریوں کو خیر باد کہا۔ان میں سے بھی بھاری اکثریت مسلمانوں کی تھی۔گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا اور چلتا گیا۔نظمیں لکھی گئیں اور گائی گئیں۔افغانستان ہجرت کرنے والوں کے المناک انجام کا جائزہ ہم لے چکے ہیں۔گاندھی جی نے اس تحریک کی راہنمائی جاری رکھی۔حتیٰ کہ جب کلکتہ کے ایک سرکاری مدد یافتہ عربی اور مذہبی مدرسہ سے طلباء کو نکال کر کلکتہ کی جامع مسجد میں مدرسہ کھولا گیا۔اس کا افتتاح گاندھی جی نے کیا اور طلباء کو یہ نصیحت کی کہ اس وقت اسلام خطرے میں ہے۔خلافت تباہ کر دی گئی ہے۔مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لیا گیا۔اس لئے آپ نے جو قدم آگے بڑھایا ہے اس کو پیچھے نہ ہٹنے دیں۔اس عربی مدرسہ کے اساتذہ کو نصیحت کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا کہ طلباء کو وہ دینی تعلیم دیں جو مسلمانوں کو سچا مسلمان اور ہندوستانی بنا دے۔

(تحریک خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی،، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ص ۱۷۷۔۱۷۸)

ستمبر ۱۹۲۱ء کراچی میں خلافت کانفرنس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ اب فوجی ملازمت حرام ہے۔

(تحریک خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی،، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ص ۱۸۳)

بیچ میں یہ سکیم بھی پیش کی گئی کہ افغانستان کی فوج اور قبائل ہندوستان پر حملہ کر کے اسے آزاد کرائیں۔ اس تجویز کو پیش کرنے والے مولوی محمود حسن دیوبند تھے۔ اب یہ بھی ایک عجیب تجویز تھی۔ افغانستان کے امیر امان اللہ اور ان کے ہم وطن اس بات پر تو آمادہ نہیں تھے کہ ہزاروں ترکِ وطن کرنے والوں کی کما حقہ مہمان نوازی کر سکیں۔ اور ان ترکِ وطن کرنے والوں کو وہاں پر طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ سلطنتِ برطانیہ سے ٹکر لے کر ہندوستان کو آزاد کرا دیں گے۔ بہر حال ہندو راہنما اس تجویز پر بھڑک اُٹھے اور انہوں نے کہا کہ یہ سوراج نہیں بلکہ افغان راج قائم کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ مسلمان راہنماؤں کو بیان شائع کرنا پڑا کہ ہم تو عدم تشدد کے قائل ہیں۔ اور اس قسم کا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔

(تحریکِ خلافت مصنفہ قاضی محمد عدیل عباسی، ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ص ۱۸۶۔۹۰)

لیکن کیا ترکِ موالات کی تحریک کامیاب تھی؟ بے شک ہزاروں لوگ اس میں شرکت کر رہے تھے اور حکومت کے لئے دردِ سر بھی بنے ہوئے تھے لیکن مجموعی اثر کیا تھا۔ اس کے بارے میں قائد اعظم محمد علی جناح کی سوانح حیات میں Stanley Wolpert لکھتے ہیں کہ ستیہ گرہ بائیکاٹ کی مہم اتنی کامیاب نہیں رہی جتنا گاندھی جی کا خیال تھا۔ بعض وکلاء نے پریکٹس ترک کر دی تھی لیکن برطانوی عدالتیں پہلے ہی کی طرح مصروف تھیں۔ سکول اور کالج کام کر رہے تھے۔ ٹرینیں اپنے وقت پر چل رہی تھیں۔ جیلیں بھر گئی تھیں لیکن پولیس نے کام نہیں چھوڑا تھا۔ اور فوج مکمل طور پر برطانوی راج سے وفادار رہی تھی۔

(Jinnah of Pakistan ,by Stanley Wolpert,Oxford University press Karachi 2006,P74)

یہ خیال کہ اس مہم سے حکومت مفلوج ہو جائے گی بالکل غلط ثابت ہو رہا تھا۔ اور جو بات حضور نے فرمائی تھی کہ ترکِ موالات کی تحریک غلط بھی ہے اور ناقابلِ عمل بھی ہے حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی تھی۔

لیکن اس تحریک کو ایک نیا رنگ دینے کے لئے گاندھی جی نے بردولی کے مقام پر مکمل سول نافرمانی شروع کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ خود اس تحریک کی قیادت کریں گے۔ عدم تشدد کا عہد سب باشندگان بردولی سے لیا گیا۔ اور اعلان کیا گیا کہ یہ سول نافرمانی اتنی مکمل ہوگی کہ اگر حکومت کہے گی کہ دائیں مڑ جاؤ تو سب بائیں مڑ جائیں گے۔ گاندھی خود اس کی قیادت کرنے کے لئے بردولی پہنچ گئے۔ لیکن فروری ۱۹۲۲ء میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے اس تحریک کو نیم مردہ کر دیا۔ جیسا کہ ہم پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ تحریک چلانے والوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ اس تحریک مکمل طور پر تشدد سے پاک رہے گی لیکن حضرت مصلح موعود نے پہلے ہی متنبہ فرمایا تھا کہ اس کی طرز ہی ایسی ہے کہ اس کا انجام فساد پر ہوگا اور یہ تشدد سے پاک نہیں رہ سکے گی۔ چنانچہ فروری ۱۹۲۲ء میں چوراچوری کے مقام پر ایسا واقعہ ہوا جس نے یہ ثابت کر دیا کہ حضور نے بالکل درست راہنمائی فرمائی تھی۔ چوراچوری مقام پر اس تحریک کا ایک جلوس نکلا اور ختم ہو گیا لیکن واپس

جانے والوں کا پولیس سے جھگڑا ہو گیا۔ پولیس نے فائرنگ شروع کی اور تین مظاہرین مارے گئے۔ پولیس والوں کو تھانے میں پناہ لینی پڑی۔ مجمع نے تھانے کو آگ لگا دی جب پولیس والے باہر نکلے تو ہجوم نے ۲۲ پولیس والوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اس پر مزید ظلم یہ کہ ان کی لاشوں کے ٹکڑوں کو آگ میں پھینکا۔ گاندھی جی نے اس پر تحریک روک دینے کا اعلان کیا اور کہا کہ ابھی تک قوم میں عدم تشدد پیدا نہیں ہوا اس لئے اس تحریک کو ختم کیا جاتا ہے۔ اب وہ وقت آ رہا تھا کہ ہندو عوام بھی اس تحریک میں بھرپور حصہ لیں لیکن اس مرحلہ پر یہ تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ہر طرف سے احتجاج کے خط لکھے گئے لیکن گاندھی جی نے اس فیصلہ کو بدلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خدا نے مجھے چوراچوری کے ذریعہ متنبہ کیا ہے۔ یہ وہ دن تھا جب اس تحریک کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اور پھر گاندھی جی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ان کی گرفتاری کے بعد کانگرس نے ایک کمیشن قائم کیا کہ سول نافرمانی یا ترکِ موالات کی تحریک کے قابلِ عمل ہونے کا جائزہ لے۔ اس کمیشن نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ یہ تحریک اس وقت ناقابلِ عمل ہے۔ حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تحریک ناقابلِ عمل ہے۔ اور بہت سا نقصان اُٹھا کر یہی بات صحیح ثابت ہو رہی تھی۔

اب دوسری طرف جب ترکی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ سلطان ترکی وحید الدین نے معاہدہ سیورے پر دستخط کر دیئے ہیں تو وہ ان کے خلاف بھڑک اُٹھے اور ان کی راہنمائی میں بغاوت کھڑی کر دی۔ پہلے پہلے مصطفےٰ کمال پاشا کی فوج نے قابض اتحادی افواج کو شکست پر شکست دینی شروع کی اور سلطان ترکی کی بچی کچھی فوج کو بھی ختم کیا۔ اور اتحادی ابھی اس پوزیشن میں تھے کہ مزید فوج ترکی بھجوا سکیں۔ لیکن پھر یونان نے کچھ علاقوں کے عوض مقابلہ شروع کیا اور مصطفےٰ کمال پاشا کی افواج کو زبردست نقصان پہنچا۔ لیکن پھر پانسا پلٹا اور ان افواج کو کامیابیاں ملنی شروع ہوئیں۔ اتحادیوں نے بھی یونان کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اب مصطفےٰ کمال پاشا کی فوج کو ایک کے بعد دوسری کامیابی مل رہی تھی۔ جب ان کا اعتماد بڑھا تو نومبر ۱۹۲۲ء میں مصطفٰی کمال پاشا نے خلافتِ عثمانیہ کو بے اختیار کر دیا اور سلطنت کو خلافت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ سلطان وحید الدین کو برطرف کر دیا گیا اور انہوں نے انگریز کمانڈر سے مدد کی درخواست کی اور انگریز فوج نے انہیں محل سے نکال کر ایک بحری جہاز میں پہنچایا، جس پر پہنچ کر وہ ہمیشہ کے لئے ترکی سے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے زندگی کے آخری ایام اٹلی میں گذارے۔ یہاں پر یہ سوال اُٹھتا ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک سلطان وحید الدین واجب الاطاعت خلیفہ تھے انہیں چاہئے تھا کہ اس مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیتے اور ان کی حمایت کے لئے میدان میں آتے۔ مگر ہوا کیا؟ ان میں سے کوئی غریب الوطنی کی حالت میں انہیں ملنے تک نہیں گیا اور انہیں اٹلی میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ ان کے قریبی رشتہ دار عبد المجید کو نیا خلیفہ چنا گیا مگر بغیر اختیار کے۔ اب تحریک خلافت والے کیا کر رہے تھے۔ بجائے سابق سلطان وحید الدین جنہیں کل تک وہ خلیفہ کہہ رہے تھے انہیں بچانے کے انہوں نے انہی پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا دسمبر ۱۹۲۲ میں گیا میں جو خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا اس میں سلطان وحید الدین پر یہ الزام لگایا

گیا کہ انہوں نے ذاتی مفادات پر اپنے مذہبی اور ملکی مفادات کو قربان کر دیا تھا۔ اور یہ قرارداد منظور کی گئی کہ نئے خلیفہ کا انتخاب عین اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہوا ہے۔ اور مصطفےٰ کمال پاشا جنہوں نے سابق خلیفہ کو معزول کیا تھا انہیں تحریک خلافت والوں نے مجاہد خلافت کا لقب دیا۔ اور گیا میں جمیعۃ العلماء اسلام کا اجلاس ہوا اور اس میں اعلان کیا گیا کہ خلیفہ منتخب بھی ہوسکتا ہے، مقرر بھی ہوسکتا ہے اور اسے معزول بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خلافت کو سلطنت سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور اس اجلاس میں مصطفےٰ کمال پاشا کو مجتہد بھی قرار دے دیا گیا۔ اور نئے خلیفہ سلطان عبد المجید کو اپنی بیعت کا پیغام بھجوایا گیا۔ اور ابھی ان کے سابق خلیفہ زندہ موجود اور اٹلی میں بے یارومددگار زندگی گذار رہے تھے۔ اور اپنے سابق خلیفہ کے متعلق ایک کانفرنس میں تحریک خلافت والوں نے یہ کہا کہ ان کے اعمال تاریخ کی بدترین بددیانتی تھے، شیطانیت تھے۔ انہیں مردود اور مقہور کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ اور یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اگر انہیں ہندوستان لایا گیا تو ہندوستان کے مسلمان ان کا بائیکاٹ کر دیں گے اور ہندوستان کے مسلمان ان سے شدید نفرت کرتے ہیں اور اس کی ذمہ داری ان کے افعالِ قبیحہ پر عائد ہوتی ہے۔ انہوں نے ہمارے مذہب کے عزت ووقار کو خاک میں ملانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

(تحریک خلافت، مصنفہ ڈاکٹر میم کمال او کے، ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۱، صفحہ ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۹۵، ۲۰۰)

کل تک تو اس شخص کو واجب الاطاعت خلیفہ کہا جا رہا تھا اور اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا جا رہا تھا اور آج اس کی شان میں یہ بدزبانی کہ انسان کانپ اُٹھتا ہے۔ یہ اتنے زہریلے اور خطرناک رجحانات ہیں کہ ان پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے حضرت مصلح موعود نے اس تحریک کے قائدین کو یہ پیغام بھجوایا تھا کہ وہ حکومت کا بائیکاٹ نہ کریں لیکن یہ مصر تھے کہ ہم اس شخص کی خاطر جسے ہم خلیفہ سمجھتے ہیں حکومت کا بائیکاٹ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور آج وہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم اپنے سابق خلیفہ کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ جماعتِ احمدیہ نے سلطان وحید الدین کو کبھی خلیفہ نہیں سمجھا اور نہ سمجھ سکتی تھی لیکن جب انہیں اقتدار سے محروم کر دیا گیا تو اس انداز میں ان پر حملے بھی نہیں کئے۔ آخر دنیا میں اخلاق اور شرافت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ جماعتِ احمدیہ کا خلافت کے متعلق مسلک بالکل واضح ہے کہ اللہ جسے منتخب کرتا ہے خلیفہ بناتا ہے، پوری جماعت اس وجود کی بیعت کرتی ہے اور پھر ہر حال میں اس کی اطاعت کی پابند ہوتی ہے۔

بہرحال اب خلافت کمیٹی نے ترکی کی مدد کے لئے ہندوستان میں فوج بھرتی کرنے کا کام شروع کیا تاکہ مغربی اقوام کے خلاف ترکی کی مدد کی جا سکے۔ ابھی یہ تجویز شروع ہوئے چند ماہ ہی ہوئے تھے اور ابھی فارموں کو ہی پر کیا جا رہا تھا کہ اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا نے جون ۱۹۲۳ میں ان مغربی اقوام سے صلح کا معاہدہ کر لیا جو کہ treaty of Laussane کے نام سے معروف ہے اور اس میں ملک ترکی کے تمام شہروں پر ترکی کی علمداری کو تسلیم کرا لیا اور وہ

شرائط بھی ختم کر دی گئیں جن میں ترکی کی حکومت کے لئے ضروری تھا کہ وہ مغربی طاقتوں سے مشورہ کرے۔لیکن سلطنتِ عثمانیہ میں شامل دیگر تمام ممالک میں ترکی نے اپنا عمل دخل ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔اور اس طرح عرب ممالک بھی ہمیشہ کے لئے ترکی کی عملداری سے علیحدہ ہو گئے۔اور وہ بات جو حضرت مصلح موعود نے فرمائی تھی کہ اب ان عرب ممالک کی ترکی سے علیحدگی کو ایک فیصلہ شدہ امر سمجھنا چاہئے حرف بحرف پوری ہوئی۔

یہ تحریک اب ایک کے بعد دوسرے جھٹکے سے دوچار ہو رہی تھی کہ ایک اور واقعہ ہو گیا۔امیر علی صاحب اور سر آغا خان سوئم نے ایک مشترکہ خط لکھا جو ترکی کے بعض اخباروں میں شائع بھی ہو گیا۔اس میں لکھا گیا تھا کہ خلافت کا مسئلہ صرف ترکی سے نہیں بلکہ تمام سنی مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے۔عثمانی سلطنت کو خلافت سے محروم کر دینا یا کسی اور شخص یا ادارے کو خلافت کے اختیارات سے محروم کرنے کا اختیار ساری دنیا کے سنی مسلمانوں کو ہے۔اس طرح نئے خلیفہ کو بھی سارے دنیا کے سنی مسلمان ہی منتخب کر سکتے ہیں۔یہ مراسلہ کسی بم کے گولے سے کم نہیں تھا۔جن اخبارات نے اس مراسلہ کو شائع کیا تھا ان پر مقدمات چلائے گئے۔مصطفےٰ کمال پاشا اس پر بہت غصے میں آئے اور پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا گیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ خلافتِ عثمانیہ کا بالکل خاتمہ کر دیا گیا۔اور اسی روز سلطان عبد المجید بھی ترکی سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ہم یہ یاد دلاتے جائیں کہ ستمبر ۱۹۱۹ء میں حضرت مصلح موعود نے تحریک خلافت کے اجلاس کے نام یہ تحریر فرمایا تھا کہ میرے نزدیک ترکی سے ہمدردی اور ان کی مدد کی وجہ یہ بیان کرنا کہ سلطان خلیفۃ المسلمین ہیں درست نہیں ہے اور اس بات پر زیادہ زور دینا مناسب نہیں ہے۔لیکن اس وقت تحریک چلانے والوں نے اسی روش پر اصرار کیا تھا اور آخر میں یہی بات خلافت عثمانیہ کے مکمل خاتمے کا باعث بنی۔یہ خاتمہ دسمبر ۱۹۲۳ میں ہوا۔اور اس وقت تحریک خلافت والے یہ مطالبہ دہرا رہے تھے کہ حجاز پر عثمانی خلیفہ کی حکومت بحال کی جائے۔اور دوسری طرف ترکی کے وزیرِ اعظم تو یہ اعلان کر رہے تھے کہ ترکی اب دوسرے مسلمان ممالک اور اقوام کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔

جب عثمانی خلافت کے خاتمہ کی اطلاع ہندوستان پہنچی تو تحریکِ خلافت یکلخت بیٹھ گئی۔بعض مسلمانوں نے مولانا محمد علی جوہر صاحب اور ان کے ساتھیوں پر الزام لگانا شروع کیا کہ ان لوگوں نے قوم کو مغالطہ میں ڈالا۔مولانا محمد علی جوہر کو پہلے اس خبر پر یقین ہی نہیں آیا۔وہ اسے برطانوی سازش سمجھ رہے تھے لیکن جب تصدیق ہوئی تو انہوں نے علی گڑھ کی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ترکوں نے انہیں ایک میلے رومال کی طرح استعمال کر کے پھینک دیا ہے۔اتاترک کو تار دی گئی کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ایک ممبر پارلیمنٹ کے ذریعہ اتاترک کو پیغام بھجوایا گیا کہ وہ ہی خلافت کا منصب سنبھال لیں لیکن انہوں نے سنا تو غصہ سے لال پیلے ہو گئے۔اور اس تجویز کو پیش کرنے والوں کو بہت برا بھلا کہا۔

(تحریک خلافت، مصنفہ ڈاکٹر میم کمال او کے، ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۵۲،۱۵۶)

کچھ سال مزید اس تحریک کو بے مقصد چلایا گیا مگر اب کسی کی اس طرف توجہ نہیں ہوتی تھی، حتیٰ کہ جن کو اجلاس کے لئے صدر نامزد کیا جاتا تھا وہ بھی اس اجلاس میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر طرح سے بہت سے نقصانات اُٹھائے۔ ہجرت کی، نوکریاں چھوڑیں، جیلوں کو بھرا لیکن انجام کیا ہوا۔ اس پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی شخص ٹھوس تاریخی حقائق کی روشنی میں جائزہ لے تو اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس موقع پر صحیح راہنمائی وہی تھی جو کہ حضرت مصلح موعود نے فرمائی تھی۔ کسی غیر کے لئے بھی یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ سچا خیر خواہ اور قوم کا ہمدرد کون تھا۔

نہرو رپورٹ کے معاملہ میں حضور کی راہنمائی

برطانوی حکومت نے ۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں جو قوانین نافذ کئے تھے ان کے ساتھ یہ اعلان بھی تھا کہ دس سال کے بعد ایک کمیشن قائم کیا جائے گا جو ان قوانین کا جائزہ لے کر ان میں اصلاحات کا جائزہ لے گا۔ اور ہم جس دور کی بات کر رہے ہیں اس وقت ہندوستان میں ۱۹۱۹ء کے قانون میں اصلاحات کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ اس وقت مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے جداگانہ انتخابات کے تحت علیحدہ علیحدہ نشستوں پر اپنے نمائندگان کا انتخاب کرتے تھے۔ لیکن ہندو اکثریت کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے اور تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو اکٹھے اپنے حلقہ انتخاب میں اپنے نمائندے منتخب کرنے چاہئیں۔ دوسری طرف مسلمانوں میں سے اکثر اپنا مفاد اس میں دیکھتے تھے کہ وہ جداگانہ انتخابات کے تحت اپنے نمائندے منتخب کریں۔ اس پس منظر میں مارچ ۱۹۲۷ء میں مسلمانوں کے نمائندے دہلی میں اکٹھے ہوئے اور یہ قرار پایا کہ مسلمان بعض شرائط پر مشترک انتخابات پر راضی ہو سکتے ہیں۔ اور وہ شرائط یہ تھیں کہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔ اس طرح یہ ایک مسلمان اکثریت کا صوبہ بن جائے گا۔ اور اس وقت سرحد اور بلوچستان کو صوبوں کی حیثیت حاصل نہیں تھی، اس میٹنگ میں یہ مطالبہ بھی رکھا گیا کہ ان دونوں کو علیحدہ صوبوں کی حیثیت دی جائے۔ اور ان مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہندو اقلیت کو وہی حقوق دیئے جائیں گے جو دوسرے صوبوں میں اقلیتوں کو ہوں گے۔ اور یہ کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نشستیں ان کی آبادی کے تناسب سے رکھی جائیں۔ مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مخلوط انتخابات ہوں مگر مسلمانوں کی نشستیں ایک تہائی سے کم نہ ہوں۔ جب یہ تجاویز شائع ہوئیں تو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے ان کا خیر مقدم کیا کہ اب مسلمانوں نے بھی مخلوط انتخابات کی تجویز تسلیم کر لی ہے۔ اس کے بعد ستمبر ۱۹۲۷ء میں مسلم لیگ نے شملہ میں ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقد کی۔ اس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح کر رہے تھے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ بالعموم اس قسم کی مجالس میں نہیں جاتا لیکن چونکہ اس وقت میں کسی اور کام سے شملہ گیا ہوا تھا تو اس مجلس میں شریک ہوا۔ اس میں جب مخلوط انتخابات کے بارے میں مشورہ کیا گیا

تو عمومی رائے مخلوط انتخابات کے خلاف تھی۔ اس پر قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کہا کہ یہ کوئی باقاعدہ ایسوسی ایشن نہیں ہے اس لئے ووٹنگ کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں عام رائے سمجھ گیا ہوں۔ (انوار العلوم جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۵، ۳۵۶)

برطانوی حکومت نے وقت سے قبل ہی ۱۹۲۷ء میں اس کمیشن کے قیام کا اعلان کر دیا جس نے ہندوستان میں آئینی اصطلاحات کی سفارشات مرتب کرنی تھیں۔ اس کی بظاہر ایک وجہ یہ نظر آتی تھی کہ اس وقت Consevative Party کی حکومت برسرِ اقتدار تھی اور انہیں یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ اگلے انتخابات نہیں جیت سکیں گے۔ اس لئے وہ اپنی مرضی کے کمیشن سے یہ کام کرانا چاہتے تھے۔ اس کمیشن کے نام کا اعلان کیا گیا۔ اس کے سات اراکین تھے اور اس کے سربراہ جان سائمن (John Simon) تھے اور انہی کے نام پر اس کمیشن کو سائمن کمیشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کمیشن کے اراکین میں سے ایک بھی ہندوستانی نہیں تھا۔ جائز طور پر اس بات سے ہندوستانیوں میں سخت ہیجان پیدا ہوا کہ ان کے ملک کے قوانین کو تبدیل کرنے کے بارے میں کمیشن قائم کیا جائے اور ان کی اس کمیشن میں کوئی نمائندگی نہ ہو۔ کانگرس نے اس کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ مسلم لیگ کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش ہوا کہ اس کمیشن کے قیام پر کیا ردِ عمل ظاہر کیا جائے۔ اس سوال پر اختلاف ہوا اور مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ کی قیادت سر شفیع کر رہے تھے اور اس کے اراکین میں پنجاب کے اراکین کی قیادت زیادہ تھی اور اس کا خیال تھا کہ ہمیں کمیشن کے روبرو اپنا موقف پیش کرنا چاہئے اور دوسرے حصہ کی قیادت قائدِ اعظم محمد علی جناح کر رہے تھے اور اس کا موقف یہی تھا کہ مسلمانوں کو اس کمیشن کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں اپنی اپنی کمیٹیاں قائم کریں گی جو کہ اس کمیشن کی اعانت کریں گی۔ لیکن یہ قدم بھی محض اشک شوئی کے لئے اُٹھایا گیا تھا اس لئے اس کمیشن کے مخالفین کی تسلی نہیں ہوئی۔

(The Making of Pakistan, by K. K. Aziz, Sange Meel Publications, 39-41)

جس وقت اس کمیشن کا اعلان ہوا، اس وقت حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب انگلستان میں تھے۔ اور ان کے وہاں جانے کا مقصد یہ تھا کہ جب اس کمیشن کی تقرری کا وقت نزدیک آیا تو میاں سر فضل حسین کی تجویز پر پنجاب کی اسمبلی کے اراکین اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کا ایک نمائندہ لندن جا کر ممبران پارلیمنٹ اور صائب الرائے اصحاب سے مل کر ان کا نقطہ نظر ان تک پہنچائے۔ جب سائمن کمیشن ہندوستان پہنچا تو ان کے ساتھ کام کرنے کے لئے مرکزی اور صوبائی کمیٹیاں قائم کرنے کا مرحلہ آیا تو یہ مسئلہ پنجاب کی کونسل (اسمبلی) میں بھی پیش ہوا۔ اس موقع پر بہت زوردار تقاریر ہوئیں اور بحث کے دوران اس تجویز کے حق میں بہت سے دلائل پیش کئے گئے کہ صوبائی کمیٹی کو اس کمیشن کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اپنی تقریر میں ان میں سے اکثر دلائل کے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ یہ کمیٹیاں اس کمیشن میں ہندوستانیوں کی رکنیت کا بدل نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی اس کمیشن میں

ہندوستانیوں کو نہ شامل کرنے کی کوئی جائز وجہ ہے اور ہمیں اس کمیشن سے کوئی زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ہمیں اس کمیشن سے عدم تعاون نہیں کرنا چاہئے۔ہمارے تعاون سے کسی نقصان کے پہنچنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا لیکن ہم شہادت کے دوران ایسے امور کمیشن کے سامنے لا سکتے ہیں جو کہ ہمارے نمائندوں کی عدم موجودگی میں نمایاں طور پر ظاہر نہیں ہوں گے۔کئی ممبران نے بائیکاٹ کیا لیکن جو کمیٹی ممبران نے منتخب کی اس میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی شامل تھے۔

(تحدیث نعمت، مصنفہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب، ناشر ڈھاکہ بنوولنٹ ایسوسی ایشن ڈھاکہ، دسمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۲۵۷،۲۵۸)

چونکہ پنجاب کونسل (اسمبلی) کی منتخب کمیٹی میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بہت سے مسلمان ممبران نے ووٹنگ کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔اس صورت حال میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک مضمون تحریر فرمایا اور اس میں تحریر فرمایا کہ میرے نزدیک پنجاب کونسل کا یہ فیصلہ کہ وہ سائمن کمیشن کے ساتھ کام کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرے درست تھا لیکن مسلمانوں کی کم نمائندگی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ بہت سے مسلمان ممبران نے بائیکاٹ کیا ہوا تھا اور اب یہ غلطی اس طرح درست ہو سکتی ہے کہ پہلے سب گروہوں کا ایک اجلاس ہو اور پھر اگر ضرورت ہو تو بعض ممبران جن میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی شامل تھے استعفیٰ دے دیں تا کہ کمیٹی نئے سرے سے منتخب ہو جائے لیکن اس وقت جذبات اتنے شدید ہو چکے تھے کہ اس تجویز پر عمل نہیں ہو سکا۔ (انوار العلوم جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۰،۲۲)

ایک طرف تو برطانوی حکومت نے کمیشن قائم کیا اور دوسری طرف کانگرس نے بھی اپنا کمیشن قائم کیا جو کہ ہندوستان کے لئے نئی آئینی ترامیم کا خاکہ تیار کرے۔اس کی وجہ یہ بنی کہ وزیر ہند نے برطانیہ کی پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہندوستان کے نمائندے اس کمیشن میں مقرر کئے جاتے تو کوئی متفقہ تجاویز تیار نہ ہو سکتیں۔ہندو تجاویز، مسلم تجاویز اور سکھ تجاویز تو تیار ہو جاتیں لیکن انڈیا کی کوئی تجویز تیار نہ ہو سکتی۔اس کے ردعمل کے طور پر کانگرس نے اعلان کیا کہ وہ تجاویز تیار کرے گی جو کہ پورے ہندوستان کی طرف سے ہوں گی۔اس کمیٹی کے سربراہ موتی لال نہرو تھے۔اس میں دو مسلمان شامل کئے گئے جو کہ علی امام صاحب اور شعیب قریشی صاحب تھے۔دونوں کو کسی طرح بھی ہندوستان کے مسلمانوں کا نمائندہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔اور ان میں سے ایک نے صرف ایک اجلاس میں شرکت کی اور پھر خرابی صحت کی بنا پر باقی اجلاسات میں شریک نہ ہو سکے۔اور شعیب قریشی صاحب نے اختلافی نوٹ دیا۔

بہرحال ۱۲/ اگست ۱۹۲۸ء کو اس کمیشن، جس کی صدارت موتی لال نہرو صاحب کر رہے تھے، کی رپورٹ کا اعلان ہوا۔اس کے بنیادی خد و خال یہ تھے کہ ہندوستان کو ایک dominion کا درجہ دیا جائے۔اس کی حیثیت ایک فیڈریشن کی ہوگی۔گورنر جنرل ایک کابینہ نامزد کرے گا جس کے سربراہ وزیر اعظم ہوں گے اور ان کے علاوہ چھ وزراء شامل ہوں گے۔مذہب کی بنیاد پر جداگانہ انتخابات کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔سرحد کو پورے صوبہ کا درجہ دیا جائے

گا۔ سندھ کے صوبے کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے گا لیکن یہ علیحدگی اس بات سے مشروط ہوگی کہ سندھ اپنا مالی بوجھ خود اُٹھا سکے۔ جنوبی ہندوستان میں Kanarese بولنے والوں کا ایک علیحدہ صوبہ قائم کیا جائے گا۔ ہندی کو قومی زبان بنا دیا جائے گا۔ مرکز میں مسلمانوں کی نشستیں پچیس فیصد رکھی جائیں گی۔

بہت سے مسلمانوں نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ تو کر دیا تھا لیکن اس کے متبادل کے طور پر جو نہرو رپورٹ جو سامنے آئی تو اس سے کئی سوالات اُٹھنے لگ گئے۔ قائد اعظم محمد علی جناح اس وقت ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر ان سے سوال کیا گیا کہ نہرو رپورٹ کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے اس پر انہوں نے کہا کہ میں مسلم لیگ کے اجلاس سے قبل اپنے ردِعمل کا اعلان نہیں کر سکتا۔

جس وقت نہرو رپورٹ کا اعلان ہوا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے قادیان میں قرآن کریم کے درس کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے حضور کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں اور حضور اس کے لئے وقت نہیں نکال سکے۔ حضور نے ستمبر ۱۹۲۸ء میں اس کمیشن کی رپورٹ پر اپنا تبصرہ تحریر فرمایا جو کہ الفضل کے ذریعہ شائع ہونا شروع ہوا۔

کانگرس نے موتی لال نہرو کی قیادت میں کمیٹی قائم کرنے سے قبل ایک آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی تھی تا کہ تجاویز اکٹھی کی جاسکیں۔ حضور نے اپنے تبصرہ کا آغاز ہی اس بات سے کیا کہ یہ آل پارٹیز کانفرنس کسی طرح بھی پورے ہندوستان کی نمائندہ نہیں کہلا سکتی۔ اس کے بعد حضور نے نہرو رپورٹ سے قبل مسلمانوں کی طرف سے پیش کئے گئے مختلف مطالبات کا جائزہ درج فرمایا اور پھر اس کے بعد نہرو رپورٹ کا تجزیہ بیان فرمایا۔

سب سے پہلے حضور نے یہ نکتہ بیان فرمایا کہ مسلمانوں کا مطالبہ ایک فیڈرل یا اتحادی حکومت کا تھا جبکہ نہرو رپورٹ میں یہ کہہ کر کہ ہم نے دستور کو مکمل شکل میں تیار نہیں کیا اس مسئلہ کو چھیڑنے سے بظاہر اجتناب کیا ہے لیکن اس میں درج بہت سے امور سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرکز کو صوبوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت میں بہت زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں اور اس ضمن میں حضور نے معین مثالیں پیش فرمائیں۔

پھر حضور نے تحریر فرمایا کہ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ مرکزی حکومت میں مسلمانوں کو بجائے پچیس فیصد نمائندگی کے تینتیس فیصد نمائندگی دی جائے۔ اور نہرو رپورٹ میں لکھا ہوا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان ایک چوتھائی سے کچھ کم ہیں اس لئے ان کے لئے اس سے زیادہ ممبریاں ہرگز محفوظ نہیں رکھی جاسکتیں۔ اس ضمن میں حضور نے اس امر کی نشاندہی فرمائی کہ اس وقت بھی مرکزی اسمبلی میں ایک چوتھائی سے زیادہ ممبر مسلمان ہیں۔ تو گویا اس رپورٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی کو موجودہ حالت سے بھی کم رکھا گیا ہے۔

اس دور میں سندھ کا صوبہ بمبئی کا حصہ تھا۔ اور سرحد اور بلوچستان کو مرکزی حکومت کے ماتحت چلایا جاتا تھا اور انہیں ایک صوبہ کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ مسلمانوں نے یہ مطالبہ پیش کیا تھا کہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے اور

سرحد اور بلوچستان کو باقاعدہ ایک صوبہ کی حیثیت دی جائے تب مسلمان جداگانہ انتخابات کے حق کو چھوڑنے پر رضامند ہوں گے۔ اس طرح مسلمانوں کی اکثریت کے تین مزید صوبے بن جائیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تحریر فرمایا کہ نہرو رپورٹ میں بلوچستان کے صوبہ کا ذکر نہیں کیا گیا اور سندھ کی علیحدگی کو اس بات سے مشروط کیا گیا کہ اسے اس صورت میں علیحدہ کیا جائے کہ یہ اپنا مالی بوجھ اُٹھا سکے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھر سندھ کے لئے ایسا صوبائی نظام تجویز کیا جائے کہ جو ویسے ہی اس کی استطاعت سے باہر ہو۔ اور صرف سرحد کو صوبہ بنانے کا منصوبہ پیش کیا گیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ کراچی جیسی بندرگاہ ہوتے ہوئے سندھ ترقی کیوں نہیں کر سکتا۔ اور یہ اہم بات بھی فرمائی کہ سرحد اور بلوچستان کو ایک علیحدہ صوبے کے حقوق دینے ضروری ہیں کیونکہ یہ دونوں سرحدی صوبے ہیں اور بہتر سیاسی پالیسی یہی ہونی چاہئے کہ انہیں سیاسی حقوق دے کر خوش رکھا جائے ورنہ یہ بیرونی سازشوں کی آماجگاہ بھی بن سکتے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ان صوبوں کے قیام کی تجویز ہندو مہا سبھا کی فرمائش پر رد کی گئی تھی کیونکہ انہوں نے آل پارٹیز کانفرنس میں یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اس بات کو اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اس طرح بہت سے مسلم اکثریت والے صوبے بن جائیں گے۔ اور اس اصرار کی وجہ سے قائداعظم اور آپ کے ساتھی ۸/مارچ ۱۹۲۸ء کی آل پارٹیز کانفرنس سے نکل گئے تھے۔

All India Muslim League, split and reunification,by Abdul Razzaq Shahid)

Pakistan Journal of History & Cultaure volume 28 no1 2007)

حضور نے اس اہم پہلو کو اجاگر کیا کہ اس رپورٹ میں مذہبی آزادی کے بارے میں موقف کو مبہم رکھا گیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس رپورٹ میں لکھا ہے:

> "ضمیر کی آزادی اور اس مذہب کا آزادانہ اقرار اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حق بشرطیکہ ایسا فعل یا اعلان ملکی امن اور اخلاق کے خلاف نہ ہو۔"

حضور نے فرمایا کہ اس طرح تو گائے کی قربانی پر فسادات ہوتے رہے ہیں اور اس کی رو سے مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے روکا جا سکتا ہے۔ اور پھر یہ کہ اس میں مذہب کی تبلیغ کے متعلق کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر صرف یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ مذہب کا آزادی سے اظہار کر سکے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی مذہب کی تبلیغ سے فساد ہوتا ہے اس لئے ہم تبلیغ کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اور ایسا قانون بنایا جا سکتا ہے کہ مجسٹریٹ کے سرٹیفکیٹ کے بغیر تم مذہب تبدیل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آج کل کئی ریاستوں میں ہو رہا ہے۔ اور ایسے قوانین سے تبدیلی مذہب کا حق متاثر ہو رہا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کانگرس کے عمائدین تقسیم ہند تک تبلیغ کی آزادی کے بارے میں کوئی واضح رویہ اپنانے سے گریز کرتے رہے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں ہندوؤں کی آبادی

نسبتاً کم ہو رہی تھی اور اس کا اعتراف خود نہرو رپورٹ میں بھی کیا گیا تھا۔ چنانچہ نہرو رپورٹ میں لکھا گیا تھا کہ

”گذشتہ مردم شماری کی رپورٹوں کے اعداد و شمار کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہندوؤں اور جینیوں کی آبادی رفتہ رفتہ گھٹ رہی ہے اور بقیہ تمام مذاہب کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد میں کوئی معتد بہ اضافہ نہیں ہے مگر اضافہ مسلسل ہے۔“

چنانچہ پھر اس مقام پر درج اعداد و شمار کے مطابق ۱۸۸۱ء میں ہندو ہندوستان میں ۷۲ فیصد تھے جو کہ ۱۹۲۱ء میں تقریباً ۶۶ فیصد رہ گئے۔ جب کہ مسلمان ۱۸۸۱ء میں 22.6% تھے جو کہ ۱۹۲۱ء میں 24.1 فیصد ہو گئے۔ یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ ہندو عمائدین تبلیغ کی مکمل آزادی کا اعلان کرنے سے ہچکچا رہے ہوں۔

(رپورٹ آل پارٹیز کانفرنس ۱۹۲۸ء ترجمہ اردو، مطبع جامعہ ملیہ دہلی ص ۳۷)

حضور نے اس مطالبہ کا بھی ذکر فرمایا جو کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کیا جا تا رہا تھا کہ کوئی بھی معاملہ جس کا تعلق کسی اقلیت کے حقوق سے ہو اس طرح سے قانون اساسی میں شامل کیا جائے کہ اسے تبدیل کرنا آسان نہ ہو۔ آخر میں حضور نے یہ تجزیہ فرمایا کہ مسلمانوں کا کوئی بھی ایسا مطالبہ نہیں تھا کہ جسے نہرو رپورٹ میں پوری طرح قبول کیا گیا ہو۔ جبکہ دوسری طرف یہ کہہ کر جداگانہ انتخابات کو ترک کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی کہ مسلمان بھی اس کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اور یہ رضامندی جن شرائط سے مشروط تھی وہ شرائط منظور نہیں کی گئیں۔

اس وقت بہت سے مسلمان اس خیال میں تھے کہ ابھی اگر اس رپورٹ کو تسلیم کر لیا جائے تو بعد میں اسکے نقائص جو سامنے آئیں انہیں دور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق حضور نے انتباہ فرمایا کہ مسلمان یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ آج وہ جو قدم اُٹھالیں گے کل اس کو بدلنا ان کے اختیار میں نہیں ہوگا۔ اور کل مسلمان اسمبلیوں کے ذریعہ یا اپنے زور پر یا باہر سے مدد لے کر ان باتوں کو تبدیل نہیں کر سکیں گے۔ حضور نے مثالوں سے اس بات کو ثابت فرمایا کہ یہ بات غلط ہے کہ کسی ملک میں اقلیتوں کو اپنی حفاظت کے لئے خاص قوانین کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضور نے یورپ کے دستوروں کی مثال پیش فرمائی جن میں یہودیوں یا دوسری اقلیتوں کے حقوق کے لئے خاص قوانین بنائے گئے ہیں۔ یا اقلیتوں کے لئے سرکاری ملازمتوں میں مخصوص تناسب رکھا گیا ہے یا ان کی اسمبلیوں میں ان کو اپنی تعداد کی نسبت سے زیادہ نمائندگی دی گئی ہے۔ اگر یورپی ممالک میں اس کی ضرورت ہے تو ہندوستان کے لئے اس کو غیر ضروری کس طرح قرار دیا جا رہا ہے۔

حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ نہرو رپورٹ میں مرکز کو صوبوں پر ایسے اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ ایسے اقدامات کر سکتا ہے جس سے صوبے محض بے بس ہو کر رہ جائیں اور اس طرز پر جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اسے مرکز اقلیت میں تبدیل کر سکتا ہے۔ مثلاً

اگر کل کو آسام کو بنگال میں شامل کر دیا جائے یا اُڑیا کو بنگال میں شامل کر دیا جائے تو اس طرح بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں تبدیل کر دی جائے گی۔ یا پھر پنجاب کے وہ اضلاع مثلاً اٹک اور میانوالی جو افغان طرز رکھتے ہیں سرحد میں شامل کر دیئے جائیں گے تو اس سے پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں تبدیل کر دی جائے گی۔ حضور نے فرمایا کہ اس رپورٹ میں لکھا ہے کہ سوباش چندر ابوس کی رائے ہے کہ آسام، اڑیا اور بہار میں بنگالی بولنے والے علاقوں کو بنگال میں شامل کرنے کا مطالبہ جائز مطالبہ ہے اور اس مطالبہ پر کوئی رائے نہیں دی گئی اور اس طرح ہوشیاری سے ایک راستہ کھول دیا گیا ہے کہ آئندہ اپنی مرضی سے صوبوں کی حدود میں ردوبدل کر دیا جائے۔ اور اسی طرح پنجاب کی نیشنل پارٹی نے اعلان کیا ہے کہ انہیں رپورٹ منظور ہے اگر پنجاب کے مغربی اضلاع سرحد میں شامل کر دیئے جائیں۔ اور اگر یہ مطالبہ تسلیم کر لیا جاتا ہے تو پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ نہرو رپورٹ میں شروع میں لکھا گیا کہ انہیں سرحد اور بلوچستان کے علیحدہ صوبے بننے سے اتفاق ہے مگر جس جگہ معین سفارشات درج کی گئیں وہاں بلوچستان کا ذکر غائب کر دیا گیا۔ اور پھر آل پارٹیز کانفرنس کے بعد کے اجلاس میں بلوچستان کا لفظ سفارشات میں شامل کیا گیا۔ اور چونکہ سندھ میں ایک بڑی اور امیر ہندو اقلیت رہتی تھی اس لئے یہ شرط رکھی گئی کہ علیحدہ صوبہ بننے سے قبل اس بات کی تسلی ضروری ہے کہ یہ صوبہ مالی طور پر خود کفیل ہو سکے گا۔ جبکہ سرحد اور بلوچستان جیسے صوبے کو اس سے بھی پسماندہ تھے ان کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی گئی تھی۔ اور ۳۰ / اگست کو منعقد ہونے والی آل پارٹیز کانفرنس میں یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی تھی کہ بہار، آسام، بنگال، سی پی، کیرالا اور کرناٹک کے صوبوں کی سرحدوں کا ازسر نو تعین کیا جائے گا۔ دوسرے صوبوں میں تو ہندو اتنی اکثریت میں تھے کہ کسی تبدیلی سے ہندو اکثریت کو فرق نہیں پڑتا تھا مگر بنگال میں مسلمانوں کی معمولی اکثریت ذرا سے ردوبدل سے اقلیت میں تبدیل ہو جاتی تھی۔

نہرو رپورٹ میں محفوظ نشستوں کے خلاف دلائل دیئے گئے تھے حضور نے ان تمام دلائل کا رد فرمایا۔ جداگانہ انتخابات کے بارے میں حضور نے تحریر فرمایا:

> ”میرا خیال ہے کہ اگر دوسرے مسلمان اس پر متفق ہوں تو طریق انتخاب کے بارے میں سمجھوتہ کر لیا جائے کہ مسلم لیگ کے مطالبات کے پورا ہو جانے اور سوراج کے حصول کے بعد دس سال تک ان صوبوں میں جہاں ہندو یا مسلمان چاہیں جداگانہ انتخابات کا طریق جاری رہے۔
> اس دس سال کے عرصہ میں اگر وہ قوم جس کا یہ مطالبہ ہو، خوشی سے اپنے حق کو چھوڑ دے تو اس کی مرضی ورنہ دس سال تک جداگانہ انتخاب ضرور رکھا جائے۔“

نہرو رپورٹ میں قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے دوتہائی کی شرط لگائی گئی تھی۔حضور نے فرمایا کہ اس کی یہ بھی شرط ہونی چاہئے کہ مسلمانوں کی کم ازکم ایک تہائی نمائندگی اس سے اتفاق کرتی ہو۔

مختصراً یہ کہ حضور نے نہرو رپورٹ کو نا قابل قبول قرار دیا اور اس بات پر بھی زور دیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس رپورٹ کے مضمرات سے ایک تحریک چلا کر مطلع کرنا چاہئے۔تا کہ وہ سادہ لوحی میں اپنے حقوق سے محروم نہ کر دیئے جائیں۔

بہر حال نہرو رپورٹ کے باقاعدہ شائع ہونے کے بعد مسلمانوں کے مختلف ردعمل سامنے آرہے تھے۔اگست ۱۹۲۸ء کے آخر میں لکھنو میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہوئی۔اس میں نہرو رپورٹ کے حق میں قرارداد منظور کی گئی اور اس قرارداد کے حق میں ووٹ دینے والوں میں مسلمانوں کے بہت سے نمایاں لیڈر مثلاً مولانا شوکت علی خان، چھاگلا صاحب، ابوالکلام آزاد اور مولوی یعقوب صاحب وغیرہ بھی شامل تھے۔جن دنوں میں حضور کتاب 'نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح' تحریر فرما رہے تھے انہی دنوں میں بہت سے مسلمان ممبران مرکزی وصوبائی اسمبلی نے ایک یادداشت پر دستخط کئے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کوئی آئینی ترمیم اس وقت تک منظور نہیں کی جاسکتی جب تک مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں تحفظات دور نہیں کئے جاتے۔

لیکن یہ بات واضح تھی کہ شروع شروع میں ہندوستان کے مسلمان لیڈروں کی ایک خاطر خواہ اکثریت نہرو رپورٹ میں پوشیدہ نقصانات کو سمجھنے سے قاصر تھی۔چنانچہ جب ۳۱ ؍اگست ۱۹۲۸ء کو آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس ہوا تو اس میں آل انڈیا مسلم لیگ ،خلافت کمیٹی اور جمیعتہ العلماء کے نمائندگان بھی شریک تھے۔اس میں راجہ صاحب محمود آباد نے جنہوں نے اس سال آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت بھی کی تھی ،اس امید کا اظہار کیا تھا کہ تمام گروہ نہرو رپورٹ کو قبول کرلیں گے۔اور جب لالہ لاجپت رائے نے نہرو رپورٹ بنانے والی کمیٹی کے کام کے لئے تعریفی قرارداد پیش کی تو اس کی تائید ابوالکلام آزاد نے کی اور وہاں پر موجود تمام مسلمان لیڈروں نے اس کے حق میں ووٹ دیئے سوائے حسرت موہانی صاحب کے،جنہوں نے اس کی مخالفت کی۔اس وقت تک ابھی قائداعظم ہندوستان نہیں پہنچے تھے۔

(رپورٹ کمیٹی آل پارٹیز کانفرنس ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸)

جبکہ ان اجلاسات میں مسلمانوں کی تحفظات کا بہت کم اظہار ہوا تھا۔

اس پس منظر میں دسمبر ۱۹۲۸ء کے آخر میں مسلم لیگ (جناح گروپ) کا سالانہ جلسہ کلکتہ میں منعقد ہوا۔اس میں چھاگلا صاحب نے ایک قرارداد پیش کی کہ بیس افراد کا ایک وفد کانگرس کی بلائی گئی آل پارٹیز کانفرنس میں جا کر وہاں پر نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے نقطہ نظر سے کی جانی والی ضروری ترامیم کا جائزہ لے۔چھاگلا صاحب نے کہا کہ اگرچہ مسلمانوں کے مطالبہ کے مطابق نہرو رپورٹ میں بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کے لئے سیٹیں مخصوص نہیں کی گئیں

لیکن اس رپورٹ میں اس کے مقابلہ پر بالغ رائے دہی کی تجویز پیش کی گئی ہے۔اب اس وفد کے اراکین کو یہ جائزہ لینا ہے کہ زیادہ فائدہ بالغ رائے دہی سے ہوگا یا مسلمانوں کیلئے پنجاب اور بنگال میں سیٹیں مخصوص کرنے سے ہوگا۔اب یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہ ایک غیر متعلقہ بات کر رہے تھے۔بالغ رائے دہی کا مسئلہ بالکل اور تھا اور مسلمانوں کی طرف سے اُٹھائے گئے خدشات بالکل اور بنیاد پر تھے۔مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر کے بھی بالغ رائے دہی کا مطالبہ کیا جاسکتا تھا۔چھاگلا صاحب نے نئے صوبوں اور دیگر معاملات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا جن کے متعلق مسلمان پہلے اپنے مطالبات پیش کر چکے تھے۔اس قرارداد میں ترمیم کے لئے عبداللہ ہارون صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ پہلے مسلم لیگ ایک کمیٹی قائم کرے جو تفصیل سے نہرو رپورٹ کا تجزیہ کرے۔اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب اس موقع پر موجود تھے اور انہوں نے اس ترمیم کی تائید کی۔اس ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ پہلے مسلم لیگ نہرو رپورٹ کا اچھی طرح تجزیہ کرلے اور یہ دیکھ لے کہ کیا اس کے مفادات میں ہے اور کیا نہیں ہے اور پھر کانگرس کی بلائی گئی آل پارٹیز کانفرنس میں اس کا وفد مذاکرات کے لئے جائے۔بات تو کچھ اور ہو رہی تھی لیکن یہ سن کر مولوی ظفر علی خان، اچانک طیش میں آگئے۔اور کہنے لگے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ذہنیت میں بہت فرق ہے۔ہندو تو آپس میں نیک نیتی سے اختلاف کرتے ہیں لیکن مسلمانوں میں ایک گروہ ہے جو کہ ٹوڈی ہیں اور غلط ارادوں سے اختلاف کرتے ہیں۔نا معلوم ظفر علی خان صاحب ہندو قائدین کی مدح سرائی میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے یا پھر ارادہ کسی کے خلاف بولنے کا ہی تھا۔بہر حال یہ بات قائداعظم محمد علی جناح کو بہت ناگوار گذری۔وہ کھڑے ہوئے اور ان غیر پارلیمانی الفاظ پر احتجاج کیا اور مولوی ظفر علی خان صاحب سے کہا کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں۔لیکن ظفر علی خان صاحب یہ عقل کی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔انہوں نے اپنے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور پھر اپنے الفاظ دہرائے اور کہا کہ وہ اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں۔اس پر قائداعظم نے کہا کہ مسلم لیگ کے ممبران کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے ایک گروہ کے بارے میں ایسے الزامات لگائیں۔اس کے بعد قائداعظم نے مولوی ظفر علی خان صاحب پر مزید وقت ضائع کرنے کی بجائے عبداللہ ہارون صاحب سے کہا کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی تجویز واپس لے لیں کیونکہ اس مسئلہ پر تو کافی عرصہ سے بات ہو رہی ہے لیکن اگر ہمارا وفد وہاں نہ گیا تو پھر ہمارا نقطہ نظر وہاں پر پیش نہیں ہوگا۔اس پر عبداللہ ہارون صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ تجویز انہوں نے کمیٹی میں بھی دی تھی اور ممبران وفد ایسے چنے گئے ہیں جن میں نہرو رپورٹ کے حامیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔اگر دوسری طرف کے ممبران بھی شامل کئے جائیں تو وہ تجویز واپس لے لیں گے۔قائداعظم نے تین نئے نام شامل کرنے کی تجویز دی جو کہ منظور کرلی گئی اور عبداللہ ہارون صاحب نے بھی اپنی تجویز واپس لے لی۔

بہر حال مسلم لیگ (جناح گروپ) کا وفد کانگرس کے بلائے گئے آل پارٹیز کنونشن میں گیا اور اگلے روز جب

مسلم لیگ کا اجلاس ہوا تو اس موقع پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا کہ کل جب مسٹر جناح نے نہرو رپورٹ میں ترامیم پیش کیں جو کہ مسلمانوں کے کم از کم مطالبات پر مشتمل تھیں تو یہ سب کی سب ترامیم رد کر دی گئیں اور تین چار کے علاوہ اور کسی ہندو صاحب نے ان کے حق میں ووٹ نہیں دیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ خود نہرو رپورٹ میں اس بات کا ذکر تھا کہ اقلیتوں کی حفاظت کے لئے ہماری سفارشات میں اضافہ کیا جا سکتا ہے لیکن جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے باقاعدہ سفارشات پیش کیں تو ان سب سفارشات کو رد کر دیا گیا۔

(Foundation of Pakistan,by Sharifuddin Pirzada, vol 2, published by National Publishing House 1970, p 139-148)

اسی موقع پر یہ مسئلہ بھی زیرِ غور آیا کہ آیا مسلم لیگ (جناح گروپ) کو آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں شریک ہونا چاہئے ہے کہ نہیں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور فضل الحق صاحب اس کے حق میں تھے لیکن چھاگلا صاحب نے اس کے خلاف تجویز پیش کی اور قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی اس کے حق میں نہیں تھے کہ مسلم لیگ کا وفد اس کانفرنس میں جائے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور اس کے لئے اس کانفرنس میں جانا نقصان دہ ہوگا۔ Stanley Wolpert جناح آف پاکستان میں لکھتا ہے کہ مسلم لیگ (جناح گروپ) میں نہرو رپورٹ کی حمایت اتنی زیادہ تھی کہ خود مسٹر جناح بھی اس کے بارے میں اپنی تجاویز اپنی پارٹی میں بھی منظور نہیں کرا سکتے تھے۔ اور نہرو رپورٹ کا حامی گروپ پوری طرح حاوی نظر آتا تھا۔

جب ہم آل پارٹیز کانفرنس کی روئیداد کا جائزہ لیتے ہیں جس کا اردو ترجمہ جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیا تھا، یا ۱۹۲۸ء میں ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی روئیداد پڑھتے ہیں جسے شریف الدین پیرزادہ صاحب نے اپنی کتاب Foundation of Pakistan vol 2 میں درج کیا ہے یا پھر آل انڈیا مسلم کانفرنس کی روئیداد سے گذرتے ہیں جس کو مشہور مورخ کے۔ کے۔ عزیز صاحب نے اپنی کتاب All India Muslim Conference 1928-1935ء میں محفوظ کیا ہے تو ہمیں دو باتیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شروع شروع میں مسلمان قائدین کی بھاری اکثریت نہرو رپورٹ کی حمایت کر رہی تھی اور وہ یہ نہیں دیکھ پا رہے تھے کہ اس میں پوشیدہ خطرات کیا ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی مخالفت نے آہستہ آہستہ زور پکڑا تھا۔ جب کہ دوسری طرف حضور نے بالکل شروع میں قوم کو متنبہ فرما دیا تھا کہ اس کو قبول کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی جس کا خمیازہ ایک لمبا عرصہ بھگتنا پڑے گا۔ اور حضور نے اس رپورٹ میں درج دلائل کا عقلی طور پر رد بھی پیش فرمایا تھا۔ اور جن تاریخی کتب کا ہم نے حوالہ دیا ہے اُن کو دیکھ کر ہم یہ بات واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں کہ جنہوں نے مخالفت کی بھی تھی انہوں نے بس ایک دو نکات سے معمولی سا اختلاف کیا تھا اور بس۔ ریکارڈ محفوظ ہے کوئی بھی حضور کی تصنیف، نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح سے موازنہ کر کے خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے

کہ حضور کی راہنمائی نے اس رپورٹ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ فرمایا تھا اور اس میں پوشیدہ تمام خطرات کو واضح کر کے تحریر فرمایا تھا۔

لیکن آخر میں ہوا کیا۔ کچھ ہی عرصہ میں حقائق کے سورج کی تپش دوسرے احباب کو بھی محسوس ہونے لگی اور پھر کئی اور لوگ بھی ان خطرات کو دیکھنے لگے۔ چنانچہ مسلمانوں کے مطالبات کو ملا کر قائد اعظم محمد علی جناح نے مارچ ۱۹۲۹ چودہ نکات مرتب کئے۔ اور کچھ عرصہ بعد مسلم لیگ کے دو دھڑوں نے بھی ان نکات کی بنیاد پر اتحاد کر لیا۔ اور یہ چودہ نکات ہندوستان کے مسلمانوں کے آئینی مطالبات کے خلاصہ کے طور پر تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ان مطالبات میں تقریباً وہ تمام نکات لے لئے گئے تھے جن کی طرف حضور نے کئی ماہ قبل راہنمائی فرمائی تھی۔ کچھ مثالیں پیش ہیں۔

حضور نے تحریر فرمایا تھا کہ نہرو رپورٹ میں درج یہ بات مناسب نہیں ہے کہ دو صوبوں کی ایک ہائی کورٹ ہو سکتی ہے اور یہ کہ دو صوبوں کا ضرورت کے تحت ایک اقتصادی نظام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان چودہ نکات میں دوسرا نکتہ یہ تھا کہ تمام صوبوں کو ایک جیسی خود مختاری دی جائے گی۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ پہلے سے مطالبہ تھا کہ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی کم از ایک تہائی نمائندگی ہو۔ لیکن نہرو رپورٹ میں لکھا گیا تھا یہ نمائندگی ایک چوتھائی سے زیادہ ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان لیڈر اجلاسات میں ایک تہائی پر اصرار نہیں کر رہے تھے لیکن حضور نے تحریر فرمایا تھا کہ اسے ایک تہائی پر ہی رکھنا چاہئے اور چودہ نکات میں چوتھا نکتہ یہی تھا کہ مرکز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی پر ہونی چاہئے۔

اسی طرح نہرو رپورٹ کے بعد مسلمان لیڈروں کی ایک بڑی تعداد جداگانہ انتخابات سے دستبردار ہوتی نظر آ رہی تھی، باوجود اس کے کہ اس رپورٹ میں وہ مطالبات تسلیم نہیں کئے گئے تھے جن کی منظوری کی صورت میں مسلم لیگ نے یہ بات تسلیم کی تھی کہ وہ جداگانہ انتخابات کا مطالبہ ترک کر سکتے ہیں۔ حضور نے فرمایا تھا کہ یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ آزادی کے دس سال بعد تک جن صوبوں میں مسلمان یا ہندوؤں میں سے کوئی گروہ چاہے کہ جداگانہ انتخابات رکھے جائیں، ان صوبوں میں جداگانہ انتخابات ہی برقرار رکھے جائیں۔ پھر دس سال کے بعد ان کی بابت فیصلہ کیا جائے۔ چودہ نکات میں سے پانچواں نکتہ یہ ہے کہ فی الحال جداگانہ انتخابات برقرار رکھے جائیں لیکن جب کسی مذہب سے وابستہ لوگ چاہیں تو وہ مخلوط انتخابات کے نظام میں شامل ہو سکتے ہیں۔

حضور نے فرمایا تھا کہ صرف مذہب کے اظہار کی ضمانت کافی نہیں بلکہ مذہبی تبلیغ کی آزادی کی بھی ضمانت دینی چاہئے۔ چنانچہ مذکورہ نکات میں سے ساتویں نکتہ میں دوسری چیزوں کے علاوہ یہ بھی درج تھا کہ مذہب کے Propaganda کی بھی ضمانت آئین میں شامل ہونی چاہئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تحریر فرمایا تھا کہ آئین میں تبدیلی کے لئے یہ بھی شرط ہونی چاہئے کہ اگر مسلمانوں کے

ایک تہائی سے کم نمائندے اس ترمیم کی حمایت کر رہے ہیں تو اس ترمیم کو منظور شدہ نہیں سمجھا جائے گا۔اور چودہ نکات میں اس سے بھی کڑی شرط لگائی گئی کہ اگر کسی مذہب سے وابستہ تین چوتھائی نمائندے ایک ترمیم کی حمایت نہیں کر رہے تو اس ترمیم کو منظور نہیں کیا جا سکتا۔اسی طرح سندھ کے متعلق چودہ نکات میں یہی لکھا گیا کہ اسے غیر مشروط طور پر علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔اسی طرح سرحد اور بلوچستان کے متعلق اپنے موقف کا اعادہ چودہ نکات میں بھی کیا گیا تھا۔

حضرت مصلح موعود نے اس بات کی نشاندہی فرمائی تھی کہ ابھی سے نیتیں یہ لگ رہی ہیں کہ صوبوں کی سرحدوں میں تبدیلیاں کر کے پنجاب اور بنگال کے صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے گا۔چنانچہ قائد اعظم کے چودہ نکات میں، چھٹا نکتہ یہی تھا کہ پنجاب اور بنگال کی حدود میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں کی جائے گی جس سے ان صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت متاثر ہو۔

بالآخر یہ سب باتیں تو مسلمانوں کے آئینی مطالبات کا حصہ بن گئیں لیکن تاریخ کے طالب علم کو اور تحقیق کرنے والوں کو یہ جائزہ ضرور لینا چاہیے کہ ان کے بارے میں سب سے پہلے آواز کس ہستی نے بلند کی تھی۔یہ راہنمائی سب سے پہلے کس نے کی تھی کہ بظاہر سادہ سے الفاظ کے پیچھے کیا کیا خطرات ہو سکتے ہیں۔

انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کا فیصلہ اور پنجاب کا باؤنڈری کمیشن

جب متحدہ ہندوستان کے آخری انتخابات قریب آئے تو اس موقع پر مسلم لیگ کا نظریہ یہ تھا کہ ملک کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کر دینا چاہئے اور کانگرس کی کوشش تھی کہ ایسا نہ ہو۔ان انتخابات میں حضرت مصلح موعود نے جماعت کی اس اعلان کے ذریعہ راہنمائی فرمائی جو کہ ۲۲ ؍اکتوبر ۱۹۴۵ کے الفضل میں شائع ہوا۔

> ''میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔کہ آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے۔تا انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے۔کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔اگر ہم اور دوسری مسلمان جماعتیں ایسا نہ کریں گی۔تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائیگی۔اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی......''

اور جماعت احمدیہ نے اس ہدایت کے تحت ووٹ دیئے۔اس وقت اکثر مذہبی جماعتیں پاکستان کے قیام کی مخالفت کر رہی تھیں اور ان میں سے بعض تو کانگرس کی حمایت بھی کر رہی تھیں۔لیکن حضرت مصلح موعود کا یہ فیصلہ مسلم لیگ کو تقویت پہنچانے کا باعث ہوا۔

لیکن اس کے بعد بھی جب برصغیر کی آزادی کا وقت قریب آرہا تھا تو پورے ملک کا سیاسی منظر دو گروہوں میں منقسم تھا۔مسلم لیگ کا مطالبہ تھا کہ ہندوستان کو دو ریاستوں میں تقسیم کیا جائے اور کانگرس کی پوری کوشش تھی کہ ایسا نہ

ہو۔ لیکن جب یہ نظر آنے لگا کہ اب ہندوستان کی تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے تو ۸؍ مارچ ۱۹۴۷ء کو کانگریس نے ایک قرارداد پاس کی کہ گذشتہ سات ماہ میں ہونے والے فسادات کے نتیجے میں کانگرس مجبوراً اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اب پنجاب اور بنگال کی تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے۔ جبراً ایک حصے کو دوسرے حصے کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ان صوبوں کے جو اضلاع مسلم اکثریت کے علاقوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے انہیں ان صوبوں سے علیحدہ کر دینا چاہئے۔ اگرچہ مجموعی طور پر بنگال اور پنجاب میں مسلمان اکثریت میں تھے مگر مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کے بہت سے اضلاع میں غیر مسلموں کی اکثریت تھی۔۔ اس مرحلے پر ہندوستان کی تقسیم ناگزیر نظر آ رہی تھی۔ مگر جب ۲۲؍ مارچ ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن دہلی پہنچے تو ان کو برطانوی حکومت کی طرف سے یہی ہدایت دی گئی تھی کہ ان کی حکومت کی پہلی ترجیح یہی ہے کہ ہندوستان کی تقسیم نہ ہو اور انگریز اپنے پیچھے ایک متحدہ ہندوستان چھوڑ کر جائیں۔ نئے وائسرائے نے سیاسی لیڈروں سے انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ حالات کا رخ دیکھتے ہوئے جلد ہی نہرو اور پٹیل جیسے لیڈروں نے عندیہ ظاہر کر دیا کہ وہ مسئلہ حل کرنے کے لئے ہندوستان کی تقسیم پر تیار ہیں۔ گاندھی جی نے شروع میں اس کی مخالفت کی مگر وہ بھی جلد متفق ہو گئے کہ ان حالات میں ملک کی تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے۔ قائد اعظم سے ملاقات میں وائسرائے نے اس بات کا اظہار واضح الفاظ میں کر دیا کہ ملک کی تقسیم ہوئی تو پنجاب اور بنگال کے صوبوں کو بھی تقسیم کیا جائے گا اور ہندو اکثریت کے اضلاع پاکستان میں شامل نہیں کئے جائیں گے۔ کانگرس کے صدر نے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان اس شرط پر بن سکتا ہے مگر ملک کا جو حصہ پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتا اسے زبردستی پاکستان میں شامل نہ کیا جائے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کانگرس کی طرف سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ جن صوبوں میں ہندو اکثریت میں ہیں ان کو مکمل طور پر ہندوستان میں شامل کیا جائے لیکن جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں ان کی تقسیم کر کے ان کا ایک حصہ ہندوستان کو اور ایک حصہ پاکستان کو دیا جائے۔

جماعت احمدیہ کا مؤقف یہ تھا کہ پنجاب ہر لحاظ سے ایک یونٹ ہے، اس لئے جس طرح ہندوستان کی تقسیم کے وقت دیگر صوبوں کو تقسیم نہیں کیا جا رہا اسی طرح پنجاب کو بھی تقسیم نہیں کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ حضور کی طرف سے وائسرائے کو مندرجہ ذیل تار دی گئی۔

> ’’آل انڈیا ریڈیو میں آج رات (یعنی مورخہ ۱۵؍ اپریل سے قبل کی رات) اعلان ہوا ہے کہ پنجاب کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ میں اور میری جماعت تقسیم پنجاب کی تجویز کے خلاف پر زور احتجاج کرتے ہیں۔ اور خصوصاً اس تجویز کے خلاف کہ وسطی پنجاب کو مغربی پنجاب سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ہم مسلمان پنجاب کے وسطی حصوں میں کامل اکثریت رکھتے ہیں اور ہمیں ایسے ہی انسانی حقوق حاصل ہیں۔ جو دنیا کے کسی حصے میں کسی بھی قوم کو حاصل ہو سکتے

ہیں۔یقیناً ہمارے ساتھ ان تجارتی اموال کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیے جو فروخت کے لئے منڈیوں میں بھجوائے جاتے ہیں۔'' (الفضل ۱۷/اپریل ۱۹۴۷ء صفحہ ۲)

مئی ۱۹۴۷ء کے آغاز میں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ان تجاویز پر مشتمل تار دی گئی۔ اوّل تو جماعتِ احمدیہ تقسیم پنجاب کے خلاف ہے لیکن اگر یہ تقسیم ناگزیر ہو تو اسے ان شرائط سے مشروط کرنا ضروری ہے۔تمام ان علاقوں کو پاکستان میں شامل کیا جائے جہاں پر مسلمان اکثریت میں ہوں۔جن علاقوں میں کسی ایک گروہ کی واضح اکثریت نہیں وہاں پر مسلمان، ہندوؤں اور سکھوں کی رائے تو معلوم ہو چکی ہے، البتہ اچھوت اقوام اور عیسائیوں کی رائے ریفرنڈم کے ذریعہ معلوم کی جائے۔نہروں کے ہیڈ، بجلی کے پاور سٹیشنوں اور پہاڑی مقامات کو پندرہ برس کے لئے اُن مقامات سے وابستہ رکھا جائے جن کو وہ اس وقت فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

(الفضل ۶/مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۵)

گو کہ وقت کے ساتھ یہ ظاہر ہوتا جا رہا تھا کہ پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ کیا جا چکا ہے مگر جماعت اس تقسیم کے خلاف اپنا مؤقف ہر سطح پر پیش کر رہی تھی۔چنانچہ مئی کے آخر پر ناظرِ اعلیٰ کی طرف سے برطانیہ کے وزیرِ اعظم کو یہ تار دی گئی۔

''احمدیہ جماعت پنجاب کی تقسیم کے سخت خلاف ہے۔کیونکہ وہ جغرافیائی اور اقتصادی لحاظ سے ایک قدرتی یونٹ ہے۔اور اسے ہندوستان کی تقسیم پر قیاس کرنا اور اس کا طبعی نتیجہ قرار دینا بالکل خلافِ انصاف اور خلافِ عقل ہے۔اگر صوبوں یعنی قدرتی یونٹوں کو اس لئے تقسیم کیا جا رہا ہے کہ اقلیتوں کے لئے حفاظت کا سامان مہیا کیا جائے۔تو اس صورت میں یوپی کے ۸۴ لاکھ اور بہار کے ۴۷ لاکھ اور مدراس کے ۳۹ لاکھ مسلمان زیادہ حفاظت کے مستحق ہیں...... یہ ادعا کہ پنجاب کی تقسیم آبادی کی بجائے جائیداد کی بناء پر ہونی چاہیے۔نہ صرف جمہوریت کے تمام مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے۔بلکہ اس سے مادی اموال کو انسانی جانوں پر فوقیت بھی حاصل ہوتی ہے۔جو ایک بالکل ظالمانہ نظریہ ہے۔'' (الفضل ۲۴/مئی ۱۹۴۷ء صفحہ ۳)

۳/جون ۱۹۴۷ء کو حکومت نے اعلان کیا:

''جونہی اس صوبے (پنجاب) کی تقسیم کا فیصلہ ہوا، وائسرائے کی طرف سے ایک باؤنڈری کمیشن کی تشکیل کی جائے گی۔متعلقہ فریقوں کے مشورے سے قواعد مقرر کئے جائیں گے۔اس کے سپرد پنجاب کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اکثریت کے متصل علاقوں کے درمیان کی سرحد متعین کرنے کا کام ہوگا۔اس کو یہ بھی ہدایت دی جائے گی کہ دیگر عوامل کو بھی پیشِ نظر رکھے...... جب تک کہ یہ کمیشن رپورٹ نہیں پیش کرتا، اس وقت تک ضمیمہ میں دکھائی گئی سرحد لاگو

ہوگی۔'' اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کیا گیا کہ بنگال کو تقسیم کرنے کے لیے بھی ایسا ہی کمیشن قائم کیا جائے گا۔''

اس اعلان میں موجود ''دیگر عوامل'' کے ذکر نے، کمیشن کے چیئر مین کے لئے من مانی کرنے کے دروازے کھول دیئے۔ دیگر عوامل کا ذکر تو کر دیا گیا لیکن یہ وضاحت نہ کی گئی کہ اس سے کیا مراد ہے اور یہ عوامل کس حد تک حد بندی کو تبدیل کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔

کمیشن کی تشکیل کے لئے دو تجاویز پیش ہوئیں۔ پہلی یہ کہ دونوں کمشنوں میں اقوامِ متحدہ کے توسط سے تین غیر جانبدار جج مقرر کئے جائیں اور طرفین کے تین تین نمائندے بھی شامل ہوں۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ دونوں کمشنوں میں مسلم لیگ اور کانگرس کے نامزد کردہ دو دو جج شامل ہوں اور ان کا سربراہ ایک غیر جانبدار شخص کو مقرر کیا جائے۔ مسلم لیگ اقوامِ متحدہ کے مقرر کردہ ممبران کمیشن کو ترجیح دے رہی تھی مگر پنڈت جواہر لال نہرو کا کہنا تھا کہ اس طرح کمیشن کی تشکیل کا عمل غیر معمولی تاخیر کا شکار ہو جائے گا۔

مسلم لیگ کی طرف سے جسٹس محمد منیر اور جسٹس دین محمد صاحب کے نام پیش کئے گئے اور کانگرس کی طرف سے جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ کو نامزد کیا گیا۔ کمیشن کے غیر جانبدار ممبر کا تقرر باقی تھا۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اس وقت بعض ریاستوں سے متعلقہ بعض معاملات برطانوی حکومت کے سامنے پیش کرنے کے لئے ملک سے باہر جانے والے تھے۔ قائدِ اعظم نے انہیں بلایا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ چوہدری صاحب پنجاب کے کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کریں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ چوہدری صاحب برطانیہ جانے والے ہیں تو قائدِ اعظم نے کہا کہ تمام کیس تو لاہور کے وکلاء نے تیار کر کے رکھا ہوگا، چوہدری صاحب کو صرف بنا بنایا کیس کمیشن کے سامنے پیش کرنا ہوگا۔ حضرت چوہدری صاحب نے مشورہ دیا کہ برطانیہ کے لارڈز آف اپیل اچھی شہرت رکھتے ہیں اس لئے انہیں غیر جانبدار امپائر کے طور پر مقرر کرنا مناسب ہوگا۔ جب یہ تجویز لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے یہ بودا عذر رکھ کر ٹال دیا کہ وہ تو بڑی عمر کے لوگ ہیں ہندوستان کا گرم موسم برداشت نہیں کر سکیں گے۔ جب کمیشن کے چیئر مین کے نام پر اتفاق نہ ہو سکا تو یہ معاملہ برطانوی حکومت پر چھوڑنا پڑا۔ چوہدری صاحب لندن میں تھے کہ انہیں خبر ملی کہ سیرل ریڈکلف کو بنگال اور پنجاب، دونوں کے کمیشن کا پانچواں ممبر اور چیئر مین مقرر کیا گیا ہے۔ آپ کے لئے یہ خبر باعثِ تشویش تھی کیونکہ ریڈکلف ابھی پریکٹس کر رہے تھے اور عملی سیاست میں حصہ بھی لے رہے تھے۔ اس طرح ان پر کئی طرح کے اثر ڈالے جانے کا امکان تھا۔ وقت نے ثابت کیا کہ یہ تشویش بے جا نہیں تھی۔ ایک گہری سازش کا تانا بانا بنا جا رہا تھا۔ اس سازش کا خمیازہ یہ خطہ آج تک بھگت رہا ہے۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب لندن میں تھے اور قائدِ اعظم اور چوہدری صاحب دونوں کا خیال تھا کہ

باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کرنے کے لئے پنجاب مسلم لیگ اور لاہور کے وکلاء کیس تیار کر رہے ہوں گے اور چوہدری صاحب کو یہ کیس صرف پیش کرنا ہوگا۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اس اہم قومی معاملے میں خوفناک غفلت برتی جارہی تھی۔ نہ تو پنجاب مسلم لیگ نے اس کمیشن میں پیش ہونے کے لئے تیاری کی تھی اور نہ ہی کسی وکیل سے اس کیس کی کوئی تیاری کروائی گئی تھی۔ صرف حضرت مصلح موعود کی خداداد فراست ہی صورتِ حال کا صحیح تجزیہ کر رہی تھی۔ اور قادیان میں آنے والی آزمائش کے لئے بھرپور تیاریاں کی جارہی تھیں۔ تفصیلی اعداد وشمار جمع ہو رہے تھے۔ جماعتی دفاتر کے کارکنان، مختلف رضا کار اور تعلیم الاسلام کالج اور تعلیم الاسلام سکول کے اساتذہ دن رات مختلف جگہوں کا سفر کر کے یہ اعداد وشمار جمع کر رہے تھے۔ حضور کے ساتھ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور دیگر بزرگان دن رات اس اہم ملی کام میں مصروف تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ اور طلباء کو اس کام پر لگا دیا تھا۔ وہ سرکاری دفاتر سے اعداد وشمار جمع کر کے لاتے اور مختلف دیہات، قصبات، تحصیلوں اور ضلعوں کی مسلم اور غیر مسلم آبادی نوٹ کرتے۔ قادیان میں کچھ راتیں ایسی بھی آئیں کہ کارکنان تمام رات جاگ کر کام کرتے رہے۔ باؤنڈری کمیشن میں لازماً بہت سے اہم قانونی نکات اٹھنے تھے۔ بہت سا متعلقہ قانونی لٹریچر ہندوستان میں دستیاب ہی نہیں تھا۔ حضور نے اس بات کا انتظام فرمایا کہ بیرونی ممالک سے یہ لٹریچر منگوایا جائے۔ اس تنازعہ میں بہت سے جغرافیائی امور پیش ہونے تھے اور پاکستان اور ہندوستان کے دفاع سے متعلقہ امور پر بحث بھی ہونی تھی۔ اس کی تیاری کے لئے حضور نے انگلستان سے ایک چوٹی کے ماہر جغرافیہ دان پروفیسر آسکر سپیٹ (Oskar Spate) کو بلوایا تا کہ وہ اس کیس کی تیاری میں ماہرانہ مدد دیں۔ پروفیسر سپیٹ اس وقت لندن اسکول آف اکنامکس سے وابستہ تھے۔ لیکن ان کی پیشہ وارانہ زندگی کا بیشتر حصہ جنوبی ایشیا میں بسر ہوا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد وہ رنگون یونیورسٹی میں پڑھانے لگے۔ یہاں پر انہیں جنوبی ایشیا میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ دوسری جنگِ عظیم شروع ہوئی تو سپیٹ بطور رضا کار بھرتی ہوئے۔ ایک جاپانی حملے میں شدید زخمی ہونے کے بعد انہیں علاج کے لئے ہندوستان لایا گیا۔ صحت یاب ہو کر انہوں نے Interservices Topographical Department میں کام شروع کیا۔ اس کے بعد پہلے سری لنکا اور پھر ۱۹۴۷ء میں انگلستان چلے گئے۔ بعد میں انہوں نے ایک جریدے Geographical Journal میں اس بات کا اظہار بھی کیا کہ یہ جماعتِ احمدیہ کی لیاقت اور ذہانت کی دلیل ہے کہ اس قسم کے تنازع میں جغرافیہ دان کی ماہرانہ مدد لینے کا خیال سوائے جماعتِ احمدیہ کے کسی اور کو نہیں آیا تھا۔

Dawn 16 March 2003, Unknown Articles -2, Partiton of Punjab and of Bengal The Partiton of The Punjab 1947,Vol 1, compiled by Mian Muhammad Saudullah, publised by National

Documentation Centre Lahore, page VII_XIV

(تحدیث نعمت مصنفہ حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ناشر ڈھاکہ بنوولنٹ ایسوسی ایشن ڈھاکہ، دسمبر ۱۹۷۱ء ص ۴۹۸۔۵۰۰)

بہر حال ۱۵؍ جولائی ۱۹۴۷ء کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کام ختم کر کے اپنے اندازے سے ایک دن قبل لاہور پہنچ گئے۔ سٹیشن پر پنجاب مسلم لیگ کے صدر نواب افتخار حسین صاحب ممدوٹ اور دوسرے احباب استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ریڈکلف لاہور پہنچ چکے ہیں اور کل گیارہ بجے فریقین کے وکلاء کو میٹنگ کے لیئے بلایا ہے۔ نواب صاحب ممدوٹ نے چوہدری صاحب سے کہا کہ کل ڈھائی بجے دوپہر ان کی میٹنگ لاہور کے وکلاء سے کرائی جائے گی۔ اس سے چوہدری صاحب کو مزید اطمینان ہوگیا کہ وکلاء کیس کی تیاری کر چکے ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر اب صرف یہ طے کرنا ہوگا کہ کیس کو پیش کس طرح کیا جائے۔ اگلے روز منگل کا دن تھا۔ ریڈکلف کی میٹنگ وکلاء سے ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ جمعہ کے روز دوپہر تک فریقین کو اپنے تحریری بیانات داخل کرنے ہوں گے۔ سوموار سے کمیشن وکلاء کی بحث کی سماعت شروع کرے گا۔ ریڈکلف نے یہ عجیب انکشاف بھی کیا کہ وہ خود اس سماعت میں شریک نہیں ہوں گے بلکہ کمیشن کی کاروائی کی رپورٹ انہیں روزانہ بھیج دی جائے گی۔ اتنے اہم مقدمہ میں صدر عدالت کا غیر حاضر رہنا یقیناً ایک عجیب بات تھی اور یہ امر بھی چوہدری صاحب کی پریشانی میں اضافہ کرنے کا باعث بنا۔ بہر حال اب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب پنجاب مسلم لیگ سے ہونے والی میٹنگ کا انتظار کر رہے تھے۔ اللہ اللہ کر کے اس میٹنگ کا وقت ہوا۔ پھر کیا ہوا۔ اس کے متعلق حضرت چوہدری صاحب تحدیث نعمت میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں وقتِ مقررہ پر ممدوٹ ولا پہنچ گیا وہاں بہت سے وکلاء اصحاب موجود تھے...... مجھے کسی قدر حیرت ہوئی کہ اتنے قانون دان اصحاب کو کیوں جمع کیا گیا ہے۔ میں نے وکلاء صاحبان سے دریافت کیا کہ آپ میں سے کون کون صاحب اس کیس میں میرے رفیق کار ہیں؟ اس پر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا کہ کس کیس میں؟ میں نے کہا اسی حد بندی کے کیس میں جس کیلئے میں حاضر ہوا ہوں! خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا کہ ہمیں تو کسی کیس کا کوئی علم نہیں۔ ہم سے تو صرف یہ کہا گیا تھا کہ تم کیس کی پیروی کیلئے آئے ہو اور اس کمیشن کے روبرو مسلم لیگ کا کیس تم پیش کرو گے اور تمہیں ملنے کیلئے ہمیں اس وقت یہاں آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے نواب صاحب کی طرف استفساراً دیکھا تو وہ صرف مسکرا دیئے۔ میں نہایت سراسیمگی کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا وکلاء صاحبان سے معذرت خواہ ہوا کہ وقت بہت کم ہے اور مجھے کیس کی تیاری کرنی ہے۔ اسلئے رخصت چاہتا ہوں۔''

اس مرحلے پر بحث مباحثہ یا الزام تراشی بے کار تھی۔ قائدِ اعظم اس وقت دہلی میں تھے۔ ان سے فون پر رابطہ کرنا مناسب نہ تھا اور یہ ذمہ داری پنجاب مسلم لیگ کی تھی۔ اس مرحلے پر ان کی کوتاہی کی شکایت محض قائدِ اعظم کی پریشانی میں اضافہ ہی کر سکتی تھی۔ چوہدری صاحب نے نواب صاحب ممدوٹ سے صرف یہ عرض کی کہ دو تیز سٹینوگرافر بمع دفتری سامان کے ان کی طرف بھجوا دیں۔ نواب صاحب نے وعدہ کیا کہ صبح سات بجے یہ سامان پہنچا دیا جائے گا۔ کمیشن کی کارروائی شروع ہوئی اور ختم بھی ہوگئی مگر نواب صاحب کے سٹینوگرافر نہ پہنچے۔ پنجاب مسلم لیگ کی مستعدی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸ جولائی کو سب فریقوں نے میمورنڈم بھجوانے تھے اور ۱۷ جولائی کے نوائے وقت میں پنجاب کے ایک ممبر اسمبلی کی طرف سے اپیل شائع کی گئی کہ، کو کمیشن کے روبرو پیش کرنے کے لئے اعداد و شمار اکٹھے کرنے کا کام پنجاب مسلم لیگ کا تھا لیکن وہ دیگر مصروفیات کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکے اس لئے مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے اعداد و شمار بھجوائیں۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اُس وقت کانگرس لاہور، لائل پور، منٹگمری اور شیخوپورہ کے اضلاع پر بھی دعویٰ کر رہی تھی، پاکستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا تھا۔ ان سب علاقوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد تو مغربی پاکستان نے ایک ناقابلِ عمل یونٹ کا روپ دھار لینا تھا۔ اس سے زیادہ اہم کام کیا ہو سکتا تھا اور اگر ایک روز پہلے اعداد و شمار کے جمع کرنے کی اپیل کی جارہی تھی تو ان اعداد و شمار نے کب اکٹھا ہونا تھا اور کب اس کا تجزیہ ہو کر دلائل تیار کئے جانے تھے۔

اس کے برعکس حضرت مصلح موعود کی دوراندیشی ہر کام کے لئے وقت پر تیاری کرا رہی تھی۔ جماعتِ احمدیہ ان ضروری اعداد و شمار کو جمع کرنے کا کام کب کا مکمل کر چکی تھی۔ اس کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مئی ۱۹۴۷ء کے آغاز ہی میں یہ کام کافی حد تک ہو چکا تھا اور ۷ مئی کے الفضل میں یہ اعلان شائع ہوا تھا کہ مردم شماری کی ایک جلد دستیاب نہیں، جس احمدی کو یہ جلد ملے اسے فوراً قادیان پہنچا دے۔ اس نازک صورت حال میں چوہدری صاحب نے وہی کیا جو ایسے مرحلے پر ایک احمدی کر سکتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے کہ میں بے یار و مددگار ہوں تو اپنی قدرت اور فضل و رحم سے میری مدد فرما۔ نماز سے فارغ ہوئے تھے تو اطلاع ملی کہ کمشنر راولپنڈی خواجہ عبد الرحیم ملنے کو آئے ہیں۔ خواجہ صاحب کہنے لگے کہ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ میں یہ کچھ کاغذات لایا ہوں۔ میں نے اپنے طور پر سرکاری ریکارڈ سے پنجاب کے دیہات، تھانہ جات، تحصیل اور اضلاع کے فرقہ وارانہ اعداد و شمار جمع کرائے ہیں۔ یہ سارے صوبے کی آبادی کے نقشہ جات ہیں۔ ممکن ہے تمہیں کیس کی تیاری میں ان سے کچھ مدد مل سکے۔ اس کے علاوہ کوئی مدد درکار ہو تو میں حاضر ہوں۔ چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے بھر گیا۔ خواجہ صاحب کے جاتے ہی چار مسلمان وکلاء آئے اور کہا کہ ہم اس کیس میں تمہارے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اور ان بے لوث خادمانِ قوم نے دن رات چوہدری صاحب کے ساتھ کام کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ان دنوں لاہور میں ہی تشریف

فرماتے تھے۔ بدھ کے روز حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد آئے اور چوہدری صاحب سے کہا کہ حضرت صاحب نے یہ دریافت کرنے کے لئے مجھے بھیجا ہے کہ حضور کس وقت تشریف لا کر آپ کو تقسیم کے متعلق بعض پہلوؤں کے متعلق معلومات بہم پہنچا دیں۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ جس وقت حضور کا ارشاد ہو خاکسار حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔ درد صاحب نے کہا کہ حضور کا ارشاد ہے کہ تم نہایت اہم قومی فرض کی سرانجام دہی میں مصروف ہو تمہارا وقت بہت قیمتی ہے تم اپنے کام میں لگے رہو ہم وہیں آئیں گے۔ چنانچہ حضور خود چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے ملنے آئے اور بٹوارے کے اصولوں کے متعلق بعض نہایت مفید حوالے چوہدری صاحب کو عطا فرمائے اور فرمایا کہ اصل کتب انگلستان سے منگوائی گئی ہیں، اگر وہ بروقت پہنچ گئیں تو وہ بھی بھجوا دی جائیں گی۔ نیز ارشاد فرمایا کہ جماعت نے اپنے خرچ پر پروفیسر سپیٹ کی خدمات حاصل کی ہیں۔ وہ لاہور پہنچ چکے ہیں اور نقشہ جات تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ تم تحریری بیان تیار کرنے کے بعد ان سے مشورے کے لئے وقت نکال لینا۔ وہ آ کر تمہیں بعض پہلو سمجھا دیں گے۔ چنانچہ متعلقہ کتب انگلستان سے قادیان پہنچیں اور وہاں سے انہیں بذریعہ موٹر سائیکل لاہور لایا گیا اور ان سے دوران بحث بہت مدد ملی۔ پروفیسر سپیٹ نے چوہدری صاحب سے مل کر انہیں دفاعی پہلو کے متعلق نکات سمجھا دیئے۔ چنانچہ جب کانگرس کے وکیل مسٹر سٹیلواڈ کی طرف سے دفاعی پہلوؤں کو بنیاد بنا کر دریائے چناب تک کے علاقے کو ہندوستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت چوہدری صاحب نے پروفیسر سپیٹ کے بنائے ہوئے نقشے اور بیان کردہ نکات کمیشن کے روبرو پیش کئے۔ کانگرس کے وکیل کی طرف سے ان کا کوئی معقول جواب نہ دیا گیا۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ جب قوم پر اتنی بڑی آزمائش کا وقت آیا تو کون خدمت کے لئے سامنے آیا۔ اور اس وقت خدمت کے لئے اگر کوئی جماعت پیش پیش تھی تو وہ جماعتِ احمدیہ تھی۔ قوم پر آئے ہوئے بحران کا سامنا صرف جلسے جلوسوں اور اخباری بیانات سے نہیں کیا جاتا، اس کے لئے بہت سی ٹھوس خدمات کرنی پڑتی ہیں۔

جمعہ کے روز تحریری بیانات جمع ہوئے۔ اور سوموار کو کمیشن کے سامنے بحث شروع ہوئی۔ کانگرس کی طرف سے یہ موقف پیش کیا گیا کہ ایک علاقے کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے صرف یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس علاقے کی اکثریت کس ملک کے ساتھ شامل ہونا چاہتی ہے بلکہ حکومت کے اعلان میں مذکور دیگر عوامل کو مدنظر رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ اور کانگرس کے پیش کردہ بعض اہم امور یہ تھے۔ لائلپور، منٹگمری اور شیخوپورہ کے اضلاع میں سکھ کافی تعداد میں ہیں اس لئے ان اضلاع کو ہندوستان میں شامل کرنا چاہیے تاکہ سکھ قوم کی وحدت برقرار رہ سکے۔ حقیقت یہ تھی کہ ان تینوں اضلاع میں مسلمان ساٹھ فیصد سے زائد تھے اور پاکستان کے حق میں واضح رائے دے چکے تھے۔ گویا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اکثریت کے فیصلے کو نظر انداز کر دینا چاہیے اور صرف سکھ قوم کی وحدت کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ پھر ان کی طرف سے یہ درخواست پیش کی گئی کہ چونکہ شیخوپورہ، گورداسپور اور لاہور کے اضلاع میں سکھوں کے مقدس مقامات ہیں اس

لئے اگر ان اضلاع کو ہندوستان میں شامل نہ کیا گیا تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ اول تو یہ تینوں اضلاع مسلم اکثریت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا تھا کہ گورداسپور میں قادیان ہے جو احمدیوں کا مقدس مقام ہے اور احمدی پاکستان میں شامل ہونا چاہتے تھے اور اس طرح تو دہلی میں بہت سے مسلمان بزرگوں کے مزار ہیں۔ اس کلیے کی رو سے تو دہلی پاکستان کو ملنا چاہیے تھا۔ لاہور میں ساٹھ فیصد آبادی مسلمان تھی۔ لیکن لاہور کے متعلق کانگرس کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ اگر چہ اکثر آبادی تو مسلمان ہے لیکن یہ بات پیش نظر رکھ کر لاہور کی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہیے کہ غیر مسلم لاہور کی ۶۷ فیصد زمین کے مالک ہیں، اور مسلم آبادی غیر مسلموں کی نسبت نصف ٹیکس دیتی ہے۔ نہ صرف لاہور بلکہ لائلپور اور منٹگمری کی اکثر فیکٹریوں کے مالک غیر مسلم ہیں اور لاہور کے اکثر بینک غیر مسلم چلا رہے ہیں اور مسلمانوں کا ادا کردہ سیلز ٹیکس غیر مسلموں سے بہت کم بنتا ہے۔ گویا کانگرس کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ متنازع اضلاع کی اکثریت کس ملک کے ساتھ ملنا چاہتی ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ زیادہ زمینیں کس کی ملکیت ہیں، بینک کون چلا رہا ہے، زیادہ مالدار کون ہے۔

عدالتی کارروائی میں، مسلم لیگ کی قیادت کے کہنے پر، مسلم لیگ کے وقت میں سے، جماعت کا میمورنڈم بھی کمیشن کے سامنے پیش کیا گیا۔ جماعتِ احمدیہ کا اصولی مؤقف تھا کہ ایک علاقے کو اسی ملک میں شامل کرنا چاہیے جس ملک میں اس علاقے کی اکثریت شامل ہونا چاہتی ہے۔ اگر ایک علاقے کو اس کی اکثریت کی مرضی کے خلاف دوسرے ملک میں صرف اس لئے دھکیل دیا جائے، کہ اس علاقے میں بسنے والی اقلیت کے پاس زیادہ جائیدادیں ہیں، اموال زیادہ ہیں، وہ زیادہ ٹیکس دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور زیادہ کالجوں کے مالک ہیں تو یہ اس دور میں غلاموں کی تجارت کی بدترین مثال ہوگی۔ اموال اور جائیدادوں کا حساب تو پیش کیا گیا ہے لیکن یہ بتایا جائے کہ اگر کانگرس کا مؤقف مان لیا جائے تو کتنے مسلمان اس بناء پر آزادی کے بنیادی حق سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ ان بنیادوں پر تقسیم عقل اور ضمیر کے تقاضوں کے خلاف ہوگی۔ اور یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ہندو تجارت اور اموال کی دوڑ میں آخر کس طرح آگے نکلے۔ چونکہ انگریزوں کے آنے سے قبل مسلمان ہندوستان پر حکومت کر رہے تھے۔ اس لئے لارڈ کرزن سے قبل حکومت کی پالیسی یہی رہی کہ ہندوؤں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو مسلمانوں پر ترجیح دی جائے۔ اس ظلم کی وجہ سے مسلمان اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔ ایک تو پہلے یہ ظلم کیا گیا اور اب اس کو بنیاد بنا کر یہ دوسرا ظلم کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کو اس لئے اپنے حق سے محروم کر دو کیونکہ وہ جائیدادوں اور اموال اور تجارتوں میں دوسری اقوام سے پیچھے ہیں۔

اس میمورنڈم میں اس امر کی نشاندہی بھی کی گئی کہ کانگرس اس مفروضے پر چل کر اپنا کیس پیش کر رہی ہے کہ ہر جگہ عیسائی ہندوستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ گورداسپور کے عیسائی لیڈر ایس پی سنگھا نے پاکستان میں شامل ہونے کی حمایت کی ہے۔ اور اس کے بعد سنٹرل کرسچن ایسوسی ایشن نے اُن پر اظہارِ اعتماد بھی کیا

ہے۔اس طرح اس ضلع میں پاکستان کے حامیوں کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

قادیان کی پوزیشن اور اس کے متعلق جماعتی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا گیا کہ قادیان گورداسپور کے ضلع میں ہے اور اس ضلع میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔قادیان کی تحصیل بٹالہ ہے اور اس تحصیل میں بھی مسلمان اکثریت میں ہیں۔قادیان کی ذیل، قانون گو حلقہ اور تھانہ میں بھی مسلمان اکثریت میں ہیں اور خود قادیان کی بستی میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔اور یہ سب یونٹ مغربی پنجاب سے متصل ہیں۔اور ان کی حیثیت مشرقی پنجاب کے اندر ایک کٹے ہوئے جزیرے کی نہیں ہے۔یہ نشاندہی بھی کی گئی کہ وائسرائے نے ایک پریس کانفرنس میں ضلع گورداسپور میں مختلف مذاہب سے وابستہ آبادی کا جو تناسب بیان کیا تھا وہ پوری طرح صحیح نہیں تھا۔

چونکہ کانگرس کی طرف سے سکھوں کے مقدس مقامات کا سوال بڑے زور سے پیش کیا گیا تھا، اس لئے جماعت احمدیہ کا بھی حق تھا کہ اپنے مقدس مقامات کا سوال اٹھائے۔پھر اس میمورنڈم میں جماعتِ احمدیہ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا اور واضح کیا گیا کہ عالمگیر جماعتِ احمدیہ کی نظروں میں قادیان ایک مقدس مقام ہے۔اور جماعتِ احمدیہ کی ۴۷ فیصد جماعتیں مغربی پنجاب میں ہیں۔اور اگر سکھوں کا یہ حق پیش کیا جا رہا ہے کہ وہ ایک ملک میں ہوں تو ہماری جماعتوں کا بھی حق ہے کہ وہ اپنے مرکز سے وابستہ رہیں۔اس لئے قادیان کو پاکستان میں شامل کرنا چاہئے۔

حکومتی اعلان میں مذکور دیگر عوامل (Other Factors) کے متعلق جماعت نے اس موقف کو پیش کیا کہ ان کو حد بندی میں خفیف رد و بدل کے لئے ہی زیرِ غور لانا چاہئے۔اصل بنیاد یہ ہونی چاہئے کہ ایک علاقے میں اکثریت کس گروہ کی ہے۔اگر دیگر عوامل کو ہی بنیاد بنایا گیا تو بہت سے ہندو اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل ہونے چاہئیں۔جیسا کہ پٹھانکوٹ کی تحصیل میں ہندو اکثریت میں ہیں مگر دریاؤں کی کیفیت کی وجہ سے اسے مغربی پنجاب میں شامل کرنا چاہئے۔

۲۵ اور ۲۶ / جولائی کو مکرم شیخ بشیر احمد صاحب جماعت کا موقف پیش کرنے کے لئے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہوئے اور خصوصیت کے ساتھ قادیان کے مقدس مقامات کی اہمیت کو واضح کیا۔نقشہ کے ذریعہ واضح کیا کہ قادیان اور اردگرد کا علاقہ مسلمان اکثریت کے علاقے سے ملا ہوا ہے۔قادیان ایک عالمگیر جماعت کا مرکز ہے اور دنیا بھر سے طالب علم یہاں پر دینی علوم سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔اس مقام سے احمدیوں کی والہانہ وابستگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس بڑی تعداد میں احمدی جلسہ کے موقع پر یہاں آتے ہیں اتنا بڑا مجمع ہندوستان کے کسی اور مذہبی مقام پر جمع نہیں ہوتا۔دور دور سے لوگ یہاں آکر مستقل طور پر آباد ہو جاتے ہیں۔جب کہ سکھوں کے جن مقامات کا حوالہ کانگرس کے بیان میں دیا گیا ہے ان میں آباد سکھوں کی تعداد قادیان میں موجود احمدیوں کی تعداد سے کم ہے۔

اپنے میمورنڈم میں اور پھر دلائل میں کانگرس کے وکیلوں نے یہ مسئلہ اٹھا دیا کہ اگرچہ گورداسپور میں مسلمانوں کی

آبادی زیادہ ہے لیکن بالغ آبادی میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے۔ چونکہ ووٹ کا حق بالغ آبادی کو ہوتا ہے اس لئے اس ضلع کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ امر احمدیوں کے لئے بہت پریشان کن تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو خیال آیا کہ اگر پہلے کی مردم شماری کی رپورٹ اور ایک کیلکولیٹنگ مشین مل جائے تو یہ حساب لگایا جا سکتا ہے۔ حضور کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی گئی تو حضور نے مطلوبہ انتظام فرما دیا۔ رات بھر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے ہزاروں مرتبہ ضربیں اور تقسیمیں دے کر حساب تیار کر لیا اور معلوم ہوا کہ بالغ آبادی میں بھی مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اگلے روز حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کانگرس کی دلیل کے رد میں صحیح حساب پیش کیا تو کانگریس کے وکیل بہت گھبرائے۔ (الفضل ۶ رنومبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۶)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس دن احمدیوں کے وکیل محترم شیخ بشیر احمد صاحب نے کمیشن کے روبرو دلائل پیش کرنے شروع کئے، اسی دن قادیان کے نواح میں سکھوں کے مسلح جتھے نے حملے شروع کر دیئے۔ ۲۵ رجولائی کی رات کو جب ٹرین بٹالہ سے قادیان آرہی تھی تو وڈالہ گرنتھیاں ریلوے سٹیشن کے قریب پچیس تیس سکھوں نے گاڑی روک کر اس پر حملہ کر دیا۔ ڈرائیور سمیت پانچ چھ اشخاص زخمی ہوگئے۔ لیکن فائر مین نے ہوشیاری سے گاڑی چلا دی اور مزید نقصان نہیں ہوا۔ (الفضل ۲۸ رجولائی ۱۹۴۷ء صفحہ ۸)

چونکہ گورداسپور کے ضلع کے معاملے میں ایک غیر منصفانہ فیصلہ کر کے اسے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ اگرچہ اس کی اکثریت مسلمان تھی۔ اس لئے عموماً توجہ اس ضلع کے بارے میں فیصلہ کی طرف ہی رہتی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ باؤنڈری کمیشن کے روبرو پیش کیا جانے والا کانگرس کا میمورنڈم اس نظریہ کے تحت بنایا گیا تھا کہ لاہور، شیخوپورہ، منٹگمری، لائلپور کے اضلاع اور سیالکوٹ کے ضلع کا بھی کچھ حصہ ہندوستان میں شامل کر دیا جائے۔ اور ہندوستان کی سرحد کو دریائے چناب یا جہلم تک لے جایا جائے۔ ان مطالبات کو تسلیم کرنے کے بعد تو مغربی پاکستان کو عملاً قائم رکھنا ہی مشکل ہو جاتا تھا۔ اس وقت حضرت مصلح موعود کی راہنمائی میں جماعتِ احمدیہ نے سب سے زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ لیکن اس کا صلہ یہ دیا گیا کہ اسی حوالہ سے جماعتِ احمدیہ پر بے بنیاد اعتراضات کا انبار لگایا گیا اور یہ الزام لگایا گیا کہ جماعتِ احمدیہ نے اپنے میمورنڈم میں مسلم لیگ کے کیس کو کمزور کیا تھا۔ اس کارروائی کا اکثر حصہ National Documentation Centre Lahore کی طرف سے The Partition of the Punjab 1947 کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اور اس کی پہلی جلد میں جماعتِ احمدیہ کا میمورنڈم بھی شامل ہے۔ اور اس میں جماعتِ احمدیہ کے نمائندے مکرم شیخ بشیر احمد صاحب کی طرف سے دیئے گئے جوابات بھی شامل ہیں۔ اس کو پڑھ کر یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اعتراض کرنے والے یا تو کچھ پڑھتے نہیں یا اگر پڑھ لیں تو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جماعتِ احمدیہ نے مسلم لیگ کی قیادت کے کہنے پر ہی یہ کیس پیش کیا تھا اور اس میں ہر ممکن کوشش کی گئی تھی کہ

مسلم لیگ کے کیس کو مضبوط بنایا جائے۔

عراق میں نازی جرمنی کی مداخلت پر راہنمائی

پہلی جنگِ عظیم کے بعد عراق ۱۹۳۲ میں تکنیکی طور پر آزاد ہو چکا تھا۔ اور اس پر شریفِ مکہ حسین کے بیٹے فیصل کی حکومت قائم کر دی گئی تھی۔ اور ۱۹۳۰ میں عراق اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی رو سے امن کے زمانہ میں برطانیہ بصرہ اور حبانیہ کے قریب اپنے ہوائی اڈے رکھے گا۔ اور اسے عراق کی سرزمین میں سے اپنی افواج اور ان کے لئے رسد گذارنے کی سہولت ملے گی۔ اس معاہدہ کے مطابق اگر برطانیہ کو کسی سے جنگ درپیش ہو تو اس صورت میں اسے جنگی مقاصد کے لئے عراق کی بندرگاہیں، دریا، اور ذرائع مواصلات اور ہوائی اڈے استعمال کرنے کا اختیار مل جائے گا۔ جب دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہوا تو عراق کی حکومت نے جرمنی سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے لیکن جب اٹلی جرمنی کے اتحادی کے طور پر جنگ میں شامل ہوا تو عراق نے اس سے اپنے سفارتی تعلقات ختم نہیں کئے اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران عراق میں اٹلی کے سفارتخانے کو محوری طاقتیں یعنی اٹلی اور جرمنی اپنے پروپیگنڈا کے لئے استعمال کر رہی تھیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے شروع ہونے سے ذرا قبل مفتی اعظم فلسطین نے بھی عراق میں پناہ لے لی تھی اور وہ بھی برطانیہ اور اتحادی قوتوں کے خلاف بیانات دے رہے تھے۔ اور ان کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ برطانیہ نے اپنے وہ وعدے پورے نہیں کئے جو اس نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران کئے تھے۔ اس پس منظر میں مارچ ۱۹۴۱ میں رشید علی، عراق کے وزیر اعظم بن گئے۔ رشید علی جرمنی کی نازی حکومت سے ملے ہوئے تھے اور انہوں نے کچھ اعلیٰ افسران کے ساتھ مل کر جرمنی کے ساتھ تعاون کرنے کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس صورتِ حال میں عراق میں بادشاہ کے قائم مقام امیر عبد اللہ عراق سے فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جب دوسری جنگِ عظیم کے دوران فرانس نے ہتھیار ڈال دیئے تو شام میں جو اس وقت فرانسیسی انتظام کے ماتحت تھا، محوری طاقتوں کا کمیشن پہنچا تو عرب علاقوں میں برطانیہ کی ساکھ کو سخت دھچکا پہنچا۔ عسکری لحاظ سے یہ بات اب بالکل واضح نظر آ رہی تھی کہ کسی وقت بھی عراق کی حکومت کے تعاون سے جرمنی اپنی افواج عراق میں اتار لے گا۔ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل نے اس صورتِ حال میں ہندوستان کے وائسرائے کو کہا کہ وہ وہاں سے کچھ افواج بصرہ بھجوائیں، چنانچہ انہوں نے ایک بریگیڈ جو کہ ملایا جانے کیلئے تیار تھا بصرہ بھجوا دیا۔ دو مزید بریگیڈ بھجوانے کی تیاری ہو رہی تھی اور اس کے لئے عراق کے وزیر اعظم رشید علی کو مطلع کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب تک بصرہ میں پہلے سے اتاری گئی افواج وہاں سے کہیں اور منتقل نہیں کر دی جاتیں وہ بصرہ میں مزید فوج کے اتارنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ لیکن برطانیہ کی حکومت نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ وہ بصرہ میں مزید افواج اتارنا شروع کر دیں۔ وزیر اعظم رشید علی جرمنی کی مدد پر انحصار کر رہے تھے لیکن ابھی وہ پوری طرح مدد پہنچانے کی

پوزیشن میں نہیں آئے تھے کہ ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہوگئی اور رشید علی کی افواج عراق میں موجود برطانیہ کی افواج کے خلاف متحرک ہوگئیں۔ جیسا کہ بعد میں ذکر آئے گا کہ عسکری لحاظ سے یہ کوئی عقلمندی کا فیصلہ نہیں تھا کہ مناسب طاقت جمع کئے بغیر ایک طاقتور دشمن سے ٹکر لے لی جائے۔ بہر حال حبانیہ میں موجود برطانوی ہوائی اڈے کی طرف عراق نے اپنی افواج متحرک کیں۔ یہاں پر برطانیہ کی فوج کے ۲۲۰۰ افراد اور نوہزار کے قریب سویلین موجود تھے۔ ۳۰؍اپریل کو عراقی افواج نے حبانیہ کے ہوائی اڈے کے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ ہندوستان سے ایک بٹالین ہوائی جہازوں کے ذریعہ وہاں پہنچ گئی۔ اس صورتِ حال میں برطانیہ کو اس بات کی ضرورت تھی کہ عراق کی طرف مزید افواج بھجی جائیں لیکن اس کے لئے جنگ کے دوران مختلف مقامات سے فوج نکالنا مشکل ہورہا تھا۔ اور ونسٹن چرچل نے خود اعتراف کیا ہے کہ پہلے فلسطین میں متعین جنرل ویول نے اس بات پر زور دیا کہ اب وہ اپنی کمان سے افواج نکال کر عراق نہیں بھیج سکتے اس لئے بہتر ہوگا کہ عراق کی حکومت سے صلح کی بات چیت کی جائے۔ اگر اس وقت عراق کی حکومت لچک دکھاتی تو اس بات کی نوبت نہیں آئی تھی کہ برطانیہ اپنی خاطر خواہ افواج عراق میں اتارے لیکن جب برطانیہ کے ہوائی اڈے کا محاصرہ کیا گیا جہاں پر ہزاروں کے حساب سے برطانوی عورتیں بچے اور سویلین موجود تھے تو پھر عراق میں فوج کشی کی مخالفت کرنے والے جرنیلوں کی آواز دب گئی اور عراق پر فوج کشی کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔

حبانیہ کے مقام پر جب برطانوی ہوائی اڈے سے ہوائی جہاز اُڑ کر عراقی افواج پر حملہ آور ہوتے تو اس صورت میں عراقی افواج کے حوصلے پست ہونے لگتے اور محصور برطانوی افواج اس نفسیات کا فائدہ اُٹھا رہی تھیں۔ ۵؍مئی کو عراقی افواج پیچھے ہٹنا شروع ہوگئیں۔ برطانوی افواج نے اپنے مردوں اور عورتوں کو وہاں سے ہوائی جہازوں کے ذریعہ نکال لیا۔ اور اس معرکہ میں عراق کی فضائیہ مکمل طور پر ختم ہوگئی۔ ہندوستان سے تو پہلے ہی مدد آرہی تھی لیکن اب فلسطین سے بھی برطانوی افواج کو کمک پہنچنی شروع ہوگئی۔ ابھی تک محوری طاقتوں یعنی جرمنی اور اٹلی کی مدد پہنچنی شروع نہیں ہوئی تھی اور برطانیہ کی افواج عراق میں اپنی پوزیشن مستحکم کرتی جارہی تھیں۔

اللہ اللہ کرکے ۱۳؍مئی کو تمام مدد کی اپیلوں کے بعد جرمنی کا پہلا جہاز موصل میں رشید علی کی حکومت کی مدد کے لئے پہنچا۔ جرمنی نے یہ امداد شام کے راستے پہنچانا شروع کی تھی۔ اور شام اس وقت فرانس کے ماتحت تھا لیکن فرانس اب تک ہتھیار ڈال چکا تھا اور اب اس پر نازی جرمنی کی آشیرباد سے Vichy Government کی حکومت تھی۔ لیکن اب برطانیہ کی افواج بغداد کی طرف پیشقدمی کررہی تھیں۔

اس صورتِ حال میں مسلمان برطانیہ سے نالاں تھے کہ اس نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران عربوں سے کئے گئے تمام وعدے پورے نہیں کئے تھے۔ اور اس وقت دوسری جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ اپنے اتحادیوں سمیت جرمنی اور اس کے اتحادیوں کے ساتھ نبرد آزما تھا۔ لیکن کیا اس موقع پر یہ عقلمندی ہوتی کہ نازی جرمنی سے اتحاد کر کے انہیں یہ

دعوت دی جائے کہ وہ عرب ممالک میں آکر برطانیہ کے خلاف جنگ کریں۔ یا اس کے نتیجہ میں برطانیہ کی برتری کے نیچے سے نکل کر ایک بدتر حاکم کے ماتحت جانے کا اندیشہ تھا۔ اور اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ مغربی افواج کی جنگ عرب ممالک میں لڑی جائے گی، ان کی آبادی ان کے گاؤں ان کے شہر بمباری اور ہر طرح کے نقصانات کا نشانہ بنیں گے اور جو فائدہ ہوگا وہ بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک کا ہوگا۔ یہ موقع تھا کہ اس بات کو اندھے جذبات کی بجائے دور اندیشی اور عقل سے حل کیا جائے۔ اس موقع پر حضرت مصلح موعود نے قوم کی راہنمائی کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ اور ریڈیو پر خطاب فرمایا۔ اور اس خطاب میں عراق میں ہونے والی موجودہ جنگ کے بارے میں فرمایا:

''اس فتنہ کے نتیجے میں ترکی گھر گیا ہے، ایران کے دروازے پر بھی جنگ آ گئی ہے، شام جنگ کا راستہ بن گیا ہے، عراق جنگ کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، افغانستان جنگ کے دروازے پر آ کھڑا ہوا ہے اور سب سے بڑا خطرہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ مقامات (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) جو ہمیں ہمارے وطنوں، ہماری جانوں اور ہماری عزتوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں جنگ ان کی سرحدوں تک آ گئی ہے۔ وہ بے فصیلوں کے مقدس مقامات، وہ ظاہری حفاظت کے سامانوں سے خالی جگہیں جن کی دیواروں سے ہمارے دل لٹک رہے ہیں اب بمباری اور جھپٹانی طیاروں کی زد میں ہیں اور یہ سب کچھ ہمارے ہی چند بھائیوں کی غلطی سے ہوا ہے کیونکہ ان کی اس غلطی سے پہلے یہ جنگ ان مقاماتِ مقدسہ سے سینکڑوں میل پرے تھی۔ ان حالات میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کو اس کی ابتداء میں ہی دبا دینے کی کوشش کرے ابھی وقت ہے کہ جنگ کو پرے دھکیل دیا جائے کیونکہ ابھی عراق اور شام میں جرمنی اور اٹلی کی فوجیں کسی بڑی تعداد میں داخل نہیں ہوئیں۔ اگر خدا نخواستہ بڑی تعداد میں فوجیں یہاں داخل ہو گئیں تو یہ کام آسان نہیں رہے گا۔ جنگ کی آگ سرعت کے ساتھ صحرائے عرب میں پھیل جائے گی......

''میرے نزدیک عراق کا موجودہ فتنہ صرف مسلمانوں کے لئے تازیانہ عبرت نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی تمام اقوام کے لئے تشویش اور فکر کا موجب ہے کیونکہ عراق میں جنگ کا دروازہ کھل جانے کی وجہ سے جنگ ہندوستان کے قریب آ گئی ہے اور ہندوستان اب اس طرح محفوظ نہیں رہا جس طرح پہلے تھا۔ جو فوج عراق پر قابض ہو عرب یا ایران کی طرف سے آسانی سے ہندوستان کی طرف بڑھ سکتی ہے۔ پس ہندوستان کی تمام اقوام کو اس وقت آپس کے جھگڑے بھلا کر اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر برطانوی حکومت کی امداد کرنی چاہئے۔''

پیشتر اس کے کہ ہم حضور کی اس تقریر کے باقی اقتباسات پیش کریں اور حضور کے مندرجہ بالا ارشادات کی

صداقت جو تاریخی واقعات سے ظاہر ہوئی وہ پیش کریں، ہم عراق میں اس وقت ہونے والی جنگ کے ذکر کی طرف واپس آتے ہیں۔ ۳۰ مئی کو برطانوی افواج بغداد کے گردونواح پر پہنچنا شروع ہوئیں۔ ابھی یہ افواج پوری طرح جمع بھی نہیں ہوئی تھیں کہ وزیر اعظم رشید علی، مفتی فلسطین امین الحسینی صاحب اور جرمنی اور اٹلی کے سفارت کار ایران کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت بغداد میں ایک ڈویژن عراقی فوج موجود تھی لیکن جنگ کی نوبت بھی نہیں آئی۔ ۳۱ مئی کو صلح پر دستخط بھی ہو گئے اور امیر عبد اللہ نے جو کم عمر شاہ فیصل ثانی کے نام پر حکومت کر رہے تھے۔ پھر سے اقتدار سنبھال لیا۔ البتہ برطانیہ نے عراق کی فوج کو غیر مسلح نہیں کیا اور بننے والی حکومت نے دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

اب ہم ان خدشات کا جائزہ لیتے ہیں جن کا اظہار حضور نے ریڈیو پر ہونے والی اس تقریر میں فرمایا تھا اور وہ خدشات یہ تھے کہ عراق کی حکومت کی غلطی سے ایسا موقع پیدا ہوا ہے کہ برطانیہ نے اپنی خاطر خواہ افواج عراق میں اتاری ہیں ورنہ پہلے عملاً یہ جنگ عراق سے کافی دور تھی۔ اور اب برطانیہ یا جرمنی میں سے کسی ایک نے اپنی پوزیشن عراق میں پہلے سے بہت زیادہ مستحکم کر لینی ہے۔ بڑی طاقتوں کا تو ہمیشہ سے یہ طریق ہوتا ہے کہ خاص طور پر جنگ کے دوران جب وہ ایک جگہ پر اپنی پوزیشن مستحکم کر لیں تو پھر اس سے زیادہ سے زیادہ فوائد اُٹھائے جاتے ہیں اور اس سے لازماً اردگرد کے ممالک کے لئے شدید خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ اور حضور نے اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ اب اردگرد کے مسلمان ممالک کے لئے خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔ حضور نے فرمایا تھا کہ اب شام جنگ کا راستہ بن گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت عراق کی نازی دوست حکومت کو جو مدد پہنچائی گئی تھی وہ شام سے پہنچائی گئی تھی جہاں محوری طاقتوں نے معاہدہ سے فرانس کے اس زیر تسلط علاقہ میں اسلحہ کے ذخائر حاصل کر کے رکھے تھے۔ وزیر اعظم برطانیہ ونسٹن چرچل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عراق کے واقعہ کے بعد ہمارے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ ہم شام پر قبضہ کریں کیونکہ عراق کی نازی دوست حکومت کو وہاں سے مدد پہنچائی گئی تھی اور یہ ملک فلسطین اور عراق میں موجود ہماری افواج کے درمیان رابطے کے لئے ضروری تھا۔ ابھی عراق کا قضیہ چل ہی رہا تھا کہ برطانیہ کی حکومت نے شام پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ اور اس منصوبہ کی تفصیلات بھی طے کرنی شروع کر دی تھیں۔ ۸ر جون ۱۹۴۱ کو برطانیہ کی افواج میں سے ایک آسٹریلین ڈویژن اور ایک ہندوستانی بریگیڈ نے شام پر حملہ شروع کر دیا۔ اور پھر جب دمشق کے قریب مقابلہ سخت ہوا تو دوسری افواج بھی شامل ہو گئیں اور تقریباً ایک ہفتہ میں شام پر برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ فتح تو دو یوروپی طاقتوں میں سے ایک کی ہوئی تھی شام کے لوگوں نے اپنی زمین پر جنگ ہونے کے باعث مفت کا نقصان اُٹھایا۔ عراق کی حکومت کے اقدامات کا مقصد یہ تھا کہ عرب علاقوں میں برطانیہ کے تسلط کو دھچکا پہنچے مگر اس غلطی سے برطانیہ کا یہ تسلط اور بڑھ گیا۔

(The Second World War vol 3, by Winston Churchill, Reprint Society London P 204-215)

اب ہم دوسرے ملک کی طرف آتے ہیں۔ حضور نے فرمایا تھا کہ عراق میں کی جانے والی غلطی کی وجہ سے اب کسی بڑی طاقت کی عراق میں پوزیشن مستحکم ہوجائے گی اور پھر یہ جنگ ایران کے دروازے پر آ کھڑی ہوگی اور ایران کو بھی خطرہ ہوجائے گا۔ اور جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ اس وقت ایران جس پر رضا شاہ کی حکومت تھی، وہ بھی نہیں بھانپ پا رہا تھا کہ وہ کتنے بڑے خطرہ میں آگیا ہے لیکن حضور نے اسی وقت اس بڑے خطرہ کی نشاندہی فرمادی تھی۔ اس خطرہ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایران میں تیل کے بڑے ذخائر موجود تھے جو کہ کسی بھی فریق کی جنگی کاوشوں کے لئے بہت بڑا اثاثہ ثابت ہو سکتے تھے۔ اور ایران میں جرمنی کے بہت سے لوگ کام کر رہے تھے جو کہ اتحادیوں کی آنکھ میں کھٹک رہے تھے۔ اور چرچل کو یہ بھی فکر تھی کہ ایران میں جرمنوں کی بڑی تعداد میں موجودگی ہندوستان کی حفاظت کے لئے بھی خطرہ ہے۔ برطانیہ اور سوویت یونین نے، جس پر اب تک جرمنی کا حملہ ہو چکا تھا ایران کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایران میں موجود جرمن باشندوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ شاہ ایران پوری طرح خطرہ کا اندازہ نہیں لگا پا رہے تھے۔ انہوں نے اس مطالبہ کو پورا نہیں کیا اور ۲۵ر اگست ۱۹۴۱ء کو برطانوی افواج نے مغرب سے اور سوویت یونین کی فوج نے شمال سے ایران پر دھاوا بول دیا اور برطانیہ نے اس غرض کے لئے وہی افواج استعمال کیں جو اس نے عراق میں جمع کی تھیں۔ اور سب سے پہلے ابادان کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کیا گیا اور پھر تہران کی طرف پیشقدمی شروع ہوئی۔ ایران کی فوج کوئی خاطر خواہ دفاع کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی اور جغرافیائی طور پر جرمنی یا اٹلی کیلئے ممکن نہیں تھا کہ وہ ان کی کوئی مدد کرسکیں اور نہ ہی وہ اس کا کوئی ارادہ رکھتے تھے۔ چند دنوں میں سارے ایران پر قبضہ ہو گیا۔ رضا شاہ کو معزول کیا گیا اور ان کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے ایران میں بھی اپنے مقاصد حاصل کر لئے تھے۔

(The Second World War vol 3, by Winston Churchill, Reprint Society London P 377-394)

اب یہ بات ظاہر ہے کہ عراق میں رشید علی کی حکومت نے نازی دوستی کی پالیسی اپنا کر وہ اقدامات اس لئے کئے تھے کہ عرب علاقہ میں برطانیہ کا اثر ورسوخ ختم ہوجائے ابھی یہ قضیہ عراق میں جاری تھا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ یہ ایک بہت بڑی غلطی کی گئی ہے اور اس سے دوسرے مسلمان ممالک بھی خطرہ میں پڑ گئے ہیں۔ وقت نے یہ ثابت کیا کہ حضور نے جن خدشات کی طرف نشاندہی فرمائی تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوئے اور یہ قدم اس علاقہ میں برطانیہ کو کمزور کرنے کی بجائے مضبوط کرنے کا باعث بن گیا۔ یہ ممالک خود بھی جنگ کے لئے تیار نہیں تھے اور یہ بھی نہیں دیکھ پا رہے تھے کہ جس کو وہ اپنا اتحادی سمجھ رہے ہیں وہ نہ ان کی خاطر خواہ مدد کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ ہی اس وقت اس پوزیشن میں تھا۔

یہاں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ جب بعد میں دوران جنگ جرمنی کے کاغذات منظر عام پر آئے تو معلوم ہوا

کہ مئی ۱۹۴۱ میں ہٹلر نے یہ ہدایت دی تھی کہ عربوں میں انگریزوں کے خلاف چلنے والی آزادی کی مہم ہماری قدرتی اتحادی ہے اور اس کے ذریعہ وہ برطانیہ کو تنگ کریں گے اور ان کے روابط منقطع کر دیں گے اور برطانیہ کی افواج کو جنگ کے دوران ان علاقوں میں مصروف رکھیں گے۔ ان سب باتوں کا تو ذکر ہے لیکن اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ جب عرب تقریباً نہتی حالت میں جرمنی کی شہ پر دنیا کی بڑی طاقتوں سے ٹکر لیں گے تو جرمنی اور ان کے اتحادی ان کے لئے کیا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جرمنی اور محوری طاقتوں کا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا کہ ان کی مدد کو آئیں۔ اور اگر کسی کامیابی کے بعد وہ اپنی فوجیں ان علاقوں میں اتار بھی دیتے تو دوسری جنگِ عظیم کے دوران ان کا طرز عمل بتاتا ہے کہ نازی اور ان کے اتحادی ان ممالک کو پہلے سے برے حالات کی طرف دھکیل دیتے۔ اور اچھا ہی ہوا کہ اس مرحلہ پر ان مقامات پر انہیں ابتداء ہی سے کوئی کامیابی نہیں ملی ورنہ حالات اس سے بھی خراب ہو جاتے۔ اور یہ ممالک ان دو طاقتوں کے درمیان شدید جنگ کا میدان بننے کے باعث نقصان علیحدہ اٹھاتے۔ اور ایسی شدید جنگ ہونے کی صورت میں جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا اس بات کا خطرہ بہت بڑھ جاتا کہ ان میں سے کوئی افواج حجاز میں داخل ہو جائیں اور اس راستے میں نہ کوئی قدرتی روک تھی اور نہ ہی وہاں پر موجود حکومت اتنی مسلح تھی کہ کوئی ظاہری دفاع کا خاطر خواہ سامان کر سکتی۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود کہ حضرت مصلح موعود نے مفتیِ فلسطین اور رشید علی کی پالیسی سے اختلاف فرمایا اور فرمایا کہ ان کے یہ اقدامات مسلمان ممالک کے لئے نقصان دہ ہوں گے لیکن اس کے ساتھ حضور نے فرمایا:

> ''اس فتنہ کا مقابلہ شیخ رشید علی صاحب یا مفتی یروشلم کو گالیاں دینے سے نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں غدار کہہ کے ہم اس آگ کو نہیں بجھا سکتے۔ میں شیخ رشید علی کو نہیں جانتا لیکن مفتی صاحب کا ذاتی طور پر واقف ہوں۔ میرے نزدیک وہ نیک نیت آدمی ہیں اور ان کی مخالفت کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کو جرمنی والوں نے خرید لیا ہے بلکہ ان کی مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جنگِ عظیم میں جو وعدے اتحادیوں نے عربوں سے کئے تھے وہ پورے نہیں کئے گئے۔ ان لوگوں کو برا کہنے سے صرف یہ نتیجہ نکلے گا کہ ان کے واقف اور دوست اشتعال میں آ جائیں گے۔ ان ہزاروں اور لاکھوں لوگوں کو جو عالمِ اسلام میں شیخ رشید اور مفتی یروشلم سے حسنِ ظن رکھتے ہیں ٹھوکر اور ابتلاء سے بچانے کے لئے ہمارا فرض ہے کہ اس نازک موقع پر اپنے بھائیوں کو جوش میں نہ آنے دیں اور جو بات ہو اس میں صرف اصلاح کا پہلو مدِ نظر ہو اظہارِ غضب مقصود نہ ہو تا کہ فتنہ کم ہو بڑھے نہیں۔''

مسئلہ فلسطین پر راہنمائی

جب بھی کسی قوم پر کوئی کڑا وقت آیا ہو تو اس وقت حقیقی راہنما یا خیر خواہ وہی ہو سکتے ہیں جو مشکل وقت میں صحیح

راہنمائی کریں اور کوئی شخص اس وقت تک صحیح راہنمائی کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ حالات سے باخبر ہو کر اور ان کا صحیح تجزیہ کر کے قوم کو ان حالات کی حقیقت سے آگاہ نہ کرے۔ اور اگر کسی دشمن کا سامنا ہے تو اس مدِ مقابل کی قوت اور کمزوریوں کا پورا تجزیہ کر کے اس کی چالوں کا سدِباب کرنے کا راستہ دکھانا ایک قائد اور ایک خیر خواہ کا فرض ہے۔ دنیا کی بہت سی اقوام اس لئے بڑے المیوں سے دوچار ہوئی ہیں کہ ان کے قائدین نے یا تو حالات پر گہری نظر نہیں رکھی ہوئی تھی یا وہ ان کا صحیح تجزیہ کرنے سے قاصر تھے اور ان کی غلط راہنمائی نے قوم کو طرح طرح کے المیوں سے دوچار کر دیا۔ مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ میں ایک ایسا ہی نازک موڑ وہ وقت تھا جب فلسطین میں زبردستی یہودیوں کو بسایا گیا اور پھر یہاں پر ان کی ایک مملکت قائم کر کے مقامی آبادی کے حقوق کا بے دردی سے خون کیا گیا۔ ہم مختصراً اس بارے میں حضرت مصلح موعود کے چند ارشادات پیش کریں گے اور اب جبکہ اس واقعہ کو چھ دہائیوں سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور وہ بہت سے حقائق جو اُس دور میں خفیہ رکھے گئے تھے اب منظرِ عام پر آچکے ہیں اور بہت سے اقدامات کے نتائج بھی سامنے آچکے ہیں، ہر پڑھنے والا ان ارشادات کے پیچھے موجود حکمت کی گہرائی کا اندازہ خود لگا سکتا ہے۔

۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو بڑی طاقتوں یعنی سوویت یونین اور امریکہ نے مسلسل دباؤ ڈال کر اقوامِ متحدہ سے قرارداد منظور کرائی کہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے جو سیاسی طور پر آزاد لیکن اقتصادی طور پر آپس میں منسلک ہوں۔ یروشلم کو بین الاقوامی نگرانی کے تحت رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ اور تین حصے یہودیوں کو دیئے گئے جو آپس میں پوری طرح منسلک بھی نہیں تھے اور تین حصے عربوں کے دیئے گئے جو کہ آپس میں پوری طرح منسلک بھی نہیں تھے۔ لیکن اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی اس قرارداد کے فوراً بعد اس پر عمل نہیں ہوا کیونکہ ابھی اس علاقے پر برطانوی نگرانی اگست ۱۹۴۸ء تک قائم تھی۔ البتہ سامنے نظر آنے والے تصادم کی تمہید کے طور پر جگہ جگہ فسادات شروع ہو چکے تھے۔ اس وقت اقوامِ متحدہ میں اکثر ممالک کے نمائندے اس تجویز کو واحد ممکنہ حل قرار دے رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ عرب ممالک اس تقسیم کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ جب اس قرارداد کے بعد شام میں صدر شام نے عرب ممالک کے خارجہ امور کے عہدیداروں کی میٹنگ بلائی تو اس موقع پر حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب شام سے ہو کر پاکستان گئے۔ صدر شام نے چوہدری صاحب سے دریافت کیا کہ کیا فلسطین پر برطانوی نگرانی ختم ہونے کے بعد ہم اسرائیل کے خلاف جنگ کریں یا نہ کریں۔ اس پر چوہدری صاحب نے فرمایا کہ اس معاملے میں میری رائے اس لئے اہمیت نہیں رکھتی کہ مجھے آپ کی جنگی تیاری کا علم نہیں ہے لیکن اتنا کہہ دیتا ہوں کہ یہ فیصلہ کرتے ہوئے یہ مدِنظر رکھیں کہ اسرائیل کے لئے سمندر کا راستہ کھلا ہوگا۔ اور امریکہ کے یہودی جو کہ بہت مالدار ہیں ان کی طرف سے اسرائیل کو ہر قسم کی مدد پہنچنے کی توقع کی جا سکتی ہے اور اسرائیل کی جنگی تیاری اور تربیت آپ کے اندازے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔

(تحدیثِ نعمت، مصنفہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب، صفحہ ۵۲۶)

۱۱ر دسمبر ۱۹۴۷ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک مضمون الفضل میں شائع ہوا۔ اس میں حضور نے تحریر فرمایا:

"مغربی پنجاب کے بعض ضلعوں کا رقبہ پانچ ہزار چھ سو مربع میل سے بھی زیادہ ہے۔ دو ضلعے مل جائیں تو ساڑھے گیارہ ہزار مربع میل کا رقبہ ہو جاتا ہے۔ اس مقابلہ میں فلسطین کا علاقہ صرف دس ہزار مربع میل ہے اور آبادی اٹھارہ لاکھ یعنی لاہور کے ضلع سے بھی کم۔ لیکن فلسطین کو رسمی طور پر سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تین یہودیوں کی ریاستیں تین عربوں کی ریاستیں، ایک یروشلم کا علاقہ جو شاید تقسیم فلسطین کے صلہ میں یو این او کو ملے گا۔ یعنی براہ راست اس کے انتظام میں ہوگا۔ یافہ کی بندرگاہ چونکہ عربوں کی ملی ہے اور اس کا باقی عرب علاقوں سے کوئی تعلق نہیں اس لئے عملاً یہ آٹھ علاقے ہو گئے۔ گویا پنجاب کے دو ضلعوں سے بھی کم علاقہ کو آٹھ علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور تحصیل تحصیل کے برابر ایک علاقہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم شدہ علاقے کوئی پائیدار حکومت کس طرح بنا سکتے ہیں۔ اسے صرف یو این او کے تجربہ کار لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر اس ملک کے ذرائع نقل و حرکت، سکہ، کسٹمز کی قسم کے کئی ادارے بھی اس انجمن کے سپرد کر دیے گئے ہیں جو یو این او بنائے گی۔"

(الفضل ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۳)

چنانچہ جلد ہی دنیا نے دیکھ لیا کہ تقسیم کی اس تجویز نے نہ ہی کوئی عملی رنگ اختیار کرنا تھا اور نہ ہی کیا۔ یہ صرف اقوام متحدہ سے ایک اپنے جائز ہونے کی مہر لگوائی گئی تھی۔ دو سالوں میں ہی یہودیوں نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا جو کہ فلسطینیوں کو دیئے گئے تھے اور اکثر فلسطینی نقل مکانی کر گئے اور اس طرح اسرائیل کی ابتدائی شکل بنی۔

حضور نے اسی مضمون میں تحریر فرمایا کہ کئی ایسے معاہدے ہو چکے ہیں جو ابھی دنیا کے سامنے نہیں آئے۔ اس وقت برطانیہ نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ فلسطین پر اپنے Mandate کا عرصہ پورا ہونے سے پہلے ہی اپنی فوجیں وہاں سے واپس بلا لے گا۔ اس بارے میں حضور نے تحریر فرمایا:

"......اور وہ یہ کہ خبر دی گئی ہے کہ انگریزی فوجیں پندرہ دسمبر تک بعض عرب اور یہودی علاقوں سے نکل جائینگی۔ وہ یہودی علاقے جن سے انگریزی فوجیں نکل جائیں گی ان کے نام ظاہر کر دئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں تل ابیب، راماتھراگان اور پتاتقوا (عربی تلفظ میں بیت التقویٰ) لیکن عرب علاقے جن کو برطانوی فوجیں چھوڑنا چاہتی ہیں۔ ان کے نام ظاہر نہیں کئے گئے۔ قیاساً کہا گیا ہے کہ یافہ نبلوس اور غزا خالی کئے جائیں گے۔ یہودی مخفی فوجیں دیر سے تیار ہیں لیکن عرب فوجیں اب تیار ہو رہی ہیں اور عربوں کو کسی بندرگاہ کا مل جانا ان کی طاقت کو بڑھانے کا

موجب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عرب سمندر کی طرف سے نہیں آ رہے لیکن یہودی سمندر کی طرف سے آ رہے ہیں۔ پس قبل از وقت ان علاقوں کو چھوڑ دینے کے یہ معنے ہوں گے کہ یہودی زیادہ سے زیادہ تعداد میں اور یہودیوں کو اپنے علاقوں میں داخل کرسکیں اور اپنی طاقت کو مضبوط کرسکیں۔''

جب حالات تیزی سے تصادم یا جنگ کی طرف بڑھ رہے ہوں، تو یہ نہایت ضروری ہوتا ہے کہ ان حالات میں تبدیلی پر گہری نظر رکھی جائے۔ تا کہ یہ اندازہ ہوسکے کہ دشمن کس کس چیز سے کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ تا کہ بر وقت ان کا سدباب کرنے کی منصوبہ بندی ہوسکے۔ ابھی باقاعدہ اسرائیل کے قیام کا اعلان بھی نہیں ہوا تھا اور ابھی جنگ کا باقاعدہ آغاز بھی نہیں ہوا تھا لیکن حضور اس مرحلہ پر بھی یہ راہنمائی فرمارہے تھے یہودیوں کی تیاری کافی دیر سے ہورہی ہے اور فلسطین کے عربوں نے ابھی ابھی تیاری کا آغاز کیا ہے۔ اور کن کن چیزوں سے مدمقابل کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے برطانیہ اس بات کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ مزید یہودی مختلف ممالک سے اب فلسطین میں داخل ہوں۔ لیکن پھر بھی یہودی ایک منظم انداز میں یہاں پر داخل کئے جا رہے تھے۔ اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد جو یہودی فلسطین میں پہنچ رہے تھے ان میں سے کئی ایسے تھے جو کہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران مختلف سطح پر جنگی تجربہ حاصل کرچکے تھے اور وہ آنے والے تصادم کے لئے بہت کارآمد ہوسکتے تھے۔ اس پس منظر میں ایک بندرگاہ پر یہودیوں کو تسلط مل جانے کا یہی مطلب ہوسکتا تھا کہ وہ کم از کم پہلے کی نسبت زیادہ آسانی سے ان یہودیوں کو فلسطین میں داخل کرسکے۔ اور اب یہ راز ایک عرصہ سے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ غیر قانونی طور پر بحری راستے سے یہودیوں فلسطین لانے کی مہم تو ایک عرصہ سے چل رہی تھی اور اس کا نام Aliyah Bet تھا لیکن جس ماہ میں حضور نے یہ مضمون تحریر فرمایا تھا یعنی دسمبر ۱۹۴۷ء میں اس مہم میں بہت تیزی آگئی تھی۔ اور اس غرض کے لئے بن گورین نے جو کہ بعد میں اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم بنے تھے امریکہ کا دورہ کر کے وہاں سے بحری جہازوں کو حاصل بھی کیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہی صرف دو بحری جہازوں Pan York/Ingathering of Exiles اور Pan Crescent/Independence کے ذریعہ پندرہ ہزار یہودی فلسطین میں لائے گئے تھے۔ جبکہ اس سے پہلے بھی اسی طرح یہودی غیر قانونی طور پر فلسطین میں لائے جا رہے تھے لیکن اس وقت ایک جہاز میں صرف ایک سے تین ہزار یہودی فلسطین کے ساحلوں پر اتارے جاتے تھے لیکن اب اس مہم میں بہت زیادہ تیزی آگئی تھی۔

۱۴ رمئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے فلسطین میں اپنی نگرانی ختم کرنے کا اعلان کردیا اور برطانیہ کے ہائی کمشنر وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اسی رات کو ایک ہال میں یہودیوں نے فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام کا اعلان کردیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں امریکہ کے صدر ٹرومین نے اس ریاست کو تسلیم کرنے کا اعلان کردیا۔ کچھ ہی دنوں میں سوویت یونین نے بھی اسرائیل کو تسلیم کرنے کا اعلان کردیا۔ یہ بات تو مسلمہ تھی کہ جنگ کی صورت میں صرف فلسطین کے عرب اسرائیل کا

مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے عراق مصر اردن، شام، لبنان کی افواج اور کچھ تعداد میں سعودی عرب اور یمن کے فوجیوں نے جنگ کا آغاز کر دیا اور کچھ فوجیں یہودیوں کے علاقہ میں داخل ہو گئیں۔ یروشلم اور تل ابیب کی سڑک پر سب سے زیادہ سخت جنگ ہوئی۔ اردن کی افواج ۱۷ مئی کو یروشلم میں داخل ہو گئیں اور اگلے دس بارہ روز سڑکوں پر سخت جنگ ہوئی جس کے بعد عرب افواج نے یروشلم کے عرب حصہ سے اور قدیم یروشلم سے یہودی افواج کو نکال دیا۔ عراقی افواج یہودی بستیوں پر اپنے حملوں میں ناکام رہیں اور انہیں دفاعی پوزیشن لینی پڑی۔ اسی طرح شام کی افواج کو ابتداء میں کچھ کامیابی ملی لیکن پھر ان کے حملے کو بھی یہودی افواج نے روک دیا۔ ابھی جنگ کے بالکل ابتدائی دن جاری تھے اور ابھی یہ کہنا مشکل تھا کہ کس فوج کو کس قسم کی کامیابی ملے گی۔ اور اس طویل جنگ کا اکثر حصہ ابھی باقی تھا۔ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے یہ بات اشد ضروری ہوتی ہے کہ دشمن کی حیثیت اور مستقبل میں اس حیثیت میں تبدیلی کے بارے میں صحیح اندازہ لگا کر اپنی قوت اور حیثیت سے اس کا موازنہ کر کے یہ دیکھا جائے کہ اپنی تیاری میں کس چیز کی کمی ہے اور آئندہ کامیابی کے لئے کن اقدامات کی ضرورت ہوگی۔ اور دشمن کو مستقبل میں کہاں سے کیا مدد مل سکتی ہے اور اس کا سدِباب کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ اندازہ صحیح نہ لگایا جائے تو جنگ میں کامیابی محض ایک خواب و خیال ہوتا ہے جو اکثر پورا نہیں ہوتا۔ ۲۸ مئی ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود نے ایک مضمون الکفر ملۃ واحدۃ تحریر فرمایا۔ اس میں حضور نے یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

”......یہی دشمن ایک مقتدر حکومت کی صورت میں مدینہ کے پاس سر اُٹھانا چاہتا ہے شاید اس نیت سے کہ اپنے قدم مضبوط کر لینے کے بعد وہ مدینہ کی طرف بڑھے۔ جو مسلمان خیال کرتا ہے کہ اس بات کے امکانات بہت کمزور ہیں اس کا دماغ خود کمزور ہے۔ عرب اس حقیقت کو سمجھتا ہے عرب جانتا ہے کہ یہودی عرب میں سے عربوں کو نکالنے کی فکر میں ہے اس لئے وہ اپنے جھگڑے اور اختلاف بھول کر متحدہ طور پر یہودیوں کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا ہے مگر کیا عربوں میں یہ طاقت ہے؟ کیا یہ معاملہ صرف عرب سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال فلسطین کا نہیں سوال مدینہ کا ہے، سوال یروشلم کا نہیں سوال خود مکہ مکرمہ کا ہے۔ سوال زید اور بکر کا نہیں سوال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا ہے۔ دشمن باوجود اپنی مخالفتوں کے اسلام کے مقابل پر کھڑا ہو گیا ہے، کیا مسلمان باوجود ہزاروں اتحاد کی وجوہات کے اس موقع پر اکٹھا نہیں ہوگا۔ امریکہ کا روپیہ اور روس کے منصوبے اور ہتھکنڈے، دونوں ہی غریب عربوں کے مقابل جمع ہیں۔ جن طاقتوں کا مقابلہ جرمنی نہیں کر سکا۔ عرب قبائل کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لئے یہ سوچنے کا موقع آ گیا ہے کہ کیا ہم کو الگ الگ اور باری باری مرنا چاہئے یا اکٹھے ہو کر فتح کے لئے کافی جد و جہد کرنی چاہئے......

مصر، شام اور عراق کا ہوائی بیڑہ سو ہوائی جہازوں سے زیادہ نہیں لیکن یہودی اس سے دس گنا بیڑہ
نہایت آسانی سے جمع کر سکتے ہیں اور شاید روس تو ان کو اپنا بیڑہ نذر کے طور پر پیش بھی کر دے۔''

حضور کے ارشاد سے یہ بات واضح نظر آجاتی ہے کہ عربوں کا واسطہ ایک بہت طاقتور دشمن سے ہے، جس کو بڑی طاقتوں کی مدد حاصل ہوگی۔ اور اکیلے عرب ممالک کے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ یہودیوں کی فوج کا مقابلہ کر سکیں اور دوسرے مسلمان ممالک کو لازماً عرب ممالک کی مدد کے لئے آنا چاہئے۔ اگر اس وقت یعنی مئی ۱۹۴۸ء کے آخر کے حالات پر نظر ڈالیں تو اکثر آراء اس رائے سے بالکل مختلف نظر آتی ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ عرب ممالک خود اپنی کامیابی کے متعلق پر اعتماد تھے اور یہودیوں کا فلسطین پر تسلط روکنے کے لئے انہوں نے پہلے سے اپنی افواج فلسطین کی سرحدوں پر جمع کرنی شروع کر دی تھیں۔ اور ابھی انہوں نے یہ ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی کہ اپنی پوری عسکری قوت میدان میں لائیں۔ جنگ شروع ہونے سے قبل جب بن گورین نے جو پہلے اسرائیلی وزیر اعظم بنے اپنے کمانڈروں سے پوچھا کہ وہ صورتِ حال کو کس طرح دیکھ رہے ہیں تو اس پر ان کے کمانڈروں نے انہیں بتایا کہ دونوں اطراف کی کامیابی کے امکانات پچاس پچاس فیصد ہیں۔ اور جنگ کے آغاز سے ذرا قبل اردن کے بادشاہ نے جو اس وقت یہودیوں سے خفیہ مذاکرات کر رہے تھے، معروضی حالات دیکھتے ہوئے صرف اتنی رعایت دینے کا عندیہ ظاہر کیا کہ وہ یہودی علاقوں کو اپنی مملکت کا حصہ بنا لیں گے اور ان کی پارلیمنٹ میں یہودیوں کو نمائندگی ملے گی۔

(My Life by Golda Meir, Published by Weidenfeld & Nicholson, p 175-181)

جنگ کے آغاز میں اسرائیل کے پاس صرف ۲۹ ہزار افراد پر مشتمل فوج تھی۔ اور ان ہزاروں فوجیوں کے علاوہ جو کہ فلسطین کے عربوں میں سے جنگ میں حصہ لے رہے تھے پچیس ہزار سے زائد فوج جنگ کے پہلے چند روز میں مختلف عرب ممالک نے فلسطین میں داخل کر دی تھی اور ابھی عرب ممالک اپنی فوج کا ایک کافی حصہ میدان جنگ میں نہیں لائے تھے۔ لیکن جنگ میں منصوبہ بندی کے دوران صرف یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس وقت کیا صورتِ حال ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ مستقبل میں دشمن اپنی قوت میں کیا کیا اضافہ کر سکتا ہے۔ ابتدائی دنوں کے بعد کیا ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مئی ۱۹۴۸ء میں یہودی فوج ۲۹ ہزار تھی وہ دسمبر ۱۹۴۸ء میں بڑھ کر ایک لاکھ آٹھ ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔ اور اس کے مقابلہ پر عرب افواج دسمبر ۱۹۴۸ء کے لگ بھگ صرف ساٹھ ہزار کے قریب تھیں۔ ہزاروں یہودی مختلف ممالک سے فلسطین پہنچ رہے تھے اور اس جنگ کا حصہ بن رہے تھے اور ان میں سے کئی ایسے تھے جو کہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران کافی جنگی تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ اس طرح سال کے آخر تک قوت کا توازن بالکل بدل چکا تھا۔

اب ہم اس جنگ کے آغاز پر اسلحہ کی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہودیوں کی فوج اس وقت ایک عسکری تنظیم

کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔ اگر چہ وہ ایک عرصہ سے اسلحہ جمع کر رہے تھے لیکن فلسطین پر برطانوی نگرانی کی وجہ سے وہ بعض قسم کی ضروری اشیاء فلسطین میں نہیں لا سکتے تھے۔ مثلاً وہ جنگی جہاز اور ٹینک فلسطین میں آسانی سے نہیں لا سکتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف عرب ممالک کی افواج کے پاس جنگی جہاز اور ٹینک موجود تھے۔ لیکن جیسا کہ حضور نے اندیشہ ظاہر فرمایا تھا یہ صورتِ حال جلد ہی تبدیل ہو جانی تھی۔

سب سے پہلے ہم ہوائی قوت کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہودیوں کی فوج کے پاس اس وقت صرف نو ہوائی جہاز تھے، جن میں سے صرف ایک دو انجنوں والا تھا۔ کہنے کو تو عراق، شام اور مصر کے پاس دوسو کے قریب جہاز موجود ہوں گے اور مصر اور شام نے یہودی علاقوں پر بمباری بھی شروع کر دی تھی۔ سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہوائی قوت کے لحاظ سے عربوں کو واضح برتری حاصل تھی لیکن حضور نے اس ضمن میں تشویش کا اظہار فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ روس تو شاید اپنا ہوائی بیڑہ اسرائیل کو تحفہ کے طور پر بھی دے دے اور اس طرح عربوں کی ہوائی قوت کم پڑ جائے گی۔ لیکن اب جب کہ بہت سے حقائق جو اس وقت خفیہ تھے منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور جو کچھ واقعات بعد میں ظہور پذیر ہوئے وہ بھی ہمارے سامنے ہیں، ہم ان حقائق کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں تو ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضور نے جن خدشات کا اظہار فرمایا تھا وہ سو فیصد درست ثابت ہوئے۔

سب سے پہلے تو یہ حقیقت مدِ نظر رکھنی چاہئے کہ عربوں کے پاس جو ہوائی جہاز موجود تھے وہ فرسودہ ساخت کے تھے۔ اور ان میں سے کئی تو کسی اور مقصد کے لئے بنے تھے اور ان میں تبدیلیاں کر کے ان کو بمبار جہازوں میں تبدیل کیا گیا تھا۔ کاغذوں پر عرب ممالک میں سے عراق کا ہوائی بیڑہ سب سے بڑا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران عراق ایئر فورس کی عملی قوت کو برطانیہ نواز حکومت کے خلاف بغاوت کے بعد جب برطانیہ نے عراق پر قبضہ کیا ہے، بہت نقصان پہنچا تھا اور ان کی ہوائی قوت کافی حد تک ناکارہ کر دی گئی تھی۔ انہوں نے پرانی ساخت کے Avro Anson جہازوں کے ساتھ یہودی علاقوں پر بمباری کا آغاز کیا تھا اور جنگ کے دوران کچھ نئی قسم کے Hawker Fury جہازوں کو اپنی فضائیہ میں شامل کر کے اپنی قوت میں اضافہ کی کوشش کی تھی لیکن اس دوران دشمن اس میدان میں آگے بڑھ چکا تھا۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جنگ کے دوران عراقی فضائیہ کوئی بڑا کردار ادا نہیں کر سکی تھی۔

اب ہم اسرائیل کی فضائی قوت کی طرف آتے ہیں جو کہ جنگ کے آغاز میں صرف نو فرسودہ جہازوں پر مشتمل تھی۔ لیکن حضور نے اسی وقت اس خدشہ کا اظہار فرمایا تھا کہ جلد روسی مدد سے وہ اس میں خاطر خواہ اضافہ کر لیں گے اور تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ اس وقت تو یہ حقائق منظرِ عام پر نہیں آئے تھے لیکن اب یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ روس کی مدد سے ہی اس جنگ کے دوران اسرائیل نے اپنی فضائی قوت کو مستحکم کیا تھا۔ اس وقت اقوامِ متحدہ نے یہ

پابندی لگا دی تھی کہ دوسرے ممالک عرب ممالک اور اسرائیل کو اسلحہ وغیرہ نہ بھجوائیں لیکن دونوں گروہ اس سے بچ کر اپنی قوت کو بڑھانے کے راستے نکال رہے تھے۔ روس نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس مرحلہ پر براہ راست اسرائیل کی مدد کرے۔ یہ کام اس نے چیکوسلواکیہ سے کروایا جو اس وقت کمیونسٹ بلاک میں شامل ہو چکا تھا اور اس کے لئے سوویت یونین کی آشیر باد کے بغیر اس قسم کا قدم اُٹھانا ممکن ہی نہیں تھا۔ اور چیکوسلواکیہ کو جنگ عظیم دوئم کے بعد مالی بحران سے نمٹنے کے لئے ان رقوم کی ضرورت بھی تھی جو کہ یہودی انہیں ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ میں شروع ہونے والی جنگ کے دوران صرف چیکوسلواکیہ نے اسرائیل کو ۸۶ ہوائی جہاز مہیا کئے جو کہ supermarine spitfire اور Avia S 199 ساخت کے لڑاکا طیارے تھے۔ اور انکے اسی سے زائد پائلٹوں کو تربیت بھی دی۔ اسرائیل دوسری جگہوں سے بھی خفیہ طور پر طیارے حاصل کر کے اپنی فضائی قوت میں اضافہ کر رہا تھا۔

(Wikipedia: Arm Shipment from Czechoslovakia to Israel 1947-1949)

(Wikipedia: Iraqi Air Force)

چیکوسلواکیہ کی مدد صرف ہوائی جہازوں تک محدود نہیں تھی۔ یہ پیش نظر رہے کہ اس وقت یہ ملک کمیونسٹ بلاک میں شامل تھا اور اس طرح اس کی خارجہ پالیسی مکمل طور پر سوویت یونین کے زیر اثر تھی۔ اور اس ملک سے ہر طرح کی فوجی مدد حاصل کرنے کے لئے یہودی قائدین اسرائیل بننے سے کئی ماہ پہلے سے رابطے کر رہے تھے۔ جنگ کے ابتدائی دنوں میں ہی یعنی مئی ۱۹۴۸ کے آخر تک، چیکوسلواکیہ سے بیس ہزار رائفلیں، دو ہزار آٹھ سو مشین گن اور Ammunition کے دو کروڑ ستر لاکھ راؤنڈ پہنچ چکے تھے۔ اگلے دو ہفتہ میں دس ہزار مزید رائفلیں اور اٹھارہ سو مزید مشین گن اور Ammunition کے دو کروڑ مزید راؤنڈ اسرائیل پہنچا دیئے گئے۔ اور اگست میں چیکوسلواکیہ کے چار مقامات پر یہودی فوجیوں کو عسکری تربیت دی جا رہی تھی۔ اور آنے والے دنوں میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس جنگ کے دوران جہاں امریکہ، کینیڈا اور یورپ سے تین ہزار یہودی اسرائیل میں داخل ہوئے جن میں سے بہت سے دوسری جنگ عظیم کے دوران خاطر خواہ جنگی تجربہ حاصل کر چکے تھے، وہاں کمیونسٹ ممالک مثلاً پولینڈ، سوویٹ یونین، چیکوسلواکیہ، بلغاریہ اور بالٹک ریاستوں سے دو لاکھ سے زائد یہودی اسرائیل پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد عسکری طور پر تربیت یافتہ تھی یا پھر وہ اسرائیل میں افرادی قوت کی کمی دور کرنے کے کام آئی۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جنگ کے آغاز پر اسرائیل میں صرف ساڑھے چھ لاکھ یہودی موجود تھے۔

(یہ سب تفصیلات Norman Berdichevsky کے مضمون ?Who did what for Israel in 1948 میں موجود ہیں جو کہ انٹرنیٹ پر حاصل کیا جا سکتا ہے)

یہ چند مثالیں ہی واضح کر دیتی ہیں کہ طاقت کا توازن جو کہ آغاز پر عربوں کے حق میں دکھائی دیتا تھا، جلد ہی بدل

دیا گیا۔ اور وہی ہوا جس کا حضور نے خدشہ ظاہر فرمایا تھا کہ امریکہ سے آئی ہوئی رقوم اور روس کے ہتھکنڈوں نے یہودیوں کو ہر طرح کی مدد پہنچائی تھی۔ چنانچہ گولڈا میئر جو کہ بعد میں اسرائیل کی وزیر اعظم بنیں، انہوں نے خود اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ گو بعد میں سوویت یونین کا ہمارے بارے میں رویہ بدل گیا لیکن ان ابتدائی دنوں میں اگر مشرقی یورپ کے کمیونسٹ بلاک سے آئی ہوئی مدد ہمارے شامل حال نہ ہوتی تو ہمارا اس جنگ میں سے سلامت باہر آنا بہت مشکل ہوتا۔ (My Life by Golda Meir, p189)

لیکن منصوبہ بندی اور مختلف ممالک کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے علاوہ اس جنگ میں اسلحہ اور مدد کے حصول کے لئے ایک اور چیز کی بھی اشد ضرورت تھی اور وہ مالی وسائل تھے۔ خاطر خواہ مالی وسائل کے بغیر اس جنگ میں کامیابی کی مدد نہیں کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود نے اس بارے میں الکفر ملۃ واحدۃ میں یہ درمندانہ اپیل فرمائی:

> ''آج ریزولیوشنوں سے کام نہیں ہو سکتا۔ آج قربانیوں سے کام ہوگا۔ اگر پاکستان کے مسلمان واقعہ میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو حکومت کو توجہ دلائیں کہ ہماری جائیدادوں کا کم سے کم ایک فیصدی حصہ اس وقت لے لے۔ ایک فیصدی حصہ سے بھی پاکستان کم سے کم ایک ارب روپیہ اس غرض کے لئے جمع کر سکتا ہے اور ایک ارب روپیہ سے ......کی موجودہ مشکلات کا بہت کچھ حل ہو سکتا ہے۔ پاکستان کی قربانی دیکھ کر باقی اسلامی ممالک بھی قربانی کریں گے۔ اور یقیناً پانچ چھ ارب روپیہ جمع ہو سکے گا۔ جس سے فلسطین کے لئے باوجود یورپین ممالک کی مخالفت کے آلات جمع کئے جا سکتے ہیں۔ ایک روپیہ کی جگہ پر دو، دو روپیہ کی جگہ پر تین۔ تین روپیہ کی جگہ پر چار اور چار روپیہ کی جگہ پر پانچ خرچ کرنے سے کہیں نہ کہیں سے چیزیں مل جائیں گی۔ یوروپین لوگوں کی دیانتداری کی قیمت ضرور ہے۔ خواہ وہ قیمت گراں ہی کیوں نہ ہو۔ انہیں خریدا ضرور جا سکتا ہے۔ خواہ بڑھیا بولی پر۔ مگر بولی دینے کے لئے جیب بھری ہوئی چاہئے۔ پس میں مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس نازک وقت کو سمجھیں اور یاد رکھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان الکفر ملۃ واحدۃ لفظ بلفظ پورا ہو رہا ہے۔''

اس دور میں یعنی دوسری جنگِ عظیم کے معاً بعد بہت سے ممالک میں دوسری جنگِ عظیم کا باقی ماندہ اسلحہ حتیٰ کہ ہوائی جہاز وغیرہ بھی پڑے تھے، جس کا اب کوئی استعمال نہیں تھا۔ اور بہت سے ممالک یہ کوشش کر رہے تھے کہ یہ اسلحہ کسی طرح کوئی خرید لے کیونکہ ان ممالک کو خود بہت سخت مالی بحران کا سامنا تھا اور وہ یہ اسلحہ جو ان کے لئے بے کار تھا بیچ کر اپنا مالی بوجھ ہلکا کرنا چاہتے تھے۔ اس پس منظر میں جس کے پاس مالی وسائل ہوتے تھے اسی نے یہ اسلحہ اُٹھانا تھا اور اپنا کام چلانا تھا۔ اس لئے حضور نے یہ اپیل فرمائی تھی کہ سب مسلمان ممالک مل کر عرب ممالک کو مالی وسائل مہیا

کریں تا کہ وہ اپنی عسکری حالت بہتر بنا سکیں۔ اس دور میں عرب ممالک کی مالی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ یہ بوجھ کما حقہ اُٹھا سکتے۔ اور ان کا مدمقابل یہ حربہ استعمال کر رہا تھا۔ خود اس وقت کے اسرائیل کے پاس تو کوئی خاطر خواہ مالی وسائل نہیں تھے۔ لیکن جیسا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے نومبر ۱۹۴۷ میں شام کے سربراہ مملکت کو فرمایا تھا کہ یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ امریکہ کے یہودی بہت مالدار ہیں اور وہ اسرائیل کی ہر ممکن مالی مدد کریں گے۔ اور یہی ہوا۔ جب نومبر ۱۹۴۷ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے یہ منظوری دی کہ فلسطین کو تقسیم کر کے ایک یہودی ریاست بنا دی جائے تو اسی وقت فلسطین میں موجود Jewish Agency نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ انہیں اب جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس جنگ کے لئے انہیں اسلحہ خریدنا پڑے گا اور اس اسلحہ کی خرید کے لئے انہیں بہت زیادہ مالی وسائل کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ اسی وقت یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان میں سے ایک لیڈر امریکہ جا کر وہاں کے یہودیوں سے چندہ کی اپیل کرے۔ بن گورین جو بعد میں اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم بنے ان کا خیال تھا کہ وہ خود جا کر یہ کام کریں لیکن پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کا اس وقت باہر جانا ممکن نہیں تو گولڈا میئر (جو کہ بعد میں اسرائیل کی وزیر اعظم بنیں) کو امریکہ بھجوایا گیا۔ اور وہاں مختلف شہروں کا دورہ کر کے یہودی ریاست کے لئے چندہ جمع کیا گیا۔ خود گولڈا میئر کا بیان ہے کہ کئی یہودیوں نے بینکوں سے قرضہ لے کر مدد کے لئے رقوم دیں۔ اور اس ایک دورہ میں یہودیوں کی افواج کی تیاری کے لئے پانچ کروڑ ڈالر کی رقم جمع کی گئی۔ جو اس وقت کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی۔ جب اسرائیل کی ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا تو اس وقت پھر امریکہ سے ایک یہودی لیڈر کا پیغام موصول ہوا کہ اگر ایک اور دورہ کیا جائے تو مزید رقوم جمع ہو سکتی ہیں۔ گولڈا میئر کو امریکہ اس عجلت میں بھجوایا گیا کہ وہ اپنے سامان میں صرف ایک بالوں کا برش، ایک دانتوں کا برش اور ایک کپڑا ہی لے کر گئیں۔ اس دورہ میں انہوں نے امریکہ کے یہودیوں سے پندرہ کروڑ ڈالر کی خطیر رقم جمع کی۔ اور ان رقوم سے اسرائیل نے جنگ میں اپنے لئے اسلحہ اور ہوائی جہاز خریدے۔ (My Life by Gold Meir p 174.175, 191-193)

مسلمان یہودیوں کی طرح امیر نہ سہی لیکن تعداد میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔ اگر حضور کے بتائے گئے طریقہ کار پر عمل کیا جاتا تو وہ بھی آسانی سے ایک بڑی رقم جمع کر سکتے تھے۔ اور پھر اس رقم سے اسلحہ خرید کر اپنی جنگی کاوشوں کو مضبوط کیا جا سکتا تھا۔ اور اس وقت بہت سے ممالک اسلحہ بیچنے کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔ لیکن افسوس وسیع پیمانے پر ایسا نہیں کیا گیا اور مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر جنگ کا نقشہ بدلتا رہا۔ اور جب ۱۹۴۹ء میں جنگ کا خاتمہ ہوا تو فلسطین کے وہ علاقے جو کہ اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق عربوں کو دیئے گئے تھے ان پر بھی یہودیوں کا قبضہ ہو گیا اور لاکھوں فلسطینی عربوں نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور ان کی جگہ لاکھوں یہودی فلسطین میں داخل ہو کر آباد ہونے لگے۔ اس طرح اسرائیل نے ظالمانہ طریق پر فلسطینیوں کو اپنے گھر بار سے محروم کر دیا۔

انڈونیشیا کی تحریکِ آزادی کے لئے آواز بلند کرنے کے لئے تحریک

دوسری جنگِ عظیم سے قبل انڈونیشیا ہالینڈ کے قبضہ میں تھا اور دوسری جنگِ عظیم سے قبل ہی یہاں پر تحریکِ آزادی شروع ہو چکی تھی۔ جنگ کے دوران جاپان کی افواج نے اس ملک پر قبضہ کر لیا اور اس قبضہ کے دوران جاپان کی قابض افواج اور تحریکِ آزادی چلانے والوں کے درمیان تعلقات مختلف اونچ نیچ سے گذرے۔ ایک مرحلہ پر یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ انڈونیشیا کو آزادی دے دی جائے گی۔ جب دوسری جنگِ عظیم کے آخر میں جاپانی افواج کے ہتھیار ڈالنے کا وقت قریب آیا تو اتحادی حکومتوں سے جاپان کا یہ معاہدہ طے پایا کہ انڈونیشیا میں جاپانی افواج اس وقت تک معاملات سنبھالے رہیں گے جب تک اتحادی افواج وہاں پہنچ کر قبضہ نہیں لیتے اور پھر ہالینڈ کی حکومت وہاں انتظام سنبھال لے گی۔ اس مرحلہ پر سوکارنو اور دوسرے لیڈر جو کہ انڈونیشیا کی آزادی کی تحریک چلا رہے تھے جاپانی حکام کے پاس گئے کہ اب وہ آزادی کا اعلان کرنا چاہتے ہیں اور کہا کہ جاپانی افواج اس راہ میں روکیں نہ ڈالیں۔ لیکن جاپانی افسران نے کہا کہ ہم ہتھیار ڈالنے کی شرائط کے پابند ہیں اور اس کے مطابق وہ اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اور اگر نوجوانوں نے کوئی انتہائی قدم اُٹھایا تو انہیں ان پر گولی چلانی پڑے گی۔ تحریکِ آزادی چلانے والوں نے ہر قیمت پر آزادی کا اعلان کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک نیلی لائنوں والا کاغذ لیا گیا، کسی سے قلم پکڑا اور اس پر سوکارنو نے انڈونیشیا کا اعلان آزادی لکھ دیا، اس کے الفاظ یہ تھے:

> ''ہم انڈونیشیا کے عوام آزادی کا اعلان کرتے ہیں۔ اقتدار کے انتقال اور دوسرے معاملات منظم طریق پر کم از کم وقت میں مکمل کئے جائیں گے۔''

اس اعلان پر سوکارنو اور ان کے قریبی ساتھی Hatta کے دستخط تھے۔ انڈونیشیا کے پہلے صدر اس وقت ملیریا سے علیل تھے، تیز بخار چڑھا ہوا تھا اور وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہے تھے۔ جلد ہی یہ اعلان بھی ہو گیا کہ سوکارنو اب سے اس نئی مملکت کے صدر ہوں گے۔ جاپانی اس عمل کو روکنا چاہتے تھے لیکن حالات پوری طرح ان کے قابو میں نہیں تھے، اس لئے انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ جیسا کہ توقع تھی جلد ہی ستمبر ۱۹۴۵ء میں اتحادی فوجی جن میں بڑی تعداد برطانوی فوجیوں کی تھی انڈونیشیا پہنچنے شروع ہو گئے۔ اور ان کے سائے تلے ہالینڈ والے بھی پہنچنا شروع ہوئے۔ ہالینڈ کی افواج نے اس خفت کا بدلہ جو کہ دورانِ جنگ انہوں نے جاپانیوں کے ہاتھوں اُٹھائی تھی انڈونیشیا کے لوگوں سے لینا شروع کیا۔ راہ چلتے لوگوں پر گولی چلا دی جاتی۔ سوکارنو نے حکم دے دیا کہ رات کو آٹھ بجے کے بعد کوئی گھر سے نہ نکلے لیکن اس کے باوجود ہالینڈ کے فوجی گھروں کے دروازے توڑ کر داخل ہو جاتے، انہیں لوٹتے گھر کے افراد کو گھسیٹ کر باہر نکال دیتے اور اگر کوئی مزاحمت کرتا تو گھر کو آگ لگا دی جاتی۔ جنازوں پر فائر کھول دیا جاتا۔ لیکن

مزاحمت کی روح کو توڑا نہ جا سکا۔ آزادی کا اعلامیہ برقرار تھا اور صدر سوکارنو کی حکومت اپنے احکامات جاری کر رہی تھی۔ برطانوی افواج نے حالات پر قابو پانے کی بجائے یہی فیصلہ کیا کہ وہ اپنا کام کریں اور یہاں سے چلے جائیں۔ اور ان حالات میں انڈونیشیا کی نئی حکومت نے رضاکاروں پر مشتمل اپنی فوج بنانے کا اعلان کیا۔ برطانوی افواج نے مطالبہ کیا کہ تمام انڈونیشین اپنے ہتھیار ڈال دیں اور چوبیس گھنٹے کے اندر انہیں جمع کرائیں۔ انڈونیشین نوجیوں نے برطانوی فوجیوں پر حملہ کر کے انہیں مارنا شروع کر دیا۔ ایک خون ریز جنگ شروع ہوگئی اور اس کے دوران برطانوی فوجیوں نے ہوائی جہازوں سے بمباری بھی کی۔ دنیا سے اس وحشیانہ عمل کو رکوانے کے لئے اپیل بھی کی گئی۔ بہت سی خون ریزی کے بعد برطانوی افواج نے وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کیا اور ہالینڈ والوں کو بھی یہی مشورہ دیا کہ وہ انڈونیشیا کی آزاد حکومت سے مذاکرات کر کے مسئلہ حل کریں اور انہیں بتا دیا کہ برطانوی افواج نومبر ۱۹۴۶ء میں انڈونیشیا سے نکل جانا شروع کر دیں گی۔ اب تک تمام طاقت کے باوجود اس نوزائیدہ حکومت کو ختم نہیں کیا جا سکا تھا۔ ۱۹۴۶ء کے ابتدائی مہینوں میں ہالینڈ والے بھی برطانوی افواج کے جانے کے بعد اپنے آپ کو کمزور محسوس کر رہے تھے اور اس طرزِ عمل سے پوری دنیا میں ان کی بدنامی بھی ہو رہی تھی۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ انڈونیشیا کی آزاد حکومت کو ختم کر سکیں۔ انڈونیشیا کی نئی حکومت بھی ہر طرح کے مسائل میں گھری ہوئی تھی۔ انہیں ہر طرف سے ہر طرح کے مسائل نے گھیرا ہوا تھا۔ ان کا مرکز چاروں طرف سے دشمن کے قبضہ میں علاقوں میں گھرا ہوا تھا۔ ملک کی اقتصادی حالت دگرگوں تھی۔ آزاد حکومت کو چلانے کے لئے مالی وسائل ہی مہیا نہیں تھے۔ عوام کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ باہر کی دنیا سے ابھی تک اس تحریک کی حمایت میں بہت زوردار آوازیں بلند ہونا شروع نہیں ہوئی تھیں۔ اس صورتِ حال میں دونوں فریقوں نے مذاکرات کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۴۶ء کے موسم بہار میں ہالینڈ میں مذاکرات ہوئے لیکن ناکام ہوگئے۔ لیکن مذاکرات کا عمل جاری رکھا گیا۔

(Sukarno an autobiography as told to Cindy Adams, The Bobbs Merrill Company, Newyork 1965 p 216-238)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اگست ۱۹۴۶ء میں انڈونیشیا کے معاملے میں اپیل کی اور فرمایا کہ جاوا اور سماٹرا میں مسلمان سات کروڑ کے قریب ہیں اور یہ آپس میں متحد رہنے کے خواہشمند ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"انڈونیشیا کے مسلمانوں نے اس لڑائی میں جو آزادی کے لئے وہاں لڑی جا رہی ہے اپنے متحد ہونے کا بہت اچھا نمونہ پیش کیا ہے اور یہ ایسا نمونہ ہے جو ہمیں عرب ممالک میں بھی نظر نہیں آتا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کی حکومتیں مصر سے ملنے کو تیار نہیں، شامی حکومت فلسطین حکومت سے متحد ہونے کو تیار نہیں، یمن کی حکومت نجد سے تعاون کرنے کو تیار نہیں، غرض علاقہ کسی دوسرے علاقے کے ماتحت یا اس سے متحد ہونے کو تیار نہیں لیکن انڈونیشیا کے جزائر نے ایسی اعلیٰ خوبی کا

مظاہرہ کیا ہے جس سے دوسری اسلامی دنیا قاصر رہی ہے۔ان کی ابھی تک آواز ایک ہے،ان کی بولی ایک ہے مجھے افسوس ہے کہ باقی اسلامی ممالک اتحاد کی خوبی کو محسوس نہیں کرتے ان میں سے ہر ایک کی آواز جداگانہ رنگ رکھتی ہے۔اب اگرچہ عربوں نے بین الاقوامی معاملات میں اتحاد پیدا کیا ہے لیکن اندرونی معاملات میں ابھی تک انشقاق اسی طرح جاری ہے۔انڈونیشیا کے جزائر ہی موجودہ وقت میں ایسے ہیں جن کی آواز ایک ہے اور جو اندرونی اور بیرونی معاملات میں متحد نظر آتے ہیں۔یہ سات کروڑ آبادی کے پانچ سات جزائر ایشیائی ممالک کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ ایشیائی ممالک کی کنجی سنگاپور ہے اور وہ بھی ان جزائر سے علیحدہ نہیں رہ سکتا ......اگر ان جزائر کو آزادی مل جائے تو یہ جزائر اسلامی تعلیم کو پھیلانے اور اسلامی عظمت کو قائم کرنے میں بہت بڑا ذریعہ بن سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ باقی اسلامی ممالک نے ان جزائر کی تائید میں بہت کم آواز اُٹھائی ہے۔اور ان جزائر کی ہمدردی میں بہت کم حصہ لیا ہے۔یہی ایک خطہ ہے جہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ان میں اتحاد ہے۔ان کی آواز ایک ہے مسلمانوں کو ایسے علاقے کی امداد کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور ان کی آزادی کا ڈچ حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے۔اگر ان کو آزادی مل جائے تو ان کی آزادی سے باقی ممالک کو بھی بہت سے فوائد حاصل ہوسکتے ہیں کیونکہ ساری دنیا میں صرف انڈونیشیا ایک ایسا علاقہ ہے جس میں چھ سات کروڑ مسلمان ایک زبان بولنے والے اور ایک قوم کے بسنے والے ہیں اور جن کے علاقہ میں غیر لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں اور جن میں اتحاد کی روح اس وقت زور سے بیدار ہو رہی ہے۔دنیا بھر میں اور کوئی علاقہ اسلامی مرکز ہونے کی اس قدر اہلیت نہیں رکھتا۔''

پھر حضور نے باہر سے انڈونیشیا کی تحریک کی مدد کے بارے میں فرمایا:

''پس اس وقت اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اخباروں میں،رسالوں میں،اپنے اجتماعوں میں مسلمان اپنے بھائیوں کے حق میں آواز اُٹھائیں اور ان کی آزادی کا مطالبہ کریں۔اگر اب ان کی امداد نہ کی گئی تو مجھے خدشہ ہے کہ ڈچ ان کی آواز کو بالکل دبادیں گے۔وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں کہ آہستہ آہستہ انڈونیشیا کے شور پر قابو پالیں اور اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوگئے ہیں۔اور دنیا کی نظریں اب انڈونیشیا سے ہٹ گئی ہیں اور انڈونیشیا کے لوگ بھی یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اب ہم اکیلے رہ گئے ہیں۔لیکن اگر دنیا میں ان کی حمایت میں اور ان کی تائید میں آوازیں بلند ہوں ایک شور برپا ہوجائے تو وہ دلیری اور بہادری

سے مقابلہ کریں گے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ ہم اکیلے نہیں لڑ رہے بلکہ ہمارے کچھ اور بھائی بھی ہماری پشت پر ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک انسان یہ سمجھتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے مقابلہ کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ جوش کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ میں اکیلا ہوں اور مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا تو اس کے جوش میں کمی آ جاتی ہے۔ پس اگر انڈونیشیا کے لوگوں کے کانوں میں یہ آواز پڑتی رہے کہ ہم تمہاری ہر قسم کی امداد کریں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا ہم تمہارے لئے قربانی کریں گے اس آزادی کی جنگ میں آپ لوگ اکیلے نہیں لڑ رہے بلکہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں اور پھر جہاں تک ممکن ہو دنیا کے مسلمان اپنے ان مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کی کوشش کریں تو وہ اپنی آزادی کے لئے بہت زیادہ جد وجہد کریں گے اور اُمید کی جا سکتی ہے کہ ان کو جلد آزادی مل جائے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا باقی ارشاد پیش کرنے سے قبل ہم حضور کے اس ارشاد کے بارے میں چند حقائق پیش کرتے ہیں۔ کسی گروہ کی ہمدردی اور مدد اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک اس کے حالات کا علم نہ رکھا جائے اور اس کی مشکلات پر نظر نہ رکھی جائے۔ حضور نے صرف انڈونیشیا کی جنگِ آزادی لڑنے والوں کی ہمدردی میں یہ تحریک نہیں فرمائی تھی بلکہ آپ نے ان کے حالات اور ضروریات پر گہری نظر بھی رکھی ہوئی تھی۔ اس وقت انڈونیشیا کے اندرونی حالات کیا تھے اس کے متعلق انڈونیشیا کے بانی صدر اور تحریک آزادی کے قائد سوکارنو (Sukarno) نے اپنی سوانح حیات میں تفصیلات بیان کی ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں وہ اس دور کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"We were isolated.Our capital was surrounded by enemy territory. We could not trade.The isolation had worked ruin with our pitiable attempts at economic stability."

ترجمہ: ہم تنہا ہو چکے تھے۔ ہمارا دار الحکومت دشمن کے علاقے میں گھرا ہوا تھا۔ ہم تجارت نہیں کر سکتے تھے۔ ہماری تنہائی ہماری ان قابل رحم کوششوں کو تباہ کر رہی تھی جو ہم اقتصادی استحکام کے لئے کر رہے تھے۔

(Sukarno an autobiography as told to Cindy Adams,The Bobbs Merrill Company,Newyork 1965p237)

جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا اس وقت انڈونیشیا کی جد وجہد آزادی کو بڑی مدد کی ضرورت تھی ان کی آزاد حکومت

شدید مشکلات کا شکار تھی یہاں تک کہ کسی غیر ملکی مہمان کو بلایا جاتا تو اس کے لئے مناسب برتن مہیا کرنا دوبھر ہو جاتا۔ جب ایک ڈاکٹر صاحب کو ملک کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا گیا تو ان کا پہلا ردِ عمل یہ تھا کہ شکر ہے میرے ایک جاننے والے کا قد و قامت میری طرح ہے میں اس کا سوٹ ادھار لے لوں گا۔ ہر پانچ دس لڑنے والوں پر ایک بندوق موجود تھی۔ اپنے ملک کی پیداوار باہر بھجوا کر اس کے بدلے میں حسبِ ضرورت اشیاء حاصل کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ بنا ہوا تھا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ اس مرحلہ پر جب انڈونیشیا کی جنگ آزادی کو ہر طرف سے مشکلات نے گھیرا ہوا تھا، اب کیا کرنا چاہئے؟ اس کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا:

> ''اس وقت تمہارا عارضی صلح کر لینا تمہاری طاقت کو ضائع ہونے سے بچا لے گا۔ فرض کرو اگر اس وقت ڈچ انڈونیشیا کو چھوڑ کر چلے جائیں تو انڈونیشیا میں اپنی طاقت نہیں کہ وہ بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے اور یہ بات قرین قیاس بلکہ صاف طور پر نظر آتی ہے کہ دوسری مغربی قومیں انڈونیشیا میں دخل اندازی شروع کر دیں گی اور خصوصاً روس کی نظریں تو ہر طرف انڈونیشیا کی طرف لگی رہتی ہیں کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ نے چینی سمندر کے بعض اڈوں پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ ان سمندروں پر اپنا اثر و نفوذ پیدا کر رہے ہیں۔ روس یہ چاہتا ہے کہ سماٹرا جاوا پر میرا قبضہ ہو جائے اور اس طرح سے امریکہ اور برطانیہ کے اثر و نفوذ کو کم کر دوں اور ان کا مقابلہ کر کے ان سمندروں پر اپنا قبضہ جما سکوں۔ ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ ہالینڈ والوں سے جتنی آزادی تمہیں مل سکتی ہے وہ لے لو اور پھر اپنی بری اور بحری طاقت کو بڑھانے کی کوشش کرو۔ پھر جب یہ طاقت تمہارے ہاتھوں میں آ جائے گی تو پچاس ساٹھ لاکھ کی آبادی کے ملک کی طاقت کیا ہے کہ وہ سات کروڑ انسانوں پر حکومت کر سکے۔''

حضور نے یہ مشورہ جنگِ آزادی لڑنے والوں کو کس ذریعہ سے بھجوایا تھا، حضور نے اس بات کو ظاہر نہیں فرمایا تھا لیکن انہی دنوں میں حضور نے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ حضور کی طرف سے مشورہ انہیں بھجوایا گیا ہے۔ حضور کا یہ ارشاد اگست ۱۹۴۶ء کا ہے۔ اور اس سے قبل ہی ۱۹۴۶ء کے ابتدائی مہینوں میں دونوں فریق صلح کے لئے ہالینڈ میں جمع ہوئے تھے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ اور خود انڈونیشیا کی تحریک آزادی کے قائد سوکارنو کا اس مرحلہ پر مذاکرات کے عمل کے متعلق کہنا تھا۔ The talks failed.It was a hopeless deadlock یعنی مذاکرات ناکام ہو گئے اور ایک ایسے ڈیڈلاک پر پہنچ گئے کہ کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔

(Sukarno an autobiography as told to Cindy Adams, The Bobbs Merrill Company, Newyork 1965 p238)

لیکن اس مرحلہ پر حضور یہ مشورہ دے رہے تھے کہ عارضی صلح کر کے اپنی قوت کو بڑھانا ہی مناسب ہو گا۔اس وقت انڈونیشیا کی پوری اطلاعات باہر کی دنیا تک پہنچ بھی نہیں رہی تھیں اور دورانِ جنگ یہ مناسب بھی نہیں تھا کہ انڈونیشیا کی جنگِ آزادی لڑنے والے اپنی کمزوریوں کو ظاہر بھی کر دیتے لیکن بعد میں صدر سوکارنو نے خود اعتراف کیا کہ ۱۹۴۶ء کے اس حصہ میں ان کے لئے جنگ میں وقفہ ڈالنا ضروری ہو چکا تھا۔چنانچہ صدر سوکارنو بیان کرتے ہیں:

" We, too were eager for respite,since the daily fighting throughout localised areas of archipelago was draining us steadily"

ترجمہ: ہمیں بھی وقفہ کی اشد ضرورت تھی ،جزائر میں مخصوص مقامات پر روزانہ کی جنگ نے ہمیں نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

(Sukarno an autobiography as told to Cindy Adams,The Bobbs Merrill Company,Newyork 1965p237)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انڈونیشیا کی جنگِ آزادی کے اصل حالات سے پوری طرح واقف تھے۔اور صحیح مشورہ وہی دے سکتا ہے جو کہ بدلتے ہوئے حالات پر نظر رکھے ہوئے ہو۔ورنہ صرف یہ کہنا کہ لڑو اور لڑتے جاؤ نہ تو دانشمندی ہے اور نہ ہی اسے مخلصانہ مشورہ کہا جاتا ہے۔

حضور نے اس بات پر زور دیا کہ دوسرے مسلمان ممالک کو چاہئے کہ وہ انڈونیشیا کی آزادی کے لئے آواز اُٹھائیں اور فرمایا:

''پس اس قسم کے مضامین بار بار اخباروں میں لکھے جائیں اور ڈچ حکومت کو بتایا جائے کہ وہ اگر انڈونیشیا کو آزاد نہ کرے گی تو خطرہ ہے کہ وہاں کمیونزم پھیل جائے گا جو تمام دوسری حکومتوں کے لئے مضر ہو گا۔اس وقت امریکہ اور برطانیہ کمیونزم کے سخت دشمن ہیں ان کو اس وجہ سے توجہ پیدا ہو گی اور ڈچ حکومت کو سمجھوتا کے لئے مجبور کریں گے۔یورپ میں باقی ممالک کے علاوہ ہالینڈ والوں کو خاص توجہ دلانی چاہئے کہ تمہارا جاوا سماٹرا کو آزاد کرنا تمہارے لئے کمزوری کا باعث نہیں ہو گا۔بلکہ تقویت کا موجب ہو گا...... ہالینڈ والوں کو سمجھایا جائے کہ انڈونیشیا والے غیر زبانوں میں سے صرف ڈچ زبان بولتے ہیں اس لحاظ سے بھی وہ تم سے الگ نہیں ہو سکتے۔اور انڈونیشیا والے یوں بھی تم سے الگ نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے کئی لیڈروں نے ڈچ عورتوں سے شادی کی ہوئی ہے اور ہالینڈ میں تعلیم حاصل کی ہوئی ہے اور جس قدر اس

ملک میں تعلیم یافتہ ہیں وہ ڈچ زبان بولتے اور لکھتے ہیں اور اس قسم کے تعلقات منقطع کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر تم محبت اور صلح کے ساتھ ان لوگوں کو آزاد کرو گے تو ان کے دلوں میں تمہارے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوں گے اور اگر تم ان پر ظلم اور تعدی کرو گے تو آزاد ہونے کے بعد ان کے دلوں میں تمہارے خلاف سخت بغض ہوگا کیونکہ ایک شخص سے اس کا بھائی لڑے تو اس کے دل میں اس کے خلاف بہت زیادہ بغض پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ بھائی ہو کر اس نے مجھ ظلم کیا غیر کرتا تو مجھے افسوس نہ ہوتا۔ اس طرح ڈچ اگر انڈونیشیا کو آزاد نہ کر سکے تو ان کے خلاف ان کا بغض شدید ہوگا کیونکہ ہالینڈ نے اس ملک سے سینکڑوں سال فائدہ اُٹھایا ہے۔ اتنا لمبا عرصہ فائدہ اُٹھانے کے بعد بھی اور اتنے تعلقات کے بعد بھی وہ جونک کی طرح چمٹے رہیں تو دلوں میں بغض زیادہ پیدا ہوگا ......"

بہر حال شمال مشرقی جاوا میں Linggadjati کے مقام پر دوبارہ مذاکرات شروع ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں سیز فائر ہوا اور دونوں فریقوں کے درمیان نومبر میں ایک معاہدہ طے پا گیا۔ اس کی رو سے ہالینڈ کی حکومت نے جاوا سماٹرا اور Madura کے جزائر میں آزاد حکومت کو de facto طور پر تسلیم کر لیا۔ یہ طے پایا کہ دونوں فریق باہمی تعاون سے ایک متحدہ ریاست ہائے انڈونیشیا قائم کریں گے جس میں مندرجہ بالا جزائر کے علاوہ بورنیو اور مشرقی جزائر بھی شامل ہوں گے۔ یہ متحدہ ریاست ہائے انڈونیشیا اور سلطنت ہالینڈ جس میں سرینام اور لاطینی امریکہ کے مقبوضہ علاقے شامل ہوں گے۔ سیاسی برابری کی بنیاد پر مل کر نیدرلینڈ۔ انڈونیشیا یونین بنائیں گے جو کہ یکم جنوری ۱۹۴۹ء تک معرض وجود میں آجائے گی اور ہالینڈ کی ملکہ اس کی سربراہ ہوگی۔ ہالینڈ کی افواج مرحلہ وار انڈونیشیا سے نکال لی جائیں گی اور انڈونیشیا میں ہالینڈ کے اقتصادی مفادات کا تحفظ کیا جائے گا۔ اس میں انڈونیشیا والوں کے سب مطالبات تسلیم تو نہیں کئے گئے تھے لیکن انہیں پھر بھی بہت کچھ مل گیا تھا اور سب سے بڑھ کر انہیں اب جنگ سے وہ وقفہ مل گیا تھا جس کی انہیں اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ اب انہوں نے اپنی فوج کو منظم کرنا شروع کیا۔ محدود وسائل کے مطابق اپنی بحریہ اور فضائیہ بنانی شروع کی۔ بیرونی ممالک میں اپنے سفارت خانے بنانے شروع کئے۔ اور بیرونی حکومتوں سے تعلقات بنانے شروع کئے۔ جیسا کہ حضور نے پہلے ہی اس بات کی نشاندہی فرمائی تھی کہ ہالینڈ والوں کے لئے اب بہتر یہی تھا کہ وہ اس معاہدہ کی پیروی کریں اور یہاں پر اپنے دیرینہ تعلقات سے کافی فوائد حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن ہالینڈ کی حکومت یہ باتیں سمجھنے سے قاصر تھی۔ جلد ہی یہ آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے کہ ان کی نیت بخیر نہیں۔ پہلے کٹھ پتلی ریاستیں بنا کر حملے شروع ہوئے اور پھر ۲۱ / جولائی ۱۹۴۷ کو ہالینڈ کی افواج نے باقاعدہ انڈونیشیا پر حملہ کر دیا۔ صدر سوکارنو کو بھی گرفتار کیا گیا۔ ان کے ٹینک، ہوائی جہاز اور بحری جہاز انڈونیشیا پر حملہ آور ہو گئے۔ لیکن

جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا اب ہالینڈ جیسی مملکت کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ انڈونیشیا جیسے بڑے ملک کو اپنا غلام بنا کر رکھ سکے۔ انڈونیشیا ان کے لئے تر نوالہ نہیں تھا جلد ہی چپہ چپہ پر مزاحمت شروع ہوگئی۔ حضور نے پہلے ہی نشاندہی فرمائی تھی کہ ہالینڈ کے اتحادیوں کو یہ سمجھا کر کہ یہ طرز عمل خود تمہارے مفادات کو نقصان پہنچا سکتا ہے انہیں اس بات پر آمادہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہالینڈ پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اب انڈونیشیا کو آزادی دے۔ چنانچہ اب یہی ہو رہا تھا امریکہ نے اس کی مذمت کی، آسٹریلیا نے مذمت کی۔ معاملہ سکیورٹی کونسل میں گیا اور سکیورٹی کونسل نے سیز فائر کا حکم دیا۔ سیز فائر شروع ہوا اور مصالحت کا راستہ نکالنے کے لئے مختلف ممالک کی طرف سے کاوشیں شروع ہوئیں لیکن دسمبر ۱۹۴۸ میں پھر ہالینڈ نے انڈونیشیا پر حملہ کر دیا اور شہروں پر قابض بھی ہوئے لیکن پھر جگہ جگہ مزاحمت شروع ہوگئی ایک بار پھر یہ نظر آ رہا تھا کہ ہالینڈ جتنا مرضی زور لگا لے وہ یہ جنگ جیت نہیں پائے گا۔ اس کے پرانے اتحادی بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی افواج کے حالات بدتر ہونے لگے، اب وہ مذاکرات پر آمادہ ہو رہے تھے۔ ہیگ میں مذاکرات شروع ہوئے۔ اور انڈونیشیا کی آزادی پر اتفاق ہو گیا۔ ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو سوکارنو وطن واپس آئے۔ لاکھوں لوگ ہر جگہ ان کے استقبال کے لئے آئے تھے ان کی کار کا آگے بڑھنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ اپنے صدارتی محل پہنچے اور سیڑھیاں چڑھ کر انہوں نے اپنے ہاتھ ہوا میں بلند کئے اور ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ صدر سوکارنو نے کہا:

''الحمدللہ۔ ہم آزاد ہیں''

(Sukarno an autobiography as told to Cindy Adams, The Bobbs Merrill Company, Newyork 1965 p238-263)

غیر ملکی قرضے نہ لینے کی نصیحت

قیام پاکستان کے فوراً بعد ملک کو شدید مالی بحران کا سامنا تھا۔ تقسیم کی طے شدہ تفصیلات کے مطابق جو ملک کو اثاثے ملنے چاہئے تھے وہ ابھی تک نہیں ملے تھے۔ اس صورت حال میں فوری طور پر اس بحران سے نمٹنے کے لئے امریکہ سے قرضہ حاصل کرنے کی کوششیں شروع کی گئیں۔ آزادی کے پندرہ روز کے بعد ہی وزیر خزانہ غلام محمد صاحب نے کراچی میں امریکی ناظم الامور سے غیر رسمی بات چیت میں عندیہ دے دیا تھا کہ پاکستان امریکہ سے قرضہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد پہلے خصوصی ایلچی اور پھر امریکہ میں پاکستان کے سفیر اصفہانی صاحب نے امریکی بینک اور وزارت خارجہ میں اس قرضے کے حصول کے لئے کوششوں کا آغاز کیا۔ ابتداء میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ پاکستانی حکومت کی کوشش تھی کہ ایک مالی مشن امریکہ کا دورہ کر کے قرضے کے حصول کے لئے بات چیت کرے۔

مجوزہ قرضے کی رقم کچھ تھوڑی نہیں تھی بلکہ یہ تجویز کیا جا رہا تھا کہ بیس کروڑ سے لے کر ساٹھ کروڑ ڈالر تک کی رقم کا قرضہ لیا جائے۔ اخباروں میں بھی اس کی بابت خبریں شائع ہو رہی تھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے ۷؍ اگست ۱۹۴۷ء کو لاہور میں ایک لیکچر دیا۔ اور اس لیکچر میں حضور نے ملک کو درپیش مالی مسائل کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا

> **" لیکن بیرونی سلطنتوں خصوصاً امریکہ سے قرضہ لینا ہماری آزادی کے لئے زبردست خطرے کا باعث ہوگا لہٰذا اس کا علاج صرف یہ ہے کہ بیرونی کمپنیوں کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی مشروط اجازت دی جائے۔ ان فرموں کو چالیس فیصد حصے دیئے جائیں اور چالیس فیصدی حکومتِ پاکستان دے۔ باقی بیس فیصدی حصوں کے مالک پاکستان کے عوام ہوں۔ اس سلسلے میں فرموں سے یہ شرط بھی کی جائے۔ کہ وہ ہمارے حصے داروں کو ساتھ کے ساتھ ٹریننگ دیں گے۔"**

یہ لیکچر فیروز خان نون صاحب کی صدارت میں ہوا۔ جو بعد میں ملک کے وزیرِ اعظم بھی بنے۔ زمیندار جیسے مخالف اخبار نے اس لیکچر کی خبر اس سرخی کے ساتھ شائع کی 'امریکہ سے قرضہ لینا پاکستان کی آزادی کو خطرے میں ڈالنا ہے۔' اور اپنی رپورٹ میں اس لیکچر کو پاکستان کی زراعت، اقتصادیات اور معاشیات پر ایک فصیح و بلیغ لیکچر قرار دیا۔ اگلے لیکچر میں حضور نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قرضے کی وہ شکل نہیں ہوگی جو اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ تاہم میرے نزدیک اس تجویز پر عمل کرنے سے قبل متعدد اہم امور پر غور کرنا ضروری ہے۔ اور ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے اس امر پر بھی زور دیا کہ اس تجویز کے متعلق ملک کی اسمبلی کی منظوری حاصل کر لینی چاہیئے۔

(زمیندار ۱۰؍ دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۵، الفضل ۱۹؍ دسمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴، الفضل ۱۸؍ جنوری ۱۹۴۷ء)

واضح رہے کہ یہ انتباہ اس وقت کیا گیا تھا جب کہ ابھی پاکستان نے امریکہ یا کسی اور جگہ سے ایک قرضہ بھی حاصل نہیں کیا تھا۔ اس کے کچھ دن کے بعد ۱۷؍ دسمبر کو امریکہ نے پاکستان کو قرضہ دینے سے حتمی انکار کر دیا۔ لیکن افسوس حکومتِ پاکستان کی ترجیحات میں قرضوں کا حصول بدستور شامل رہا۔ اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ جب قرضے ملنے لگے تو بغیر کسی منصوبہ بندی کے ملک پر اتنے قرضوں کا بوجھ ڈال دیا گیا کہ وہ تمام خدشات درست ثابت ہوئے جن کا اظہار حضور نے اپنے لیکچر میں فرمایا تھا۔ اور اس وقت کوئی آواز قرضہ لینے کے خلاف نہیں اُٹھ رہی تھی۔

قرضوں کا بوجھ تیزی کے ساتھ بڑھتا گیا۔ ۱۹۸۰ء میں بیرونی قرضوں کا بوجھ دس ارب ڈالر تھا۔ ۱۹۹۰ء تک یہ بوجھ بڑھ کر بیس ارب ڈالر ہو چکا تھا۔ اور مئی ۱۹۹۸ء تک پاکستان ۴۲ ارب ڈالر کے بیرونی قرضوں کے بوجھ کے نیچے

دبا ہوا تھا۔ ملک کی برآمدات سے کمائے گئے زرِمبادلہ کا دوتہائی تو محض قرضوں اور ان کے سود کی ادائیگی کی نذر ہوتا رہا ہے۔ بجٹ کا سب سے بڑا حصہ قرضوں اور ان کے سود کی ادائیگی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ۲۰۰۴-۰۵ کے مالی سال میں ۲۶۵۳۳۰ ملین روپے debt servicing پر خرچ ہوئے جبکہ ترقیاتی اخراجات پر اس سے تقریباً نصف رقم خرچ کی گئی۔ اس صورتِ حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی ترقی بری طرح متاثر ہوئی کیونکہ بجٹ کا بڑا حصہ تو قرضوں اور سود کی ادائیگی میں خرچ ہو رہا ہے۔ اور جو قرضے لئے گئے تھے وہ بھی صحیح طور پر استعمال نہیں کئے گئے۔ اور پھر ان قرضوں کی ادائیگی کے لئے مزید قرضے لینے پڑے۔ جس کے نتیجے میں بوجھ بڑھتا ہی گیا۔ اور جیسا کہ حضور نے انتباہ فرمایا تھا، اس کے نتیجے میں ملک کی حقیقی آزادی بھی گروی رکھنی پڑی۔ جب ایک مقروض حکومت اپنی پالیسی بنانے کے لئے بیٹھتی ہے تو اسے ان ممالک اور عالمی اداروں کی ہدایات کی پیروی کرنی پڑتی ہے جن کے دیئے گئے قرضوں کے تلے ملکی معیشت کی کمر دوہری ہو رہی ہے۔

سیّدنا حضرت مصلح موعود اور علم قرآن

(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب)

رجال فارس کے ذریعہ علوم قرآن کے ظہور کی پیشگوئی

سورۃ جمعہ کی ابتدائی آیات میں ذکر ہے کہ خدائے قدوس نے روئے زمین پر اپنی بادشاہت قائم کرنے کے لئے اپنے برگزیدہ نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جس نے انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ کتاب اور حکمت سکھائی اور پاک کیا جبکہ اس سے پہلے وہ ایک کھلی گمراہی میں تھے۔ وہی غالب اور حکیم خدا آخرین یعنی ایک دوسری قوم میں جو ابھی ان سے نہیں ملی (بعد میں آنے والی ہے) دوبارہ رسول کی بعثت کرے گا جو ان کو کتاب وحکمت سکھا کر ان کا تزکیہ کرے گا۔

سورۃ جمعہ کی ان آیات کے نزول پر صحابہ نے پوچھا کہ ''وہ آخرین کون لوگ ہیں؟'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

> ''اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوا تو ایک فارسی الاصل یا کچھ فارسی مرد اسے واپس لے آئیں گے۔'' (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ)

دوسری روایت میں ایمان کی بجائے دین اور علم کے الفاظ بھی ہیں یعنی اگر دین اور علم ثریا کی بلندی پر اٹھ گیا تو ابناءِ فارس اسے واپس لے آئیں گے۔ (مسلم کتاب الفضائل و مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۲۰)

یہ پیشگوئی بڑی شان کے ساتھ بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی موعود کے ذریعہ پوری ہوئی۔ جن کو بار بار وحی الٰہی سے اس حدیث کا اوّل مصداق ٹھہرایا گیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۶۸ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۰۲)

پیشگوئی مصلح موعود اور شرف کلام اللہ

قرآن کی تعلیم وخدمت اور اس کی اشاعت کا فیض عام کسی فرد سے محدود نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی میں رجال فارس کا ذکر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد اس روحانی مشن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کے طفیل بطور نشان ایک موعود لڑکے کی پیدائش کی بشارت دی۔ تا اس کے ذریعے دین حق کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ نیز اسے ''کلمۃ اللہ'' قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

> ''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا''۔ (مجموعہ اشتہارات جلد ۱ صفحہ ۹۵)

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی زندگی میں واضح فرما دیا کہ وہ موعود فرزند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (۱۸۸۹-۱۹۶۵)

تھے۔ جو ۱۹۱۴ء میں جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے اور خود انہوں نے ۱۹۴۴ء میں خدا تعالیٰ سے علم پانے کے بعد اسے گواہ ٹھہرا کر اپنے آپ کو اس پیشگوئی کا مصداق اور مصلح موعود قرار دیا۔ (خطبہ جمعہ ۲۸؍جنوری ۱۹۴۴ء)

اس پیشگوئی میں علوم ظاہری سے پُر کیے جانے کے نشان کے متعلق سیدنا حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

''پیشگوئی کے ان الفاظ کا.... یہ مفہوم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم دینیہ اور قرآنیہ سکھلائے جائیں گے اور خدا خود اس کا معلم ہوگا.... میری تعلیم جس رنگ میں ہوئی ہے وہ اپنی ذات میں ظاہر کرتی ہے۔ کہ انسانی ہاتھ میری تعلیم میں نہیں تھا''۔

امر واقعہ یہ ہے کہ بچپن سے ہی حضرت مصلح موعود کی صحت خراب رہتی تھی۔ آپ کو آشوب چشم کی تکلیف کے باعث مدرسہ کی رسمی تعلیم کے حصول میں بھی دقت رہی۔ پھر خرابی جگر اور تلی بڑھ جانے کے ساتھ بخار اور گلے میں خنازیر کی شکایت بھی ایک عرصہ تک رہی۔ آپ نے حضرت خلیفہ اوّل سے قرآن اور بخاری اس طرح پڑھے کہ وہ پڑھتے جاتے اور آپ سنتے جاتے۔ یا اُن کا درس قرآن سنا اور عربی کے چند رسالے پڑھے۔

(الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد۱۷ صفحہ ۵۶۵ تا ۵۷۰)

بظاہر ان نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ بھی آپ کو قرآن شریف کے مطالب سے آگاہ فرمایا اور آپ نے ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیا:

''میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے قرآن سکھایا گیا ہے تو میں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا ہے اور اس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا میں استاد مقرر کیا ہے''۔

(الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد۱۷ صفحہ ۶۴۷)

فرشتوں کے ذریعہ قرآنی علوم کی تعلیم

فرشتوں کے ذریعہ قرآن سیکھنے کے روحانی تجربہ کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود نے فرمایا ''میں اس جگہ ایک اپنا مشاہدہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ میں چھوٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ میں مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوں اور میرے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اس میدان میں اس طرح کی ایک آواز پیدا ہوئی جیسے برتن کو ٹھکورنے سے پیدا ہوتی ہے یہ آواز فضا میں پھیلتی گئی اور یوں معلوم ہوا کہ گویا وہ سب فضاء میں پھیل گئی ہے اس کے بعد

اس آواز کا درمیانی حصہ متمثل ہونے لگا اور اس میں ایک چوکھٹا ظاہر ہوا شروع ہوا جیسے تصویروں کے چوکھٹے ہوتے ہیں پھر ہلکے ہلکے سے رنگ پیدا ہونے لگے آخر وہ رنگ روشن ہو کر ایک تصویر بن گئے اور اس تصویر میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ ایک زندہ وجود بن گئی اور میں نے خیال کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے۔ وہ فرشتہ مجھ سے مخاطب ہوا اور اس نے مجھے کہا کہ میں تم کو سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھاؤں تو میں نے کہا کہ ہاں آپ مجھے ضرور اس کی تفسیر سکھائیں پھر اس فرشتہ نے مجھے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی شروع کی یہاں تک کہ وہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ تک پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے مجھے کہا کہ اس وقت تک جس قدر تفاسیر لکھی جا چکی ہیں وہ اس آیت تک ہیں۔ اس کے بعد کی آیات کی تفسیر اب تک نہیں لکھی گئی۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کیا میں اس کے بعد کی آیات کی تفسیر بھی تم کو سکھاؤں اور میں نے کہا ہاں۔ جس پر فرشتہ نے مجھے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اور اس کے بعد کی آیات کی تفسیر سکھائی شروع کی اور جب وہ ختم کر چکا تو میری آنکھ کھل گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ اس تفسیر کی ایک دو باتیں مجھے یاد تھیں۔ لیکن معاً بعد میں سو گیا اور جب اٹھا تو تفسیر کا کوئی حصہ بھی یاد نہ تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مجھے ایک مجلس میں اس سورۃ پر کچھ بولنا پڑا اور میں نے دیکھا کہ اس کے نئے نئے مطالب میرے ذہن میں نازل ہو رہے ہیں اور میں سمجھ گیا کہ فرشتہ کے تفسیر سکھانے کا یہی مطلب تھا۔ چنانچہ اس وقت سے لیکر آج تک ہمیشہ اس سورۃ کے نئے نئے مطالب مجھے سکھائے جاتے ہیں۔ جن میں سے سینکڑوں میں مختلف کتابوں اور تقریروں میں بیان کر چکا ہوں اور اس کے باوجود وہ خزانہ خالی نہیں ہوا''۔

(تفسیر کبیر جلد اول ص ۶۰۵)

دین حق کا شرف اور نسخ فی القرآن کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کے ذریعہ قرآن کریم کی عظمت اور شان کو قائم فرمایا۔ آپ نے قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ آیات کی موجودگی کے خلاف شان عقیدہ کی دلائل سے تردید فرمائی۔ اور ان آیات کے حل پیش فرمائے جن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ناسخ یا منسوخ قرار دیا جا رہا تھا۔

علماء و مفسرین نے قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کا عقیدہ تسلیم کرتے ہوئے پانچ سو تک آیات منسوخ قرار دیں جو کلام الٰہی پر ایسا دھبہ ہے۔ جس سے اس کے خدا کا کلام ہونے سے ہی اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے

۱۔ قرآن کی طرف ایسی آیات بھی منسوب کی جاتی ہیں جو اس میں موجود تو نہیں مگر ان پر عمل واجب ہے۔ جیسے آیت الرجم۔

۲۔ عقیدہ نسخ کے مطابق بعض ایسی آیات بھی ہیں جو قرآن میں موجود تو ہیں مگر ان کا حکم منسوخ مانا جاتا ہے۔ جیسے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (البقرہ ۲۵۷)

کہ دین میں جبر نہیں۔ اس آیت کو آیات جہاد و قتال سے منسوخ سمجھا جاتا ہے

۳۔ تیسرے ایسی آیات جن کے الفاظ اور حکم دونوں منسوخ ہیں۔ جیسے تحویل قبلہ سے متعلق آیات۔

(دیکھیں تفسیر روح المعانی، اتقان، فوز الکبیر)

یہ عقیدہ کسی قدیم زمانہ جاہلی سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ آج تک اس کے قائلین بڑے فخر سے یہ عقیدہ بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ دور حاضر کے ایک عالم مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن میں ایسی آیات موجود ہیں۔ جنکا حکم منسوخ ہو چکا ہے''۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۷۴)

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کو حکم وعدل بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ نے اصولی طور پر اس باطل عقیدہ کی تردید کر کے خدا کے کلام کی حفاظت کا حق ادا کر دکھایا۔ پھر آپ کے موعود فرزند حضرت مصلح موعود نے پیشگوئی کے مطابق کلام اللہ کا شرف قائم کرتے ہوئے نہ صرف اس عقیدہ کا رد کیا بلکہ منسوخ سمجھی جانیوالی آیات کی قابل فہم تفسیر سے ان کا معقول اور قابل قبول حل پیش فرمایا۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر بتایا کہ شروع سے لے کر آخر تک سارا قرآن قابل عمل ہے۔ بسم اللہ کی 'با' سے لیکر والناس کی 'س' تک قرآن کریم قائم اور قیامت تک کے لئے قابل عمل ہے۔ آپ کے یہ الفاظ مجھے خوب یاد ہیں کہ جب کوئی انسان اس بات کا قائل ہوگا کہ قرآن کریم کے اندر ایسی آیات بھی موجود ہیں جو منسوخ ہیں۔ تو اُسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ قرآن کریم پر غور کرے اور سوچے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ وہ تو کہے گا کہ جب اس میں ایسی آیات بھی ہیں جو منسوخ ہیں تو میں ان پر غور کر کے اپنا وقت کیوں ضائع کروں۔ ممکن ہے میں جس آیت پر غور کروں مجھے بعد میں معلوم ہو کہ وہ منسوخ ہے لیکن جو شخص یہ کہے گا کہ یہ کلام تمام کا تمام غیر منسوخ ہے اور اس کا ہر شوشہ تک قابل عمل ہے وہ اس کے سمجھنے کی بھی کوشش کرے گا اور اس طرح قرآن اس کی معرفت کی ترقی کا موجب بن جائے گا۔'' (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۹۷)

نسخ فی القرآن کے ثبوت میں سورۃ بقرہ کی آیت ۱۰۷ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ پیش کر کے اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ ہم کوئی آیت منسوخ کریں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لیکر آتے ہیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے یہ لطیف وضاحت فرمائی کہ یہاں آیت سے مراد قرآنی آیت نہیں بلکہ نشان کے معنے ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا:

''اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم قرآن کی کسی آیت کو منسوخ کر دیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب

ہم کسی نشان کو ٹلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر نشان لے آتے ہیں یا کم سے کم ویسا ہی نشان اور ظاہر کرتے ہیں تا کہ دنیا کے لئے ہدایت کا موجب بنے۔

''مفسرین نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ جب قرآن کی کوئی آیت منسوخ کی جائے تو ویسی ہی آیت اور آجاتی ہے۔ لیکن اگر کتاب ہی کی آیت مراد لینی ہو تو اس آیت کے یہ معنے لینے چاہئیں کہ اگر ہم تورات اور انجیل میں سے کسی حصہ کو منسوخ کریں تو قرآن کریم میں یا تو ویسی ہی تعلیم نازل کر دیں گے یا اس سے بہتر نازل کر دیں گے۔ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہوگی۔'' (تفسیر صغیر صفحہ ۲۴ حاشیہ نمبر ۲)

قائلین نسخ سورۃ نحل کی آیت ۱۰۲ کو بھی نسخ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ نازل کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تو مفتری ہے''۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کیا خوب فرماتے ہیں:

''تاریخ سے کوئی ایک آیت بھی ثابت نہیں ہوتی جسے بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت رکھی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کے سینکڑوں حافظ جنہوں نے رسول کریمؐ کی زندگی میں قرآن کریم کو حفظ کر لیا تھا اس امر کی شہادت دیتے کہ پہلے ہمیں فلاں آیت کے بعد فلاں آیت یاد کروائی گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد اسے بدل کر فلاں آیت یاد کروائی گئی۔ اس قسم کی شہادت کا نہ ملنا بتاتا ہے کہ اس بارہ میں جس قدر خیالات رائج ہیں ان کی بنیاد محض ظنیات پر ہے نہ کہ علم پر۔ میں اس کا منکر نہیں کہ بعض احکام زمانہ نبویؐ میں بدلے گئے ہیں۔ مگر مجھے قرآن کریم کے کسی حکم کی نسبت ثبوت نہیں ملتا کہ پہلے اور طرح ہو اور بعد میں بدل دیا گیا ہو۔ میرے نزدیک جو احکام وقتی ہوتے تھے وہ غیر قرآنی وحی میں نازل ہوتے تھے۔ قرآن کریم میں اترتے ہی نہ تھے۔ اس لئے قرآن کریم کو بدلنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی۔'' (تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۲۷۳)

عصمت انبیاء

دین حق کے شرف کا تعلق خدا تعالیٰ کے کلام، اس کے مرسلین و مامورین کی سچائی اور عزت و عظمت کے قیام سے بھی ہے۔ انبیاء کی عصمت اہل اسلام کا مسلمہ عقیدہ ہے لیکن اس مسئلہ سے متعلق بعض قرآنی آیات کے ترجمہ و تفسیر میں مختلف علماء و مفسرین نے ٹھوکر کھائی۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور خود نبی کریمؐ کے بارہ میں بعض ایسے تراجم یا تفاسیر پائی جاتی ہیں جن سے نہ صرف

عصمت انبیاء پر زد پڑتی ہے۔ بلکہ خدا کے پاک کلام پر بھی حرف آتا ہے۔

حضرت ابراهیمؑ کا صدیق ہونا

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بائبل کی روایات سے متاثر ہوکر مسلمان علماء کی تفاسیر میں بھی بالعموم تین جھوٹ ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اوّل سورہ صافات: ۹۰ کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے ایک بحث کے دوران یہ کہا کہ میں سقیم یعنی بیمار ہوں حالانکہ آپ تندرست تھے۔ دوسرے سورۃ الانبیاء آیت: ۶۴ کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے بت توڑے پھر ان کے توڑنے سے انکار کیا۔

اس کا اصولی جواب تو سورہ مریم کی آیت: ۴۲ میں ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کو صِدِّيقًا نَّبِيًّا یعنی سچا نبی قرار دیا ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے سیّدنا حضرت مصلح موعود نے بیان فرمایا کہ

> ”بائبل ابراہیمؑ کو جھوٹا قرار دیتی ہے۔ پیدائش ۱۳-۱/۲۰ کہ اس نے بادشاہ سے ڈر کر اپنی بیوی کو بہن کہا... یہ بیان بالکل غلط ہے۔ ابراہیمؑ صدیق بھی تھا اور نبی بھی تھا۔ یعنی سچ کی اسے اتنی عادت تھی کہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا تھا۔“ (تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۲۶۱ - ۲۶۰)

حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب ہونے والے جھوٹوں کی تردید اور ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے مزید بیان فرمایا کہ

۱- اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصافات: ۹۰) کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی بیمار ہوں بلکہ ستاروں کی چال کے اندازہ کے مطابق بیمار ہونیوالا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں ”قرآن کریم بتا چکا ہے کہ ابراہیمؑ ان باتوں پر ایمان نہیں رکھتا تھا مگر اپنی قوم کو شرمندہ کرنے کے لئے اس نے کہا کہ تمہاری جوتش کے اصول سے تو میں بیمار ہونیوالا ہوں۔ مگر دیکھنا کہ خدا تعالیٰ مجھے کیا کیا توفیق دیتا ہے اور تم کو جھوٹا ثابت کرتا ہے۔“ (تفسیر صغیر صفحہ ۵۹۰ حاشیہ)

۲- سورہ انبیاء آیت ۶۴ میں بت توڑنے سے حضرت ابراہیمؑ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ جیسا کہ آیت میں بَلْ فَعَلَہٗ کے بعد وقف ہے۔ اسے مدنظر رکھ کر آیت کو پڑھا جائے تو آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے کہ ”ابراہیمؑ نے کہا آخر کسی کرنیوالے نے تو یہ کام ضرور کیا ہے۔ یہ سب سے بڑا بت سامنے کھڑا ہے۔ اگر وہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ کر دیکھو۔“ (تفسیر صغیر صفحہ ۴۱۵)

آیت میں وقف نہ کرنے کی صورت میں اس کا حل بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

> ”دوسرے معنے یہ ہیں کہ ابراہیمؑ اپنی عادت کے مطابق تعریضاً کلام کرتے ہیں کہ نہیں میں نے کیوں کرنا تھا۔ اس نے کیا ہوگا۔ ایسے کلام سے مراد انکار نہیں بلکہ یہ مراد ہوتا ہے کہ کیا یہ سوال

بھی پوچھنے والا تھا میں نہ کرتا تو کیا اس بت نے کرنا تھا۔" (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۳۰)

۳- بیوی کو دینی لحاظ سے بہن قرار دینے والی روایت اگر درست بھی ہو تو تعریضی کلام کی ذیل میں آئے گی۔

حضرت لوطؑ اور ان کی بیٹیوں کی عزت و حرمت

سورہ ھود آیت ۷۹ اور النحل آیت ۷۲ میں حضرت لوطؑ کے اجنبی مہمانوں کی آمد پر قوم کے اشتعال میں آنے کا ذکر ہے۔ جس پر حضرت لوطؑ نے فرمایا ھٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ ان آیات کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ حضرت لوطؑ کی قوم اجنبی مردوں سے بے حیائی کا ارتکاب کرتی تھی۔ حضرت لوطؑ کے مہمانوں کی آمد پر قوم نے انہیں منع کیا تو نعوذ باللہ آپ نے فرمایا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم یہی کام کرنا چاہتے ہو یعنی لذت اور اپنی خواہش پوری کرنا تو میری بیٹیوں سے شادی کرلو۔ آپ نے بیٹیوں کے بدلہ مہمانوں کو قبیح فعل سے بچانا چاہا۔ (تفسیر سراج اللبید جز اول صفحہ ۳۶۶)

سیدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

> "حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں اس شہر کے لوگوں میں بیاہی ہوئی تھیں۔ مسلمان مفسر اس جگہ غلطی سے یہ معنی کرتے ہیں کہ میری لڑکیوں سے اپنی شہوت پوری کرو۔ اور میرے مہمانوں کو نہ چھیڑو۔ یہ ایک خطرناک خیال ہے اور ایک نبی کی ذات پر حملہ ہے۔ آیت کا مفہوم صاف ہے کہ ان لوگوں کو جیسا کہ قرآن مجید اور بائبل سے ثابت ہے کہ یہ غصہ تھا کہ لوط اجانب کو کیوں لائے یہ خواہش نہ تھی کہ انہیں اپنی شہوت کا شکار بنائیں۔ اور جیسا کہ بائبل کہتی ہے دو لڑکیاں پہلے سے ان میں بیاہی ہوئیں تھیں۔ ان کی طرف اشارہ کرنا لوط کو بیوقوف بنانا ہے۔ لوط صرف یہ کہتے تھے کہ ان لڑکیوں کی موجودگی سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میں یا میرے مہمان تم سے کوئی غداری نہیں کریں گے۔ پس خواہ مخواہ گھبراتے کیوں ہو۔" (تفسیر صغیر صفحہ ۲۸۲)

قصہ زلیخاء اور حضرت یوسفؑ کی برأت

حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے قصہ میں بھی مفسرین نے خدا کے ایک نبی کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں۔ جن کی ایک نبی تو کجا ایک عام خدا ترس انسان سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ہی ایسی روایات حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی طرف صحیح سند سے ثابت ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت یوسفؑ نے اس عورت کے ساتھ بدی کا ارادہ کر لیا تھا۔ جیسا کہ ان کے شاگرد مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت یوسفؑ زلیخا کے سامنے ایسے بیٹھ گئے جیسے خاوند اپنی بیوی سے ہم صحبت ہوتے ہوئے بیٹھتا ہے۔ (تفسیر طبری جز ۱۲ صفحہ ۱۸۲،۱۸۴ مطبوعہ مصر)

سیدنا حضرت مصلح موعود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اس آیت میں بتایا ہے کہ عزیز کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کے متعلق ایک ارادہ کیا لیکن وہ اسے پورا نہ کر سکی۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ نے اس کے متعلق ایک ارادہ کیا لیکن وہ بھی اس ارادہ کو پورا نہ کر سکے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ...... دونوں نے آپس میں بدی کا ارادہ کیا لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس کی نفی پہلی آیت میں ہو چکی ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ یوسف کو عزیز کی بیوی نے اس کے دلی خیالات کے خلاف پھسلانا چاہا اور اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کام کے بد انجام سے اس عورت کو بھی ڈرایا۔ اس آیت کی موجودگی میں ھَمَّ بِھَا کے یہ معنی کسی طرح نہیں کئے جا سکتے کہ یوسف نے اس عورت سے کسی بری بات کا ارادہ کر لیا"۔ (تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۲۹۷)

حضرت داؤدؑ پر ایک جرنیل کی بیوی پسند آ جانے کا الزام

حضرت داؤدؑ کے بارہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی خواہش اور دعا کے نتیجہ میں آزمائش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی ننانوے بیویاں تھیں۔ ایک جرنیل اھریا کی بیوی کو نہاتے دیکھا تو وہ پسند آ گئی۔ اس جرنیل کو محاذ پر بھجوا دیا جہاں وہ مارا گیا اور آپؑ نے اس کی بیوہ سے شادی کر لی۔

(تفسیر طبری جز ۲۳ صفحہ ۱۴۷)

سیدنا حضرت مصلح موعود سورۃ ص آیت ۲۵، ۲۴ کی تفسیر میں اصل حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مفسر کہتے ہیں حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں مگر ایک جرنیل کی بیوی آپ کو پسند آئی انہوں نے جرنیل کو خطرناک مقام پر بھجوا دیا تا مارا جائے پھر اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے سبق دینے کے لئے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے نعوذ باللہ یہ بیبیوں والا جھوٹ بنایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ کی بادشاہت جب لمبی ہو گئی تو ان کے دشمنوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور ان کے دشمن گھر میں کود کر آ گئے۔ جب حضرت داؤدؑ کو چوکس پایا تو ڈر گئے کہ ایک آواز پر باڈی گارڈ جمع ہو جائیں گے اور گھبراہٹ میں یہ قصہ گھڑ کر سنایا جس کی تعبیر درحقیقت یہ تھی کہ انہوں نے حضرت داؤدؑ پر الزام لگایا کہ تم طاقتور ہو کر ارد گرد کے غریب قبائل کو کھاتے جاتے ہو۔ حالانکہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اور تم زیادہ ہو۔ حضرت داؤدؑ کا ملک چھوٹا تھا اور ان کے ارد گرد کے قبائل عراق تک پھیلے ہوئے تھے جن کی تعداد حضرت داؤدؑ کے قبیلہ کی تعداد سے سینکڑوں گنے زیادہ تھی"۔ (تفسیر صغیر صفحہ ۵۹۸ حاشیہ نمبر ۲)

قصہ ملکہ بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کا حسن تبلیغ

حضرت سلیمانؑ کے بارہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ ملکہ سبا بلقیس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ جنوں نے اس سے روکنے کے لئے ان کو بتایا کہ اس کے پاؤں پر بال ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے حضرت سلیمانؑ نے پانی پر ایک شیش محل بنوایا تاکہ ملکہ کی پنڈلیاں دیکھ سکیں۔ پھر آپ نے بال صفا پاؤڈر تیار کیا جس سے اس کے بال دور ہوئے۔ (تفسیر طبری جز ۲۹ صفحہ ۱۶۸-۱۷)

سیدنا حضرت مصلح موعود اس آیت کی لطیف تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان باتوں کا نہ تو دین سے تعلق ہے نہ عرفان سے نہ خدا تعالیٰ کے انبیاء ایسے لغو کام کیا کرتے ہیں۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ ملکہ سبا ایک مشرک عورت تھی اور سورج پرست تھی۔ حضرت سلیمانؑ چاہتے تھے کہ وہ شرک چھوڑ دے اس کے لئے آپ نے اسے زبانی بھی نصیحت فرمائی مگر پھر آپ نے چاہا کہ عملاً بھی اس کے عقیدہ کی غلطی اس پر ظاہر کریں۔...... آپ نے ایک ایسا محل تجویز فرمایا۔ جس میں شیشے کا فرش تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ جب ملکہ اس کے فرش پر سے گزرنے لگی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ پانی ہے اور اس نے جھٹ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا یا اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ حضرت سلیمانؑ نے اسے تسلی دی کہ...... جسے تم پانی سمجھتی ہو یہ تو دراصل شیشہ کا فرش ہے اور پانی اس کے نیچے ہے۔...... اس نے فوراً سمجھ لیا کہ انہوں نے ایک عملی مثال دے کر مجھ پر شرک کی حقیقت کھول دی ہے کہ جس طرح پانی کی جھلک تجھے شیشہ میں نظر آئی ہے اور تو نے اسے پانی سمجھ لیا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کا نور اجرام فلکی میں سے جھلک رہا ہے۔ چنانچہ اس دلیل سے وہ بڑی متاثر ہوئیں اور بے اختیار کہہ اٹھیں کہ...... اب میں سلیمان کے ساتھ یعنی اس کے دین کے مطابق اس خدا پر ایمان لاتی ہوں۔ جو سب جہانوں کا رب ہے اور سورج اور چاند وغیرہ بھی اسی سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔'' (تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۳۹۸، ۳۹۷)

نماز قضاء ہونے پر حضرت سلیمان کا گھوڑوں کو ہلاک کرنا

حضرت سلیمان کے بارہ میں سورۃ صافات کی آیات (۳۲ تا ۳۴) کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے قضاء ہوگئی جس پر انہوں نے گھوڑے ذبح کروادیئے اور پھر سورج کو حکم دیا تو وہ واپس عصر کے مقام پر آیا اور انہوں نے نماز عصر ادا کی۔ (تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ ۲۳۳)

سیّدنا حضرت مصلح موعود نے ان آیات کی نہایت عمدہ تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن کریم میں اِنِّیٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ ہے۔مفسرین نے کہا ہے کہ گھوڑے دیکھتے ہوئے نماز کا وقت جاتا رہا لیکن اصل مطلب یہ ہے کہ گھوڑوں کو میں نے خدا کی یاد میں خریدا ہے۔یعنی جہاد کے لیے اور یہی بات نبی کی شایان شان ہے۔ نہ وہ جو کہ مفسرین کہتے ہیں۔ چنانچہ عَنْ کے معنی لغت میں ''سبب سے'' کے بھی ہیں (اقرب)

قرآن کریم میں مَسْحٌ کا لفظ ہے۔جس کے معنے تھپکنے اور کاٹ ڈالنے دونوں کے ہوتے ہیں۔مفسرین چونکہ ایک غلطی کر چکے تھے اُنھوں نے کاٹ ڈالنے کے معنے کو تھپکنے کے معنے پر ترجیح دی اور آیت کے یہ معنے کر دیئے کہ گھوڑے واپس بلا کر اس غصہ میں کہ ان کے دیکھنے میں نماز جاتی رہی، ان کو کاٹ ڈالا۔حالانکہ یہ فعل ایک مجنون کا تو ہوسکتا ہے خدا کے نبی کا نہیں ہوسکتا۔حقیقۃً اس جگہ یہی ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے گھوڑے واپس بلائے اور چونکہ اُن کو جہاد کے لئے پالا تھا ان کے پٹھوں پر ہاتھ مار کر تھپکنے لگے اور پیار کرنے لگے کہ میں نے ایسے اعلیٰ درجہ کے گھوڑے جہاد کے لئے تیار کیے ہیں۔ (تفسیر صغیر صفحہ ۶۰۰ حاشیہ نمبر ۱،۲)

حضرت ابراھیمؑ کا پرندے زندہ کرنا

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے مردے زندہ کرنے کا مشرکانہ عقیدہ بھی رائج ہے۔سورۃ بقرہ کی آیت ۲۶۱ میں حضرت ابراہیمؑ کو چار پرندے پکڑنے کا حکم ہے۔مفسرین کے مطابق فَصُرْهُنَّ سے مراد تھی کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو ذبح کر کے ان کا قیمہ باہم ملا دیں اور چار پہاڑوں پر رکھ دیں پھر انہیں آواز دیں تو وہ دوڑے آئیں گے اور یہ بادشاہ نمرود کے مقابل پر مردے زندہ کرنے کا ایک نشان تھا۔ (تفسیر طبری جز ۳ صفحہ ۵۷)

سیّدنا حضرت مصلح موعود سورۃ بقرہ آیت ۲۶۱ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ پہاڑ کی چار چوٹیوں پر چار پرندے بٹھا دو۔جزء کے معنے ایک پرندے کے ٹکڑے کے نہیں بلکہ چاروں پرندوں کا جز مراد ہے جو ایک کا عدد ہے۔قرآن کریم میں ایک اور مقام پر اسی محاورہ میں جزء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔فرماتا ہے۔وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (الحجر:۴۴،۴۵)

یعنی جہنم سب کفار کے لئے مقرر جگہ ہے۔اس کے دروازے ہیں اور ہر دروازہ کے لئے کفار کا ایک حصہ مقرر ہوگا۔اس جگہ بھی جزء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔لیکن کوئی یہ معنی نہیں کرتا کہ کفار کا قیمہ کر کے ان کے قیمہ کا تھوڑا تھوڑا حصہ سب دروازوں میں سے ڈال دیا جائے گا۔بلکہ

سب مفسر متفق ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ کافر ایک دروازے سے جائیں گے۔ کچھ دوسرے سے کچھ تیسرے سے۔ اس طرح سب دروازوں سے اپنی اپنی سزا کے مطابق داخل ہوں گے۔ انہی معنوں میں جزء آیت میں استعمال ہوا ہے۔ اور مراد ہر پرندے کا جزء نہیں بلکہ چار کا جزء ہے اور وہ ایک ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر چوٹی پر ایک ایک پرندہ رکھ دو۔" (تفسیر صغیر ۷۰، ۷۱)

پھر حضور نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ عقلاً بھی اس آیت کے ظاہری معنے کرنے میں بہت سے اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل مردے زندہ کرنے کے نشان سے پرندوں کو سدھانے کا کیا تعلق؟ دوسرے چار پرندے کیوں جبکہ ایک سے ہی غرض پوری ہوسکتی ہو۔ تیسرے پہاڑوں پر رکھنے کا کیا؟ کیا کسی اور جگہ رکھنے سے کام نہ چلتا تھا؟۔ پھر خود حضور اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہری کلام نہیں بلکہ مجازی کلام ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی احیاء موتی کا جو کام تو نے میرے سپرد کیا ہے۔ اسے پورا کر کے دکھا..... اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو چار پرندے لے کر سدھا یعنی اپنی اولاد میں سے چار کی تربیت کر وہ تیری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس احیاء کی تکمیل کریں گے۔ یہ چار روحانی پرندے حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ ہیں۔ ان میں سے دو کی حضرت ابراہیمؑ نے خود براہ راست تربیت کی اور دو کی بالواسطہ۔ پہاڑ پر رکھنے کے معنے بھی یہی تھے۔ کہ ان کی نہایت اعلیٰ تربیت کر..... پہاڑ پر رکھنے میں ان کے رفیع الدرجات ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چار پرندوں کو علیحدہ علیحدہ چار پہاڑوں پر رکھنے کے یہ معنے تھے کہ یہ احیاء چار علیحدہ علیحدہ وقتوں میں ہوگا۔" (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۶۰۳)

حضرت مسیحؑ کا پرندے اور مردے زندہ کرنا

حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں مفسرین نے مٹی سے پرندہ پیدا کرنے اور مردے زندہ کرنے کا مفہوم مائدہ آیت ۱۱۱ سے نکالنے کی کوشش کی۔ (صفوۃ التفاسیر جلد اوّل صفحہ ۳۷۳ و قرطبی وطبری جزء ۳ صفحہ ۲۷۵)

سیدنا حضرت مصلح موعود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"مفسرین کہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ مردے زندہ کرتے تھے حالانکہ قرآن کریم میں صاف لکھا ہے کہ مُردے سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی زندہ نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (دخان: ۹) کہ

خدا تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں وہی زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے اور وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے باپ دادوں کا بھی رب تھا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ فَاللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ وَ ھُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (شوریٰ:۱۰) یعنی کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پناہ دینے والا تجویز کرلیا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی پناہ دینے والا ہے اور وہی مردے زندہ کرتا ہے اور وہ اپنے ہر ارادہ کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ پس قرآن کریم کے رُو سے خدا تعالیٰ ہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ ہاں مردے زندہ کرنے کا لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (انفال:۲۵) یعنی اے مومنو! جب خدا اور اس کا رسول تم کو زندہ کرنے کے لئے بلائیں تو ان کی بات مان لیا کرو۔ یہاں مفسرین یہ معنے کردیتے ہیں کہ روحانی تربیت کے لئے بلائیں تو خدا اور رسول کی بات کا جواب دیا کرو لیکن جب مسیحؑ کی نسبت یہی احیاء کا لفظ آتا ہے تو اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ وہ سچ مچ کے مردے زندہ کیا کرتے تھے اور اس طرح اس کو خدا قرار دیتے ہیں اور عیسائیوں کی مدد کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔'' (تفسیر صغیر صفحہ ۱۶۱ حاشیہ نمبر۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور مقام

خود نبی کریمؐ کے بارہ میں بھی مفسرین نے بعض افسانے ضعیف روایات سے متاثر ہو کر منسوب کردیئے ہیں۔

۱۔ چنانچہ سورۃ تحریم کی ابتدائی آیت کہ اے نبی! تو اسے کیوں حرام کرتا ہے جسے خدا نے تیرے لئے حلال کیا۔ کے بارہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی کریمؐ کی باری حضرت حفصہؓ کے ہاں تھی۔ وہ والد سے ملنے گئیں تو حضرت ماریہؓ قطبیہ کو نبی کریمؐ کے ساتھ اپنے کمرے میں دیکھا اور ان کے چہرے پر غصہ کے آثار دیکھ کر کہا کہ عائشہؓ سے اس بات کا ذکر نہ کریں مگر انہوں نے بتادیا اور حضرت عائشہؓ کے اصرار پر آپ نے قسم کھائی کہ کبھی حضرت ماریہؓ کے قریب نہ جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ اتاری۔ (تفسیر فتح البیان جز۹ صفحہ ۳۴۳)

سیدنا حضرت مصلح موعود اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ ایک بیوی نے جس کے گھر باری تھی شہد کا شربت پلایا جو آپ کو پسند تھا۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اس کے ہاں ٹھہرے۔ دوسری بیویوں کو یہ برا لگا۔ ایک بیوی نے جسے شہد شاید پسند نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بُو آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت نازک طبع تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں عہد کیا کہ آئندہ شہد نہیں پئیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور کہا گیا کہ شہد کو خدا تعالیٰ نے اچھا قرار دیا ہے کسی بیوی کی خاطر اس کا ترک بُری بات ہے۔

''بعض مفسرین نے اس آیت کی بہت گندی تفسیر کی ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے حضرت ماریہؓ سے جو آپ کی لونڈی تھی صحبت کی اور پھر یہ بات ایک بیوی سے عہد لے کر بتا دی۔ اس نے دوسری بیویوں کو بتا دیا اور یہ بات پھیل گئی۔ یہ سب قصہ غلط ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔ صحیح واقعہ وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ آپ نے ایک بیوی کے ہاں شہد پیا اور دوسری بیوی کو دیر کی وجہ بتائی۔ اس پر اس نے اور اس کی کسی سہیلی نے سمجھا کہ شہد تو بعض دفعہ بو دار بوٹیوں کا بھی ہوتا ہے۔ آپ سے کہنا چاہئے کہ شہد سے بعض دفعہ بو آتی ہے اس سے آپ اس بیوی کے ہاں زیادہ جانا چھوڑ دیں گے۔ اس واقعہ کا اس جگہ ذکر ہے''

(فتح البیان جلد ۹ تفسیر صغیر ص ۷۵۵)

۲- اس سورۃ کی آیت ۵ کے بارہ میں بھی مترجمین و مفسرین نے غلطی کھائی اور نبی کریمؐ کی ازواج مطہرات کی طرف بعض اعتراض منسوب کئے اس کی تردید کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود نے تحریر فرمایا:

''مفسرین نے پھر یہاں غلطی کی ہے اور معنی یہ کئے ہیں کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے دل تو پہلے ہی توبہ کی طرف مائل ہیں۔ لغت میں لکھا ہے صغیٰ الیہ کے معنی ہیں مال (مفردات راغب) پس فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے دل تو توبہ کی طرف پہلے ہی مائل ہیں۔ نہ معلوم مفسرین کو یہ کیوں شوق ہوا کہ ازواج مطہرات کو جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرما چکا ہے کہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (سورۃ احزاب:۳۴) گندہ قرار دیں۔ شاید کسی شیعہ نے تفسیروں میں یہ بات لکھ دی ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت صرف حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اور آپ کے بچے ہیں۔ بیویاں اہل بیت نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو اہل بیت قرار دیا ہے''۔ (تفسیر صغیر صفحہ ۷۵۶)

۳- سورۃ احزاب آیت ۳۸ میں حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے پر رسول اللہؐ سے ان سے نکاح کا ذکر ہے۔ اس بارہ میں مفسرین کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے حضرت زینبؓ کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ نبی کریمؐ خواہش رکھتے تھے کہ زیدؓ سے علیحدگی کی صورت میں آپؐ زینبؓ سے نکاح کر لیں۔ مگر زیدؓ کو

یہی کہتے رہے کہ بیوی کو طلاق مت دو۔ اور لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ سے ڈرنا زیادہ مناسب تھا۔

(تفسیر طبری جز ۲۲ صفحہ ۱۲، ۱۳)

سیّدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''بعض مفسرین کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ دل میں حضرت زینبؓ کو نکاح میں لانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر اس کو چھپاتے تھے تاکہ لوگ ٹھوکر نہ کھائیں مگر اصل میں اس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو طلاق دینا چاہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ کو پوشیدہ رکھ کر حضرت زیدؓ کو نصیحت کرتے تھے تاکہ لوگوں کو ٹھوکر نہ لگے کہ ایک شریف خاندان کی لڑکی ایک آزاد غلام سے بیاہ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا نہیں کیا بلکہ فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ زینبؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ نے عرش پر پڑھ دیا تھا اس لئے دنیا میں ان کا نکاح نہیں پڑھا گیا مگر یہ درست نہیں۔ تاریخ میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح آپ سے پڑھا گیا۔''

(سیرت الحلبیہ جلد سوم صفحہ ۴۳ تفسیر صغیر ص ۵۵۰)

۴۔ سورۃ فتح کی تیسری آیت میں مفسرین نے لفظ ذنب یعنی گناہ کو سیّد المعصومین حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت دی ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے:

''یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے متعلق ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ فتح سے پہلے ایک اور فتح آنے والی ہے یعنی حدیبیہ کی صلح۔ جس میں عرب کے بہت سے قبیلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کریں گے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہئے اس وقت عفو سے کام لیں اور جو خطائیں عرب پہلے کر چکے ہیں ان کے لئے بھی مغفرت چاہیں اور ان کے لئے بھی جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے زمانہ کے درمیان ہونے والی ہیں ورنہ یہ مراد نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ کیا تھا۔ چنانچہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جہاں بھی ذنب کا ذکر آتا ہے فتح کے موقعہ پر آتا ہے۔ پس ذنب سے مراد آپ کا کیا ہوا گناہ نہیں بلکہ آپ کے متعلق کیا ہوا عرب قبائل یا کفار کا گناہ ہے''۔

(تفسیر صغیر صفحہ ۶۷۷)

۵۔ سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر ۸ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لفظ ضال استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنے گم شدہ راہ کے ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین نے انہی معنوں کو ہادی برحق سے نسبت دے دی۔

اس آیت کا صحیح ترجمہ اور تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کا لحاظ رکھتے ہوئے سیّدنا حضرت مصلح موعود نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''ترجمہ: اور جب اس نے تجھے (اپنی قوم کی محبت میں) سرشار دیکھا تو (اُن کی اصلاح کا) صحیح راستہ تجھے بتادیا''

نیز فرمایا:

''یہاں ''ضال'' کا لفظ ہے۔مفسروں نے لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تو گمراہ تھا ہم نے تجھے ہدایت دی۔مگر لغت میں ضلّ کے معنی محبت میں سرشار ہونے کے بھی ہیں (دیکھو مفردات راغب) اور یہی معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق ہیں۔یعنی اے رسول! تو اپنی قوم کی ہدایت کی خواہش میں سرشار تھا۔سو ہم نے تجھے وہ راستہ بتادیا جس سے تو قوم کی اصلاح کر سکے''۔ (تفسیر صغیر صفحہ ۸۳۱)

سورۃ فاتحہ سے قبولیت دعا کے سات اصول کے انکشاف کا نشان

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے سیّدنا حضرت مصلح موعود کو سورۃ فاتحہ کی تفسیر ایک رؤیا کے ذریعہ سکھائے جانے کے بعد ہمیشہ اس سورۃ کے نئے مضامین کا انکشاف آپ پر کیا جاتا رہا۔سورۃ فاتحہ سے قبولیت دعا کے اصولوں کا استنباط آپ کو علم قرآن سکھانے کی ایک عمدہ مثال ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھتے وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ اس موقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ کوئی نئے مطالب اس سورۃ کے کھولے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سات اصول کا انکشاف ہوا جو دعا کے متعلق اس سورۃ میں بیان ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔''

ان سات اصول کا حضور کے الفاظ میں مختصراً ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔آپ نے تحریر فرمایا:

''اوّل بِسْمِ اللّٰہِ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس مقصد کے لئے دعا کی جائے وہ نیک ہو یہ نہیں کہ چور چوری کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو وہ بھی قبول کر لی جائے گی۔خدا کا نام لیکر اور اس کی استعانت طلب کر کے جو دعا کی جائے گی لازماً ایسے ہی کام کے متعلق ہوگی جس میں اللہ کی ذات بندہ کے ساتھ شریک ہو سکتی ہو۔بہت لوگوں کو دیکھا ہے۔لوگوں کی تباہی اور بربادی کی دعائیں کرتے.....اسی طرح ناجائز مطالب کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

"بعض لوگوں نے جھوٹا جامہ زہد و اتقا کا پہن رکھا ہے اور نا جائز امور کے لئے تعویذ دیتے اور دعائیں کرتے ہیں حالانکہ یہ سب دعائیں اور تعویذ عاملوں کے مُنہ پر مارے جاتے ہیں۔ دوسرا اصل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں بتایا ہے یعنی دعا ایسی ہو کہ اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے دوسرے بندوں کا بلکہ سب دنیا کا فائدہ ہو یا کم سے کم ان کا نقصان نہ ہو اور اس کے قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کی حمد ثابت ہوتی ہو اور اس پر کسی قسم کا الزام نہ آتا ہو۔ تیسرے یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو جنبش دی گئی ہو اور اس دعا کے قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت ظاہر ہوتی ہو۔ چوتھے یہ کہ اس دعا کا تعلق اللہ تعالےٰ کی صفت رحیمیت سے بھی ہو یعنی وہ نیکی کی ایک ایسی بنیاد ڈالتی ہو جس کا اثر دُنیا پر ایک لمبے عرصہ تک رہے اور جسکی وجہ سے نیک اور شریف لوگ متواتر فوائد حاصل کریں یا کم سے کم ان کے راستہ میں کوئی روک نہ پیدا ہوتی ہو۔ پانچویں یہ کہ دُعا میں اللہ تعالیٰ کی صفت مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی رکھا گیا ہو یعنی دعا کرتے وقت ان ظاہری ذرائع کو نظر انداز نہ کر دیا گیا ہو جو صحیح نتائج پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تجویز کئے ہیں کیونکہ وہ سامان بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں اور اسکے بتائے ہوئے طریق کو چھوڑ کر اس سے مدد مانگنا ایک غیر معقول بات ہے گویا جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے بشرطیکہ وہ موجود ہوں یا ان کا مہیا کرنا دُعا کرنے والے کے لئے ممکن ہو ان کا استعمال بھی دُعا کے وقت ضروری ہے ہاں اگر وہ موجود نہ ہوں تو پھر مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی صفت اسباب سے بالا ہو کر ظاہر ہوتی ہے ایک اشارہ اس آیت میں یہ بھی کیا گیا ہے کہ دعا کرنے والا دوسروں سے بخشش کا معاملہ کرتا ہو اور اپنے حقوق کے طلب کرنے میں سختی سے کام نہ لیتا ہو۔ چھٹا اصل یہ بتایا ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق ہو اور اس سے کامل اخلاص حاصل ہو اور وہ شرک اور مشرکانہ خیالات سے کلی طور پر پاک ہو اور ساتویں بات یہ بتائی ہے کہ وہ خدا کا ہی ہو چکا ہو اور اس کا کامل توکل اسے حاصل ہو اور غیر اللہ سے اس کی نظر بالکل ہٹ جائے اور وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ خواہ کچھ ہو جائے اور کوئی بھی تکلیف ہو۔ مانگوں گا تو خدا تعالیٰ ہی سے مانگوں گا۔

"یہ سات امور وہ ہیں کہ جب انسان ان پر قائم ہو جائے تو وہ لِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ کا مصداق ہو جاتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اس قسم کی دعا کا کامل نمونہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع نے ہی دکھایا ہے اور انہی کے ذریعہ سے دعاؤں کی قبولیت کے ایسے نشان دنیا نے دیکھے ہیں جن سے اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان اور گونگوں کو زبان

عطا ہوئی ہے مگر اتباعِ رسول کا مقام بھی کسی کے لئے بند نہیں جو چاہے اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کرسکتا ہے اور اس مقام کو حاصل کرسکتا ہے۔'' (تفسیر سورۃ بقرہ صفحہ ۲۰۵)

قرآن کے تمام مشکل مضامین کا حل ہونا

سیّدنا حضرت مصلح موعود نے فرشتہ کے ذریعے تفسیر فاتحہ سیکھنے کے رؤیا کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ رؤیا اصل میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیج کے طور پر میرے دل اور دماغ میں قرآنی علوم کا ایک خزانہ رکھ دیا ہے۔ چنانچہ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا، کبھی کسی ایک موقع پر بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے سورہ فاتحہ پر غور کیا ہو یا اُس کے متعلق کوئی مضمون بیان کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے سے نئے علوم مجھے عطا نہ فرمائے گئے ہوں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے قرآن کریم کے تمام مشکل مضامین مجھ پر حل کر دیئے ہیں۔

''یہاں تک کہ بعض ایسی آیات جن کے متعلق حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اُن کے متعلق پوری تسلی نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان آیات کے معانی بھی مجھ پر کھول دیئے گئے ہیں اور اب قرآن کریم میں کوئی بات ایسی موجود نہیں جس کے مضمون کو میں ایسے واضح طور پر نہ بیان کرسکوں کہ دشمن سے دشمن کیلئے بھی اُس پر اعتراض کرنا ناممکن ہو۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی شخص اپنی شکست تسلیم نہ کرے لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ میں قرآن کریم کے رُو سے دشمن پر حجت تمام نہ کردوں اور اُس کے اعتراضات کا ایسا جواب نہ دوں جو عقلی طور پر مُسکِت اور لاجواب ہو۔''

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۲۰۵)

اس جگہ قرآن کریم کے مشکل مقامات کے حل کے چند نمونے بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں:

1- حروف مقطعات کی شاندار تحقیق

حروف مقطعات کو مفسرین میں سے بعض نے ایسے حروف قرار دیا جن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اور بعض نے سرسری تاویلات کیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے حروف مقطعات کو قرآنی سورتوں کے مضامین کی کلید قرار دیتے ہوئے جو منفرد، عمدہ اور شاندار تحقیق فرمائی اس کا ماحصل یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''اب میں حروف مقطعات کے بارہ میں وہ تحقیق لکھتا ہوں جس کی بنیاد حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے کئے ہوئے معنوں پر ہے اور وہ تحقیق یہ ہے۔

''حروف مقطعات اپنے اندر بہت سے راز رکھتے ہیں ان میں سے بعض راز بعض ایسے

افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا قرآن کریم سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں ہونا چاہئے لیکن اس کے علاوہ یہ الفاظ قرآن کریم کے بعض مضامین کے لئے قفل کا بھی کام دیتے ہیں کوئی پہلے ان کو کھولے تب ان مضامین تک پہنچ سکتا ہے جس جس حد تک ان کے معنوں کو سمجھتا جائے۔ اسی حد تک قرآن کریم کا مطلب کھلتا جائے گا۔

''میری تحقیق یہ بتاتی ہے کہ جب حروف مقطعات بدلتے ہیں تو مضمون قرآن جدید ہو جاتا ہے اور جب کسی سورۃ کے پہلے حروف مقطعات استعمال کئے جاتے ہیں تو جس قدر سورتیں اس کے بعد ایسی آتی ہیں۔ جن کے پہلے مقطعات نہیں ہوتے ان میں ایک ہی مضمون ہوتا ہے اسی طرح جن سورتوں میں وہی حروف مقطعات دہرائے جاتے ہیں وہ ساری سورتیں مضمون کے لحاظ سے ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی ہوتی ہیں۔

''اس قاعدہ کے مطابق میرے نزدیک سورۂ بقرہ سے لیکر سورۂ توبہ تک ایک ہی مضمون ہے اور یہ سب سورتیں الٓمٓ سے تعلق رکھتی ہیں۔ سورۃ بقرہ الٓمٓ سے شروع ہوتی ہے پھر سورۃ آل عمران بھی الٓمٓ سے شروع ہوتی ہے۔ پھر سورۃ نساء، سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام حروف مقطعات سے خالی ہیں اور اس طرح گویا پہلی سورتوں کے تابع ہیں جن کی ابتداء الٓمٓ سے ہوتی ہے ان کے بعد سورہ اعراف الٓمٓصٓ سے شروع ہوتی ہے اس میں بھی وہی الٓمٓ موجود ہے ہاں حرف ص کی زیادتی ہوئی ہے اس کے بعد سورۃ انفال اور براءۃ حروف مقطعات سے خالی ہیں۔ پس سورۃ براءۃ تک الٓمٓ کا مضمون چلتا ہے سورۃ اعراف میں جو ص بڑھایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف تصدیق کی طرف لے جاتا ہے۔ سورہ اعراف انفال اور توبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور اسلام کی ترقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں اصولی طور پر اور انفال اور توبہ میں تفصیلی طور پر تصدیق کی بحث ہے اس لئے وہاں ص کو بڑھا دیا گیا ہے۔

''سورۂ یونس سے الٓمٓ کی بجائے الٓرٰ شروع ہو گیا ہے ال تو وہی رہا اور م کو بدل کر ر کر دیا۔ پس یہاں مضمون بدل گیا۔ اور فرق یہ ہوا کہ بقرہ سے لے کر توبہ تک تو علمی نقطہ نگاہ سے بحث کی گئی تھی اور سورۂ یونس سے لے کر سورۂ کہف تک واقعات کی بحث کی گئی ہے اور واقعات کے نتائج پر بحث کو منحصر رکھا گیا ہے اس لئے فرمایا کہ الٓرٰ یعنی اَنَا اللّٰہُ اَرٰی میں اللہ ہوں جو سب کچھ دیکھتا ہوں اور تمام دُنیا کی تاریخوں پر نظر رکھتے ہوئے اس کلام کو تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔ غرض ان سورتوں میں رویت کی صفت پر زیادہ بحث کی گئی ہے اور پہلی سورتوں میں علم کی صفت پر زیادہ بحث تھی۔''

2- سورۃ بقرۃ کی کلید کا عطا ہونا

سورۃ بقرہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ اور...... کے بنیادی احکام و مسائل کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔ اس کی تفسیر بھی اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت مصلح موعود کو القاء فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں سورۂ فاتحہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اس کی تفسیر مجھے ایک فرشتہ نے رؤیا میں سکھائی تھی سورۂ بقرہ کی تفسیر مجھے اس طرح تو حاصل نہیں ہوئی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک القاء کے طور پر مجھے اس کی تفسیر بھی سکھائی ہے۔ اور جو شخص بھی ذرا غور سے دیکھے گا اسے معلوم ہوگا کہ جو نکتہ اس بارہ میں مجھے بتایا گیا ہے وہ ساری سورۂ کو ایک باترتیب مضمون کی صورت میں بدل دیتا ہے اور اس امر کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا کہ یہ تفہیم صرف اور صرف فضل الٰہی سے حاصل ہوئی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ستائیس سال کا عرصہ گزرا کہ میں چند دوستوں کو قرآن کریم پڑھا رہا تھا۔ سورۂ بقرہ کا درس تھا جب میں اس آیت پر پہنچا کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (بقرہ:۱۳۰)

''تو یکدم میرے دل پر القاء ہوا کہ یہ آیت اس سورۃ کے مضامین کی کنجی ہے اور اس سورۃ کے مضامین اس آیت کے مضامین کے مطابق اور اسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں میں نے جب اس علم سے فائدہ اُٹھا کر سورہ بقرہ کا مطالعہ کیا تو میری حیرت اور عقیدت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ سورۂ بقرہ کو میں نے نہ صرف اس آیت کے مضامین کے مطابق پایا بلکہ اس کے مضامین باوجود مختلف قسم کے ہونے کے میرے ذہن میں ایسے مستحضر ہو گئے کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ گویا اس کے مضامین موتیوں کی لڑی کی طرح پروئے ہوئے ہیں۔

''اس آیت کو دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دُعا کا ذکر ہے جو انہوں نے مکہ میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کے لئے کی ہے اور اس دُعا کا مضمون یہ ہے کہ اس شہر اور اس قوم میں ایک ایسا نبی مبعوث ہو جو (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور یقین کو درست اور مضبوط کرنے والے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرے جو دُنیا کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے راستہ کے نشان اور شمع ہدایت ثابت ہوں

(۲) وہ لوگوں کے سامنے ایک مکمل کتاب پیش کرے (۳) جو شریعت وہ دُنیا کے سامنے پیش کرے اس کے اندر احکام اور مذہب کی اور ان تمام دینی امور کی جن پر مذہب کی ترقی کا مدار ہے حکمت بھی بیان کی گئی ہو (۴) وہ ایسے ذرائع اختیار کرے اور ایسے طریق بتائے جن سے قوم کی ترقی اور پاکیزگی کے سامان پیدا ہوں۔

''ان مضامین کو سامنے رکھ کر جب میں نے سورۂ بقرہ کو دیکھا تو اس کے مضامین کو لفظاً لفظاً ان مضامین کے مطابق پایا بلکہ میں نے دیکھا کہ وہ مضامین بیان بھی اسی ترتیب سے ہوئے ہیں جس ترتیب سے ان کا اس آیت میں ذکر ہے اور ہر حصہ میں اس آیت کے الفاظ کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے یعنی آیات کے مضمون میں آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے پھر کتاب اور حکمت کا مضمون بیان کیا ہے اور کتاب اور حکمت کے الفاظ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر تزکیہ کا مضمون بیان کیا ہے تو اس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ مضامین کے لحاظ سے یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کا مضمون بیس رکوع تک بیان ہوا ہے اور کتاب اور حکمت کا مضمون اکتیس رکوع تک بیان ہوا ہے۔ اور پھر تزکیہ کا مضمون اکتیسویں رکوع سے شروع ہو کر آخر سورۃ پر یعنی چالیسویں رکوع پر ختم ہوا ہے جو شخص اس امر کو مدنظر رکھ کر سورۂ بقرہ کو پڑھے گا اس کے مطالب کی وسعت اور جامعیت اور ترتیب کی خوبی اور تاثیر کا حیرت انگیز مطالعہ کرے گا۔ (تفسیر سورہ بقرہ جلد اوّل صفحہ ۵۶،۵۵)

اس جگہ سیدنا حضرت مصلح موعود کی سورہ بقرہ کے ایک مقام کی نادر اور لطیف تفسیر کا ذکر بہت ضروری ہے۔

3- ہاروت ماروت کے مشکل مسئلہ کا خوبصورت حل

سورۃ بقرہ کی آیت ۱۰۳ میں ہاروت ماروت کا ذکر آیا ہے۔ کتب تفسیر میں ان کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دو فرشتے تھے۔ جنہوں نے انسانوں پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے دو بہترین نمائندے بطور امتحان زمین پر بھجوائے اور فرمایا کہ تم بھی زمین پر جا کر انسانی قوتیں پا کر یہی کچھ کرو گے۔ یہ فرشتے لوگوں کے فیصلے بھی کیا کرتے تھے۔ ایران کی ملکہ زہرہ اپنے خاوند کا جھگڑا لے کر آئی تو اس پر عاشق ہوئے۔ اور اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی۔ وہ خاوند کے قتل اور شراب پینے کی شرط پر راضی ہوئی۔ بدکاری کے بعد وہ عورت تو زہرہ ستارہ بن گئی اور ہاروت و ماروت بابل میں آگ کے گہرے کنوئیں میں آج تک الٹے لٹکے سزا بھگت رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری جلد اوّل صفحہ ۱۰۸)

اس آیت کے بارہ میں مفسرین کو بہت دقتیں پیش آئیں اور مذکورہ بالا تفسیر کے ساتھ وہ آیت کے یہ معنے کرنے پر مجبور ہوئے کہ دنیا میں دو دفعہ سحر سکھا گیا۔ ایک حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں دوسرے بابل میں ہاروت و ماروت

فرشتوں کے نزول کے وقت۔ اس معنی اور تفسیر سے فرشتوں، خود اللہ تعالیٰ کی ذات اور انبیاء پر جو اعتراض پیدا ہوتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اس آیت کے بارہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جو ہمیشہ لوگوں کے لئے اضطراب کا موجب رہی ہے مجھ پر ابتدائی زمانہ میں کھول دی تھی۔

اس آیت کی مکمل تفسیر کا لطف تو تفسیر کبیر کے مطالعہ سے ہی اہل ذوق اٹھا سکتے ہیں اس جگہ اختصار پیش نظر ہے۔ حضرت مصلح موعود نے فرشتوں اور حضرت سلیمانؑ کے جادو سکھانے کی تفسیر کو اس لئے رد فرمایا ہے۔ اس سے انبیاء اور ملائکہ دونوں پر اعتراض پڑتا ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ بات تاریخ کے بھی خلاف ہے۔ نیز اگر مفسرین کے قصے درست ہوں تو اس آیت کا جوڑ پچھلی آیات سے کوئی نہیں بنتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے حکیمانہ کلام پر بھی اعتراض آتا ہے۔ اور آیت کا کوئی مقصد واضح نہیں ہوتا۔ حضور فرماتے ہیں:

> ''لیکن میرے اس مضمون سے جو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولا ہے۔ اس کا جوڑ پچھلی آیات سے قائم رہتا ہے...... ملائکہ پر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور یہ آیت رسول اللہ کی صداقت کا ایک بڑا ثبوت بن جاتی ہے۔''

حضور کی بیان فرمودہ تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول کریمؐ کے زمانہ کے یہود کی بعض خفیہ سازشوں کا ذکر ہے جو وہ فری میسن سوسائیٹیاں بنا کر کیا کرتے تھے۔ جیسے نبی کریمؐ کے زمانہ میں یہودیوں نے آپ کے خلاف کسریٰ شاہ ایران کو بھڑکا کر آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کروائے تھے۔

یہود کا یہ وہی پرانا طریق تھا جو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ان کی حکومت کے حاجب ریبعام کو ساتھ ملا کر یہود نے حکومت سلیمان کے خلاف بغاوت کروائی تھی۔ ریبعام حکومت سنبھالتے ہی بتوں کے مندر بنوا کر شرک میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور بنی اسرائیل اپنی اس سازش کے نتیجہ میں ذلیل، کمزور اور متفرق ہو کر بابل سے جلا وطن کئے گئے۔ ریبعام کو بھاگ کر مصر جانا پڑا۔ مگر انہی یہودیوں نے جب خدا کے دو نبیوں حجی اور زکریا (جن کے صفاتی نام حاروت ماروت ہیں) کے ماتحت اللہ کے حکم کے مطابق آزادی کے حصول کے لئے مخفی طور پر کام کیا اور اندرونی طور پر مدد کرنے کا بادشاہ خورس سے مخفی سمجھوتہ کیا تو بابل فتح ہو گیا۔ یہود کے دشمن تباہ ہوئے اور وہ جلا وطنی سے واپس اپنے وطن واپس آ گئے۔

دراصل اس آیت میں دو بظاہر مشابہ مثالیں بیان کیں جن کے نتائج مختلف تھے اور بتایا گیا کہ نبی کریمؐ کے عہد کے یہودی آپ کی مخالفت میں حضرت سلیمانؑ کے دشمن یہود کی طرح کی مخفی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اس لئے ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو ان یہود کا ہوا تھا۔ یعنی جلا وطن ہوں گے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ کے یہود کا یہی انجام ہوا۔

(بحوالہ از تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۶۷ تا ۸۷)

4- استعارہ کی حقیقت

یہود کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کے بعد سورۃ البقرہ آیت ۶۶ میں ان کی اس سزا کا ذکر ہے کہ ''ہم نے انہیں کہا ذلیل بندر ہو جاؤ'' مفسرین نے اس سے مراد ظاہری مسخ لیا ہے کہ وہ لوگ واقعی بندر شکل ہو گئے اور مختلف روایات کے مطابق ساٹھ دن تک زندہ رہے پھر مر گئے۔ (روح المعانی جز اوّل صفحہ ۲۸۴)

مولوی مودودی صاحب لکھتے ہیں:

> ''بعض اس سے مراد لیتے ہیں کہ ان میں بندروں کی سی صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن قرآن کے الفاظ اور انداز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسخ اخلاقی نہیں بلکہ جسمانی تھا۔''
>
> (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۸۴)

سیدنا حضرت مصلح موعود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> ''اس آیت کے معنے کرنے میں بعض مفسرین نے دھوکا کھایا ہے اور..... یہ سمجھا ہے کہ اس آیت میں..... نافرمانی کرنی والی قوم کے بندر بن جانے کی خبر دی گئی ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ قرآن کریم میں یہ واقعہ اس جگہ کے علاوہ دو اور جگہ (مائدہ: ۶۱، اعراف: ۱۶۵ میں بھی) بیان کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ درحقیقت بندر نہ بنے تھے بلکہ بندر کا لفظ تشبیہ اور مثال کے لئے آیا ہے۔ پھر آپ نے بندر سے تشبیہ کی وضاحت یہ فرمائی کہ ان کے اخلاق بندروں جیسے ہو گئے۔ یعنی بندروں کی طرح ذلیل، دوسروں کے ہاتھ پر ناچنے والے، نقالی کرنیوالے اور بدکاری کرنیوالے ہو گئے۔'' (بحوالہ تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۴۹)

5- محکمات و متشابہات

سیدنا حضرت مصلح موعود مشکل سے مشکل مضمون نہایت آسان پیرائے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ فضائل القرآن کے موضوع پر آپ نے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء کے جلسہ سالانہ پر معرکۃ الآراء تقاریر فرمائیں۔ ان میں آپ دیگر علوم و معارف کے دریا بہانے کے علاوہ محکمات و متشابہات اور استعارہ کے مشکل مسئلہ کو خوب حل کر دکھایا۔ آپ نے سورہ آل عمران کی آیت ۸ پر بنا کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قرآن کی کچھ آیات کو محکمات کہا ہے جن کے مضامین محکم ہیں ان میں استعارہ استعمال نہیں ہوا۔ مگر کچھ آیتیں متشابہات کہلاتی ہیں جن میں استعارے استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی الفاظ میں تشابہ ہے۔ وہ لوگ جو کجی چاہتے ہیں وہ استعاروں والی آیات کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہی حقیقت ہے اگر یہود کے متعلق کہا گیا کہ خدا نے انہیں بندر بنا دیا تو کہتے ہیں کہ واقعہ میں انسانی شکل مسخ کر کے انہیں

بندر بنا دیا گیا تھا۔ جو سمجھنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت بھی خدا کی طرف سے ہے۔ جو استعارے والی ہے اور وہ بات بھی اس کی طرف سے ہے جو اسے حل کرنے والی ہے اور ناممکن ہے کہ ان دونوں میں اختلاف ہو...... جب تم استعارہ کو حقیقت قرار دو گے تو قرآن کریم کی بعض آیات جھوٹی ہو جاتی ہیں۔

...... ایک موٹی مثال احیاء موتی کی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مردے زندہ کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف قرآن میں بھی لکھا کہ مردے کی روح اس جہان میں واپس نہیں آتی۔ اب اگر ہم مردوں کو زندہ کرنے سے حقیقی مردوں کا احیاء مراد لیں تو ان میں سے ایک آیت کو نعوذ باللہ جھوٹا ماننا پڑے گا۔ لیکن اگر مردوں سے روحانی مردے مراد لیں تو دونوں آیتیں سچی ہو جاتی ہیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ کہ تم سے پہلی قومیں اسی اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی کتاب اس لئے اتری ہے کہ اس کی ہر آیت دوسری آیت کی تصدیق کرے۔ پس جو آیت دوسری آیت کی تصدیق نہ کرے اس کے معنے بدلنے چاہئیں۔ اور دونوں آیات کے مضمون میں مطابقت پیدا کرنی چاہیئے۔ یہ اصول سامنے رکھتے ہوئے آپ نے پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح، جنات، وادی نمل، خلق طیر کی لطیف تفسیر بیان کی ہے۔ (فضائل القرآن بحوالہ انوار العلوم جلد ۱۱، صفحہ ۳۷)

علم قرآن میں مقابلہ کا چیلنج

سیدنا حضرت مصلح موعود نے علم قرآن کے بارہ میں بارہا ایک چیلنج اپنی زندگی میں شائع کروایا جو آج تک لاجواب ہے۔ وہ چیلنج یہ ہے:

”غیر احمدی علماء مل کر قرآن کریم کے وہ معارف روحانیہ بیان کریں جو پہلے کسی کتاب میں نہیں ملتے اور جن کے بغیر روحانی تکمیل ناممکن تھی۔ پھر میں ان کے مقابلہ پر کم سے کم دگنے معارف قرآنیہ بیان کروں گا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھے ہیں اور ان مولویوں کو تو کیا سوجھنے تھے پہلے مفسرین و مصنفین نے بھی نہیں لکھے۔ اگر میں کم سے کم دگنے ایسے معارف نہ لکھ سکوں تو بے شک مولوی صاحبان اعتراض کریں۔ طریق فیصلہ یہ ہوگا کہ مولوی صاحبان معارف قرآنیہ کی ایک کتاب ایک سال تک لکھ کر شائع کر دیں اور اس کے بعد میں اس پر جرح کروں گا جس کے لئے مجھے چھ ماہ کی مدت ملے گی۔ اس مدت میں جس قدر باتیں ان کی میرے نزدیک پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں ان کو میں پیش کروں گا۔ اگر ثالث فیصلہ کر دیں کہ وہ باتیں واقعہ میں پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں تو اُس حصہ کو کاٹ کر صرف وہ حصہ ان کی کتاب کا تسلیم کیا جائے گا جس میں ایسے معارف قرآنیہ بیان ہوں جو پہلی کتب میں نہیں پائے جاتے۔ اس کے بعد چھ ماہ

کے عرصہ میں ایسے معارف قرآنیہ حضرت مسیح موعود کی کتب سے یا آپ کے مقرر کردہ اصول کی بناء پر لکھوں گا جو پہلے کسی مصنف اسلامی نے نہیں لکھے اور مولوی صاحبان کو چھ ماہ کی مدت دی جائے گی کہ وہ اس پر جرح کرلیں اور جس قدر حصہ ان کی جرح کا مصنف تسلیم کریں اس کو کاٹ کر باقی کتاب کا مقابلہ ان کی کتاب سے کیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ میرے بیان کردہ معارف قرآنیہ جو حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے لئے گئے ہوں گے اور جو پہلی کسی کتاب میں موجود ہوں گے، ان علماء کے معارفِ قرآنیہ سے کم از کم دگنے ہیں یا نہیں جو انہوں نے قرآن کریم سے ماخوذ کئے ہوں اور وہ پہلی کسی کتاب میں موجود نہ ہوں۔ اگر میں ایسے دُگنے معارف دکھانے سے قاصر رہوں تو مولوی صاحبان جو چاہیں کہیں لیکن اگر مولوی صاحبان اس مقابلہ سے گریز کریں یا شکست کھائیں تو دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ منجانب اللہ تھا۔ یہ ضروری ہوگا کہ ہر فریق اپنی کتاب کی اشاعت کے معاً بعد اپنی کتاب دوسرے فریق کو رجسٹری کے ذریعہ سے بھیج دے۔ مولوی صاحبان کو میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ دگنی چوگنی قیمت کا، وی پی میرے نام کر دیں۔ اگر مولوی صاحبان اس طریق فیصلہ کو ناپسند کریں اور اس سے گریز کریں تو دوسرا طریق یہ ہے کہ میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادنیٰ خادم ہوں میرے مقابلہ پر مولوی صاحبان آئیں اور قرآن کریم کے تین رکوع کسی جگہ سے قرعہ ڈال کر انتخاب کرلیں اور وہ تین دن تک اُس ٹکڑے کی ایسی تفسیر لکھیں جس میں چند ایسے نکات ضرور ہوں جو پہلی کتب میں موجود نہ ہوں اور میں بھی اُسی ٹکڑے کی اسی عرصہ میں تفسیر لکھوں گا اور حضرت مسیح موعود کی تعلیم کی روشنی میں اُس کی تشریح بیان کروں گا اور کم سے کم چند ایسے معارف بیان کروں گا جو اس سے پہلے کسی مفسر یا مصنف نے نہ لکھے ہوں گے اور پھر دنیا خود دیکھ لے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کی کیا خدمت کی ہے اور مولوی صاحبان کو قرآن کریم اور اُس کے نازل کرنے والے سے کیا تعلق اور کیا رشتہ ہے۔''

(الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد ۱۷۔ صفحہ ۵۷۳،۵۷۴)

اس طرح آپ نے فرمایا:

''میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے قرآن سکھایا گیا ہے تو میں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی

طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا ہے اور اس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا میں استاد مقرر کیا ہے۔''

(الموعود بحوالہ انوار العلوم جلد ۱۷، صفحہ ۶۴۷)

غیروں کا اعتراف

یہ چیلنج آج تک کسی عالم دین کو قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ بلکہ اس چیلنج کا جواب تو در کنار الٹا مخالف و موافق محققین نے حضرت مصلح موعود کے علم قرآن کو تسلیم کیا۔ چنانچہ (۱)۔ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار نے احراریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

احراریو! کان کھول کر سن لو۔ تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود صاحب کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن ہے اور قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے۔ تم میں سے کوئی جو قرآن کے سادہ حرف بھی پڑھ سکے۔ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا تم خود کچھ نہیں جانتے۔ تم لوگوں کو کیا بتاؤ گے۔ مرزا محمود کی مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ میں حق بات کہنے سے باز نہیں آسکتا۔

(ایک خوفناک سازش مصنفہ مظہر علی اظہر صفحہ ۱۹۶)

۲- (سید جعفر حسین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ حیدر آباد دکن حضرت مصلح موعود کی رقم فرمودہ تفسیر کبیر کے مطالعہ کی روداد یوں بیان کرتے ہیں:

''میں نے تفسیر کبیر کا مطالعہ شروع کیا۔ تو مجھے اس تفسیر میں زندگی سے معمور..... نظر آیا۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ تفسیر کبیر پڑھ کر میں..... سے پہلی دفعہ روشناس ہوا۔''

(الفضل ۲۳ / جون ۶۲ ۱۹ء)

۳- ہندوستان کے ایک مشہور اہل قلم اور محقق ادیب علامہ نیاز فتح پوری جو دقیق النظر بھی ہیں۔ تفسیر کبیر سورۃ یونس کے مطالعہ کے بعد اپنی رائے لکھتے ہیں:

''تفسیر کبیر جلد سوم آج کل میرے سامنے ہے اور میں اسے نگاہ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے۔ اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے۔ جس میں عقل و نقل کو بڑے حسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔ آپ کی تبحر علمی آپ کی وسعت نظر آپ کی غیر معمولی فکر و فراست آپ کا حسن استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک اس سے بے خبر

رہا۔ کاش کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔ کل سورہ ہود کی تفسیر میں حضرت لوطؑ پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا۔ اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ نے ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔ خدا آپ کو تا دیر سلامت رکھے۔''

(مکتوب نیاز فتح پوری بنام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۵؍دسمبر ۱۹۵۹ء)

۴۔ ''صدق جدید'' کے مدیر شہیر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے حضرت مصلح موعود کے وصال پر تحریر فرمایا:

''قرآن و علوم قرآن کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں انھوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں ان کا اللہ انہیں صلہ دے۔ علمی حیثیت سے قرآنی حقائق و معارف کی جو تشریح، تبیین و ترجمانی وہ کر گئے ہیں اس کا بھی ایک بلند و ممتاز مرتبہ ہے''۔ (صدق جدید ۱۸؍نومبر ۱۹۶۵ء)

اشاعت علم قرآن کی تڑپ۔ آخری خواہش!

سیدنا حضرت مصلح موعود کو قرآن سے گہری محبت اور اشاعت علم قرآن کی جو تڑپ تھی اس کا ایک اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قاتلانہ حملہ کے بعد جب حضور کی علالت انتہائی تشویشناک صورت اختیار کر گئی اور بغرض علاج آپ کو یورپ تشریف لے جانا پڑا۔ اس موقع پر حضور نے احباب جماعت کے نام ایک خصوصی پیغام میں تحریر فرمایا کہ:

''میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے خدا! ابھی دنیا تک تیرا قرآن صحیح طور پر نہیں پہنچا اور قرآن کے بغیر نہ..... ہے نہ..... کی زندگی۔ تو مجھے پھر سے توفیق بخش کہ میں قرآن کے بقیہ حصہ کی تفسیر کر جاؤں اور دنیا پھر ایک لمبے عرصے کے لیے قرآن شریف سے واقف ہو جائے اور اس پر عامل ہو جائے اور اس کی عاشق ہو جائے''۔ (الفضل ۱۰؍اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم خلیفہ کی یہ خواہش پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

”وہ علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا“

(مکرم مرزا خلیل احمد قمر صاحب)

۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کا دن جماعت احمدیہ کی تاریخ میں نہایت اہم دن ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو خدا کا زندہ نشان دکھانے کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور جو دعائیں کی تھیں ان کی قبولیت کا دن ہے۔ اسی دن آپ نے خدا تعالیٰ سے خوشخبری پا کر دنیا میں یہ اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھے ایک ایسا لڑکا عطا فرمائے گا جو بہت سی خصوصیات کا حامل ہوگا۔

خدا تعالیٰ کی خوشخبریوں اور گذشتہ انبیاء و اولیاء کی پیشگوئیوں کے مطابق یہ موعود لڑکا ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی روز شرائط بیعت کا اعلان فرما کر جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھ دی۔ اس سے ایک اہم تعلق پیدا ہو جاتا ہے گویا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی پیدائش اور جماعت احمدیہ کا قیام توام ہیں۔

پیشگوئی مصلح موعود کا ہر فقرہ اپنی جگہ ایک مکمل پیشگوئی ہے۔ یہ پیشگوئی مصلح موعود کی باون خصوصیات آپ کے باون سالہ دورِ خلافت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں مگر ذیل میں صرف ”علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا“ کے متعلق انہی برکات و فیوض کا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت مصلح موعود کی تعلیم

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی صحت بچپن سے ہی خراب رہتی تھی اور تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکتے تھے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ کا مروجہ سکول کی تعلیم حاصل کرنا خدائی مصلحت کے خلاف تھا۔ آپ شروع سے ہی سکول میں تعلیمی لحاظ سے کمزور شمار ہوتے تھے۔ اس بات کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی احساس تھا۔

حضرت مصلح موعود کی تعلیم کے متعلق حضرت اقدس نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب (ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان) کو جنوری ۱۹۰۵ء میں خط لکھا:

> ”آپ کو معلوم ہے کہ محمود احمد پڑھائی میں بہت کمزور ہے اس لئے میرے نزدیک یہ تجویز مناسب ہے کہ آپ تجویز کر دیں کہ ایک ہوشیار طالب علم ایک وقت مقرر کر کے اس کو پڑھایا کرے۔ جو کچھ آپ مقرر کریں اس کو ماہ بماہ دے دیا جائے گا“۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب کی تعلیمی کیفیت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''آپ (حضرت میاں محمود احمد صاحب) اسکول میں پڑھتے تھے مگر ہر جماعت میں فیل ہوتے تھے لیکن ہم پھر بھی اگلی جماعت میں بڑھا دیتے تھے اس لئے کہ آپ حضرت اقدس کے فرزند ہیں''۔ (الفضل ۲/اکتوبر ۱۹۳۵ء)

حضرت مصلح موعود اپنی صحت اور تعلیمی حالت کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

''آنکھوں میں ککرے، جگر کی خرابی، عظمِ طحال کی شکایت اور پھر اس کے ساتھ بخار کا شروع ہو جانا جو چھ چھ مہینے تک نہ اترتا اور میری پڑھائی کے بارہ میں بزرگوں کا یہ فیصلہ کر دینا کہ یہ جتنا چاہے پڑھ لے اس پر زیادہ زور نہ دیا جائے ان حالات سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ میری تعلیمی قابلیت کا کیا حال ہوگا''۔ (انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۵۶۷)

حضور مزید فرماتے ہیں:

''دنیوی لحاظ سے میں پرائمری فیل ہوں مگر چونکہ گھر کا مدرسہ تھا اس لئے اوپر کی کلاسوں میں مجھے ترقی دے دی جاتی تھی۔ پھر مڈل میں فیل ہوا مگر گھر کا مدرسہ ہونے کی وجہ سے پھر مجھے ترقی دے دی گئی آخر میٹرک کے امتحان کا وقت آیا تو میری ساری پڑھائی کی حقیقت کھل گئی اور میں صرف عربی اور اردو میں پاس ہوا اور اس کے بعد پڑھائی چھوڑ دی گویا میری تعلیم کچھ بھی نہیں''۔ (تفسیر سورۃ کوثر تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۷)

لہٰذا آپ کی باقاعدہ تعلیم تو معمولی سی تھی لیکن پیشگوئی مصلح موعود کے حوالہ سے آپ فرماتے ہیں:

''وہ ظاہری و باطنی علوم سے پُر کیا جائے گا اور خدا تعالیٰ اسے آسمان سے اپنے علوم سکھائے گا اور فرشتے وہ علوم اسے پڑھائیں گے جو دین کے لئے ضروری ہیں۔ میری حالت یہ تھی کہ میں انگریزی کی دو سطریں بھی صحیح نہیں لکھ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خود میری ایسی تربیت کی کہ ہر علم میں مجھے ملکہ عطا کیا اور ہر قسم کے علوم سکھائے''۔

(تقریر لدھیانہ ۲۳/مارچ ۱۹۴۴ء انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۷)

قارئین کرام! حضور کے بچپن کی تعلیمی کمزوری اور صحت کی خرابی کا اندازہ تو آپ کو ہو چکا ہوگا۔ مگر یہ جلد جلد بڑھنے والا موعود نوجوان علم کے میدان میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی تربیت کے نتیجہ میں ایسا چمکا کہ دنیا کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔ پس یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کے پاس علوم کا خزانہ تھا۔ آپ نہ صرف دنیا کے ہر علم سے گہری واقفیت رکھتے تھے بلکہ ہر علم پر محاکمہ بھی فرماتے اور جملہ علوم کے نقائص پر اطلاع رکھتے تھے اور ان پر تنقید بھی کرتے تھے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے حضور کو دینی اور دنیوی علوم کا حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ آپ کے پاس ہر قسم کے ماہرین علم ملاقات کے لئے

آتے تھے۔ آپ ان کو پوری طرح مطمئن فرمایا کرتے تھے۔

مطالعہ

جماعت احمدیہ کی اکثریت بفضل تعالیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ جس کے نوجوان مختلف علوم کے جاننے والے ہی نہیں بلکہ ماہر بھی تھے۔ حضور ان کی راہنمائی فرماتے ہوئے ان کی علمی مشکلات حل فرماتے۔ کہیں سائنس اور مذہب کے ٹکراؤ کو دور کرتے اور کہیں انسان کے ارتقا اور چاند پر پہنچنے کی توجیہہ فرماتے۔ کہیں تاریخی مسائل کو بیان فرماتے اور کہیں عمرانیات جیسے مشکل موضوع کی عقدہ کشائی فرماتے۔ کبھی تصوف کے مسائل پر بصیرت افروز روشنی ڈالتے تو کبھی اخلاقیات کے نظریے کو عالم تشرح کرتے۔ کہیں...... کا دیگر مذاہب اور نظریات سے موازنہ کرتے تو کہیں...... کے اندر بد رسومات کے خلاف جہاد کا اعلان فرماتے۔

غرض اس طرح کے مختلف النوع مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایک وسیع مطالعہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حضرت مصلح موعود کی زیرِ مطالعہ کتب کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ حضور نے مختلف علوم کی بے شمار کتب کا مطالعہ کیا ہے۔

ذیل میں صرف اُن کتب کی تعداد کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر حضور نے اپنے ہاتھ سے نوٹ تحریر فرمائے اور جو لائبریری میں موجود ہیں۔

کتب علم تفسیر	۱۷۷	کتب علم حدیث	۱۴۲	علم فقہ	۱۰۱
علم الکلام	۱۳۶	کتب تصوف	۲۰۶	کتب طب یونانی	۸۰
کتب ...... بزبان انگریزی	۱۴۲	کتب جغرافیہ وعلوم عامہ	۱۳۵	کتب ہومیو پیتھک	۹۵
کتب سوشل سائنس یعنی اقتصادیات سیاست قانون	۴۹۰			کتب ہیئت وحساب	۵۰
کتب اہلِ سنت والجماعت	۱۵۰	کتب سلسلہ احمدیہ	۱۶۲۰	کتب عیسائیت	۱۸۰
کتب شیعہ	۳۵	کتب ہندو وسکھ مذہب	۱۵۷	کتب بدھ مت	۵۰
کتب علوم مافوق العادت وعجائبات	۷۴	کتب متعلقہ کمیونزم	۷۵	کتب فلسفہ ونفسیات	۱۸۰
کتب ایلو پیتھک	۳۶	کتب تاریخ وسوانح	۶۸۰	کتب بہائیت	۳۵
کتب عربی ادب	۷۰۲	کتب حوالہ جات انسائیکلوپیڈیا لغات وغیرہ	۱۲۲		
کتب اردو ادب	۸۱۶	کتب انگریزی لٹریچر	۱۳۳۵		

(ماخوذ از الفضل ۹ / مارچ ۱۹۶۶ء)

علمی زندگی کا آغاز

حضور انور کی دنیوی تعلیم تو نہ ہونے کے برابر تھی۔ مگر چونکہ خدائی وعدوں کے مطابق آپ کا علوم ظاہری و باطنی سے پُر ہونا دنیا پر ثابت کرنا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے آپ کی تعلیم وتربیت کی اور اپنے فضل سے ایسے حالات اور سامان پیدا فرمائے کہ آپ اپنے مطالعہ سے اپنے علمی دائرے کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت بھی ڈالی چنانچہ آپ کے علم کا دائرہ غیر معمولی طور پر نہایت تیزی سے پھیلتا چلا گیا اور علمی لحاظ سے آپ نے غیر معمولی حیثیت اختیار کر لی۔ ذرا پیشگوئی کے الفاظ ''وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا'' پر غور کریں جب کوئی برتن لبریز ہو جاتا ہے تو مائع باہر کو بہنے لگتا ہے۔ بس یہی حالت حضرت مصلح موعود کی تھی پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام علوم سے پُر کیا تاکہ وہ ان علوم کو پھیلا سکیں جن علوم کو اللہ تعالیٰ نے پھیلانے کا ارادہ کیا تھا۔

۱۹۰۶ء کے جلسہ سالانہ پر آپ نے شرک کی تردید کے موضوع پر تقریر فرمائی جو بعد میں ''چشمہ توحید'' کے نام سے شائع بھی ہوئی۔ اس تقریر میں آپ نے ایسے مدلل طور پر شرک کی تردید کی کہ اپنے اور پرائے بھی دنگ رہ گئے۔ اسی سال آپ نے نوجوانوں کی ایک انجمن بنائی جس کا تشحیذ الاذہان نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تجویز فرمایا۔ اس انجمن کے ذریعہ نوجوانوں کی علمی اور تربیتی ترقی مقصود تھی۔ اسی سال آپ نے تشحیذ الاذہان کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ جس کے پہلے شمارے پر مولوی محمد علی صاحب ایم اے (جو بعد میں آپ کے شدید مخالف ہو گئے تھے) نے آپ کے مقالہ افتتاحیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> ''اس رسالہ کے ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد حضرت اقدس کے صاحبزادہ ہیں اور پہلے نمبر میں ۱۴ صفحوں کا ایک انٹروڈکشن ان کی قلم کا لکھا ہوا ہے۔ جماعت تو اس مضمون کو پڑھے گی۔ مَیں اس مضمون کو مخالفینِ سلسلہ کے سامنے بطور ایک بیّن دلیل کے پیش کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی صداقت پر گواہ ہے''۔

مولوی محمد علی صاحب مزید لکھتے ہیں:

> ''ایک اٹھارہ برس کے نوجوان میں اس جوش اور ان امنگوں کا بھر جانا معمولی امر نہیں۔ کیونکہ یہ زمانہ سب سے بڑھ کر کھیل کود کا زمانہ ہے۔ اب وہ سیاہ دل لوگ جو حضرت مرزا صاحب کو مفتری کہتے ہیں اس بات کا جواب دیں کہ اگر یہ افتراء ہے تو سچا جوش اس بچہ کے دل میں کہاں سے آیا۔ جھوٹ تو ایک گند ہے پس اس کا اثر تو یہ چاہئے تھا کہ گندہ ہوتا نہ یہ کہ ایسا پاک اور نورانی جس کی نظیر ہی نہیں ملتی''۔ (ریویو آف ریلیجنز اردو مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱۷-۱۱۸)

حضرت مصلح موعود نے کئی سال تک تشحیذ الاذہان کی ادارت فرمائی جب اہلِ لاہور نے جماعت احمدیہ کے خلاف سازشیں شروع کیں اور اپنے گھناؤنے مقاصد کی اشاعت کے لئے ”پیغام صلح“ اخبار لاہور سے جاری کیا تو آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی اجازت سے اخبار ”الفضل“ جاری فرمایا۔ جس نے اہل پیغام کی تمام سازشیں بے نقاب کر دیں اور جماعت احمدیہ کی راہنمائی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ آپ کے قلم سے ایسے ایسے مضامین نکلے کہ بڑے بڑے لوگ آپ کی قابلیت اور فراست کا اعتراف کرنے لگے اور ایسا کیوں نہ ہوتا آپ کے بارہ میں خدائی بشارت تھی کہ ”وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا“ آپ نے ۱۹۴۴ء میں اذنِ الٰہی سے جب مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اپنی تقریر میں فرمایا:

> ”اسی کی طرف میری رؤیا میں اشارہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ خواب میں مَیں بڑے زور سے کہہ رہا ہوں کہ میں وہ ہوں جسے علوم ...... اور علوم عربی اور اس زبان کا فلسفہ ماں کی گود میں اس کی دونوں چھاتیوں سے دودھ کے ساتھ پلائے گئے تھے“۔ (الفضل ۱۶ر فروری ۱۹۴۴ء)

پس جس شخص کا معلم خدا تعالیٰ خود ہو اُس کے علم کا اندازہ محال ہے حضرت مصلح موعود نے دنیا کے سب بڑے بڑے علوم پر اپنی کتب، خطبات اور تقاریر میں بحث کی ہے اور ایسے نکات بیان فرمائے ہیں کہ پڑھنے والا دنگ رہ جاتا ہے۔ ان علوم کے ماہرین عش عش کر اُٹھتے ہیں۔ دنیا کا کوئی علم ہو۔ سیاسیات ہو یا قانون، اخلاقیات ہو یا الٰہیات، نفسیات ہو یا علم طب، ایلو پیتھک طریق علاج ہو یا ہومیو پیتھک، فزکس ہو یا کیمسٹری، اقتصادیات ہو یا معاشیات، عمرانیات ہو یا شہریت، علم ارتقاء ہو یا فلکیات، علم حساب ہو یا علم ہیئت، علم تاریخ ہو یا علم جغرافیہ، علم تفسیر ہو یا علم حدیث، علم فقہ ہو یا تصوف، موازنہ مذاہب ہو یا دنیاوی علوم غرضیکہ کوئی ایسا علم نہیں جس کے متعلق آپ نے اپنے خطبات یا تقاریر اور تحریرات میں سیر حاصل بحث نہ کی ہو۔ آپ کے پیدا کردہ لٹریچر میں اتنی وسعت اور تنوع ہے کہ شاید ہی دنیا کے کسی مصنف کے لٹریچر میں پایا جاتا ہو۔ ذیل میں حضور کی مختلف علوم پر کتب اور خطبات کا ذکر کر کے بتانا مقصود ہے کہ یہی وہ محمود ہے جو اپنے کاموں سے پیشگوئی مصلح موعود کی ایک ایک شق کا مصداق ہے۔

علم تفسیر

اس پسر موعود کی یہ علامت بھی تھی ”وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا“ .... قرآنی علوم کی اشاعت کے لئے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دورِ آخر میں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اسی خدا تعالیٰ کے زندہ نشان کے طور پر حضرت مصلح موعود کی پیدائش ہوئی تھی۔

”تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجے سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے

پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین حق کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے''۔

وہ پسر موعود جب اس دنیا میں آیا اور بچپن سے ہی اس کے دل میں اشاعت دین حق اور قرآنی علوم کے حصول کی خواہش موجزن تھی۔ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا مگر اصل علم تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا اور ایسے ایسے نکات آپ نے بیان فرمائے کہ سلسلہ کے عالم اور غیر از جماعت احباب بھی دنگ رہ گئے۔

اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود بیان فرماتے ہیں:

''میں ابھی بچہ ہی تھا کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ گھنٹی بجی ہے اور اس میں ٹن کی آواز پیدا ہوئی ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک تصویر کے فریم کی صورت اختیار کرگئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس فریم میں ایک تصویر نمودار ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تصویر ہلنی شروع ہوئی اور پھر یکدم اس میں سے کود کر ایک وجود میرے سامنے آ گیا اور اس نے کہا میں خدا کا فرشتہ ہوں اور تمہیں قرآن کریم کی تفسیر سکھانے کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا سکھاؤ۔ تب اس نے سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھانی شروع کردی وہ سکھاتا گیا اور سکھاتا گیا یہاں تک کہ جب وہ ایاک نعبدو ایاک نستعین تک پہنچا تو کہنے لگا آج تک جتنے مفسر گزرے ہیں ان سب نے صرف اس آیت کی تفسیر لکھی ہے لیکن میں تمہیں اس کے آگے بھی تفسیر سکھاتا ہوں چنانچہ اس نے ساری سورۃ فاتحہ کی تفسیر مجھے سکھادی۔

''اس رؤیا کے معنی درحقیقت یہی تھے کہ فہم قرآن کا ملکہ میرے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ ملکہ میرے اندر اسقدر ہے کہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں اور میں جس مجلس میں چاہو میں یہ دعویٰ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ سورۃ فاتحہ سے ہی میں تمام اسلامی علوم بیان کرسکتا ہوں۔''

(میں ہی مصلح موعود ہوں، انوار العلوم جلد ۱۷، صفحہ ۳۲۵)

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب سابق لائبریرین خلافت لائبریری تحریر کرتے ہیں:

''۱۹۴۴ء میں خاکسار ایک غیر از جماعت عالم حافظ مہر محمد صاحب صدر مدرس جامعہ حنفیہ اچھرہ لاہور سے منطق وفلسفہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ حافظ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ خُـلَّة کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آرہا۔ بہت سے علماء اور اساتذہ، صوفیا کرام سے بحث ہوئی ہے مگر تشفی نہیں ہوتی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ اتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً

''لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خلۃ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ حالانکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ افضل الرسل ہیں۔ اس پر مَیں نے اپنی بساط کے مطابق انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان کی تسلی نہ ہوئی بلکہ کہا کہ یہ حضرت مرزا صاحب سے استصواب کر کے بتائیں۔ مَیں نے حضور کی خدمت میں درخواست کی حضور نے فوراً اس کی تشریح مجھے بھجوا دی اور اخبار الفضل میں بھی شائع فرما دی۔ مَیں نے وہ تشریح حافظ صاحب کو سُنائی تو خوشی سے ان کا چہرہ چمک اُٹھا اور کہنے لگے کہ واقعی حضرت مرزا صاحب بہت بڑے عالم ہیں۔ اب میری سمجھ میں یہ مسئلہ آ گیا ہے۔ حافظ صاحب پر حضور کے تبحر علمی کا اتنا اثر ہوا کہ حضور ان دنوں لاہور تشریف لائے تو حافظ صاحب حضور کی زیارت کے لئے مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان واقع ٹمپل روڈ پر حاضر ہوئے اور حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور حضور کی ملاقات سے بہت اچھا اثر لے کر واپس ہوئے۔'' (الفضل ۱۹؍مارچ ۱۹۶۶ء)

حضرت مصلح موعود نے تفسیر صغیر کے نام سے مختصر نوٹ کے ساتھ قرآن کریم کا بامحاورہ ترجمہ شائع فرمایا جو اپنی خوبیوں کے لحاظ سے اپنی آپ مثال ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں کتابوں کا مواد ہے۔ یہ ان انوار کی ہلکی سی جھلک ہے جو آپ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائی۔ آپ کے علم تفسیر قرآن پر کئی کتب تحریر کی جا سکتی ہیں۔

آپ نے تفسیر نویسی کا چیلنج ان الفاظ میں دیا:

''مَیں ساری دُنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے قرآن سکھایا گیا ہے تو مَیں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن مَیں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا ہے اور اس زمانہ میں اس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دنیا کا اُستاد مقرر کیا ہے۔ خدا نے مجھے اس غرض سے کھڑا کیا ہے کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور ...... کے مقابلہ میں دُنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دوں۔ دنیا زور لگا لے وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کر لے۔ عیسائی بادشاہ بھی اور ان کی حکومتیں بھی مل جائیں یورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے دنیا کی تمام بڑی بڑی مالدار اور طاقتور قومیں اکٹھی ہو جائیں اور وہ مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں پھر بھی مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ناکام رہیں گی اور خدا میری دُعاؤں اور تدابیر کے سامنے ان کے تمام منصوبوں

اور مکروں کو ملیا میٹ کر دے گا۔‘‘ (الموعود انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۶۴۷)

آپ نے خلافت پر متمکن ہوتے ہی ۱۷؍ مارچ ۱۹۱۴ء سے درس القرآن کا آغاز فرمایا جو بعد میں حقائق القرآن کے نام سے شائع ہوا۔ پھر جون ۱۹۱۷ء قرآن مجید کے پہلے دس پاروں کا درس دیا۔ پھر یکم اگست ۱۹۲۲ء کو دوبارہ ابتدائی دس پاروں کا درس دیا۔ ۱۹۲۸ء میں حضور نے سورہ یونس سے سورہ کہف تک درس دیا۔ ۱۹۳۶ء میں سورہ مریم سے سبا تک درس دیا۔ ۱۹۴۴ء میں تیسویں پارہ کا درس دیا ۱۹۴۹ء سے حضور نے کوئٹہ میں سورہ مریم کے درس کا آغاز فرمایا۔

اس کے علاوہ آپ کے خطبات، تقاریر اور تصانیف میں قرآن کریم کے حقائق و دقائق سے لبریز ہیں ربط آیات، غیر مسلم مستشرقین کے اعتراضات، عصمت انبیاء، قرآن کی دیگر مذہبی کتب پر برتری۔ قرآن میں تاریخی انکشافات اور سائنسی معلومات، جدید مسئلہ ارتقا کو قرآن کریم سے ثابت کیا۔ آپ نے تفسیر کبیر کے نام سے ۱۰ ضخیم جلدیں جو ۵۹۰۷ صفحات پر مشتمل ہے شائع فرمائی۔

علم الکلام

حضرت مصلح موعود نے ...... کے بنیادی عقائد نہایت مدلل اور احسن پیرائے میں بیان فرمائے۔ آپ کا طرز بیان ایسا سادہ اور واضح اور بلیغ ہوتا کہ مشکل اور ادق مسائل بھی ایسی عام فہم زبان میں بیان فرماتے کہ عام آدمی بھی ان مسائل کو بآسانی سمجھ سکتا۔ آپ نے ...... پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کے ایسے مسکت اور مدلل جواب دیئے ہیں کہ مزید اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ آپ نے تقریباً ہر اہم مسئلہ پر قلم اٹھایا اور جس مسئلہ پر آپ نے بحث فرمائی اس کو کسی پہلو سے بھی تشنہ نہ رہنے دیا اس سلسلہ میں آپ کے مضامین اور کتب اور تقاریر درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ثبوت
۲- ہستی باری تعالیٰ
۳- تقدیر الٰہی
۴- ملائکۃ اللہ
۵- حقیقۃ النبوۃ
۶- مسئلہ زکوٰۃ
۷- مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ
۸- نجات (تقریر)
۹- نجات بجواب پادری میکلین
۱۰- رسول کریم کی عزت کا تحفظ اور ہمارا فرض
۱۱- اعمال صالحہ
۱۲- تعلیم العقائد والاعمال پر خطبات
۱۳- حق الیقین اور نبوت المسلمین
۱۴- خزینۃ العلوم
۱۵- مجمع البحرین
۱۶- دعوتِ علماء
۱۷- روحانی علوم
۱۸- انوار خلافت
۱۹- برکاتِ خلافت
۲۰- منصب خلافت
۲۱- خلافتِ راشدہ
۲۲- خلافت احمدیہ کے مخالفین کی تحریک
۲۳- خلافت حقہ اسلامیہ

۲۴- آسمانی نظام اور اس کی مخالفت کا پس منظر ۲۵- احمدیت یعنی حقیقی......
۲۶- احمدیت کا پیغام ۲۷- احمدی اور غیر احمدی میں فرق ۲۸-تحقیقاتی عدالت میں بیان
۲۹- حقیقۃ الامر ۳۰- حضرت مسیح موعود کے کارنامے ۳۱- عقائد احمدیہ
۳۲- حضرت مسیح موعود کی صداقت کا نشان ۳۳- قادیانی مسئلہ کا جواب
۳۴- سرزمین کابل کا تازہ نشان ۳۵- مسلمان وہ ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے
۳۶- کون ہے جو خدا کے ماموروں کو روک سکے ۳۷- نظام نو ۳۸- فدائے ایمان نمبرا تا ۴
۳۹- ایک غلط بیانی کی تردید ۴۰- اصول احمدیت ۴۱- الموعود
۴۲- میں .....کو کیوں مانتا ہوں ۴۳- انقلاب حقیقی وغیرہ وغیرہ

علم تاریخ و سیرت

اللہ تعالیٰ نے حضور کو اتنا نور فراست عطا فرمایا تھا کہ آپ تاریخ کے مطالعہ کے دوران کسی دور کے حالات و واقعات پڑھ کر فوراً سمجھ جاتے تھے کہ یہ واقعہ غلط ہے اور بہت سی متضاد روایات میں سے قرائن اور درایت سے صحیح روایت اخذ کر لیتے تھے۔ حضور نے علم تاریخ اور سیرت پر جو کتب تصنیف فرمائی ہیں وہ اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتی ہیں۔

۱- اسوۂ کامل ۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان ۳- اسوۂ حسنہ
۴- ہمارا رسول ۵- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تعلیم ۶- سیرت خیر الرسل
۷- سیرت النبی پر آپ کے مضامین کا مجموعہ ۸- نبیوں کا سردار ۹- پیارا نبیؐ
۱۰- عہد کا رسول ۱۱- سیرت مسیح موعود ۱۲- وہی ہمارا کرشن
۱۳- دیباچہ تفسیر القرآن ۱۴- ......میں اختلافات کا آغاز

دیباچہ تفسیر القرآن موازنہ مذاہب اور سیرت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ اس عظیم الشان تصنیف پر کئی متعصب مستشرقین بھی آپ کو داد تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ مشہور مستشرق اے۔ جے۔ آربری نے لکھا:

”اس کتاب کو علم و فضل کا شاہکار قرار دینا مبالغہ نہ ہوگا“۔

اسی طرح مسٹر رچرڈ بیل نے اسے ایک عظیم الشان کارنامہ قرار دیا۔

”......میں اختلافات کا آغاز“ ایک مقالہ ہے جو حضرت مصلح موعود نے ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور کی

درخواست پر ۱۹۱۹ء میں ارشاد فرمایا۔ اس مقالہ میں حضور نے تاریخ ...... کے ایک انتہائی المناک اور دردناک دور کے حالات کا محققانہ تجزیہ کیا جو بالآخر حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔ اس جلسے کی صدارت پروفیسر سید عبدالقادر صاحب ایم اے نے کی تھی۔ تقریر کے بعد انہوں نے اپنے صدارتی ریمارکس میں فرمایا:

> ''حضرات! میں نے بھی کچھ تاریخی اوراق کی ورق گردانی کی ہے اور آج شام کو جب میں ہال میں آیا تو مجھے خیال تھا کہ اسلامی تاریخ کا بہت سا حصہ مجھے بھی معلوم ہے اور اس پر میں اچھی طرح رائے زنی کر سکتا ہوں لیکن اب جناب مرزا صاحب کی تقریر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی طفلِ مکتب ہوں اور میری علمیت کی روشنی اور جناب مرزا صاحب کی علمیت کی روشنی میں وہی نسبت ہے جو ایک لیمپ (جو میز پر تھا) کی روشنی اور بجلی کے لیمپ کی روشنی (جو اوپر آویزاں تھا) میں ہے۔
>
> ''حضرات جس وضاحت اور علمیت سے جناب مرزا صاحب نے اسلامی تاریخ کے نہایت مشکل باب پر روشنی ڈالی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے اور یہاں بہت کم لوگ ہوں گے جو ایسے اَدَق باب کو بیان کر سکیں''۔ (الفضل ۸؍مارچ ۱۹۱۹ء)

علم اقتصادیات

بیسویں صدی میں امیر اور غریب کے درمیان طبقاتی کشمکش کا بڑا سبب اقتصادی ناہمواری تھا۔ حضور نے اس موضوع پر جماعت احمدیہ کی بالخصوص اور دنیا کی بالعموم جس شاندار طریقے سے راہنمائی فرمائی وہ قابلِ قدر ہے۔ آپ نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بیکار نہ رہیں۔ تجارت کی طرف توجہ دیں۔ آغاز میں معمولی چیزیں لے کر فروخت کریں جب آپ کو تجارت کا گر آ جائے گا آپ اس مہارت کی وجہ سے ایک مقام حاصل کر جائیں۔ کسی کام کے کرنے میں ہتک نہ سمجھیں۔ اس سے انسان کے اندر کام کر کے کھانے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے زمینداروں کی راہنمائی فرمائی کہ وہ اچھا بیج اور کھاد استعمال کر کے زیادہ پیداوار حاصل کر سکتے ہیں۔ فصلوں کو بدل بدل کر کاشت کریں۔ جہاں پانی کم ہے باغات لگائیں اس طرح اپنی آمد بڑھائیں وہاں ملک کی معیشت بھی ترقی کرے گی۔ اس سلسلہ میں حضور نے خطبات اور تقاریر کے علاوہ کئی کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ زمینداروں کی اقتصادی مشکلات
۲۔ ...... اور ملکیت زمین
۳۔ نظام نو
۴۔ ...... کا اقتصادی نظام

''...... کا اقتصادی نظام'' حضور کی وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو حضور نے ۱۹۴۵ء میں احمدیہ ہوسٹل لاہور میں

فرمائی۔ جس میں بہت سے مختلف مذاہب کے ذی علم احباب بھی شریک تھے۔ اس تقریر میں حضور نے قرآن کریم کے پیش کردہ اقتصادی نظام کو بیان فرمایا اور ثابت کیا کہ اسلام کا پیش کردہ اقتصادی نظام ہی سب سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور یہی نظام دنیا میں پائیدار عالمی امن کا ضامن ہے۔ اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اقتصادی ماہرین نے اس کو پسند کیا ہے اس جلسہ کی صدارت مسٹر رام چند مچندہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ نے کی تھی۔ حضور کی تقریر کے بعد انہوں نے اپنے صدارتی ریمارکس میں کہا:

> ''میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی قیمتی تقریر سننے کا موقع ملا اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تحریکِ احمدیت ترقی کر رہی ہے اور نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ جو تقریر آپ نے اس وقت سُنی ہے اس کے اندر نہایت قیمتی اور نئی نئی باتیں حضرت امام جماعت احمدیہ نے بیان فرمائی ہیں۔ مجھے اس تقریر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے بھی ان قیمتی معلومات سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ یہ میری غلطی تھی کہ اسلام اپنے قوانین میں صرف مسلمانوں کا ہی خیال رکھتا ہے۔ غیر مسلموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا مگر آج رات حضرت امام جماعتِ احمدیہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے''۔

(از پیش لفظ...... کا اقتصادی نظام)

سامعین پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا۔ ایک پروفیسر صاحب تقریر کو سن کر رو پڑے اور بعض طلباء نے جو کمیونزم کے حامی تھے اس امر کا اظہار کیا کہ وہ اسلام کے اقتصادی نظام کے قائل ہو گئے ہیں اور اب اسے صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں یونیورسٹی کے ایم اے اقتصادیات کے طلباء نے حضور سے درخواست کی کہ اس لیکچر کا انگریزی میں ترجمہ کروا کے اسے ماہرین اقتصادیات کے پاس بھجوایا جائے۔ ان سب کوائف سے ظاہر ہے کہ حضرت مصلح موعود کا علم کسبی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی موہبت اور عطا ہے۔

پروفیسر سید ڈاکٹر اختر اورینوی جو اردو کے نامور ادیب اور افسانہ نگار تھے۔ اشتراکی نظام کے بارے میں حضور سے ۱۹۴۲ء کی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضرت محمود نے اشتمالیت کی دو خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اشتمالیت جبر کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کرنا چاہتی ہے۔ وہ جبر سے اہلِ سرمایہ کی دولت چھین کر سماج پر خرچ کرتی ہے اور اپنے نظام کے قیام کے لئے جبر وقہر کو عملاً مرکزی اور بنیادی حیثیت دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا جبر یہ طریقہ شدید ردّعمل پیدا کرتا ہے اور اس کے اچھے نتائج ظاہر نہیں ہوتے آپ نے امریکہ میں جبریہ شراب بندی کی سکیم کی رسوائے عالم ناکامیابی کی مثال دی۔ پھر اسلامی ممانعت خمر

کی کامیابی کو پیش کیا۔...... نے پہلے نفسی انقلاب اور اخلاقی اصلاح کی بنیادیں مضبوط کرلیں پھر شراب ممنوع قرار دی تو یہ علت ایسی مٹی کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی اسی طرح ...... دولت یا ذرائع پیداوار کو جبر وقہر سے مٹانے کے اصول پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ایسی تعلیمات دیتا ہے اور معاشرہ کی ایسی روحانی اور اخلاقی اصلاح کرتا ہے کہ طوعی طور پر رفتہ رفتہ مگر یقیناً وہ ساری معاشی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں جن کے حصول کا دعویٰ اشتمالیت کرتی ہے...... اشتمالیت نادانستہ دماغی قوتوں کو تدریجی طور پر کچلنے کا سامان کرتی ہے......... نفسیاتی فطری اخلاقی اور روحانی طور پر آزاد اور خود مختارانہ طریقوں سے معاشرہ میں مساوات، اخوت اور حریت پیدا کرتا ہے۔...... نہایت لطیف اور پُر اثر رنگ میں تقسیم دولت سے موزوں معاشی مساوات پیدا کر دیتا ہے اور دماغی صلاحیتوں کی پرورش بھی کرتا ہے۔'' (ماہنامہ درویش فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۴)

علم الحساب

علم حساب کتاب کے بارے میں حضرت مصلح موعود بیان فرماتے ہیں:

''ماسٹر فقیر اللہ صاحب ...... ہمارے حساب کے استاد تھے...... انہوں نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس میرے متعلق شکایت کی کہ حضور یہ کچھ پڑھتا نہیں کبھی مدرسہ میں آجاتا ہے اور کبھی نہیں آتا۔ مجھے یاد ہے جب ماسٹر صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس یہ شکایت کی تو میں ڈر کے مارے چھپ گیا کہ معلوم نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کس قدر ناراض ہوں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب یہ بات سُنی تو آپ نے فرمایا آپ کی بڑی مہربانی ہے جو آپ بچے کا خیال رکھتے ہیں اور مجھے آپ کی بات سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ کبھی کبھی مدرسے چلا جاتا ہے ورنہ میرے نزدیک تو اس کی صحت اس قابل نہیں کہ پڑھائی کر سکے۔ پھر ہنس کر فرمانے لگے اس سے ہم نے آٹے دال کی دکان تھوڑی کھلوانی ہے کہ اسے حساب سکھایا جائے۔ حساب اسے آئے یا نہ آئے کوئی بات نہیں آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ نے کونسا حساب سیکھا تھا۔ اگر یہ مدرسہ میں چلا جائے تو اچھی بات ہے ورنہ اسے مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ یہ سُن کر ماسٹر صاحب واپس آگئے۔ (الموعود انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۵۶۷)

مگر اللہ تعالیٰ نے حساب میں بھی آپ کو اس قدر ملکہ عطا فرمایا تھا کہ تقریروں کے دوران یا کسی سے بات کرتے ہوئے فوراً کروڑوں اور اربوں کا حساب بتا دیتے تھے۔ جو اس قدر درست ہوتا تھا کہ بڑے بڑے حساب دان اور ماہر

شماریات بھی دنگ رہ جاتے۔

پروفیسر سولر سے ملاقات کے حوالہ سے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''جب میں دہلی گیا تو وہاں مجھے علم حساب کے ایک بہت بڑے ماہر پروفیسر سولر ملے جنہیں پنجاب یونیورسٹی نے پچھلے دنوں لیکچروں کے لئے بلایا تھا اور ان کے پانچ سات لیکچر ہوئے تھے انہوں نے بتایا کہ علم حساب کی رُو سے یہ قطعی طور پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ سورج اڑتالیس ہزار سال میں اپنے محور کے گرد چکر لگاتا ہے اور جب وہ اپنے اس چکر کو مکمل کر لیتا ہے تو اس وقت مختلف سیاروں سے مل کر اس کی گرمی اتنی تیز ہو جاتی ہے تو اس گرمی کے اثر کی وجہ سے اس کے اردگرد چکر لگانے والے تمام سیارے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا اڑتالیس ہزار سال میں تمام سیارے سورج کی گرمی سے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کی عمر اس سے زیادہ نہیں۔ وہ کہنے لگے بالکل ٹھیک ہے دنیا کی عمر اس سے زیادہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں نے کہا...... اگر آپ کی رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ڈارون تھیوری اور جیالوجی کی پرانی تھیوری بالکل باطل ہے وہ کہنے لگے یقیناً باطل ہے......

وہی پروفیسر سولر...... جب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ اور نیویارک کے بعض اور پروفیسر بھی تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس ساری یونیورس کا ایک مرکز ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سارے نظام عالم کا فلاں مرکز ہے جس کے گرد سورج اور اس کے علاوہ اور لاکھوں کروڑوں سورج چکر لگا رہے ہیں اور انہوں نے کہا میری تھیوری یہ ہے کہ یہی مرکز خدا ہے......

میں نے کہا نظام عالم کے ایک مرکز کے متعلق آپ کی جو تحقیق ہے مجھے اس پر اعتراض نہیں۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ دنیا ایک نظام کے ماتحت ہے اور اس کا ایک مرکز ہے مگر آپ کا یہ کہنا کہ یہی مرکز خدا ہے درست نہیں۔ میں نے ان سے کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات نازل ہوتے ہیں اور کئی ایسی باتیں ہیں جو اپنے کلام اور الہام کے ذریعہ وہ مجھے قبل از وقت بتا دیتا ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا آپ جس مرکز کو خدا کہتے ہیں وہ بھی کسی پر الہام نازل کر سکتا ہے؟ وہ کہنے لگے الہام تو نازل نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا تو پھر میں کس طرح تسلیم کروں کہ یہی مرکز خدا ہے۔ مجھے تو ذاتی طور پر اس بات کا علم ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے اور وہ باتیں اپنے وقت پر پوری ہو جاتی ہیں۔''

(تعلیم الاسلام کالج کے قیام کی غرض۔ انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۲)

علم طب

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی دو بڑی قسمیں بیان فرمائی ہیں علم الادیان اور علم الابدان۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت مصلح موعودؓ کو علوم روحانی پر دسترس عطا فرمائی تھی آپ نے علم طب کے بارے میں علم حاصل کیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ ریسرچ بھی کرواتے رہتے تھے۔ آپ نے اپنی نگرانی میں قادیان اور ربوہ میں آسان اور سستے علاج کے لئے ''دواخانہ خدمت خلق'' قائم فرمایا اور اپنی نگرانی میں بڑے عمدہ نسخے تیار کروائے۔ اس کے علاوہ پرفیومری یعنی عطر سازی میں بھی آپ کو دسترس حاصل تھی۔ ربوہ میں اپنی نگرانی میں ''ایسٹرن پرفیومری کمپنی'' قائم فرمائی۔

جامعہ احمدیہ میں مبلغین کو طب سکھانے کا انتظام فرمایا۔ اس کے علاوہ وقف جدید کے قیام کے ذریعہ دیہات میں طب کو ترویج دی۔ طب کے ساتھ آپ کو شروع سے ہی لگاؤ تھا۔ اس سلسلہ میں پنجاب کے مشہور حکیم حاذق سیّد علی احمد صاحب نیر واسطی نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں تحریر کیا:

''المکرم: تسلیم ونیاز

''مجھ سے زیادہ جناب پر یہ حقیقت روشن ہے کہ کسی قوم کی تاریخ اس وقت زندہ رہ سکتی ہے جبکہ اس کے علوم وفنون کا تحفظ کیا جائے۔ مسلمان اگر دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں تو یقیناً انہیں اپنے علوم وفنون کی جانب اعتنا کرنا پڑے گا۔ انہیں اپنے علم الکلام، علم معانی منطق فلسفہ اور اس ضمن میں اپنے علم طب پر خصوصی توجہ مبذول کرنی ہوگی۔

''قادیان نے ہمیشہ سے علم طب کی سرپرستی کی ہے۔ خود مرزا صاحب ایک بہت بڑے فاضل جید اور حاذق طبیب تھے۔ حکیم نورالدین صاحب بھیروی کا مرتبہ اطبائے کاملین کی صف اوّل میں خصوصاً بہت بلند ہے ان کے مجربات کے نسخوں اور ان نسخوں کی ترکیبوں کو دیکھ کر جالینوس اور شیخ کے عہد کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

''ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی ذات گرامی سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس فن عزیز کی سرپرستی کے لئے اب عملی قدم بڑھائیں۔''

''لکھنا بہت کچھ تھا لیکن سردست ان چند سطور پر اکتفا کیا گیا.....''

جناب حکیم نیر واسطی صاحب کے اس خط کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ نے جواباً تحریر فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو طب کا خاص خیال تھا مجھے جو علم علاوہ قرآن کریم اور حدیث کے حکماء

سے پڑھوایا وہ طب تھا۔ فرماتے تھے یہ ہمارا خاندانی شغل ہے چنانچہ دو تین ابتدائی کتب حضرت مولوی نور الدین صاحب سے طب کی میں نے پڑھیں پھر دوسرے کاموں میں لگ گیا ارادہ ہے کہ اپنے ایک بچے کو علم طب کے ایسے اصول پڑھواؤں کہ طب کا صحیح حصہ قائم رکھا جائے آپ کی رائے معلوم کرنا موجب خوشی ہوگا"۔

(تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸ جدید ایڈیشن)

ویدک یونانی دواخانہ دھلی کا قیام

طب کی ترویج کے سلسلہ میں حضور نے زینت محل لال کنواں دہلی میں ویدک یونانی دواخانہ قائم فرمایا۔ دواخانہ جاری کرنے سے پہلے حضور نے چند واقفین کو طب یونانی کی تعلیم دلائی اور خود بھی ویدک اور یونانی ادویہ سے متعلق قیمتی مشورے دیئے۔

حکیم عبدالمجید صاحب بلاپوری، حکیم محمد اسماعیل صاحب فاضل اس میں کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۹ء تک یہ دواخانہ جاری رہا۔ (تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۲۷ جدید ایڈیشن)

علم تصوف

حضرت مصلح موعود کو اللہ تعالیٰ نے علم تصوف سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ حضور نے تصوف کے مسائل دنیا کے سامنے ایک نئے اچھوتے انداز میں پیش فرمائے اور صوفیاء کے مقام کو علماء ظاہر سے منفرد ثابت فرمایا۔ آپ نے دلائل اور شواہد سے ثابت کیا کہ اسلام کی بقاء میں صوفیاء کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ تصوف سے جو غیر شرعی باتیں در آئی تھیں ان کو الگ کر کے حقیقی تصوف کو صاف کر کے پیش کیا۔ چونکہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زیر سایہ تربیت پائی تھی جو شریعت اور تصوف کا حسین امتزاج تھے۔ حضور نے مندرجہ ذیل کتب میں تصوف کے مسائل نہایت سادہ اور دلچسپ پیرایہ میں بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ سیر روحانی جو حضور کی ۱۲ تقاریر پر مشتمل ہے
۲۔ عرفان الٰہی
۳۔ قبولیت دعا کے طریق
۴۔ مدارج تقویٰ
۵۔ محبت الٰہی
۶۔ منہاج الطالبین

اصلاحی و تربیتی تقاریر و تصانیف

اللہ تعالیٰ نے حضور کو تقریباً ۵۲ سال تک جماعت احمدیہ کی قیادت کی توفیق عطا فرمائی۔ جماعت احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے۔ امام جماعت احمدیہ کی حیثیت سے افراد جماعت کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا۔ نوجوانوں کے اخلاق سنوارنا۔ ان کی جسمانی اور روحانی ضروریات کا احساس ہونا۔ موجودہ مغربی تہذیب کی یلغار اور اس سے بچانا۔ عورتوں کے مسائل و حقوق اور ان کی نگہداشت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام امور ایسے ہیں اور یہ تمام ایسی ذمہ داریاں ہیں جو امام

جماعت احمدیہ کو سر انجام دینا ہوتی ہیں۔ ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حضرت مصلح موعود نے بہت سی اصلاحی وتربیتی تقاریر کیں اور کتب تصنیف فرمائیں۔

۱- پردہ کے متعلق ایک ضروری خطبہ ۲- تبلیغ ہر مسلمان کا فرض ہے ۳- حضرت خلیفۃ المسیح کا فرمان
۴- خطبات نکاح ۵- خطبات عیدین ۶- مشعلِ راہ
۷- خدمت دین کا فریضہ اور احمدی نوجوان ۸- الاذحار لذوات الخمار ۹- فرائض مستورات
۱۰- رسول کریمؐ کی عزت اور ہمارا فرض ۱۱- فریضہ تبلیغ اور احمدی خواتین ۱۲- شکریہ اور اعلان ضروری
۱۳- صلح کا پیغام ۱۴- کیا آپ ..... کی زندگی چاہتے ہیں ۱۵- لوح الہدیٰ
۱۶- مطالبہ وقف جائیداد ۱۷- مطالبہ تحریک جدید ۱۸- میری وصیت
۱۹- ہدایات زریں ۲۰- ہدایات برائے معلمین کلاس

تبلیغی تصانیف

زندہ جماعتوں کی سب سے بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ ان میں حرکت قائم رہتی ہے۔..... کو اس وقت تک وسعت حاصل ہوتی رہی جب تک اس کے ماننے والے تبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل رہے۔ جونہی مسلمانوں نے اس میں سستی دکھائی۔..... کی ترقی رُک گئی۔ جماعت احمدیہ ایک مذہبی اور تبلیغی جماعت ہے۔ جو اندرونِ ملک اور بیرون ملک .....کو غالب کرنے کے لئے عظیم جہاد میں مصروف ہے اور یہ ثابت کر دینا چاہتی ہے کہ ..... تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ دلوں کو فتح کرنے کے نتیجہ میں اسے وسعت نصیب ہوئی ہے۔ یہ ایک عظیم مقصد ہے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مصلح موعود نے اپنی تقاریر اور کتب کے ذریعہ.....اور احمدیت کی صداقت کو واضح اور مدلل رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود نے مندرجہ ذیل کتب تصنیف فرمائیں:

۱- تحفۃ الملوک ۲- تقریر سیالکوٹ ۳- تحفہ شہزادہ ویلز
۴- اللہ کی مدد صرف صادقوں کے ساتھ ہے ۵- پکارنے والے کی آواز ۶- تقریر دلپذیر
۷- تبلیغ ہدایت ۸- تحفہ لارڈ اروِن ۹- تقریر شملہ
۱۰- چشمہ ہدایت ۱۱- خدا تعالیٰ کے قہری نشان ۱۲- دعوت الامیر
۱۳- ساڑھے چار لاکھ مسلمان ارتداد کے لئے تیار ۱۴- پیغام مسیحی
۱۵- صادقوں کی روشنی کو کون روک سکتا ہے۔ ۱۶- سرزمین کابل کا تازہ نشان
۱۷- ایک صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب

غیر مبائعین سے خطاب

حضور جب ۱۹۱۴ء میں منصب خلافت پر فائز ہوئے تو جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ غیر مبائعین نے آپ پر شدید اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ وہ لوگ جو کل تک آپ کو ہی پسر موعود سمجھتے رہے اور مرزا محمود احمد کے وجود کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے رہے تھے۔ وہی آپ کے مخالف ہو گئے۔ اختلاف سلسلہ کے نتیجہ میں غیر مبائعین نے بعد میں احمدیت کے بنیادی عقائد میں بھی بہت سی تبدیلیاں کر لیں۔ حضرت مصلح موعود نے اپنے مدلل خطبات اور کتب کے ذریعہ ان کا رڈ فرمایا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو اپنے عقائد پر سوچنے پر مجبور کر دیا۔ بعض کو اللہ تعالیٰ نے بیعت خلافت کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ تو آغاز میں اکثریت کے دعوے کر رہے تھے۔ حضرت مصلح موعود کی زندگی میں ایک معمولی اقلیت کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ آپ نے غیر مبائعین کے خیالات اور نئے عقائد کے رو سے جو کتب تصنیف فرمائیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- القول الفصل ۲- اسمہٗ احمد کے متعلق مولوی محمد علی صاحب کو آخری دعوت ۳- آئینہ صداقت

۴- اہل پیغام کے عقائد کے فیصلہ کا آسان طریقہ ۵- اظہار حقیقت

غیر مذاہب کے متعلق کتب

احمدیت سے قبل ...... کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ دنیا کے تمام مذاہب اس پر حملہ آور تھے اور کوئی دفاع کرنے والا نہ تھا۔ احمدیت نے ...... کو حیات تازہ بخشی۔ نہ صرف غیر مذاہب کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے بلکہ دیگر مذاہب پر جارحانہ یلغار کر دی اور ان کے عقائد کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کو اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنا مشکل ہو گیا۔ اس میدان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے حسن و احسان کے نظیر نے مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں زبردست جہاد کیا۔ آپ نے اپنے خطبات اور تقاریر کے ذریعہ ...... کی برتری اور دوسرے مذاہب کا بطلان ثابت کیا۔ چنانچہ وہ لوگ جو کل تک ...... کو اپنا شکار بنائے بیٹھے تھے وہ خود ...... کا شکار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں آپ کی چند کتب قابل ذکر ہیں۔

۱- ...... اور دیگر مذاہب ۲- تناسخ اور آواگون

۳- سردار کھڑک سنگھ صاحب اور ان کے ہمراہیوں کو دعوت حق ۴- سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل

اس کے علاوہ آپ کی کئی کتب میں ذیلی عنوانات کے ساتھ موازنہ مذاہب کا ذکر ملتا ہے مثلاً دیباچہ تفسیر القرآن میں عیسائیت اور یہودیت کا ...... سے موازنہ کیا گیا ہے۔

علم نفس

موجودہ زمانہ میں علم نفس کے ذریعہ ..... کے خلاف ایک رَو پیدا کی گئی ہے اور علم نفسیات کو..... پر اعتراضات کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس علم کے ذریعہ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے رکیک حملے کئے گئے ہیں۔ حضرت مصلح موعود نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ دوبارہ اُن کو بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس سلسلہ میں محترم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''محترم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم (جو سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج و پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ میں اقبال چیئر پر فائز تھے۔ ناقل) جو خود بھی ماہر نفسیات تھے اور بہت سے ماہرین نفسیات آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے ۱۹۴۲ء میں علم نفس کے ماہر ڈاکٹر فرائیڈ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے ظہور اسلام کی نفسیاتی تشریح کا خلاصہ حضور کی خدمت میں پیش کیا اور نہایت گندے اعتراضات کا ذکر کیا جو اس تشریح کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتے تھے۔ حضور ان دنوں ڈلہوزی میں موسم گرما میں مقیم تھے۔ حضور کے ہمراہ پابہ رکاب ہونے والے خدام میں یہ عاجز بھی تھا۔ مکرم قاضی صاحب کا خط جب حضور کی خدمت میں موصول ہوا تو حضور دینی غیرت سے بھر گئے اور فوراً ان اعتراضات کا جواب لکھ کر مکرم قاضی صاحب کو روانہ کیا''۔
>
> (الفضل ۱۸ر فروری ۱۹۷۵ء)

سیاسیات

جماعت احمدیہ بنیادی طور پر ایک مذہبی جماعت ہے سیاسیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں مگر جب کبھی متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کا مسئلہ اٹھا تو جماعت احمدیہ نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ تقسیم ہندوستان سے قبل جب مسلمان سیاسی لیڈر ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں تھے اور ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگایا جا رہا تھا۔ ان حالات میں حضرت مصلح موعود نے مسلمانوں کے حقوق کے لئے جو کوشش اور جدوجہد فرمائی وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ مطالبۂ پاکستان کے سلسلہ میں جب حضرت مصلح موعود نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور بھرپور حمایت کا اعلان فرمایا تو اس وقت بعض ہندو اخبارات نے تحریر کیا کہ پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ کابل جیسا سلوک ہوگا تو حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ ہم اس لئے مطالبۂ پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں کہ مسلمان حق پر ہیں۔ خواہ وہ اس سے بڑھ کر ہمارے ساتھ سلوک کریں۔ ہم ان کے جائز مطالبہ کی حمایت کرتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ حضرت مصلح موعود نے تحریک خلافت، تحریک موالات، تحریک عدم تعاون، نہرو رپورٹ، آل پارٹی مسلم کانفرنس، گول میز کانفرنس اور قرارداد پاکستان کی

منظوری سے لے کر قیام تک ہر مرحلہ پر تحریک پاکستان کی ہر ممکن مدد فرمائی۔ بلکہ قیام پاکستان کے موقعہ پر جو فسادات ہوئے اس اہم موقعہ پر قادیان میں ایک لاکھ سے زائد مسلم مہاجرین کے قیام وطعام کا انتظام فرمایا بعد میں ان کو بحفاظت پاکستان منتقل کرنے کے انتظامات کئے اس سلسلہ میں وزیرِ اعظم ہندوستان نہرو اور گاندھی سے رابطہ رکھا تاکہ مہاجرین کو بحفاظت پاکستان کی سرحد تک پہنچایا جا سکے۔

اس کے علاوہ آپ نے اہلِ کشمیر جو ایک سو سال سے ڈوگرہ حکومت کے مظالم کا شکار تھے اور ان سے جانوروں جیسا سلوک روا رکھا جا رہا تھا ان کو بیگار میں پکڑ لے جاتے گھر والوں کو اس کا علم تک نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اہلِ کشمیر کے حقوق کی بحالی کے لئے بہت جد وجہد فرمائی۔ حضور کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں آخر اہلِ کشمیر کو بہت سے حقوق مل گئے (تاریخ احمدیت جلد پنجم جدید ایڈیشن از مولانا دوست محمد شاہد صاحب) اس سلسلہ میں حضور نے درج ذیل کتب تحریر فرمائیں جو حضور کی سیاسی فہم وفراست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱- ایک سیاسی لیکچر ۲- اساس الاتحاد ۳- الکفر ملة واحده
۴- آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس کے پروگرام پر ایک نظر ۵- آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور احرار اسلام
۶- امام جماعت احمدیہ کا پیغام اہلِ ہند اور پارلیمنٹری کمشن کے نام ۷- آئندہ الیکشنوں کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی ۸- آپ ..... اور مسلمانوں کے لئے کیا کر سکتے ہیں ۹- ..... کا آئین سیاسی
۱۰- تحریک اتحاد ۱۱- ترکی کا مستقبل ۱۲- حالات حاضرہ کے متعلق امام جماعت احمدیہ کا فرمان
۱۳ تا ۲۰- اہلِ کشمیر کے نام خطوط کا سلسلہ آٹھ خطوط ۲۱، ۲۲- برادران کشمیر کے نام میرا پہلا پیغام۔ دوسرا پیغام
۲۳، ۲۴- برادران کشمیر کے نام سلسلہ چہارم کا مکتوب اوّل ودوئم ۲۵- ترک موالات اور احکام اسلام
۲۶- چٹھی بنام اہلِ کشمیر ۲۷، ۲۸- ضروری اعلان متعلق کشمیر نمبر ا نمبر ۲ ۲۹- ورتمان کے بعد مسلمانوں کا اہم فرض
۳۰- کمیونزم اور ڈیموکریسی ۳۱- قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں ۳۲- میمورنڈم (ریڈکلف)
۳۳- کشمیری لیڈر مسٹر عبداللہ کی گرفتاری پر اہل کشمیر کا فرض ۳۴- معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ
۳۵- مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت ۳۶- حضرت امام جماعت احمدیہ کا مکتوب مسئلہ ذبیحہ گائے کے متعلق
۳۷- ہندو مسلم فسادات اور ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریقِ عمل ۳۸- ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل
۳۹- سائمن کمیشن کی روح ۴۰- مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ

حضور کی تصنیف ''ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلہ کا حل'' کے متعلق بعض افراد کے تبصرے درج ذیل ہیں:

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں:

''تبصرہ کے چند مقامات کا میں نے مطالعہ کیا ہے نہایت عمدہ ہے''۔

سیٹھ عبداللہ ہارون ایم اے ایل ایل۔بی لکھتے ہیں:

''میری رائے میں سیاسیات کے باب میں جس قدر کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں ان میں کتاب ''ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل'' بہترین تصانیف میں سے ہے''۔

سر ہیون رومر لکھتے ہیں:

''اس چھوٹی سی کتاب کے ارسال کے لئے امام جماعت احمدیہ کی تجاویز مندرج ہیں۔ مَیں تہہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سائمن کمیشن پر بھی یہی ایک مفصل تنقید ہے۔ جو میری نظر سے گزری ہے مَیں ان تفصیلات کے متعلق کچھ عرض نہ کروں گا۔ جن کے متعلق اختلاف رائے ایک لازمی امر ہے لیکن میں اس اخلاص مقبولیت اور وضاحت کی داد دیتا ہوں جس سے ہز ہولی نس (امام جماعت احمدیہ) نے آپ کی جماعت کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ہز ہولی نس کے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے اس امر کے متعلق بلند خیال سے بہت متاثر ہوا ہوں''۔

سید حبیب احمد ایڈیٹر روزنامہ سیاست لکھتے ہیں:

''مذہبی اختلافات کی بات چھوڑ کر دیکھیں تو جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد نے میدان تصنیف وتالیف میں جو کام کیا ہے وہ بلحاظ ضخامت وافادہ ہر تعریف کا مستحق ہے اور سیاسیات میں اپنی جماعت کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو لانے میں آپ نے جس اصول اور عمل کی ابتداء کی اس کو اپنی قیادت میں کامیاب بنایا ہے وہ بھی ہر منصف مزاج مسلمان اور حق شناس انسان سے خراج تحسین وصول کر کے رہتا ہے۔ آپ کی سیاسی فراست کا ایک زمانہ قائل ہے اور نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمانوں کو مجتمع کرنے میں سائمن کمیشن کے روبرو مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ پیش کرنے میں مسائل حاضرہ پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے مدلل بحث کر کے اور مسلمانوں کے حقوق کے متعلق مدلل استدلال سے یہ کتابیں شائع کرنے کی صورت میں آپ نے بہت ہی قابل قدر تعریف کا کام کیا ہے''۔ (سیاست ۲ر دسمبر ۱۹۳۰ء)

نہرو رپورٹ کے آنے پر حضور نے اس پر مدلل تبصرہ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ کے نام سے قسط وار شائع فرمایا پھر کتاب کی صورت میں ہندوستان بھر میں اشاعت کی گئی پھر انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے انگریز افسران اور انگلستان کے سیاستدانوں ممبران پارلیمنٹ کو بھجوائی گئی تا وہ مسلمانوں کے حقوق سے آگاہ ہوسکیں جہاں ہندوستان بھر میں اس کتاب کو سراہا گیا بعض مصنفوں نے حضور کی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''اس سال ۱۹۲۸ء نہرو رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی فرقے کے راہنما مرزا

بشیر الدین محمود احمد نے ایک واضح تجویز پیش کی۔ بنگال ......شمالی مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلمان علاقہ قائم کرنے کا مشورہ دیا...... اقبال کا خطبہ الہ آباد اس تجویز کی تعبیر وتشریح ہے''۔

(قرارداد پاکستان کا پس منظر صفحہ ۳۶ از ریاض صدیقی۔کراچی)

تحریک آزادی کے نامور راہنما مولانا محمد علی جوہر صاحب لکھتے ہیں:

''ناشکری ہوگی اگر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے اپنی خدمات وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی تنظیم اور تجارت میں بھی انتہائی جد وجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب کہ ...... کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبد میں بند بیٹھے ہوئے خدمات اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔'' (اخبار ہمدرد دہلی ۲۶ ردسمبر ۱۹۲۷ء)

اس سلسلہ میں ایک موقع پر حضرت مصلح موعود نے خود فرمایا:

''سر فضل حسین صاحب نے مجھے کہلا بھیجا کہ آپ سیاسیات میں کیوں دخل نہیں دیتے۔ مولوی فضل الحق صاحب سابق وزیر اعظم بنگال اور عبد اللہ سہروردی صاحب نے کہا کہ ہم آپ کے سیاسی مرید ہیں اور ڈاکٹر محمود صاحب نے میرے ایک سیاسی رسالہ کا ذکر کر کے کہا میں اسے ہر وقت جیب میں رکھتا ہوں۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیاسی امور میں بھی ہمیشہ میرا مشورہ ٹھیک ثابت ہوا۔''

''جب دہلی کی خلافت کانفرنس ہوئی تو مجھے بھی اس میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ میں نے ایک رسالہ لکھ کر تقسیم کرانے کے لئے بھیج دیا اور اس میں بعض مشورے اس تحریک کی کامیابی کے لئے دیئے مگر اس وقت کے کارپردازوں نے ان پر توجہ نہ کی اور عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر وفات سے کچھ عرصہ قبل مولانا شوکت علی صاحب مجھ سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ فلاں فلاں وجہ سے ہماری تحریک فیل ہوگئی ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے فلاں فلاں مشورہ آپ لوگوں کو دیا تھا اگر آپ ان پر عمل کرتے تو آج ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ انہوں نے افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے آپ کا وہ رسالہ نہیں ملا۔ سو اللہ تعالیٰ نے سیاسیات میں بھی مجھے راہنمائی کی توفیق دی''۔ (تقریر لدھیانہ ۲۱ ر مارچ ۱۹۴۴ء۔ انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۷)

فوجی امور میں مہارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کو عسکری امور میں بھی مہارت عطا فرمائی تھی آپ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> ''یاد رکھو بہترین جرنیل دنیا میں وہی سمجھا جاتا ہے جو اپنی فوج کو عقل کے ساتھ پھیلا سکے ...... اللہ تعالیٰ نے مجھے علم دیا اور ہر قسم کا علم دیا ہے...... میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اگر چاہوں تو فوجی نظام پر ایک کتاب لکھ سکتا ہوں اور میں الٰہی علم کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ بہترین جرنیل وہی ہے جو فوج کو عقل کیساتھ پھیلا سکتا ہے یعنی بغیر اس کے کہ دشمن کو اپنے کسی کمزور مقام پر حملہ کرنے کا موقع دے وہ اپنی فوج کو پھیلاتا چلا جائے کیونکہ اس طرح دشمن ہمیشہ اس کے نرغہ میں گھر جانے کے خطرہ میں رہتا ہے۔ پس اس کی دانائی یہ ہے کہ وہ اپنے کمزور مقاموں کا دشمن کو پتہ نہ لگنے دے تا دشمن اس پر حملہ نہ کر دے لیکن اپنے لشکر کو پھیلاتا چلا جائے تا دشمن اس کے نرغہ میں گھر جائے''۔
>
> (خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۳۰، ۳۱)

قیام پاکستان کے بعد آپ نے پاکستان کے استحکام کے سلسلہ میں لاہور میں چھ نہایت بصیرت افروز اور معلومات افروز لیکچر دیئے۔ جس میں دو لیکچر فوجی امور پر بھی تھے۔ یکم دسمبر ۴۷ء کو پاکستان کا مستقبل دفاع اور ۱۰؍جنوری ۴۸ء بحری طاقت اور سیاست کے لحاظ سے پاکستان کا دفاع کے عنوان سے دیا۔ ان لیکچرز کو پاکستان کے ارباب حل وعقد نے سراہا اور دانشوروں نے حضور کی خدمت میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ مثلاً ملک عبدالقیوم صاحب پرنسپل لاء کالج نے ۴؍دسمبر ۱۹۴۸ء کو حضور کی خدمت میں خط لکھا جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

> ''لیکچر میں آپ نے پاکستان کی بری اور بحری سرحدوں کے غیر محفوظ ہونے کی خوب وضاحت فرمائی ہے اور جیسا کہ آپ نے فرمایا یہ بھی کلیۃً حقیقت پر مبنی ہے کہ پاکستان کا قابل انتظام زمینی رقبہ ہی ہمارے حق میں ہوسکتا ہے...... میں آپ کی اس تجویز سے بھی متفق ہوں کہ مشرقی پاکستان سے سمندر کے راستہ جزائر لکادیپ اور مالدیپ کے ذریعہ تعلق قائم کریں۔ اگر ہمارے پاس زمینی راستہ نہ ہوتو راستے میں ایک امدادی اسٹیشن تو ہونا چاہیئے''۔
>
> (ترجمہ از انگریزی خط تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸)

بہت سے اخبارات نوائے وقت، اخبار نظام، اخبار زمیندار، اخبار سفینہ، انگریزی اخبار ایسٹرن ٹائمز نے حضور کی تقریر کے اقتباسات درج کر کے آپ کی تقریر کو سراہا۔

ایسٹرن ٹائمز نے ۳؍دسمبر کی اشاعت میں سارے لیکچر کی تفصیل دی۔ ایک اقتباس درج ذیل ہے:

ترجمہ: پاکستان کا سرحدی دفاع

''پاکستان کے سرحدوں کے تحفظ اور دفاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت امام جماعت احمدیہ کی یہ رائے تھی کہ وہ لوگ جو سرحد کے ساتھ ساتھ بستے ہیں انہیں فوری طور پر مسلح کر دیا جائے اور انہیں فوجی اسلحہ کے استعمال کی تربیت دی جائے۔ وقت کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ آبادی کے ہر طبقے میں تنظیم وضبط کی روح پیدا کی جائے۔''

کوئٹہ سٹاف کالج میں لیکچر

۱۹۴۸ء میں جب حضرت مصلح موعود جماعتی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں کوئٹہ تشریف لے گئے وہاں آپ نے درس القرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کو کوئٹہ سٹاف کالج میں ایک لیکچر کی دعوت دی گئی۔ حضور نے پاکستان کے دفاع کے سلسلہ میں وہاں ایک لیکچر دیا جس میں پاکستان کے دفاع کے سلسلہ میں کون سی سرحدی تدابیر اختیار کرنی چاہئے ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

غذاء کا مسئلہ

آج دنیا میں بہت سے ممالک غذائی بحران کا شکار ہیں اور لوگ بھوک سے مر رہے ہیں۔ مسلم ممالک میں سوڈان کی صورت حال بہت نازک ہے۔ پاکستان سمیت ایشیاء اور جنوبی امریکہ کے ممالک مشکل صورت حال سے گزر رہے ہیں۔ بعض ممالک اپنی آزادی کو گروی رکھ کر سامراجی طاقتوں سے غذائی امداد حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''غذا کا مسئلہ دنیا میں کوئی دوسو سال سے مختلف ممالک میں زیر بحث چلا آ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

''اس دُنیا میں رہنے والوں کے کھانے پینے کے لئے ہر چیز کو اندازہ کے مطابق بنادیا ہے۔''

(حٰمٓ السجدہ: ۱۱)

''لہٰذا سب کو علم ہونا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ ایک دفعہ مسٹر کپور جو پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر غذا تھے مجھ سے ملنے کے لئے قادیان آئے اور میں نے قرآنی آیات سے ان کو غذا کا معاملہ سمجھایا تو بہت حیران ہوئے اور خواہش کی کہ یہ آیات مجھے لکھ کر دی جائیں چنانچہ میں نے ان کو لکھوادیں۔ (تفسیر صغیر صفحہ ۶۲۹ حاشیہ)

تمام اہلِ علم کو چیلنج دیتے ہوئے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

’’آج میں دعوے کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں بلکہ آج سے نہیں بیس پچیس سال سے میں یہ اعلان کر رہا ہوں کہ دنیا کا کوئی فلاسفر، دنیا کا کوئی پروفیسر، دنیا کا کوئی ایم اے، خواہ وہ ولایت کا پاس شدہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ کسی علم کا جاننے والا ہو، خواہ وہ فلسفہ کا ماہر ہو، خواہ وہ منطق کا ماہر ہو، خواہ وہ علم النفس کا ماہر ہو، خواہ وہ سائنس کا ماہر ہو، خواہ وہ دنیا کے کسی علم کا ماہر ہو۔ میرے سامنے آ کر قرآن اور..... پر کوئی اعتراض کرے تو نہ صرف میں اس کے اعتراض کا جواب دے سکتا ہوں بلکہ خدا کے فضل سے اس کا ناطقہ بند کر سکتا ہوں۔ دنیا کا کوئی علم نہیں جس کے متعلق خدا نے مجھ کو معلومات نہ بخشی ہوں اور اس قدر صحیح علم جو اپنی زندگی درست رکھنے یا قوم کی راہنمائی کے لئے ضروری ہو مجھ کو نہ دیا گیا ہو۔‘‘ (دعویٰ مصلح موعود کے متعلق پُرشوکت اعلان، انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۱۵۵)

خاکسار نے صرف چند علوم کا ذکر بطور نمونہ کیا ہے ورنہ دنیا کا کوئی علم بھی ایسا علم نہیں جس پر حضور نے بحث نہ کی ہو۔ آپ کو علم تفسیر، وحدیث اور فن تقریر میں بھی کمال حاصل تھا۔ کہ اپنے تو اپنے اشد ترین مخالفین بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار کو بھی ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اعتراف کرنا پڑا:

’’کان کھول کر سن لو تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن ہے اور قرآن کا علم، تمہارے پاس کیا دھرا ہے.....تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا۔ مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارے پر اس کے پاؤں پر نچھاور کرنے کو تیار ہے۔ مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں مختلف علوم کے ماہر ہیں اور دنیا کے ہر ملک میں اس نے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں۔ (ایک خوفناک سازش صفحہ ۱۹۶)

حضرت مصلح موعود نے اسی سلسلہ میں ۱۹۳۲ء میں خود فرمایا:

’’دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں جس کے اصول کو میں نہ سمجھتا ہوں۔ بغیر اس کے کہ میں نے ان علوم کی کتابیں پڑھی ہوں مجھے خدا نے ان کے متعلق علم دیا ہے اور چونکہ میں قرآن کے ماتحت ان علوم کو دیکھتا ہوں اس سے ہمیشہ صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہوں اور کبھی ایک دفعہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے اپنی رائے کو تبدیل نہیں کرنا پڑا‘‘۔ (خطبات محمود جلد ۱۳ صفحہ ۵۰۲)

علوم باطنی سے پُر کیا جائے گا

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

''دوسری خبر اس پیشگوئی میں یہ دی گئی تھی کہ وہ باطنی علوم سے پُر کیا جائے گا۔ باطنی علوم سے مراد وہ علوم مخصوصہ ہیں جو خدا تعالیٰ کے خاص ہیں۔ جیسے علم غیب ہے، جسے وہ اپنے ایسے بندوں پر ظاہر کرتا ہے جن کو وہ دنیا میں کوئی خاص خدمت سپرد کرتا ہے تا کہ خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق ظاہر ہو اور وہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کے ایمان تازہ کر سکیں۔ سو اس شق میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خاص عنایت فرمائی ہے اور سینکڑوں خوابیں اور الہام مجھے ہوئے ہیں جو علوم غیب پر مشتمل ہیں''۔

(الموعود انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۵۷۹)

جنگ روم کے دوران برطانیہ اور فرانس کا انجام اور جرمنوں کا مقابلہ

''۱۹۳۹ء کی بات ہے...... میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں کرسی پر بیٹھا ہوں اور ایک فرشتہ میرے سامنے انگلستان اور فرانس کی حکومتوں کی باہمی خط و کتابت پیش کر رہا ہے۔ وہ کاغذات میرے سامنے پیش کرتا چلا جاتا ہے اور میں ان کاغذات کو پڑھ کر اسے واپس دیتا چلا جاتا ہوں...... اسی دوران میں اس نے ایک کاغذ میرے سامنے پیش کیا اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک خط ہے انگلستان کے وزیر اعظم نے فرانسیسی حکومت کو لکھا کہ فرانسیسی اور انگریزی دونوں حکومتوں کا الحاق کر دیا جائے اس طور پر کہ شہریت کے حقوق مشترک ہو جائیں...... یہ چٹھی پڑھ کر خواب میں سخت گھبرا گیا کہ کیا انگلستان کی ایسی حالت ہونے والی ہے...... جب میں گھبراتا ہوں تو فرشتہ مجھے کہتا ہے یہ چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ یعنی چھ مہینہ کے بعد حالت بدل جائے گی اور انگلستان کی کمزوری کی یہ حالت جاتی رہے گی۔ میں نے یہ رؤیا اسی وقت دوستوں کو سنا دی تھی...... چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے بہت سے انگریز حکام تک پہنچا دی کہ چھ مہینہ تک انگریزوں کی حالت بدل جائے گی۔''

''چنانچہ ایک دفعہ لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے کہا کہ ظفر اللہ خاں کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری یہ حالت کبھی درست ہو سکے گی؟ اس پر چوہدری صاحب نے کہا یقیناً ۱۵؍ دسمبر کو یہ حالت بدل جائے گی (کیونکہ برطانیہ نے دونوں حکومتوں کے الحاق کی پیشکش ۱۵؍ جون ۱۹۴۰ء کو کی تھی) چنانچہ عین چھ مہینے بعد اٹلی کی فوجوں کو مصر میں شکست ہونی شروع ہوئی اور حالاتِ جنگ میں یہ پہلی تبدیلی اتحادیوں کی فتح کا پیش خیمہ بن گئی۔

(میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں۔ انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۹)

امریکہ کی طرف سے انگلستان کو ۲۸ سو جہاز دیئے جانے کی خبر کے سلسلہ میں مصلح موعود فرماتے ہیں:

''ستمبر ۱۹۴۰ء میں رؤیا میں دیکھا کہ میں انگلستان میں ہوں اور مجھے کہا گیا ہے کہ کیا آپ ہمارے ملک کو دشمن سے بچا سکتے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ مجھے جنگی سامانوں اور اپنے کارخانوں کا معائنہ کرنے دو۔ اس کے بعد میں اپنی

رائے کا اظہار کرسکوں گا۔ چنانچہ میں نے انگریزوں کے جنگی سامان کا معائنہ کیا اور میں نے کہا اور تو سب کچھ ٹھیک ہے صرف ہوائی جہاز کم ہیں۔ اگر ہوائی جہاز مل جائیں تو انگلستان کو فتح حاصل ہو سکتی ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ انگریزوں کے پاس صرف ہوائی جہازوں کی کمی ہے اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو انہیں فتح حاصل ہو سکتی ہے تو یکدم رؤیا کی حالت میں میں نے دیکھا کہ امریکہ سے تار آیا ہے جس میں لکھا ہے:

The British Representative from America wires that the American Government has delivered 2800 aeroplanes to the British Government.

یعنی برطانیہ کو امریکن گورنمنٹ نے ۲۸ سو ہوائی جہاز بھجوا دیئے ہیں جب یہ تار آتا ہے تو میں نے کہا اب میں انگلستان کی حفاظت کا کام آسانی سے سرانجام دے سکوں گا ...... دوسرے تیسرے دن چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب قادیان آئے اور میں نے ان سے اس رؤیا کا ذکر کیا انہوں نے کئی انگریز حکام کو اس رؤیا کی خبر دے دی اور ان کو یہ بھی چوہدری ظفر اللہ خاں نے فون پر بتایا اس وقت تار میرے سامنے پڑی ہے اور اس کے الفاظ ہیں کہ:

The British Representative from America wires that the American Government has delivered 2800 aeroplanes to the British Government.

سر کلو وغیرہ نے بھی اس کی تصدیق کی۔ (میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں۔ انوار العلوم جلد ۱۷، صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱)

اُم طاہر کی وفات کی خبر

ابھی میری بیوی (اُم طاہر) فوت ہوئی ہیں وہ میری نہایت پیاری بیوی تھیں۔ سلسلہ کے کام میں ہمیشہ میرے ساتھ تعاون کرنے والی تھیں ۲۳ سال میرے ساتھ رہیں ان کی وفات سے بارہ سال پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی تھی کہ ان کا اپریشن ہوگا اور پھر ان کا ہارٹ فیل ہو جائے گا اسی طرح مجھے بتایا گیا تھا کہ جب وہ فوت ہوں گی تو دو عورتیں ان کے پاس ہوں گی۔ وہ جب تک بیمار رہیں ہمیشہ ایک عورت خدمت کے لئے ان کے پاس موجود رہی مگر وفات سے چار پانچ دن پہلے انہوں نے اصرار کر کے ایک اور عورت کو بلوایا اور جب ان کی وفات ہوئی تو ایک عورت ان کے دائیں طرف بیٹھی تھی اور دوسری بائیں طرف۔ (میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں۔ انوار العلوم جلد ۱۷، صفحہ ۲۳۲)

ڈاکٹر مطلوب خان کی زندگی کی اطلاع

ہماری جماعت کے ایک ڈاکٹر مطلوب خاں گذشتہ جنگ میں وہ میدان جنگ میں گئے ہوئے تھے ...... تھوڑا ہی عرصہ کے بعد ان کے بھتیجے نے میرے بھائی میاں شریف احمد صاحب سے ذکر کیا کہ میرے چچا کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ ان کو گورنمنٹ کی طرف سے یہ تار آئی ہے کہ ڈاکٹر مطلوب خاں جنگ میں مارے گئے ہیں۔ ان کے والدین

چونکہ انہی دنوں میں مجھے مل کر گئے تھے اور میں نے ان کے بڑھاپے اور کمزوری کی حالت کو خود دیکھا تھا اس لئے مجھے یہ خبر سن کر بہت افسوس ہوا اور میں نے دعا کی کہ ''یا الٰہی ڈاکٹر مطلوب خاں زندہ ہوں''۔

مگر دعا کرتے وقت مجھے یہ خیال بھی آیا کہ گورنمنٹ کی طرف سے یقینی اطلاع ملنے کے بعد اس دعا کے کیا معنی ہیں مجھے چاہیئے کہ اپنے نفس کو اس دعا سے روکوں مگر پھر بھی میں دعا کرتا گیا اس پر مجھے رؤیا میں دکھایا گیا کہ اطلاع آئی ہے ڈاکٹر مطلوب خاں زندہ ہیں اور تین دن کے بعد زندہ ہو گئے ہیں ......مرزا شریف احمد سے ذکر کیا انہوں نے اُن کے چچا کو لکھ دیا آخر ڈاکٹر صاحب کا اپنا تار ان کے والدین کو ملا کہ میں زندہ ہوں اس پر سب حیران تھے کہ گورنمنٹ کی اطلاع تھی کہ مارے گئے اور ان کی تار یہ ہے کہ میں زندہ ہوں۔

(اہالیان لدھیانہ سے خطاب۔ انوارالعلوم جلد ۱۷، صفحہ ۲۶۹، ۲۷۰)

غیر مبائعین کی ناکامی کی خبر

۱۹۰۵ء میں ابھی سترہ سال کا تھا۔ جو کھیلنے کودنے کی عمر ہوتی ہے اس سترہ سال کی عمر میں خدا تعالیٰ نے الہاماً میری زبان پر یہ کلمات جاری کئے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھوں سے ایک کاپی میں لکھے تھے ان الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمۃ کہ وہ لوگ جو تیرے متبع ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں قیامت تک ان لوگوں پر فوقیت اور غلبہ دے گا جو تیرے منکر ہوں گے۔ (رؤیا و کشوف صفحہ ۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی جب کہ خلافت کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس الہام کے ذریعہ اطلاع دی ایک دن آنے والا ہے کہ تجھے خلافت کے مقام پر کھڑا کیا جائے گا۔ ان نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ تیرے مخالفین کو ناکام و نامراد کرے گا۔ ۱۹۱۴ء کو جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے مقام خلافت پر متمکن فرمایا تو بچہ بچہ کہہ کر آپ کو حقیر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت ۹۰ فیصدی کا دعویٰ کرنے والے اس بچہ کے سامنے اپنی ساری علمیت، دولت اور شہرت کھو بیٹھے اللہ تعالیٰ نے غیر مبائعین کو بری طرح ناکام و نامراد کیا۔ ان میں آپس میں نفاق پیدا کر دیا ان کی حضرت مصلح موعود سے مقابلے کی کوششیں بری طرح ناکام ہوئیں اور آپ کو الہام کے مطابق کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی۔

مشکلات کے ہجوم میں خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھنے کی تلقین

''میں نے ۱۹۱۳ء میں شملہ کے مقام پر رؤیا دیکھا تھا کہ کوئی بہت بڑا اور اہم کام میرے سپرد کیا گیا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے راستہ میں بہت سی مشکلات حائل ہیں۔ ایک فرشتہ میرے پاس آتا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ اس کام کی تکمیل کے راستہ میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہوں گی اور شیطان اور ابلیس مختلف طریقوں سے تمہیں ڈرائیں گے

اور تمہیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں گے مگر ان کا کوئی خیال نہ کرنا بلکہ جب بھی کوئی ایسی روک دکھائی دے تم یہ کہنا شروع کر دینا کہ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ، خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ (المو عود ۔ انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۵۸۸)

حضور کو زندگی میں بہت سے مخالفین اور منافقین سے واسطہ پڑا مگر خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ہمیشہ آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشگوئی کے مطابق حضرت مصلح موعود کو اپنے رؤیا و کشوف سے نوازا اور ساری عمر اللہ تعالیٰ کے الہامات کی روشنی میں آپ نے جماعت احمدیہ کی راہنمائی کی اور مخالفین آندھیوں اور طوفان سے احمدیت کا کھیون ہار جماعتِ احمدیہ کو محفوظ و مامون منزلِ مقصود تک لے گیا۔

المختصر اگست ۱۸۹۸ء کے رؤیا ''خدا کے بندوں کو کوئی نہیں جلا سکتا'' سے لے کر آخری رؤیا نومبر ۱۹۶۰ء تک ''جو قوم ہجرت کے لئے تیار رہتی ہے اور نو آبادی کا شدت سے اشتیاق رکھتی ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوتی''۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے کلام سے نوازتا رہا۔ حضور کی مندرجہ بالا پیشگوئی ۱۹۸۴ء کے بعد کس شان سے پوری ہوئی جب پاکستان میں احمدی مخالفین کے ہاتھوں ستائے جانے کے باعث پاکستان سے باہر نکلے تو دنیا کے دوسرے ممالک کو اپنا مسکن بنایا۔ وہاں نئی نئی ترقیات نے جماعت احمدیہ کے قدم چومے۔ آج اکناف عالم میں خلافتِ احمدیہ کی برکت سے اشاعت ..... کی زبردست کوششوں سے کامیابی وکامرانی کے جھنڈے گاڑ رہی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایک صاحب طرز و فکر مصنّف کی حیثیت سے

(مکرم اختر اورینیوی ایم۔اے۔ڈی لٹ صدر شعبہ اُردو پٹنہ یونیورسٹی بہار)

چونکہ سیّدنا حضرت مرزا محمود احمد...... کے تصنیفی کارنامے اُردو زبان میں ہیں۔ لہٰذا میں تاریخ اردو کو پس منظر میں رکھتے ہوئے اپنی معروضات پیش کروں گا۔ تنقید ادب میں غیر جانبداری ضروری اور قیمتی طرزِ عمل ہے۔ ہر چند کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... میرے آقا و پیشوا، رہنما و کرم فرما ہیں تاہم میں تعیین اقدار و معیار کے متعلق صاف اور سچی باتیں پیش کرنے کی ایماندارانہ کوشش کروں گا۔ انشاءاللہ

اُردو زبان و ادب ایسے تہذیبی اظہارات ہیں جن کی وسعت اس برصغیر کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے عالمی تحریک کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اس تہذیبی توانائی کی توسیع میں جماعت احمدیہ...... کا بڑا ہاتھ ہے۔ اُردو زبان صوفیوں کی گود میں پلی ہے اور اس کے پروان چڑھنے کے دَور میں مختلف مذہبی، تعلیمی اور سیاسی تحریکوں نے اسے ترقی دی ہے۔ دراصل تہذیبی تحریکیں اپنے واسطۂ اظہار کو آگے بڑھاتی ہیں اور ہونہار واسطے تحریکات کی کامیاب توسیع و اشاعت کا موجب ہوتے ہیں۔ جماعت احمدیہ...... کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السّلام نے زبان اُردو کو اپنی عظیم الشان تحریک احیاء...... کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے تقریر و تحریر میں اسی ہندوستانی زبان کو استعمال فرمایا۔ براہین احمدیہ کی عظیم المرتبت جلدوں کی تصنیف سے لے کر تاریخ آفرین کتاب پیغام صلح اور رسالہ الوصیّت کی تصنیف تک ایک مؤاج دریائے تصنیف و تالیف رواں نظر آتا ہے۔ آپ کی شخصیت ایک حشر خیز شخصیت تھی۔ دوست و دشمن نے اس امر کا اقرار کیا ہے۔ آپ ایک مذہبی تحریک احیاء کے پیغمبر تھے اور اُردو زبان آپ کے روحانی معجزات کا آئینہ بنی۔ قادیان (پنجاب) نہ صرف...... کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بنا بلکہ وہ اُردو تصنیف و تالیف، تحقیق و تنقید، اشاعت صحافت کا ایک اہم مصدر بن گیا۔ تفسیر قرآن اور...... علم کلام کے لحاظ سے قادیان ایک بے مثال عالمی مرکز بن گیا۔ دین و دانش علم الالسنہ اور علم کلام، فلسفہ و الٰہیات، اخلاقیات و روحانیات، تقابلی دینیات، تاریخ، سیاسیات، اقتصادیات، علم المدن و عمرانیات وغیرہ پر اہل قلم حضرات نے بہ کثرت کتابیں اُردو میں لکھیں۔ ان سب کا منبع و مخزن قادیان تھا۔ جس طرح تحریک ولی اللٰہی نے اُردو کے لئے آب بقا کا کام کیا ہے اُسی طرح تحریکِ احمدیت نے اُردو کو آبِ حیات بخشا۔ نمایاں فرق آخر الذکر کی وسعت اور اہمیت کا ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک تاریخ اُردو زبان و ادب کے محققین نے ان دونوں میں سے کسی کا حق ادا نہیں کیا اور تحریکِ احمدیہ کی لسانی اور ادبی خدمات کے سلسلہ میں تو

خطرناک تعصّب سے کام لیا گیا ہے۔ بایں ہمہ حقیقت کا چھپانا ناممکن ہے۔ ؎

ثبت است بر جریدۂ عالم و دام ما!

حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام سُلطان القلم تھے اور آپ کے فرزند ارجمند بہ ہر جہت حسن و احسان میں آپ کے نظیر تھے۔ حضرت مرزا محمود احمد بھی اُردو کے صاحبِ فکر و طرز مصنف تھے اور آپ کی شخصیت و انفرادیت بھی مسلّم ہے۔ فکر و بصیرت کے ساتھ ساتھ فطرت نے آپ کو ذوقِ سلیم اور لطافت و نفاست کی دولت بھی عطا کی ہے۔ آپ کی تصنیفوں میں منطق و استدلال، وجدان و عرفان اور حُسنِ بیان کی پُرتاثیر ترکیب ملتی ہے۔ اور دل و دیدہ کو مسرور کرتی ہے۔

حضرت مرزا محمود احمد کی مصنفات کا دائرہ نہایت وسیع اور حیرت آفرین ہے۔ آپ نے اخلاقیات و روحانیات کے مختلف پہلوؤں پر بصیرت افروز کتابیں لکھیں اور آپ ہی کے عقدہ کشا قلم نے عمرانیات، سیاسیات اور اقتصادیات کے پیچیدہ مسائل کی گرہیں بھی کھولی ہیں۔ آپ شاعر اور ادیب بھی تھے اور مترجم و مفسّر قرآن بھی۔ نیز آپ اعلیٰ درجہ کے مقرر اور خطیب تھے۔ آپ کی تقریریں اور خطبات بھی منظم و مرتب کتابوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

حضرت مرزا محمود احمد کو لڑکپن سے ہی مطالعہ کتب کا شوق تھا۔ دینی کتابوں کے ساتھ ساتھ آپ کثرت سے اُردو کی ادبی و علمی کتابیں بھی پڑھا کرتے تھے۔ اُردو ناولوں، افسانوں، انشائیوں، نظموں، غزلوں اور دوسری اصنافِ سخن کا مطالعہ بھی آپ نے فرمایا۔ اُردو کی کتابوں کے علاوہ آپ انگریزی زبان میں شائع ہونے والی اعلیٰ درجہ کی علمی اور سائنسی کتب کا مطالعہ بھی فرماتے رہے۔ آپ کے علمی تبحر کا کچھ تجربہ مجھے بھی ہے۔ اگر ایک طرف منازلِ سلوک کے رازداں تھے تو دوسری جانب آپ علم معاشیات سے بھی باخبر ہیں۔ آپ نے علمِ زراعت اور ثمر کاری پر بھی معیاری کتابیں پڑھیں اور اقتصادیات و سیاسیات پر بھی۔ آپ تنظیم جماعت، اجتماعی و انفرادی نفسیات، فلسفۂ قیادت اور تربیت جماعت کے ماہر تھے۔ دینیات کے مختلف شعبوں کا مطالعہ آپ نے اجتہادی رنگ میں فرمایا۔ آپ کی نکتہ رس بصیرت اور عرفان کی نور افشانیوں کا یہ عالم تھا کہ آپ کی تصنیفات و تحقیقات کا قاری نہ صرف وجد کرنے لگتا ہے بلکہ خود اُس کی ذہنی بینائی اور فکری بصیرت بڑھ جاتی ہے اور اُس کا ذہن و دماغ نکتہ رس و معنی آفرین بن جاتا ہے۔

مَیں ۱۹۴۳ء کے اکتوبر میں قادیان گیا۔ اُن دنوں قومی تحریک کے تحت جمشید پور کے کارخانۂ آہن میں بڑی لمبی اسٹرائک ہوئی تھی۔ مَیں نے آپ سے تذکرہ کیا کہ غالباً یہ ہندوستانی فیکٹریوں کی سب سے بڑی اور طویل اسٹرائیک تھی۔ آپ وتارِعمل کی قیادت سے واپس ہوتے ہوئے گول کمرے کے پہلو سے مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے۔ فرمایا۔ نہیں۔ بمبئی، احمد آباد اور پونا کے کپڑے کے کارخانوں میں اس سے طویل تر اسٹرائیک ہو چکی ہے۔ مَیں ایک روحانی پیشوا کی اس واقفیت سے ششدر رہ گیا۔ مَیں اُن دنوں اشتراکیت و اشتمالیت کا گہرا مطالعہ کر رہا تھا اور

میرے ذہن میں ...... کے معاشی نظام کے متعلق الجھنیں پیدا ہونے لگی تھیں۔ مَیں مختلف فرقوں کے مسلمان علماء سے تبادلۂ خیالات کر کے ناآسودہ لوٹ چکا تھا۔ احمدی علمائے ...... بھی قادیان میں ...... اور اشتمالیت کے تقابلی مطالعہ کے باب میں میری تسلی نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے حضرت مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح کا دروازہ ڈرتے ڈرتے کھٹکھٹایا۔ حضور نے بندہ نوازی فرمائی اور آدھ گھنٹے کی گفتگو سے میرے ذہن کے تاریک گوشے روشن ہو گئے اور دل کی بند کھڑکیاں کھل گئیں۔ میری بصیرت اُس وقت اور بڑھ گئی جب اس تاریخی ملاقات کے بعد حضور کی دو معرکۃ الآراء کتابیں ''نظامِ نَو'' اور ''......کا اقتصادی نظام'' شائع ہوئیں۔

مجھے ......موضوعات بالخصوص سیرت پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر و تحریر کی سعادت گاہ بگاہ نصیب ہوتی رہی ہے۔ اس سلسلہ میں جب بھی میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی تصنیفوں سے کسبِ نور کیا میرے دیدہ دل منور ہو گئے اور بخدا مجھے نئے نئے نکتے اور تازہ معانی کی دولت حاصل ہوئی اور میرے دماغ میں ایسی توانائی پیدا ہوئی کہ وہ خود نکتہ رس اور معنی آفرین بن گیا۔ میرے دین و دانش کی پرورش و تربیت میں حضرت مرزا محمود احمد کی مصنفات کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ میں اپنے عزیز نوجوانوں کو کہتا رہتا ہوں کہ اگر تم دنیاوی علوم میں بھی آگے بڑھنا چاہتے ہو اور ذہن و دماغ کا کلچر چاہتے ہو تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی کتابیں پڑھا کرو۔ روح و جان کی ربوبیت کے ساتھ ساتھ ذہن و دماغ کی پرورش کے لئے یہ تصنیفیں سرچشمۂ فیض ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابیں بحرِ بیکراں ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی کتابیں علوم کی نہریں ہیں۔ شاخ در شاخ، شعبہ در شعبہ، مربوط، منظم، سہل، رواں، ان کا مصدر و منبع وہی دریائے فیض ہے۔ مسیح محمدی کے اناجیل عصر، اور یہ انجیلیں اور اوقیانوس قرآن سے فیضیاب و شاداب ہیں۔ اللّٰھم صلی علی محمد و علی آلِ محمد۔ آمین! اللّٰھم آمین!

اس مختصر مقالہ میں حضرت مرزا محمود احمد کی مصنفانہ حیثیت کا سرسری جائزہ بھی نہیں لیا جا سکتا یہ تو محض ایک تعارف ہے۔ اس موضوع پر ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے موضوعاتِ تصنیف کی گوناگونی اور تنوع تو اس امر کا متقاضی ہے کہ آپ کے ہر شعبۂ تصنیف و تحقیق پر ایک مُبصرانہ کتاب لکھی جائے۔ انشاء اللہ آپ کی کتب مستقبل کے عظیم الشان علوم ......کی بنیادیں بنیں گی۔ ہر نہر سے ایک دجلۂ برکت و کثرت رواں ہوگا اور محمدی چشمۂ کوثر کی پہنائی عالمگیر ہو جائے گی۔

مَیں حضرت مرزا محمود احمد کی تصنیفات کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں ایک حقیقت واضح ہے کہ آپ کی تصنیفوں کی ہمہ گیر فضا ...... ہے۔ ......اور ...... مسائل نے آپ کو آمادۂ تصنیف کیا ہے۔ مَیں سب سے پہلے اُن تصنیفوں کا تذکرہ کروں گا جو تاریخی، سیاسی، عمرانی یا اقتصادی ہیں۔ مثلاً ''اسلام میں اختلافات کا آغاز''، ''ترکِ موالات اور احکام ......''، ''نہرو رپورٹ پر تبصرہ''، ہندوستان کا دستور اساسی''، ''وفاقی نظام''، ''نظامِ نَو''،

’’...... کا اقتصادی نظام‘‘، ’’ملکیت زمین‘‘۔ فی الحال ان سب کتابوں پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کرنے کا موقعہ نہیں۔ میں صرف ان کی مشترک خصوصیات کا ذکر کروں گا۔ موضوعات و مسائل پر عالمانہ نظر مدلّل طرزِ بیان، سچائی، صفائی، روانی، اخلاص، متانت، قوت و استحکام، ذہانت، تضادیا الجھاوے سے پاکی، دُور بینی، ہمدردی، صلح جوئی، انسانیت دوستی اور خدا ترسی۔ ان تصنیفوں کی اقدار مشترک ہیں۔ مُسلم فرقوں کے درمیان امن کی تلاش اور تاریخ ...... کے بنیادی مسائل کی حقیقت پسندانہ اور صلح جویانہ تعبیریں ہمیں ’’...... میں اختلافات کا آغاز‘‘ میں ملتی ہیں۔ ’’ترکِ موالات اور احکام ......‘‘، ’’نہرو رپورٹ پر تبصرہ‘‘ اور ’’ہندوستان کا دستور اساسی‘‘ سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ ملک وملّت کے لئے گہری دردمندی اور ہندو مسلم اتحاد کی جذبۂ صادق کی آئینہ دار ہیں۔ کاش خود غرض اور طاقتور دُنیا دار کبر کثرت اور حرص دولت میں عقل سلیم اور انسانیت کو طلاق نہ دے بیٹھتے۔

نظام نو اور ...... کا اقتصادی نظام ایک سلسلہ کی دو اہم کڑیاں ہیں۔ تیسری کڑی ملکیت زمین ہے اور کتابوں کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوگا کہ بیک وقت سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام اور اشتمالی نظامِ معاش وحیات پر تنقید کرتے ہوئے ...... اقتصادیات کی وضاحت کرتی ہیں اور ...... کے نظامِ دین ودُنیا کی ہمہ جہتی تصویر پیش کرتی ہیں۔ یہ تصنیفات ...... اقتصادی عہد نامہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں متین مگر توانا استدلال، تاریخ اور علم النفس سے واقفیت، عالمی اقتصادیات سے گہری باخبری، قرآنی علوم کا عرفان اور صداقت و برکت ...... پر اٹل ایمان کی جلوہ گری ملتی ہے۔ ان سے ہمارے ذہن کی تشنگی بھی دُور ہوتی ہے اور دل کی پیاس بھی۔

حضرت مکرم کی تصنیفوں کا ایک سلسلہ دعوۃ الامیر، تحفہ شہزادہ ویلز، مسیح موعود کے کارنامے، خلافت اور احمدیت یعنی حقیقی ...... سے مرتب ہوتا ہے۔ دلائل و براہین، خلوص وصداقت، رشد وہدایت وسعتِ نظر، تحقیق جدید اور بلندی فکر سے ان تصنیفات کی ترکیب ہوتی ہے۔ ...... اور ...... کی نشاۃ ثانیہ کے متعلق یہ تعمیری کتابیں ہمیشہ معیار اور مینار ہدایت کا کام دیں گی۔

حضرت محمود کی تصنیفوں کا ایک زرّیں سلسلہ مندرجہ ذیل تابناک کڑیوں سے بنا ہے۔ ملائکۃ اللہ ذکر الٰہی، تقدیر الٰہی، انقلاب حقیقی، منہاج الطالبین اور سیر روحانی کی جلدیں۔ یہ کتابیں اخلاقیات، روحانیات اور الٰہیات کے چاند تارے ہیں۔ ارتقائے عالم و آدم، ذکر وفکر، حقیقتِ ملائکہ، مسئلہ تقدیر وتدبیر، علم الٰہی، جزاءوسزا، تربیتِ نفس وروح، تزکیہ قلب، عظمتِ قرآن، حکمتِ شریعت، ...... تصوّف، محبتِ الٰہی اور معراج روحانی کے مسائل کے نظری اور عملی پہلوؤں پر ان کتابوں نے ایسی مجلّٰی ومُصفّٰی روشنی ڈالی ہے کہ ذہن وروح کی آنکھوں کے سامنے حقائق اور طمانیت کا ایک عالمِ نو جھلک اُٹھتا ہے۔ منازل سلوک طے کرکے قُربِ الٰہی حاصل کرنے کے وسائل ہمیں ان رہنما کتابوں کے اوراقِ ضیاء بار میں ملتے ہیں۔ سیرِ روحانی کی جلدیں عصرِ نَو کی فتوحاتِ مکیہ کے مقام پر ہیں۔ کئی جہتوں سے سیر روحانی شیخ اکبر

حضرت محی الدین ابن عربی کی گرانقدر تصنیف سے زیادہ قیمتی کتاب ہے۔ اس کی افادیت اور بصیرت افروزی عصری تقاضوں کو بہتر طور پر پورا کرتی ہے۔

حضرت مرزا محمود احمد کے تصنیفی کارناموں میں گلِ صد برگ تفسیر صغیر اور تفسیر کبیر کی تابناک جلدیں ہیں۔ یہ تفسیریں سراج منیر ہیں۔ ان سے قرآنِ حکیم کی حیات بخش شعاعوں کا انعکاس ہوتا ہے۔ تفسیر قرآنی کی یہ دولتِ سرمدی دُنیا اور عقبٰی کے لئے لاکھوں سلطنتوں اور ہزاروں جنتوں سے افضل ہے۔

علوم قرآنی کے گہر ہائے آبدار کانِ معانی و معدنِ عرفان سے نکالے گئے ہیں۔ خواص معارف پر فدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔

ان تفسیروں کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ میں اس سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر کئے دیتا ہوں۔ مَیں نے یکے بعد دیگرے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی تفسیر کبیر کی چند جلدیں پروفیسر عبدالمنان بیدل سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج، پٹنہ۔ و حال پرنسپل شبینہ کالج پٹنہ کی خدمت میں پیش کیں۔ وہ ان تفسیروں کو پڑھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ اُنہوں نے مدرسہ عربیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شیوخ کو بھی تفسیر کی بعض جلدیں پڑھنے کے لئے دیں اور ایک دن کئی شیوخ کو بُلوا کر اُنہوں نے اُن کے خیالات دریافت کئے۔ ایک شخص نے کہا کہ فارسی تفسیروں میں ایسی تفسیر نہیں ملتی۔ پروفیسر عبدالمنان صاحب نے پوچھا کہ عربی تفسیروں کے متعلق کیا خیال ہے۔ شیوخ خاموش رہے۔ کچھ دیر کے بعد ان میں سے ایک نے کہا پٹنہ میں ساری عربی تفسیریں ملتی نہیں ہیں۔ مصر و شام کی ساری تفاسیر کے مطالعہ کے بعد ہی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے قدیم عربی تفسیروں کا تذکرہ شروع کیا اور فرمایا۔ ''مرزا محمود کی تفسیر کبیر کے پایہ کی ایک تفسیر بھی کسی زبان میں نہیں ملتی۔ آپ جدید تفسیریں بھی مصر و شام سے منگوا لیجئے اور چند ماہ بعد مجھ سے باتیں کیجئے۔'' عربی و فارسی کے علماء مبہوت ہو گئے۔

میری ناچیز رائے میں تفسیر کبیر مندرجہ ذیل خوبیوں کی حامل ہے۔ ان میں قرآن حکیم کے تسلسل، ربط، تنظیم، ترتیب، تعمیر اور سورتوں کے موضوعات و معانی کی ہم آہنگی کو صاف، روشن و مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ قرآن مجید صرف ایک سلکِ مروارید نہیں بلکہ یہ روحانی قصر الحمراء ہے۔ ایک زندہ تاج محل ہے۔ اس کے عناصر ترکیبی کے حُسن کا رازِ نظم و ضبط، اس کے تراشیدہ اعجاز بیان، اس کی معجزانہ صنعت گری، اس کی گہری وسیع اور بلند معنی آفرینی اور اس کے غیر مختتم خزینۂ علم و عرفان کا شعور تفسیر کبیر کے مطالعہ سے حاصل ہونے لگتا ہے۔ قرآن حکیم کے اس مقام عظیم کی دریافت دراصل مجدّدِ عصر ظِلّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی دریافت ہے ....

حضرت مرزا محمود نے نہایت لطیف و بلیغ انداز میں اس امر کو درجہ یقین تک پہنچا دیا کہ قرآن مجید ایک کتاب عظیم ہے اور اس کے ابواب و عناصر، اس کی سورتیں اور آیات گلِ دمیدہ کی طرح حُسنِ یوسفؑ کی مانند، نظامِ شمسی کی مثال

مربوط، منظم، متناسب، ہم آہنگ اور حسین ہیں۔

تفسیر کبیر کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ اُس میں انسانی تقاضوں، ضرورتوں اور مسئلوں سے وابستہ بکثرت نئے مضامین، نکتے اور تفصیلیں ملتی ہیں اور ہمارے روح و ذہن کی تشنگی بجھاتی ہیں۔ ہر سورۃ، ہر پارہ کی تفسیر میں معارف اور علوم کا دریائے رواں جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے ذریعہ نئے علوم اور نئے مسائل پر گہری تنقیدیں ملتی ہیں اور ......نظریوں کا اتنا تسلی بخش اظہار و بیان ملتا ہے کہ آخر الذکر کی برتری ثابت ہو جاتی ہے۔

تفسیر کبیر میں قصص قرآنی کی عارفانہ تعبیریں اور تفصیلیں ملتی ہیں۔ علم و حکمت، روحانیت و عرفان، نکتہ دانی و وضاحت کی تجلیاں شکوک و شبہات کے خس و خاشاک کو دُور کر کے تفہیم و تسکین کی راہیں صاف و روشن کر دیتی ہیں۔ تاریخ عالم، قوموں کے عروج و زوال، اسباب زوال، سامان عروج، نفسیاتِ اجتماعی، فرد و جماعت کے روابط اور بندے کے اللہ سے تعلق کی اعلیٰ تحقیق و توضیح ملتی ہے۔

معجزات، پیشگوئیوں، انبیاء و غیر انبیاء کے خوابوں، رموز و استعاراتِ قرآنی و مقطعات کی حقیقی، حکمتی اور ایمان افروز تعبیروں سے تفسیر کبیر کے اوراق تابناک ہیں۔

اس عظیم تفسیر میں تعلیماتِ ......کا فلسفہ نہایت عمدہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی تنظیموں اور معروف فلسفوں سے موازنہ و مقابلہ بھی عالمانہ اور منصفانہ رنگ میں کیا گیا ہے۔ ......تعلیمات کی پُر شوکت فضیلت سے دل کو طمانیت، راحت و تسکین ملتی ہے اور ذہن کو رفعت حاصل ہوتی ہے۔ اس تفسیر کا انداز نظر عصری اور سائنسی بھی ہے، فلسفیانہ اور حکمتی بھی اور وجدانی و عرفانی بھی۔

اس تفسیر کبیر کے علم و عرفان کی تجلیات بیان کرنے کے لئے دفتر در دفتر چاہیئے۔ یہ تفسیر ملّتِ ......کی بے بہا دولت ہے۔ قرآن حکیم کی اس تفسیر سے اُمّتِ محمدیہ کا مستقبل وابستہ ہے۔

مَیں اب حضرت مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی ادبیّت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہ آپ کی مصنفات علمی ہیں تاہم ان کی ادبیت بھی مسلّم ہے۔ ادب عالم میں بہت سی ایسی شخصیتیں نظر آتی ہیں جنہوں نے علمی موضوعات کے لئے ادبی طرز استعمال کی۔ اُن کے موضوع کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اُن کے اسلوب بیان کا حُسن بھی دلکش ہے۔ برگسان فرانس کا بڑا فلسفی تھا۔ اس کی خوبصورت اور پُر اثر نثر جاذب دل و نگاہ ہے۔ اسی طرح میکالے، گبن، چرچل، شبلی اور ابو الکلام وغیرہ کے مضامین و موضوعات تاریخی، عمرانی یا مذہبی تھے لیکن اُن کے اسالیب اور حُسن اظہار نے ان اہل قلم حضرات کی ادبیت تسلیم کروا ہی لی۔

حضرت مرزا محمود کی پُر قوت، حسین و اثر خیز نثر اُردو ادب میں ہمیشہ یاد کی جائے گی۔ ابھی تک اہل ادب نے آپ کی انشاء کے حُسن و توانائی کی طرف پوری توجہ نہیں کی ہے۔ مجھے یاد ہے، ایک دفعہ حضرت صاحب کا کوئی مضمون رسالہ

شہکار لاہور میں چھپا تھا۔ صاحب مضمون کے متعلق کچھ پردگی تھی۔ مولانا تاجور نجیب آبادی نے اداریہ میں لکھا:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

حضور کا ایک علمی مقالہ ”علم الالسنہ“ رسالہ نیرنگ خیال لاہور میں شائع ہوا۔ اس مقالہ نے علمی و ادبی دُنیا کو چونکا دیا تھا لیکن ابھی تک حضرت مرزا محمود کی ادبی حیثیت متعین نہیں کی گئی۔ میں آپ کے بلند ادبی مقام پر تھوڑی روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں۔ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام سلطان القلم اور اُن کے عظیم الشان خلفاء کی ادبی حیثیت پر تحقیق کا کام ہمارے علمی و ادبی اداروں میں ہونا چاہیئے۔ میں کئی سال سے کوشاں ہوں کہ کسی صاحب نظر نوجوان کو اس کام پر لگاؤں اور اُس خوش توفیق سے پی۔ ایچ۔ ڈی ڈگری کے لئے مقالہ لکھواؤں۔ اللہ تعالیٰ میری اس خواہش کو پورا کر دے۔ اللّٰھم آمین۔

ادبیت بغیر ذوق جمال کے جلوہ آرا نہیں ہو سکتی۔ حضرت مرزا محمود کو اللہ تعالیٰ نے ذوقِ جمال نمایاں طور پر عطا کیا تھا۔ آپ لطیف الخیال اور دردمند دل رکھنے والے شاعر بھی تھے۔ کلام محمود کی صوفیانہ غزلیں اور نظمیں حُسن و تاثیر کا نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے برلاسی اور تیموری مغلوں کو ذوقِ حُسن بکثرت بخشا تھا۔ مغل عمارات اور باغات اس برصغیر کے چپہ چپہ میں مغل ذوق کی حسین یادگاریں ہیں۔ حضرت مرزا محمود کو بھی یہ ذوق ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کو تعمیر باغ کاری اور چمن اندازی کا بڑا شوق و ذوق تھا اور ان فنکاریوں کا جبلی ملکہ آپ کو حاصل تھا۔ قادیان کی مقدس سرزمین اس کی گواہی دے رہی ہے۔

سلطان القلم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا شاعرانہ اور ادبی ذوق بھی حضرت مرزا محمود کو وراثت میں ملا اور حضرت ..... نصرت جہاں بیگم صاحبہ کی طرف سے اُردو کے صاحب طرز و تجربہ شاعر خواجہ میر درد دہلوی کی شعریت و صوفیت بھی آپ کو ملی۔ زندگی اور فن میں وراثت و ماحول کی بڑی اہمیت ہے لیکن تحقیقی صلاحیت کا بڑا حصہ انفرادی ودیعت ہے۔ ؎

ہر کہ بخشند خدائے بخشندہ

حضرت مرزا محمود کی صورت، گفتگو، رہائش اور لباس میں بھی حُسن کا جلوہ یا جمال کی کوئی ادا تابناک ہوتی تھی۔ آپ کا قیافہ جمالیاتی تھا۔ حضور کو عطریات کا نفیس شوق تھا اور آپ عطر سازی کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ حضور کی روحانی شخصیت نے بھی آپ کے شعری و نثری کلام کی تاثیر میں اضافہ کیا۔ آپ کی شخصیت آپکے فن میں تاباں ہے۔

کلامِ محمود کی دلربا شاعری اپنی سادگی اور درد و گداز، سلاست، فصاحت اور فطری و پُر تاثیر انداز اظہار کی وجہ سے نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا فکری، اصلاحی اور پیامی پہلو اُسے اور گرانقدر بناتا ہے۔ بعض نظمیں اور غزلیں تو

دل و روح کو وجد و حال کے عجیب عالم میں لے آتی ہیں۔ مثلاً:

میں تمہیں جانے نہ دوں گا، میں تمہیں جانے نہ دوں گا
کیا محبت جائے گی یوں
کیا پڑا روؤں گا میں خوں
یاد کر کے چشمِ مے گوں
میں تمہیں جانے نہ دوں گا، میں تمہیں جانے نہ دوں گا

اور

نونہالانِ جماعت مجھے کچھ کہنا ہے

حضرت مرزا محمود کی شاعرانہ حیثیت ایک علیحدہ مقالہ کی متقاضی ہے۔ میں نے یہاں اس کا اس لئے ذکر کیا تا کہ آپ کے ذوق جمال اور سرمایۂ وجدان کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ اسی ذوق وشوق نے اسی سیلانِ حُسن کاری نے آپ کی نثری تصنیفوں کو بھی متاثر کیا ہے۔

حضرت مرزا محمود کی طرز نگارش کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ موضوعِ سخن کے مطابق ہے۔ علمی مضامین کے لئے سنجیدہ، متین، مدلّل، سلیس اور رواں اسلوب بیاں پُر تاثیر و حسن آفرین ہوا۔ آپ کے اسلوب میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ عام فہم، فصیح اور پُر وقار طرز نگارش کلام کو دلنشیں بنا دیتی ہیں لیکن آپ کے اسالیب میں موزوں لچک داری بھی ملتی ہے۔ اسالیب کے متناسب سائے، رنگ و نور، لب ولہجہ و آہنگ بڑی موزونیت اور خوبصورتی سے اُبھرتے ہیں۔ آپ کی عبارتوں کا ترنم نثری بھی نہایت خوش آئند اور خوش تاثیر ہے۔ میں چند مثالیں پیش کر کے مندرجہ بالا نکات کی وضاحت کروں گا۔ ملاحظہ ہو:

''دعاؤں کی قبولیت اور نصرت الٰہیہ کے نزول کے معاملہ میں بھی حضرت اقدسؑ کا فیض جاری ہے اور آپ کے فیصلہ سے زندہ ہونے والے لوگ اس زندگی بخش طاقت کو اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کے اکثر افراد کی دعائیں دوسرے لوگوں سے زیادہ سنتا ہے اور اپنی نصرت ان کے لئے نازل کرتا ہے اور اُن کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے اور اُن کی محنتوں کے اعلیٰ ثمرات پیدا کرتا ہے اور ان کو اکیلا نہیں چھوڑتا اور اُن کے لئے غیرت دکھاتا ہے۔

''غرض حضرت اقدس نے نہ صرف مُردے ہی زندہ کئے بلکہ ایسے لوگ پیدا کر دیے ہیں جو خود بھی مُردے زندہ کرنے والے ہیں اور یہ کام سوائے ان بزرگ انبیاء کے جو اللہ تعالیٰ

کے خاص پیارے ہوتے ہیں اور کوئی نہیں کرسکتا اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب فیض آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور آپ کا کام درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کام تھا۔'' (دعوۃ الامیر صفحہ ۲۷۴-۲۷۵)

ایک اور حوالہ ملائکۃ اللہ سے پیش کرتا ہوں:

''قرآن نے مومن کا یہی کام مقرر نہیں فرمایا کہ وہ آپ اُڑے۔ بلکہ یہ کام مقرر کیا ہے کہ وہ آپ بھی اُڑے اور دوسروں کو بھی اُڑائے۔ قرآن نے تمہیں چڑیا اور طوطے کی طرح نہیں بنایا بلکہ ایروپلین بنایا ہے تا کہ آپ بھی اُڑو اور دوسروں کو بھی اُڑاؤ''۔ (ملائکۃ اللہ صفحہ ۳۰)

حضرت مرزا محمود کی ایک نمایاں اور گراں بہا خصوصیت یہ ہے کہ آپ سادہ اور عام فہم رنگ میں بڑے گہرے معارف بیان فرماجاتے ہیں۔ آپ کے کلام میں فکر کی مہمیز کرنے والی قوت کے ساتھ دل کو گداز اور گرم کرنے والی توانائی بھی پائی جاتی ہے۔ کہیں لطافت اور نفاست دامنِ دل کھینچتی ہے اور کبھی جلال ورفعت کبریائی کا نظارہ دکھاتی ہے۔ آپ سلیقے اور قرینے سے تشبیہات واستعارات بھی استعمال کرتے ہیں۔ بلاغت کی دوسری صنعتیں بھی موزونیت سے برتی جاتی ہیں لیکن آرائش کلام یا سخن سازی کی مصنوعی اور گراں بار کوششیں کہیں نہیں ملتیں۔ میں سیر روحانی سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں:

''......ہم تینوں اُوپر چڑھے اور آخر ایک عمارت کی زمین پر پہنچے جو ایک بلند ٹیکرے پر بنی ہوئی تھی۔ یہاں سے ساری دہلی نظر آتی تھی۔ اس کا قطب اس کا پرانا قلعہ، نئی اور پرانی دہلی اور ہزاروں عمارات اور کھنڈر چاروں طرف سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے تھے اور قلعہ اُن کی طرف گھوررہا تھا۔ میں اس جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا اور پہلے تو اس عبرتناک نظارہ پر غور کرتا رہا کہ یہ بلند ترین عمارت جو تمام دہلی پر بطور پہرہ دار کھڑی ہے۔ اس کے بنانے والے کہاں چلے گئے۔ وہ کس قدر اولوالعزم کس قدر باہمت اور کس قدر طاقت وقوت رکھنے والے بادشاہ تھے، جنہوں نے ایسی عظیم الشان یادگاریں قائم کیں وہ کس شان کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور کس شان کے ساتھ یہاں مرے مگر آج ان کی اولادوں کا کیا حال ہے۔ کوئی ان میں سے بڑھئی ہے، کوئی لوہار ہے، کوئی معمار ہے، کوئی موچی ہے اور کوئی میراثی ہے۔ میں انہی خیالات میں تھا کہ میرے خیالات میرے قابو سے باہر نکل گئے اور مَیں کہیں کا کہیں جا پہنچا''۔

(سیر روحانی صفحہ ۱۱)

''......آخر وہ سب ایک اور نظارہ کی طرف اشارہ کر کے خود غائب ہو گئے۔ مَیں اس محویت

کے عالم میں کھڑا رہا، کھڑا رہا اور کھڑا رہا اور میرے ساتھی حیران تھے کہ اس کو کیا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مجھے اپنے پیچھے سے اپنی لڑکی کی آواز آئی کہ ابا جان دیر ہو گئی ہے۔ میں اس آواز کو سن کر پھر واپس اسی مادی دنیا میں آ گیا۔ مگر میرا دل اس وقت رقّت انگیز جذبات سے پُر تھا نہیں وہ خون ہو رہا تھا، اور خون کے قطرے اس سے ٹپک رہے تھے۔ مگر اس زخم میں ایک لذت بھی تھی اور وہ غم سرور سے ملا ہوا تھا۔ مَیں نے افسوس سے اس دُنیا کو دیکھا اور کہا کہ میں نے پالیا، مَیں نے پالیا۔ جب میں نے کہا کہ مَیں نے پالیا، مَیں نے پالیا، تو اُس وقت میری وہی کیفیت تھی، جس طرح آج سے دو ہزار سال پہلے گیا کے پاس ایک بانس کے درخت کے نیچے گوتم بدھ کی تھی، جبکہ وہ خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کا وصال حاصل کرنے کے لئے بیٹھا اور وہ بیٹھا رہا اور بیٹھا رہا یہاں تک کہ بدھ مذہب کی روایات میں لکھا ہے کہ بانس کا درخت اس کے نیچے سے نکلا اور اس کے سر کے پار ہو گیا۔ مگر محویت کی وجہ سے اس کو اس کا کچھ پتہ نہ چلا''۔ (سیر روحانی صفحہ ۱۲-۱۱)

''......اس سوال کے پیدا ہوتے ہی وہ تمام نظارے جو میری آنکھوں کے سامنے تھے غائب ہو گئے اور ایک اور نظارہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا اور ایک نئی دنیا میری آنکھوں کے سامنے آہستہ آہستہ گزرنے لگ گئی۔ میں اس نئی دنیا کے آثار قدیمہ کو دیکھنے میں مشغول ہوا۔ تو میں نے ایسے ایسے عظیم الشان آثار قدیمہ دیکھے جو ان آثار قدیمہ سے بہت زیادہ شاندار تھے جن کے خیال میں میرا دل محو تھا۔ بلکہ ایک فوق العادت کارنامہ آثار قدیمہ کی دریافت کا میرے سامنے آ گیا۔ ایک بڑا جنتر منتر جس کا اندازہ لگانا بھی انسانی طاقت سے بالا ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے پیدا ہوا۔ بڑے بڑے غیر معمولی خوبصورتیوں والے باغات، عدیم المثال نہریں، بے کنار سمندر، عالی شان قصر، ان کے لنگر خانے، دیوان عام، دیوان خاص، بازار، کتب خانے، دفتر، بے انتہا بلند مینار اور غیر محدود وسعت والی مسجد، دلوں کو دہلا دینے والے مقبرے اور مسمار شدہ یادگاریں ایک ایک کر کے میری نگاہوں کے آگے پھرنی شروع ہوئیں اور میں نے کہا اُف مَیں کہاں آ گیا۔ یہ چیزیں میرے پاس ہی موجود تھیں۔ تمام دُنیا کے پاس موجود ہیں لیکن دُنیا اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتی اور بچوں کی طرح کھلونوں کے پیچھے بھاگتی پھرتی ہے۔ میرا دل خون ہو گیا۔ اپنی بے بسی پر کہ مَیں یہ چیزیں دُنیا کو دکھانے سے قاصر ہوں۔ میرا دل خون ہو گیا۔ دُنیا کی بے توجہی پر۔ مگر میرا دل مسرور بھی تھا، اس خزانے کے پانے پر، اُن امکانات پر کہ ایک دن مَیں یا خدا کا کوئی اور بندہ یہ مخفی خزانے دُنیا کو دکھانے میں کامیاب ہو جائے گا اور مَیں نے

جب ان چیزوں کو دیکھا تو بے اختیار یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہوئے کہ مَیں نے پالیا۔ مَیں نے پالیا۔ ہاں ہاں یہ یقینی بات ہے کہ تعلّق کے قلعہ میں مَیں نے ایک اور دنیا کو پالیا۔ ایک بالا دنیا، ایک بالا طاقت کے نشانات اور پہلے اس دُنیا سے کھویا گیا۔ پھر مَیں نے ایک اور دنیا کو جو اس سے کہیں زیادہ شاندار، کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ پائیدار اور پھر ایک لحاظ سے بوسیدہ کھنڈر اور تباہ حال بھی دیکھا۔ اُسے پایا۔ اُس کی خستہ حالی پر میرا دل رویا۔ اس کی شان اور پائیداری سے میرا دل مسرور رہوا''۔ (سیر روحانی صفحہ ۱۶-۱۵)

حضرت مرزا محمود کا اسلوب بیان سادگی کے باوجود نہایت پُر معنی و تاثیر ہوتا ہے۔ آپ لطیف و رفیع مضامین و نکات اُس زبان میں پیش کرتے ہیں جو سہل ممتنع ہے۔ آپ کی نثر میں پُرکاری و تصنّع نام کو نہیں ہوتا۔ ایک فطری و معصوم دلکشی کے ساتھ فنی دل رُبائی کی جھلک ملتی ہے۔ ایک بڑے دریائے رواں کا جمال جلال کے ساتھ ہم آغوش پایا جاتا ہے۔ گہرائی، وسعت اور روانی کی حسین ترکیب ملتی ہے۔ طرز میں بڑا توازن بھی ہے اور لچک داری بھی۔ آنچ اور آہنگ میں مناسب تنوع بھی ملتا ہے۔ حاصل سخن پیش کرتے ہوئے یا تکمیل پیام کے وقت خطابت کا لطف بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ کے ہاں جذبہ و جوش کا اظہار بھی ہے مگر شعلگی جذبات اور وحشی آتش نفسی کہیں بھی نہیں۔ تخیل کی رفعتیں اور لطافتیں بھی ہیں لیکن دور از کار نازک خیالی اور پیچیدہ نفاستیں نایاب ہیں۔

مَیں ختم کلام حُسنِ کلام کی انتہا پر کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن حکیم و مجید حُسن کا ایک معجزہ مُبین ہے اور حضرت مرزا محمود احمد کی تفسیر کبیر ایک ایسا آئینہ جمال ہے جسے ہم روحانی جام جمشید کہہ سکتے ہیں۔ اس کی معنی آفرینیوں اور نکتہ بیانیوں کو حُسنِ اظہار کا مجلّی اسلوب بھی حاصل ہے۔ تاثیرِ سخن اور گرمیٔ انجمن کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایک انگریز شاعر کیٹس نے کتنا سچ کہا ہے:

''صداقت حُسن ہے اور حُسن صداقت''

تفسیر کبیر صداقت کی حسین تعبیر و تشریح ہے۔ لہٰذا یہ ملّتِ بیضا اور انسانیت عظمیٰ کے لئے ''مسرت ابدی'' کا سامان ہے۔ اس کے رنگ جمال کا ایک عکس دیکھئے۔

سورۃ فاتحہ کے مضامین کا خلاصہ

''سورۃ فاتحہ کے مضامین میں جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے۔ قرآن کریم کے لئے بطور دیباچہ کے ہیں۔ قرآن کریم کے مضامین کو مختصر طور پر اس میں بیان کر دیا گیا ہے تا کہ پڑھنے والے کو شروع میں ہی قرآنی مطالب پر اجمالاً آگاہی ہو جائے۔ پہلے بسم اللہ سے شروع کیا ہے۔

جس سے ظاہر ہے کہ ایک مسلمان خدا تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے۔(بسم اللہ)وہ اس امر پر بھی یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ فلسفیوں کے عقیدہ کے مطابق صرف دُنیا کے لئے علّت اولیٰ کا کام نہیں دے رہا بلکہ دُنیا کے کام اس کے حکم اور اشارے سے چل رہے ہیں۔اس لئے اس کی مدد اور اعانت بندہ کے لئے بہت کچھ کارآمد ہوسکتی ہے۔(بســــم اللہ)وہ صرف ایک اندرونی طاقت نہیں ہے بلکہ وہ مستقل وجود رکھتا ہے اور اس کا مستقل نام اور مختلف صفات سے وہ متصف ہے۔(اللہ ، الرحمن الرحیم)وہ منبع ہے سب ترقیات کا اور تمام سامان جن سے کام لے کر دنیا ترقی کرسکتی ہے،اسی کے قبضہ میں ہیں(الــرحـمـن)اس نے انسان کواعلیٰ ترقیات کے لئے پیدا کیا ہے۔ جب وہ اللہ کے پیدا کردہ سامانوں سے صحیح طور پر کام لیتا ہے تو اس کے کام کے اعلیٰ نتائج پیدا ہوتے ہیں، جو اسے مزید انعامات کے مستحق بنادیتے ہیں اور بناتے چلے جاتے ہیں۔(الرحیم) اس کے سب کاموں میں جامعیت اور کمال پایا جاتا ہے اور حُسن سے وہ متصف ہے اور سب تعریفوں کا مالک ہے۔کیونکہ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے سب اسی کا پیدا کردہ ہے۔(الحمدللہ رب العالمین)کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی نہیں جس کی ابتدا اور انتہاء یکساں ہو، بلکہ اس کے سوا جس قدر اشیاء ہیں ادنیٰ حالت سے شروع ہوئی ہیں اور ترقی کرتے کرتے کمال کو پہنچی ہیں۔پس اللہ تعالیٰ سب اشیاء کا خالق ہے اور کوئی چیز آپ ہی آپ نہیں۔(رب العالمین)یہ دنیا ایک متنوّع دنیا ہے یعنی اس کی ہزاروں شاخیں ہیں اور ہزاروں قسم کے مزاج ہیں۔پس کسی چیز کے سمجھنے کے لئے اس کی جنس پر غور کرنا چاہیئے، نہ کہ دوسری جنس کی اشیاء پر۔خدا تعالیٰ کا معاملہ ہر جنس سے اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔پس دنیا میں خدا تعالیٰ کے سلوک میں اگر اختلاف نظر آئے تو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔وہ اختلاف حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہے، نہ کہ ظلم کی وجہ سے یا عدم توجہ کی وجہ سے۔(رب العالمین)جس طرح اللہ تعالیٰ ہر کام لینے والی شے کا خالق نظر آتا ہے، وہ ہر سامان کا بھی خالق نظر آتا ہے۔پس ہر چیز ہر وقت اس کی مدد کی محتاج ہے (الـرحـمـن)پھر جس طرح خدا تعالیٰ اشیاء اور ان سامانوں کا خالق ہے جن سے ان اشیاء نے فائدہ اُٹھانا ہے۔اس طرح وہ ان نتائج پر بھی تصرف رکھتا ہے جو سامانوں کے استعمال کرنے کے بعد پیدا ہوتے ہیں مثلاً انسان کو بھی اس نے پیدا کیا اور اس کھانے کو بھی اس نے پیدا کیا ہے جو اس کی زندگی کے لئے ضروری ہے اور پھر وہ اچھا یا بُرا خون جو اس کھانے کے استعمال سے پیدا ہوگا وہ بھی اسی کے حکم اور امر سے ہی ہوگا۔(الرحیم)پھر اس نے جزا سزا کا بھی ایک طریق مقرر

کیا ہے۔یعنی ہر چیز اپنے حالات کے مطابق اپنے کاموں کے اچھے یا بُرے نتائج کا مجموعی نتیجہ ایک دن دیکھ لیتی ہے۔یعنی کاموں کے نتیجے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک درمیانی کہ ہر کام کا نتیجہ کچھ نہ کچھ نکل آتا ہے اور ایک آخری کہ سب کاموں کا مجموعی نتیجہ نکلتا ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے صرف یہی انتظام نہیں کیا کہ ہر کام کا نتیجہ نکلے بلکہ اس نے یہ تدبیر بھی اختیار کی ہے کہ سب کاموں کا مجموعی نتیجہ نکلے۔جس کے سبب سے وہ مالِک یوم الدین کہلاتا ہے‘‘۔

(تفسیر کبیر جلد اوّل، جزو اوّل صفحہ ۱۰-۹)

حاصل کلام یہ کہ حضرت مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی ایک بلند پایہ مُصنف، عہد آفرین مفکّر، صاحبِ طرز نثار، منفرد ماہر اسلامیات اور معجز نما صلاحیت رکھنے والے مفسّر ہیں۔

بشکریہ مجلۃ الجامعہ

حضرت مصلح موعود کا اسلوب نثر

(مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب)

انسانی عقل وشعور کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ہر دور میں انسانی معاشرہ میں ایسے اصحاب پیدا ہوتے رہے جو اپنے خیالات کی ترسیل وترویج کے لئے اور اپنے فیضانِ علم ودانش کو انسان کی آگاہی کا حصہ بنانے کے لئے مختلف اسالیبِ ابلاغ کا سہارا لیتے رہے۔ عقل وشعور کی ترقی ایسے ہی وسائل ابلاغ کی رہین منت ہے۔ زبان بجائے خود ابلاغ نہیں ابلاغ کا وسیلہ ہوتی ہے اور زبان کو مختلف طریق سے برتنے اور سجانے کا نام ادب ہے۔ حروف کے مجموعے ''لفظ'' کو ترسیلِ ادب کا وسیلہ کہا جاتا ہے۔ اب تو اکیسویں صدی میں یہ بحث بہت دور نکل آئی ہے اور ساختیات سے لے کر پس ساختیات تک پہنچ گئی ہے۔ سادہ لفظوں میں لفظ نظم کی صورت میں مرتب ہوں یا غیر معین ومردف طریق پر محض بامعنی الفاظ کا پیرہن اختیار کر کے تسلسل کی لڑی میں پروئے جائیں اور نثر کہلائیں، سب کچھ انسانی شعور کا کرشمہ ہے اور اسی سے انسان کے ذہن میں آگاہی کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔

ہبوط آدم سے لے کر آج تک انسان کی ہدایت کے لئے جو الٰہی اور الوہی کلام بھی نازل ہؤا وہ بھی لفظوں کے وسیلے سے دنیا والوں تک پہنچا۔ تمام صحف آسمانی اسی وسیلہ سے انسانوں کی دسترس میں آئے۔

علمائے ادب نے الفاظ کے دروبست کا تجزیہ کرتے ہوئے الفاظ کے استعمال کو دو وسیلوں کا رہین منت قرار دیا ہے۔ وہ الفاظ جو بول کر ادا کئے جائیں اور وہ الفاظ جو لکھ کر لوگوں کے سامنے پیش کئے جائیں۔ تمام تر صحائف آسمانی اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھے جاتے ہیں۔ گویا صحائف ''بولے ہوئے'' ادب کا حصہ ہوتے ہیں ان بولے ہوئے الفاظ کو محفوظ کرنے کے لئے لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ ''تحریری'' ادب کہلاتا ہے۔ تمام تر صحائف آسمانی کا حرف آخر قرآن ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یعنی بولے ہوئے لفظوں کا مجموعہ اس لئے قرآن کو spoken words کا آخری نمونہ سمجھنا چاہئے۔ عالمی ادب کے تناظر میں اسلوب نثر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے میں اس بات کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نثر بکھری ہوئی چیز کو کہتے ہیں بکھرے ہوئے الفاظ اگر ایک ترتیب کے ساتھ کسی بامعنی لڑی میں پروئے جائیں تو وہ فقرات کہلاتے ہیں اور فقرات میں باہمی ربط موجود ہو تو ان کا مجموعہ نثر کہلاتا ہے۔ نثر کے فقرات میں ربط وتوازن کے علاوہ عقل وشعور کی غذا کے لئے مطالب کا موجود ہونا لابدی ہے ورنہ نثر محض بکھرے ہوئے لفظوں کا انبار بن جائے گی۔

یہ بات قابل غور ہے کہ نثر کا اسلوب ازمنہ قدیم سے ہی مذہبی صحائف کی توضیح وتشریح وتعبیر کے سلسلہ میں استعمال ہوتا رہا۔ پھر عقل انسانی کے ارتقاء کے ساتھ فلسفہ وتاریخ اور دیگر علوم وفنون کے بیان کے لئے مستعمل ہؤا۔ ادب والوں نے اس میں ''مسرت وشادمانی'' کا عنصر شامل کر کے اسے ادب عالیہ کا حصہ بنایا اور سمجھا۔ ایک حصہ نے نثر کی بجائے

شعر کو وسیلۂ ابلاغ قرار دیا۔ وہ بھی الفاظ کی معین و مردف و مسجع شکل ہے گویا تاریخ انسانی کی ساری ترقی انہی اسالیب ابلاغ کی مرہون منت ہے۔ آسمانی صحائف ان کی تعبیر وتشریح ان کی ترسیل وتبلیغ، ان کی وضاحت کے لئے کئے گئے بیانات، انسانوں کی ہدایت کے لئے جاری کئے گئے خطبات وفرامین واحادیث وملفوظات، یہ سب الفاظ کے دروبست کے کرشمے ہیں۔

اس زمانہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کا سارا دارومدار تحریر پر منحصر ہے۔ حضور کی تحریروں نے اپنے زور بیان سے اپنے دلائل کی صداقت کا لوہا منوایا۔ ان کے الہامات کلام الٰہی کی صورت میں ان پر نازل ہوئے اور اپنے پر ہیبت اور پر شوکت لب ولہجہ سے سعید الفطرت لوگوں کو متاثر کیا ورنہ ان کے پاس کوئی دنیاوی قوت تو نہیں تھی۔ اس زمانہ کا یہی اسلوب ہے جو رہتی دنیا تک دنیا کا غالب اسلوب رہے گا۔ حضور کے وصال کے بعد ان کے خلف الرشید حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اس اسلوب کی وجاہت کو قائم ودائم رکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نثر کا اسلوب حکیمانہ وعالمانہ تھا۔ الفاظ محض لفظ نہیں تھے اور فقرات فقط مربوط مطالب کا مجموعہ نہیں تھے۔ دلائل وبراہین ان فقرات کے درمیان یوں سموئے ہوئے تھے جیسے اینٹوں کو ایک دوسرے سے پیوست رکھنے کے لئے سیمنٹ کی چنائی کی جاتی ہے۔ ان کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے جدا کرنا ممکن نہیں تھا۔ ساری عبارت ایک عظیم الشان قلعہ کی دیوار کی طرح ہوتی تھی۔ براہین احمدیہ کا اسلوب اس بات کا گواہ ہے۔ رفتہ رفتہ پڑھنے والوں کے دلوں پر سکینت کا نزول ہوا تو بارے اسلوب میں بھی نرمی ورافت اور رحمت کے چھینٹے نظر آنے لگے مگر دشمنانِ دین کے ساتھ مناظرہ ومکالمہ میں وہی ہیبت وشوکت قائم رہی۔

قرآن کے اسلوب بیان کے زیر اثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اسلوب بیان میں دو لفظ تھے جو اب تک جماعت احمدیہ کے علم الکلام کا حصہ ہیں جو بظاہر معمولی سے الفاظ ہیں مگر ایک مرشد اور مسترشد کے تعلق میں تسلسل کے آئینہ دار ہیں۔ ایک تو ہے ''اے وے لوگو!'' اور دوسرا لفظ ہے ''پس''۔ دونوں معمولی الفاظ ہیں مگر قرآن حکیم کے الفاظ ''قل'' اور ''یا ایھا الذین'' کا ترجمہ ہیں۔ دونوں اس بات کے شاہد ہیں کہ ان کا مرشد دلیل کے ساتھ بات کرتا ہے اور دلیل کہہ چکتا ہے تو ''پس'' کہتا ہے تا کہ سننے والوں کو متنبہ کرے اور اب تک ان کے خلفاء کے ہاں یہ اسلوب چل رہا ہے۔ دوسری ترکیب ''اے وے لوگو'' حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خاص ترکیب ہے ''اے وے لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو......'' اس زمانہ کے کسی اور صاحب تحریر اور اہل قلم کے ہاں یہ رویہ موجود نہیں اور یہ اسلوب بولی ہوئی نثر کا اسلوب ہوتا ہے۔

میں حضرت مصلح موعود کی نثر کے سلسلہ میں بولی ہوئی نثر اور لکھی ہوئی نثر کی بحث اس لئے چھیڑ رہا ہوں کہ حضور کی اکثر نثر بولی ہوئی نثر ہے۔ لکھی ہوئی کتابیں بہت کم ہیں۔ حضور کی دونوں قسم کی نثر اپنے رنگ میں منفرد اور اپنے مطالب

میں محکم ہے جس کی مثالیں میں آگے چل کر پیش کروں گا۔

نثر کی بہت سی قسمیں علمائے ادب نے بیان کی ہیں مگر میں ان کی تفصیل میں جانے کی بجائے مختصراً ان کا ذکر کر دیتا ہوں۔ نثر سادہ، نثر مرصع، نثر معریٰ، نثر مقفّیٰ، نثر مسجع وغیرہ یہ اقسام ہمارے لئے یوں بھی غیر ضروری ہیں کہ میں جس لکھنے والے کی نثر کا جائزہ لینے چلا ہوں اسے ان آرائشوں آلائشوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کی نثر اپنے مرشد کے تتبع میں سیدھی دلوں میں اُترتی اور ذہنوں کو بالیدہ کرتی تھی۔ مگر ابنائے زمانہ کے طریق کے مطابق سیدی حضرت مصلح موعود کی نثر نگاری کے بارہ میں کچھ لکھنے سے پہلے اس زمانے کے نثری اسالیب کا مختصر سا جائزہ لینا بھی پس منظر کے طور پر ضروری ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں اردو نثر لکھنؤ والوں کے تکلفات یعنی رجب علی بیگ سرور اور رتن ناتھ سرشار کی مرصع مسجع اور مقفّیٰ نثر اور دہلی والوں کی روانی اور بے تکلفی یعنی میر امن اور نذیر احمد کی جا و بیجا روزمرے اور محاورے کی بھرمار کے اثر سے ایک حد تک رہا ہو کر اپنے لئے نئے اسالیب کے پیٹرن کی تلاش میں تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علمی موضوعات کے بیان کیلئے جو انداز بیان اختیار کیا وہ اقصائے ہند میں رواج پانے لگا تھا اور بجنور کا اخبار مدینہ ہو یا امرتسر کا اخبار وکیل دونوں اس انداز بیان کے والا و شیدا تھے اور حضور کے مضامین کو بڑی تکریم سے چھاپتے تھے۔ از بسکہ اس زبان میں محاورہ بندی یا روزمرے کا التزام نہ تھا لوگ اسے پڑھتے اور اس کے مطالب پر سر دھنتے تھے۔ یہ اسلوب دنیا داری کا اسلوب نہیں تھا روحانی چاشنی اس کے اندر روح کی طرح رواں دواں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک سیل روحانی ہے جو اپنے بہاؤ میں سب سعید روحوں کو بہائے لئے جاتا ہے۔ مروجہ اسالیب زبان کے ساتھ روحانی چاشنی کو آمیز کرنا ہر کسی کے بس میں نہیں ہوتا صرف ان لوگوں تک محدود ہوتا ہے جو روحانی تجلیات کے مورد ہوں۔ ہر مردے و ہر کارے۔

حضرت مصلح موعود پنجاب کے اس گھرانے میں پیدا ہوئے جس گھر میں خدا کا فرستادہ موجود تھا اس فرستادہ کا تعلق صہری دہلی کے اس خانوادہ سے ہؤا جس میں میر درد جیسے صوفیا اور صلحاء پیدا ہوئے۔ یعنی حضرت مصلح موعود کے خون میں مامور زمانہ کی روحانیت اور ماں کی جانب سے دہلی والوں کی متصوفانہ روایت اور پاکیزگیٔ بیان دونوں شامل تھیں۔ باپ کی طرف سے غیرتِ دینی کا ورثہ اور ماں کی جانب سے ملائمتِ زبان و بیان کی حلاوت ان کے حصہ میں آئی۔ ان کی نظم ہو یا ان کی نثر دونوں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کی نظمیں جو ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۳ء کے درمیان کہی گئیں ان کے اوائل جوانی کے تخلص شاد کے تحت کلام محمود کے نام سے چھپ کر جماعت کے احباب سے خراج تحسین حاصل کر چکی تھیں مگر میں اس مضمون میں صرف ان کی نثر نگاری کے محاسن کے بیان تک محدود رہوں گا۔

حضرت مصلح موعود کے بیان فرمودہ علمی افادات ''انوار العلوم'' کی صورت میں مدون ہو کر تشنہ روحوں کی سیرابی کا کام کر رہے ہیں مگر پہلے میں حضور کی ان تصنیفات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو بحیثیت تصنیف باقاعدہ لکھی گئیں۔ ان میں وہ

مضامین بھی شامل ہیں جو حضور نے حضرت مسیح موعودؑ کی حیات مبارک میں یا خلافت اولیٰ کے زمانہ میں با قاعدہ تحریر فرمائے۔ ابتدائی اسلوب نثر کا نمونہ تو وہ مضمون ہے جو آپ نے محبت الٰہی کے عنوان سے مارچ ۱۹۰۷ء میں لکھا:

''محبت کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ محبت ایک خیال ہے اور بعض کا قول ہے کہ محبت ایک جذبہ ہے لیکن میرا خیال ہے کہ محبت ایک اور ہی چیز ہے جو کہ انسان کی پیدائش کے وقت جب کہ وہ پہلا سانس لیتا ہے اس میں داخل کی جاتی ہے''۔ (انوار العلوم جلد اوّل صفحہ ۱۹)

مگر میں سمجھتا ہوں وہ مضمون جو آپ نے معاندین خلافت کے جواب میں خلافت اولیٰ کے زمانے میں لکھا وہ ان کے حسین اسلوب نثر کی نشاندہی کرتا ہے اور میں اسی مضمون سے بات شروع کرتا ہوں۔ معاندین خلافت نے وسط نومبر ۱۹۱۳ء میں اظہار حق نامی ٹریکٹوں میں ان کے خلاف الزامات کا ایک طومار باندھ دیا تو آپ نے لکھا:

''میں حیران ہوں کہ اس معاملہ پر کچھ لکھوں تو کیا لکھوں۔ آخر وہ کون سے دلائل ہیں جن کو توڑوں۔ جب سب معاملہ کی بنا ہی بدظنی پر ہے تو میں بدظنی میں دلائل کیا دوں۔ عقلی مسئلہ ہو تو اس کا جواب دلائل عقلیہ سے دیا جائے لیکن جب یہ معاملہ ہی رویت و سماعت کا ہے تو جب تک میری تحریر یا تقریر سے یہ الزامات مجھ پر ثابت نہ کئے جائیں اس وقت تک ان الزامات کا کیا جواب دے سکتا ہوں..... افسوس میں نے اپنے دوستوں سے وہ سُنا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے نہ سُنا تھا میرا دل حسرت و اندوہ کا مخزن ہے اور میں حیران ہوں کہ میں کیوں اس قدر مورد عتاب ہوں۔ بیشک وہ بھی ہوتے ہیں جو غم و راحت میں اپنی عمر گزارتے ہیں مگر یہاں تو

چھاتی قفس میں داغ سے اپنی ہے رشک باغ
جوش بہار تھا کہ ہم آئے اسیر ہو

اگر میں تبلیغ دین کے لئے کبھی باہر نکلتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو پھسلانے کے لئے، اپنی شہرت کے لئے، اپنا اثر اور رسوخ پیدا کرنے لئے، اپنی حمایتیں بنانے کے لئے نکلتا ہے اور اس کا باہر نکلنا اپنی نفسانی اغراض کے لئے ہے اور اگر میں اس اعتراض کو دیکھ کر اپنے گھر بیٹھ جاتا ہوں تو یہ الزام دیا جاتا ہے کہ یہ دین کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہے اور اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے اور خالی بیٹھا دین کے کاموں میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ اگر میں کوئی کام اپنے ذمہ لیتا ہوں تو مجھے سُنایا جاتا ہے کہ میں حقوق کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہوں اور قومی کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا ہوں اور اگر میں دل شکستہ ہو کر جدائی اختیار کرتا ہوں اور علیحدگی میں اپنی سلامتی دیکھتا ہوں تو یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ یہ قومی درد سے بے خبر ہے اور جماعت کے کاموں میں حصہ لینے کی بجائے

اپنے اوقات کو رایگاں گنواتا ہے۔...... صبح شام، رات دن، اُٹھتے بیٹھتے باتیں سُن سُن کر میں تھک گیا ہوں زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے اور آسمان باوجود رفعت کے میرے لئے قید خانہ کا کام دے رہا ہے اور میری وہی حالت ہے کہ حتّٰی ضاقت علیھم الارض و ضاقت علیھم انفسھم و ظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ۔ افسوس کہ میرے بھائی مجھ پر تہمت لگاتے ہیں اور میرے بزرگ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔" (الفضل ١٩ر نومبر ١٩١٣ء صفحہ ١٣،١٢)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا جو بات کہہ رہا ہے وہ سچے دل سے اور دردمندی سے لکھ رہا ہے۔ اس کے الفاظ میں کوئی طمطراق اور شان وشوکت نہیں کوئی ادبی رنگ آمیزی نہیں۔ اس کی عبارت مقفّٰی ہے نہ مسجع، اس کی نثر میں رعایت لفظی سے پیدا ہونے والی چاشنی ہے نہ استعاروں تشبیہوں سے اُبھرنے والی کوئی رنگینی۔ رعایت لفظی کا اتنا سا چھینٹا ہے کہ شام کے ساتھ صبح اور رات کے ساتھ دن کا ذکر ہے اور بس۔ تلمیحات میں صرف یوسف کے بھائیوں کی تلمیح معرض بیان میں آئی ہے اور وہ بھی ان دینی بھائیوں کے لئے جنہیں لکھنے والا اپنا بزرگ جانتا ہے۔ یہ عبارت خلافت اولیٰ کے زمانہ میں لکھی گئی اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اس عبارت میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کا جو اسلوب بیان قائم ہوا وہ اسلوب مدت العمر جاری رہا۔ سادگی، سلاستِ بیان، الفاظ کا چناؤ، دلیل سے بات کرنا، دردمندی سے دلوں کو متاثر کرنا، زبان کی کفایت شعاری، اپنی صداقت کا وثوق، غرض ساری باتیں جو آگے چل کر حضور کے انداز بیان کی خصوصیت کہلائیں اس تحریر میں موجود نظر آتی ہیں۔ اس مضمون کا اواخر کا حصہ تو یوں لگتا ہے حضرت مصلح موعود کے آخری زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے:

"اے نادانو! کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر میرا خدا مجھے بڑا بنانا چاہے تو تم میں سے کون ہے جو اس کے فضل کو رد کر سکے؟ اور کون ہے جو میرے مولا کا ہاتھ پکڑ سکے۔ وَ ان یرِدکَ بخیرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضلِهٖ یُصیبُ بہ مَن یَّشاءُ مِن عبادہ و ھو الغفور الرّحیم۔ اور اگر وہ مجھے عزت دینا چاہے تو کون ہے جو مجھے ذلیل کر سکے اور اگر وہ مجھے بڑھانا چاہے تو کون ہے جو مجھے گھٹا سکے اور اگر وہ مجھے اُونچا کرنا چاہے تو کون ہے جو مجھے نیچا کر سکے اور اگر وہ مجھے اپنا قرب عطا کرنا چاہے تو کون ہے جو مجھے اس سے بعید کر سکے اور اگر وہ مجھے اپنے پاس بٹھائے تو کون ہے جو مجھے اس سے دور کردے۔ پس اپنے آپ کو خدا مت قرار دو کہ عزت دینا اور ذلیل کرنا خدا کے اختیار میں ہے نہ کہ تمہارے۔ مَن کانَ یُریدُ العِزّۃَ فَلِلّٰہِ العِزّۃُ جمیعا۔" (الفضل ١٩ر نومبر ١٩١٣ء صفحہ ١٣)

اس عبارت میں جو زور پیدا ہوا ہے وہ رعایت لفظی سے نہیں، الفاظ کے لوٹ پھیر سے نہیں بلکہ اپنی صداقت کے وثوق سے پیدا ہوا ہے اور قرآن حکیم کی برمحل آیات نے اس عبارت کو چار چاند لگادیے ہیں۔

مجھے حضور کے اسلوب میں ایک اور بات بھی محسوس ہوتی ہے کہ خلافت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے ہی حضور کے ہاں خلافت سے وابستگی اور حضرت مسیح موعودؑ کے مشن سے محبت کی وجہ سے ان کی باتوں اور ان کے لفظوں میں ایک روحانی تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھ دی تھی جسے اہل بصیرت دیکھ اور محسوس کر رہے تھے مگر مخالفین کی نگاہیں اس مخفی در مخفی تاثیر کو دیکھنے سے عاری تھیں یا دیکھنے سننے کے باوجود وہ سننا یا دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود کے وصال کے موقع پر جب سب مومنین کے دل خوف کی حالت سے ترساں ولرزاں تھے ایک نوجوان کا یہ کہنا کہ ساری دنیا بھی آپ کے مشن کو چھوڑ جائے تو بھی میں اس مشن کو جاری رکھوں گا کوئی معمولی اعلان نہیں تھا۔ اس اعلان میں سلسلہ کی حقانیت پر یقین کامل کے علاوہ مستقبل کے عزائم بھی جھلک رہے تھے اور ایسی بات کوئی شخص بغیر تائید وقبولیت الٰہی کے نہیں کہہ سکتا۔ جب ۱۴؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو اللہ تعالیٰ کی مشیت نے خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا تو اس کا لہجہ اور زیادہ مضبوط اور یقین اور زیادہ محکم ہو گیا۔ حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب کے الفاظ میں:

> ''حضور نے بیعت لی اور ایک لمبی دُعا کے بعد ایک مختصر سی تقریر فرمائی اور اس طرح بکھری ہوئی اور پریشان جماعت خدا کے فضل سے دوبارہ متحد ہو کر سلکِ وحدت میں پروئی گئی۔ قلوب پر سکینت اور رحمتِ الٰہی کا نزول ہوا۔ رقت کا جو عالم تھا اس کا ذکر قوت بیان سے باہر ہے۔''

(حیات نور صفحہ ۶۷۵)

اس تقریر کا کچھ حصہ درج کرتا ہوں۔

> ''میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ایک خوف ہے اور اپنے وجود کو بہت ہی کمزور پاتا ہوں ...... میں جانتا ہوں کہ میں کمزور اور گنہگار ہوں۔ میں کس طرح دعویٰ کر سکتا ہوں کہ دنیا کی ہدایت کر سکوں گا اور حق اور راستی کو پھیلا سکوں گا۔ ہم تھوڑے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور غریب نوازی پر ہماری امیدیں بے انتہا ہیں تم نے یہ بوجھ مجھ پر رکھا ہے تو سنو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے میری مدد کرو اور وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے فضل اور توفیق چاہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور فرمانبرداری میں میری اطاعت کرو۔ میں انسان ہوں اور کمزور انسان مجھ سے کمزوریاں ہوں گی تو تم چشم پوشی کرنا میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کرتا ہوں کہ میں چشم پوشی اور درگذر کروں گا۔ میرا اور تمہارا متحد کام اس سلسلہ کی ترقی اور اس سلسلہ کی غرض و غایت کو عملی رنگ میں پیدا کرنا ہے...... اگر اطاعت اور فرمانبرداری سے کام لوگے اور اس عہد کو مضبوط کرو گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا فضل ہماری دستگیری کرے گا۔''

(تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۱۴)

یہ الفاظ ایک دردمند اور خوف خدا سے ترساں دل سے نکلے ہیں اس لئے ان الفاظ میں تاثیر ہے اس عبارت میں کوئی ادبی چٹخارا بھی نہیں مگر

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اس کے دس سال بعد ۱۹۲۴ء میں لندن میں مذاہب کانفرنس ہوئی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ حضور نے اس کانفرنس کے لئے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس کا انگریزی ترجمہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا اور چوہدری صاحب نے ہی کانفرنس میں وہ مضمون حضور کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا۔ اس مضمون کی شوکت بیان حیران کن ہے۔ دیکھئے

”اے بھائیو اور بہنو! خدا تعالیٰ نے تمہاری پریشان حالت کو دیکھ کر آپ تمہارے لئے رحمت کا دروازہ کھولا ہے اور خود تم کو بلانے آیا ہے۔ پس اس کے اس احسان اور اس کی محبت کی قدر کرو اور اس کی نعمتوں کو رد نہ کرو اور اس کے احسانوں کو حقیر سمجھ کر ان سے منہ نہ پھیرو۔......
اے انگلستان کے رہنے والو! خدا نے تم کو دنیا میں عزت دی ہے مگر اس عزت کے ساتھ تمہاری ذمہ داری بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ ہر ایک جو زیادہ احسان کے نیچے ہوتا ہے زیادہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ خدا نے تم کو سینکڑوں سالوں سے سمندروں کی حکمرانی عطا کی ہوئی ہے تمہارا ملک سمندروں کی ملکہ کہلاتا ہے۔ مگر کیا تم نے کبھی اس بادشاہ کی طرف بھی توجہ کی جو سب عزتوں کا سرچشمہ ہے اور جس کی عنایت کی ایک نگاہ نے تم کو اس مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ کیا تم نے کبھی معرفت کے سمندر کی بھی جستجو کی؟ جو ہر اس شخص کے دل میں لہریں مارتا ہے جو اس کی تلاش کرے۔ آہ تم شمال کی طرف گئے اور جنوب کی طرف گئے اور تم نے زمین پر ایک ایک چلو پانی کو چھان مارا اور سب گہرائیوں کو دریافت کیا مگر افسوس! کہ ابھی تک معرفت کے سمندر کی تہہ معلوم کرنے کے لئے تم نے کبھی غوطہ نہیں مارا نہ اس دریافت کے لئے وفد بھیجے۔ تم نے جزیروں کی تلاش میں اور خشکیوں کی جستجو میں زمین کا چپہ چپہ دیکھ مارا اور تمہارے بیڑوں نے ہر اک طرف کا رُخ کیا مگر تم کبھی اس یار کی جستجو میں نہ نکلے جو ان سب زمینوں کا پیدا کرنے والا اور سب جزیروں کا بنانے والا ہے۔ کیا یہ بھی دانش ہے کہ درخت سے گرے ہوئے بور کو تو جمع کیا جائے لیکن پھل کو چھوڑ دیا جائے؟

”اے بھائیو میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا کی رحمت آج اسی طرح جوش میں آئی ہوئی ہے جس طرح آج سے سینکڑوں سال پہلے وہ جوش میں آئی تھی۔ جس طرح وہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کے وقت جوش میں آئی تھی، مسیح ناصری کے وقت میں جوش میں آئی تھی، داؤد کے وقت میں جوش میں آئی تھی، موسیٰ کے وقت میں جوش میں آئی تھی، اسحاق کے وقت جوش میں آئی تھی، ابراہیم کے وقت میں جوش میں آئی تھی، نوح کے وقت میں جوش میں آئی تھی اور اس کی معرفت کا سورج اسی طرح آج بھی چڑھا ہے جس طرح کہ پہلے نبیوں کے زمانہ میں چڑھا کرتا تھا۔

''پس باہر نکلو اور کمروں کی بند ہوا کی بجائے عالم روحانی کی وسیع فضا میں خدا کی رحمت کی ٹھنڈی اور معطر ہوا سونگھو اور اس کی معرفت کے سورج کی خوشگوار روشنی اور چمک سے اپنی آنکھوں کو منور کرو کہ یہ دن روز روز نہیں چڑھا کرتے۔

''میں تمہیں ہی نہیں بلکہ سب ان قوموں کو جو انگریزی حکومت کے جھنڈے کے نیچے آرام کی زندگی بسر کرتی ہیں کہتا ہوں کہ دیکھو خدا نے اپنی برکت کا ہاتھ تمہارے سروں پر رکھا ہے تم ادب کے گھٹنے اس کے سامنے جھکا دو۔

''میں ویلز کے لوگوں سے کہتا ہوں کہ اے ویلز! تو اپنی محنت اور جانفشانی پر نگاہ کر اور دیکھ کہ تیری محنت میں سے کس قدر حصہ خدا کے لئے ہے اور اے سکاٹ لینڈ! تو اپنی آزاد زندگی پر فخر کرتا ہے۔ کیا تو نے خدا کی باتوں کے سمجھنے اور قبول کرنے میں بھی ویسی ہی آزادی دکھائی ہے جیسی کہ دوسرے امور میں؟ اور اے آئر لینڈ کے لوگو تمہاری حب الوطنی اور جوش ضرب المثل ہیں مگر کیا تم نے اس محبت کا کچھ حصہ خدا کے لئے بھی نکالا؟ کیا اس کو پانے کے لئے بھی تم نے ویسا ہی جوش دکھایا جیسا کہ اپنے ملک کی حکومت کے لئے۔ اے نو آبادیوں کے لوگو کہ تم نو آبادیوں کے بسانے میں ایک خاص ملکہ رکھتے ہو اور نئی زمینوں کو شوق سے بساتے ہو مگر اب تک تم اس عرفان کے جزیرے کو جو علم کے سمندر سے نکلا ہے بسانے میں کیوں غافل ہو؟ میں پھر کہتا ہوں دیکھو خدا نے برکت کا ہاتھ تمہارے سروں پر رکھا ہے اپنے ادب کے گھٹنے اس کے سامنے جھکا دو کہ وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ اپنے سروں کو اس کے سامنے کر دو تا وہ اسی طرح اُن کو دین کی برکتوں سے ممسوح کرے جس طرح کہ اس نے اُنہیں دنیا کی برکتوں سے ممسوح کیا ...... میں سب دنیا کے لوگوں کو اس خدا کے پیغام کی طرف بلاتا ہوں جس نے اپنی تقسیم میں کسی قوم سے بخل نہیں کیا، جس نے اپنی رحمت کے دروازے ہر اک ملک کے لوگوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رکھے ہیں اور کہتا ہوں کہ اے امریکہ اور یورپ کے لوگو! اے آسٹریلیا اور افریقہ کے لوگو! اے ایشیا کے باشندو!!! خواب غفلت کو ترک کرو اور آنکھیں کھولو خدا کی محبت کا سورج قادیان کی

گمنام سرزمین سے چڑھا ہے تا ہر اک کو اس ازلی بادشاہ کے پیار کی یاد دلائے جو اسے اپنے بندوں سے ہے تا شکوک وشبہات کی تاریکیاں مٹ جائیں تا غفلت اور بے پرواہی کی سردیاں دور ہو جائیں تا فسق اور فجور اور ظلم اور خونریزی اور فساد اور ہر قسم کی بدیوں کے راہزن جو انسان کے متاع ایمان اور دولت امن کو ہر وقت لوٹنے کی فکر میں رہتے تھے بھاگ جائیں اور تاریک غاروں میں جا چھپیں جو ان کی اصل جگہ ہے۔ تا پاک دل اور پاک نفس بندے جو دنیا میں بمنزلہ فرشتوں کے ہیں اس کی روشنی کی مدد سے اس سانپ کا سر کچلیں جس نے حوا اور آدم کی ایڑی کو ڈسا تھا اور شیطان کی زہریلی کچلیوں کو توڑیں اور اس کے شر سے دنیا کو ہمیشہ کے لئے بچالیں۔ ہاں اے مشرق ومغرب کی سرزمینوں کے بسنے والو! سب خوش ہو جاؤ اور افسردگی کو دلوں سے نکال دو کہ آخر وہ دولہا جس کی تم کو انتظار تھی آ گیا۔ آج تمہارے لئے غم اور فکر جائز نہیں آج تمہارے لئے حسرت واندوہ کا موقع نہیں بلکہ خرمی وشادمانی کا زمانہ ہے۔ مایوسی کا وقت نہیں بلکہ امیدوں اور آرزوؤں کی گھڑیاں ہیں۔ پس تقدیس کے سنگھار سے اپنے آپ کو زینت دو اور پاکیزگی کے زیوروں سے اپنے آپ کو سجاؤ کہ تمہاری دیرینہ آرزوئیں برآئیں اور تمہاری صدیوں کی خواہشیں پوری ہوئیں۔ تمہارا رب خود چل کر تمہارے گھروں میں آ گیا اور تمہارا مالک آپ تمہاری رضامندی کا طالب ہوا۔ آؤ آؤ! کہ ہم سب اپنے بچوں والے تنازعات کو بھول کر اس کے فرستادہ کے ہاتھ پر جمع ہو جائیں اور اس کی حمد کے ترانے گائیں اور ثناء کے قصیدے پڑھیں اور اس کے دامن کو ایسی مضبوطی سے پکڑ لیں کہ پھر وہ یار یگانہ کبھی ہم سے جدا نہ ہو۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔‘‘

(احمدیت یعنی حقیقی ...... انوار العلوم جلد ۸ صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۱)

یہ عبارت اس بات پر شاہد ہے کہ لکھنے والا خلوص دل سے سننے والوں کی فلاح دارین کا متمنی ہے اور انہیں ان کے گھر میں بیٹھ کر آسمانی نور سے تمتع اور اس پیغام آسمانی پر غور وفکر کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ مگر دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس عبارت میں کوئی ادبی رنگ آمیزی نہیں پھر بھی یہ دلوں کو کشش کر رہی ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ لکھنے والے کا خلوص ہر ہر لفظ سے ٹپک رہا ہے۔ پہلی خصوصیت یہ کہ لکھنے والا ایک متمدن اور ترقی یافتہ اور دنیا بھر پر حکومت کرنے والی قوم کو مخاطب کر کے یہ کہہ رہا ہے ’’خدا تعالیٰ نے تمہاری پریشان حالت دیکھ کر‘ یعنی جتنی فتوحات تم نے کی ہیں وہ تمہیں دنیاوی جاہ وحشمت تو بے شک دے رہی ہیں مگر اصل دروازہ جو خدا کی رحمت کا دروازہ ہے ان فتوحات سے نہیں کھلتا اور یہی نارسائی تمہیں روحانی طور پر پریشان رکھتی ہے میں تمہیں اس دروازہ کے کھولنے کی تدبیر

بتانے کو آیا ہوں۔ دوسری خصوصیت یہ کہ ''خدا نے تم کو دنیا میں عزت دی ہے مگر اس عزت کے ساتھ تمہاری ذمہ داری بڑھ گئی ہے۔'' میں اس ذمہ داری کے باب میں تمہیں متنبہ کرنے کو آیا ہوں۔ تیسری بات یہ کہ ''تم سمندروں کو تسخیر کر چکے ہو مگر تم نے کبھی معرفت کے سمندر کی جستجو نہیں کی۔'' میں تمہاری تسخیر کا رُخ بدلنے کو آیا ہوں۔ چوتھی خصوصیت یہ کہ تم نے جزیروں کی تلاش اور خشکیوں کی جستجو میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا مگر تمہارے بیڑے جس رُخ پر مڑنے سے ناکام رہے وہ رُخ میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ غرض ان خصوصیات کی وجہ سے اس عبارت میں وہ جلال پیدا ہو گیا ہے جو اوپری اور اجنبی خلوص سے پیدا نہیں ہوتا گہرے اور دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس عبارت کا آخری حصہ کہ ''اے مشرق و مغرب کی سرزمین کے بسنے والو سب خوش ہو جاؤ'' یہ بتا رہا ہے کہ یہ پیغام کوئی محدود پیغام اور کسی محدود قوم کے لئے پیغام نجات و انبساط نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ ساری دنیا تک ممتد ہے۔ ساری دنیا کو وہی مخاطب کر سکتا ہے جو ساری دنیا کے لئے اُتارے گئے پیغام کا حامل ہو۔ سارے عالم کو مخاطب کرنے کا طنطنہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی عبارت کا خاصہ ہے اور ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا جب آپ خدا کی طرف سے مصلح موعود بنا دئے گئے تھے اور ان کے تخاطب کا دائرہ ساری دنیا تک ممتد کر دیا گیا تھا۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد مجھے اس بات کا جائزہ بھی لینا ہے کہ حضور کی نثر کے موضوعات اتنے متنوع تھے کہ انسان حیران ہوتا ہے۔ جماعت کی تربیت و اصلاح، نوع انسانی کی رشد و ہدایت، ملک و ملت کے سیاسی دینی، سماجی معاشی اور معاشرتی مسائل، علمی حلقوں کی رہنمائی کے لئے سائنسی، مذہبی اور تاریخی مسائل کی نشاندہی اور سب سے بڑھ کر محکوموں کی اور اپنے وطن کی آزادی کے لئے سعی مسلسل، حضور کی زندگی اتنی مصروف اور حضور کی علمی تگاپو اتنی متواتر تھی کہ سننے والا حیران رہ جاتا تھا۔ جماعت کے اپنے تربیتی مسائل اتنے تھے کہ حضور کی مسلسل توجہ چاہتے تھے مگر حضور ابنائے ملت اور ابنائے وطن کی بہبود سے غافل نہیں تھے۔ اپنوں میں تو حضور کے تفقہ فی الدین کا چرچا بجا تھا مگر ملک کے علمی مراکز میں بھی حضور کے تبحر علمی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اسلامیہ کالج کے سٹیج پر حضور کا لیکچر اسلام میں اختلافات کا آغاز ایسا مقبول و محترم ہوا کہ بڑے بڑے تاریخ دان انگشت بدنداں رہ گئے۔ سیاسی میدان میں نہرو رپورٹ پر تبصرہ، مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کے سلسلہ میں حضور کے میمورنڈم اور سیاسی اکابر سے ملاقاتیں، پرنس آف ویلز کو پیش کی گئی کتاب، امیر امان اللہ خاں کی ہدایت کے لئے دعوۃ الامیر، لارڈ ارون وائسرائے ہند کو (جنہیں مولانا محمد علی جوہر نے ان کی عیسائیت سے گہری وابستگی اور طول قامتی کی وجہ سے ازراہ تعریض ''لمبے عیسائی'' کا خطاب دیا تھا۔) دعوت......، کشمیریوں کی جنگ آزادی میں ہراول دستے کے طور پر شمولیت اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت اور اس سلسلہ کی انتھک مساعی، اور مسلمانوں کو سیاسی اور مذہبی میدان میں درپیش خطرات کا ادراک اور ان کے تدارک کی سعی جمیلہ، غرض کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جس پر حضور کی نظر نہ ہو اور وہ ابنائے وطن و ملت کو بر وقت متنبہ نہ کریں۔ راجپال کی دریدہ ذہنی

کے بعد جب ورتمان نے بھی ویسی ہی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا تو حضور نے مسلمانانِ ہند کو متنبہ کرنے کو ایک عظیم الشان اشتہار لکھا اور مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ میں نے اب وہ اشتہار پڑھا ہے تو میں ورتمان کی دریدہ ذہنی اور شقاوت قلبی کی مثالیں پڑھ کر حیرت میں ہوں کہ اس وقت بھی کیسے کیسے شقی القلب لوگ اسلام اور بانیٔ اسلام کی کردارکشی میں کہاں تک جاسکتے تھے۔ آج کل کے سلمان رشدی کی خرافات تو اس ورتمانی خرافات کا پاسنگ بھی نہیں مگر مسلمانوں کی غیرت جیسے سوئی ہوئی تھی۔ انوار العلوم کی انیس جلدیں اس بات کی گواہ ہیں کہ کوئی موضوع حضور کی نگاہ سے اوجھل نہیں تھا۔ ان کے علاوہ ہر موقع کے خطبات، خطبات جمعہ، خطبات عیدین، خطبات نکاح، مجالس علم وعرفان میں حضور کے ارشادات، غرض کوئی ایسا موقع نہیں تھا جس موقع پر حضور نے موقع محل کی مناسبت سے اپنے خیالات کا اظہار نہ کیا ہو اور وہ ملک وملت کے کام نہ آیا ہو۔

پھر حضور کا اسلوب اظہار ایسا تھا جس میں ہر بات شرح وبسط سے (مگر تکرار سے نہیں) بیان کی جاتی تھی۔ جب احرار کی قادیان کی کانفرنس کے بعد حکومت کی زیادتیوں کو طشت ازبام کرنے کے لئے حضور کے خطبات کا سلسلہ شروع ہوا تو سر ظفر اللہ خاں نے تحدیث نعمت میں لکھا ہے کہ پولیس کے آدمی حضور کے خطبات کے نوٹس لینے کے لئے گورداسپور سے آتے تھے۔ ایس پی نے بعد کو شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم جج ہائی کورٹ کو بتایا کہ میں حضور کے خطبات کا ترجمہ دیکھتا تھا تو ایک جگہ سمجھتا تھا کہ اب حضور پر گرفت کی جاسکتی ہے مگر اگلے ہی فقرہ میں بات کی ایسی وضاحت ہوجاتی تھی کہ کسی گرفت کا شائبہ بھی نہیں رہتا تھا۔ یعنی حضور کا اسلوب تحریر وبیان ایسا جامع ہوتا تھا کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ یہ اسلوب حضور کا عام اسلوب تھا حضور اشاروں کنایوں میں بات کہنے لکھنے کے عادی نہیں تھے جس کو اور جو کچھ سچ سمجھتے تھے اس کے اظہار میں انہیں کوئی باک کبھی نہیں ہوا۔ اور یہ وثوق اپنی صداقت کے یقین سے پیدا ہوتا ہے اور مصلح موعود کے مرتبہ بلند پر فائز ہوجانے کے بعد تو حضور کے تیقن میں ایک ماورائی وثوق پیدا ہوگیا تھا۔ خلافت اولیٰ کے زمانہ میں حضور نے یہ لکھا تھا کہ

> ''میرے باپ پر جس قدر الزام لگائے گئے تھے یہ الزام ان کے عشر عشیر بھی نہیں لیکن وہ خدا کے مامور تھے اور ان سے جو خدا کے وعدے تھے وہ مجھ سے نہیں''۔
>
> (الفضل ۱۹؍نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۳ کالم ۱)

مگر مصلح موعود ہونے کی اطلاع مل جانے کے بعد ان کی تحریر وتقریر میں ایک مامورانہ شان پیدا ہوگئی تھی۔ حضور کی مصلح موعود ہونے سے پہلے کی تحریروں اور بعد کی تحریروں میں نمایاں فرق ہے جو ہر پڑھنے والا محسوس کرسکتا ہے۔

حضور کے اسلوب کا ایک تیسرا رخ وہ ہے جو داغ ہجرت کے بعد قائم ہوا۔ یعنی قادیان سے ہجرت کے بعد حضور کی ہر بات میں قادیان سے ہجرت کا کرب موجود ہے۔ اس کرب کے زمانہ کی تحریروں تقریروں میں نئے وطن اور نئے

ابنائے وطن کی ترقی و بہبودی کے مسائل کے علاوہ جماعت کو پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنا بھی حضور کا فرض منصبی تھا۔ چنانچہ قیام پاکستان کے قریب کے زمانہ کی تحریروں میں نئے وطن کے ساتھ وابستگی اور حب وطن کی نئے زاویہ سے تشکیل کرنے کی اور جماعت کو اپنے ملک سے وفادار رہنے کا درس دینے کی ضرورت، دونوں چیزیں شامل تھیں۔ حضور کی معرکۃ الآراء تقریر سیر روحانی جو ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۰ء، ۱۹۴۱ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۸ء تک یعنی قریباً بیس برس تک جاری رہی اور بعد کو کتابی صورت میں یکجا شائع ہوئی اس کے وہ حصے جو ۱۹۴۹ء کے بعد بیان ہوئے اپنے اندر ایک انوکھی معنویت رکھتے ہیں اور ۲۸/دسمبر ۱۹۵۳ء کو جلسہ سالانہ ربوہ کے آخری اجلاس میں جو حصہ بیان ہوا اس میں راقم الحروف بھی حاضر تھا اور اب تک اس وجد آفریں تقریر کا وہ حصہ کانوں میں گونج رہا ہے۔ یہ گویا حضرت اقدس مصلح موعود کے اسلوب بیان کا شاہکار تھا اور ہے اور شاید ایسی شان و شوکت والا کلام پھر کہیں سننے میں نہ آئے۔ میں اسی کے خطاب کے اختتامی الفاظ درج کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور وہ الفاظ لکھے جانے کے باوجود اب تک اسی شان و شوکت کے حامل اور دلوں کو ہلا دینے والے ہیں۔

> ''اب خدا کی نوبت جوش میں آئی ہے اور تم کو ہاں تم کو خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانہ کی ضرب سپرد کی ہے۔ اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو!!! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اٹھیں تاکہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادت توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آجائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے۔ اسی غرض کے لئے میں نے تحریک جدید کو جاری کیا ہے اور اسی غرض کے لئے میں تمہیں وقف کی تعلیم دیتا ہوں۔ سیدھے آؤ اور خدا کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ محمد رسول اللہ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔ پس میری سنو اور میری بات کے پیچھے چلو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ خدا کہہ رہا ہے۔ میری آواز نہیں میں خدا کی آواز تم کو پہنچا رہا ہوں۔ تم میری مانو! خدا تمہارے ساتھ ہو! خدا تمہارے ساتھ ہو!! خدا تمہارے ساتھ ہو!!! اور تم دنیا میں بھی عزت پاؤ اور آخرت میں بھی عزت پاؤ۔'' (سیر روحانی۔ تعارفیہ صفحہ ج)

تعارف کتب حضرت مصلح موعود

(مکرم محمد صادق ناصر صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم فرزند کی خوشخبری دی تو اس پیشگوئی میں بیان کیا گیا کہ وہ فرزند دلبند علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔ یہ فرزند دلبند، گرامی ارجمند جن کا نام نامی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب تھا جو مصلح موعود کے عظیم آسمانی لقب سے دنیا میں لوگوں کی علمی اور روحانی پیاس بجھانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کے مطابق ......اور قرآن کی معارف دقیقہ اور بلاغت کاملہ کے دریائے فیض بہائے۔ آپ وہ وجود تھے کہ جن کے آنے کے جو مقاصد بیان کیے گئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ''تا کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو'' آپ نے اپنے باون سالہ دور خلافت میں بے شمار جلسوں پر کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل خطاب کئے۔ کئی موضوعات پر مستقل کتب تصنیف فرمائیں۔ قرآن مجید کے بے شمار درس دیے جن میں کلام اللہ کے ایسے ایسے معارف بیان فرمائے جو اس سے پہلے دنیا نے نہ سنے تھے اور نہ ان کے بارے میں سوچا تھا۔ زیر نظر مضمون میں حضرت مصلح موعود کی کتب کا ایک تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ مضمون کی طوالت کے پیش نظر اس میں حضرت مصلح موعود کی تقریباً ۳۰۰ کتب میں سے صرف ۱۳۲ معروف کتب کا تعارف شامل ہے۔ انوار العلوم کے عنوان سے حضرت مصلح موعود کی تمام تصانیف کو یکجا کرنے کے لئے کام جاری ہے جس کی اس وقت تک ۱۹ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور ابھی تک صرف ۱۹۴۸ تک کی کتب یکجا ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ جب یہ مجموعہ مکمل شائع ہو جائے گا تو دنیا کو علوم معارف کا خزینہ ایک جگہ میسر آ جائے گا۔ اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ آپ کی کتب کا کچھ نہ کچھ تعارف ضرور پیش کردیا جائے۔ مگر حقیقی آگاہی تو اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کتب کی ترتیب زمانہ تحریر یا خطاب سے بنائی گئی ہے مگر قرآنی موضوع پر مشتمل دو کتب تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر کو شروع میں رکھا گیا ہے۔

۱۔ تفسیر کبیر حضرت مصلح موعود نے قرآن مجید کی نہایت پر معارف تفسیر کی۔ جو دس جلدوں اور کم وبیش دس ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ تفسیر آپ نے ۱۹۴۰ء تا ۱۹۶۲ء تیئیس سال کے عرصہ میں مکمل کی۔ قرآن مجید کی یہ تفسیر قدیم وجدید قرآنی علوم کا نہایت قیمتی خزانہ ہے۔ حضرت مصلح موعود اپنی اس تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''اس تفسیر کا بہت سا مضمون میرے غور کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے''۔ تفسیر کبیر کی پہلی جلد ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔ اس تفسیر کی کئی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے ایک تو قرآن مجید کی پہلی آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ربط بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر آیت کی تفسیر سے قبل اس آیت کے مشکل الفاظ کی حل لغات پیش کی گئی ہے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ ''میں نے اس امید کے ساتھ اس کلام اللہ کی تفسیر لکھی ہے کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے یا بدقسمتی سے اس

کلام پر غور کرنے کا وقت نہیں پاتے یا جن کے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی انہیں کلام اللہ سمجھنے کا موقعہ مل جائے اور اس کی اندرونی خوبیوں سے وہ واقف ہو جائیں"۔

٢- تفسیر صغیر حضرت مصلح موعود کی تصنیف تفسیر صغیر ایک نہایت ہی لاجواب اور بے مثال علمی شاہکار ہے۔ پہلی مرتبہ یہ تفسیر ١٩٥٧ء میں شائع ہوئی۔ یہ تفسیر قرآن جو کہ دراصل قرآن مجید کا با محاورہ ترجمہ ہے اس میں آیات کے ترجمے کے ساتھ ساتھ جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں نہایت مختصر مگر ضروری تفسیر بھی شامل کر دی گئی ہے۔قرآن مجید کے اس ترجمے کے شائع ہونے سے وہ تمام لوگ بھی قرآن کے علوم سے بہرہ مند ہونے لگے جو عربی نہیں جانتے تھے اور اردو زبان میں ملنے والے تراجم سے ان کو قرآن کے علوم سے آگاہی نہ ہوتی تھی۔ اس ترجمے میں خصوصیت کے ساتھ عربی محاورہ، قرآنی محاورہ کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے۔ترجمہ نہایت سلیس اور رواں ہے اور قاری کو اس پوری طرح سے قرآنی علوم پر آگاہی ہوتی ہے۔تفسیر صغیر کے بعد از اں دنیا کی کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

٣- چشمۂ توحید دسمبر ١٩٠٦ء کے جلسہ سالانہ کا خطاب جس میں حضرت مصلح موعود نے شرک کی باریک در باریک اقسام اور ان سے اجتناب کے طریق بیان فرمائے۔فرمایا"اس وقت وہ شخص مامور ہوا ہے جس کے لیے مقدر ہے کہ وہ شیطان کے حربے کو توڑے یعنی شرک کو دور کرے"۔

٤- محبت الٰہی تشحیذ الاذہان مارچ ١٩٠٧ء میں اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جو بعد از اں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کا بنیادی مضمون یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدمی کو پیدا ہی محبت کے لئے کیا ہے۔ انسان ہمیشہ خدا تعالیٰ کی محبت میں سرشار رہے۔پھر فرمایا کہ......کا خدا زندہ خدا ہے کیونکہ وہ وحی والہام سے انسان کی آج بھی راہنمائی کرتا ہے۔

٥- صادقوں کی روشنی کون دور کر سکتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے موقعہ پر مخالفین نے بعض اعتراضات کئے۔حضرت مصلح موعود نے جولائی ١٩٠٨ء کو ان اعتراضات کا نہایت علمی اور مسکت جواب تحریر فرمایا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

٦- ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ٢٨ر دسمبر ١٩٠٨ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اس عنوان سے خطاب فرمایا۔ اس کا بنیادی مضمون یہ ہے انسان کو علم ہونا چاہئے کہ اس کی پیدائش کا بنیادی مقصد کیا ہے اور جبکہ مرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے تو پھر دیکھنا چاہئے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا اور اس کی اس نے کس قدر تیاری کر رکھی ہے؟

۷- نجات پادری میکلین نے ۴ر دسمبر ۱۹۰۹ء کو مشن کالج لاہور میں نجات کے بارے میں عیسائیت کے عقائد کی روشنی میں تقریر کی۔ اس کے جواب میں حضرت مصلح موعود نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے ارشاد کے ماتحت ۲۵ر دسمبر ۱۹۰۹ء کو تشحیذ الاذہان میں نجات کے موضوع پر مضمون تحریر فرمایا۔ جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

اس میں گناہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے حضور نے عیسائیوں کے عقیدہ نجات اور کفارہ کو رد کر کے ان سے چار سوال کئے۔

۱- عیسائی ثابت کریں کہ خدا تین ہیں۔

۲- اگر خدا تین ہیں تو کیا یسوع ہی وہ تیسرا خدا ہے جس کو بیٹا کہا گیا ہے۔ کیونکہ اور لوگوں کو بھی بیٹا کہا گیا ہے۔

۳- مسیح خوشی سے نہیں مرنا چاہتا تھا۔ یعنی انجیل کے مطابق صلیب پر مرنا مسیح کی مرضی کے موافق نہ تھا اور یہ کہ خدا نے زبردستی دار پر کھنچوا دیا۔

۴- مسیح صلیب پر مر گیا تھا۔ کیونکہ انجیل کے مطابق قبر سے اٹھنے کے بعد وہ لوگوں سے ڈرتا پھرتا تھا۔ اگر وہ جی اٹھا تھا اور پھر خدا ہو گیا تھا تو اس میں ڈرنے کی کیا وجہ تھی۔

۱۹۱۰ء میں بھی آپ نے اسی موضوع پر ''نجات کا فلسفہ'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا۔

۸- دین حق حضرت مصلح موعود نے مذہبی جھگڑوں کی کثرت دیکھ کر دسمبر ۱۹۰۹ء کو تشحیذ الاذہان میں ''دین حق'' کے نام سے ایک مضمون تحریر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''......ہی ہے جو انسان اور خدا کے تعلقات کو مضبوط کرتا ہے اور انسان کے دل میں اس خالق حقیقی کی محبت کا فوارہ جاری کر دیتا ہے۔ اور اگر کسی اور مذہب کے پیروکار کو اس کے برخلاف یقین ہو تو وہ اس کے مقابلہ میں اپنی کتاب میں سے دعویٰ اور دلائل پیش کرے ورنہ بے فائدہ جھگڑوں سے کیا حاصل؟''

اس کتاب میں آپ نے سورۃ فاتحہ کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرمائی۔

۹- فرعونِ موسیٰ قرآن کریم کی عظیم الشان پیشگوئیوں میں سے ایک فرعونِ موسیٰ کے مردہ جسم کے محفوظ کئے جانے کے بارے میں ہے۔ حضرت مصلح موعود نے اس قرآنی صداقت کے موضوع پر مضمون تصنیف فرمایا۔

۱۰- ......وہی ہے جو سب ماموروں کو پہچانے اخبار ''وطن اور المیر'' میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح

الاوّل پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ایک ذرا سے فرق پر...... میں اختلاف ڈلوادیا۔ اور لکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر کیونکر کافر ہوئے؟ اس پر حضرت مصلح موعود نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اجازت سے ایک مضمون تحریر فرمایا جس میں قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت کی کہ سب ماموروں پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس میں کسی تفریق اور کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے۔

۱۱- من انصاری الی اللہ حضرت مصلح موعود نے اپنے ایک رؤیا کی بنا پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اجازت سے دو تحریکات شروع کیں جن کا مقصد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشن کو آگے بڑھانا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے تشحیذ الاذہان میں ایک مضمون تحریر فرمایا۔ وہ تحریکات درج ذیل ہیں:

۱- چونکہ اس سال طاعون زیادہ شدت سے ہوگی اس لئے جب کہ لوگوں کے دل نرم ہوں گے ایک اشتہار کے ذریعہ لوگوں کو سلسلہ کی طرف توجہ دلائی جائے۔

۲- ایک انجمن بنائی جائے جو کہ قرآن و حدیث اور سلسلہ کی تبلیغ کی طرف توجہ کریں اور آپس میں صلح و آشتی پیدا کریں۔

۱۲- پہاڑی وعظ ۱۹۱۱ء میں حضرت مصلح موعود کی ڈلہوزی میں مشہور پادری مسٹر ینکسن سے ملاقات ہوئی۔ اور تثلیث کے موضوع پر گفتگو ہوئی اسے ''پہاڑی وعظ'' کے نام سے جون ۱۹۱۱ء میں شائع کروادیا۔

۱۳- گوشت خوری ۱۹۱۱ء میں آریوں نے اس بات کا چرچا کرنا شروع کر دیا کہ گوشت خوری سخت گناہ اور ظلم ہے۔ اس پر حضرت مصلح موعود نے تشحیذ الاذہان میں ایک مضمون تحریر فرمایا جو کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے مدلل طور پر تحریر فرمایا کہ ویدوں میں بھی جانوروں کی قربانی کا ذکر ہے۔ اور تو اور آریوں میں گائے کا گوشت بھی کھایا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ گوشت خوری خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے رحمت ہے کیونکہ بہت سی چیزیں جن کی انسانی جسم کو ضرورت ہوتی ہے وہ گوشت سے مہیا ہوتی ہیں اور نظام کائنات ہمیں بتا رہا ہے کہ بعض کی زندگی کا انحصار ہی گوشت پر ہوتا ہے اور یہ نظام خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔

۱۴- مدارج تقویٰ جلسہ سالانہ ۱۹۱۱ء کے موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے جو تقریر فرمائی وہ ''مدارج تقویٰ'' کے نام سے شائع ہوئی۔ فرمایا کہ قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ ایک ایسی نعمت ہے کہ جس شخص کو حاصل ہو پھر وہ اس کے مقابل میں دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا۔ آپ نے تقوی کے تین درجے بیان فرمائے۔ ۱) **صبر** ۲) شکر ۳) **تقوی** کا انتہائی مقام احسان۔ فرمایا ان کا حصول نماز، روزہ، حج، زکوۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہوتا ہے۔

۱۵- جواب اشتہار غلام سرور کانپوری

’’ہمیں فتح و شکست سے کچھ غرض نہیں حق بتانا ہمارا کام ہے...... ہمیں تو وہ شکست جس میں راستی کو ملحوظ رکھا گیا ہو اس فتح سے بدرجہا بہتر ہے جس میں واقعات پر پردہ ڈالا گیا ہو‘‘۔ ان الفاظ کا اظہار حضرت مصلح موعود نے اپنے اس کتابچے میں کیا جو اپریل ۱۹۱۲ء کو ہندوستان کے مدارس کے دوروں کے دوران کانپور میں ہونے والی ایک گفتگو کے تناظر میں کیا۔

۱۶- خدا کے فرستادہ پر ایمان لاؤ

اس کتابچے میں حضرت مصلح موعود نے وفات مسیح علیہ السلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے دلائل بیان فرمائے۔ فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی حضرات کو بار بار مباہلہ کے لئے بلایا۔ کیا اتنا بڑا دعویٰ کوئی کاذب کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسا دعویٰ سوائے صادق اور مامور کے اور کوئی ہرگز نہیں کرسکتا۔

۱۷- دس دلائل ہستی باری تعالیٰ

دہریوں نے ایک تقاضہ کیا کہ ’’اگر خدا ہے تو ہمیں دکھا دو ہم مان لیں گے‘‘۔ اس کے جواب میں مارچ ۱۹۱۳ء کو حضرت مصلح موعود نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا اس میں تحریر فرمایا کہ دنیا میں تمام چیزوں پر یقین رکھنے کے لئے ہم محض حواس خمسہ پر ہی یقین نہیں رکھتے بلکہ اس کے علاوہ بعض اور نا قابل تردید دلائل اور ذرائع ہیں جن پر انحصار کر کے ہم خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے دس دلائل بیان فرمائے۔ جو کہ یہ ہیں:- ☆ دنیا کے تمام مذاہب کا مختلف ناموں سے خدا کی ہستی کا قائل ہونا ثابت ہے۔ اس امر پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب دنیا خدا کی کسی جلوہ گری کو دیکھ کر ہی اس کی قائل ہوئی ہے۔ ☆ ہر قوم اور مذہب میں خدا کی ذات پر گواہی دینے والے لوگ موجود ہیں۔ ☆ فطرت انسانی خود خدا کی ہستی پر دلیل ہے۔ ☆ ہر فعل کا کوئی فاعل ہوتا ہے کیا اتنی بڑی دنیا کا کوئی صانع اور فاعل نہ ہوگا۔ ☆ اس کائنات کی ہر چیز میں ایک تناسب ہے جو بغیر کسی خرابی کے مسلسل چل رہی ہے۔ ☆ خدا تعالیٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی خدا نہیں تو جو نصرت خدا کی طرف سے آتی ہے۔ وہ کیسے ممکن ہے؟ یہ اس کے وجود کی دلیل ہے۔ ☆ خدا پر حقیقی ایمان لانے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ ☆ دعاؤں کا قبول ہونا۔ ☆ قرآن سے ایک دلیل الہام بھی ثابت ہوتی ہے۔ ☆ جو خدا کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں خدا خود ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

۱۸- اخبار ’’فضل‘‘ کا پراسپکٹس

جون ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اجازت سے حضرت مصلح موعود نے ایک اخبار ’’فضل‘‘ کے نام سے جاری فرمایا جو کہ بعد میں الفضل کے نام سے آج بھی جاری ہے۔ آپ نے اس اخبار کے آٹھ اغراض و مقاصد پر مبنی ایک

پراسپکٹس شائع فرمایا۔ اور فرمایا کہ کس طرح یہ اغراض اس اخبار کے ذریعے پوری کی جائیں گی۔

۱۹- سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الفضل کی اشاعت کے آغاز سے حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ اس کا ایک صفحہ تاریخ...... کے لئے وقف رہے گا۔ اس کے لئے آپ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت از روئے بخاری ہر ہفتے بیان کرنی شروع فرمائی۔ بعد ازاں خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد یہ سلسلہ تعطل کا شکار ہو گیا مگر اس دوران جو کچھ لکھا گیا وہ بے مثال ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ لباس اور عمر کا تذکرہ ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا تذکرہ ہے۔ یہ مضامین اب کتابی شکل میں موجود ہے۔

۲۰- ......نماز

ریویو آف ریلیجنز میں مارچ ۱۹۱۴ میں یورپ کے سعید فطرت لوگوں کے لیے ......نماز کی اغراض و مقاصد بیان فرمائیں جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ فرمایا کہ عبادت کی بنیادی غرض تو اپنے جذبات شکر کا اظہار ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ اپنے نفس کی اصلاح بھی ہوتا ہے۔ اس کے حصول کے لئے حضور نے تین ذرائع کا ذکر فرمایا۔

۲۱- حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد آپ کی تقریر

۱۳/ مارچ ۱۹۱۴ء کو بعد نماز عصر......نور قادیان میں نہایت پر درد تقریر فرمائی۔ جس میں حضور کی وفات کے نتیجہ میں جماعت پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا ذکر فرمایا۔ اور جماعت کو کثرت سے توبہ استغفار اور دعا کی طرف توجہ فرمائی۔

۲۲- کلمات طیبات

۱۴/ مارچ ۱۹۱۴ء کو خلیفہ منتخب ہونے کے بعد بیعت لینے سے قبل حضرت مصلح موعود نے جو خطاب فرمایا وہ کلمات طیبات کے نام سے شائع ہوا۔ اس تقریر میں آپ نے بیان فرمایا:

> ''سنو! دوستو! میرا یقین اور کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میرے پیارو! پھر میرا یقین ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ میرا یقین ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص نہیں آ سکتا جو آپؐ کی دی ہوئی شریعت میں سے ایک شوشہ بھی منسوخ کر سکے۔ میرے پیارو! میرا وہ محبوب آقا سید الانبیاء ایسی عظیم الشان شان رکھتا ہے کہ ایک شخص اس کی غلامی میں داخل ہو کر کامل اتباع اور وفاداری کے بعد نبیوں کا رتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایسی شان اور

عزت ہے کہ آپ کی سچی غلامی میں نبی پیدا ہو سکتا ہے۔...... مَیں پھر تمہیں کہتا ہوں، پھر کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں۔ اب جو تم نے بیعت کی ہے اور میرے ساتھ ایک تعلق حضرت مسیح موعودؑ کے بعد قائم کیا ہے اس تعلق میں وفاداری کا نمونہ دکھاؤ اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھو میں ضرور تمہیں یاد رکھوں گا۔ ہاں یاد رکھتا بھی رہا ہوں۔ کوئی دعا میں نے آج تک ایسی نہیں کی جس میں مَیں نے سلسلہ کے افراد کے لئے دعا نہ کی ہو۔ مگر اب آگے سے بھی زیادہ یاد رکھوں گا۔ مجھے کبھی پہلے بھی دعا کے لئے کوئی ایسا جوش نہیں آیا جس میں احمدی قوم کے لئے دعا نہ کی ہو۔ پھر سنو! کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عہد شکن کیا کرتے ہیں۔ ہماری دعائیں یہی ہوں کہ ہم ...... جئیں اور...... مریں۔ آمین''۔

۲۳- کون ھے جو خدا کے کام کو روك سکے

۲۱/مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت مصلح موعود نے ایک ٹریکٹ شائع فرمایا۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں تفرقہ کے آثار ہیں۔ اور بعض لوگ خلافت کے خلاف لوگوں کو جوش دلا رہے ہیں۔ فرمایا ''خدا نے جسے خلیفہ بنانا تھا بنا دیا اور اب جو شخص اس کی مخالفت کرتا ہے وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے۔'' ...... اب کون ہے جو مجھے خلافت سے معزول کر سکے۔ خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے انتخاب میں غلطی نہیں کرتا۔ پھر آپ نے تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ثابت فرمایا کہ آپ ہی موعود خلیفہ ہیں۔

۲٤- منصب خلافت

۱۲/اپریل ۱۹۱۴ء کو حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر ...... مبارک قادیان میں پہلی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ اس میں آپ نے منصب خلافت کے موضوع پر تقریر فرمائی جو کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ فرمایا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی دعائے ابراہیمی میں جو کام نبی کے بیان فرمائے ہیں وہی کام اس وقت میرے رکھے ہیں۔...... ''خلیفہ کا کام کوئی معمولی اور رذیل کام نہیں یہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور امتیاز ہے جو اس شخص کو دیا جاتا ہے''۔ اس تقریر میں آپ نے غیر مبائعین کے بعض اعتراضات رد کئے۔

۲۵- شکریه اور اعلان ضروری

خلافت ثانیہ کے آغاز میں جو فتنہ اٹھا۔ اپریل ۱۹۱۴ء کے اوائل میں اس کا زور ٹوٹنا شروع ہو گیا۔ اس پر شکریہ کے طور پر حضرت مصلح موعود نے ایک مضمون تحریر فرمایا۔ فتنہ کی شدت اور دشمنوں کی خوش فہمی کا تذکرہ کر کے خدا تعالیٰ کے غیر معمولی احسانات کا ذکر فرمایا۔ اس موقعہ پر احباب جماعت کو تبلیغ کی طرف توجہ دلائی اور ۱۲ہزار روپے کا چندہ جمع کرنے کی تحریک فرمائی۔ جماعت کو خوشخبری دیتے ہوئے تحریر فرمایا: ''اس وقت دشمن کہہ رہا ہے اب احمدیت گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آگے سے بھی زیادہ اسے ترقی دے اور ...... کے شیدا خوش ہو جائیں کہ اب خزاں کے بعد بہار آنے والی

ہے اور مسیح موعود علیہ السلام کے وعدوں کے پورا ہونے کے دن آ گئے ہیں''۔

۲۶- تحفۃ الملوک حضرت مصلح موعود...... نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جون ۱۹۱۴ء میں ایک رؤیا کی بنا پر اس وقت کی ہندوستان کی سب سے بڑی ...... ریاست کے والی میر عثمان علی خان کی خدمت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام ایک کتابی شکل میں پہنچایا۔ اس طرح خلافت کے منصب پر متمکن ہونے کے بعد یہ آپ کی پہلی تصنیف تھی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے ...... کی موجودہ حالت، غیر ...... کی ترقی، ضرورت امام کے موضوعات پر روشنی ڈالی۔ فرمایا: ''یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو اس مبارک زمانہ میں پیدا کیا۔ ورنہ لاکھوں بزرگ اور علماء اور امراء اس بات کی حسرت کرتے ہوئے مر گئے کہ کسی طرح ان کو مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ملے۔ ...... پس یہ زمانہ غنیمت ہے وہ دن آتے ہیں جب کہ زبردست بادشاہ اس خدا کے مرسل کے سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ لیکن مبارک ہے جو سب سے پہلے اس نعمت کو حاصل کرتا ہے کیونکہ کوئی زمانہ آئے گا جب کہ اپنی بادشاہتیں دے کر خواہش کریں گے کہ ہمیں بھی وہ فضیلت حاصل ہو جائے جو مسیح موعود علیہ السلام کے قریب کے لوگوں کو حاصل تھی''۔

۲۷- برکات خلافت دسمبر ۱۹۱۴ء میں ہونے والے خلافت ثانیہ کے پہلے سالانہ جلسے کے موقع پر حضرت مصلح موعود نے جو تقاریر کیں وہ ''برکات خلافت'' کے نام سے شائع ہوئیں۔ حضور نے فرمایا کہ جماعت احمدیہ پر آنے والا یہ فتنہ مقدر تھا اور اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ جماعت احمدیہ کو غیر معمولی ترقی عطا فرمائے گا۔ حضور نے ۹ آسمانی شہادتیں پیش فرمائیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت یقیناً مقدر ہے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

> ''یہ جو فتنہ پڑا ہے اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے قبل از وقت خبر دے دی تھی کہ کمزوروں کے لوگ کہتے ہیں کہ اب کیا ہوگا۔ احمدیہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اس فتنہ سے سلسلہ ٹوٹتا نہیں بلکہ بنتا ہے۔ مبارک ہے وہ انسان جو اس نکتہ کو سمجھے''۔

۲۸- القول الفصل خواجہ کمال الدین صاحب نے نومبر ۱۹۱۴ء میں ''اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب'' سے ایک لیکچر دیا جو کہ بعد میں ایک ٹریکٹ کی شکل میں شائع ہوا اور احمدی احباب میں مفت تقسیم کیا گیا۔ جب اس کا مطالعہ حضرت مصلح موعود نے کیا تو آپ نے اسی دن یعنی ۲۱ رجنوری کو صبح سے شام تک جوابی رسالہ ''القول الفصل'' کے نام سے تحریر فرمایا جس کو انجمن ترقی ...... نے ۳۰ رجنوری کو شائع کیا۔ اس کتاب میں حضرت مصلح موعود نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے خواجہ صاحب کے خیالات کو رد کیا۔ اسی طرح مسئلہ کفر ...... پر تفصیلی بحث فرمائی۔

۲۹- اللہ تعالیٰ کی مدد صرف صادقوں کے ساتھ ہے

جب اہل پیغام جماعت احمدیہ قادیان اور حضرت مصلح موعود...... کے خلاف ہر محاذ پر ناکام و نامراد ہوتے چلے گئے تو انہوں نے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا کہ حضرت مصلح موعود نے گورنمنٹ میں یہ درخواست دی ہے کہ وہ انہیں سرکاری طور پر خلیفہ تسلیم کر لے۔ اس پر حکومت نے یہ کہہ کر اس میں دخل دینے سے انکار کر دیا ہے کہ ہم مذہبی معاملات میں مداخلت پسند نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں حضرت مصلح موعود نے ایک اشتہار شائع فرما کر ان لوگوں کے جھوٹ کی قلعی کھول دی اور فرمایا: ''اگر میرے مخالفین میں کچھ بھی شرم و حیا کا مادہ ہے تو وہ مرد میدان بنیں اور اپنے بیان کو شائع کریں اور اس کا ثبوت دیں تا کہ دنیا کو معلوم ہو کہ کون حق پر ہے اور کس کی بنیاد جھوٹ پر ہے''۔

۳۰- حقیقۃ النبوۃ

القول الفصل کی اشاعت پر مولوی محمد علی صاحب نے ایک رسالہ ''القول الفصل کی ایک غلطی کا اظہار'' شائع کیا جس کا جواب حضرت مصلح موعود نے ''حقیقۃ النبوۃ'' نام کی نہایت معرکۃ الآراء تصنیف سے دیا۔ جو کہ ۳؍ مارچ ۱۹۱۵ء کو شائع ہوئی۔ اس کتاب کو آپ نے تین فصول میں تقسیم فرمایا۔ اس کتاب میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے بارے نہایت تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ مولوی صاحب کے غلط اعتقادات کا جواب آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے دیا۔ فصل اول میں حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عقیدہ نبوت میں ۱۹۰۰ء میں تبدیلی فرمائی اور سب سے آخری کتاب جس میں آپ نے پہلے عقیدے کا ذکر فرمایا وہ ''تریاق القلوب'' جو ۱۸۹۹ء میں تصنیف فرمائی مگر بعض وجوہات کی بنا پر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ فصل دوم میں حضرت مصلح موعود نے مولوی صاحب کے اس سوال کا جواب دیا کہ ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو آپ کی نبوت کس قسم کی تھی؟'' اس کے جواب میں آپ نے نبی کی تعریف فرمائی اور ثابت فرمایا کہ قرآن کریم اور لغت عرب نے نبی کی جو تعریف فرمائی ہے اس کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہیں۔ لیکن چونکہ آپ کو نبوت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے نتیجہ میں ملی۔ اس لئے اس اتباع کی وجہ سے آپ امتی نبی ہیں۔ فصل سوم میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں قرآن وحدیث سے مزید ۲۰ دلائل درج فرمائے اور اس الزام کو رد فرمایا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی مان کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ ہتک کرتے ہیں۔

۳۱- چند غلط فهمیوں کا ازاله

مولوی محمد علی صاحب کے رسالہ ''القول الفصل کی ایک غلطی کا اظہار'' کا جواب حضرت مصلح موعود نے ''حقیقۃ النبوۃ'' نام کی نہایت معرکۃ الآراء تصنیف سے دیا۔ یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانے والی ایک ضخیم تحریر ہے۔ حضرت مصلح موعود نے

بعد ازاں اس کتاب کو اختصار کے ساتھ ''چند غلط فہمیوں کا ازالہ'' کے نام سے شائع فرمایا۔ تا اس کی اشاعت کثرت سے ہو اور ہر شخص بآسانی اس کا مطالعہ کر سکے۔ حضرت مصلح موعود اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے متعلق فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام شروع دعویٰ سے ایک سے ہی نبی تھے ہاں پہلے آپ اپنے آپ کو جزوی نبی قرار دیتے تھے۔ اور اپنے الہامات کی تاویل کرتے تھے۔ لیکن بعد میں الہامات میں جب بار بار آپ کو نبی قرار دیا گیا تو آپ نے ان الہامات کی تحریک سے اپنے اس عقیدہ کو بدلا کہ آپ جزوی نبی ہیں نہ کہ آپ کو جزوی نبی سے نبی بنا دیا گیا''۔

۳۲- ایک صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب

حضرت مصلح موعود کو مارچ ۱۹۱۵ء کو ایک غیر از جماعت دوست کی طرف سے ۵ سوالات موصول ہوئے اور ان صاحب نے یہ درخواست کی کہ ان کے جواب حضور خود عنایت فرمائیں۔ ان سوالات کے اہم ہونے کی وجہ سے حضور نے ان کو الفضل ۱۳/ اپریل ۱۹۱۵ء میں شائع فرما دیا۔ جس کو بعد میں افادہ عام کے لئے ۱۹/ اپریل ۱۹۱۵ء کو ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ استفسار کئے گئے سوالات درج ذیل ہیں۔

۱- اگر میں احمدیت کا اظہار کروں تو مجھے تمام مسلمان کافر سمجھیں گے اور مجھے بھی ان کو ایسا ہی سمجھنا پڑے گا۔

۲- احمدی لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔ اس لئے غیر احمدی بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اس طرح مجھے تمام ...... سے قطع تعلق کرنا پڑے گا۔

۳- اس صورت میں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ احمدی نام اختیار کرنے سے مجھے کس قدر تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ قرآن کریم ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا قرآن کریم میں ہمارا نام ...... ہے اور ہمیں تاکید ہے کہ ہم مذہب کو فرقوں میں تقسیم نہ کریں۔

۴- قرآن کریم یا حدیث میں کسی جگہ یہ مذکور نہیں کہ ہر انسان کو اپنی نجات کے لئے مسیح اور مہدی پر اعلانیہ ایمان لانا ضروری ہے۔

۵- باوجود اس کے مذکورہ بالا حالات کے ماتحت میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ خفیہ طور پر ایمان رکھوں۔

ان تمام سوالات کا حضرت مصلح موعود نے تفصیلی جواب ارشاد فرمایا اور اصولی طور پر تحریر فرمایا کہ ''میرے خیال میں ان سب سوالات کے جواب ہم صرف ایک سوال میں دے سکتے ہیں اور وہ یہ کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے یا نہیں''۔

۳۳- پیغام مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مصلح موعود نے جولائی 1915ء کو سفر لاہور کے موقعہ پر ایک خاص تحریک کے نتیجہ میں ایک پبلک جلسہ میں خطاب

فرمایا جو دسمبر ۱۹۱۵ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ آپ نے اس کتاب میں دو ضروری پیغام دیے ۔ ۱) مذہبی جھگڑوں کے انسداد کی تجویز پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دوسرے کو گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا ترک کر دیا جائے ۔ ۲) دوسرا پیغام یہ دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے اس کو قبول کرو۔ آپ نے فرمایا: ''قرآن شریف نے نبیوں کی یہ غرض بتائی ہے کہ وہ آکر خدا کے غضب سے لوگوں کو بچائیں اور انسانوں کو آپس کے ضرر اور نقصان سے محفوظ رکھیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کے طریق بتائیں''۔

۳۴- انوار خلافت

انوار خلافت حضرت مصلح موعود کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو آپ نے ۱۹۱۵ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کیں۔ پہلے روز کے خطاب کا موضوع ''اسمہ احمد'' کی تشریح تھا۔ اس کے لئے آپ نے سورۃ الصف اور سورہ الجمعہ کی تفسیر بیان فرمائی۔ اسی روز بعد نماز ظہر آپ نے ''مسئلہ نبوت'' پر خطاب فرمایا۔ اور ثابت کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کسی طرح بھی قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ دوسرے روز آپ نے جماعتی ترقی کے پیش نظر کچھ تاریخی واقعات کا تذکرہ فرما کر جماعت کو ماضی سے سبق سیکھنے کی نصیحت فرمائی۔ تیسرے روز کے خطاب میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرشن، بدھ، مسیح اور مہدی ہونے کے ثبوت پیش فرمائے اور اس بات کی وضاحت پیش فرمائی کہ چونکہ بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ نے امت واحدہ بنانا تھا اس لئے ہر مذہب کے پیروکاروں کو آخری زمانہ میں انہی کے کسی مقدس وجود کے آنے کی خوشخبری سنا دی اور اسی امت وحدہ کی تشکیل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

۳۵- ...... اور دیگر مذاہب

حضرت مصلح موعود نے دہلی کے سالانہ جلسہ کے لئے اپنے قلم سے ایک مضمون لکھ کر بھجوایا۔ اس مضمون میں آپ نے فرمایا کہ بنی نوع انسان کی نجات کے لئے صرف اور صرف ایک ہی مذہب ہے جو کہ ...... ہے۔ دیگر تمام مذاہب مخصوص زمانے اور اقوام کے لئے آئے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں کسی مذہب کے بانی نے بھی عالمی رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ حضور نے مذہب کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا کام اپنے متبعین کو شفقت علی خلق اللہ کی تعلیم دینا ہے۔ اور اس کے تین حصے ہیں ۔۱) اپنے نفس کے متعلق ۔۲) انسان کا معاملہ دوسرے انسانوں سے ۔۳) انسان کا معاملہ حیوانوں سے ۔ ان تمام معاملات میں کسی بھی مذہب کی تعلیم اتنی جامع نہیں جس قدر ...... کی ہے کہ ان تمام معاملات میں تمام چھوٹے بڑے مسائل کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

۳۶- نصائح مبلغین

۱۲/ مارچ ۱۹۱۶ء کو حضرت مصلح موعود نے مبلغین کو نصائح کرتے ہوئے ایک لیکچر دیا۔ جو ''نصائح مبلغین'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ آپ نے تبلیغ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے سب سے ضروری چیز نفس کا تزکیہ قرار دیا۔ پھر نماز تہجد کی عادت، قرآن مجید کا مطالعہ،

ذکر الٰہی میں باقاعدگی، اپنی ذاتی لائبریری کا قیام، سوال سے اجتناب، خوشامد سے نفرت، اور خدا تعالیٰ پر غیر معمولی توکل کو اہم قرار دیا۔

۳۷- نجات کی حقیقت

۲۵/مارچ ۱۹۱۶ء کو حضرت مصلح موعود سے ایک عیسائی نے اصلی اور حقیقی نجات کے بارے میں دریافت کیا۔ اس پر آپ نے ایک تقریر فرمائی جو کہ الفضل میں شائع ہوئی جس کو بعد ازاں کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس میں حضور نے عیسائی فلسفہ نجات، کفارہ اور گناہ کو باطل قرار دیا اور اسلامی فلسفہ نجات کو برتر قرار دیا۔ فرمایا کہ انسانی فطرت اور روح میں یہ ملکہ ہے کہ وہ نہ صرف دکھ سے بچے بلکہ آرام بھی حاصل کرے...... جو مذہب صرف دکھ سے بچانے کا وعدہ کرتا ہے اور آرام حاصل کرنے کے متعلق خاموش ہے وہ فطرت کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ عیسائیت صرف دکھ سے بچانے کا وعدہ کرتی ہے۔ اور یہ بات کامل خوشی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں...... دکھوں اور تکالیف سے بچا کر کامیاب اور بامراد ہونے کی بشارت دیتا ہے اور اس کا نام فلاح رکھا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ...... خدا تعالیٰ کا کامل عرفان بخشتا ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان نہ صرف گناہوں سے نجات حاصل کرتا ہے بلکہ ''مصلح'' یعنی مظفر و منصور ہوتا ہے اور پیدائش انسانی کے مقصد کو بھی پالیتا ہے۔

۳۸- سیرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مصلح موعود نے نومبر ۱۹۱۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح پر مشتمل کتاب تحریر فرمائی۔ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات، آپ کی سیرت، آپ کا دعویٰ، دلائل اور آپ کی پیشگوئیوں کا ذکر ہے۔

۳۹- پیغام صلح کے چند الزامات کی تردید

غیر مبائعین حضرت مصلح موعود پر مختلف قسم کے رکیک الزامات لگاتے رہتے تھے۔ جس میں اخبار پیغام صلح پیش پیش تھا۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء کے پرچے میں انہوں نے انتہا کر دی۔ اس پر ۱۰/ستمبر ۱۹۱۶ء کے الفضل میں ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ''جو شخص مجھ پر اعتراض کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے ڈرے کہ وہ نہیں مرے گا جب تک اس پر بھی یہ الزام نہ لگایا جائے۔ اس دنیا کا (میں) محبّ نہیں بلکہ اس سے نفرت کرنے والا ہوں اور وہی شخص اس دنیا کی محبت کا الزام مجھ پر لگا سکتا ہے جس کا دل خود اس گند میں ملوث ہے۔ میرے لئے یہ بس ہے کہ میرا خدا مجھ سے راضی ہو۔ میرے مخالفین کے ناپاک حملوں نے نہ پہلے میرا کچھ بگاڑا ہے اور نہ اب بگاڑ سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی مرضی پوری ہوئی اور ہوگی اور اسی کے فضل سے دنیا کے چاروں کناروں پر مجھے اور میرے اتباع کو غلبہ حاصل ہوگا''۔

۴۰- تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۱۶ء

حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ۱۹۱۶ء کے موقعہ پر متفرق امور پر تقریر فرمائی جو کہ بعد میں شائع ہوئی۔ اس میں حضور نے اپنے اعتقادات کے بارے میں تفصیل سے بیان فرمایا۔

۴۱- جماعت احمدیہ کے فرائض

۱۹۱۶ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت مصلح موعود نے ۲۷ر دسمبر کو ''جماعت احمدیہ کے فرائض اور ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر تقریر کی۔ اس میں فرمایا کہ اب خدا تعالیٰ نے یہ اہم ذمہ داری ہم کو سونپی ہے کہ ہم دنیا میں روحانی انقلاب لائیں اور وہ انقلاب ممکن نہیں جب تک کہ ہم خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فرمودہ تعلیم پر عمل پیرا نہ ہوں''۔

۴۲- ذکر الٰہی

۱۹۱۶ء کے جلسہ سالانہ کے تیسرے دن حضرت مصلح موعود نے ذکر الٰہی کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ آپ نے نہایت دلنشیں اور اچھوتے انداز میں اس موضوع کی باریک باتیں بیان فرمائیں۔ فرمایا کہ ذکر چار قسم کا ہوتا ہے۔ نماز، تلاوت قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کا تکرار اور خدا تعالیٰ کی صفات کو علیحدگی اور تنہائی میں بیان کرنا اور لوگوں میں بھی بیان کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ مقام محمود تک پہنچانے کے لئے نماز تہجد میں باقاعدگی کا ارشاد فرمایا۔ اس پر دوام کے لئے آپ نے ایک درجن سے زیادہ طریقے بیان فرمائے۔ پھر نماز میں توجہ قائم رکھنے کے لئے آپ نے ۲۲ طریق بیان فرمائے اور تقریر کے آخر پر آپ نے ذکر الٰہی کے بارہ[۱۲] عظیم الشان فوائد بیان فرمائے۔

۴۳- عیدالاضحی پر مسلمانوں کا فرض

اپریل ۱۹۱۷ء حضرت مصلح موعود نے قربانی کے فلسفہ پر ایک پمفلٹ شائع فرمایا۔ اس میں فرمایا کہ ''جو لوگ خدا تعالیٰ کے لئے فنا ہو جاتے ہیں وہ دائمی بقا حاصل کر لیتے ہیں''۔

۴۴- زندہ خدا کے زبردست نشان

۱۹۱۷ء میں زار روس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے حضرت مصلح موعود نے ۱۴ر اپریل ۱۹۱۷ کو ایک کتاب تحریر فرمائی۔ اور فرمایا کہ جس قدر زار روس کی طاقت کو دیکھا جائے اسی قدر اس پیشگوئی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ''اے اہل ہند آپ خواہ کسی قوم یا کسی مذہب یا کسی زبان کے بولنے والے ہوں میں آپ کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ آپ لوگ اس نعمت کی قدر کریں جو اس نے اپنے فضل سے آپ پر نازل فرمائی ہے''۔ اس کتاب میں آپ نے تمام دنیا کو حق شناسی کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

٤٥- خدا کے قھری نشان

اس کتاب میں حضرت مصلح موعود نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے پورا ہونے کے اعداد وشمار پیش فرمائے اور خصوصیت کے ساتھ زلزلوں کے بارے میں پیشگوئی کا ذکر فرمایا۔ فرمایا ''میں تمام طالبان حق سے عرض کرتا ہوں کہ اپنی جانوں اور مالوں پر رحم کرو اور اس دریدہ دہنی سے باز آجاؤ جو خدا تعالیٰ کے...... کے مقابلہ پر کی جاتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غیور ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کی انسان میں طاقت نہیں''۔

٤٦- ترقی ...... کے متعلق حضرت خلیفة المسیح کا ارشاد

حضرت مصلح موعود...... نے ستمبر ۱۹۱۷ء کو جماعت کو تبلیغی فرائض کی ذمہ داریوں سے آگاہی بخشنے کے لئے ایک کتاب تحریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ...... پہلے بھی اپنے بے نظیر حسن کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں کا فاتح ہوا تھا اور اب بھی انہی خوبیوں کی وجہ سے لوگوں کے قلوب کو فتح کرے گا۔

اس کتاب میں آپ نے مالی قربانیوں میں جماعت کی مسابقت کی تعریف فرمائی۔ فرمایا کہ یہ جماعت میری ہر بات کی طرف توجہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جو میرے اشارے پر اپنی جان اور اپنا مال اور اپنی ہر ایک عزیز چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

٤٧- زنده مذهب

حضرت مصلح موعود نے ۳۰ ستمبر ۱۹۱۷ء کو شملہ کے میسانک ہال میں زندہ مذہب کے بارے میں تقریر کی جس کو بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس میں حضور نے فرمایا کہ ''کسی مذہب کے متعلق زندہ یا مردہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دیکھیں مذہب کی غرض کیا ہے۔ اسے کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ پس اگر جس غرض کے لئے کسی مذہب کو اختیار کیا جاتا ہے وہ پوری ہو جائے تو وہ زندہ مذہب ہے اور اگر نہ پوری ہو تو مردہ''۔ فرمایا کہ ''ہمارا دعویٰ ہے کہ...... سچا ہے اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب سچے ہیں اس کے فیصلہ کا آسان طریق یہ ہے کہ مشاہدہ کر لیا جائے کہ کون سا مذہب سچا ہے اور جب مشاہدہ ہو سکتا ہے تو پھر کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن اس میدان میں صرف ......ہی کھڑا رہے گا''۔

٤٨- اطاعت اور احسان شناسی

حضرت مصلح موعود نے جنگ عظیم اول کی تیسری سالگرہ کے موقعہ پر ۴ راگست ۱۹۱۷ء کو قادیان کے ایک جلسہ میں تقریر کی جس میں فرمایا کہ...... تعلیم کی صداقت دیگر مذاہب کے مقابلہ پر ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہے اور کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جس کی طرف...... شریعت نے راہنمائی نہ کی ہو۔

٤٩- جماعت قادیان کو نصائح

حضرت مصلح موعود نے ۲۹ ر اگست ۱۹۱۷ء کو قادیان سے شملہ روانہ ہوتے ہوئے قادیان کے احباب کو نصائح فرمائیں۔ ان

نصائح میں آپ نے فرمایا کہ...... میں کچھ قواعد...... کی ترقی اور فوائد کے لئے مقرر ہیں...... جب تک ان پر چلے وہ کامیاب ہوئے۔ پھر آپ نے خلیفہ اور امیر کے فرق کی وضاحت فرمائی۔ فرمایا کہ میں آپ کو تاکید کرتا ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کہتا ہوں کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

۵۰- عورتوں کا دین سے واقف ہونا ضروری ہے

حضرت مصلح موعود نے ۶/اکتوبر ۱۹۱۷ء کو شملہ میں عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں کو بھی اسی طرح شریعت کا پابند ہونا چاہئے جس طرح مرد پابند ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ۹۵ فی صد عورتیں اپنے خاوندوں کی پیروی کرتی ہیں اگر خاوند شیعہ ہے تو عورت بھی شیعہ۔ فرمایا کہ چند ایک مسائل کا علم ہونا اور ان کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ خدا، ملائکہ، قرآن، رسول، بعث بعد الموت پر ایمان لانا، نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، روزہ رکھنا، حج کرنا، خدمت دین کرنا، وفات عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا، دعائیں کرنا، تبلیغ کرنا اور تقویٰ حاصل کرنا۔

۵۱- ربوبیت باری تعالیٰ کائنات کی ہر چیز پر محیط ہے

حضرت مصلح موعود نے ۹/اکتوبر ۱۹۱۷ء کو پٹیالہ میں اس موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس میں آپ نے...... اور صداقت مسیح موعود علیہ السلام کو صفت ربوبیت سے ثابت فرمایا۔ فرمایا

وان من امة الا خلافیھا نذیر کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نبی انسانوں کی تربیت اور روحانی ربوبیت وترقی کا سامان کر رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس ربوبیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ فرمایا...... ایسا مذہب ہے جو کہ زندہ خدا کو پیش کرتا ہے۔

۵۲- قادیان کے غیر از جماعت احباب کے نام ایک اہم پیغام

قادیان کے غیر از جماعت احباب نے بیرونی علاقوں سے کچھ مولوی حضرات کو بلا کر جماعت کے خلاف سخت بدزبانی کروائی اس پر حضرت مصلح موعود نے ان لوگوں کو ناصحانہ انداز میں ایک پیغام شائع کر کے بھجوایا۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جو احسانات اہل قادیان پر کئے گئے تھے ان کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ”مذہب اور چیز ہے اور شرافت اور چیز ہے۔ یہ بات بری نہ تھی کہ آپ لوگ اپنے مذہب کی تائید کرتے۔ لیکن اس کام میں اس شخص کا نام جس کے خاندان کے ہزاروں قسم کے احسان اور حقوق آپ لوگوں پر تھے اس گستاخی سے لینا ہرگز آپ لوگوں کو جائز نہ تھا اور اس حرکت سے آپ لوگوں نے اپنی انسانیت کو بھی بٹہ لگا دیا“۔

۵۳- جماعت کو سیاست میں دخل نہ دینے کی نصیحت

حضرت مصلح موعود نے ۲؍دسمبر ۱۹۱۷ء کو امن اور اطاعت حکومت کے سلسلے میں جماعتی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے امام و پیشوا نے ہمیں سیاسی ایجی ٹیشنوں اور سیاسی تحریکات سے نہایت سختی کے منع فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام کا مسلک یہ رہا ہے کہ جہاں تک ہو سکے حکومت وقت کے ہاتھ کو مضبوط کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ''ہماری جماعت کی سیاست بھی مذہب کے ماتحت ہے اس لئے ہم کو جس امر پر خدا تعالیٰ نے کھڑا کیا ہے اس سے ہل نہیں سکتے''۔

۵۴- حقیقۃ الرؤیا

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۱۷ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر رؤیا کے موضوع پر خطاب فرمایا جو کہ بعد ازاں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں الہام، رؤیا اور کشف کے بارے میں تفصیلات بیان فرمائیں۔ اس تقریر میں حضور نے شیطانی اور رحمانی خواب میں فرق، رؤیا کی اقسام، جھوٹی وحی کی اقسام، سچی وحی کی پہچان، خوابوں کی اقسام وغیرہ پر سیر حاصل بحث فرمائی۔

۵۵- حقیقت الامر

حضرت مصلح موعود نے مولوی محمد علی صاحب کی ایک مطبوعہ چٹھی کے جواب میں یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے عقائد کی وضاحت کی اور فرمایا کہ ''ایسے وقت مجھ پر بھی اس بیماری میں ضرور آئے ہیں کہ جب مجھے کامل یقین ہو گیا کہ میں چند منٹ سے زیادہ اس دنیا میں نہیں رہ سکتا...... اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان عقائد پر میں نے اس وقت کامل تسلی پائی...... اور میرا دل اس وقت مطمئن تھا کہ میں نے جو کچھ کیا حق اور انصاف کو مدنظر رکھ کر کیا ہے اور اس کی بدولت امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری سستیوں اور غفلتوں سے عفو فرمائے گا اور اپنے فضل کے نیچے جگہ دے گا''۔ اس کتاب میں آپ نے اہل پیغام کے کئی اعتراضات کا جواب ارشاد فرمایا۔

۵۶- اصلاح اعمال کی تلقین

حضرت مصلح موعود نے ۱۶؍فروری ۱۹۱۹ء کو لاہور کی خطاب فرمایا۔ اس میں آپ نے تزکیہ نفس اور روحانی اصلاح کی طرف جماعت کو توجہ دلائی۔ آپ نے فرمایا کہ دلوں میں پیدا ہونے والی رو ضائع نہیں جاتی اس کا اثر دور دور تک جاتا ہے۔ اور یہ رو دوسروں کے دلوں پر اثر پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ اسی بات کا ذکر کونوا مع الصادقین میں کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قلوب اور اعمال کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ اگر اس حوالے سے ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ لیا اور ادا کرنا شروع کر دیا تو پھر یقیناً سمجھ لو کہ تمہارے لئے انعامات کے حصول کے دروازے کھل گئے ہیں۔

۵۷- ...... میں اختلافات کا آغاز

حضرت مصلح موعود نے ۲۹؍فروری ۱۹۱۹ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں ''......میں اختلافات کا آغاز'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

اس اجلاس کی صدارت سر عبد القادر صاحب پروفیسر تاریخ نے کی۔ حضور نے فرمایا کہ ...... میں تفرقہ کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۱۵ سال بعد پڑی جو...... کے خوبصورت چہرے پر بدنما دھبہ ہے۔ پھر حضور نے اس بات کی بھی تردید فرمائی کہ دین...... میں فتنوں کے موجب بعض بڑے بڑے صحابہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس کتاب میں آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر کبار صحابہ پر پڑنے والے تمام اعتراضات کا جواب دیا اور فرمایا کہ وہ لوگ تمام اعتراضات سے پاک تھے۔ اس زمانے میں پیدا ہونے والا فساد صرف چند شریر النفس آدمیوں کی شرارت اور عبد اللہ بن سبا کی انگیخت کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا۔ حضور نے اپنی تحقیق کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ ”ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان اور دیگر صحابہ ہر ایک فتنہ سے یا عیب سے پاک تھے بلکہ ان کا یہ رویہ نہایت اعلیٰ اخلاق کا مظہر تھا اور ان کا قدم نیکی کے اعلیٰ مقام پر قائم تھا“۔

۵۸- عرفان الٰہی

حضرت مصلح موعود نے ۱۶/ مارچ ۱۹۱۹ء کو ہونے والے جلسہ سالانہ پر عرفان الٰہی کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس میں آپ نے عرفان الٰہی کے معنے سمجھائے۔ علم و عرفان کی اصطلاحوں میں فرق کر کے دکھایا۔ آپ نے یہ امر سمجھایا کہ عرفان الٰہی مسلسل محنت اور جستجو اور کوشش کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے جس کے ساتھ دعا بھی انتہائی ضروری ہے۔ جس وقت آپ نے یہ تقریر فرمائی، اس وقت آپ کی طبیعت نہایت خراب تھی۔ حالت یہ تھی کہ آپ فرماتے ہیں ”اس وقت جب کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ میری آخری گھڑیاں ہیں، میرے دل میں اگر کوئی خلش تھی تو وہ یہی تھی کہ ابھی ہماری جماعت اس مقام پر نہیں پہنچی جس پر پہنچانے کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش تھی“۔ ایسی حالت میں آپ نے ہر خاص و عام کو سامنے رکھ کر اس نہایت حساس موضوع پر خطاب فرمایا اور لوگوں کو اس نہایت اہم کوچہ سے روشناس کروایا۔

۵۹- خطاب جلسہ سالانہ ۱۷/ مارچ ۱۹۱۹ء

اس خطاب میں حضرت مصلح موعود نے متفرق امور پر جماعت کی راہنمائی فرمائی۔ جماعتی انتظام کو بہتر رنگ میں چلانے کے لئے حضور نے تمام صیغہ جات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ”باوجود اس کے کہ ابھی ابتدائی کام اور دفتری انتظام سے ان صیغوں کو فراغت نہیں ہوئی۔ ہر کام میں ایک نئی روح کام کرتی نظر آتی ہے۔ ان باتوں کے اس وقت میرے بیان کرنے کی ایک غرض تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واقفیت ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ جو ان کاموں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ان کو آپ سے کام پڑے گا...... چونکہ یہ لوگ خلیفہ کے مقرر کئے ہوئے ہوں گے اس لئے آپ ان کے کسی اعلان کی تعمیل کرنے میں اس لئے سستی کریں گے کہ وہ زید یا بکر کے نام سے لکھا گیا ہے تو یہ اس کی نافرمانی نہیں ہوگی بلکہ یہ میری نافرمانی ہوگی اور اس کی حتی المقدور مدد کریں گے تو یہ اس کی مدد نہیں ہوگی بلکہ میری مدد ہوگی“۔

٦٠- ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض

اس کتاب میں حضرت مصلح موعود نے ترک سلطنت اور مرکز......حجاز کے متعلق راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’میرے نزدیک اس جلسہ کی بنیاد صرف یہ ہونی چاہئے کہ ایک ......کہلانے والی سلطنت کو......ہٹا دینا یا ریاستوں کی حیثیت دینا ایک ایسا فعل ہے جسے ہر ایک فرقہ جو......کہلاتا ہے ناپسند کرتا ہے اور اس کا خیال بھی اس پر گراں گزرتا ہے‘‘۔ ترکی کے مستقبل کے لئے آپ نے فرمایا صرف جلسوں سے کام نہیں چلے گا اور نہ ہی روپیہ جمع کر کے اشتہار اور ٹریکٹ شائع کرنے کوئی فائدہ ہوسکتا ہے۔فرمایا اس کے لئے ایک باقاعدہ جدوجہد سے جو دنیا کے تمام ممالک میں اس امر کے انجام دینے کے لئے کی جاوے، سے فائدہ ہوگا۔فرمایا یہ زمانہ علمی زمانہ ہے اور لوگ ہر بات کے لئے دلیل طلب کرتے ہیں۔پس اس مشکل کام کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ انتظام ہونا چاہئے۔ بے فائدہ کام دانا کا کام نہیں۔

٦١- آزمائش کے بعد ایمان کی حقیقت کھلتی ھے

۶/دسمبر ۱۹۱۹ء کو حضرت مصلح موعود نے مسٹر ساگر چند بیرسٹرایٹ لاء کو ولایت سے واپس آنے کے بعد ایک ملاقات میں قادیان میں بعض نصائح فرمائیں۔ ان کو بعد ازاں شائع کیا گیا۔حضور نے فرمایا کہ ......یہ کہتا ہے کہ پہلے تم خوب غور کرو اور دیکھو کہ سچا مذہب کونسا ہے اور کس میں سچائی کے دلائل نشانات اور برکات ہیں۔

٦٢- خطاب جلسہ سالانہ ۲۷/دسمبر ۱۹۱۹ء

اس خطاب میں حضرت مصلح موعود نے انتظامی امور کی طرف جماعت کو توجہ دلائی۔ اس تقریر میں آپ نظارت بیت المال کے حوالے سے اپنی فکر اور پھر اس کی معجزانہ ترقی کا ذکر فرمایا۔فرمایا ’’میں سمجھتا ہوں جو جماعت اپنے امام کے منہ سے اتنی بات سن کر اتنا بوجھ اٹھا سکتی ہے وہ بہت بڑی ترقی کا بیج اپنے اندر رکھتی ہے‘‘۔

٦٣- تقدیر الٰہی

جلسہ سالانہ ۱۹۱۹ء کو حضرت مصلح موعود نے دو دن تقدیر الٰہی کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ اس سے قبل میں اعمال کے بارے میں مضمون بیان کرتا رہا۔اب جو مضمون ہے، وہ ایمان کے متعلق ہے۔فرمایا کہ میں نے خدا تعالیٰ سے عاجزانہ طور پر کہا کہ اے خدا اگر اس مضمون کا سنانا مناسب نہیں تو میرے دل میں ڈال دے کہ میں اسے نہ سناؤں لیکن مجھے یہی تحریک ہوئی کہ سناؤں۔ گو وہ مضمون بہت مشکل ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے بہت محنت اور کوشش کی ضرورت ہے لیکن اگر آپ سمجھ لیں تو بہت بڑا فائدہ اٹھائیں گے۔

یہ تقریر علمی شاہکار تھی۔ اس میں آپ نے مسئلہ قضا وقدر، وحدت الوجود، پھر علم الٰہی اور تقدیر الٰہی کا فرق غرضیکہ اس موضوع سے تعلق رکھنے والی تمام اہم باتوں کو بیان فرمادیا۔

٦٤- واقعات خلافت علوی

...... میں اختلافات کے موضوع پر لیکچر میں حضرت مصلح موعود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ پر ہونے والے اعتراضات کے رد کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور پر بھی بات کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر وقت کی تنگی کے باعث ممکن نہ ہو سکا۔ اس کے بعد ۷ رفروری ۱۹۲۰ء کو اسلامیہ کالج کی مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام آپ نے اس موضوع پر لیکچر دیا۔ اس لیکچر کی صدارت سر شیخ عبد القادر صاحب نے کی۔ اس لیکچر میں حضور نے جنگ جمل کے بارے میں اعتراضات کو حل کرتے ہوئے فرمایا ’’دونوں طرفوں کو اس بات کا ایک دوسرے پر افسوس تھا کہ جب صلح کی تجویز کی گئی تو پھر دھوکا سے حملہ کیوں کیا گیا حالانکہ یہ دراصل مفسدوں کی شرارت تھی۔ ایسی صورت میں بھی حضرت علیؓ نے احتیاط سے کام لیا اور اعلان کر دیا کہ ہمارا کوئی آدمی مت لڑے خواہ ہمارے ساتھ لڑتے رہیں مگر مفسدوں نے نہ مانا‘‘۔

٦٥- ضرورت مذہب

۴ رمارچ ۱۹۲۱ء کو لاہور میں بعض طلباء نے حضرت مصلح موعود سے ضرورت مذہب کے حوالے سے تین سوال دریافت کئے ۱۔ یہ کہ مذہب کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ ہی کوئی فائدہ ہے۔ ۲۔ دوسرے مذاہب بھی پیشگوئیاں کرتے ہیں پھر ...... کی کیا خصوصیت رہی۔ ۳۔ حضرت مرزا صاحب کے سلسلے کا پھیلنا صداقت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ روس میں لینن کو بھی بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ حضرت مصلح موعود نے ایک لیکچر کی صورت میں ان تمام سوالات کا نہایت مدلل جواب ارشاد فرمایا۔

٦٦- موازنہ مذاہب ۹ رمارچ ۱۹۲۱ء

مالیر کوٹلہ میں حضرت مصلح موعود نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے مکان میں موازنہ مذاہب کے موضوع پر ایک مختصر تقریر فرمائی۔ اس میں خدا کی ذات وصفات، کلام الٰہی، فرشتوں کے وجود اور بعث بعد الموت کے موضوعات پر بحث کی۔

٦٧- معیار صداقت

۹ رمارچ ۱۹۲۱ء کو قادیان کے غیر احمدیوں نے مختلف مولویوں کو بلا کر ایک جلسہ کیا جس میں نہایت دلآزار اور اشتعال انگیز تقاریر کیں۔ اس کے جواب میں ۲۱، ۲۲ رمارچ کی درمیانی شب حضرت مصلح موعود نے مرزا گل محمد صاحب کے مکان کے صحن میں نہایت پر جلال اور پر شوکت خطاب فرمایا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کئے جانے والے جملہ اعتراضات کا مسکت جواب دیا اس کے بعد آپ نے سچے مدعی کی صداقت کو پہچاننے کے لئے قرآن کریم کی رو سے معیار پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: ۱۔ سچے مدعی کا ماضی بے عیب و بے نقص اور روشن ہوتا ہے۔ ۲۔ سچے مدعی کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت عطا کی جاتی ہے اور اس کے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ ۳۔ خدا کے رسول غالب کئے جاتے ہیں۔ اس معیار کو سامنے رکھ کر حضور نے فرمایا کہ تینوں زمانے ماضی، حال اور مستقبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی گواہی میں کھڑے ہیں۔

٦٨- بیعت کرنے والوں کو ھدایات

جو باہر سے آنے والے کچھ احباب سے بیعت لیتے وقت حضرت مصلح موعود نے کچھ نصائح کیں جن کو بعد ازاں الفضل نے ۳۰ رمئی ۱۹۲۱ء میں شائع کر دیا۔ اس میں آپ نے بیعت کی غرض لوگوں میں تقویٰ وطہارت کا پیدا کرنا، انہیں برائیوں سے دور کرنا، فواحش سے بچانا اور...... پر قائم کرنا قرار دیا۔ اسی میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے تین دلائل پیش فرمائے۔

٦٩- آئینہ صداقت

مولوی محمد علی صاحب نے دی سپلٹ The SPlit کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ حضرت مصلح موعود نے اس کتاب سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے لئے ''آئینہ صداقت'' تصنیف فرمائی جس کا انگریزی ترجمہ The Truth about the Split کے نام شائع ہوا۔ اس کتاب میں حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کی صداقت، مسئلہ کفر و......اور اسمہ احمد کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں اختلافات سلسلہ کے بیان میں بعض غلط بیانیاں کیں ہیں۔ حضور نے ان تمام کا رد فرما کر درست بات بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''میں مولوی محمد علی صاحب کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر وہ ان کے متعلق میرے بیان کو جھوٹا قرار دیتے ہیں تو قسم کھا کر بیان کریں کہ میں نے ان کے بیان کرنے میں جھوٹ سے کام لیا ہے''۔

٧٠- ھستی باری تعالیٰ

جلسہ سالانہ ۱۹۲۱ء کے موقع پر حضرت مصلح موعود نے ہستی باری تعالیٰ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس میں آپ نے خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں آٹھ دلائل پیش فرمائے۔ پھر اس موضوع پر اٹھنے والے تمام اعتراضات کے جوابات بیان فرمائے۔ اس میں حضور نے شرک کی اقسام کا ذکر فرمایا۔

٧١- تحفه شهزاده ویلز

برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ ویلز جو کہ بعد میں ایڈورڈ ہشتم کہلائے، نے ۱۹۲۱ء میں ہندوستان کا دورہ کیا اس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے تحفہ شہزادہ ویلز کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ حضور نے تجویز فرمائی کہ جماعت کے ۳۲۲۰۸ رافراد ایک آنہ فی کس جمع کر کے کتاب کی اشاعت کا انتظام کریں۔ اشاعت کے بعد گورنمنٹ پنجاب کے توسط سے ایک وفد نے ۲۷ رفروری ۱۹۲۲ کو یہ کتاب پرنس آف ویلز کو پیش کی۔ اس کتاب میں حضرت مصلح موعود نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مختصر حالات زندگی، سلسلہ احمدیہ کے حالات اور تاریخ بیان فرمائی۔ آخر پر دین حق کی دعوت دی۔ بعد ازاں پرنس آف ویلز نے اپنے چیف سیکرٹری کے ذریعے اس کتاب کے بھجوائے جانے کا شکریہ ادا کیا۔

۷۲- دعوت علماء
قادیان کے غیر احمدیوں نے مارچ ۱۹۲۲ کو قادیان میں جلسہ کیا۔حضرت مصلح موعود نے اس جلسہ پر آنے والے غیر از جماعت علماء کو تحقیق کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا اختلاف مذہبی ہے اس لئے اس کو حل بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے منشاء کے مطابق ہونا چاہئے۔اس کے لئے آپ نے تین طریق پیش فرمائے۔۱۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو منہاج نبوت پر پرکھیں۔۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوی سے پہلے کی زندگی اور کثرت غیب سے آگاہی کے معیار پر پرکھیں۔اگر تسلی و تشفی نہ ہو تو پھر ایک جلسہ عام منعقد کر کے حق کی تلاش کی کوشش کی جائے۔۳۔اگر مندرجہ بالا طریق منظور نہ ہو تو پھر قرآن کریم کے حکم کے مطابق مباہلہ کر لیا جائے۔

۷۳- خطاب جلسہ سالانہ ۲۷/دسمبر ۱۹۲۲ء
حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۲ء کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے مجلس مشاورت میں شمولیت اور مشورہ کی اہمیت بیان فرمائی۔اس خطاب میں حضور نے نفس انسانی کو پاک کرنے اور روحانی بیماریوں سے تحفظ کے لئے دو بنیادی امور بیان فرمائے۔اسی طرح تین روحانی گناہوں یا بیماریوں کا بھی ذکر فرمایا کہ جن سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

۷٤- نجات
حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۲ء کے آخری روز مسئلہ نجات کے موضوع پر تقریر فرمائی۔اس میں نجات کے معنی اس کی تعریف اور نجات کی سات اقسام بیان فرمائیں اور نجات حاصل کرنے والوں کی گیارہ صفات وعلامات بیان فرمائیں۔

۷۵- پیغام صلح
۱۴/نومبر ۱۹۲۳ء کو حضرت مصلح موعود نے ہندوؤں اور...... کے ایک مجمع میں بریڈ ہال لاہور میں تقریر فرمائی۔اس میں آپ نے......اور ہندوؤں کے درمیان صلح پر زور دیا۔اس صلح کے لئے آپ نے اس کا حقیقی حل پیش فرمایا۔آپ نے فرمایا کہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور بعض اوقات انفرادی معاملات کو قومی سمجھ لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے قومی اتحاد کو نقصان پہنچتا ہے۔آپ نے......کی خود حفاظتی کے لیے سات نہایت اہم تجاویز پیش فرمائیں۔

۷٦- دعوۃ الامیر
حضرت مصلح موعود نے ۱۹۲۲ء کو والئی افغانستان کو احمدیت کی صداقت سے آگاہ کرنے کے لیے ایک مفصل خط تحریر فرمایا۔جو کہ ۱۹۲۴ء کو ضخیم کتابی شکل میں شائع ہوا۔اس خط میں آپ نے جماعت احمدیہ کے عقائد نہایت تفصیل کے ساتھ پیش فرمائے۔اسی طرح جماعت احمدیہ کی صداقت نہایت مدلل انداز میں پیش فرمائی۔اس کتاب کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ خدائی تائید شامل ہے اور اس کے الفاظ انسانی الفاظ نہیں رہے بلکہ خدا تعالیٰ کے القاء کردہ الفاظ ہو گئے ہیں۔

۷۷- احمدیت یعنی حقیقی ......

۱۹۲۴ء کو لندن میں ویمبلے نمائش منعقد ہوئی۔ اس میں ایک مذہبی کانفرنس کا انعقاد بھی کیا گیا۔ اس کانفرنس میں حضرت مصلح موعود کو بھی لیکچر دینے کی دعوت دی گئی۔ اس مقصد کے لئے حضرت مصلح موعود نے صرف دو ہفتوں سے بھی کم وقت میں ایک ضخیم کتاب تصنیف فرمائی۔ اس مضمون کو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے اس کانفرنس میں پڑھ کر سنایا۔ یہ ایک نہایت اچھوتا مضمون تھا جس کو سن کر عیسائی بھی بے اختیار کہہ اٹھے کہ یہ غیر معمولی مضمون ہے۔ اس مضمون میں حضرت مصلح موعود نے ...... کی تعلیم پر مختلف جہات سے روشنی ڈالی۔ آپ نے مذہب کے چار مقاصد بیان فرمائے۔ ...... اور مذہب کی نہایت اچھوتی تعلیم سن کر انگریز سامعین بے اختیار کہہ اٹھے کہ

"Rare address, one can not hear such addresses every day"

اس کتاب کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ خدائی تائید شامل ہے اور اس کے الفاظ انسانی الفاظ نہیں رہے بلکہ خدا تعالیٰ کے القاء کردہ الفاظ ہو گئے ہیں۔ اس کانفرنس میں یہ ساری کتاب پیش نہ کی جا سکتی تھی کیونکہ وقت محدود تھا اس لئے اس موقعہ پر اس کتاب کا صرف خلاصہ پیش کیا جا سکا۔

۷۸- یاد ایام

حضرت مصلح موعود کی ابتدائی زندگی کے حالات کی ایک خود نوشت ہے۔ اس میں آپ نے ۱۹۰۰ء میں پیش آنے والی روحانی واردات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ۱۹۰۰ء نے دنیا میں قدم رکھا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں۔ فرمایا کہ میں دیر تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے وہ گھڑی میرے لیے کیسی خوشی کی گھڑی تھی کہ میرا پیدا کرنے والا خدا مجھے مل گیا۔ اسی طرح اس مختصر رسالہ میں آپ نے اپنے ساتھ پیش آنے والی کئی روحانی کیفیات کا ذکر فرمایا۔

۷۹- مجمع البحرین

احمدیت یعنی حقیقی ...... کے عنوان سے جو کتاب حضرت مصلح موعود نے تحریر فرمائی چونکہ وہ ضخیم کتاب تھی اور ۱۹۲۴ء کی ویمبلے کانفرنس میں وقت محدود تھا اس لئے اس موقعہ پر پیش کرنے کے لئے اس کا خلاصہ تیار کیا گیا۔ جو بعد میں مجمع البحرین کے نام سے شائع ہوا۔

۸۰- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیم

لندن کی نوجوانوں کی ایک انجمن نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیم کے بارے میں ایک تقریر کی درخواست کی۔ اس پر آپ نے ایک مضمون لکھا جس کا انگریزی ترجمہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ اس مضمون میں آپ نے

فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھے اس شخص کے حالات اور تعلیم بیان کرنے کا موقع دیا ہے جو انسانوں میں سے مجھے سب سے زیادہ پیارا اور عزیز ہے اور جو نہ صرف بڑی عمر کے لوگوں کا راہنما ہے بلکہ چھوٹے بچوں کا بھی راہنما ہے۔

۸۱- من انصاری الی اللہ

۱۹۲۴ء کے اشاعت ...... کی غرض سے سفر انگلستان کے نتیجہ میں اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا اس پر حضرت مصلح موعود نے ۱۲/ فروری ۱۹۲۵ کو...... اقصیٰ قادیان میں جماعت کو ایک لاکھ روپے کے چندہ کی تحریک فرمائی۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک خطاب کیا جو کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں اس زمانے کی اشاعت ...... کی ضروریات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس شخص کا زمانہ پایا ہے جس کے زمانہ کی خبر حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سب رسولوں نے دی تھی۔ فرمایا کہ یہ زمانہ اشاعت کا زمانہ ہے اور اشاعت کا زمانہ میں سخت مالی قربانیوں کو چاہتا ہے پس نہ صرف یہ کہ آپ کو ہر سال مالی امداد میں پہلے سالوں سے زیادہ حصہ لینا چاہئے بلکہ چاہئے کہ آپ لوگ کوشش کریں کہ اپنی آمدنوں کو بڑھائیں اور اپنے وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

۸۲- جماعت احمدیہ کے عقائد

حضرت مصلح موعود نے الفضل ۱۲، ۱۴/ مئی ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں ایک مضمون تحریر فرمایا جس میں جماعت احمدیہ کے عقائد دربارہ خدا تعالیٰ، ملائکہ، کلام الٰہی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے عقائد بیان فرمائے۔

۸۳- مخالفین احمدیت کے بارہ میں جماعت احمدیہ کو نصیحت

حضرت مصلح موعود نے جولائی ۱۹۲۵ء کو مخالفین احمدیت کے بارے میں تقریر کی جو کہ کتابی شکل میں شائع ہوئی اس تقریر میں آپ نے فرمایا کہ اگر ہم صداقت اور راستی کے سچے حامل بن جائیں اور ہماری اپنی اصلاح ہوجائے تو یقیناً کسی مخالف کی مخالفت ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کتاب میں حضرت مصلح موعود نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادم کی حیثیت سے تمام علماء کو یہ چیلنج دیا کہ مجھ سے اس بات پر مقابلہ کرلیں کہ قرآن کریم کے تین رکوع کسی جگہ سے قرعہ ڈال کر انتخاب کرلیں اور تین دن کے اندر اس ٹکڑے کی ایسی تفسیر لکھیں جس میں چند ایسے نکات ضرور موجود ہوں جو پہلی کسی کتاب میں موجود نہ ہوں۔ میں بھی اسی ٹکڑے کی تفسیر لکھوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں اس کی تشریح بیان کروں گا اور کم سے کم چند ایسے معارف بیان کروں گا جو اس سے پہلے کسی مفسر یا مصنف نہ لکھے ہوں۔ فرمایا میں ان مولویوں کو اپنے مقابلہ پر بلاتا ہوں اگر وہ آئیں تو دیکھیں گے کہ حضرت مرزا صاحب کے ایک ادنیٰ غلام کے مقابلہ میں ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ان کی قلمیں ٹوٹ جائیں گی ان کے دماغوں پر پردے پڑ جائیں گے۔ اور وہ کچھ نہیں لکھ سکیں گے۔ اگر ان میں ہمت اور جرأت ہے تو مقابلہ پر آئیں۔

۸۴- منہاج الطالبین

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۲۵ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ۲۷ اور ۲۸ ردسمبر کو جماعت کی ترقی و اصلاح کے موضوع پر دو تقاریر کیں۔ اس میں آپ نے گناہوں سے بچنے کے لئے بنیاد تزکیہ نفس اور تقوی کو قرار دیا۔ پھر انسان کے کامل بننے کے لئے آپ نے فرمایا کہ انسان کا خدا سے اور مخلوق دونوں سے تعلق درست ہونا لازمی چیز ہے۔ آپ نے گناہوں سے بچنے کے تین طریق بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ انسان کو بدیوں کی آگاہی ہو اور نیکی سے باخبر ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ معلوم ہو کہ نیکیوں پر عمل کس طرح ہو سکتا ہے اور بدیوں سے بچا کس طرح جا سکتا ہے۔ تیسرے اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کے اندر کونسی بدیاں ہے جنہیں اس نے دور کرنا ہے۔ اس معرکۃ الآراء خطاب میں حضرت مصلح موعود نے بدیوں سے آگاہی کے لئے اور اسی طرح نیکیوں پر عمل کرنے کے لیے دونوں کی ایک ایک تفصیلی فہرست بیان فرمادی تا کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۸۵- حق الیقین

''ہفوات المؤمنین'' نام سے ایک کتاب شیعہ مصنف مرزا سلطان نے لکھنؤ سے شائع کی جس میں آئمہ...... اور بزرگان دین کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کتاب کا جواب حضرت مصلح موعود نے ۱۹۲۶ء کو خود تحریر فرمایا۔ اس کتاب میں حضور نے ان تمام بزرگوں کا دفاع فرمایا اسی طرح علم حدیث پر بھی بحث فرمائی اور جن احادیث پر اعتراض کیا گیا تھا ان کی ایسی تشریح فرمائی کہ وہ علم کا خزانہ دکھائی دینے لگیں۔ حضرت مصلح موعود نے اس کتاب میں شیعہ مصنف کے تمام اعتراضات کا رد نمبروار کیا ہے۔

۸۶- مذہب اور سائنس

حضرت مصلح موعود نے سائنس یونین اسلامیہ کالج کی درخواست پر ۳ رمارچ ۱۹۲۷ء کو حبیبیہ ہال لاہور میں مذہب اور سائنس لیکچر ارشاد فرمایا۔ آپ نے اس خیال کی تردید فرمائی کہ مذہب اور سائنس میں تضاد ہے۔ فرمایا اس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے مذہب خدا کا کلام ہے اور سائنس خدا کا فعل اور کسی عقلمند کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوا کرتا۔

۸۷- فیصلہ ورتمان کے بعد مسلمانوں کا اہم فرض

ہندو رسالہ ورتمان میں ایک مضمون سیر دوزخ چھپا جس میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک عزت کی گئی۔ مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا جس کے نتیجہ میں اس پر مقدمہ چلا اور اس کو سزا ہوئی اس پر مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس موقعہ پر مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے حضرت مصلح موعود نے ایک مضمون تحریر فرمایا اور لکھا کہ میرا دل غمگین ہے کیونکہ میں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک عزت کی قیمت ایک سال کے جیل خانہ کو نہیں قرار دیتا۔ میں ان لوگوں کی طرح جو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والے کی سزا قتل ہے ایک آدمی کی جان کو بھی اس کی قیمت قرار نہیں دیتا۔ کیونکہ میرے آقا کی عزت اس سے بالا ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا قتل اس کی قیمت قرار دی جائے۔ کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ میرا آقا دنیا کو جلا دینے کے لئے آیا تھا نہ کہ مارنے

کیلئے۔وہ لوگوں کو زندگی بخشنے آیا تھا نہ کہ ان کی جان نکالنے کیلئے اور وہ زمین کو آباد کرنے کے لئے آیا تھا نہ کہ ویران کرنے کے لئے۔فرمایا ہمارا اصل کام یہ ہے کہ تبلیغ کرکے سب لوگوں کو...... بنالیں تا کہ کوئی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والا باقی نہ رہے۔

۸۸- لیکچر شملہ(...... کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں)

حضرت مصلح موعود نے ۱۱رستمبر ۱۹۲۷ء کو شملہ میں ایک لیکچر دیا جو تین گھنٹے جاری رہا۔اس جلسہ کی صدارت نواب سر ذوالفقار علی خان نے کی اور اس لیکچر کو حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی نے قلمبند کیا۔آپ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ قومی ترقی، انفرادی ترقی اور قومی ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتی۔آپ نے ان ذمہ داریوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ......کو اپنے اندر استقلال، ادب، خدمت خلق، خواہش مقابلہ، صفائی، پابندی وقت، جفاکشی، رواداری، قومی نظام، اور قومی آزادی اور تبلیغ کی روح پیدا کرنی ہوگی۔فرمایا کہ ہمیں مشترکہ امور میں متحد ہو کر ایک ہو جانا چاہئے اور باہمی اختلافات کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔

۸۹- ...... ہند کے امتحان کا وقت

۱۹۲۷ء کے اواخر میں حکومت انگلستان کے سر جان سائمن کو ہندوستان بھجوانے کا اعلان کیا جو کہ سائمن کمیشن کہلایا۔ مسلمانوں نے بعض وجوہات کی بنا پر اس کمیشن کا بائیکاٹ کر دیا۔اس موقعہ پر ۸ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو حضرت مصلح موعود نے......کو بروقت انتباہ کرنے کے لئے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا عنوان ''......ہند کے امتحان کا وقت'' رکھا۔آپ نے فرمایا کہ بائیکاٹ کا زیادہ اثر...... پر پڑے گا اور ہندوؤں پر سب سے کم اثر پڑے گا۔اس رسالہ میں آپ نے...... کے اہم مطالبات اور ان کی افادیت کا ذکر فرمایا۔

۹۰- دنیا کا محسن

ہندوستان میں بعض ہندوؤں کی وجہ سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں دن بدن بڑھتی چلی جاری تھیں۔اس وجہ سے ملک بھر میں فرقہ وارانہ کشیدگی نے نہایت خطرناک صورت حال اختیار کرلی۔اس حوالے سے حضرت مصلح موعود نے قادیان میں ایک بڑے جلسے کا انعقاد فرمایا اور اس میں تین گھنٹوں پر مشتمل تقریر فرمائی جو کہ کتابی شکل میں شائع ہوئی۔اس میں آپ نے نہایت اچھوتے انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت بیان فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنی نوع انسان پر عظیم احسانات کا ذکر فرمایا۔

۹۱- فضائل القرآن

حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۳۶ء کے درمیان چھ تقاریر فضائل القرآن کے موضوع پر فرمائیں۔ان تقاریر میں آپ نے قرآن مجید کے کئی

پہلوؤں پر نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ روشنی ڈالی۔ قرآن مجید کے پڑھنے اور اس کے مطالب عالیہ کو سمجھنے کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ اس مقصد کے لئے کن امور پر غور کرنا ضروری ہے۔ پھر ان سلسلہ تقاریر میں، جو کہ بعد میں کتابی شکل میں شائع ہو گئیں، مستشرقین کے قرآن پر پڑنے والے اعتراضات کا جواب بھی نہایت مدلل انداز میں پیش فرمایا۔

۹۲- تحفہ لارڈ ارون

۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء لارڈ ارون ہندوستان میں وائسرائے کے طور پر قیام پذیر رہے۔ انہوں نے ہندوستان میں ترقی کے غیر معمولی کام سرانجام دیئے۔ ان کی روانگی کے وقت ان کے اعزاز میں حضرت مصلح موعود نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا انگریزی ترجمہ مولانا عبد الرحیم درد صاحب نے کیا۔ اس کتاب کو عمدہ طباعت اور سنہری جلد کے ساتھ جماعت کے وفد نے لارڈ ارون کی خدمت میں پیش کیا۔ جواب میں وائسرائے نے اس تحفہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کو عمدہ اور بے نظیر تحفہ قرار دیا۔ اس کتاب کے تین ابواب ہیں۔ پہلے باب میں لارڈ ارون کی خدمات پر ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں یہ ذکر ہے کہ انگریز قوم کو اللہ تعالیٰ نے خاص مقاصد کے لئے ترقی دی ہے انہیں اس پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ تیسرے باب میں جماعت احمدیہ کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

۹۳- دنیا میں سچا مذہب صرف ...... ہی ہے

حضرت مصلح موعود کا یہ مدلل مضمون ریویو آف ریلیجز میں شائع ہوا۔ اس مضمون کا مقصد یہ تھا کہ یوم تبلیغ کے سلسلہ میں احباب جماعت غیر ...... دوستوں کے سامنے ...... کی صداقت پیش کرنے کے لئے اس مضمون سے مدد حاصل کر سکیں۔

۹۴- قرآن کریم پر ستیارتھ پرکاش کے اعتراضات کی حقیقت

ستیارتھ پرکاش جو آریہ سماج کی ایک اہم کتاب ہے اس میں قرآن کریم پر اعتراضات پر مبنی ایک مکمل باب تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت مصلح موعود نے اس باب کا نہایت مدلل جواب تحریر فرمایا جو کہ ۲۳ر فروری ۱۹۳۳ء کو الفضل میں شائع ہوا۔

۹۵- میری سارہ

حضرت مصلح موعود نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت سارہ بیگم صاحبہ کی وفات پر ۲۳ر جون ۱۹۳۳ء کو ایک نہایت ہی عظیم مضمون تحریر فرمایا جو کہ ۲۷ر جون ۱۹۳۳ء کو الفضل میں شائع ہوا۔ یہ مضمون ادبی طور پر بھی ایک شاہکار مضمون ہے۔ اس میں حضرت سارہ بیگم صاحبہ کے ساتھ آپ کے قلبی تعلق اور بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے اور حضرت سارہ بیگم صاحبہ کی عظمت اور اعلیٰ کردار بھی واضح ہوتا ہے۔

۹۶- پکارنے والے کی آواز

احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ لاہور نے ...... ٹریکٹس شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ حضرت مصلح موعود کا یہ ٹریکٹ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس ...... مضمون میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی یہ دلیل پیش فرمائی ہے کہ خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا دعویٰ کرنا اور دن بدن ترقی کرنا کسی ماموریت کے دعویدار کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

۹۷- آہ نادر شاہ کہاں گیا

۳رمئی ۱۹۰۵ء کو حضرت مسیح موعود کو الہام ہوا ''آہ نادر شاہ کہاں گیا۔'' اس وقت اس نام کا کوئی شخص معروف نہ تھا۔ ۲۵ سال بعد نادر نامی شخص افغانستان کا بادشاہ بن گیا اور نادر شاہ کہلانے لگا۔ اپنی بہادری اور ذہانت کی وجہ سے جلد ہی شہرت پا گیا۔ مگر اچانک ۸رنومبر ۱۹۳۳ء کو قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بارہ روز بعد حضرت مصلح موعود نے ایک مضمون تحریر فرمایا جو کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا عظیم الشان ثبوت قرار دیا۔ اس کا فارسی ترجمہ حضرت عبید اللہ بسمل صاحب نے ''آہ نادر شاہ کجا رفت'' کے عنوان سے کیا۔

۹۸- رحمة للعالمين صلى الله عليه وسلم

حضرت مصلح موعود نے ۱۹۳۳ء میں یہ نہایت اچھوتا مضمون تصنیف فرمایا جو بعد ازاں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین ثابت کرتے ہوئے آپ کو آسمانوں، زمین، فرشتوں، زمانہ انسانیت، نسل انسانی، انبیائے سابقہ، گذشتہ کتب، انسانی ضمیر اور آئندہ نسلوں غرضیکہ سب کے لئے رحمت ثابت کیا۔ فرمایا:

> ''میں انتہائی کرب میں تھا کہ مجھے ایک اور آواز سنائی دی۔ ایسی قریب کہ اس کے قرب کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ وہ میری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب تھی۔ اور اس نے کہا۔ افسوس نہ کر۔ میری طرف دیکھ۔ جو چیز تیرے لئے ماضی ہے میرے لئے حال۔ بے شک کمزور انسان ماضی کو ناقابل وصول سمجھتا ہے اور سمجھتا رہا ہے لیکن میرے سامنے ماضی اور مستقبل سب ایک سے ہیں۔ جس وجود کو تو دیکھنا چاہتا ہے میں نے اس کے ماضی کو مستقبل سے بدل دیا ہے۔ میری طرف سیدھا چلا آ۔ تو اسکو میرے قرب میں، میری جنت کے اعلیٰ مقامات میں میرے کوثر کے کنارے پر اسی طرح میری نعمتیں تقسیم کرتا ہوا پائے گا جس طرح (۱۳) تیرہ صدیاں گزریں۔ دنیا کے لوگوں نے اسے ہر قسم کی نعمتیں تقسیم کرتے ہوئے پایا تھا......''

۹۹- اسوۂ کامل

۲۶رنومبر ۱۹۳۳ء کو حضرت مصلح موعود نے جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ پر جو تقریر فرمائی وہ بعد میں ''اسوۂ کامل'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس میں آپ نے

سورۃ فاتحہ میں بیان فرمودہ چار صفات الٰہیہ رب، رحمن، رحیم اور مالک یوم الدین کی روشنی میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا مظہر اتم قرار دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے ہر شعبہ میں کامل نمونہ ثابت فرمایا۔

۱۰۰- اہم اور ضروری امور

حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۳ء کو جو خطاب ارشاد فرمایا وہ کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے متفرق امور پر ہدایات فرمائیں۔ جیسے جماعتی کتب کی خرید و فروخت کے متعلق توجہ دلائی۔ رمضان المبارک میں جلسہ سالانہ منعقد کرنے کی حکمت بیان فرمائیں۔ دوران سال ہونے والی دعوت الی اللہ کے ایمان افروز واقعات بیان فرمائے۔...... کشمیر کے لئے چندہ کی تحریک فرمائی۔ عورتوں کو تعلیم دلوانے کے متعلق اپنا نقطہ نظر پیش فرمایا۔

۱۰۱- احمدیت کے اصول

حضرت مصلح موعود نے ۲۵/ جنوری ۱۹۳۴ء کو قصور میں خطاب فرمایا جس کو بعد ازاں کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس خطاب میں آپ نے جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض بیان فرمائی۔ سورۃ جمعہ کی پہلی تین آیات کی پرمعارف تفسیر بیان فرمائی۔

۱۰۲- تحقیق حق کا صحیح طریق

حضرت مصلح موعود نے ۸/ اپریل ۱۹۳۴ء کو لائلپور میں ایک خطاب فرمایا جس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس خطاب کا موضوع تبلیغ تھا۔ اس میں آپ نے کسی بھی امر سے متعلق تحقیق کرنے کے چند بنیادی اصول بیان فرمائے۔ اسی طرح ...... میں پیدا ہونے والے بعض غلط اور خلاف عقل عقائد پر تبصرہ فرماتے ہوئے ان کی اصلاح فرمائی۔

۱۰۳- ڈاکٹر سر محمد اقبال اور احمدیہ جماعت

ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک بیان جاری کیا جو کہ ۳/ مئی ۱۹۳۵ء کو اخبار زمیندار اور احسان میں شائع ہوا جس میں انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ جماعت احمدیہ کو ایک غیر ...... اقلیت قرار دے۔ اس کے جواب میں حضرت مصلح موعود نے ایک نہایت مدلل مضمون تحریر فرمایا جو الفضل میں شائع ہونے کے علاوہ ایک ٹریکٹ کی شکل میں بھی شائع ہوا۔ آپ نے فرمایا ''کاش سر محمد اقبال اس عمر میں ان امور کی طرف توجہ کرنے کی بجائے ذکر الٰہی اور احکام ...... کی بجا آوری کی طرف توجہ کرتے ...... اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع کے طور پر اپنے رب کے حضور میں پیش ہوسکتے۔''

۱۰۴- وہی ہمارا کرشن

حضرت مصلح موعود نے یہ ٹریکٹ ہندوستان کو نہایت محبت سے نہایت لطیف انداز سے دعوت الی اللہ کی غرض سے تحریر فرمایا جس کو یوم التبلیغ کے موقعہ پر انجمن احمدیہ خدام ...... نے شائع کیا۔ آپ نے ہندوؤں میں شرک داخل ہونے کی وجہ خدا تعالیٰ سے دوری بیان فرمائی

اور فرمایا کہ نہ کرشن نے اور نہ رام چندر نے کسی مورتی کے آگے سر جھکایا۔ پس آپ لوگ وہ کام کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے نہ کیا۔ پھر فرمایا کہ اس زمانہ میں کرشن علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق وہ نہہ کلنک اوتار آیا ہے تاکہ دوبارہ ہر شخص جو پرماتما سے محبت کرنا چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے اپنے ایشور کو مل سکے۔

۱۰۵ - تحریک جدید ایک قطرہ ہے قربانیوں کے اس سمندر کا جو تمہارے سامنے آنے والا ہے

۲۸ / جون ۱۹۳۶ء کو قادیان میں تحریک جدید کے سلسلے میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں حضرت مصلح موعود نے واقعات کے ذریعہ قربانیوں کے فلسفہ اور اہمیت پر زور دیا۔ فرمایا کہ دنیا کا یہ اصول ہے کہ بڑی چیزوں پر ہمیشہ چھوٹی چیزوں کو قربان کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے برعکس ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کمزور انسانیت کے لئے اپنے قیمتی جوہروں کو قربان کیا۔ چنانچہ ہر دور میں جب انسان بدبختی اور شقاوت کا شکار ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے قیمتی وجود یعنی انبیاء کو بھیجا جنہوں نے اس قوم کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں پیش کیں۔ فرمایا آخر پر ہمیں ان تمام قربانیوں کا اجتماع حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نظر آتا ہے۔ آپ کو اس قدر قربانی دینا پڑی کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا ''اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاید کہ غم کی چھری تجھ کو ذبح کرتے کرتے تیری گردن کے آخری تسموں کو بھی کاٹ دے گی''۔

تحریک جدید کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ''تحریک جدید تو ایک قطرہ ہے اس سمندر کا جو قربانیوں کا تمہارے سامنے آنے والا ہے۔ جو شخص قطرہ سے ڈرتا ہے وہ سمندر میں کب کودے گا۔ ابھی تو اس سمندر میں تمہیں تیرنا ہے۔ جس سمندر میں تیرنے کے بعد دنیا کی اصلاح کا موقع تمہیں میسر آئے گا۔''

۱۰۶ - انقلاب حقیقی

حضرت مصلح موعود کا خطاب جو آپ نے ۲۸ / دسمبر ۱۹۳۷ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر فرمایا اور بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے قومی زندگی کے لئے دو اصول بیان فرمائے پہلا یہ کہ دنیا میں کوئی بھی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس میں کوئی پیغام نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ اصلاح کے ہمیشہ دو ذرائع ہوتے ہیں یا صلح یا جنگ یعنی یا تو صلح کے ساتھ وہ پیغام پھیلتا ہے یا جنگ اور لڑائی کے ساتھ پیغام پھیلتا ہے۔ فرمایا تمام مادی تحریکیں اسی ذیل میں آتی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مذہبی تحریکات کے سات بڑے ادوار کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا۔

۱۰۷ - سیر روحانی

حضرت مصلح موعود ۱۹۳۸ء میں ایک رؤیا کی بنا پر قادیان سے حیدرآباد دکن کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر کے دوران آپ نے ۱۶ مادی اشیاء کا مشاہدہ کیا۔ ان مشاہدات کا ذکر آپ نے اپنی تقاریر ''سیر روحانی'' میں کیا۔ یہ خطاب آپ نے ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۵۸ء کے درمیانی عرصے میں کیے۔ یہ مجموعہ ہائے خطاب متعدد مرتبہ شائع ہوا۔ زیر نظر جلد فضل عمر فاؤنڈیشن کی طرف سے ایک جلد ۸۰۶

صفحات پر مشتمل شائع ہوئی۔

۱۰۸- خلافت راشدہ حضرت مصلح موعود نے ۱۹۳۹ء خلافت جوبلی کی تقریب کے موقع پر خلافت راشدہ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ یہ تقریر دو دن ۲۸، ۲۹؍دسمبر جاری رہی اور ۱۹۶۱ء میں پہلی مرتبہ کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ اس تقریر میں حضرت مصلح موعود نے نظام خلافت اور خلیفہ وقت کے مقام واختیارات پر تفصیل سے بحث فرمائی۔ اور آیت استخلاف پر اٹھنے والے تمام اعتراضات کا جواب پیش فرمایا ہے۔

۱۰۹- میں ...... کو کیوں مانتا ہوں حضرت مصلح موعود کا وہ معرکۃ الآراء خطاب جو آپ نے ۱۹؍فروری ۱۹۴۰ء کو رات ساڑھے آٹھ بجے بمبئی ریڈیو پر ارشاد فرمایا۔ بعد میں یہ کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس خطاب میں حضرت مصلح موعود نے ...... کی پانچ خوبیاں بیان فرمائیں۔ (۱) ...... ہر وہ امر جس کو ماننا ضروری قرار دیتا ہے اس پر ایمان لانے کی دلیل بھی دیتا ہے۔ (۲) ...... قصوں پر یقین نہیں رکھتا۔ (۳) ...... یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدا کے کام اور کلام میں فرق نہیں ہے۔ (۴) یہ کہ ...... کسی کے جذبات کو نہیں کچلتا بلکہ ان کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔ (۵) ...... نہ صرف اپنے ماننے والوں سے بلکہ سب دنیا سے انصاف بلکہ محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۱۱۰- نظام نو ۱۹۴۲ء میں جب دنیا کے حالات خاصے دگرگوں تھے اور سرمایہ دارانہ نظام، اشتراکیت اور دیگر نظام ہائے زندگی آپس میں متصادم تھے۔ ایسے موقع پر دنیا کی راہنمائی کے لئے حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ ۱۹۴۲ء کے موقعہ پر نظام نو کی تعمیر پر خطاب ارشاد فرمایا۔ اس میں آپ نے اشتراکی نظام کے سات بنیادی نقائص بیان فرمائے۔ پھر فرمایا کہ قرآن کریم کی عظیم الشان تعلیم کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے ہاتھوں ۱۹۰۵ء میں نظام نو کی بنیاد نظام وصیت کے ذریعہ قادیان میں رکھی۔ جس کو مضبوط اور قریب تر لانے کے لئے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید جیسی عظیم الشان تحریک کا القاء فرمایا۔ پھر آپ فرماتے ہیں ''جب وصیت کا نظام مکمل ہوگا تو صرف تبلیغ ہی اس سے نہ ہوگی بلکہ ...... کے منشاء کے ماتحت ہر فرد بشر کی ضرورت کو اس سے پورا کیا جائے گا اور دکھ اور تنگی کو دنیا سے مٹا دیا جائے گا انشاء اللہ۔ یتیم بھیک نہ مانگے گا، بیوہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے گی۔ بے سامان پریشان نہ پھرے گا کیونکہ وصیت بچوں کی ماں ہوگی، جوانوں کی باپ ہوگی، عورتوں کا سہاگ ہوگی اور جبر کے بغیر محبت اور دلی خوشی کے ساتھ بھائی بھائی کی اس کے ذریعہ سے مدد کرے گا اور اس کا دینا بے بدلہ نہ ہوگا بلکہ ہر دینے والا خدا تعالیٰ سے بہتر بدلہ پائے گا۔ نہ امیر گھاٹے میں رہے گا نہ غریب، نہ قوم قوم سے لڑے گی پس اس کا احسان سب دنیا پر وسیع ہوگا۔''

۱۱۱ - محبت الٰہی ہی ساری ترقیات کی جڑ ہے

۱۹۴۳ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے ''محبت الٰہی ہی ساری ترقیات کی جڑ ہے'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اس تقریر کو روزنامہ الفضل نے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۳ء کو شائع کیا۔ فرمایا: ''دنیا کی روحانی ترقی کا سارا دارومدار کلی طور پر بغیر کسی استثناء کے اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت قائم رہے، جس کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی گود میں داخل ہو جاؤں اور اس کے دامن کو پکڑ لوں ایسا انسان کبھی بھی خواہ وہ کتنے ہی گناہوں میں ملوث ہو گناہوں کی موت نہیں مرتا اور نہیں مر سکتا۔''

۱۱۲ - اسوہ حسنہ

حضرت مصلح موعود نے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۳ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اسوہ حسنہ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آپ نے فرمایا کہ ہمارا کوئی بھی قول و فعل اور حرکت و سکون ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کے خلاف ہو کیونکہ ہماری نجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع میں ہے۔ اس میں آپ نے پانچ بنیادی اخلاق فاضلہ بیان فرمائے۔ ۱۔ صلہ رحمی۔ ۲۔ مہمان نوازی۔ ۳۔ ناداروں اور معذوروں کی امداد۔ ۴۔ ضرورت مند طبقہ کی اعانت۔ ۵۔ قومی ترقی کے لئے نئے نئے راستوں کی تلاش۔ ان اخلاق کا ذکر کر کے حضور نے فرمایا کہ ان پانچ اخلاق کے سنورنے سے نہ صرف اہلی زندگی درست ہوتی ہے بلکہ انسان کے بین الاقوامی تعلقات بھی ہمیشہ کے لئے درست ہو جاتے ہیں۔

۱۱۳ - دعویٰ مصلح موعود کے متعلق پر شوکت اعلان

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوشیار پور کے چلہ کے دوران کئی خوشخبریاں عطا فرمائیں ان میں سے ایک غیر معمولی صفات کے حامل بیٹے کے پیدا ہونے کی خبر بھی تھی۔ حضور علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو یہ پیشگوئی اخبار ریاض ہند میں شائع کروادی۔ یہ **''پیشگوئی مصلح موعود''** کے نام سے معروف ہے۔ جنوری ۱۹۴۴ء کو حضرت اُمِ طاہر کی بیماری کے سلسلے میں حضرت مصلح موعود لاہور میں حضرت شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر مقیم تھے۔ ایک رؤیا کے ذریعہ آپ پر یہ انکشاف ہوا کہ آپ ہی وہ پسر موعود و مصلح موعود ہیں جس کا پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں ذکر ہے۔ اس پر آپ نے ۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء کو قادیان میں خطبہ جمعہ کے دوران اپنی تازہ رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ **''میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں''**۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد آپ نے ۲۰ فروری ۱۹۴۴ء کو ہوشیار پور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اس پیشگوئی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

> ''میں آج اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ و تصرف میں میری جان ہے کہ میں نے جو رؤیا بتائی ہے وہ مجھے اسی طرح آئی ہے الا ما شاء اللہ کوئی خفیف سا فرق بیان

کرنے میں ہو گیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ میں خدا کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ میں نے کشفی حالت میں کہا انا المسیح الموعود مثیلہ و خلیفتہ اور میں نے اس کشف میں خدا کے حکم سے یہ کہا کہ میں وہ ہوں جس کے ظہور کے لئے انیس سو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں۔''

اس سلسلے میں دوسرا جلسہ لاہور میں ۱۲/ مارچ ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ جبکہ تیسرا جلسہ لدھیانہ میں ۲۳/ مارچ ۱۹۴۴ء کو ہوا۔

۱۱۴ - خلافت کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے وابستہ رہو

حضرت مصلح موعود نے ۲۵/ جون ۱۹۴۴ء کو نماز عصر کے بعد قادیان میں ایک تقریب کے دوران اس موضوع پر خطاب فرمایا جو کہ بعد میں الفضل میں چھپا۔ اس میں حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی کو دائمی بنائیں تو اس کے لئے اس زمانہ کے مامور اور نبی اللہ کے ذریعہ قائم کردہ خلافت کے ساتھ وابستہ رہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق قائم رکھنے کا اب یہی ایک ذریعہ ہے۔ فرمایا: ''اب ہماری جماعت کا کام ہے کہ وہ غفلت اور کوتاہی کا ازالہ کرے اور خلافت احمدیہ کو ایسی مضبوطی سے قائم رکھے کہ قیامت تک کوئی دشمن اس میں رخنہ اندازی کرنے کی جرأت نہ کر سکے اور جماعت اپنی روحانیت اور اتحاد اور تنظیم کی برکت سے ساری دنیا کو دین کی آغوش میں لے آئے۔''

۱۱۵ - میری مریم

حضرت ام طاہر سیدہ مریم بیگم صاحبہ ۵/ مارچ ۱۹۴۴ء کو لاہور میں کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد وفات پا گئیں۔ آپ کی وفات پوری جماعت کے لئے ایک نہایت تکلیف دہ خبر تھی۔ حضرت مصلح موعود نے اس دردناک حقیقت کو بے مثال صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور ابتدائی تین ماہ تک اس بارے میں کچھ بھی تحریر نہ فرمایا۔ بعد ازاں آپ نے حضرت سیدہ ام طاہر کے سوانح، ان کے خصائل، عادات اور کارناموں کے بارے میں تفصیلات پیش فرمائیں۔

۱۱۶ - الموعود

۲۸/ دسمبر ۱۹۴۴ء کو حضرت مصلح موعود نے جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر مصلح موعود کی پیشگوئی اور اس کا اپنے پر اطلاق کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آپ نے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے اعتراضات کا بھی رد فرمایا۔ یہ تقریر بعد ازاں کتابی شکل میں شائع کی گئی۔

۱۱۷ - ...... کا اقتصادی نظام

حضرت مصلح موعود نے ۲۶/ فروری ۱۹۴۵ء لاہور میں احمدیہ انٹرکالجیئیٹ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام مختلف مذاہب کے لوگوں میں ...... کے اقتصادی نظام پر خطاب فرمایا۔ یہ خطاب اڑھائی گھنٹہ تک جاری رہا۔ حضرت مصلح موعود نے خطاب کے آغاز میں ...... کی اقتصادی تعلیم کا ماحول بیان فرمایا اور اموال سے متعلق ...... نظریہ کی وضاحت کی اور نہایت تفصیل سے بتایا کہ ...... نے کس طرح صرف دولت کے غلط استعمال ہی کو نہیں روکا بلکہ اس کے حصول کے ناجائز طریقوں کا بھی

قلع قمع کیا ہے۔ خطاب کے دوسرے حصے میں آپ نے کمیونزم کی تحریک کا مذہبی، اقتصادی، سیاسی، نظریاتی اور عملی لحاظ سے تفصیلی جائزہ لیا۔

۱۱۸ - یورپ کا پہلا ...... شریف دوتسا

۱۹۴۶ء کو البانیہ کے ممتاز احمدی دوست شریف دوتسا کمیونسٹ حکومت کے ہاتھوں اپنے خاندان سمیت ...... کر دئے گئے۔ ان کی قربانی کا واقعہ حضرت مصلح موعود نے اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا جو کہ ۱۲/ جولائی ۱۹۴۶ء کی الفضل کی اشاعت میں شائع ہوا۔

۱۱۹ - دنیا کی موجودہ بے چینی کا ...... کیا علاج پیش کرتا ہے

عالمگیر امن کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مصلح موعود نے ۹/ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو دہلی میں ایک خطاب فرمایا جس میں کئی سو غیر ...... معززین تشریف لائے۔ یہ تقریر الفضل میں شائع ہوئی۔

۱۲۰ - پاکستان کا مستقبل

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد حضرت مصلح موعود نے لاہور میں ''پاکستان کا مستقبل'' کے موضوع پر لیکچر دئے۔ ان میں بڑے بڑے دانشور اور سکالر شامل ہوئے۔ پہلے پانچ لیکچر مینارڈ ہال لاہور میں جبکہ چھٹا لیکچر یونیورسٹی ہال لاہور میں ہوا۔ حضرت مصلح موعود نے اپنے خطاب میں نباتی، زرعی، حیوانی اور معنوی دولت کے لحاظ سے پاکستان کو ترقی دینے کے بارے میں نہایت مفید تجاویز سے نوازا۔

۱۲۱ - قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

قیام پاکستان کے بعد حضرت مصلح موعود نے لاہور، کراچی، سیالکوٹ، جہلم، نوشہرہ، مردان اور پشاور میں استحکام پاکستان کے موضوع پر لیکچر ارشاد فرمائے۔ اسی سلسلہ میں ایک لیکچر حضرت مصلح موعود نے ۱۸/ مارچ ۱۹۴۸ء کو تھیوسافیکل ہال کراچی میں لجنہ اماء اللہ کے زیر انتظام ارشاد فرمایا۔ آپ نے خواتین کو ان کے فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا اور انہیں قربانی اور ایثار کے لئے سرگرم عمل ہونے پر زور دیا۔ فرمایا یہ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی قوم عورتوں کے تعاون کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔

۱۲۲ - آخر ہم کیا چاہتے ہیں

حضرت مصلح موعود نے تقسیم ہند کے بعد یہ مقالہ تحریر فرمایا جو کہ بعد میں پمفلٹ کی صورت میں مہتمم نشر و اشاعت لاہور نے شائع کیا۔ اس میں حضرت مصلح موعود نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف توجہ دلائی کہ انسان کو چاہئے کہ وہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے۔ فرمایا ہمارے تمام مسائل کا حل اسی اصول میں پنہاں ہے اگر ہم اپنے اندر یہ روح پیدا کر لیں تو ہمارے تمام مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

۱۲۳ - الکفر ملۃ واحدۃ

۱۶ر مئی ۱۹۴۸ء کو جب استعماری قوتوں نے فلسطین کو ناجائز طور پر تقسیم کروا کر اسرائیل کی بنیاد رکھوائی تو اسی وقت حضرت مصلح موعود کی دور رس نگاہ نے مستقبل میں پیش آمدہ حالات کو بھانپ لیا۔ ان خطرناک حالات سے آگاہ کرنے کے لئے آپ نے ایک مضمون تحریر فرمایا جو کہ ۲۱ر مئی ۱۹۴۸ء کے روزنامہ الفضل میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے نہایت دردمندی سے عالم اسلام کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ عرب کے عین قلب میں ایک یہودی ریاست کا قیام نہایت نقصان دہ ہے۔...... آپس کے اختلافات دور کریں اور آپس میں متحد ہو کر صیہونیت کا مقابلہ کریں۔ اس مضمون کا عربی ترجمہ کر کے تمام عرب دنیا میں کثرت سے تقسیم کیا گیا۔ جس پر عرب پریس نے اس مضمون کو بہت اہمیت دی۔

۱۲۴ - ...... بلوچستان سے ایک اہم خطاب

۱۴ر جون ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود نے کوئٹہ کا دورہ فرمایا۔ اس موقعہ پر آپ کے اعزاز میں ایک دعوت عصرانہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں آپ نے خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آپ نے فرمایا کہ ملک میں...... آئین نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر...... پہلے اپنے نفس پر...... احکام جاری کرنے کی کوشش کرے اپنے آپ کو سچا اور حقیقی...... بنائے بغیر کبھی ہمیں اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل نہیں ہو سکتی۔

۱۲۵ - پاکستان ایک اینٹ ہے اُس ...... عمارت کی جسے ہم نے دنیا میں قائم کرنا ہے

یہ خطاب حضور نے ۴ر جولائی ۱۹۴۸ء کو ٹاؤن ہال کوئٹہ میں ارشاد فرمایا جس کو الفضل نے ۲۳ر مارچ ۱۹۵۲ء کو شائع کیا۔ کوئٹہ کے دورہ کے دوران حضور نے متعدد بصیرت افروز اور معلومات افزا لیکچر ارشاد فرمائے۔ اس لیکچر میں حضرت مصلح موعود نے پاکستان کو پیش آمدہ اہم ملکی مسائل میں اہل پاکستان کی راہنمائی کرتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ قومی و ملی ذمہ داریوں کے بجا آوری کی طرف توجہ دلائی۔

۱۲۶ - احمدیت کا پیغام

۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود نے احمدیت کے پیغام کے عنوان سے مضمون تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے نہایت تفصیل کے ساتھ یہ بات فرمائی کہ احمدیت کیا ہے۔ کس غرض سے اس کو قائم کیا گیا۔ فرمایا کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ مضمون میں حضرت مصلح موعود نے جماعت احمدیہ کے تمام عقائد کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

۱۲۷ - پردہ کے متعلق حضرت ...... کا ایک ضروری خطبہ

۶ر جون ۱۹۵۸ء کو حضرت مصلح موعود نے مری میں پردہ کے موضوع پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اکثر احمدی چندہ تو دینے لگ گئے ہیں اور ان کا ایک معتد بہ

حصہ نمازیں بھی با قاعدہ پڑھتا ہے لیکن جب سے پاکستان بنا ہے بعض احمدیوں میں سے پردہ اٹھ گیا ہے اور زیادہ تر مالداروں میں یہ نقص پایا جاتا ہے۔فرمایا پس میں اس خطبہ کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اپنی بیویوں کو بے پردہ رکھتے ہیں تنبیہ کرتا ہوں اور انہیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

۱۲۸ - تعلیم العقائد والاعمال پر خطبات

ادارہ ترقی ......سکندر آباد دکن نے حضرت مصلح موعود کے نوخطبات کا ایک مجموعہ تعلیم العقائد والاعمال کے نام سے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔ اس میں تربیتی موضوع پر خطبات اکٹھے کئے گئے ہیں۔

۱۲۹ - تعلق باللّٰہ

۲۸ رد سمبر ۱۹۵۲ء کو جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود نے تعلق باللہ کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اس میں حضور نے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ضرورت پر زور دیا۔پھر عشق اور شوق کی وضاحت فرمائی۔ اس خطاب میں آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دس قسم کے لوگوں سے خدا تعالیٰ محبت نہیں کرتا۔پھر ان کی تفصیل بیان فرمائی۔اس کے بعد حضور نے نہایت مدلل طریق پر وضاحت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر فرمایا جن کے ذکر سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔

۱۳۰ - تحقیقاتی عدالت میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا بیان

حضرت مصلح موعود نے ۱۳، ۱۴، ۱۵ رجنوری ۱۹۵۴ء کو تحقیقاتی عدالت کے سوالات کے جواب میں جو بیان قلمبند کروایا اس پر مشتمل یہ کتاب ہے۔ اس موقعہ پر جو سوالات کئے گئے وہ انگریزی میں تھے۔ اس میں ان تمام سوالات کے جواب آ گئے ہیں جو عدالت کی طرف سے حضرت مصلح موعود کو کئے گئے۔۴۸ صفحات پر مشتمل کتاب کو احمدیہ کتابستان حیدر آباد سندھ نے شائع کیا۔

۱۳۱ - نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر

۲۷ ردسمبر ۱۹۵۶ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے اس موضوع پر خطاب فرمایا۔حضور نے خطاب نہایت اختصار سے فرمایا۔حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان کی مخالفت کی وجوہات بیان فرمائیں۔پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان کی مخالفت کا ذکر فرمایا۔پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شیطانی حربوں کا ذکر فرمایا۔خطاب کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کا ذکر فرمایا کہ اس زمانے میں بھی اہل پیغام کی صورت میں شیطانی حربہ ہمارے سامنے آیا۔یہاں حضرت مصلح موعود نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔

۱۳۲ - خلافت حقہ ......

۲۸ ردسمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مصلح موعود نے خلافت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔اس میں جماعت احمدیہ میں خلافت کے تا قیامت جاری رہنے کے

بارے میں قرآن اور احادیث سے تفصیل بیان فرمائی۔ پھر قدرت ثانیہ کا ذکر فرمایا۔ خصوصیت کے ساتھ اس خطاب میں آپ نے جماعت احمدیہ میں آئندہ انتخاب خلافت کے بارے قواعد بیان فرمائے۔

حضرت مصلح موعود نے اپنی زندگی میں جماعت اور دنیا کی رہنمائی کے لئے علم ومعرفت کے اس قدر دریا بہائے کہ ایک مضمون یا کسی رسالے کے چند صفحات اس کے لئے ناکافی ہیں۔ آپ کی تصنیفات کو یکجا کرنے کا کام ابھی جاری ہے۔ اس کے علاوہ کافی حصہ غیر مطبوعہ بھی ہے جس پر کام ہونا ابھی باقی ہے۔ اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ یہ ایک مسلسل تحقیق کرنے والا موضوع ہے جس پر مزید کام کی گنجائش ہے تو قطعی طور پر غلط نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت مصلح موعود کی کتب کا مطالعہ کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کلام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ......

یہ نظم بہت پرانی ہے غالباً ۱۹۲۴ء کے لگ بھگ کی کھوگئی تھی۔صرف حضور کو مطلع یاد رہ گیا تھا اور حضور نے ۱۹۴۶ء میں دوبارہ اسی مطلع پر نظم کہی تھی جو ۹ رنومبر ۱۹۵۱ء کے الفضل میں شائع ہوئی۔اب کاغذات دیکھتے ہوئے پہلی نظم حضور کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی مل گئی ہے جو ذیل میں شائع کی جارہی ہے۔(مریم صدیقہ)

ایک دل شیشہ کی مانند ہؤا کرتا ہے — ٹھیس لگ جائے ذرا سی تو صدا کرتا ہے

مَیں نے پوچھا جو ہو کیوں چُپ تو تنک کر بولے — ہم بھرے بیٹھے ہیں جانے بھی دے کیا کرتا ہے

دوستی اور وفاداری ہے سب عیش کے وقت — آڑے وقتوں میں بھلا کون وفا کرتا ہے

چلتے کاموں میں مدد دینے کو سب حاضر ہوں — جب بگڑ جائیں فقط ایک خدا کرتا ہے

کیا بتاؤں تجھے کیا باعثِ خاموشی ہے — میرے سینہ میں یونہی درد ہؤا کرتا ہے

مَیں تو بیداری میں رکھتا ہوں سنبھالے دل کو — جب میں سو جاؤں تو یہ آہ و بکا کرتا ہے

تم نے بھی آگ بجھائی نہ کبھی آ کے مری — میری آنکھوں سے مرا دل یہ گلہ کرتا ہے

درد تو اور ہی کرتا ہے تقاضہ دل سے — پر وہ اظہارِ مصیبت سے دبا کرتا ہے

ہجر میں زیست مجھے موت نظر آتی ہے — کوئی ایسا بھی ہے عاشق جو جیا کرتا ہے

بیٹھ جاتا ہوں وہیں تھام کے اپنے سَر کو — جب کبھی دِل میں مرے درد اُٹھا کرتا ہے

کَلامُ الامام امامُ الکَلام

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ایک نظم

ذیل میں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہٗ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ایک پرانی نظم کا چربہ تبرکاً شائع کیا جاتا ہے۔

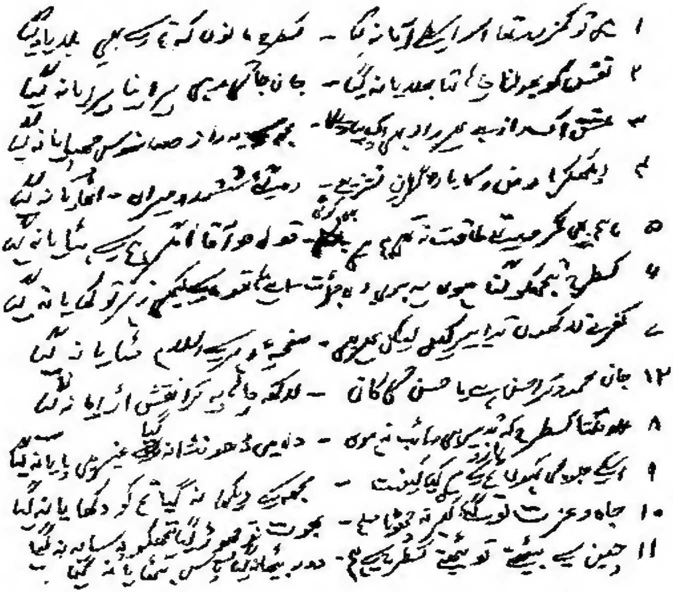

کلام محمود کا ادبی پس منظر

(مکرم راجہ غالب صاحب)

شاعری ذہنی اور جذباتی سطح پر اپنے نفس مضمون سے اسی وقت انصاف کر سکتی ہے جب شاعر کے ہاں شعوری اور غیر شعوری طور پر ایک ایسے جہان فکر و نظر سے شناسائی ہو جس کے پیش نظر اور پس منظر میں اس کی شخصی سطح پر حال اور مستقبل اور ساتھ ہی ماضی سے اس طرح کی شناسائی ہو کہ وہ جسمانی، ذہنی اور روحانی سطح پر ان تینوں ادوار کو اپنی شخصیت اور کردار میں رچا ہوا اور بسا ہوا پاتا ہو۔ اس مختصر سے مضمون میں کوشش یہی کی گئی ہے کہ حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے شعری کلام اور ان کے ذہنی جذباتی اور روحانی وجود اور وجدان کا کسی قدر اس سطح پر جائزہ لیا جائے۔ جہاں سے ان کے خیالات، جذبات اور تصورات کا قافلہ جس سفر پر روانہ رہتا ہے۔ وہ تنہائی کی وادی سے پرے شاعر کے دبستان کو تخیل اور تصور کے میدانوں سے اٹھا کر روح کی پرواز کے ان فلک بوس کہکشاؤں تک لے کر جاتا ہے جہاں نفسِ مطمئنہ کی وادی سے گزر کر ''وصالِ یار'' سے ہم کنار ہوتا ہے اس مختصر سی تمہید کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ حضرت مرزا محمود احمد کے بارے میں ''سبز اشتہار'' کی الہامی اور بہت ہی پُر کیف علامتی سطح پر جن ذہنی، جذباتی اور روحانی معجزوں کا ذکر ہے۔ ان کو سمجھے بغیر حضور کے منظوم کلام کی اتھاہ تک پہنچنا اور ان سے فیض یاب ہونا بہت مشکل اور دقت طلب کام ہو جاتا ہے۔

راقم کی نظر میں چار سطحوں پر اللہ تعالیٰ نے الہامی سطح پر خاص طور پر حضور کی شخصیت اور کردار کے بارے میں پُر شکوہ انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ (۱) ''نور آتا ہے نور'' (۲) وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا (۳) اور دل کا حلیم (۴) وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں سخت ذہین اور فہیم اور پھر علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کر دینے کے ساتھ دل کا حلیم کہہ کر حضور کی جذباتی سطح پر کردار سازی کا ایک انوکھا کرشمہ اور معجزہ برپا کیا جیسا کہ وہ جہانِ شعر و ادب میں ایک ایسے روحانی اور تجریدی دور کا آغاز ہوتا نظر آتا ہے جہاں تخیل، تصور اور جذبہ ایک روحانی وجدان کے بل بوتے پر تمثیل اور تجرید دونوں اعتبار سے کچھ اس طرح مائل پرواز نظر آتے ہیں جیسے آواز کی رفتار اور سطح تو کیا پہنچ پائے گی بعض اوقات روشنی خود چُندھیا جاتی ہے۔

اُس کے جلوے کی بتاؤں تمہیں کیا کیفیت
مجھ سے دیکھا نہ گیا، تم کو دکھایا نہ گیا
چین سے بیٹھتے تو بیٹھتے کس طرح سے ہم
دور بیٹھا نہ گیا پاس بٹھایا نہ گیا

روحانی سطح پر ''فراق'' اور ''وصال'' کے کرشمے صاحب شعور اور تصور کو اور روحانی جذبے سے بھرپور شاعر کے کردار کو جس بے چینی اور اضطراب سے شناسا کرتے ہیں۔ کلام محمود کی وہ عظیم نظم ''میں تمہیں جانے نہ دوں گا'' جس شدت اور وجدان کی کیفیت میں لکھی گئی ہے۔ اس میں روحانی رفعت اور الہامی کلام کی خوشبو رچی بسی صاف محسوس ہوتی ہے اور حساس طبیعت کو یک دم اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور دل واقعی بے اختیار یہ کہہ اٹھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

جانِ محمود ترا حسن ہے اک حسن کی کان
لاکھ چاہا پہ تیرا نقش اُڑایا نہ گیا

اس حقیقت کو بھی شعوری اور جذباتی سطح پر ناقدانہ نکتہ نظر کے باوصف ہر وقت کلام محمود کو پڑھتے ہوئے اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ الہامی ذکر ان شخصی اوصاف کا یعنی سخت ذہین اور فہیم ہوا۔ شعر اور تصور کی ماہیت کو شعری اعتبار سے بہت وقت طلب بنا دیتے ہیں۔ حضرت محمود کی مشہور اور معروف نظم ''میں تجھے جانے نہ دوں گا'' اس کی ایک روشن مثال ہے۔ حضور نے اپنی اس نظم میں اپنے روحانی تجربے کو جس طرح وجود کی سطح پر جہانِ رنگ و بو میں جس جوش اور جذبے سے بیان کیا ہے۔ ساری نظم میں اس روحانی تجربے کو تجرید کی سطح پر سے جہاں رنگ و بو میں روح کی تشنگی اور وصال کی شدید طلب کا والہانہ اور خوبصورت انداز ہے وہاں پڑھنے والے پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

دل میں رکھوں گا چھپا کر
آنکھ کی پتلی بنا کر
اپنے سینے سے لگا کر
مَیں تمہیں جانے نہ دوں گا

یہ نظم یوں تو ساری کی ساری معرکۃ الآراء ہے لیکن یہ کہنا کہ ''دل میں رکھوں گا چھپا کر'' اور ساتھ ہی ''آنکھ کی پتلی بنا کر'' اور ''اپنے سینے سے لگا کر'' اور اسے کبھی نہ جانے دینا۔ یہ وارفتگی اور جذباتی سطح پر وہ ارفع مقام ہے جو روح کے سفر اور روحانی مسافروں کے ہاں ہی موجزن ہو سکتا ہے۔ خاکسار نے اسی لئے اس مختصر سے مضمون کا عنوان ''کلام محمود کا ادبی پس منظر'' تجویز کیا ہے۔ اُردو ادب میں صوفیانہ شاعری کہنے کو تو مرزا غالب سے لے کر میر درد اور پھر دہلی اور لکھنو کے اور بہت سے شاعروں کے ہاں بھی پائی جاتی ہے لیکن صوفیانہ کلام جو اُردو میں اس کے تاریخی پس منظر میں رواج پایا اُس میں جذباتی سطح پر شدت اور ''طلب'' کی وہ کیفیت نہیں تھی۔ جو کلام محمود کا خاص وصف اور حسن ہے۔ یہاں جس بے ساختگی اور جذبات کی وارفتگی کا اظہار ہے۔ اس کا پرتو اُردو کی شاعری میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ اگر کچھ کچھ نشاں دکھائی بھی دیتے ہیں تو وہ کہیں کہیں میر درد میر تقی میر اور مرزا غالب کے ہاں خال خال نظر آتے ہیں لیکن ہمارے ہاں حضرت مسیح موعود اور حضرت مصلح موعود کے کلام میں جو بے ساختگی اور مستانہ پن اور اس سے وابستہ وارفتگی نمایاں نظر آتی ہے

وہ اُردو ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔ دُکھ تو یہی ہے کہ محض تعصب کی بنا پر اُردو نقادوں نے اس دلبستانِ شعر و ادب میں جو ہماری جماعت میں جاری ساری ہے اس کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے جو ادبی خیانت کے زمرے میں ہی شمار ہو سکے گا۔ ادب کی تاریخ میں آج کل کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ وہ وقت ضرور آئے گا۔ جب جماعت احمدیہ کو شعری ادب کے احاطہ خاص میں رکھ کر اُردو ناقدین ضرور تجزیہ پیش کریں گے۔ انشاء اللہ ایک بات جو یہاں بیان کرنا ضروری ہے۔ وہ حضرت محمود کی شاعری میں نظم اور غزل کا وصال ہے۔ آپ کو اکثر نظم کا ماحول موضوعات کے اعتبار سے حضور کی شاعری میں چھپا ہوا نظر آئے گا لیکن اگر آپ کلام کو ادبی نقطۂ نگاہ سے بغور دیکھیں تو رنگ تغزل کو کہیں بھی یکسر قربان نہیں کیا گیا۔ غزلوں کے علاوہ اکثر نظموں میں ابتدائی حصوں میں غزل کا انداز اپنایا گیا ہے۔ قافیہ ردیف اور بحور کے چناؤ کو اس رنگ سے اپنایا گیا ہے کہ جذباتی سطح پر رنگ تغزل اپنا جادو جابجا حشر بپا کرتا ہے اور وجدان کی کیفیت کو اُجاگر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً

ساغرِ حسن تو پُر ہے کوئی مے خوار بھی ہو
ہے وہ بے پردہ کوئی طالب دیدار بھی ہو
رسم مخفی بھی رہے الفتِ ظاہر بھی رہے
ایک ہی وقت میں اخفاء بھی ہو اظہار بھی ہو
دل میں اک درد ہے پر کس سے کہوں میں جا کر
کوئی دُنیا میں میرا مونس و غم خوار بھی ہو

....

طور پر جلوہ کناں ہے وہ ذرا دیکھو تو
حسن کا باب کھلا ہے بخدا دیکھو تو
اپنے بیگانوں نے جب چھوڑ دیا ساتھ مرا
وہ میرے ساتھ رہا اس کی وفا دیکھو تو
غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو! زور دُعا دیکھو تو

حضرت مصلح موعود کے کلام میں خاص طور پر چار سطحوں پر ادب اور بیان کا احساس پیہم موجود ہونا ضروری ہے۔ یعنی شعور اور دھیان ایک طرف اور جذبہ اور وجدان اس کے مقابل دوسری طرف۔ اسی طرح عالم موجود کی سب اطراف کا جگہ بجگہ اظہار حسین اور دلپذیر پیرائے میں آپ کی شاعری میں نظر آئے گا۔ دوسری طرف تجرید کی سطح پر

آفاقیت کو پیش کیا گیا لیکن تجرید میں بھی وجود اور وجدان کی کیفیت کو روحانی رنگ و بو میں کچھ اس طرح سے بھگو کر فضا میں بکھیرا ہے کہ ہلکی لیکن خوش گوار رم جھم کا احساس ہوتا ہے۔ کہیں دعوے کی کیفیت کسی طور پر بھی دل کو دہلاتی نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا دعویٰ کیا گیا ہے جو شعری اعتبار سے طبیعت پر ناگوار گزرنے کا شائبہ بھی ہو۔ یہ حضرت مصلح موعود کی شاعرانہ فراست کا شاہکار ہے اور اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ حضور کی نظم ''میں تمہیں جانے نہ دوں گا'' اس کی روشن مثال ہے اور اُردو ادب میں میری نظر میں یہ نظم ایک سنگ میل کے طور پر آئندہ آنے والے وقتوں میں یقیناً شمار کی جائے گی۔

جماعت احمدیہ کی شاعری میں اکثر تو یہ بات عیاں ہے کہ ''اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے'' لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ ''ڈھب'' ادب کی سطح پر چند کو ہی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ شاعری کا حق ادا کرنا بھی ضروری ہے یوں تو پھر ''جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی'' اپنی جگہ ٹھیک لیکن جب تک آپ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' لے کر نہیں آئیں گے۔ شاعری کا حسن بپا نہیں کرسکتا۔ آپ حشر برپا کئے بغیر کیسے شعر لکھ سکتے ہیں۔

یوں اندھیری رات میں اے چاند تو چمکا نہ کر
حشر اک سیمیں بدن کی یاد میں برپا نہ کر
بیٹھ کر جب عشق کی کشتی میں آؤں تیرے پاس
آگے آگے چاند کی مانند تو بھاگا نہ کر
ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پرواہ نہ کر

''وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔'' ان الہامی بیان کردہ صفات شخصیت اور کردار میں اگر آپ غور سے دیکھیں تو شاعری کی زد نظر آتی ہے۔ شاعری تو ایک حد تک روحانیت اور جذبات کا رومانوی اور وجدانی اظہار ہی ہے جو ذہانت، فہم اور ظاہری اور باطنی علوم کی ضد ہے۔ اسی لئے شاید سقراط نے بقول افلاطون اور اس کے بعد ارسطو وغیرہ نے یونان میں اپنی ''ریپبلک'' میں شاعروں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ان سے کسی قدر بے اعتنائی کا سلوک کیا ہے لیکن اسلام میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن پاک میں دو قسم کی شاعری کا ذکر کر کے شاعری کی عظمت کو برقرار رکھا ہے۔

شاعری محض صحراؤں کی اور خالی خیالستانوں کی سفر یابی قرار نہیں دیتی۔ بلکہ قرآن پاک کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دور رحمت و احسان میں حسان بن ثابت کے علاوہ بھی شاعری کو جگہ دی اور شاعروں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ حقیقت یہی ہے کہ ہر دور میں انسانی وجود کے لئے تاریخ کی ہر سطح پر شاعر اور ادب کی اپنی ایک جگہ

ہے ہمارے لئے یہ بہت ہی بڑی غنیمت اور احسان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بعد میں خلفاء نے شاعری کی حقیقی سطح اور وجدان کو قائم اور دائم رکھا اور یہی وجہ ہے کہ شعور کے ساتھ جذبہ بھی ہماری جماعت کی سماجی اور روحانی سطح پر شامل حال ہمیشہ رہا ہے جس نے قوم کو توانائی اور ایک مناسب طرز عمل عطا کیا ہے جس سے ہماری آئندہ نسلیں بھی انشاء اللہ نشاط کے ساتھ ساتھ شعور اور جذبے کا صحیح وجدان حاصل کرتی رہیں گی اور نفس لوامہ کے ساتھ یہ سفر نفس مطمئنہ سے ہوتا ہوا اپنے پیارے آقا و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فدائیت کے ساتھ حسان بن ثابت کی طرح اللہ تعالیٰ کے وجدان کی طرف ہمیشہ روانہ رہے گا اور حضرت محمود، حضرت طاہر، نسیم سیفی روشن دین تنویر اور ثاقب زیروی جیسے روح پرور شاعر رونما ہوتے رہیں گے۔ انشاء اللہ

کلام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ......

مندرجہ ذیل دو قطعے حضور اقدس ...... کی نوٹ بک میں سے نقل کر کے ارسال ہیں۔ پہلا قطعہ بہت پرانا ہے اور دوسرا ہجرت کے بعد ربوہ میں ہی ۲۴ رجون ۱۹۵۲ء کو بروز عید الفطر کہا تھا۔ (خاکسار۔ مریم صدیقہ)

کیا بیاں ہو مرے اس قلب حزیں کی حالت
کیوں اُٹھا درد میرے دل میں یہ کیا یاد آیا
عید کا چاند ہُوا ماہ محرم ثابت
دیکھتے ہی مجھے وہ ماہ لقا یاد آیا
شادِ ناشاد یہ کیسی تری خوش بختی ہے
تیرے مرتے ہی اُنہیں عہد وفا یاد آیا

عید ہے آج مگر عید کہاں تیرے بغیر
عید ہو گی جبھی جب آپ مرے گھر آئیں
جاگتے دیکھوں تمہیں یا تمہیں سوتے دیکھوں
مری امیدیں کسی طرح بھی ہو بر آئیں
تم نظر آؤ فلک پر بھی زمیں پر بھی تمہیں
دیکھوں دائیں بھی تمہیں اور تمہیں ہی بائیں

حضرت مصلح موعود کے
سفر یورپ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۵۵ء کی روئیداد

(مکرم محمد محمود طاہر صاحب)

سیدنا حضرت اقدس مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود نے اپنے دورِ خلافت میں دو دفعہ بیرونی ممالک کے سفر اختیار کیے۔ پہلا سفر ۱۹۲۴ء میں فرمایا جبکہ دوسرا اور آخری سفر ۱۹۵۵ء میں تھا۔ یہاں اس بات کا ضمناً ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ حضرت مصلح موعود نے اپنی زندگی کا پہلا غیر ملکی سفر ۱۹۱۲ء میں خلافتِ اولیٰ کے دور میں فرمایا تھا جب آپ مصر اور عرب تشریف لے گئے اور اس سفر کے دوران آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ دورِ خلافت میں آپ نے بیرونی ممالک کے دو سفر کیے جن میں آپ بلادِ عربیہ سے ہوتے ہوئے یورپ تشریف لے گئے اور دین کی فتح کی مضبوط بنیادیں آپ نے رکھیں۔

۱۹۲۴ء کے سفر کے لئے معلومات کا ایک بنیادی ماخذ حضرت بھائی جی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی مرتبہ ڈائری ہے جسے ۲۰۰۸ء میں انصار اللہ پاکستان کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ یقیناً احباب کے لئے ازدیادِ علم اور ازدیادِ ایمان کا موجب ہوگا۔

دونوں سفروں کی قدرِ مشترک بلادِ عربیہ اور یورپ ہے جبکہ پہلا سفر قادیان دارالامان سے اختیار کیا گیا اور ذریعہ سفر بحری جہاز تھا جبکہ دوسرے سفر کا آغاز دارالہجرت ربوہ سے ہوا اور ذریعہ سفر ہوائی جہاز تھا۔ پہلے سفر کا سبب ویمبلے کانفرنس بنی جبکہ دوسرے سفر کا سبب حضور کا علاج تھا لیکن دونوں سفر عظیم الشان دینی ترقی کے لئے سنگِ میل ثابت ہوئے اور آج ہم ان سفروں کے ثمرات ملاحظہ کر رہے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

سفر یورپ ۱۹۲۴ء کی روئیداد

تاریخ احمدیت میں ۱۹۲۴ء کے سال کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے جب کہ اس سال خلیفۃ المسیح نے پہلا سفر یورپ اختیار فرمایا اور یورپ آتے اور جاتے ہوئے بلادِ عربیہ کو بھی شرف ورود بخشا اور یوں اشاعت دین کی مساعی میں نئی نئی مہمات کا آغاز ہوا۔ یورپ میں پہلی ...... کا سنگ بنیاد رکھ کر مغرب کی روحانی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی۔

ویمبلے کانفرنس سفر یورپ کا محرک

سفر یورپ کی تحریک یوں پیدا ہوئی کہ آغاز ۱۹۲۴ء میں برطانیہ کی مشہور ویمبلے نمائش کے سلسلہ میں سوشلسٹ لیڈر

مسٹر ولیم لافٹس ہیئر (William Loftus Hare) نے یہ تجویز دی کہ عالمی نمائش کے ساتھ مذاہب کی کانفرنس کا انعقاد بھی کیا جائے اور مختلف مذاہب کے نمائندگان کو اس میں دعوت دی جائے کہ وہ اپنا نقطۂ نظر بیان کریں اور مذہبی اصولوں پر روشنی ڈالیں۔ ...... کا نقطۂ نگاہ پیش کرنے کے لئے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں درخواست کی گئی اسی طرح تصوف کے موضوع پر اظہارِ خیال کے لئے حضرت حافظ روشن علی صاحب کو دعوت نامہ بھجوایا گیا۔

اس کانفرنس کا مقام امپیریل انسٹی ٹیوٹ لندن مقرر ہوا اور ۲۲ ستمبر تا ۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء کی تاریخیں تجویز ہوئیں۔ حضور کو دعوت نامہ موصول ہوا تو آپ نے ۱۶ مئی ۱۹۲۴ء کو ایک شوریٰ بلائی اور بزرگان نے مشورہ دیا کہ حضور بنفسِ نفیس تشریف لے جائیں تو دعوت الی اللہ کے نقطۂ نگاہ سے بھی مناسب ہوگا۔ چنانچہ حضور نے انگلستان جانے کا فیصلہ فرمایا اور اس کا اعلان ۲۴ جون ۱۹۲۴ء کو فرمایا۔ حضور نے کانفرنس کے لئے مضمون بعنوان ''احمدیت یعنی حقیقی ......'' تحریر فرمایا۔ اس مضمون کا خلاصہ کانفرنس میں پڑھا گیا۔

رفقاء سفر یورپ

سفر یورپ ۱۹۲۴ء میں مندرجہ ذیل احباب کو حضور کی رفاقت اور معیت کا شرف حاصل ہوا:

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب، حضرت خان ذوالفقار علی خان صاحب، حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب معالج خصوصی، حضرت بھائی عبدالرحمان صاحب قادیانی، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری، چوہدری علی محمد صاحب، میاں رحم دین صاحب (باورچی)۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جو حضور کے ترجمان خصوصی تھے وہ پہلے ہی انگلستان کے لئے روانہ ہو گئے۔ اسی طرح چوہدری محمد شریف صاحب وکیل ساہیوال اپنے خرچ پر حضور کے ہمراہ تشریف لے گئے۔

قادیان سے روانگی

۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء سفر یورپ کے لئے قادیان سے روانگی کا دن تھا۔ ایک روز قبل حضور نے اپنے بعد نیابتی ڈھانچے کا اعلان فرمایا اور حضرت مولانا شیر علی صاحب کو امیر مقرر فرمایا جبکہ ان کے نائب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو مقرر کیا اور چودہ رُکنی مجلس شوریٰ کا بھی اعلان فرمایا۔

۱۲ جولائی کی صبح حضور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر دُعا کے لئے تشریف لے گئے۔ لوگ صبح سے ہی ...... مبارک کے قریب جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ۸ بجے کے قریب حضور نے بیت الدعا میں لمبی دُعا کروائی۔ مصافحہ کے لئے سڑک کا موڑ مقرر رہا۔ موڑ کے قریب پہنچ کر حضور نے لمبی دُعا کروائی اور حضور ہجوم سے نکل کر باہر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سفر یورپ کے موقعہ پر اپنے رفقاء کے ساتھ (1924ء)

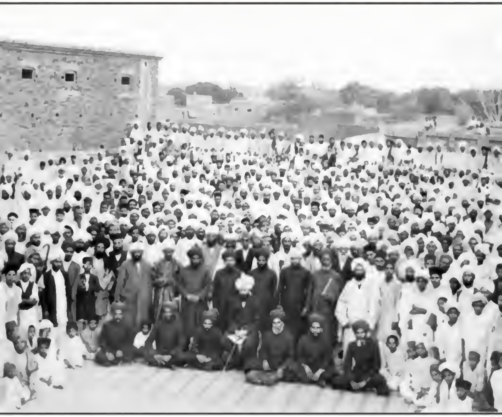

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی یورپ جاتے ہوئے قاہرہ کے ریلوے سٹیشن پر(1924ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لندن میں ویمبلے کانفرنس میں اپنے رفقاء اور دیگر احباب کے ساتھ (1924ء)

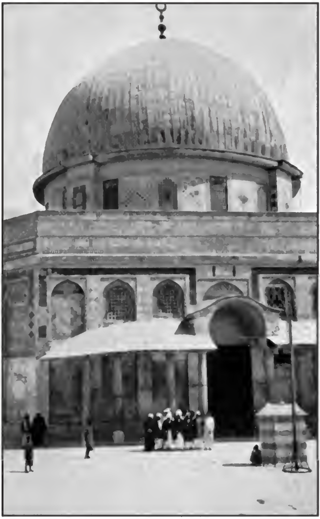

P 28

روانگی سفر یورپ 1955ء

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی دورۂ یورپ سے واپسی پر (1955)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب حضور کے ساتھ یورپ میں

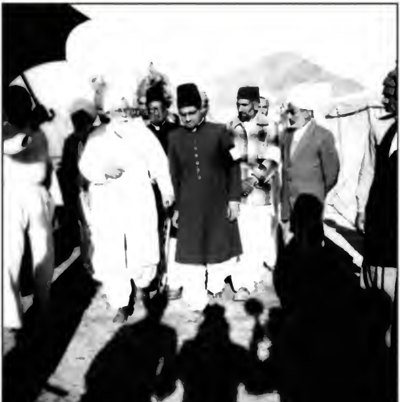

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب حضور انور کے ساتھ

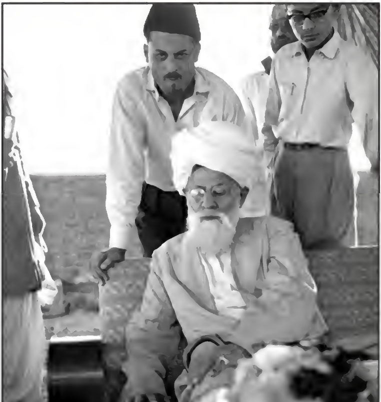

حضرت مصلح موعود کا نزول دمشق (1955ء)

برموقع شادی حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب

ے بائیں۔ ۱۔؟ ۲۔؟ ۳۔؟ ۴۔حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی ۵۔صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب

۶۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے ۷۔حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب

ں سے بائیں۔ رانا عبدالسلام صاحب باڈی گارڈ۔صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی باڈی گارڈ۔مولوی عبدالعزیز صاحب بھامبڑی۔صاحبزادہ م

حضرت مصلح موعود رتن باغ لاہور میں (1949ء)

حضرت مصلح موعود طورخم (صوبہ سرحد) کے احمدی احباب کے ساتھ (6 اپریل 1948ء)

تشریف لے گئے اور یہاں حضرت اماں جان نے دیر تک حضور کو گلے لگا کر دعاؤں سے رُخصت فرمایا جس کے بعد حضور نے احباب کو شرف مصافحہ بخشا اور پھر حضور مع قافلہ موٹروں پر سوار ہو کر بٹالہ کے لئے روانہ ہوئے۔

بٹالہ سے دھلی اور بمبئی کا سفر

بٹالہ اسٹیشن پر ایک ہجوم پروانوں کا جمع تھا جو حضور کو الوداع کہنے آیا تھا۔ بٹالہ سے ٹرین پر سوار ہوئے اور دہلی تک مختلف مقامات پر جماعتیں حضور کا دیدار اور استقبال کرتی رہیں۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سہارنپور تک شریک سفر رہے اور پھر یہاں سے واپس قادیان آ گئے۔

۱۳ر جولائی کو دہلی اسٹیشن پر جماعت دہلی نے استقبال کیا اور کھانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ یہاں گروپ فوٹو کا بھی اہتمام تھا۔ متھرا اسٹیشن پر آگرہ کی جماعت حاضر تھی۔ گوالیار، جھانسی سے ہوتے ہوئے بھوپال اور بمبئی پہنچے۔ رات کے سفر میں حضور نے اہل قافلہ کو چھری اور کانٹے کا استعمال سکھایا اور آپس میں انگریزی بولنے کا ارشاد فرمایا۔

۱۴ر جولائی کو عید الاضحیٰ تھی۔ یہ عید سفر کے دوران آئی۔ حضور نے یہ عید ممماڑ اسٹیشن پر پڑھائی اور مختصر خطبہ دیا۔ دو بجے دوپہر ٹرین بمبئی ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ یہاں پہنچ کر یہ اطلاع ملی کہ بحری جہاز ''ایس ایس افریقہ'' کل صبح آٹھ بجے روانہ ہوگا اور چھ بجے صبح وہاں پہنچنا ہوگا۔

بمبئی پہنچتے ہی حضور دردصاحب، خان صاحب اور عرفانی صاحب کے ہمراہ تھامس کک کے دفتر میں سفری انتظامات کے حوالے سے تشریف لے گئے پھر انجمن احمدیہ کی میمن بلڈنگ میں آ کر قیام پذیر ہوئے۔

بمبئی سے عدن کا سفر

۱۵ر جولائی کی صبح حضور اپنے رفقاء کے ہمراہ بندرگاہ پہنچے۔ ایک بڑی تعداد احباب جماعت کی حضور کو رخصت کرنے بمبئی بندرگاہ پر موجود تھی۔ جب جہاز نے وسل دی تو حضور نے لمبی دُعا کروائی۔ بارش ہورہی تھی اور حضور کی کمال شفقت اور محبت اپنے مریدوں سے تھی کہ حضور اس وقت تک ان کی طرف متوجہ رہے جب تک کہ دوست اوجھل نہ ہو گئے۔ بحری جہاز میں حضور کا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا۔ پانچ ٹکٹ سیکنڈ کلاس جن کے لئے کیبن تھے اور سات ٹکٹ ڈیک کے تھے۔ سیکنڈ کلاس والوں نے بھی زیادہ وقت بالائی منزل کے ڈرائنگ روم میں گزارا۔

حضرت بھائی جی عبدالرحمان قادیانی تحریر فرماتے ہیں:

> ''سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کی موجودگی ہمارے واسطے بہت بڑی رحمت بنی ہوئی ہے۔ حضور کے طفیل ہم لوگ گویا سب کے سب فرسٹ کلاس پسنجر ہیں اور جو آرام ہمیں حضور کی ہمرکابی کی بدولت نصیب ہے اس کا اندازہ نہیں۔'' (سفر یورپ ۱۹۲۴ء صفحہ:۲۴)

سمندری جہاز کے سفر کی وجہ سے حضور اور قافلہ کے بیشتر اراکین Sea Sickness کی وجہ سے متاثر اور

بیمار رہے۔ سفر کے تیسرے دن جہاز سے قادیان تار بھیجا گیا جس پر -/26 روپے خرچ آیا۔ سفر کے چوتھے دن شدید سمندری طوفان کی وجہ سے نماز جمعہ باجماعت ادا نہ ہو سکا اور سب نے اپنی اپنی جگہ نماز ظہر و عصر پڑھیں۔

سفر کے پانچویں دن حضور نے اپنے دست مبارک سے تار لکھ کر قادیان بھجوایا۔ اب حضور کی طبیعت کچھ بہتر تھی۔ اسی روز حضور نے حضرت مولوی رحیم بخش صاحب کا نام تبدیل کر کے ''مولوی عبدالرحیم درد'' رکھا۔

۲۲/ جولائی کو عدن قریب آ رہا تھا۔ حضور نے اس روز اپنے دستِ مبارک سے ۲۱ خطوط تحریر فرمائے۔ باقی دوست بھی خطوط لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ اس دن اٹالین جہاز کے ڈاکٹر ایزیلیو میگلی نے حضور کا اکیلا اور پھر قافلہ کا فوٹو لیا۔ ۲۳/ جولائی کو جہاز عدن پہنچا۔ عدن سے قادیان کے لئے ایک تار حضور نے تحریر فرمایا اور ایک خط حضرت مولوی شیر علی صاحب کے نام قادیان روانہ کرنے کے لئے تحریر فرمایا۔ عدن پہنچ کر حضور عدن شہر دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی طرح عدن سے ۲۰ میل دور قصبہ شیخ سلیمان دیکھنے کے لئے بھی حضور تشریف لے گئے۔

عدن سے پورٹ سعید مصر

عدن سے جہاز پورٹ سعید مصر کے لئے روانہ ہوا۔ ۲۵/ جولائی کی رات کو جہاز نے مکّہ اور جدّہ کے بالمقابل پہنچنا تھا۔ حضور رات ۱۱ بجے تک جاگتے رہے۔ اس وقت حضور نے دو رکعت نماز لمبی باجماعت بلند قرأت سے پڑھائی اور دُعائیں کیں۔

۲۷/ جولائی کو حضور نے ''ذمہ داری'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ عصر کے بعد وہ سلسلہ کوہ سامنے آیا جس میں حضرت موسیٰ کا طور سینا ہے۔ حضور نے اس سلسلہ کوہ کے بعض حصص کا فوٹو لیا۔ ۲۸/ جولائی کو جہاز نہر سویز میں داخل ہوا۔ کوئی دوسرا جہاز اس وقت نہ تھا اس لئے جلدی جلدی نہر سویز سے پار ہو گیا اور پورٹ سعید پہنچ گیا۔ جہاز سے اُتر کر ہوٹل میں تشریف لے گئے۔

۲۹/ جولائی کو ایکسپریس ٹرین کے ذریعہ قافلہ کی پورٹ سعید سے قاہرہ کو روانگی ہوئی۔ قاہرہ اسٹیشن پہنچ کر حضور نے دُعا کروائی اور یہاں گروپ فوٹو ہوا۔ قاہرہ میں حضور مع قافلہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کے گھر فروکش ہوئے۔ اسی روز چار علماء نے حضور سے ملاقات کی۔ ایک نابینا طالب علم نے قصیدہ اور ایڈریس پیش کیا۔ ۳۰/ جولائی کو کھانے کے بعد ایک مصری دوست آئے اور عربی میں ایڈریس پیش کیا۔ اس کا جواب حضور نے عربی میں دیا۔ اسی روز حضور اہرام مصر دیکھنے کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ قاہرہ میں حضور سے ایک معروف صوفی اور عالم سید ابوالعزائم ملنے کے لئے تشریف لائے اور حضور پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ قاہرہ میں دو دن کا قیام تھا۔ قاہرہ سے روانگی سے قبل حضور جامعۃ الازہر بھی تشریف لے گئے۔

قاہرہ سے بیت المقدس اور دمشق

قاہرہ سے قافلہ پورٹ سعید کی طرف روانہ ہوا۔ نہر سویز پار کرنے کے بعد ارض فلسطین میں حضور نے ورود مسعود فرمایا اور القدس (یروشلم) میں پہنچے۔ یہاں ہوٹل میں قیام فرمایا۔ یہاں سے ۲۵ میل دور حضور حضرت ابراہیمؑ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ بیت اللحم جو یروشلم سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں بھی حضور نے قیام فرمایا۔ یہ یکم اگست کی بات ہے کہ حضور نے حضرت یوسفؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسحاقؑ کی دونوں بیویوں کی قبروں پر دُعا کی۔

۲/ اگست کو حضور بیت المقدس کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور نے حنفی مصلی پر دو رکعت نماز ادا کی اور لمبی دُعائیں کیں۔ پھر مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔ یہاں سے حضور گورنر کی ملاقات کے لئے گئے۔ حضور نے حضرت عیسیٰؑ کے مقدس مقامات کی زیارت کی اور دیوار گریہ کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ ۳/ اگست کو یہاں سے حیفا و عکہ سے ہوتے ہوئے دمشق کے لئے روانگی ہوئی۔

۴/ اگست کو حضور نے حیفا میں ورود فرمایا۔ آپ کا قیام ہوٹل میں تھا۔ یہاں حضور نے ایک وفد شوقی آفندی کے گھر بھجوایا لیکن وہ سوئٹزرلینڈ میں تھے۔ حیفا سے عکہ کا فاصلہ بیس منٹ تھا۔ اگلے روز صبح ساڑھے دس بجے حیفا سے روانگی ہوئی اور بذریعہ ٹرین رات آٹھ بجے دمشق سٹیشن پہنچ گئے۔

قیام دمشق

دمشق کی سیر کے لئے حضور تشریف لے گئے۔ ۶/ اگست کو حضور سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے ایک بزرگ اور بعض سرکاری افسران ملنے کے لئے ہوٹل میں آئے۔ ۷/ اگست کو حضور دمشق میں فرنچ گورنر جو ضلع دمشق کا گورنر تھا اس کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اس کے بعد برٹش قونصل سے ملاقات تھی۔ آج کئی عربوں سے حضور کی گفتگو اور دینی بحث ہوئی۔ مولوی عبدالقادر صاحب جو کل بھی تشریف لائے تھے اور عقائد احمدیہ پر گفتگو ہوئی تھی آج بھی تشریف لائے۔

حضور کا ہوٹل میں جس جگہ قیام تھا اس کے پاس ایک منارہ بیضا ہے۔ حضور کا قیام ہوٹل سینٹرال میں تھا۔ اس سے قریبی مسجد کا سفید منارہ تھا۔ ۶/ اگست کی صبح نماز فجر کی ادائیگی کے وقت حضور کی اس پر نظر پڑی اور منارہ بیضا والی حدیث کی طرف حضور کا خیال گیا۔ اس وقت دو خدام حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب اور حضرت خان ذوالفقار علی خان صاحب حضور کے ساتھ شریک نماز تھے۔ یوں عند منارۃ بیضاء والی بات پوری ہوئی۔

بلاد عربیہ میں حضور نے مبشرین احمدیت بھجوانے کا پختہ ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضور نے حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور ان کے ساتھ مولانا جلال الدین شمس صاحب کو یہاں بھیجنے کا اعلان فرمایا۔ دمشق کے اخبارات

میں مضامین، نوٹ اور کالم شائع ہونے شروع ہو گئے اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔ ہوٹل میں حضور سے ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

۸/اگست کو برٹش قونصل نے حضور سے ملاقات آپ کے ہوٹل میں کی۔ اس کے بعد حضور جامع اموی کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس جامع کا کوئی مینارہ بھی سفید نہیں تھا بلکہ رنگدار اور سُرخی مائل ہیں۔ مینارہ بیضا صرف حضور کے قیام والے ہوٹل کے پاس ہے۔ آج حضور نے گورنر شام سے ملاقات کی۔ ملاقات میں اس نے کہا کہ آپ بے شک یہاں مبشرین بھیجیں ہم ان کی مدد کریں گے۔

حضور سے ملاقات کرنے والوں میں علماء، دانشور اور ایڈیٹران تشریف لاتے رہے۔ ۹/اگست کو اخباروں کے ایڈیٹرز نے حضور سے ملاقات کی۔ ملاقاتیوں کے رش کی وجہ سے ہوٹل انتظامیہ تنگ پڑ گئی تھی۔ اخبارات نے مضامین شائع کئے۔ اہالیان دمشق کے واسطے حضور نے عربی میں ''النداء'' تحریر فرمایا۔

دمشق سے براستہ پورٹ سعید روانگی

۱۰/اگست کو حضور نے دمشق سے روانگی فرمائی اور بذریعہ ٹرین آپ بیروت پہنچے۔ اسٹیشن پر تین صد کے قریب افراد حضور کو الوداع کہنے کے لئے پہنچ گئے تھے۔ یوں اہالیان دمشق نے محبت کے ساتھ حضور کو رخصت کیا۔ اتنے قلیل عرصہ میں اس قدر محبین کا گروہ پیدا ہو گیا۔ ٹرین صبح پونے آٹھ بجے دمشق سے روانہ ہوئی اور پونے پانچ بجے بیروت پہنچ گئی۔ یہاں قیام ہوٹل سنٹرل میں تھا۔

حضور نے بیروت دیکھا اور ۱۱/اگست کو بیروت سے حیفا کے لئے بذریعہ موٹر کار تشریف لے گئے۔ رات قیام حیفا میں ہوا۔ حیفا سے حضور عکہ بھی تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے محمد علی آفندی سے ملاقات کی۔ حیفا میں گرانڈ نسار ہوٹل میں قیام تھا۔ یہاں سے قنطارہ اسٹیشن کے لئے روانہ ہوئے اور رات پورٹ سعید پہنچ گئے۔ رات قیام ہوٹل کانٹی نینٹل میں فرمایا اور ۱۲/اگست کی صبح جہاز پلسنا یہاں سے روانہ ہوا۔ یہاں سے حضور نے قادیان تار بھی بھجوائی اور تین بچوں کے نام بھی رکھے۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب کے بیٹے کا نام داؤد احمد (حضرت سیّد میر داؤد احمد) رکھا۔

پورٹ سعید سے اٹلی روانگی

۱۳/اگست کو جہاز پورٹ سعید سے روانہ ہوا۔ ایڈیٹر اخبار المقتبس کی خواہش پر جو مضمون حضور نے دمشق میں شروع کیا اس کو ۱۴/اگست کو مکمل فرمایا اور ساتھ عربی ترجمہ بھی ہو گیا۔ برنڈزی سے یہ مضمون ایڈیٹر کو پوسٹ کیا جائے گا۔ جمعہ ۱۵/اگست کو مذکورہ بالا مضمون کا انگریزی ترجمہ حضور نے مولانا درد صاحب سے کروایا۔ اس مضمون میں حضور کے مختصر سوانح اور سلسلہ کے حالات درج ہیں۔ اسی روز صوفی ازم پر جو مضمون حضرت حافظ روشن علی صاحب نے پڑھنا تھا بعد عصر اس کے نوٹس حضور نے حافظ صاحب کو بلوا کر لکھائے اور مضمون کی ترتیب بتائی۔ حضور نے سفر مصر و شام

وفلسطین کی رپورٹ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے لکھوائی۔

اٹلی میں ورود مسعود

۱۶/اگست وہ یادگار دن ہے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے پہلی بار سرزمین یورپ پر قدم رکھا۔ جہاز صبح نو بجے اٹلی کی بندرگاہ برنڈزی پہنچ گیا۔ حضور نے سب احباب کو جہاز کی بالائی چھت پر بلایا۔ یورپ پہنچنے پر خاص دعاؤں کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور بیس منٹ تک سب احباب قافلہ دُعا میں شریک رہے۔ کسٹم وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور گرانڈ ہوٹل میں تشریف لائے۔ یہاں سے لندن، برلن اور قادیان تاریں دی گئیں۔ اسی روز شام ساڑھے چھ بجے بذریعہ ٹرین روم کے لئے روانگی ہوئی گاڑی پندرہ گھنٹے کا سفر طے کر کے ۱۷/اگست کو صبح نو بجے روم کے سٹیشن پر پہنچ گئی۔ روم میں حضور نے گرانڈ کانٹی نینٹل ہوٹل میں قیام فرمایا۔ روم سٹیشن پر حضور نے قافلہ کے ہمراہ پندرہ منٹ کی دُعا کروائی کیونکہ یہ عیسائیت کا تخت گاہ اور پوپ کا مقام ہے۔ شام چار بجے حضور روم کی سیر کو موٹر پر گئے اور اصحاب کہف والی غاروں کو باہر سے ہی دیکھا۔

پورٹ سعید سے روانہ ہوتے وقت حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی جہاز پر سوار نہیں ہو سکے تھے۔ پھر دوسرے جہاز پر سوار ہوئے اور ۱۸/اگست کو بخیریت روم پہنچ گئے اور قافلہ کے ساتھ مل گئے۔ آج حضور روم شہر کے مختلف مقامات کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے دوران سفر جو تصاویر کھینچی تھیں حضور کے ارشاد پر انکو ڈیولپ کروانے کے لئے دیا۔

روم کے بڑے اخبار La Tribuna کے اسسٹنٹ ایڈیٹر نے حضور سے ملاقات کی اور تفصیلی مکالمہ چلتا رہا۔ وہ سوالات کرتا رہا حضور انگریزی میں جوابات دیتے رہے۔ اس نے فوٹو بھی لیا۔ اس کے اس سوال پر کہ کیا آپ پوپ سے ملیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ سنا ہے کہ بوجہ مرمت مکان ان کی ملاقات دو ہفتہ کے لئے بند ہے۔ (البتہ کل وزیر اعظم اٹلی مسولینی سے ملوں گا) پوپ کو ایک جماعت کا سردار ہونے کی وجہ سے معزز سمجھتا ہوں۔ اگر ملاقات ہوتی تو اس کے سامنے ...... پیش کرتا۔ حضور نے اخباری نمائندہ کو تحفہ شہزادہ ویلز کی ایک کاپی دی۔ حضور نے تصویر کے لئے نمائندہ کو کل کا وقت دیا گیا۔ چنانچہ وہ ۱۹/اگست کو تصویر لینے تشریف لائے۔

۱۹/اگست

آج حضور وزیر اعظم اٹلی مسولینی سے ملاقات کے لئے گیارہ بجے موٹر پر روانہ ہوئے۔ زیادہ وقت موٹر پر ضائع ہوگیا۔ اس لئے صرف پندرہ منٹ کی ملاقات ہوسکی۔ اس بات کا حضور کو افسوس ہوا۔

آج دوپہر کے کھانا پر حضور نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور اُٹھ کر چلے گئے۔ بات یہ ہوئی کہ کھانے کی میز پر حضور کی پلیٹ میں مُرغ کا سالن اور باقیوں کے لئے دوسرا سالن رکھا گیا۔ حضور نے خدام کو کہا

کہ یہ کھانا اُٹھا لو کہ ایسا فرق کیوں کیا گیا ہے۔آپ نے کھانا نہ کھایا اور اُٹھ کر چلے گئے۔

آج اڑھائی بجے اخبار ’’ال جرنل ڈی اٹالیا‘‘ کا ایڈیٹر آیا اور بعض سوالات کئے۔۲۰؍اگست کی صبح اخبار لاٹر یبونا کا فوٹوگرافر دوبارہ فوٹو لینے آیا۔آج کے اخبار میں حضور کا فوٹو شائع ہوا ہے۔

انگلستان کے لئے روانگی

۲۰؍اگست کی شام کو روما سے لندن کے لئے روانگی ہوئی۔بذریعہ ٹرین سفر تھا۔اگلے روز گاڑی صبح نو بجے پیرس پہنچی۔یہاں گاڑی بدلی گئی اور پھر کیلے کی بندرگاہ پہنچ کر رودبار انگلستان پار کرنے کے لئے جہاز پر سوار ہوئے جس نے ایک گھنٹہ میں سمندر عبور کیا۔Dover پہنچ کر لندن کے لئے گاڑی لی گئی جو چار بجے وہاں سے روانہ ہوئی اور سوا چھ بجے لندن سٹیشن پر پہنچی۔پریس نمائندگان کی ایک بڑی تعداد لندن سٹیشن پر آئی ہوئی تھی لیکن انہیں غلطی سے تین بجکر ۴۰ منٹ کا وقت دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ واپس چلے گئے۔حضور لندن پہنچے تو اسٹیشن پر اُتر کر آپ نے دُعا کرائی۔یہاں سے آپ اپنی رہائش گاہ ۶، چیشم پیلس بلگریا میں تشریف لے گئے۔آپ کی آمد سے قبل ہی لندن کے پریس میں آپ کے بارہ میں خبریں اور تصاویر کی اشاعت شروع ہوگئی اور غیر معمولی کوریج آپ کی تشریف آوری کو ملی۔

حضور نے لندن پہنچ کر اپنے قافلہ کے ممبران کو مختلف کام سپرد کر دیئے جس میں انتظامات کی نگرانی، پریس سے رابطہ، رپورٹس کی تیاری و روانگی قادیان، ڈاک، ملاقات، انتظام خورونوش وغیرہ کے شعبہ جات قائم فرما کر ان کے نگران مقرر کر دیئے۔

۲۸؍اگست کو حضور نے لندن پریس کو At Home دیا۔۲۹؍اگست کو حضور لندن سے برائیٹن تشریف لے گئے۔حضور کی مووی (متحرک فلم) بھی بنی۔یہاں حضور نے تقریر بھی فرمائی اور نماز جمعہ بھی ادا کی گئی۔اگلے روز کے اخبارات میں حضور کے برائیٹن کے ایڈریس کا تذکرہ ہوا۔حضور نے برائیٹن میں ساحل سمندر کی سیر بھی کی۔حضور کی جو مووی بنی یہ مختلف سینما گھروں میں دکھائی گئی جس سے دعوت الی اللہ کے سامان اور احمدیت کا تعارف ہوا۔لندن میں حضور عام طور پر شام کی نماز کے بعد سیر کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے۔۳۱؍اگست کو دو انگریز خواتین نے آکر بیعت کی۔یکم ستمبر کو سینما میں حضور اور قافلہ کے برائیٹن میں فلمائے گئے مناظر دکھائے گئے۔محترم چوہدری علی محمد صاحب یہ مناظر دیکھ کر آئے۔اس دن رات گئے تک حضور ویمبلے کانفرنس والے مضمون کا ترجمہ درست کرواتے رہے جو سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کر رہے تھے۔لندن میں حضور کے دسترخوان پر اوسطاً ۲۵ کس کا کھانا پکا جاتا تھا۔

مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت

حضور لندن میں تھے کہ آپ کو قادیان سے بذریعہ تار مورخہ ۳ ستمبر کو یہ اندوہناک خبر ملی کہ مولوی نعمت اللہ خان صاحب مربی سلسلہ کابل کو ۳۱؍اگست کو شہید کر دیا گیا ہے۔اس شہادت کا حضور کی طبیعت پر گہرا اثر ہوا۔حضور نے

چوہدری فتح محمد صاحب سیال، مولانا عبدالرحیم درؔد صاحب اور مولانا عبدالرحیم نیّر صاحب کو اس شہادت کے حالات بتانے کے واسطے پریس سے رابطہ کے لئے بھجوایا۔ حضور نے تمام مہذب حکومتوں کو اس شہادت پر تار بھجوایا۔ اسی طرح لیگ آف نیشنز کو بھی تار دیا۔ اس خبر کو برطانوی اخبارات نے دلچسپی کے ساتھ شائع کیا۔ حضور نے شاتان تذبحان کے الہام کے بارہ میں فرمایا کہ میرے نزدیک یہ الہام اب پورا ہوا ہے۔ شہزادہ صاحب کے بعد اب مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو بھی سنگسار کیا گیا ہے۔

۵؍ستمبر بروز جمعہ ایک بنگالی معزز داس گپتا ڈائریکٹر آف دی یونین آف ایسٹ اینڈ ویسٹ نے کافی دیر تک حضور سے ملاقات کی اور مولوی نعمت اللہ صاحب کی شہادت کے بارہ میں گفتگو کی۔ اس نے ایک پبلک لیکچر کا مشورہ دیا۔

نماز جمعہ...... پٹنی میں ادا کی۔ حضور نے اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر خطبہ میں فرمائی۔ عصر کے بعد حضور خالد شیلڈرک صاحب کے مکان پر چائے کے لئے تشریف لے گئے۔ ۸ بجے شیلڈرک صاحب نے اپنے دوستوں کو ملوانے کے لئے ایک ہال کا انتظام کیا۔ وہاں تین انگریز دوستوں نے حضور سے ملاقات کی۔ یہاں ایک اور انگریز اور ایک اخباری نمائندہ نے بھی حضور سے ملاقات کی۔ ایک انگریز نے ۲۶؍ستمبر کو حضور کا لیکچر اپنی سیاسی مجلس میں رکھنے کا کہا۔

۶؍ستمبر کو چوہدری فتح محمد سیال صاحب مسٹر داس گپتا بنگالی کے ساتھ ہال تلاش کرنے کے لئے گئے۔ آج چار بجے نواب عبدالرحیم خان صاحب نے ایک ہوٹل میں حضور کو مع دس احباب کے چائے پر بلایا۔ حضور وہاں تشریف لے گئے۔ ایک انگریز بھی مدعو تھا۔

...... پٹنی میں استقبالیہ

۷؍ستمبر بروز اتوار کو مولانا عبدالرحیم نیّر صاحب کی طرف سے پٹنی کے مکان اور...... میں حضور کو استقبالیہ دیا جانا تھا۔ مکرم عبدالرحیم نیّر صاحب نے ۲۵۰ کے قریب دعوتی کارڈ بھجوائے۔ اس At Home کے لئے حضور نے ایڈریس لکھا جس کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا۔ استقبالیہ کے وقت بارش ہو رہی تھی۔ چائے باغیچہ میں رکھی گئی۔ لوگ چھتریاں لے کر کھڑے تھے۔ ترکی کے سفیر اور ان کے نائب بھی تشریف لائے۔ اخبارات کے فوٹوگرافرز بھی موجود تھے۔ چائے سے فراغت کے بعد ایڈریس کی کارروائی شروع ہوئی۔ مولانا عبدالرحیم نیّر صاحب نے تعارفی تقریر کی۔ حضور کا ایڈریس چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے پیش کیا۔ اس کے بعد حاضرین نے حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اس تقریب میں سو سے زائد آدمی موجود تھے۔ سلسلہ ملاقات ساڑھے چار بجے سے ۶ بجے تک جاری رہا۔ پھر حضور نے نماز پڑھائی اس کے بعد بھی ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔

۸؍ستمبر کو ویمبلے کانفرنس میں پڑھا جانے والا مضمون حضور نے ہر طرح سے مکمل کر کے کانفرنس کمیٹی کو بھجوا دیا۔ آج چوہدری فتح محمد سیال صاحب اور مولانا عبدالرحیم درد صاحب ایس ایکس SX نام کا ایک ہال چار پونڈ کرایہ پر بک کروا

کے آئے جہاں ۱۷ر ستمبر کو جلسہ ہوگا۔

۹ر ستمبر کو ۱۷ر ستمبر کے جلسہ کے لئے کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے لئے صدر مولوی محمد دین صاحب اور سیکرٹری چوہدری فتح محمد صاحب سیال مقرر ہوئے۔ سب کے ذمہ مختلف طبقات سے رابطہ کا کام سپرد ہوا تا کہ سیاسی، سماجی اور مذہبی گروہوں سے ملاقات کر کے اس جلسہ میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ آج حضور بازار بھی تشریف لے گئے۔ سابق ڈپٹی کمشنر گورداسپور مسٹر واٹسن نے ساڑھے پانچ بجے حضور سے آکر ملاقات کی جو ایک گھنٹہ جاری رہی۔

رات ساڑھے آٹھ بجے گلڈ ہاؤس میں ایسٹ اینڈ ویسٹ سوسائٹی کا جلسہ ہوا تھا جس کے لئے حضور نے لیکچر تحریر کیا جس کا ترجمہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا۔ حضور ۹ بجے کے قریب گلڈ ہاؤس پہنچے۔ حضور نے اپنا مضمون خود پڑھا۔ مضمون تو پندرہ منٹ میں ختم ہوگیا لیکن ملاقاتوں سے رات پونے گیارہ بجے واپسی ہوئی۔ حضور کا مضمون بہت پسند کیا گیا۔

۱۰ر ستمبر کو حضور بازار تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب ہمراہ تھے۔ حضور نے کئی کتب خریدیں۔ گپتا داس صاحب بھی آج ملاقات کے لئے آئے۔ اسی طرح ایک صاحب جو اسپرانٹو زبان کے ماہر تھے انہوں نے حضور سے ملاقات کی اور اسپرانٹو میں ترجمہ قرآن کی خواہش کا اظہار کیا۔

۱۱ر ستمبر کو حضور نے ایک مضمون لکھ کر حضرت مولانا شیر علی صاحب کے نام قادیان میں مع آٹھ تصاویر کے رجسٹرڈ بھجوایا۔ آج لیگ آف نیشنز لنڈن کے دو ممبران حضور سے ملنے آئے اور ایک گھنٹہ ملاقات رہی۔

ویمبلے کانفرنس کے لئے حضور نے جو مضمون لکھا ہے اس کو دو ہزار کی تعداد میں طبع کروانے کا حضور نے ارشاد فرمایا۔ اس سلسلہ میں مختلف پریسوں میں رابطہ کے لئے مولوی محمد دین صاحب گئے۔ چنانچہ وہ طباعت کے معاملات طے کرآئے۔

۱۲ر ستمبر کو صبح حضور بازار بھی تشریف لے گئے۔ آج نماز جمعہ حضور نے ......بیٹھک میں پڑھائی۔ خطبہ جمعہ الحمدللہ کی لطیف تفسیر پر مشتمل تھا۔ محترم حکیم فضل الرحمٰن صاحب مربی سلسلہ گولڈ کوسٹ آج بعد عصر لندن پہنچے۔ پورٹ سمتھ سے مکرم چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور ملک غلام فرید صاحب کا تار آیا کہ ۱۴ر ستمبر کو یہاں حضور کے دو لیکچرز ہوں گے۔ حضور نے ۲۸ر صفحات پر مبنی مضمون پورٹ سمتھ کے لئے تحریر فرمایا۔ جس کو اگلے روز ٹائپ کروالیا گیا۔ ۱۳ر ستمبر کو داس گپتا صاحب نے حضور سے ملاقات کی۔ انہوں نے بار بار اصرار کیا کہ حضور امریکہ تشریف لے جائیں۔ وہاں زیادہ کامیابی کا امکان ہے۔

پورٹ سمتھ روانگی

۱۴ر ستمبر کو صبح ۱۰ بجے واٹرلو اسٹیشن سے روانگی ہوئی اور ۱۲ بجے پورٹ سمتھ پہنچ گئے۔ حضور کے ہمراہ پانچ افراد تھے۔

گرجا گھر میں لیکچر کا انتظام تھا۔ حضور جب گرجا گھر پہنچے تو پادری خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے حضور کو آتے ہی دیکھ کر خوش آمدید کہا اور بہت اعلیٰ رنگ میں تعارف کروایا کہ یہ ریفارمر کے بیٹے ہیں۔ میں ان کو مانتا ہوں اور ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں۔ مَیں چاہتا ہوں سب مذاہب آپس میں مل جائیں۔ اس نے اعلان کیا کہ اب ایک لیکچر مسیح کی آمد ثانی پر مولوی محمد دین صاحب کا ہوگا اور شام کی سروس میں حضرت صاحب کا لیکچر ہوگا۔ اس تقریر کے بعد حضور ہوٹل میں تشریف لے گئے۔ چائے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد گرجا گھر میں آئے۔ حضور نے اپنی تقریر سے قبل جو کہ سات بجے کے قریب شروع ہوئی۔ انگریزی میں تمہیدی گفتگو فرمائی پھر انگریزی میں لیکچر دیا۔ لیکچر انتہائی دلچسپی اور توجہ سے سُنا گیا۔ لوگ گویا بُت بن گئے تھے۔ ایک گھنٹہ تک لیکچر جاری رہا۔ مضمون کے ابتداء اور اختتام میں پادری صاحب نے اس کی تعریف کی۔

پورٹ سمتھ میں ۶ احمدی ہیں۔ انہوں نے شکایت کی کہ ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں آتا۔ حضور نے رات ہوٹل میں ان نو احمدی انگریزوں کو دعوت دی۔ حضور نے فرمایا اب لندن کا مشنری آپ کے پاس آیا کرے گا۔ حضور کو احمدیوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی کہ یہاں احمدیت کا پودا لگ گیا ہے۔

۱۵ ستمبر کو پونے گیارہ بجے حضور پورٹ سمتھ سے واپس لندن پہنچ گئے۔ آج ویمبلے کانفرنس کے سیکرٹری حضور کے مضمون کے بارہ مشورہ کے لئے تشریف لائے۔ آج حضور ایک ٹی پارٹی میں تشریف لے گئے جو ہندوستانی طلبہ نے دی تھی۔ طلبہ نے حضور کو ایڈریس پیش کیا۔ حضور نے اُردو میں جواب دیا جس کا ترجمہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا۔

۱۶ ستمبر کو ایک فوٹو گرافر نے فوٹو کی خواہش کی۔ چنانچہ وہ حضور کی قیام گاہ آیا اور حضور کی تصویر بھی لی اور گروپ فوٹو بھی ہوا۔ مسٹر داس گپتا صاحب آج بھی حضور سے ملنے آئے۔ امریکہ جانے کے بارے میں حضور نے ان سے کہا کہ سردست اس کو ملتوی کر دیا جاوے۔ جب احمدیت کو ترقی ہوگی تب امریکہ کا سفر کر لیا جائے گا۔

۱۷ ستمبر کو مولوی نعمت اللہ خان کی شہادت پر جلسہ پروٹیسٹ منعقد ہوا۔ اس کے لئے حضور نے مضمون لکھا جس کا ترجمہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا۔ شام سوا آٹھ بجے کارروائی کا آغاز ہوا اور ساڑھے دس بجے تک جاری رہا۔ جلسہ کی حاضری دو سو سے زائد تھی۔ مسٹر داس گپتا صاحب نے جلسہ کی غرض بیان کی۔ ڈاکٹر والٹر واش جلسہ کے پریذیڈنٹ قرار پائے۔ اُنہوں نے تقریر کی اور حضور کا تعارف کروایا اور حضور کو دعوت خطاب دی۔ حضور نے انگریزی میں خود مضمون پڑھا۔ اس کے بعد صدر محفل نے تقریر کی اور حضور کے مضمون کی تعریف اور قتل کی سخت مذمت کی اور مولوی نعمت اللہ صاحب کے ثبات و استقلال کی تعریف اور ان کے مشن کو جاری رکھنے کی تاکید کی۔ اس کے بعد ریزولیشن پاس ہوئے۔ آخر پر مولانا عبدالرحیم نیّر صاحب نے صدر مجلس کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ میں بعض اخباری رپورٹر

بھی آئے تھے۔خلیفہ تقی الدین صاحب آج ہندوستان سے لندن پہنچے اور حضور کے ارشاد پر اسی مکان پر آئے۔

ویمبلے کانفرنس میں لیکچر

۲۳ ستمبر کو حضور کا لیکچر ویمبلے کانفرنس میں تھا۔ یہ تاریخی دن اور تاریخی لیکچر ویمبلے کانفرنس کی روح اور خلاصہ تھا۔ پورا ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ اجلاس کی صدارت سر تھیوڈر ماریسن نے کی اور حضور کا تعارف سامعین سے کروایا۔ پھر حضور کو آنے کی دعوت دی۔ حضور تشریف لائے اور مختصر گفتگو کے بعد چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو بلایا کہ وہ حضور کا مضمون سنائیں۔ چوہدری صاحب نے ایک گھنٹہ میں اس مضمون کو پڑھا۔ مضمون سے حاضرین پر وجد طاری تھا۔ صدر مجلس نے مضمون کی تعریف کی اسی طرح حاضرین نے بھی سراہا اور کامیابی پر مبارکبادیں دیں۔ پریس میں بھی حضور کے مضمون کی تعریف کی گئی۔

۲۵ ستمبر کو حضرت حافظ روشن علی صاحب کا لیکچر تصوف پر کانفرنس میں پڑھا گیا۔ حضور نے دراصل یہ مضمون تیار کروایا تھا۔ حضور اس لیکچر کو سننے کے لئے ویمبلے کانفرنس میں تشریف لے گئے۔ حافظ روشن علی صاحب نے ابتدائے مضمون میں تبرکاً تلاوت کی پھر حضرت مسیح موعودؑ کے فارسی کے تین اشعار دلسوز انداز میں سنائے۔ اس پر خوب داد ملی۔ حافظ صاحب کا مضمون مولوی محمد دین صاحب نے پڑھا۔ مضمون خوب پسند کیا گیا۔

کانفرنس میں آنے سے پہلے آج حضور ایک نائیجیرین خاتون مس پینز کی دعوت پر اس کے گھر چائے پینے گئے۔ وہاں انگریز مرد عورتیں بھی شریک تھے۔ حضور کو ایڈریس پیش کیا گیا پھر حضور نے جواب دیا۔ حضور نے اس موقع پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو ''میری زبان'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔

۲۶ ستمبر کو جمعہ قیام گاہ پر ہی ہوا۔ حضور نے خطبہ میں فرمایا کہ میرا سفر یورپ دین کی فتوحات اور ترقی کا اسی طرح پیش خیمہ ہے جس طرح سے حضرت مسیح موعودؑ کے لئے جلسہ مہوتسو یعنی جلسہ اعظم مذاہب تھا۔ حضور نے اپنے سفر کی کامیابی کا ذکر کیا اور بعض ہم وغم جو وفاتوں کی صورت میں ملے ان کا بھی تذکرہ فرمایا۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب کی وفات کا بھی ذکر کیا۔

رات حضور کا ایک لیکچر تھا۔ حضور ساڑھے آٹھ بجے لیکچر ہال پہنچے۔ ہال بھرا ہوا تھا۔ جلسہ کے پریذیڈنٹ مسٹر بوٹ لیڈر کنزرویٹو پارٹی تھے۔ انہوں نے حضور کا تعارف کروایا اور تقریر کی درخواست کی۔ حضور نے مختصر تقریر کی اور فرمایا: میرا مضمون چوہدری ظفر اللہ خان صاحب پڑھیں گے۔ سوا گھنٹہ تقریر رہی۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مضمون کی خوب پذیرائی ہوئی اور آخر پر ریزولیوشن پاس ہوا کہ ایسے علمی مضمون پر ہز ہولی نیس (حضور) کا شکریہ ادا ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر سب نے اس کی تائید کی۔ جلسہ کے آخر پر حضور کو مع رفقاء چائے پیش کی گئی۔ یہاں سے ۱۲ بجے کے قریب رات فارغ ہو کر حضور اپنی قیام گاہ پہنچے۔

۲۷ر ستمبر کو کرنل ڈگلس نے حضور سے ملاقات کی۔ شام چار بجے حضور ایک بہائی عورت کی دعوت چائے پر کلیرج ہوٹل تشریف لے گئے وہاں ایک سو کے قریب متفرق لوگ انگریز وغیرہ موجود تھے۔ لارڈ ہیڈ لے نے بھی حضور سے ملاقات کی۔

۲۸ر ستمبر حضور ساڑھے تین بجے رٹز ہوٹل میں چائے کے لئے تشریف لے گئے مسٹر لافٹس ہیئر مہمانوں کا استقبال کر تے رہے۔ ستر کے قریب لوگ موجود تھے۔ کانفرنس کے صدر سر ڈینی سن راس نے حضور سے ملاقات کرنے کی درخواست کی چنانچہ ان کے اصرار پر حضور نے انگریزی میں تقریر کی۔ چائے میں مذہبی کانفرنس کے عہدے داران کے علاوہ لارڈ ہیڈ لے، کرنل ڈگلس، کرنل میسٹرس وغیرہ شامل تھے۔ سر ڈینی سن راس نے جوابی تقریر میں حضور کی انگریزی زبان کی تعریف اور کانفرنس کے دوبارہ انعقاد کی تجویز کی تائید کی نیز کانفرنس کامیاب بنانے پر حضور کا شکریہ ادا کیا۔ حضور کی تعریف میں انہوں نے کہا: ''Very cultured and refined gentleman'' اس کے بعد مس شارپلز سیکرٹری کانفرنس نے کہا کہ اگر حضور بنفس نفیس نہ آتے تو ہماری کانفرنس کو کس نے پوچھنا تھا۔ ہمیں یہ دن ہرگز نہ بھولیں گے۔

تقریر کے بعد گروپ فوٹو ہوا۔ فوٹو میں حضور کے ارشاد پر خواتین کو کرسیوں پر بٹھا دیا گیا اور مرد کھڑے رہے۔ اس پر عورتوں نے اس قدر دانی پر بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ایسی عزت تو ہماری یورپ کے مرد نہیں کرتے۔

حضور کا لیکچر لنڈن فیلڈ میں نوجوانوں میں ہوا۔ یہ لیکچر چوہدری ظفر اللہ خان نے پڑھا جس کا موضوع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی تعلیم کے بارہ میں تھا کہ نوجوان اس سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۲ر اکتوبر کو ''ولیم دی کنکرر'' والی خواب کو پورا کرنے کیلئے خلیج میونسی پر پہنچے اور ایک کشتی لیکر اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں ولیم دی کنکرر اترا تھا۔

۳ر اکتوبر کو حضور نے خطبہ جمعہ پڑھا اور کانفرنس مذاہب عالم کے آخری اجلاس سے اردو میں خطاب کیا۔
۴ر اکتوبر کو مجوزہ ...... فضل لنڈن کے مقام پر تشریف لے گئے۔ نئے مربی انگلستان محترم مولانا عبدالرحیم درد صاحب کو مکان کی چابی عطا کی اور ان کو اور ان کے نائب محترم ملک غلام فرید صاحب کو مفصل ہدایات دیں۔ ۷ر اکتوبر کو حضور نے دارالامراء House of Lords جبکہ ۸ اور ۹ اکتوبر دارالعوام House of Commons کا اجلاس دیکھا۔

۱۰ر اکتوبر کو جمعہ حضور نے ...... پٹنی (...... فضل) کی جگہ پر پڑھایا اور نماز کے بعد مجوزہ نقشہ ...... کو ملاحظہ فرماتے رہے۔ حضور ...... پر ایک ہزار پونڈ تک خرچ کرنا چاہتے تھے۔ حضور کے ہاں بیٹے کی ولادت کی خبر پہنچی جس پر حضور نے واپسی تار دیا اور نومولود کا نام (صاحبزادہ مرزا) حفیظ احمد رکھا۔

۱۲ر اکتوبر کو حضور ایک ڈاکٹر کے پاس مشورہ کے لئے تشریف لے گئے۔ آج مہمانوں کو چائے پر بلایا گیا تھا۔ اس

کے لئے حضور نے مضمون لکھا جس کا ترجمہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا اور انہوں نے ہی یہ مضمون سنایا جس کے بعد سوال و جواب ہوئے۔ کل حاضری ۳۶ تھی۔ ۱۵/ اکتوبر کو حضور سکول آف اورینٹل سٹڈیز کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور کے ساتھ عبدالرحیم درد صاحب، حافظ روشن علی صاحب اور شیخ عبدالرحمان مصری صاحب تھے۔ یہاں سر ڈینی سن راس سے ملاقات ہوئی۔ حضور نے عربی پڑھنے والوں کی کلاس کو دیکھا۔ اسی طرح چینی، جاپانی، ہندوستانی کی کلاسیں اور کتب خانہ بھی دیکھا۔ فلسفہ تاریخ کی کلاس بھی حضور نے دیکھی اور ایک دو مصری طلبہ سے مسئلہ نبوت پر گفتگو شروع ہوئی۔ ہسٹری کی انگریز پروفیسر سے حضور کی باتیں ہوئیں۔

سر ڈینی سن راس نے مارگولی اتھ کے لیکچر کے حوالہ سے جو اس نے کل دیا تھا حضور سے کہا کہ یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن سے پہلے عرب میں نہ شاعری تھی نہ شعر۔ اس کے رد میں حضور نے سیر حاصل بحث کی جس سے سر ڈینی سن نے اس نظریہ کو ترک کر دیا۔

......فضل لندن کا سنگ بنیاد

۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے دن کو دورہ یورپ کا معراج کہنا چاہیے جس دن فتح دین کی مستقل بنیاد مغرب میں رکھی گئی۔ اس روز چار بجے شام حضور نے ......فضل لندن (۶۳۔ میلروز روڈ) کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھا۔ امام ......فضل لندن مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے تعارفی ایڈریس پڑھا۔ حافظ روشن علی صاحب نے تلاوت کی پھر حضور نے ......کی غرض و غایت پر مبنی انگریزی میں مضمون پڑھا۔ اس کے بعد حضور نے بنیادی پتھر رکھا جس پر انگریزی میں ایک مضمون درج تھا جس میں یہ الفاظ بھی درج تھے کہ یہ جگہ......کی نورانی کرنوں کو اس ملک اور دوسرے ملکوں میں پھیلانے کیلئے روحانی سورج کا کام دے۔ یہ پیشگوئی کا رنگ رکھنے والے الفاظ تھے جو تقدیر الٰہی کے تحت پورے ہوئے اور ۱۹۸۴ء کے بعد سے یہ جگہ خلافت احمدیہ کا مسکن بھی بن گئی اور یہاں سے دین کا پیغام پوری دنیا میں پھیلنے لگا۔

سنگ بنیاد کی تقریب میں ممتاز شخصیات جو مختلف اقوام سے تعلق رکھتی تھیں شامل ہوئیں۔ بارش کے باوجود دو صد سے زائد لوگ اس تقریب سعید میں شامل ہوئے۔ کئی حکومتوں کے نمائندگان نے بھی شرکت کی بعض نے اپنے پیغامات کے ذریعے خوشی کا اظہار کیا۔ بہت سے اخبارات نے بھی اس ...... کے سنگ بنیاد پر نوٹ لکھے۔ ۲۴/ اکتوبر کو حضور نے ......فضل میں خطبہ جمعہ پڑھایا اور فرمایا کہ میرے نزدیک انگلستان کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔

لندن سے قادیان کا سفر

۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سفر یورپ سے واپسی کا مرحلہ شروع ہوا۔ واٹرلو اسٹیشن سے گاڑی پر روانہ ہوئے۔ رودبار انگلستان کو عبور کر کے ۲۶/ اکتوبر کو پیرس پہنچے۔ حضور پیرس میں ۳۰/ اکتوبر تک قیام پذیر رہے۔ ۳۰/ اکتوبر کو حضور سرکاری تعمیر شدہ مسجد میں تشریف لے گئے یہاں حضور نے نماز بھی پڑھائی۔ عبدالرحمان مصری صاحب کی معرفت

حضور نے شکریہ ادا کیا۔ عبدالرحمان مصری صاحب نے عربی میں شکریہ ادا کیا کیونکہ بیشتر لوگ مراکش اور عربی بولنے والے تھے۔

پیرس سے اٹلی پہنچے۔ پہلے میلان اسٹیشن پہنچے۔ میلان شہر دیکھنے حضور تشریف لے گئے۔ ایک اخبار کے ایڈیٹر نے حضور سے ملاقات کی اور متعدد سوالات کرتا رہا۔ میلان سے وینس کے لئے بذریعہ ٹرین روانگی ہوئی۔ یکم نومبر کو حضور نے وینس شہر دیکھا۔

۲ رنومبر کو وینس سے جہاز کے ذریعے بمبئی روانہ ہونا تھا۔ حضور صبح مولانا عبدالرحیم درد صاحب کو بلا کر ہدایات لکھاتے رہے جس میں لندن مشن کی کامیابی کی دعائیں بھی تھیں۔ پلسنا جہاز جس پر روانہ ہونا تھا اس نے تین بجے سہ پہر روانہ ہونا تھا۔ حضور ناشتہ کے بعد بازار تشریف لے گئے اور شاپنگ کی۔ قافلہ کی روانگی کے وقت حضور نے لمبی دعائیں کروائیں۔ روانگی کے وقت تقریباً دوصد کے قریب لوگ جمع ہو گئے تھے۔ حضور بحری جہاز کے کمرہ نمبر ۵۹ فرسٹ کلاس میں تشریف لے گئے۔

جہاز پر سوار ہونے کے بعد حضور نے دعاؤں کے ساتھ مولانا عبدالرحیم درد صاحب کو رخصت کیا۔ یہ جدائی کے لمحات درد صاحب اور باقی سب کے لئے جذباتی تھے۔ حضور دیر تک درد صاحب کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور محبت کا اظہار کیا۔

۴ رنومبر کو جہاز برنڈزی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ یہاں آتے ہوئے بھی حضور نے دوستوں کو جمع کر کے یورپ آمد کے حوالے سے لمبی دعا کروائی تھی اب یہاں سے جاتے ہوئے بھی حضور نے دعا کروائی۔ حضور برنڈزی اترے اور بازار بھی گئے۔ کچھ دیر رکنے کے بعد جہاز پورٹ سعید مصر کے لئے روانہ ہوا۔ سات نومبر کو جہاز پورٹ سعید پہنچا یہاں پہنچ کر قادیان کی ڈاک ملی۔ جمعہ کا دن تھا۔ پورٹ سعید اتر کر حضور نے ایک...... میں نماز ظہر وعصر پڑھائی۔ شام کو جہاز دوبارہ چل پڑا۔

۸ رنومبر کو جہاز سویز پورٹ پر پہنچا یہاں شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مع ایک نائیجیرین احمدی کے منتظر قافلہ تھے۔ حضور سے ملاقات ہوئی۔ شیخ محمود احمد عرفانی صاحب نے بتایا کہ مصر میں حضور کے دورہ کی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں اور...... لندن کی سنگ بنیاد کی خبر بھی شائع ہوئی تھی۔ یہاں پر حضور نے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو رخصت کیا۔ لمبا معانقہ اور دعا کروائی یہ رقت آمیز لمحات تھے۔

۹ رنومبر کو جہاز ارض مقدس وطن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا، دعائیں ہوتی رہیں۔ حضور نے نماز ظہر وعصر خاص دعاؤں کے ساتھ پڑھائیں۔ ۱۰ رنومبر کو حضور نے جہاز میں قورمہ، پلاؤ اور مٹھائی کے ساتھ کوئی تیس لوگوں کی دعوت کی۔ جہاز میں خوب دعوت الی اللہ بھی ہوتی رہی اور جہاز احمدیہ لائبریری بنا رہا۔

۱۲رنومبر کو جہاز عدن پہنچ گیا۔حضور شہر تشریف لے گئے۔حوض، تالاب اور باغ دیکھا۔واپسی پر قادیان اور لندن تار دیئے۔رات نو بجے جہاز روانہ ہوا۔

۱۳رنومبر کو جہاز میں لیڈی لوٹین (Luttyen) نے ملاقات کی۔لیڈی لیوٹن سر لوٹین کی بیوی ہیں۔جونئی دہلی کی تعمیر اور نقشہ جات کے انتظام کے اعلیٰ افسر ہیں۔لیڈی لوٹین کے بھائی بنگال کے گورنر ہیں۔یہ لیڈی یورپ کی تھیوسافیکل سوسائٹیوں کی پریذیڈنٹ ہیں۔ملاقات میں حضور نے بیس منٹ تک حضور کی دعاوی اور تعلیمات پر تقریر کی اور کئی سوالات کے جوابات دیئے۔آخر پر لیڈی کی خواہش پر حافظ روشن علی صاحب نے کچھ تلاوت قرآن کی اور مثنوی مولانا روم کے چند اشعار سنائے۔

۱۴رنومبر جمعہ کو حضور نے مختصر خطبہ پڑھا۔لندن کا رسالہ The Sphere مورخہ ۲۵راکتوبر ایک انگریز ڈاکٹر جو سفر کر رہے تھے ان کے پاس تھا اس میں لندن ...... کے سنگ بنیاد کی تصویر وحالات درج تھے۔ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے یہ رسالہ حضور کو دکھایا۔۱۷رنومبر جہاز میں آخری رات تھی جہاز کے ملازموں کو انعامات تقسیم کئے گئے اور تمام بل ادا کر دیئے گئے۔

بمبئی آمد

۱۸رنومبر کی صبح جہاز بمبئی پہنچ گیا۔حضرت مفتی محمد صادق صاحب سمیت بہت سے احباب بندرگاہ پر استقبال کے لئے موجود تھے۔اللہ اکبر،اھلاً و سھلاً کے نعروں کے ساتھ استقبال اور شرف ملاقات حاصل ہوا۔حضور نے جہاز سے اُتر کر سرزمین ہند پر قدم رکھتے ہوئے لمبی دُعا کروائی۔حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے احباب جماعت کی جانب سے حضور کو ایڈریس پیش کیا۔حضور نے جوابی تقریر کی۔مشہور اخبارات کے نمائندے اور فوٹو گرافر تصاویر لیتے رہے۔حضور نواب سید محمد رضوی صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے جہاں قیام کا انتظام تھا۔شام پانچ بجے واٹسن ہوٹل میں شیخ نیاز محمد صاحب سب انسپکٹر پولیس حیدرآباد سندھ نے حضور کو مع قافلہ چائے کی دعوت دی۔میہمان نواز نے انگریزی میں حضور کا شکریہ ادا کیا۔حضور نے بھی جوابی تقریر انگریزی میں کی۔اس موقع پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے بھی مختصر تقریر کی اور کہا کہ حضور کی انگریزی میں سلاست نے مجھے بہت لطف دیا ہے۔یہ حضرت مسیح موعود کی صداقت کا بیّن نشان اور معجزہ ہے۔بمبئی قیام کے دوران مختلف جماعتوں کی طرف سے ایڈریس پیش کئے گئے اور اخبارات نے خبریں بھی شائع کیں۔

بمبئی سے قادیان آمد

۲۰رنومبر کو حضور بمبئی سے قادیان کے لئے بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے۔۲۱رنومبر کو آپ کا آگرہ میں شاندار استقبال کیا گیا۔۲۲رنومبر کو حضور ملکانہ کا دعوت الی اللہ سنٹر ساندھن دیکھنے گئے۔ساندھن سے حضور دہلی کے لئے روانہ

ہو گئے۔ دہلی اسٹیشن پر بہت بڑا مجمع تھا۔ دہلی اور شملہ کی جماعتوں نے ایڈریس پیش کیا۔ ۲۳؍نومبر کی صبح حضور دہلی سے انبالہ اور پھر بٹالہ پہنچے اور رات قیام بٹالہ میں تھا۔

”دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ“

۲۴؍نومبر دوشنبہ (سوموار) کا مبارک دن تھا جب حضور بٹالہ سے قادیان بذریعہ موٹر روانہ ہوئے۔ ۵؍نومبر کو سفر کے دوران جہاز میں حضور کو خیال ہوا کہ حضرت مسیح موعود کا الہام دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ شاید اس سفر کے بارہ میں ہو۔ ۱۷؍نومبر کو اگر جہاز بمبئی پہنچے تو یہ دوشنبہ کا دن ہے۔ اگر جہاز لیٹ ہے تو دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ۲۴؍نومبر دوشنبہ کو قادیان پہنچیں۔ یہ تجویز علماء کی طرف سے پیش ہوئی۔

حضور قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔ ادھر قادیان میں سب لوگ اپنے محبوب آقا کی واپسی پر شاندار استقبال کے لئے جمع تھے۔ مقام استقبال قادیان اور بٹالہ کی سڑکوں کے مقام اتصال پر کنوئیں کے پاس مقرر تھا۔ یہ جگہ خوبصورتی سے سجائی گئی تھی۔ حضور جب یہاں پہنچے تو سب سے پہلے حضرت مولانا شیر علی صاحب اور پھر حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے مصافحہ و معانقہ کا شرف حاصل کیا۔ پھر حضور نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو گلے لگایا۔ اس کے بعد حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب سے ملے اور پھر مجمع میں دُعا کروائی اور مجمع کے ہمراہ پیدل قادیان کے لئے چل پڑے۔ قادیان پہنچ کر باغ پہنچے وضو کیا اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر دُعا کی۔ اپنے نانا حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قبر پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھی جو سفر کے دوران وفات پا گئے تھے۔ یہاں سے ہجوم سمیت احمدیہ چوک پہنچے اور سارے مجمع سمیت واپسی کی دُعا پڑھی۔ یہ مناظر بہت جذباتی اور رقت آمیز تھے۔ حضور ......المبارک گئے دو رکعت نوافل مع رفقاء کے ادا کئے اور پھر مجمع کو السلام علیکم کر کے دار المسیح میں تشریف لے گئے۔

یوں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کا یہ مبارک اور غیر معمولی اہمیت کا حامل سفر یورپ جو ۱۲؍جولائی ۱۹۲۴ء کو شروع ہوا تھا بائیل مرام ۲۴؍نومبر کو اختتام پذیر ہوا۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت مولانا شیر علی صاحب نے ......اقصیٰ میں جماعت قادیان کی طرف سے حضور کو سپاس نامہ پیش کیا۔ حضور نے جوابی تقریر کی اور اس سفر میں تائیدات الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

دوسرا سفر یورپ ۱۹۵۵ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پہلے سفر ۱۹۲۴ء کی تفصیلی روداد گزشتہ صفحات میں ہدیہ قارئین کی جا چکی ہے۔ اب حضور کے دوسرے سفر یورپ ۱۹۵۵ء کی مختصر روداد پیش ہے۔ پہلے سفر کی وجہ ویمبلے مذہبی کانفرنس میں شرکت تھی لیکن وہ دیگر غیر معمولی ترقیات کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوا۔ دوسرے سفر کا سبب حضور کا علاج تھا لیکن یہ سفر بھی دعوت الی اللہ اور

جماعتی ترقیات کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

حضور کی بیماری اور علاج کے لئے یورپ جانے کا مشورہ

مورخہ ۱۰؍ مارچ ۱۹۵۴ء کو جب حضور عصر کی نماز بیت المبارک میں پڑھا کر واپس جانے لگے تو ایک نوجوان دشمن مسمی عبدالحمید نے آپ پر چاقو سے حملہ کر دیا۔ یہ وار حضور کی شہ رگ کے قریب پڑا اور گہرا گھاؤ پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔ ربوہ میں ہی حضور کا آپریشن کیا گیا اور حضور روبصحت ہونا شروع ہو گئے۔

۲۶؍ فروری ۱۹۵۵ء کو حضور پر شدید بیماری کا حملہ ہوا اور حضور کے بائیں جانب بے حسی کی کیفیت آئی۔ بیماری کے اثرات جلد زائل ہو گئے۔ ۱۹۵۴ء کی مجلس مشاورت میں مخلصین جماعت نے حضور کو بغرض علاج امریکہ جانے کا مشورہ دیا۔ اب ڈاکٹرز نے بھی حضور کو مشورہ دیا کہ امریکہ یا یورپ سے علاج کروایا جائے۔ اس کے لئے حضور نے خود بھی استخارہ کیا اور چھ بزرگان سلسلہ سے بھی استخارہ کروایا۔ حضور کو جب دُعاؤں کے بعد اطمینانِ قلب ہوا تو حضور نے امریکہ کی بجائے یورپ جانے کا فیصلہ کیا۔ جانے سے قبل حضور نے احباب جماعت کے نام پیغامات بھی شائع کروائے۔ حضور نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو امیر مقامی مقرر فرمایا۔

سفر یورپ کا آغاز

۲۳؍ مارچ ۱۹۵۵ء کو صبح نو بجے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سفر یورپ کے لئے قصرِ خلافت ربوہ سے روانہ ہوئے۔ بزرگان سلسلہ اور اہالیان ربوہ کی کثیر تعداد نے یہاں حضور کو دُعاؤں سے رخصت کیا۔ قصرِ خلافت سے روانہ ہونے کے بعد حضور بہشتی مقبرہ تشریف لے گئے اور حضرت اماں جان کے مزار پر دُعا کی۔ ربوہ سے لاہور کے لئے بذریعہ کار روانگی ہوئی۔ لاہور میں آپ نے رتن باغ میں قیام فرمایا۔

۲۶؍ مارچ کی صبح حضور رتن باغ سے لاہور اسٹیشن کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک گروہ کثیر اسٹیشن پر الوداع کہنے آیا ہوا تھا۔ یہاں بھی اجتماعی دُعا کروائی۔ حضور خیبر میل کے ذریعہ کراچی روانہ ہوئے اور اگلے روز بخیریت کراچی پہنچ گئے اور کوئٹہ والا بلڈنگ ملیر میں رہائش پذیر ہوئے۔ کراچی میں حضور ایک ماہ قیام پذیر رہے۔

۲۹؍ اور ۳۰؍ اپریل کی درمیانی شب حضرت مصلح موعود سفر یورپ کے ارادہ سے کے ایل ایم (KLM) کے طیارہ کے ذریعہ کراچی سے دمشق کے لئے روانہ ہوئے۔ کراچی رہائش گاہ پر عشاقانِ خلافت کی ایک کثیر تعداد اپنے محبوب آقا کو دعاؤں کے ساتھ الوداع کہنے کے لئے جمع تھی جو کراچی اور سندھ سے آئے تھے۔ صبح سوا نو بجے حضور اپنے عشاق میں تشریف لائے اور مجمع سمیت لمبی اور پُرسوز دُعا فرمائی۔ اس کے بعد احباب بسوں اور کاروں کے ذریعہ ایئرپورٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔ سوا گیارہ بجے رات حضور کار پر ایئرپورٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ ایئرپورٹ پر احباب نے باری باری مصافحہ اور زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ڈیڑھ بجے شب حضور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اور

دیگر ساتھیوں کی معیت میں جہاز پر سوار ہونے کے لئے تشریف لے گئے۔ دو بجے جہاز دمشق کے لئے روانہ ہوا۔

۲۹/اپریل کو ربوہ میں بھی اجتماعی دُعائیں اور صدقہ کا انتظام جماعت کی طرف سے کیا گیا۔ رات ایک بجے لوگوں نے ...... جا کر سفر کی کامیابی کے لئے دُعائیں کیں۔ ...... مبارک میں دُعا محترم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری نے کروائی۔

اس سفر میں حضور کے ساتھ مندرجہ ذیل احباب شریک تھے:

سیدہ اُم متین مریم صدیقہ صاحبہ، سیدہ مہر آپا صاحبہ، صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ اور صاحبزادی امۃ المتین صاحبہ کے علاوہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی تھے۔ حضور کے اہل خانہ کے بعض دیگر افراد بھی اس سفر میں شریک ہوئے تھے۔ اس طرح ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب بھی بعد میں شریک ہو گئے تھے۔

(نوٹ: حضور کا قافلہ تین حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔ پہلا قافلہ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے ساتھ ۱۶/اپریل ۱۹۵۵ء کو لنڈن روانہ ہوا جس میں حضور کے خاندان کے افراد تھے۔ دوسرا قافلہ حضور کے ہمراہ روانہ ہوا جبکہ عملہ ایک قافلہ ۳/مئی کو لندن روانہ ہوا۔)

۳۰/اپریل کو حضور دمشق کے فضائی مستقر پر وارد ہوئے۔ چوہدری مشتاق احمد باجوہ صاحب اور احمدی احباب استقبال کے لئے موجود تھے۔ اس کے بعد قافلہ الحاج بدرالدین الحصنی صاحب کے مکان پر پہنچا جہاں قیام کا انتظام تھا۔ الحاج بدرالدین صاحب محترم السید منیر الحصنی صاحب مربی انچارج دمشق کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آج کے دن حضور نے دمشق کے احباب سے ملاقات کی۔ یکم مئی کو حضور ایک باغ المنشیۃ تشریف لے گئے۔

محترم شیخ نور احمد منیر صاحب مربی انچارج بیروت نے لبنانی احمدی دوست کے ساتھ یہ درخواست کی حضور بیروت بھی تشریف لائیں جسے حضور نے منظور فرمایا۔

۳/مئی کو حضور نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا۔ آج حضور نے ایک شامی احمدی کا ایک شامی خاتون سے نکاح کا اعلان فرمایا جو سیدہ نجمہ بنت الحسن الجابی مرحوم کا نکاح ہمراہ سیّد سعید القبانی تھا۔ رات سیّد منیر الحصنی صاحب کے مرحوم بھائی سیّد عبدالرؤف الحصنی صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ ان کے بیٹے سیّد نادر الحصنی اخلاص کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ۵/مئی کو دعوت عشائیہ السید منیر مالکی کے ہاں تھی جہاں کئی شامی احباب بھی مدعو تھے۔ ۶/مئی کو حضور نے قیام گاہ پر ہی جمعہ پڑھایا جو حضور نے فصیح و بلیغ عربی میں پڑھا۔ جماعت دمشق نے آج زاویہ الحصنی شاغور میں حضور کے اعزاز میں دعوت عشائیہ کا اہتمام کیا تھا مگر حضور ناسازیٔ طبع کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

۷/مئی کو حضور صبح سات بجے دمشق سے بیروت کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور کے ہمراہ شامی مخلصین بھی تھے۔ حضور

شتورہ سے بعلبک دیکھنے تشریف لے گئے۔ڈیڑھ بجے قافلہ عالیہ کے مقام پر پہنچا جو صحت افزا پہاڑی مقام ہے۔یہاں شیخ نور احمد منیر صاحب مع لبنانی جماعت کے موجود تھے۔لبنان جماعت کے سیکرٹری محمد توفیق الصفدی نے استقبالی ایڈریس پڑھا اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔رات یہیں قیام رہا۔

۱۹۲۴ء میں بھی حضور دمشق تشریف لائے جبکہ وہاں کوئی جماعت نہ تھی اب ۱۹۵۵ء میں مخلص عرب احمدیوں پر مشتمل جماعتیں بلاد عربیہ میں قائم ہو چکی تھیں۔

بیروت سے زیورک روانگی

۸رمئی کو بیروت ایئر پورٹ سے زیورک (سوئٹزرلینڈ) کے لئے روانگی تھی۔پونے سات بجے صبح قافلہ ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہوا۔احباب نے والہانہ محبت کے ساتھ اپنے امام کو رخصت کیا۔تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جہاز ایتھنز (یونان) اُترا۔وقفہ کا وقت حضور نے ریستوران میں گزارا اور پھر رومؔ کے لئے جہاز پر سوار ہوئے۔اڑھائی بجے روم پہنچے۔چوہدری ظفر اللہ خان صاحب یہاں سے سیدھے ایمسٹرڈم روانہ ہوئے۔حضور ساڑھے تین گھنٹے روم میں ٹھہرے اور شام چھ بجے TWA کے جہاز پر سوار ہو کر جنیوا کے لئے روانہ ہوئے۔ساڑھے آٹھ بجے سے کچھ پہلے جہاز جنیوا پہنچ گیا محترم شیخ ناصر احمد صاحب مربی سوئٹزرلینڈ استقبال کے لئے موجود تھے۔جنیوا میں قیام Hotel Del'ecu میں تھا اور یہ جھیل کنارے واقعہ تھا۔اگلے روز صبح حضور جنیوا کی سیر کے لئے تشریف لے گئے اور پھر نو بجکر دس منٹ پر موٹر کاروں پر حضور ہمراہ اہل وعیال و شیخ ناصر احمد صاحب زیورک کے لئے روانہ ہو گئے اور ایک بجے کے قریب زیورک پہنچے۔یہاں قافلہ کی رہائش 2-Begonian Strasse میں تھی۔یہاں پہنچ کر حضور نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے نام تار ارسال فرمایا۔

۱۰رمئی کو ۳ بجے پروفیسر ڈاکٹر روسیو Prossier جو زیورک ہسپتال Kantonspitzel میں کام کر رہے تھے ان کے ساتھ وقت مقرر تھا۔روسیو ماہر اور مشہور طبیب ہیں۔ڈاکٹر صاحب موصوف نے معائنہ کے بعد مزید معائنوں کے لئے مختلف تاریخیں مقرر کیں۔چنانچہ ۱۱رمئی کو مختلف ایکسریز لئے گئے۔۱۲رمئی کو حضور نے ایک ہومیو ڈاکٹر گیزل (Gisel) سے ملاقات کی اور طبی مشورہ لیا۔آج حضور بازار بھی گئے اور ایک خوشنما مقام Belvoir Park نامی ریستوران میں گئے جہاں ایک ٹریننگ سنٹر بھی تھا۔ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب جو کراچی سے لندن پہنچے تھے۔۱۰رمئی کو زیورک پہنچ گئے۔

۲۰رمئی کو حضور نے جو پیغام احباب کے لئے بھیجا اور ۲۴رمئی کے الفضل میں شائع ہوا اس میں حضور نے اپنے علاج کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ بیماری متعین ہوگئی ہے اور اس کے مطابق علاج ہو رہا ہے جو قاتلانہ حملہ چاقو سے گزشتہ سال ہوا تھا اس چاقو کی نوک گردن میں ٹوٹ گئی تھی جو اب بھی اندر ریڑھ کی ہڈی کے قریب موجود ہے۔

زیورک قیام کے دوران حضور نے چار خطبات جمعہ ارشاد فرمائے جو کہ ۲۰ رمئی ، ۲۷ رمئی ، ۳ رجون اور ۱۰ رجون ۱۹۵۵ء کے خطبات جمعہ تھے۔ ان پر معارف خطبات میں آپ نے سورۃ فاتحہ میں کمیونزم اور کیپٹلزم کے مقابلہ کے لئے جو گر بیان کئے گئے ہیں ان کا پُر معارف تذکرہ فرمایا۔

۲۹ رمئی ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۹ ررمضان کو ربوہ میں درس قرآن کی اختتامی دُعا ہوئی جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے کروائی۔ یہ دُعا امام کی جدائی میں تھی۔ گریہ وزاری اور تضرع کے ساتھ عرش کو ہلا دینے والی دُعا تھی۔ یہ دُعا ایسی مقبول ہوئی کہ اس کا نظارہ حضور نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ ہزاروں لوگ میرے لئے دُعا کر رہے ہیں اور اتنا دردناک نظارہ تھا کہ میرا دل دہل گیا۔

حضور نے زیورک سے ناظر صاحب اعلیٰ ربوہ کے نام ایک مکتوب میں ربوہ میں درخت بکثرت لگانے کے لئے تاکید فرمائی اور اس کے لئے ٹیوب ویل کا انتظام کرنے کا بھی ارشاد فرمایا تا پانی مہیا ہو سکے۔

۳۰ رمئی کو حضور ڈاکٹر شمٹ ہومیو پیتھ سے مشورہ کے لئے جنیوا تشریف لے گئے اور اگلے روز واپس آئے۔

۵ رجون کو زیورچ کے احمدی احباب کو ایک ٹی پارٹی کے موقع پر حضور نے انگریزی میں خطاب فرمایا جس کا جرمن ترجمہ شیخ ناصر احمد صاحب نے کیا۔

۸ رجون کو حضور کا سوئس ٹیلی وژن پر انٹرویو نشر ہوا۔ یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا۔ جس کا ترجمہ شیخ ناصر احمد صاحب نے جرمن زبان میں کیا۔ اس روز ایک یوگوسلاوین نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اٹلی، جرمنی اور ھالینڈ میں ورود مسعود

حضور ایک ماہ تک سوئٹزرلینڈ میں قیام پذیر رہے۔ ۱۰ رجون کو بذریعہ کار جنوبی سوئٹزرلینڈ کے مقام لوگانو روانہ ہو گئے۔ ۱۱ رجون کو اٹلی کے شہر وینس پہنچے۔ ۱۴ رجون کو وینس سے انزبروک آسٹریا تشریف لے گئے۔ ۱۵ رجون کو آسٹریا سے جرمنی چلے گئے۔ جرمنی میں حضور نیورمبرگ پہنچے جہاں چوہدری عبداللطیف صاحب مربی جرمنی اور مخلصین استقبال کے لئے موجود تھے۔ کئی نو احمدی تھے جنہوں سے ملاقات ہوئی۔

۱۸ رجون کو حضور ہیگ (ہالینڈ) پہنچے اور احباب ۲۴ رجون تک یہاں قیام پذیر رہے اور پھر دوبارہ جرمنی تشریف لے آئے۔ حضور مع قافلہ ۲۵ رجون کو ہمبرگ کے ایئرپورٹ پر اُترے اور ہوٹل میں قیام فرمایا۔ ہمبرگ کے ایک مشہور جرنلسٹ Mr Pirath نے حضور کا انٹرویو لیا اور تصاویر بھی لیں۔ ۲۶ رجون کو ہمبرگ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر این Pethe کے پاس معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد حضور نے جرمنی کے ایک مستشرق Kamaour سے موثر گفتگو فرمائی کہ اس نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کا دینی نام زبیر تجویز فرمایا۔ ایک اور مستشرق ڈاکٹر Ahel نے بھی حضور سے ملاقات کی۔

۲۷؍جون کو حضور بازار گئے پھر ہوٹل پر ایک نو احمدی دوست Kretzchmar نے ملاقات کی۔ ہمبرگ حکومت کی جانب سے حضور کے اعزاز میں استقبالیہ کا اہتمام ہوا۔ حضور حکومتی نمائندگان کو ملنے کے لئے پونے گیارہ ٹاؤن ہال تشریف لے گئے اور وہاں وزیر تعمیر Mr. Fisenne اور گورنمنٹ کے سیکرٹری جنرل Mr. Joss نے حضور سے ملاقات کی۔ اس موقع پر اخباری نمائندے نے تصاویر بھی لیں جو دو اخبارات میں شائع ہوئیں۔ ملاقات کے بعد حضور ہمبرگ کے مشہور سرجن پروفیسر ڈاکٹر جونپر سے مشورہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس نے کہا کہ چاقو کی نوک کو نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اسی روز مقامی جماعت نے حضور کے اعزاز میں چائے کی دعوت کی۔ مکرم برادر عبدالکریم صاحب نے حضور کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔ اس کے جواب میں حضور نے انگریزی میں تقریر کی جس کا جرمن ترجمہ چوہدری عبد اللطیف صاحب نے کیا۔ حضور کی اس تقریر اور ٹاؤن ہال کے استقبالیہ کا روزنامہ Hamburgar Angeiger نے اپنی ۲۸؍جون کی اشاعت میں تصویر کے ساتھ تذکرہ کیا۔ اس کے علاوہ بیسیوں اخبارات میں حضور کی آمد کے تذکرے ہوئے۔ حضور نے مربی جرمنی عبداللطیف صاحب کی مخلصانہ خدمات کا شاندار الفاظ میں گیسٹ بک میں تذکرہ تحریر فرمایا۔

جرمنی سے ھالینڈ اور پھر لندن میں ورود

۲۹؍جون کو حضور جرمنی سے ہوائی جہاز پر ہیگ ہالینڈ میں تشریف لے آئے۔ یہاں یکم جولائی کو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ ۳؍جولائی کو حضور مع قافلہ لندن میں تشریف لے آئے۔

لندن قیام کے دوران ایک تاریخی کام ''مربیان کرام کی عالمی کانفرنس'' کا انعقاد تھا جو ۲۲ تا ۲۴؍جولائی تک لندن میں جاری رہی۔ کانفرنس میں امریکہ، جزائر غرب الہند، افریقہ اور یورپ کے مربیان کرام نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کے پانچ اجلاس ہوئے اور سبھی میں حضور نے شرکت کی اور ایک ایک ملک کی رپورٹ کو لے کر بحث وتمحیص کی گئی۔ موجودہ مشنوں کی مضبوطی اور نئے ...... مشنز کے بارہ اہم فیصلے کئے گئے۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کی۔ ہفت روزہ المنیر لائلپور جو کہ مخالف احمدیت رسالہ ہے اس نے اپنی ۱۰؍اگست ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں اس کانفرنس پر اپنا تبصرہ بھی شائع کیا۔

۲۷؍جولائی کو مالٹا کے ایک انجینئر نے جو لندن میں مقیم تھے حضور کے دست مبارک پر بیعت کر کے احمدیت قبول کی۔ ۳۰؍جولائی کو حضور نے لندن میں نماز عیدالاضحیہ پڑھائی۔ اس عید میں تقریباً پانچ صد لوگ شامل تھے جس میں ارجنٹائن، ہیٹی اور چلی کے سفیر، لندن کے میئر اور بعض اہم شخصیات بھی شامل ہوئیں۔ عید کے بعد سپر چیولسٹ ڈسمنڈ شا نے حضور سے ملاقات کی۔

۴؍اگست کو مولانا نسیم سیفی صاحب مربی سلسلہ نائیجریا اور مکرم اے۔ جی۔ کگو صاحب نائب صدر جماعت

نائیجیریا نے حضور سے ملاقات کر کے جماعت نائیجیریا کی طرف سے جذبات عقیدت کا اظہار کیا اور نائیجیریا میں آمد کی خواہش کا اظہار کیا۔ جماعت نائیجیریا کی طرف سے ایک چھڑی حضور کو پیش کی اور حضور کی چھڑی تبرکاً لینے کی خواہش کی حضور نے ازراہ شفقت اپنی چھڑی جماعت نائیجیریا کو عطا فرمائی۔ جو لیگوس مشن میں رکھ دی گئی۔

۱۵/اگست کو برطانیہ کے ایک مؤقر ماہنامہ ایسٹرن ورلڈ کے ایڈیٹر حضور سے ملاقات کے لئے آئے۔ اُس روز زنجبار کے دو طلبہ کو حضور نے شرف ملاقات بخشا۔

حضور لندن میں ہی تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی حرم محترم حضرت اماں جی کے انتقال کی خبر پہنچی۔ حضور نے بذریعہ تار پیغام تعزیت ارسال فرمایا اور مقام تدفین کے بارہ ہدایت دی۔

۱۱/اگست کو ایک سوئس Mr. Studer جو حضور کے ہمراہ بطور ڈرائیور سوئٹزرلینڈ سے آئے تھے حضور کی بیعت کر کے دین حق میں داخل ہوئے۔ اسی روز ناظر صاحب اعلیٰ ربوہ کے نام مکتوب میں اپنے واپسی پروگرام کی اطلاع دی۔

۲۴/اگست کو حضور کے قافلہ کا ایک گروپ لندن سے بخیریت کراچی پہنچ گیا۔ اس میں حضرت اُمّ ناصر، حضرت اُمّ وسیم کے علاوہ حضور کے بعض صاحبزادگان اور قریشی عبدالرشید صاحب وکیل التجارت بھی شامل تھے۔

۲۵/اگست کو جماعت انگلستان نے گروونر ہاؤس کے وسیع ہال میں حضور کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کیا۔ مکرم مولود احمد خان صاحب امام ...... فضل نے سپاسنامہ پیش کیا۔ حضور نے جوابی تقریر فرمائی۔ دعوت میں لندن کے میئر، پاکستان کے ہائی کمشنر، ممبر پارلیمنٹ سرہیول اور متعدد دیگر شخصیات نے شرکت کی۔

لندن سے واپسی اور کراچی آمد

حضور ۲۶/اگست ۱۹۵۵ء کو لندن سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ ۲۷/اگست کو آپ زیورک سوئٹزرلینڈ پہنچے۔ ۲۹/اگست کو ڈاکٹر روزیئر نے حضور کا معائنہ کیا اور صحت کو تسلی بخش قرار دیا۔ ۳۱/اگست کو حضور نے زیورک ایک علمی ادارہ میں ''...... کی روح اور اس کے بنیادی اصول'' کے موضوع پر انگریزی میں لیکچر دیا۔

دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ

حضور اپنے سفر کے آخری مرحلہ میں سوئٹزرلینڈ سے بیروت اور بیروت سے کراچی روانہ ہوئے اور ۵/ستمبر بروز دوشنبہ (سوموار) کراچی ورود مسعود فرمایا۔ یوں پیشگوئی پسر موعود میں الہام ''دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ'' ایک بار پھر آپ کے وجود میں پورا ہوا۔ قبل ازیں حضور اپنے پہلے سفر یورپ سے واپسی پر ۲۴/نومبر ۱۹۲۴ء بروز دوشنبہ قادیان میں بانیل مرام پہنچے تھے۔

حضور کی کراچی میں کامیاب مراجعت پر دائمی مرکز قادیان میں جشن کا سماں تھا۔ ۷/ستمبر کو...... اقصیٰ قادیان جلسہ

تہنیت منعقد کیا گیا جس میں درویشان قادیان کی طرف سے حضور کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

کراچی میں بھی حضور کی خدمت میں جماعت احمدیہ پاکستان کے نمائندگان کی طرف سے سپاس نامہ پیش کیا گیا اور اپنے جذبات عقیدت و وفا کا ذکر کیا گیا۔ یہ ایڈریس چوہدری عبداللہ خان صاحب امیر جماعت کراچی نے پڑھا جس کے بعد حضور نے پُر معارف خطاب فرمایا۔

قیام کراچی میں حضور نے تین خطبات جمعہ احمدیہ ہال کراچی میں ارشاد فرمائے جو کہ ۱۶،۹/ اور ۲۳/ ستمبر کے خطبات جمعہ تھے۔ ۲۳/ ستمبر کو سہ پہر جماعت کراچی نے حضور کے اعزاز میں بیچ لگژری ہوٹل میں ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں کثیر تعداد میں مہمانوں نے شرکت کی۔ حضور نے احباب کی درخواست پر خطاب فرمایا جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا جس میں حضور نے اپنے سفر یورپ کے حالات سُنائے۔

ربوہ میں ورود مبارک

اہالیان ربوہ اپنے محبوب آقا کی ربوہ آمد کے بے تابی کے ساتھ منتظر تھے۔ حضور نے واپسی ربوہ کے لئے چناب ایکسپریس کے ذریعہ سفر اختیار فرمایا۔ حضور ۲۵/ ستمبر کو ربوہ میں تشریف لائے۔ اہالیان ربوہ نے اپنے آقا کے استقبال کے لئے بھرپور تیاری کی تھی۔ خیر مقدمی بینرز، جھنڈیوں سے راستوں کو سجایا گیا اور برقی قمقموں سے شہر کو روشن کیا گیا۔

ربوہ میں ریلوے اسٹیشن روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اسٹیشن پر استقبال کے لئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب امیر مقامی، حضرت مرزا شریف احمد صاحب، خاندان حضرت اقدس کے افراد، ناظران، وکلاء اور استقبالیہ کمیٹی کے اراکین موجود تھے۔ سات بجے شام کے قریب چناب ایکسپریس ربوہ اسٹیشن پر پہنچی تو فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ حضور نے سرزمین ربوہ پر قدم رکھا تو بکرا صدقہ دیا گیا۔ سب سے پہلے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حضور سے شرف مصافحہ حاصل کیا پھر دوسرے عہدیداران نے شرف ملاقات حاصل کیا۔ حضور موٹر میں سوار ہوئے تو مولانا جلال الدین شمس صاحب نے حضور کو الفضل کا ''خیر مقدمی نمبر'' پیش کیا۔ اس کے بعد حضور قصر خلافت کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں استقبالیہ دروازے لگے تھے۔ مختلف مقامات پر بچے دُعائیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ راستے برقی قمقموں سے سجے ہوئے تھے۔ دفاتر پر بھی چراغاں تھا۔ حضور قصر خلافت جانے سے پہلے......مبارک گئے اور قبلہ رُخ ہو کر نہایت رقت انگیز دُعا کرائی جس میں باہر کھڑے احباب بھی شریک ہوئے۔ دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر قصر خلافت تشریف لے گئے۔ حضور جو ۲۳/ مارچ کو ربوہ سے روانہ ہوئے تھے اور ۲۵/ ستمبر کو چھ ماہ کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

سیرت

اے .... قرب تو معلوم شد
دیـــــر آمـــــدۂ زِ راہِ دُور آمـــــدۂ

(مکرم و محترم حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب)

وہ مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء آئے تو دیر سے لیکن رخصت اس قدر جلد ہو گئے کہ دل کی سب حسرتیں دل میں ہی رہ گئیں۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

میری کیا حیثیت اور میرے قلم میں کونسی طاقت کہ مَیں اُس بہار حسن و احسان کے اوصاف کا شمار کرنے کی جسارت کروں۔ وہ روحانی آسمان کا درخشاں ستارہ مَیں زمین کے چہرے پر ایک سیاہ داغ۔ وہ پاکیزگی تقویٰ اور طہارت کا روشن ستون مَیں گرفتار ہوا و ہوس خطا و عصیان کا مرکب۔ وہ ظاہری اور باطنی علوم کا بحرِ ذخار مَیں نادانی اور جہالت کی ظلمات میں اسیر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

ہاں محض اللہ تعالیٰ کے فضل بے پایاں اور اس کی ذرہ نوازی سے میرے پُرحسرت دل میں اُس سراپا نور کی محبت کی چنگاری بچپن سے ہی روشن رہی اور شاید ان کی نگاہ حقیقت شناس نے اسے بھانپ لیا یا میرے والد کے اخلاص اور وفا کا قیاس میرے حق میں بھی کیا یا میری والدہ کی روحانی بینائی کی قدر نے مجھے بھی ان کے دل میں جو رافت اور رحمت کا سمندر تھا ایک کونہ بخش دیا جسکے نتیجے میں فیضان کا ایسا در وا ہوا کہ مرور زمانہ سے اس کی کیفیت بڑھتی ہی چلی گئی۔ کسی مرحلے پر بھی باوجود میری لا انتہا خطاؤں تقصیروں اور کوتاہیوں کے اس میں تنگی نہ ہوئی۔ فجزاہ اللہ فی الدارین خیراً۔ اب وہ تو ''از آسمان بودی بآسمان رفتی'' ہو گئے۔ کان اللہ نزل من السماء میں ہی یہ راز مضمر تھا کہ جو آسمان سے آئے گا وہ آسمان کو لوٹ جائے گا۔ سو وہ تو اپنے نفسی نقطے کی طرف بسرعت لوٹ گئے اور زمین سے چہرہ ڈھانک لیا۔

اب مَیں ہوں اور تغافلِ بسیار کے گلے
مَیں وہ کہ موردِ کرم بے حساب تھا!

آپ مثیل مسیح موعود علیہ السلام تھے جیسے فرمایا کہ
''مسیح موعود علیہ السلام کا مثیل ہونے اور اس کا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے ایک رنگ میں

مَیں بھی مسیح موعودؑ ہوں کیونکہ جو کسی کا نظیر ہوگا اور اس کے اخلاق کو اپنے اندر لے لے گا وہ ایک رنگ میں اُسی کا نام پانے کا مستحق بھی ہوگا۔''

آپ کا زمانہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے ہی میں شامل تھا جیسے فرمایا:

''پس درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ ممتد ہے میرے زمانے تک۔ جب تک مَیں ہوں اُس وقت تک حضرت مسیح موعودؑ کا ہی زمانہ ہے۔''

اس کی تصدیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک کشف سے بھی ہوتی ہے۔ حضور نے دیکھا کہ آپ ایک بزرگ کی قبر کے پاس کھڑے ہیں اور وہ بزرگ زندہ ہو کر قبر میں بیٹھ گئے ہیں۔ آپ نے اُن بزرگ سے کہا مَیں دُعا کرتا ہوں آپ آمین کہتے جائیں۔ جب آپ نے یہ دُعا کی کہ آپ کی عمر پچانوے سال ہو تو اُن بزرگ نے آمین کہنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اصرار کیا لیکن وہ بزرگ نہ مانے۔ آپ بشدت اصرار کرتے رہے آخر اُن بزرگ نے آمین کہی اور ساتھ کہا ہم جب آمین کہتے ہیں تو ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ ۱۲۹۰ ھجری میں شروع ہوا۔ گویا آپ کے زمانے کا آغاز ۱۲۹۰ھ میں ہوا اور حضرت مثیلِ مسیح موعود...... وجعل الجنة العليا مثواه کا وصال ۱۳۸۵ھ میں ہوا اور یہ زمانہ ۹۵ سال کا ہے۔

مثیلِ مسیح موعود علیہ السلام ہونے کے لحاظ سے آپ حضور علیہ السلام کے حسن و احسان میں نظیر تھے اور حضور علیہ السلام نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا جس نے میرے اور میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان تفریق کی اس نے میرے مقام کو شناخت نہیں کیا۔ یہ قول حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق ہے۔ يدفن معي في قبري۔ یعنی مسیح موعود علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کامل یگانگت ہے۔ خلاصہ یہ کہ مثیلِ مسیح موعود علیہ السلام اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین تھے۔ جیسے فرمایا ؎

محمدؐ میرے تن میں مثل جاں ہے
یہ ہے مشہور۔ جاں ہے۔ تو جہاں ہے

اور پھر فرمایا:

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے
مرا دل اس نے روشن کر دیا ہے
اندھیرے گھر کا میرے وہ دیا ہے

مرا ہر ذرّہ ہو قربانِ احمدؐ
مرے دل کا یہی اک مدعا ہے
اُسی کے عشق میں نکلے مری جاں
کہ یادِ یار میں بھی اک مزا ہے
مجھے اس بات پر ہے فخر محمود
مرا معشوق محبوبِ خدا ہے

آپ کا خُلق خلقِ محمدی کا ظل اور عکس تھا۔ اس لئے بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ تھے اور اس لئے بھی کہ آپ مثیلِ مسیح موعود ہونے کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے تھے۔ خلقِ محمدیؐ کے بعض پہلوؤں کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

عزیزٌ علیه ما عنتم حریصٌ علیکم بالمومنین رؤفٌ رحیم

یعنی بہت ہی شاق ہے اس ہمارے رسولؐ پر کہ تم لوگ کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔ یہ ہمارے رسولؐ تمہاری بھلائی اور بہتری کے حد درجہ خواہاں ہیں اور آرزومند ہیں اور ان کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور مومنوں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت شفقت اور رحمت کا ہے۔ اس خلق کا وافر نمونہ ہم نے حضرت مثیلِ مسیح موعود میں دیکھا اور اس کے مورد رہے۔

حضور ماں باپ سے بڑھ کر شفیق تھے۔ اس شفقت کا چشمہ ہر وقت اور ہر کس کے لئے جاری تھا لیکن جن لوگوں نے تقسیم ملک کے دوران میں اور پھر ۱۹۵۳ء کے ہنگامے کے دوران میں حضورؓ کی بے چینی اور بے قراری کو دیکھا اور حضورؓ کی شفقت اور غم خواری کا مشاہدہ کیا وہ اس چشمے کے جوش اور گہرائی کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔

افراد کی بہتری اور بھلائی اور جماعت کی مضبوطی اور ترقی کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے اوجھل نہ تھا اور یہ سب امور دن رات آپ کی توجہ کے جاذب رہتے تھے۔

آپ کی شفقت اور رحمت کے سمندر کا کنارا نہیں تھا۔ ایک طرف ان کا پیہم عملی اظہار اور دوسری طرف بارگاہِ ایزدی میں مسلسل فریاد اور التجا۔ اگر دن کا اکثر حصہ خدمت اور ترقی اور بہبودی کی تدبیروں اور منصوبوں میں گزرتا تو رات کا اکثر حصہ دعاؤں میں صرف ہوتا۔

جب حضور کا وصال ہوا تو یہ عاجز کئی سمندر پار تھا اور آخری دیدار کی کوئی صورت میسر نہ آ سکتی تھی۔ اُدھر اس علاقے کی مخلص جماعتیں حد درجہ غم خواری اور تسلی کی محتاج تھیں۔ دل بلبلاتا تھا لیکن دماغ کہتا تھا تم بے شک لاڈلے مرید تھے۔ باپ سے جدائی ہوئی تو تمہیں اس یقین سے تسکین اور ڈھارس ہوئی میں یتیم نہیں ہوں میرا نہایت شفیق باپ موجود ہے اور فوراً اس شفقت کا اظہار یہ ہوا کہ ڈلہوزی سے حضورؓ کا تار آیا میری انتظار کرو میں اپنے ناظرِ اعلیٰ کا جنازہ

خود پڑھاؤں گا۔ ستمبر کا شروع تھا۔ بارشوں سے پہاڑی رستے بند ہورہے تھے۔ قادیان کے نواح میں موٹر کا سفر دشوار تھا لیکن اندھیرے سویرے کیچڑ اور پانیوں میں سے گزرتے وہ سراپا شفقت آقا اپنے خادم کے لئے دعائے مغفرت کے لئے پہنچا پھر اپنے مبارک قلم سے مزید مخلص نوازی کرتے ہوئے کتبے کی عبارت رقم فرمائی جس میں تحریر فرمایا کہ مرحوم کے اخلاص اور محبت کی یاد اب تک دل کو گرمادیتی ہے۔ ماں سے مفارقت ہوئی تو تم نے پھر اسی یقین سے تسکین پائی کہ میرا آقا ماں سے بڑھ کر شفیق ہے۔ تعزیت نامے میں حضور...... نے فرمایا چند دن پہلے مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ظفر اللہ خاں، عبداللہ خاں، اسداللہ خاں میرے سامنے چھوٹی عمر میں گھر کے بچوں کی طرح لیٹے ہوئے ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں یہ میرے بیٹے ہیں اور مَیں ان سے اس طرح بات کررہا ہوں جیسے گھر میں ماں باپ بچوں سے کرتے ہیں اور فرمایا اس میں ان کی والدہ کی وفات کی طرف اشارہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ایک ابوۃ یا ممتا کو ہٹالیتا ہے تو اس کی جگہ دوسری مہیا فرما دیتا ہے۔ پھر اس مخلص خادمہ کے کتبے کی عبارت بھی دستِ مبارک سے تحریر فرمائی اور اس میں رقم فرمایا مرحومہ صاحبۂ رؤیا وکشوف تھیں۔ رؤیا کی بناء پر ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت اپنے خاوند سے پہلے کی اور پھر خلافت ثانیہ میں بھی رؤیا کی بناپر اپنے خاوند سے پہلے بیعت کی۔ غرباپروری کی صفت سے متصف اور کلمۂ حق کے پہنچانے میں نڈر تھیں۔ اب آج تم بیشک یتیم بھی ہوگئے اور باپ کی شفقت، ماں کی ممتا اور ماں باپ کی دعاؤں سے محروم بھی ہوگئے۔ تم جس قدر بلبلاؤ جائز مگر اپنے رب کی طرف جھکو اور اسی کو اپنا مرہم اور غم خوار بناؤ۔ تم ہی آج یتیم نہیں ہوئے ایک جہان یتیم ہوا ہے۔ تم اپنا غم دباؤ اور اپنے اردگرد کے یتیموں کی غم خواری کرو جن کی نظر میں تم بڑے بھائی ہو جس سے انہیں تسلی اور غم خواری کی امید اور توقع ہے۔

تین دن تو مَیں جزائر فیجی میں دل کو تھامے رہا پھر دو ہفتے ایسے ممالک میں گزرے جہاں کوئی واقف راز نہ تھا اور دل و دماغ نے آپس میں ایک توازن قائم کرلیا لیکن ابھی تک یہ خدشہ ساتھ لگاہوٴا تھا کہ وطن پہنچنے پر دل کو قابو میں رکھنا آسان نہ ہوگا اور سچ تو یہ ہے کہ اسی خدشے کی وجہ سے میں نے سفر کے پروگرام کو مختصر بھی نہ کیا۔ چار دن کراچی میں بسر ہوئے دو دن تو مَیں نے عمداً تفاصیل دریافت کرنے سے بھی گریز کیا۔ جو کچھ ''الفضل'' کے پرچوں سے معلوم ہوسکا اسی پر اکتفا کیا۔ لاہور پہنچا یہاں بھی وہی حالت رہی اور کچھ حوصلہ ہونے لگا کہ اب ربوہ حاضر ہونے کے قابل ہوچکا ہوں۔ مرقد منور پر حاضر ہوکر دعا کی اور اس مرحلے پر دل کو اس کے ضبط پر داد دی۔ جلسے میں میری تقریر پہلے ہی دن تھی یہ بھی ایک وقت امتحان تھا۔ اس پر زائد یہ کہ حضور کی یادگار کے متعلق تحریک کرنے کا بھی ارشاد ہوٴا۔ یہ مرحلہ بھی مناسب ضبط سے ہی طے ہوگیا۔ اب اعتماد ہو چلا کہ جلسے کے باقی ایام میں بھی دماغ کی پاسبانی دل پر کامیاب رہے گی۔ آخری دن صبح کے اجلاس کی صدارت میرے سپرد تھی۔ قرأت قرآن کریم کے بعد ایک طالب علم نے بالکل سادگی سے حضور کی نظم سنائی جو اُس شفقت کا جو حضور کو اپنے خدام پر تھی اور اُس درد کا جو حضور اپنے دل میں ان کے لئے رکھتے تھے اور جنہیں

حضور نے دعائیہ الفاظ میں ظاہر کیا مرقع تھی ؎

مل جائے تم کو دین کی دولت خدا کرے — چمکے فلک پہ تارۂ قسمت خدا کرے
سن لے ندائے حق کو یہ امت خدا کرے — پکڑے بزور دامنِ ملّت خدا کرے
حاکم رہے دلوں پہ شریعت خدا کرے — حاصل ہو مصطفیٰؐ کی رفاقت خدا کرے
پھیلاؤ سب جہان میں قولِ رسولؐ کو — حاصل ہو شرق وغرب میں سطوت خدا کرے
پایاب ہو تمہارے لئے بحرِ معرفت — کھل جائے تم پہ رازِ حقیقت خدا کرے
ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ — ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے
قرآن پاک ہاتھ میں ہو دل میں نور ہو — مل جائے مومنوں کی فراست خدا کرے
دجال کے بچھائے ہوئے جال توڑ دو — حاصل ہو تم کو ایسی ذہانت خدا کرے
پرواز ہو تمہاری نہ افلاک سے بلند — پیدا ہو بازوؤں میں وہ قوت خدا کرے
بطحا کی وادیوں سے جو نکلا تھا آفتاب — بڑھتا رہے وہ نورِ نبوت خدا کرے
قائم ہو پھر سے حکمِ محمدؐ جہان میں — ضائع نہ ہو تمہاری یہ محنت خدا کرے

یہاں تک تو مَیں کرسی صدارت سے نمناک آنکھوں اور دبی زبان سے آمین کہتا چلا گیا جب اس نے یہ شعر پڑھا ؎

تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہو تمہارے ساتھ — ہوں تم سے ایسے وقت مَیں رخصت خدا کرے

تو دل مچلا، دماغ کو کچھ غافل پاکر سرپٹ دوڑا اور آخری شعر ؎

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ — ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

سنتے ہی بے قابو ہوگیا۔ مَیں نے بے تابی سے سر میز پر رکھ دیا اور ضبط کو خیرباد کہہ دیا۔ آخر ؎

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت!

بہت احباب نے ان ایام میں حضور کے وصال اور تیسری خلافت کے قیام کے متعلق رؤیا دیکھے جو ہم سب کے لئے تسکین واطمینان کا موجب ہوئے۔ ان میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ حضور کے وصال سے تین دن قبل ایک نیک خاتون نے جن کے میاں غالباً منٹگمری کے علاقے میں سرکاری کام پر متعین ہیں رؤیا میں دیکھا کہ یکا یک فضا تیز روشنی سے بھر گئی اور پھر فوراً اندھیرا ہوگیا۔ اس کے بعد پھر ویسی ہی تیز روشنی ہوئی اور اس روشنی میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم معہ ایک زمرہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لائے اور فرمایا ہم محمود کو لینے آئے ہیں۔ ان نیک بی بی نے بادب عرض کی یا حضورؐ ہمارا تو سالانہ جلسہ ہونے والا ہے پھر ہمارے پاس کون ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا تمہارے پاس ناصر ہوگا؟ یہ

رؤیا انہوں نے اپنے میاں سے بیان کی اور کہا فوراً ربوہ چلنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا انتظار کرلیں۔ خاتون نے کہا انتظار کی گنجائش نہیں مَیں تو ابھی جاتی ہوں۔ چنانچہ یہ ربوہ چلی آئیں۔ دو دن بعد حضورؓ کا وصال ہوگیا اور خلافتِ ثالثہ کا قیام عمل میں آیا۔ ان کے میاں بھی پہنچ گئے اور دونوں بیعت کر کے واپس لوٹے۔ اس سے پہلے ان کے میاں کچھ متردد تھے کہ کیا ہوگا۔ جب ان بی بی کو معلوم ہوا کہ ان کے میاں نے بیعت کرلی ہے تو اطمینان سے بیٹھ گئیں۔ اس وقت تک پریشانی میں دریافت کرتی رہیں کہ میاں نے ابھی بیعت کی ہے یا نہیں۔

خلافت ثالثہ کا قیام بھی اللہ تعالیٰ کا ایک روشن نشان ہے۔ بہت طبائع پریشان تھیں کہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل ورحم سے اور خاص قدرت سے طبائع کا میلان ایک جانب کردیا اور سب دلوں کو سکون اور اطمینان سے بھر دیا۔ تمام شکوک اور شبہات کو دلوں سے دھوڈالا اور اخلاص اور محبت کی لہریں ہر سمت بہہ نکلیں۔ ایک بار پھر اس احکم الحاکمین نے اپنی قدرت کا واضح جلوہ دکھایا کہ مَیں موجود ہوں اور قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ سب گردنیں اطاعت میں جھک گئیں اور جماعت نے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلیا اور اس کے دامن کے ساتھ اپنی وابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر کردیا۔

فالحمد للہ رب العالمین۔ نعم المولیٰ و نعم الوکیل۔

(اخبار احمدیہ۔ لندن)

(حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ)

عرش پر نُور سے لکھا گیا نامِ محمود
میرے محمود نے پایا ہے مقامِ محمود
ان☆ کی خدمت میں خدا نے اُسے پہنچایا ہے
جن کو ہر وقت پہنچتا تھا سلامِ محمود

☆۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق غلام

حضرت مصلح موعود ...... کی یاد میں

(مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب)

یہ مختصر سا مضمون میرے ان مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہے جو خوش قسمتی سے مجھے حضرت مصلح موعود کے اپنے بچپن سے پختہ عمر تک بہت قریب سے دیکھنے سے نصیب ہوئے۔

میری سب سے پہلی یاد مجھے اس زمانہ میں لے جاتی ہے جب میں حضور کو حضرت اماں جان کے صحن سے نماز پڑھانے ...... جاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ نماز سے واپسی پر آپ اپنا کچھ وقت خاص طور پر مغرب کی نماز کے بعد حضرت اماں جان کی صحبت میں گزارتے اور ان عزیزوں سے بھی گفتگو فرماتے جو وہاں موجود ہوتے۔ کئی مرتبہ خاص طور پر سردیوں کے موسم میں آپ پہلے بیت الدعاء میں سنتیں ادا فرماتے۔ ان موقعوں پر آپ صحن یا اگر موسم زیادہ خنک ہوتو حضرت اماں جان کے کمرے میں ٹہلتے رہتے اور بعض مرتبہ حضرت ابا جان یا پھر حضرت میر محمد اسماعیل صاحب جو اپنی ہمشیرہ حضرت اماں جان سے ملنے تشریف لائے ہوتے، کے ساتھ جماعتی امور پر تبادلہ خیال فرماتے۔ آپ بچوں سے بھی گفتگو فرماتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید حکمت و دانش کا سمندر ہے تم بچوں کو اس کے مطالعہ اور اس پر غور کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے تا تم اس سے حکمت کے موتی نکال سکو۔ اگر تم ابھی بالغ نظری کی عمر تک نہیں بھی پہنچے تو کم از کم سیپیاں ہی نکالنے کی اہلیت پیدا کرلو۔

آپ کی قرآن مجید سے محبت

آپ کی قرآن مجید سے محبت اور لگاؤ بہت گہرا اور دائمی تھا۔ ہفتہ کے روز آپ مستورات میں درس دیتے۔ وہ نظارہ ابھی بھی میری نظروں کے سامنے گھومتا ہے کہ آپ حضرت اماں جان کے گھر کے برآمدہ میں کھڑے ہیں اور مستورات سامنے صحن، برآمدہ اور ملحقہ کمروں میں بیٹھی ہیں۔ ان دنوں میں بہت تھوڑی تعداد ہوتی تھی۔ نیز آپ مردوں میں بھی درس قرآن دیتے جس میں بچے بھی شریک ہوتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ...... اقصیٰ میں درس دیا جس میں نہ صرف قادیان بلکہ باہر سے بھی دوستوں نے شرکت کی یہ درس کئی ہفتے جاری رہا اور روزانہ کئی کئی گھنٹوں پر پھیلا ہوتا۔ گزشتہ رمضان کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ...... نے حضرت مصلح موعود کی اس پیشگوئی کا بھی ذکر کیا جس میں آپ نے فرمایا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ خلیفہ وقت کے درس قرآن ایک ہی وقت میں تمام دنیا میں نشر ہوا کریں گے۔ حضور کی یہ خواہش آج دنیا پوری ہوتی دیکھ رہی ہے۔

میری جب حضرت مصلح موعود کی بیٹی سے شادی ہوئی تو ہم نے گرمیوں کی چھٹیاں آپ کے ساتھ ڈلہوزی میں گزاریں۔ حضور نے خود تجویز فرمایا کہ وہ قرآن مجید کے مطالب کے بارہ میں مجمع میں درس دیا کریں گے۔ میں اس پرائیویٹ درس کے نوٹ لیا کرتا تھا۔ آپ کی تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں آپ کی قرآن مجید سے بے پناہ محبت کا مینار ہیں جن میں قرآن کے بے مثل معارف اور ابدی پیغام کو انتہائی خوبصورت اور اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس تفسیر کا بیشتر حصہ اس زمانہ میں لکھا گیا جب آپ کی صحت بہت کمزور تھی۔ مجھے وہ دن بھی اچھی طرح یاد ہیں جب حضور جابہ کے مقام پر میدانوں کی شدید گرمی سے بچنے کے لئے تشریف لے جاتے اور یہاں گھنٹوں تفسیر کی تیاری میں صرف فرماتے۔

دعا کی قوت پر کامل یقین

آپ کے کردار کا ایک اور نمایاں پہلو دعا پر کامل یقین اور اعتماد تھا۔ جب بھی جماعت پر کوئی ابتلاء آتا تو آپ بیت الدعا میں گھنٹوں دعا میں صرف فرماتے۔ میں نے ہجرت کے موقع پر کئی مرتبہ دیکھا کہ آپ جب بیت الدعا سے باہر تشریف لاتے تو آپ کی آنکھیں سرخ اور متورم ہوتیں۔ میں ان دنوں پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے بطور ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر امرتسر میں اور گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ایک سکھ دوست اسی عہدہ پر متعین تھا جبکہ ڈپٹی کمشنر کا عہدہ ایک انگریز کے پاس تھا۔ اسے ہدایت تھی کہ امرتسر کے متعلق جو بھی فیصلہ ہو کہ آیا اس کا الحاق ہندوستان یا پاکستان میں ہوگا اسی کے مطابق وہ متعلقہ ڈپٹی کمشنر کو چارج دے دے گا۔ ایک روز ڈپٹی کمشنر نے لاہور سے واپسی پر مجھ سے سرسری طور پر ذکر کیا کہ اس بات کا امکان ہے کہ گورداسپور کا ضلع انڈیا کو دے دیا جائے۔ اس پر میں نے سخت حیرانگی کا اظہار کیا کہ جن خطوط پر پارٹیشن کا فیصلہ طے کیا گیا ہے اس لحاظ سے تو مسلم اکثریت والا علاقہ جو دوسرے مسلم اکثریت والے علاقہ سے ملحق بھی ہو وہ پاکستان میں شمار ہوگا۔ اس اصول کے تحت تو ہر لحاظ سے اسے پاکستان کے حصہ میں جانا چاہئے۔ میری اس دلیل سے پریشان ہو کر اس نے کہا کہ لاہور آج کل افواہوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور آدمی اُن افواہوں پر یقین تو نہیں کر سکتا نیز اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں قادیان چلا جاؤں کیونکہ سی۔آئی۔ڈی کی رپورٹ کے مطابق میری رہائش گاہ پر بم پھینکنے کا پروگرام ہے۔ اس نے کہا کہ امرتسر کے پاکستان سے الحاق کی صورت میں وہ مجھے قادیان سے بلا لے گا۔ اس پر میں قادیان روانہ ہو گیا اور حضور کی خدمت میں قصر خلافت جا کر اس کی اطلاع دی۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ تھوڑا عرصہ قبل آپ کو الہام ہوا ہے "این ماتکونوا یات بکم اللہ جمیعا"

ایک اور واقعہ جس کا آج تک میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ہے اور مجھے اس طرح لگتا ہے جس طرح کل کا واقعہ ہو کہ میں رات کو اپنے قادیان والے گھر کے باہر والے مردانہ حصہ کے صحن میں سویا ہوا تھا، گرمیوں کا موسم تھا کہ میری

آنکھ دردناک دل ہلا دینے والی کرب میں ڈوبی ہوئی آواز سے کھل گئی اور مجھے خوف محسوس ہوا۔ جب میں نیند سے پوری طرح بیدار ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ حضرت مصلح موعود تہجد کی نماز جو آپ حضرت اُم ناصر والے مکان کے اوپر والے صحن میں ادا فرما رہے تھے جس کی دیوار ہمارے گھر سے ملحقہ تھی کی دردناک دعاؤں کی آواز تھی۔ میں نے غور سے سننے کی کوشش کی تو آپ بار بار ''اھدنا الصراط المستقیم'' کو اتنے گداز سے پڑھ رہے تھے کہ یوں معلوم دیتا تھا کہ ہانڈی ابل رہی ہو اور مجھے یوں لگا کہ آپ نے اس دعا کو اتنی مرتبہ پڑھا جیسے کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس رات کی یاد مجھے جب تک زندہ ہوں کبھی نہ بھولے گی۔

آپ کی جماعت سے گہری محبت

آپ کو جماعت سے بے پایاں محبت تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی قادیان سے کوئی قافلہ پاکستان کے لئے روانہ ہوتا تو آپ حمائل شریف لئے برآمدہ میں اس وقت تک ٹہلتے ہوئے تلاوت فرماتے رہتے جب تک اس قافلہ کی حفاظت سے سرحد پار کرنے کی اطلاع نہ آجاتی۔ ان مواقع پر آپ مسلسل دعا کرتے رہتے۔

یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ جب بھی جماعت کسی ابتلا کے دور سے گزر رہی ہوتی تو آپ بستر پر سونا ترک کر کے فرش پر سوتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آزمائش کے بادل چھٹنے کا اشارہ ملتا کہ چلو جا کر بستر پر آرام کرو۔

ایک اور بات جس نے مجھ پر انمٹ نقوش چھوڑے یہ کہ میری شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی جب میں ملتان میں بطور اسسٹنٹ کمشنر متعین تھا اور اپنی بیوی کے ماموں کرنل سید حبیب اللہ شاہ صاحب کے ہاں عارضی طور پر مقیم تھا جو وہاں سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل تھے تو حضور نے سندھ جاتے ہوئے وہاں ایک روز قیام فرمایا۔ آپ مجھے ڈرائینگ روم میں لے گئے اور ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ دیکھو تم آئی سی ایس ہو اور تمہیں اعلیٰ طبقہ سے ملاقات کے بہت مواقع ملیں گے لیکن یہ بات تمہیں ہرگز غرباء اور کمزور لوگوں کی ہر طرح سے مدد کرنے سے کبھی باز نہ رکھے۔ آپ نے فرنیچر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا فرنیچر جو غریبوں سے ملاقات میں روک بنے، رکھنے کے قابل نہیں۔ جس طرح ہر غریب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے بلا امتیاز کھلے رہتے تھے یہی وہ سنت ہے جسے اپنانا چاہئے۔ آپ کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آپ کی آنکھیں پرنم تھیں۔ میری حالت کا اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے آپ کو کبھی اتنی جذباتی حالت میں نہیں دیکھا۔

دوسری چیز جس نے مجھ پر بہت گہرا اثر چھوڑا وہ ...... اور جماعت کی خدمت کا جذبہ تھا۔ میں آج بھی آپ کو فرش پر بیٹھے چاکلیٹ رنگ کا دھسہ اوڑھے کوئی درجن بھر موم بتیوں جو ایک بکس پر جلا کر رکھی ہوئی تھیں، کے جلو میں پڑھتے یا لکھتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ آپ کا گلا بہت حساس تھا اور مٹی کے تیل کے دھوئیں سے فوراً متاثر ہو جاتا تھا اور ان دنوں

قادیان میں ابھی بجلی نہیں آئی تھی اس لئے موم بتیوں کا ہی استعمال فرماتے تھے۔

قادیان میں بجلی غالباً ۱۹۳۰ء کے اوائل میں آئی تھی اس سے پہلے کے عرصہ میں کام کا بوجھ زیادہ شدید نوعیت کا ہوتا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ جب جماعت کسی سخت دور سے گزر رہی ہوتی۔ آپ کو ساری ساری رات بغیر ایک منٹ آرام کئے دیکھا ہے اور آپ کام کرتے کرتے اُٹھ کر صبح کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ آپ کبھی کبھی لکھے ہوئے مسودات یا تحریریں حضرت ابا جان کو ترجمہ کی غرض سے اور بعض دفعہ ان کے بارہ میں رائے دریافت کرنے کے لئے بھجواتے اور ہم لڑکے انہیں ادھر سے ادھر لے جانے کی ڈیوٹی ادا کرتے۔

حضرت اماں جان کی تعظیم

آپ کو حضرت اماں جان سے بہت گہرا لگاؤ تھا۔ اپنے سفروں پر اکثر انہیں ساتھ لے جاتے۔ حضرت اماں جان آپ کو محبت سے ''میاں'' کہہ کر مخاطب ہوتیں۔ جب کبھی بھی حضور سفر کے دوران لیٹ ہوتے تو حضرت اماں جان بڑی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار فرماتیں۔ میری بیوی بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایسی ہی حالت میں بڑی بے تابی سے حضرت اماں جان حضور کا کسی سفر سے واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ جب آپ تشریف لے آئے تو اماں جان نے فرمایا ''میں نے تجھے منع نہیں کیا ہوا تھا کہ مغرب کے بعد دیر نہیں کرنی''۔ حضرت صاحب نے فرمایا ''جی اماں جان''۔ پھر پوچھا ''پھر کرے گا؟''۔ حضور نے فرمایا ''نہیں اماں جان''۔ حضرت اماں جان نے حضور کے جسم کو ایک نرم چھڑی سے تنبیہہ کے رنگ میں چھوتے ہوئے فرمایا ''آئندہ کبھی دیر سے مت آنا، تمہیں معلوم ہے کہ میری جان پر بنی رہتی ہے۔'' یہ ایک ماں کا فطری جذبہ تھا جس کا اظہار حضرت اماں جان نے فرمایا ورنہ وہ خود ہر دوسرے احمدی کی طرح حضور کی بڑی عزت فرماتیں۔

جب حضرت اماں جان کی ربوہ میں وفات ہوئی تو حضور کی خواہش تھی کہ انہیں اپنے خاوند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ میں ان دنوں لاہور میں متعین تھا۔ حضور کا ارشاد موصول ہوا کہ اس سلسلہ میں انڈین ہائی کمشنر سے رابطہ کیا جائے۔ میری درخواست پر انڈین ہائی کمشنر نے دہلی سے رابطہ کیا اور بتایا کہ ہندوستان کی گورنمنٹ نے خاص کیس کے طور پر اس کی اجازت دے دی ہے لیکن یہ شرط لگائی کہ اس غرض کے لئے بیس سے زائد عزیزوں یا دیگر اصحاب کو ویزا نہیں دیئے جاسکتے۔ حضرت مصلح موعود نے یہ پیشکش اس وجہ سے مسترد کر دی کہ حضرت اماں جان کی حیثیت کے پیش نظر کم از کم دس ہزار احمدی میت کے ساتھ جانے ضروری ہیں۔

ایک عظیم خطیب

حضور بہت بلند پایہ مقرر تھے۔ میں نے دنیا میں بہت سفر کیا ہے اور دنیا کے مشہور ترین لیڈروں کو سننے کا موقعہ ملا

ہے مگر میں نے کسی کو بھی خطابت میں حضور کا پاسنگ بھی نہیں پایا۔ آپ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے خطاب سے پہاڑوں کو ہلا سکتے تھے۔ اس صداقت پر جماعت کے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ گواہ ہیں۔ آپ سامعین کو ساحرانہ رنگ میں قابو میں رکھتے۔ ہجرت کے فوراً بعد آپ نے مختلف شہروں میں پاکستان کے مختلف مسائل اور ان کے حل پر لیکچر دیئے۔ اسلامیہ کالج کے ایک پروفیسر نے جو میرے ایک دوست کے ساتھ بیٹھے تھے بے ساختہ کہا کہ ''حضور کو تو پاکستان کا پرائم منسٹر ہونا چاہیئے''۔ اس سے قبل ''......میں اختلافات کا آغاز'' کے موضوع پر لیکچر کے موقع پر اسلامیہ کالج کے ہسٹری کے پروفیسر نے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے ''فاضل باپ کا فاضل بیٹا'' اور کہا کہ میں اپنے آپ کو اسلامی تاریخ کا علم رکھنے والا تصور کرتا تھا لیکن آپ کا لیکچر سننے کے بعد احساس ہوا کہ میں تو بالکل طفل مکتب ہوں۔

جن دوستوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مصلح موعود کے بارہ میں پیشگوئی پڑھی ہے ان کے لئے یہ ریمارکس کسی تعجب کا موجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مصلح موعود کی پیدائش سے پہلے اس عظیم الشان ہستی کے بارہ میں جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ تاریخ کے صفحات کی طرح ہے جسے کس شان اور عظمت کے ساتھ پورا ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔

آپ کے التفات

میری ساری عمر حضور کے التفات اور مہربانی کے سایہ تلے گزری۔ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے یورپ کے سفر کے موقع پر حضور نے خط میں بہت سی قیمتی نصائح فرمائیں۔ ان میں سے ایک جس نے مجھ پر بہت گہرا اثر چھوڑا وہ تھی جس میں آپ نے قرآن مجید کی آیت ''ان العزة لله جميعا'' کہ ''تمام عزتوں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے'' کا ذکر فرمایا۔

انگلستان سے واپسی پر میں نے گورنمنٹ سروس اختیار کر لی اور میری شادی حضور کی صاحبزادی سے قرار پائی۔ حضور نے میری بیوی کو نصیحت فرمائی کہ مظفر تو گورنمنٹ کا ملازم ہے مگر تم نہیں ہو۔ غریب اور مساکین سے ملو مگر کبھی کسی کی دنیاوی حیثیت کی وجہ سے انہیں ملنے مت جانا۔ جلدی انہیں اس امتحان سے گزرنا پڑا جب فنانشل کمشنر صاحب اپنی بیگم کے ہمراہ سرگودھا دورہ پر تشریف لائے۔ تمام افسران کی بیگمات نے فنانشل کمشنر صاحب کی بیگم کی ملاقات کے لئے ان کی رہائش گاہ پر حاضری دی اور باوجود ان کے اصرار کے میری بیوی نے جانے سے انکار کر دیا۔ بعد میں فنانشل کمشنر صاحب کی بیگم صاحبہ نے ڈپٹی کمشنر کی بیگم تک کو چھوڑتے ہوئے خاص طور پر میری بیگم کو علیحدہ چائے کی دعوت پر بلایا اور خاص طور پر پردہ کا اہتمام کیا گیا۔ سرگودھا کے افسران کے حلقہ میں اس پر بڑی حیرانگی کا اظہار کیا گیا اور بار بار یہ سوال کیا گیا کہ آیا میری بیوی کی فنانشل کمشنر کی بیگم سے پہلے سے کوئی شناسائی ہے جس پر میری بیوی نے انہیں بتایا کہ نہیں کوئی ایسی بات نہیں بلکہ وہ تو پہلی مرتبہ انہیں ملی ہیں۔

باوجود انتہائی مصروفیت کے حضور کچھ وقت بچوں اور عزیزوں کے لئے ضرور نکالتے۔ مجھے یاد ہے کہ حضور سردیوں

کے ایام میں عشاء کی نماز کے بعد خاندان کے بچوں کو اکٹھا کر کے انہیں کہانیاں سناتے۔ یہ کہانیاں کسی کتاب سے نہ ہوتیں بلکہ آپ انہیں تشکیل دے کر آگے بڑھاتے چلے جاتے۔ ان کہانیوں میں نصائح پنہاں ہوتے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوتا تو بعض چھوٹے بچوں کو جو کہانی سنتے سنتے سوجاتے انہیں نوکر اٹھا کر گھر گھر چھوڑ آتے۔

تفریح کے لمحات

حضور شکار کا شوق رکھتے اور گھر کے افراد اور دوستوں کے ساتھ کھانا پکانے کے مقابلہ میں شرکت فرماتے۔ ایک موقع پر آپ نے جماعت کے دوستوں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ نہر کے ایک پل سے دوسرے پل تک تیرنے کا مقابلہ میں شرکت فرمائی۔ شرط یہ تھی کہ جس کا بھی پاؤں دانستہ یا نادانستہ زمین کو چھو جائے وہ ہاتھ کھڑا کر کے مقابلہ سے علیحدہ ہو جائے۔ جب حد مقررہ کے دوسرے پل پر پہنچے تو آپ کے ساتھ چند دوست ہی باقی رہ گئے تھے۔ ان مواقع پر حضور ایک لمبی نیکر پہنا کرتے جو گھٹنوں تک آتی تھی۔

ایک عظیم منتظم

حضرت مصلح موعود بڑے زیرک دور اندیش اور انتہائی قابل منتظم تھے۔ جماعت کی موجودہ ہیئت اور انتظامی ڈھانچہ آپ کی ہی جاری کردہ اصلاحات کا مرہون منت ہے۔ شوریٰ کا نظام، تین ذیلی اداروں کا قیام، سندھ میں جماعت کے لئے ایک بڑی اراضی کا بندوبست جو حضور نے ایک خواب کی بنا پر خرید فرمائی تھیں۔ تحریک جدید کا بیرون ملک تبلیغ اور احرار کی یلغار کے سامنے بند باندھنے کی غرض سے اجراء وہ چند سکیمیں ہیں جو آپ کی دور اندیشی اور زیرک قیادت کی آئینہ دار ہیں۔

جماعت کے ممبران میں امدادی کام اور محنت کی عظمت قائم کرنے کی غرض سے آپ نے وقارِ عمل کے ایام باقاعدہ طور پر منانے کا طریق رائج کیا جن میں جماعت کے تمام ممبران بلا استثناء عہدہ و امارت اپنے شہروں میں گڑھوں کو پر کرنا، سڑکوں کی مرمت محلوں کی صفائی کے کاموں مین شرکت کرتے۔ مجھے اچھی طرح حضور کو خود مٹی سے بھری ہوئی ٹوکریاں اٹھا کر مقررہ جگہ پر ڈالتے ہوئے دیکھنا یاد ہے۔ آپ کی ذاتی مثال تمام احباب کے لئے مہمیز کا کام دیتی اور مشعل راہ تھی۔

ایک بہادر انسان

حضور بڑے بہادر اور آہنی عزم کے مالک تھے مجھے یاد ہے کہ جب آپ پر نماز کے دوران حملہ ہوا تو ڈی۔آئی۔جی پولیس نے اس سے پہلے کہ یہ خبر مشہور ہو جائے مجھے اطلاع کر دی اور یہ بھی بتایا کہ گو آپ کی حالت خطرہ سے باہر ہے مگر ربوہ سے تمام روابط منقطع کئے جا چکے ہیں اور پولیس کو ہر قسم کے حالات سے نپٹنے کے لئے الرٹ کر دیا

گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر ڈاکٹر امیر الدین سے جو ماہر سرجن تھے رابطہ کیا مگر وہ یونیورسٹی کے امتحانات کی وجہ سے مصروف تھے اس لئے پھر دوسرے ماہر سرجن ڈاکٹر ریاض قدیر کو لے کر میں رات گئے لاہور سے ربوہ پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے دریں اثناء ابتدائی مرہم پٹی کر دی ہوئی تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ حضور کا زخم والا حصہ پھولا ہوا ہے اور تشخیص کی کہ کوئی رگ کٹ گئی ہے جس کی وجہ سے خون جمع ہو رہا ہے اس لئے فوری آپریشن کا فیصلہ کیا گیا جس کے لئے بیہوش کرنا ضروری تھا مگر حضور نے انکار کیا کہ وہ بے ہوشی کی دوا نہیں لیں گے اور ہوش کی حالت میں ہی آپریشن کیا جائے۔ آپریشن کے دوران حضور نے کمال ہمت اور جرأت کا مظاہرہ فرمایا۔ اس زخم کی وجہ سے آپ کی صحت پر بہت برا اثر پڑا اور ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کے بعد جب آپ نے رحلت فرمائی تو ہم سب ربوہ میں موجود تھے۔ آپ کی یہ لمبی بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی دکھائی دیتی ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہوگئی ورنہ آپ سے جماعت کو جو بے پناہ عقیدت اور لگاؤ تھا شاید وہ اس صدمہ سے بے حال ہو جاتی۔

حضور تمام زندگی امت مسلمہ کی بہبود کے لئے سرگرم رہے اور یہ حقیقت اب تاریخ کا حصہ ہے۔ شدھی کی تحریک سے لے کے کشمیریوں کی آزادی کی تحریک تک اور ادھر پھر ہجرت سے پہلے ہندوؤں کے عزائم کی بے نقابی کرنا۔ جب ایک ہندو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایک گستاخانہ مضمون لکھا تو آپ نے اس کے خلاف بڑے زور سے آواز اٹھائی اور تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں حکومت اس کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہوگئی۔ آپ کے کارہائے نمایاں میں سیرۃ النبیؐ اور یوم پیشوایان مذاہب کی شایان شان طریق پر منانے کا پروگرام شامل ہے کہ غیر مذاہب کے سامنے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے تا کہ لاعلمی کی بنا پر کوئی آدمی ایسی بات نہ کرے جس سے اشتعال پیدا ہو اور پھر تمام پیشوایان مذاہب کے احترام کو قائم کرنے کی غرض سے ان کی سیرت پر تقاریر ہوں تا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان مفاہمت اور بھائی چارہ بڑھے اور کشیدگی دور ہو۔

مختصر یہ کہ آپ ایک عظیم اور یکتا لیڈر تھے۔ یہ تمام خوبیاں ایک انسان میں شاذ ہی اکٹھی ہوتی ہیں۔ آپ کی ذات ان تمام خوبیوں اور حسن کا مونہہ بولتا ثبوت تھی جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چالیس روزہ چلہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔ اس پیشگوئی کی شوکت سے انسان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور یہ ایک پیشگوئی ہی ایک متلاشی کو ہدایت اور روشنی کی طرف لے جانے کے لئے کافی ہے۔

یہ مضمون مکرم ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب صدر مجلس انصار اللہ امریکہ کی درخواست پر مکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے انگریزی زبان میں تحریر فرمایا تھا جو مجلس انصار اللہ امریکہ کے رسالہ النحل کے بہار ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اس کا اردو ترجمہ مکرم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب نے کیا۔

کچھ یادیں کچھ باتیں

(صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب صدر مجلس انصاراللہ پاکستان)

نوٹ: مجلس انصاراللہ پاکستان کے تحت منعقد ہونے والی سپورٹس ریلی نومبر ۲۰۰۸ء کے موقع پر خلافت احمدیہ صدسالہ جوبلی کی مناسبت سے خلفاء کرام کے بارے میں مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب نے کچھ واقعات سنائے تھے ان میں سے حضرت مصلح موعود ..... کے بارے میں کچھ باتیں پیش ہیں۔

بچپن میں ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی جس طرح ماں باپ، بہن بھائیوں اور دوسرے عزیزوں کے ہونے کا احساس ہوتا ہے اسی طرح ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ..... کی موجودگی اور آپ کے وجود کا احساس بھی بہت چھوٹی عمر سے ہے۔ ہمیشہ جب ہم چھٹیوں میں قادیان آتے تھے تو ہمیں خاص طور پر حضور کی خدمت میں ملانے کے لئے لے جایا جاتا تھا اور جب کبھی حضور اس شہر میں تشریف لاتے جہاں ہم رہتے تھے تو حضور ہمارے گھر قیام فرماتے اور اگر کہیں اور بھی قیام پذیر ہوتے تو ملنے کے لئے ضرور ہمارے گھر بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ سب سے پہلا واقعہ جس میں حضور کے ساتھ میرا براہ راست تعلق ہوا میرے نام کی تبدیلی کا واقعہ ہے۔

ابا جان نے میرے بڑے بھائی مرزا سعید احمد صاحب کی وفات پر حضور سے پوچھ کر میرا نام سعید رکھا تھا لیکن حضور نے اس کی اجازت صرف ابا جان کی جذباتی کیفیت کے پیش نظر دی تھی۔ اس لئے ۱۹۴۴ء میں جب ہم ملتان میں رہتے تھے۔ حضرت صاحب سندھ جاتے ہوئے کچھ دن کے لئے ہمارے گھر ٹھہرے۔ میں اور میری بڑی بہن جب سکول سے واپس گھر آئے تو حضور تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے جب میں حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا تو اس وقت حضور ایک آرام کرسی پر تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ سلام کے جواب کے بعد حضور نے مجھے فرمایا ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر تمہارا نام احمد رکھتے ہیں۔ تم لکھتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام کے الفاظ ساتھ لکھ لیا کرنا نیز فرمایا کہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گزرے ہوئے اتنا وقت نہیں ہوا کہ ہم بے تکلفی کے ساتھ آپ کا نام لے سکیں۔ شاید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر نام رکھتے ہوئے حضور کے پیش نظر یہ بات بھی ہو کہ اس طرح ابا جان زیادہ محسوس نہ کریں گے۔

۱۹۴۵ء میں ابا جان کی ریٹائرمنٹ کے بعد ہم رہائش کے لئے قادیان آ گئے اور ۱۹۴۷ء کی ہجرت تک وہاں پر ہی قیام پذیر رہے۔ ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں جب حضور ڈلہوزی تشریف لے گئے تو مجھے اور میری بڑی بہن کو ساتھ جانے کا موقعہ ملا۔ ابا جان اور امی قادیان میں ہی رہے۔ وہاں قیام کے دوران ایک دفعہ حضور ایک دو روز کے لئے

قادیان تشریف لے جارہے تھے اور ہم سب بیت الفضل سے جو حضور کی کوٹھی تھی حضور کو رخصت کرنے کے لئے ایجنسی تک جارہے تھے۔ ڈلہوزی میں ایجنسی وہ جگہ تھی جہاں موٹریں کھڑی کردی جاتی تھیں۔ باقی شہر میں موٹریں لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ میری بہن نے حضور کے ساتھ قادیان جانا تھا۔ مجھے یاد ہے راستے میں چلتے چلتے حضور مجھ سے بات کرنے لگے اور مجھے پوچھا قادیان چلنا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ تم اپنے کپڑے تو ساتھ لائے ہی نہیں، پہنو گے کیا؟ پھر مذاقاً فرمانے لگے چلو میری شلوار پہن لینا۔ اس طرح میں بھی حضور کے ساتھ حضور کی موٹر میں ہی بیٹھ کر قادیان آ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ رات ہم سوئے ہوئے تھے صبح صبح غالباً فجر کی نماز کے فوراً بعد کا وقت ہوگا آوازوں سے میری آنکھ کھلی تو میں اُٹھا اور جس کمرے سے آواز آرہی تھی ادھر گیا تو میں نے دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں اور ان کی گود میں ایک بچہ ہے اُس وقت مجھے پتہ چلا کہ رات بہن پیدا ہوئی ہے جس کو دیکھنے کے لئے حضور صبح صبح تشریف لائے ہیں۔

ڈلہوزی کا ذکر آیا ہے تو ایک اور واقعہ بھی یاد آتا ہے۔ اس سفر سے پہلے کی بات ہے حضور ڈلہوزی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت اماں جان بھی حضور کے ساتھ تھیں اس وقت حضور کا قیام ایک کوٹھی میں تھا جس کا نام راشی تھا۔ ہم اپنی امی کے ساتھ ڈلہوزی گئے میری بہن اور بھائی خورشید بھی ساتھ تھے اور حضرت اماں جان والے کمرے میں ٹھہرے۔ ناشتہ اور کھانا حضرت صاحب کا ہی ہوتا تھا۔ ہمارے جانے پر یہ کہنے کے بجائے کہ میرے مہمان آ گئے ہیں ناشتہ کا سامان زیادہ درکار ہوگا۔ اماں جان نے حضرت صاحب کو یہ کہلا بھیجا کہ میاں میرا گزارا ایک ڈبل روٹی میں نہیں ہوتا زیادہ سامان بھجوایا کرو۔ یہ حضرت اماں جان کی مہمان نوازی کی صفت تھی۔ یہ نہیں کہا کہ ہمارے مہمان آ گئے ہیں۔

اماں جان کی مہمان نوازی کا یہی طریق تھا جو حضرت صاحب میں بھی پایا جاتا تھا۔ مہمان کے جذبات کا بہت زیادہ احساس آپ کو ہوتا تھا اور نہایت لطیف طریق پر آپ مہمانوں کے جذبات کا خیال فرماتے تھے۔ پچھلی دفعہ بھائی خورشید نے جو واقعہ سُنایا تھا وہی واقعہ میں آپ کو سُنا دیتا ہوں کیونکہ آپ میں سے بہت سارے اس وقت شاید موجود نہ ہوں۔ تقسیم ہند کے بعد کی بات ہے۔ قادیان سے آنے کے بعد خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے سارے افراد لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ حضور کے قادیان سے تشریف لانے سے قبل ہمارا قیام جودھامل بلڈنگ میں تھا۔ جب حضور بھی تشریف لے آئے تو ہم جودھامل بلڈنگ کے سامنے رتن باغ میں مقیم ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سارا خاندان اور دیگر افراد جماعت بالکل تہی دامن ہو کر قادیان سے نکلے تھے اور سب کے ذرائع آمد قادیان میں ہی رہ گئے تھے۔ ان حالات میں خاندان کے تمام افراد حضرت صاحب کے مہمان تھے اور سب حضور کے دسترخوان پر ہی کھانا کھاتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں خاندان کے افراد کا انتظام ہوتا گیا اور ذرائع آمد میسر ہوئے لوگوں نے اپنا کھانے کا انتظام خود کرنا شروع کیا۔ امی بتایا کرتی تھیں کہ ہمارا ابھی کوئی انتظام نہ ہوسکا اور آمد کی صورت نہ تھی۔ اس لئے مجھے اور تمہارے ابا جان کو بہت گھبراہٹ تھی اور شرم بھی آتی تھی کہ سب لوگ اپنا انتظام کر رہے ہیں اور ہم مجبور ہیں

کہ حضرت صاحب پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ امی کہتی تھیں کہ میں نے اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا لیکن دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کرتی تھی کہ ایک دن حضرت اماں جان تشریف لائیں اور فرمانے لگیں کہ لڑکی میاں (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) نے مجھے بھیجا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت سب لوگ مجھے چھوڑ رہے ہیں تم نہ مجھے چھوڑنا۔

امی کی طرف سے کسی اظہار کے بغیر حضور نے خود ہی ہماری تکلیف کا احساس کیا اور اس تکلیف کو ایسے لطیف طریق پر دور کیا کہ جس سے عزت نفس بھی مجروح نہ ہو خود بھی بات نہیں کی اماں جان کو بھجوایا اور ایسے رنگ میں اور ان الفاظ میں پیغام بھجوایا کہ گویا حضور کا احسان ہم پر نہیں بلکہ ہم حضور کے دستر خوان پر کھانا کھا کر ان پر کوئی احسان کر رہے ہیں۔ حضرت صاحب کی ذات کا یہی حسن تھا جو بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے دلوں کو بھی موہ لیتا تھا اور بچے بھی آپ کی جانب کھنچے چلے جاتے تھے۔

انہی دنوں کا ایک اور چھوٹا سا واقعہ بھی سن لیں۔ تقسیم کے بعد حضرت صاحب کے ذرائع آمد بھی محدود تھے اوپر سے سارے خاندان کے کھانے کا خرچ بھی حضرت صاحب پر تھا۔ ابتداء میں حضور نے فیصلہ فرمایا تھا کہ ہر آدمی کو ایک روٹی ملے گی۔ ایک دفعہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی ایک صاحبزادی امۃ الباری بیگم جو نواب عباس احمد خان کی بیگم ہیں، حضور کو دبا رہی تھیں۔ حضور نے آپا باری سے کہا باری کیا کمزوروں کی طرح دبا رہی ہو تمہارے ہاتھوں میں طاقت نہیں ہے۔ آپا باری کہنے لگیں ''چچا ابا اک روٹی نال تے اینی طاقت آسکدی اے''۔ اس واقعہ یا لطیفہ کے بعد پھر ایک کی بجائے دو روٹی ہر ایک کو ملنے لگی۔

قادیان کی ایک بات رہ گئی۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے تحریک فرمائی کہ احمدی اپنے ہاتھ سے کام کر کے کچھ کمائی کریں اور جو آمد ہو اسے چندہ میں دے دیں۔ حضور کے اس حکم پر قادیان کے اکثر و بیشتر احمدیوں نے کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کی۔ بڑوں کو دیکھ کر بچوں کو بھی شوق ہوا۔ چنانچہ میں نے بھی کسی سے کتابوں کی جلد سازی سیکھی تا کہ جلدیں کر کے کچھ چندہ دیا جا سکے۔ امی نے کہیں حضرت صاحب سے ذکر کر دیا۔ میری عمر اس وقت کوئی چھ ساڑھے چھ سال ہوگی۔ حضرت صاحب نے ایک بچے کی حوصلہ افزائی کے لئے اپنی بے انتہا مصروفیات میں سے وقت نکالا اور ایک دن مجھے اپنے دفتر بلایا۔ مجھے یاد ہے مرحوم لطیف ننھا صاحب مجھے لینے آئے۔ مجھے اب تک یاد ہے ان کے ساتھ جاتے ہوئے میں اپنے آپ کو نہایت اہم تصور کر رہا تھا۔ حضور اپنے دفتر کے نیچے قائم خلافت لائبریری میں تشریف لائے اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ مجھے کچھ کتابیں دکھا کر پوچھا کہ ان کی کیا اُجرت لوں گا۔ مجھے یاد ہے کہ اخبار الفضل کی جلد کے لئے خاکسار نے ۱۲ روپے مانگے تھے جس پر حضرت صاحب نے فرمایا یہ تو بہت زیادہ ہیں ہم تو اس سے بہت کم میں جلد کراتے ہیں۔ جس بات کا میرے پر اب تک اثر ہے وہ یہ ہے کہ سارا وقت جس میں حضرت صاحب مجھے کتابیں دکھا رہے تھے ایک دفعہ بھی مجھے یہ تأثر نہیں ہوا کہ یہ ایک مذاق یا بچے کو بہلانے کی بات ہے۔ حضور نے ایسا سنجیدہ رویہ

اختیار فرمایا تھا کہ جیسے کسی بڑے شخص کے ساتھ معاملہ طے فرما رہے ہوں۔

۱۹۴۹ء میں ہم ربوہ آ گئے۔ ہمارے ربوہ آنے کے دو ایک ماہ بعد حضور بھی ربوہ تشریف لے آئے۔ دوسرے لوگوں کی طرح حضور کا رہائشی مکان بھی کچا تھا۔ باقی مکانوں سے صرف اتنا فرق تھا کہ حضور کے لئے بالائی منزل بنائی گئی تھی جس میں حضور رہائش پذیر ہوئے اور ۱۹۵۳ء تک جب تک قصر خلافت کی پختہ عمارت نہیں بن گئی وہاں ہی مقیم رہے۔ یہ عرصہ حضور نے کچے مکان میں اور بغیر بجلی کے گزارا تھا بلکہ بجلی تو پختہ قصر خلافت میں منتقل ہونے کے بھی ایک سال کے بعد آئی ہے۔ ان حالات میں بغیر آرام اور راحت کے معمولی سامانوں مثلاً بجلی، پانی اور فلش والے غسلخانوں کے بغیر خاندان اور جماعت کے لوگوں کا رہنا صرف اسی لئے ممکن ہوا کہ حضور بھی ان حالات میں ربوہ میں مقیم تھے۔

آج آپ سوچیں کہ بجلی بند ہوتی ہے تو ہم شور مچا دیتے ہیں۔ اس وقت بجلی ہوتی ہی نہیں تھی۔ پھر ہر چار پانچ دن کے بعد آندھی آ جاتی تھی اور اتنی آندھی آتی تھی کہ اگر کوئی کھانا باہر پڑا ہے تو کھانے میں بھی مٹی ہوتی تھی۔ ہر چیز میں مٹی ہوتی تھی۔ بالوں میں مٹی پڑ جاتی تھی جس کو صاف کرنے کے لئے پانی بھی کم ہوتا تھا۔

حضور کے ربوہ تشریف لانے کے جلد بعد کی بات ہے ہمارے بڑے بہنوئی صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے سرگودھا میں وکالت کی پریکٹس شروع کی۔ ایک دفعہ ابا جان امی میری بہنوں کے ساتھ ان کے پاس چند دن کے لئے سرگودھا گئے ہوئے تھے۔ میں ربوہ میں ہی تھا۔ ایک دن ڈاک میں مجھے ایک خط ملا جس کے لفافہ پر میرا نام تھا۔ جب میں نے خط کھولا تو اندر ابا جان کا حضرت صاحب کے نام خط تھا۔ میں نے خط دیکھ کر رکھ لیا اور سوچا کہ شام کو جا کر حضرت صاحب کو دے آؤں گا۔

شام کو جب میں خط لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا حضور دوسری منزل پر اپنے گھر کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ مجھے داخل ہوتے دیکھ کر حضور نے اُوپر سے ہی مجھے آواز دی کہ احمد تم کہاں غائب تھے میں صبح سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔ ہوا یہ تھا کہ ابا جان نے ایک خط حضرت صاحب کے نام لکھا تھا اور ایک میرے نام۔ جب خط لفافوں میں ڈالے تو میرے خط کے لفافے پر حضرت صاحب کا نام اور پتہ لکھ دیا اور حضرت صاحب کے خط کے لفافے پر میرا نام لکھ دیا۔ اس طرح میرا خط حضرت صاحب کو مل گیا اس خط میں ابا جان نے بعض اجناس اور گڑ شکر کا لکھا تھا کہ گھر سے لے کر سرگودھا پہنچ جاؤں۔ یہ خط حضرت صاحب کو ملا اور حضرت صاحب کو میں جب نہیں ملا تو حضور نے میرا مزید انتظار کرنے کی بجائے یہ خیال کر کے کہ پتہ نہیں کیا حالات ہیں اور کیا ضرورت پیش آ گئی ہے فوری طور پر ان تمام چیزوں کا بندوبست کروایا اور میاں عبدالرحیم احمد صاحب کو وہ تمام چیزیں دے کر سرگودھا بھجوا دیا۔ یہ طریق عمل صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جس کو دوسرے کی ضرورت اور مشکل کا احساس ہو ورنہ عام آدمی ہوتا تو یہ سوچ کر کہ جس کا خط ہے وہ خود آ کر لے جائے گا اور پھر چیزیں بھجواتا رہے گا لیکن حضور کی طبیعت میں دوسروں کا خیال کرنا۔ دوسرے کی

تکلیف کا احساس کرنا اور دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنے کا جذبہ اتنا قوی تھا کہ حضور یہ برداشت ہی نہ کر سکتے تھے کہ اس انتظار میں رہتے کہ میں آکر اپنا خط لے جاؤں۔

باتوں باتوں میں مَیں واقعات کے بیان میں ترتیب نہیں رکھ سکا۔ ایک واقعہ تقسیم ہند کے کچھ عرصہ بعد کا جب ابھی حضرت صاحب بھی اور ہم لوگ بھی رتن باغ میں مقیم تھے، یاد آ گیا۔ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ اس زمانے میں رتن باغ کے عقبی حصے میں ایک بہت بڑا باغ تھا وہاں ہوتا تھا۔ جمعہ کے وقت رتن باغ کے ایک دروازے سے حضور جمعہ پر جانے کے لئے نکلے۔ دوسرے دروازے سے میں نکلا۔ میری عمر اس وقت ساڑھے آٹھ سال کے قریب تھی حضرت صاحب نے دیکھا کہ میں نے نکر پہن رکھی ہے اور نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی حضرت صاحب نے مجھے ڈانٹا کہ جمعہ پڑھنے جا رہے ہو اور نکر پہنی ہوئی ہے اور تمہارے گھٹنے ننگے ہیں؟ حضرت صاحب نے یہ خیال نہیں کیا کہ چھوٹی عمر ہے اس لئے کچھ نہ کہا جائے بلکہ تربیت کے نقطۂ نظر سے فوری طور پر مجھے ٹوک کر توجہ دلائی۔

تربیت کے بارے میں حضور بہت حساس تھے۔ بہت بعد کی بات ہے جب میں نے ایم اے کرنے کے بعد وقف کیا تو وقف قبول فرماتے ہوئے حضور نے مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن کریم اور حدیث کا علم حاصل کروں۔ اگرچہ میں گھر میں اور ٹی۔ آئی سکول میں قرآن کریم کا ترجمہ مکمل کر چکا تھا۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں تفسیر کبیر کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ دوبارہ مکرم مولانا محمد صادق صاحب سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا اور صحیح بخاری اپنے ماموں مکرم سید داؤد احمد صاحب سے اور مؤطا امام مالک مکرم مولانا محمد احمد ثاقب سے پڑھی۔

اس بات کا ذکر میں اس لئے کر رہا ہوں کہ یہاں واقفِ زندگی بھی بیٹھے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو عملی طور پر دین کی خدمت کے لئے وقف ہیں ان کو بھی حضور کی نصیحت پر عمل کرنا چاہئے اور کام کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا چاہئے۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں حضرت صاحب نے قرآن کریم کا مختصر نوٹس کے ساتھ ترجمہ تفسیر صغیر کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں ایک بدبخت نے حضور پر حملہ کیا تھا اور حضور زخمی ہو گئے تھے۔ اس حملہ کے بعد سے حضور کا بیشتر وقت صحت کی کمزوری کی حالت میں گزرتا تھا۔ اسی کمزوری اور بیماری کی حالت میں ہی حضور نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا تھا۔ گرمیوں کے دنوں میں حضور بعض دفعہ جابہ جو وادی سون سکیسر میں ایک مقام ہے اور اونچائی پر ہونے کی وجہ سے نسبتاً ٹھنڈا ہے، تشریف لے جاتے تھے اور وہاں ترجمہ کا کام جاری رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے بھی ایک ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ حضور کے ساتھ وہاں رہنے کا موقع ملا تھا۔ اس وقت حضور کے ساتھ چھوٹی آپا اور مہر آپا اور حضور کے ایک صاحبزادہ کے علاوہ صرف میں ہی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ صبح ناشتہ کرنے کے بعد حضور ترجمہ کا کام شروع فرماتے تھے۔ اس وقت حضور کس طرح کام کرتے تھے۔ صبح آٹھ بجے ناشتہ کے بعد یا ساڑھے آٹھ بجے تک

بہر حال دفتر چلے جاتے تھے۔ وہاں مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب ہوتے تھے اور حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب بھی اکثر ہوتے تھے اور سارا دن کام کرتے تھے۔ گھر میں کہا یہ ہوا تھا کہ ڈیڑھ بجے مجھے کھانے کے لئے توجہ دلا دو۔ ایک آدمی جاتا تھا۔ حضرت صاحب کام کرتے رہتے تھے۔ عام طور پر یہی ہوتا تھا کہ وہ کام مسلسل جاری رہتا حتّٰی کہ ساڑھے تین چار بج جاتے تھے۔ اس وقت حضرت صاحب وہ کام بند کرتے تھے۔ پھر نمازیں جمع ہوتی تھیں، پھر کھانے پہ آتے تھے۔ اب ہمیں بھوک بہت لگتی تھی کہ حضرت صاحب تو شام ہو جاتی ہے کھانا ہی نہیں کھاتے، ہم کیا کریں۔ وہاں ان دنوں گرمیوں میں آپ کو پتہ ہے آم بھی ہوتا ہے۔ آم حضرت صاحب کے سندھ کے باغ سے آتے تھے۔ حضرت صاحب آم کے معاملے میں جس طرح بھائی خورشید کو بھی پتہ ہے، خود پیٹی کھولتے تھے، خود ان کو نکالتے تھے اور گریڈنگ کرتے تھے۔ پھر جو کھانے والے ہوتے تھے، وہ رکھواتے تھے۔ کھانا ہم نے حضرت صاحب کے ساتھ کھانا ہوتا تھا۔ ہم نے یعنی میں نے اور حضور کے صاحبزادے نے جو وہاں تھے، اس کا حل یہ نکالا کہ حضور کے سندھ کے باغ سے جو آم آتے تھے ہم دونوں وہ کھاتے رہتے تھے اور بعض اوقات اتنے آم کھا لیتے تھے کہ پھر کھانا نہیں کھایا جاتا تھا۔ دو تین روز حضرت صاحب نے ہمیں دیکھا کہ ہم کھانا ٹھیک طرح نہیں کھا رہے تو فکر مند ہو کر چھوٹی آپا سے فرمایا کہ یہ دونوں کھانا نہیں کھاتے کیا پسند نہیں آتا؟ جو آم آتے تھے حضور ان کی پیٹیاں خود کھلواتے تھے اور آم پیٹی سے نکالتے تھے دوسری طرف حضرت صاحب نے یہ نوٹ کیا آم کم ہوتے جاتے ہیں۔ اس طرح حضرت صاحب کو پتہ چلا کہ دراصل ہم کھانے سے پہلے ہی آم کھا کھا کر پیٹ بھر چکے ہوتے ہیں تو تب حضرت صاحب کی فکر دور ہوئی۔

جابہ میں جو جگہ حضرت صاحب نے اپنے قیام کے لئے چنی تھی اور جہاں حضور نے اپنی کوٹھی اور صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے کچھ کوارٹر بھی بنوائے تھے کا نام حضور نے نخلہ رکھا تھا۔ حضرت صاحب کی عادت تھی کہ جہاں جاتے سارے خاندان کو بلا لیتے اور خاندان کے ان گھرانوں کو جو اپنے طور پر پہاڑ پر نہ گئے ہوں، انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ لے جاتے اور اصرار کر کے لے جاتے اور لوگوں کی تعداد سے حضرت صاحب کو کوئی گھبراہٹ نہ ہوتی۔ جو بھی ہوتا اس کو بلا لیتے تھے۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو اصرار کر کے بلاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو تقریباً زبردستی بلایا تھا۔ میاں صاحب کی عادت تھی کہ گھر سے نہیں نکلنا۔ وہ صرف حضرت صاحب کے حکم کی وجہ سے وہاں جاتے۔

نخلہ کا ہی واقعہ ہے ایک بار خاندان مسیح موعود کے بہت سے افراد گرمیوں کے ایام میں وہاں جمع تھے اور سب حضور کے مہمان تھے۔ ایک روز خاندان والوں نے پکنک منانے کے لئے کلرکہار جانے کا پروگرام بنایا۔ حضور کے ساتھ صرف حضرت چھوٹی آپا، حضرت مہر آپا اور مکرم میر داؤد احمد صاحب رہ گئے اور مجھے اور حضور کے ایک صاحبزادے کو وہ اس لئے نہ لے کر گئے کہ موٹروں میں جگہ نہ تھی۔ ہم دونوں کو اس بات پر بہت غصہ تھا۔ دوپہر کو کھانے کی میز پر حضور کو احساس

ہو گیا کہ ہمیں پکنک پر ساتھ نہ جانے کا رنج ہے۔ حضور نے ہم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں لے کر نہیں گئے؟ اچھا میں تم دونوں کو کل پکنک پر لے جاؤں گا اور یہ لوگ تو صرف کلر کہار گئے ہیں میں تمہیں کلر کہار کے علاوہ چواسیدن شاہ بھی لے جاؤں گا اور جو آج گئے ہیں وہ کل نہیں جائیں گے۔

اگلے روز صبح صبح حضرت چھوٹی آپا نے ہم دونوں کو بلایا اور کہا حضرت صاحب کہتے ہیں کہ مبارکہ بیگم یعنی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کل بھی پکنک پر گئی تھیں اگر تم لوگ کہو تو انہیں بھی آج لے جاتے ہیں۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا حضور نے چونکہ ہمیں یہ کہا تھا کہ جو پہلے ہو آیا ہے وہ دوبارہ نہیں جائے گا اس لئے ہم سے پوچھنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضور ہمیں لے کر کلر کہار اور چواسیدن شاہ گئے اور سارا دن وہاں گزار کر شام کو واپس آئے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حضور تمام موقعوں پر سارے خاندان کو ساتھ لے کر چلتے تھے خواہ وہ سیر و تفریح کی تقریبات ہوں یا جماعتی مواقع۔ مجھے یاد ہے ۲۳/اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ربوہ ...... مبارک کی بنیاد رکھی گئی۔ معلوم نہیں کس وجہ سے ابا جان اس روز ربوہ میں موجود نہ تھے نہ بھائی خورشید یہاں تھے۔ حضرت صاحب ابا جان کو اس تاریخی موقعہ پر شامل کرنا چاہتے تھے صرف ابا جان کو شامل کرنے کے لئے حضرت صاحب نے مجھے بھی ...... کی بنیاد رکھنے کی اس تقریب میں شریک کیا اور خود ہی ابا جان کی طرف سے چندہ کی رقم بھی لکھوا دی۔ یہ بھی حضرت صاحب کا ایک خاص وصف تھا کہ اپنے عزیزوں کو نیک کاموں میں شریک کرنے کی بہت خواہش حضور کو ہوتی تھی۔ اس کی ایک اور مثال میرے ایک بڑے بھائی مرزا مبارک احمد مرحوم کی وصیت کا معاملہ ہے۔

۴۳-۱۹۴۲ء کی بات ہے وہ بیمار تھے اور بہت بیمار تھے اور امرتسر میں ہسپتال میں سینی ٹوریم میں زیر علاج تھے۔ حضرت صاحب قادیان سے تشریف لائے۔ ان کو پوچھنے کے لئے وصیت فارم اپنے ساتھ لے کر آئے لیکن اپنی طبیعت کے باعث کہہ نہ سکے کہ وصیت فارم پُر کر دو تو جاتے ہوئے امی کو دے گئے کہ یہ وصیت فارم پُر کروا کر قادیان بھیج دو۔ اس طرح عزیزوں رشتہ داروں کو شامل کرتے تھے۔

اس موقع پر مرزا خورشید احمد صاحب نے کہا:

''اس کا اگلا حصہ یہ ہے کہ ہماری والدہ کو کہہ گئے کہ نصیرہ بیگم! مجھے ہمت نہیں ہوئی مبارک کو یہ فارم دینے کی تم پُر کر کے بھجوا دو تو بعد میں ہماری والدہ نے وہ فارم بھجوا دیا۔ حضور نے وہ فارم نظارت بہشتی مقبرہ بھجوایا۔ اُس وقت حضرت مولوی سرور شاہ صاحب سیکرٹری بہشتی مقبرہ تھے تو اس پر حضرت مولوی سرور شاہ صاحب نے وہ فارم واپس کیا اور عرض کیا کہ حضور یہ مرض الموت کی وصیت ہے۔ مرض الموت کی وصیت تو قابل قبول نہیں ہے۔ ان کو پتہ تھا کہ بڑا ہی شدید بیمار ہیں۔ ٹی۔ بی تھی ان کو اور آخری stages تھیں۔ حضور نے اصولی طور پر ان کا یہ مؤقف قبول فرمایا اور اس پر کہ میں نے فارم بھیجا ہے اور آپ نے واپس کر دیا ہے، کچھ نہیں کہا لیکن جب ہمارے بھائی کی وفات ہوئی تو حضور نے

ارشادفرمایا کہ ان کی بہشتی مقبرہ میں تدفین کی جائے۔خلیفۃ المسیح کو یہ اختیار ہےتو حضرت مولوی سیّدسرورشاہ صاحب نے بھی یہی ارشادفرمایا کہ ہاں اب آپ کواختیار ہے۔''

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ سلسلہ کا ایک خادم خاندان ہے،ان کے کسی فرد کے متعلق حضرت صاحب نے ایک اعلان لکھا کہ یہ الفضل میں شائع ہوجائے۔ مجھے حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بلایا اورفرمانے لگے کہ خلیفہ وقت کی طرف سے جوڈانٹ پڑتی ہےاس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔مجھے بات سمجھ نہ آئی کہ میرا اس سے کیا تعلق ہےلیکن مجھے اچھی طرح سمجھا کر ساتھ یہ فرمایا کہ بعض دفعہ جوڈانٹ کھارہا ہوتا ہے یہ ڈانٹ اس کے لئے نہیں ہوتی کسی اور کے لئے ہوتی ہے۔

میاں صاحب کی عادت تھی کہ وہ اپنی بات بڑے اطمینان سے پوری کرتے تھے اوران کوجلدی نہیں ہوتی تھی۔تو میاں صاحب نے مجھے پہلے توسمجھایا اورپھرفرمانے لگے کہ یہ خط حضرت صاحب کے پاس لے جاؤاورتمہیں اس کے اوپر ڈانٹ پڑے گی خیر میں وہ خط لے گیا،صبح کا وقت تھا۔یہ حضورکی بیماری کے ایام کا واقعہ ہے۔حضرت صاحب ناشتہ تھوڑا لیٹ کیا کرتے تھے۔میں گیا تو حضرت صاحب ناشتہ کررہے تھے۔چھوٹی آپا تشریف رکھتیں تھیں۔میں نے جاکر وہ خط دے دیا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔خیر وہ جس طرح میاں صاحب نے کہا تھا مجھے سخت ڈانٹ پڑی ''یہ لے جاؤواپس''۔ میں خط واپس لے آیا۔واپس آکے میں میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوااور میں نے کہا کہ حضرت صاحب نے تو بڑاڈانٹا ہے۔میاں صاحب نے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور کہنے لگے کہ میں دوبارہ ایک خط لکھ رہا ہوں، یہ تم لے جاؤ۔میں نے کہا میں نے نہیں لے کے جانا اور ڈانٹ پڑے گی۔میاں صاحب نے کہا کہ نہیں نہیں یہ لے کے جانا تمہیں تو ڈانٹ نہیں پڑی۔ مجھے ڈانٹ پڑی ہے۔خیر میں انکار بھی نہیں کرسکتا تھا۔پھر دوبارہ میں لے گیا۔پھر دوبارہ ڈانٹ پڑی، پھر میں واپس آیا اورعرض کیا کہ محمو صاحب اب توسوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں جاؤں لیکن میاں صاحب نے پھر مجھے اصرار کر کے بھیج دیا۔تیسری دفعہ حضرت صاحب نے چھوٹی آپا کوفرمایا کہ جس طرح میاں بشیر کہتے ہیں اسی طرح لکھ دو۔اصل میں یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ اس سے یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت صاحب کی پہلی بات غلط تھی۔جہاں خلیفہ وقت اپنی بات بدلتا ہے وہاں اس کو پتہ ہوتا ہے کہ جومشورہ دینے والا ہے وہ درست مشورہ دے رہا ہے۔

سب سے بڑی بات جو میں نے حضرت صاحب میں محسوس کی اور میرا خیال ہے بھائی خورشید اس کی تائید کریں گے وہ یہ تھی کہ بچپن میں بھی ہمیں کبھی احساس نہ ہوا تھا کہ حضرت صاحب ہم سے اپنے بچوں پوتے پوتیوں سے سلوک میں کچھ فرق کرتے ہیں۔یہ تو حقیقت ہے کہ طبعی طور پر بہرحال حضورکو بھی دوسرے انسانوں کی طرح اپنے بچوں اور پوتے پوتیوں،نواسے نواسیوں سے بہت تعلق ہوگا لیکن جہاں تک ظاہری سلوک کاتعلق ہے میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کو مجھ پر کوئی ترجیح حضرت صاحب نے دی ہو۔یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا بھی حضرت صاحب پر اسی طرح حق

ہے جس طرح ان کے اپنے بچوں کا۔ یہ حضور کے مزاج کا ایک ایسا پہلو ہے جو بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ کم از کم میں نے تو کسی اور میں یہ بات نہیں دیکھی۔

اس موقعہ پر مرزا خورشید احمد صاحب نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ

> ''ایک بار میری والدہ نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میری بیٹی روحی کا قد چھوٹا ہے کوئی دوا دیں۔ حضور نے کوئی دوا تجویز فرمائی۔ پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بھی ساتھ بیٹھی تھیں وہ کہنے لگیں کہ آپ کی اپنی پوتی امۃ الحیٰ کا قد چھوٹا ہے اُسے تو آپ نے کوئی دوا نہ دی۔ حضور اس پر امی کو مخاطب کر کے فرمانے لگے، نصیرہ بیگم دیکھو مبارکہ بیگم کہتی ہیں روحی میری پوتی نہیں! روحی میری پوتی نہیں! اور اتنی بار یہ فقرہ کہا کہ حضرت پھوپھی جان شرمندہ ہو کر بار بار کہتی تھیں میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔''

صلہ رحمی اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں سے تعلق رکھنا اور ان سے حسنِ سلوک کرنا حضرت صاحب کا ایک خاص وصف تھا۔ پھوپھی جان حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بتایا کرتی تھیں کہ حضرت اماں جان کے رشتہ داروں سے حضور نے آخر تک تعلق رکھا۔ تقسیم برصغیر سے قبل دلی کے سفروں میں اور حیدر آباد کے سفروں میں حضور خاص طور پر اماں جان کے ان رشتہ داروں سے ملتے تھے۔ اسی طرح پاکستان بننے کے بعد جب ان میں سے بہت سے لوگ کراچی آ گئے تو حضور اپنے کراچی کے سفر میں ان سے ملاقات کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت اماں جان کی ایک دور کی عزیزہ جو احمدی نہیں تھیں ربوہ آیا کرتی تھیں اور اپنے بچوں سمیت لمبا عرصہ حضور کے گھر قیام کرتی تھیں۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے عزیزوں سے بھی حضور تعلق رکھتے تھے۔ مرزا نظام دین صاحب کا نام آپ نے سُنا ہی ہوگا۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچا زاد تھے اور سخت معاند، مخالف اور دشمن تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت صاحب سے درخواست کی کہ حضور ان کے بیٹے مرزا گل محمد صاحب کا خیال رکھیں۔ یہ بات حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے علم میں آئی تو انہوں نے حضرت صاحب کو تنبیہہ کے طور پر کہلا بھیجا کہ سانپ کے بچے سنپولیے ہی ہوتے ہیں اور اس طرح مرزا نظام دین صاحب کی مخالفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی اولاد کس طرح آپ کی دوست ہو سکتی ہے لیکن حضرت صاحب کے حسنِ سلوک نے آپ کی بات کو اور اس مثل کو بھی غلط ثابت کر دیا اور مرزا گل محمد صاحب نہ صرف احمدی ہو گئے بلکہ وفات تک حضور کے فرماں بردار اور وفادار رہے۔ حضور نے ان کی شادی حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی صاحبزادی جو حضرت سیّدہ اُمّ ناصر صاحبہ کی بہن تھیں سے کرادی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے ایک اور عزیز تھے۔ ان کا نام لینا مناسب نہیں یہ بھی چچا گل محمد کے

مکان کے ایک حصہ میں رہتے تھے۔ آپ میں سے جس نے قادیان دیکھا ہو اس کو پتہ چل جائے گا۔ اس وقت جس مکان میں نصرت گرلز سکول ہے اس مکان میں ان کی رہائش تھی اور ان کی رہائش گاہ اور دار المسیح کے درمیان صرف ایک چھوٹی گلی ہے۔

یہ بھی احمدی تھے اور مخلص احمدی تھے۔ حضور کے ساتھ بہت تعلق تھا اور حضور ان پر مہربان بھی بہت تھے اور حضور کی مہربانیوں نے انہیں دلیر بھی کر دیا تھا۔ ابتدائی زمانہ کی بات ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے گھر سے گندم کی بوری چکی پر پسوائی کے لئے بھجوائی گئی۔ ایک مزدور جو غیر احمدی تھا اور کہیں قریب کے کسی گاؤں کا رہائشی، آٹے کی بوری حضور کے گھر پر پہنچانے کے لئے لے کر آیا۔ گلی میں وہ عزیز بھی کھڑے تھے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ مرزا صاحب کا گھر کون سا ہے انہوں نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا اور اسے ساتھ لے جا کر آٹے کی بوری اپنے گھر میں اتروالی۔ مزدور نے جب مزدوری کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حضور کے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ اُس گھر سے جا کر لے لو۔

حضرت صاحب رشتہ داری کے تعلق اور ان کے مالی حالات کے پیش نظر ایسی تمام باتوں کے باوجود ان سے نہایت مہربانی اور شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضور کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کی عبارت کچھ یوں تھی کہ

بحضور حضرت خلیفۃ المسیح ......گزارش ہے کہ خاکسار کی بھینس گلی میں باندھی جاتی ہے اور اس گلی میں حضور کی موٹر گاڑی بھی آتی جاتی ہے اور حضور کی موٹر کی تعظیم کے لئے میری بھینس کو بار بار کھڑے ہونا پڑتا ہے اور وہ حاملہ ہے اور خدشہ ہے کہ اس طرح بار بار کھڑے ہونے سے اس کا حمل ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسے مقوی غذا دی جائے اور آگے انہوں نے اس مقوی غذا کی فہرست دی اور لطف یہ کہ حضور نے بھینس کی وہ غذا ان کے ہاں بھجوادی لیکن بے تکلفی کے ان واقعات سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ حضور کے خادم اور آپ کے تابعدار نہ تھے۔

حق یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے رشتہ داروں میں سے جو احمدی ہو گئے تھے وہ نہ صرف حضور کے وفادار تھے بلکہ نظام جماعت کے بھی فرماں بردار تھے۔ چچا گل محمد کے ایک ماموں تھے مرزا ارشد بیگ ان کا نام تھا۔ ان کی شادی ماسی محمدی بیگم صاحبہ کی ہمشیرہ ماسی عنایت سے ہوئی تھی۔ ایک بار جب مرزا ارشد بیگ صاحب بیمار تھے کچھ لڑکوں کی لڑائی ہوئی جس میں ان کے دو بیٹے بھی شامل تھے۔ ان کے بیٹوں اور چند اور لڑکوں کو نظام جماعت کی طرف سے بید لگانے کی سزا دی گئی۔ ان لڑکوں میں ایک معروف بزرگ کے صاحبزادے بھی شامل تھے۔ اس کی والدہ ماما ارشد بیگ سے ملنے آئیں تاکہ ان کے ساتھ مل کر سزا لینے سے انکار کیا جائے اور نظام جماعت کے فیصلہ کو نہ مانا جائے جب انہوں نے ماما ارشد بیگ صاحب سے یہ بات کہی تو انہوں نے ان کو تو یہ جواب دیا کہ بی بی میں اپنے منڈے کوئی لکوی بیٹھاں۔ تے نہیں کڈھائے کہ او دو بید کھا کے مرجان گے۔

دوسری طرف جب سزا دینے کا وقت آیا تو انہوں نے بچوں کو تو کچھ نہیں کہا بیماری اور کمزوری کی حالت میں خود پلنگ سے اُٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے باہر کے دروازے کا رُخ کیا گھر والوں نے جن میں دونوں بیٹے بھی تھے ان کو روکا اور پوچھا کہ اس بیماری میں آپ کہاں جا رہے ہیں تو کہنے لگے میں ایہناں منڈیاں دی تھاں سزا لین جاریاں آں۔ یہ ایک ایسا نفسیاتی حربہ انہوں نے استعمال کیا کہ ان کے دونوں بیٹے گئے اور نظام جماعت کے فیصلہ کے مطابق کسی شکوہ شکایت کے بغیر خوشدلی کے ساتھ بیدوں کی سزا لے لی۔

انہی مرزا ارشد بیگ صاحب کا واقعہ ہے۔صرف یہ نہیں کہ نظام کے پابند تھے حضرت صاحب کے تابعدار اور فرمانبردار تھے بلکہ وہ جماعت کے مخالف لوگوں پر نظر بھی رکھتے تھے۔ ابا جان کہتے ہیں کہ ایک جلسے پر مجھے انہوں نے اس طرح کہنی ماری کہ باہر چلیں۔ہم باہر آئے تو کہنے لگے چلو شہر چلیں۔ کہتے ہیں ہم شہر پہنچے تو احمدیہ چوک میں عبدالرحمٰن صاحب مصری کھڑے تھے اور اپنی داڑھی میں کھجلی کر رہے تھے تو، دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ پتہ ہے کون ہے؟ تو ابا جان نے کہا، ہاں مصری صاحب ہیں تو کہنے لگے نہیں۔ یہ احمدی Snake ہے۔ یہ سوچ رہا ہے کہ یہاں اتنی رونق کیوں ہے یہ مصری صاحب کے فتنے کے ظاہر ہونے کے چار پانچ سال پہلے کی بات ہے۔

حضور کے صلہ رحمی اور حسن سلوک کے بارے میں جتنے بھی واقعات میں نے اپنے بزرگوں سے سُنے اور جن میں سے کچھ بیان کر چکا ہوں۔ یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور رشتہ داروں سے تعلق کسی فائدہ کے حصول کے لئے نہ رکھتے تھے بلکہ ان کا مقصد ان عزیزوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا تھا اور خواہ مالی امداد کا معاملہ ہو یا جذباتی تعلق کی بات ہو ہر صورت حال میں حضور کا ہاتھ ہمیشہ اوپر ہی رہتا تھا۔

اس موقعہ پر مرزا خورشید احمد صاحب نے تائید کرتے ہوئے کہا

> ”یہ بات بالکل صحیح اور درست ہے۔صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کے سلسلے میں حضور کا ہاتھ ہمیشہ اُوپر ہی رہتا تھا اور شاید ہی کوئی عزیز ہوگا جس پر حضور کا احسان نہ ہو۔آپ نے عام زمینداروں کو دیکھا ہوگا اُن کا اپنے رشتہ داروں سے سلوک بھی دیکھا ہوگا۔وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ اُن کا کوئی عزیز اُن سے زمین کی ملکیت میں یا اثر و رسوخ میں آگے بڑھ جائے لیکن حضور کی کیا کیفیت تھی؟ اُس کا پتہ سندھ میں اراضی کی خرید سے لگتا ہے۔حضور نے اس یقین پر کہ یہ زمین بہت فائدہ مند ہوگی نہ صرف خود زمین لی،صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کو لے کر دی بلکہ اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کو تحریک کی اور بہت زور دیا کہ وہ بھی زمین خریدیں اور زمین کے حصول کے سلسلے میں تمام عزیزوں کی مدد بھی کی۔“

حضرت صاحب کی طبیعت کا ایک اور پہلو جس کا احساس مجھے بہت بچپن ہی میں ہوا وہ یہ تھا کہ اپنے تمام تر جلال

اور رعب اور خدا داد وقار کے باوصف حضور کی طبیعت میں ایک ایسا جذب تھا کہ جو بھی حضور کو دیکھ لیتا وہ حضور کی طرف کھنچا چلا جاتا آپ کے رُعب کی یہ کیفیت تھی کہ اگر آپ پوری آنکھ اُٹھا کر دیکھتے تو آدمی گھبرا جاتا تھا لیکن اس رُعب کے ساتھ ساتھ ایک عجیب طور کی کشش تھی جو آپ کو دیکھنے والے کو اپنے حسن کا اسیر کر لیتی تھی۔

چھوٹے بچوں کے ساتھ آپ کا رویہ نہایت شفقت اور پیار اور محبت والا ہوتا تھا۔ میری دو چھوٹی بہنوں کے نام دردانہ اور فرزانہ ہیں۔ ان سے چھوٹی کا نام حضور نے نزہت رکھا تھا لیکن اسے چھیڑنے کے لئے بڑی بہنوں کے ناموں کے وزن پر اسے ایک آنہ کہا کرتے تھے اس قسم کی چھیڑ چھاڑ خاندان کے سب بچوں سے جاری رہتی۔ میری بہن دردانہ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

دختِ عزیز مرزا کو دردانہ کر دیا

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

بچوں سے خوش طبعی اور مذاق کی بات آپ نے سنی اب ایک بڑوں سے مذاق کی بات سُن لیں۔ ابا جان عام طور پر پلاؤ اور زردہ ملا کر کھاتے تھے اور اس طرح نمکین اور میٹھا ملا کر کھانا حضرت صاحب کو پسند نہ تھا۔ اس بات کو مذاق کے رنگ میں بیان کرتے ہوئے حضور فرمایا کرتے تھے کہ میاں عزیز احمد کا کیا ہے یہ تو ساگ اور فرنی ملا کر کھاتے ہیں۔

حضور جہاں بڑوں چھوٹوں سے مذاق کرتے وہاں ان کی تربیت کا بھی ہر وقت خیال رکھتے تھے۔ حضرت مرزا وسیم احمد صاحب کی دعوت ولیمہ کی بات ہے۔ یہ دعوت پرائیویٹ سیکرٹری کے پرانے دفتر کے صحن میں ہوئی تھی۔ فرش پر دریاں بچھا کر دستر خوان بچھائے گئے تھے اور مہمان بھی اور حضرت صاحب بھی زمین پر ہی بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ اتفاق سے میں حضور کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ اگرچہ درمیان میں فاصلہ کافی تھا حضور صحن کے ایک کونے پر دفتر کے برآمدے کے ساتھ تشریف فرما تھے اور میں بالکل آخر پر گیٹ کے ساتھ بیٹھا تھا۔

کچھ عرصہ قبل جماعت کا ایک قافلہ جلسہ سالانہ قادیان سے واپس آیا تھا ان دنوں ہندوستان میں لٹھا اچھی قسم کا ملتا تھا جو پاکستان میں میسر نہ تھا۔ جماعت کے ایک معروف بزرگ قادیان سے واپسی پر کچھ زیادہ ہی لٹھے کے تھان اپنے ساتھ لائے یہ بات قافلے کے لوگوں کی زبانی ربوہ میں پھیل گئی اور ہوتے ہوتے حضور تک بھی پہنچ گئی۔ وہ بزرگ بھی اس دعوت میں موجود تھے۔ حضور نے مجھے دیکھا اور اونچی آواز سے فرمایا احمد تم بھی قادیان چلے جاتے تو کچھ لٹھے کے تھان بھی لے آتے۔ اسی طرح بغیر نام لئے حضور نے ان بزرگ کو اصلاح کی طرف توجہ دلا دی۔

آپ کو پتہ ہوگا کہ ۱۹۶۰ء کے بعد حضرت صاحب جلسے پر تشریف نہیں لا سکے تھے۔ بیماری کی وجہ سے۔ ساٹھ یا اکسٹھ کے بعد بیماری میں خاندان کے سارے لڑکے جو تھے وہ ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ حضور لمبا عرصہ بیمار رہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں بھی ان میں شامل تھا۔ ان بیماری کے ایام میں حضرت صاحب بستر پر ہوتے تھے۔ نظارت

امور عامہ کے کارکن مکرم مولوی عبدالعزیز صاحب بھامبڑی اکثر رات کو رپورٹ پیش کرنے کے لئے آتے تھے۔ اس وقت بھی حضرت صاحب رپورٹ لیتے تھے۔ پہلے تو جب وہ آتے تھے تو حضرت صاحب جب تک خود اُٹھ سکتے تھے، جاتے تھے لیکن جب بستر پر آ گئے تو وہ پھر لکھی ہوئی رپورٹ دیتے تھے تو میں جا کر چھوٹی آپا یا مہر آپا کو جس کی بھی باری ہوتی، دے دیتا تھا اور وہ سُناتی تھیں اور اسی طرح دن کے وقت بھی سلسلے کے جو کارکن تھے، وہ آتے اور حضور کی ہدایات لیتے تھے۔ ملاقاتیں بھی اسی طرح ہوتی تھیں۔ جلسہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی۔ حضرت صاحب لیٹے ہوتے تھے اور لوگ پاس سے گزرتے رہتے تھے۔ جس کو حضرت صاحب روکنا چاہتے روک کے باتیں کر لیتے تھے۔

۸ر نومبر ۱۹۶۵ء شام کو چھ، سات بجے جو آخری بات مجھے یاد ہے، میں ڈیوٹی پر تھا اور حضرت صاحب کے سرہانے کی طرف کھڑا تھا۔ حضرت صاحب نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور تھوڑی دیر دیکھتے رہے اور پھر فرمانے لگے کہ میاں عزیز احمد کے بیٹے ہو۔ تو میں نے کہا جی اور پھر فرمایا کہ ہم قادیان میں ڈھاب میں کشتی چلایا کرتے تھے۔ اسی رات دو بجے حضور انتقال فرما گئے اور خاندان کے افراد کے علاوہ جو ڈاکٹرز تھے وہ بھی وہاں تھے۔ ان میں ایک ڈاکٹر ذکی الحسن بھی تھے جو غیر از جماعت تھے اور کراچی سے ان کو حضرت صاحب کے علاج کے لئے بلایا گیا تھا اور وہ کئی دن سے قیام پذیر تھے۔ اس وقت جب حضرت صاحب کی وفات ہوئی تو خاندان کی کسی لڑکی یا عورت کے رونے کی آواز ذرا اونچی نکلی۔ اس پر حضرت پھوپھی جان نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے بڑی زوردار آواز میں کہا کہ یہ صبر و رضا اور دُعاؤں کا وقت ہے۔

یہ بات ڈاکٹر ذکی الحسن صاحب نے بھی سُنی۔ اس کے کوئی پندرہ سال بعد ۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ میری ایک دفعہ کراچی میں ان سے ملاقات ہوئی۔ یہ بات ان کو اس وقت بھی یاد تھی اور انہوں نے کہا کہ میں حیرت زدہ رہ گیا، میں حیران رہ گیا تھا کہ ایک اتنا بڑا آدمی فوت ہوتا ہے اور اس وقت میں نے کسی کی رونے کی آواز نہیں سُنی اور کوئی صبر کے خلاف بات نہیں دیکھی اور ذرا سی اگر آواز نکلی تو ان کی ہمشیرہ نے اتنی زوردار آواز میں یہ توجہ دلائی کہ یہ صبر اور رضا اور دعاؤں کا وقت ہے۔

یہ تربیت تھی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خاندان کی بھی فرمائی تھی اور یہی تربیت تھی جو جماعت کی فرمائی تھی۔ ورنہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ حضرت صاحب ۵۲ سال خلیفہ رہے اور جماعت کے افراد حضرت صاحب کے علاوہ کوئی اور خلیفہ دیکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن اس کے باوجود خاندان کے لوگ اور جماعت کے احباب بھی صبر کے ساتھ راضی بہ رضا ہی رہے۔

(مکرم عبدالمنان ناہید صاحب)

یاد آئے گا تیرا حسن ہمیں — تیرا احسان یاد آئے گا
ہر قدم پر تری محبت کا — عہد و پیمان یاد آئے گا
رونقِ شامِ مجلسِ عرفاں — درسِ قرآن یاد آئے گا
تیرے خطبات تیری تقریریں — حُسنِ فرمان یاد آئے گا
آئے گا جب بھی کوئی شعلہ بیاں — تو میری جان یاد آئے گا
اس جمال و جلال کے صدقے — تُو تو ہر آن یاد آئے گا

کٹ گیا دور کامیاب تیرا
عہد زرّیں تھا لا جواب تیرا

میرے محبوب قوم شاہد ہے — تیری رحمت کی تری شفقت کی
تُو نے ہر ایک پر عنایت کی — تُو نے ہر ایک سے محبت کی
کرۂ ارض کے کناروں تک — تُو نے توحید کی اشاعت کی
یہ ثمر ہے تری ہی محنت کا — ہے سلامت قبا خلافت کی
ہر قدم پر ترے خدا نے بھی — کی حفاظت تری جماعت کی
تیری دن رات کی دُعاؤں کو — مل گئی روشنی اجابت کی

ان دُعاؤں کو سُن لیا اُس نے
تیرے ناصر کو چُن لیا اُس نے

جُرعے ــــــــ !!!

(مکرم ثاقب زیروی صاحب)

خبرِ وصال:

یہ کون کہہ رہا تھا وہ محبوب چل بسا
جس کی نگاہِ لطف کا لبریز جامِ زیست
موت اس کی بزمِ ناز میں کیونکر پہنچ گئی
جس کا وجود باعثِ صد احترامِ زیست

آخری دیدار:

سب پٹ کھلے ہوئے ہیں دیارِ حبیب کے
درپیش عشق کو وہ غم افروز شام ہے
آواز دے رہا ہوں رقیبوں کو ہر طرف
اے دلفگارو دوڑو یہ دیدارِ عام ہے

جنازہ:

ہونٹوں پہ آہِ سرد جبینوں پہ غم کی دھول
آنکھوں میں سیلِ اشک چھپائے ہوئے چلا
دن ڈھل گیا تو درد نصیبوں کا قافلہ
کاندھوں پہ آفتاب اٹھائے ہوئے چلا

(مکرم نسیم سیفی صاحب)

تو میرِ کارواں ہی نہیں کارواں تھا تُو
ہر مقصدِ حیات کا زندہ نشاں تھا تُو

ہر لمحہ تیری زیست کا، تعبیرِ زندگی
اپنے ہر ایک کام میں یُوں کامراں تھا تُو

تھی تیرے دم سے رونقِ بُستانِ احمدی
سچ تو ہے اک جہان کی رُوحِ رواں تھا تُو

اللہ رے تیرا خدمتِ دینِ متیں کا شوق
گویا کہ مثلِ تندئ سیل رواں تھا تُو

تیری ہر ایک بات تھی لطف و کرم کی بات
دنیا کے مہربانوں کا اک مہرباں تھا تُو

اے جانے والے تجھ پہ درود و سلام ہو
ہر لحظہ تیری رُوح کا اونچا مقام ہو

(مکرم پرویز پروازی صاحب)

چاند ڈوبا زمانہ ہار گیا
دینِ احمدؐ کا شاہسوار گیا
ہُوک سی قلبِ ناتواں سے اُٹھی
تیر سا دل کے آر پار گیا
غیرتِ چشم اشکبار گئی
نازشِ قلب سوگوار گیا
عمر بھر جس نے پھول برسائے
آج وہ ابرِ نو بہار گیا
شمعِ جنت کی روشنی ہے فزوں
کون پروانہ! جان ہار!! گیا!!
مظہرِ الحق و العلاء بن کر
کامگار آیا، کامگار گیا
ساری دُنیا اسیرِ درد ہوئی
وہ اسیروں کا رُستگار گیا
وہ دلوں کو سنوارنے والا
روحِ پرویزؔ کو سنوار گیا

کچھ یادیں کچھ باتیں

(مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب)

نوٹ: مجلس انصار اللہ پاکستان کے تحت منعقد ہونے والی سپورٹس ریلی فروری ۲۰۰۹ء کے موقع پر خلافت احمدیہ صدسالہ جوبلی کی مناسبت سے خلفاء کرام کے بارے میں مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب نے کچھ واقعات سنائے تھے ان میں سے حضرت مصلح موعود ..... کے بارے میں کچھ باتیں پیش ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ اس طرح وقت گزارنے کا موقع نہیں ملا جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ......اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ...... کے ساتھ ملا لیکن کیونکہ یہاں یادوں کا مضمون ہے اس میں اس محبت اور شفقت کی وجہ سے جو حضرت خلیفۃ المسیح کی میری والدہ اور والد کے ساتھ تھی۔ مجھے بچپن سے ہی حضور کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی شفقت تھی۔کوئی خوبی مجھ میں ہو، یہ تو تھا ہی نہیں لیکن جو اولین یادیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے والد صاحب ۱۹۳۸ء میں یا ۱۹۳۹ء کے شروع میں بہار (صوبہ) میں ایک جگہ ٹاٹا نگر جہاں ٹاٹا کی بڑی کمپنی ہے۔ اس میں ایک شہر ہے جس کا نام جمشید پور ہے، والد صاحب وہاں تشریف لے گئے ایک سال بعد ہم بھی وہاں چلے گئے لیکن جلسہ سالانہ کے موقع پر ہر سال والد صاحب ہم سب کو ساتھ لے کر قادیان تشریف لایا کرتے تھے اور والد صاحب کے ساتھ ہم جلسہ میں شرکت کیا کرتے تھے۔ اس وقت جلسے کا طبیعت پر ایک اثر ہوا کرتا تھا کہ جو تقریر محسوس ہوتی تھی کہ بڑے صاف طریقے سے سمجھ آ گئی ہے (یہ بچپنا بھی ہوگا شاید) وہ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہوا کرتی تھی۔ بڑی بڑی لمبی تقریریں ہوا کرتی تھیں مجھے قادیان کے میدان میں بیٹھے ہوئے ایک تقریر سننے کا موقع ملا کہ جب تقریر رات آٹھ نو بجے تک جاری رہی اور بارش بھی ہو رہی تھی اور اس میں کوئی شخص ہلا تک نہیں ہر سال حضور سے ملاقات کا اور حضور کے گھر جانے کا موقع مل جاتا۔ ہماری اکثر رہائش اپنے نانا یا تایا کے گھر میں ہوا کرتی تھی لیکن تقریباً سارا دن ہی دارالمسیح میں گذرتا تھا اور اس میں سے اکثر وقت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے گھر میں گزرتا تھا۔ والدہ کی اُم مظفر کے ساتھ بہت زیادہ بے تکلفی ہوا کرتی تھی۔ چونکہ ہم بچے تھے بہت سے بچے خاندان کے ہمارے ہم عمر تھے جن میں بچے تھے بچیاں تھیں ہم اکٹھے ہی کھیلا کرتے تھے۔ جب بھی مجھے موقع ملتا تھا میں حضرت صاحب کی طرف حضرت صاحب کو ملنے جایا کرتا تھا۔ والدہ سے بھی حضور سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتا تھا۔ ایک بار جب ہم جب قادیان ایک جلسے سے فارغ ہوئے تو اس وقت جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ والد صاحب نے کہا کہ ادھر بمباری ہوئی ہے تو میں آپ کو نہیں لے جاتا آپ یہیں قادیان رہیں۔ ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۶ء یہ دو سال ہم نے

قادیان میں گذارے۔ ۱۹۴۴ء میں حضور ڈلہوزی تشریف لے گئے تو ہم بھی ڈلہوزی گئے اسی طرح ۱۹۴۶ء میں بھی حضور ڈلہوزی تشریف لے گئے اور ساتھ ہم بھی ڈلہوزی گئے۔ ڈلہوزی میں ایک پہاڑی سلسلہ تھا اس پر ایک سڑک بنی ہوئی تھی اوپر پہاڑ کی طرف، وہ بکروٹا کہلاتی تھی اس کی اوپر جو چوٹی تھی اس کے اوپر تھوڑے سے مکان تھے وہ اپّر بکروٹا کہلاتا تھا۔ جو جگہ بکروٹا کہلاتی تھی حضور کا مکان وہاں تھا اور ہم نے جو جگہ کرائے پر لی ہوئی تھی وہ اپّر بکروٹا پر تھی۔ اگر موسم اچھا ہوتا تو تقریباً روزانہ ہی ہمیں ہماری والدہ حضور کی کوٹھی لے جایا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ جب ہم گئے تو میری والدہ دیگر خاندان کی مستورات کے ساتھ شاید بازار جانا چاہتی تھیں۔ بازار نیچے ہوا کرتا تھا۔ ڈلہوزی اچھا بڑا اسٹیشن تھا تو والدہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پاس چھوڑ گئیں اور جاتے ہوئے جیسے میاں صاحب نے کہا ہے کہ شفقت بھی تھی بے تکلفی بھی تھی اس لئے جاتے ہوئے کہہ گئیں کہ دیکھیں میں اس کو آپ کے حوالے کر کے جا رہی ہوں تو حضرت صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے اس وقت اس دن گھر میں حضور کے ساتھ حضرت اُم متین تھیں۔ میں اس بات کا ذکر کر دوں کہ ہم اُم متین کو اپنی والدہ ہی سمجھتے تھے۔ ہم بچوں کی بھی ایسی بے تکلفی تھی خاندان کی خواتین بھی بہت شفقت کرتی تھیں اس رضاعی رشتہ کی وجہ سے پردہ تو تھا ہی نہیں اب تک نہیں ہے لیکن جو بچپن میں ہمارے ساتھ شفقت فرمائی وہ اُم متین نے فرمائی۔ حضور کے ساتھ ام متین تھیں۔ میرے ذہن میں ابھی تک وہ تصویر آ رہی ہے کہ ایک کمرہ جس میں حضور بیٹھے ہوئے تھے کرسی میز لگے ہوئے تھے۔ حضور کوئی تحریری کام کر رہے تھے اور اس سے پیچھے حضور کی بیک سائیڈ پر ایک اور کمرہ تھا اُم متین وہاں تھیں اپنے کام کے لحاظ سے کبھی کبھی وہ جاتی بھی تھیں تو کہہ جاتیں کہ میں ذرا باہر جا رہی ہوں تو حضرت صاحب ایک تو یہ کہ طبیعت ایسی تھی جیسا کہ بہت سے لوگ ذکر کرتے ہیں کہ آپ میں مہمان نوازی، محبت اور شفقت بہت تھی۔ ہر ایک کو یہی احساس ہوتا تھا کہ مجھ سے زیادہ کسی سے تعلق نہیں ہے تو وہ پہلو بھی تھا لیکن یہ بھی تھا کہ اس وقت مجھے یہ محسوس ہوا کہ حضرت صاحب فکر مند ہیں کہ یہ چھوٹا سا لڑکا ہے کہیں بھاگ گیا تو مشکل پڑ جائے گی کہا کہ ادھر آ جاؤ لڑکا چھوٹا ہے آٹھ نو سال کا کچھ نہ کچھ تو کرے گا ہی۔ آپ نے مجھ سے کہا ادھر آؤ ادھر آؤ میں حضور کے پاس گیا تو ایسے ہی میز کو ذرا سا پیچھے کر کے مجھے حضور نے اس طرح اپنے اور میز کے درمیان کھڑا کر لیا کہ کھڑے ہو کر بھی میں اتنا ہی آتا تھا کہ حضور کی تحریر میں کوئی فرق نہ آئے اور راستے میں حائل نہ ہوتا تھا۔ حضور اپنی تحریر بھی کئے جاتے تھے اور مجھے پتہ نہیں کہ شاید میں ہلتا جلتا ہوں گا یا حضور کو خیال آتا ہوگا کہ کہیں یہ گھبرا نہ جائے تو تحریر کرتے کرتے تھوڑی تھوڑی دیر بعد مجھے جیسے محبت سے آدمی دباتا ہے ذرا سا مجھے دبایا کرتے تھے تو مجھے نہیں یاد میرے خیال میں کئی گھنٹے ایسے گزر گئے میں کہیں بھاگ بھی جاتا ہوں گا تو مجھے پکڑ کر لے آتے تھے خاص طور پر جب اُم متین نہ ہوں۔ پھر میرے لئے کچھ کھانے کو منگوایا۔ تو اس قسم کی شفقت کا یہ تو ایک واقعہ ہے صرف یہ بتانے کے لئے کہ حضور کی نظر عنایت تھی سبھی بچوں پہ ہوگی وہ کوئی شک کی بات نہیں ہے میں بھی اس رحمت سے نوازا گیا جو ایک خلافت کی قربت کی رحمت ہوتی ہے تو اس

کے علاوہ میں ۱۹۴۴ء میں ہی قادیان میں تھا تو بیمار ہوگیا مجھے ٹائیفائڈ ہوگیا تو اس موقع پر بھی مجھے یاد ہے کہ حضور تشریف لائے اور انہوں نے والدہ سے باتیں کیں اور مجھے پیار کیا اور علاج کے متعلق کچھ بتایا اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے شفا بخشی اس وقت سے لیکر پھر ۱۹۴۶ء کے آخر تک ہم وہاں رہے۔ ۱۹۴۷ء کے مارچ اپریل میں والدہ نے حضور سے گاڑی اور ڈرائیور لے کے ہمیں پنجاب کی سیر کروائی اس خیال سے کہ ہمیں وہ جگہیں دکھادیں جو ہماری آبائی ہیں اس میں ہم ڈسکہ بھی گئے جوڑا بھی گئے قصور بھی گئے ایک جگہ ہے قبولہ وہاں بھی گئے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کے گاؤں جوڑا گئے جہاں میرے نانا یعنی چوہدری فتح محمد صاحب سیال کا تعلق تھا تو سارے آبائی رشتہ داروں سے مل کر آئے۔ اس کے بعد جب ہم لاہور پہنچے اس وقت گڑبڑ شروع ہو چکی تھی۔ اب مجھے تاریخیں تو یاد نہیں لیکن یہی مارچ اپریل کا وقت تھا۔ لاہور میں لوگ بہت پریشان تھے اور انہوں نے والدہ سے کہا کہ تم نے کوئی اطلاع ہی نہیں کی حضرت صاحب کو کوئی تار ہی نہیں دیا ہمیں کچھ پتا نہیں تم کہاں ہو حضور کے بہت سے پیغام آئے ہیں کہ بھئی وہ غائب ہوگئی ہے ملی نہیں ہے کچھ ہو نہ گیا ہو فوراً اس کا پتہ کرو خیر پتہ تو چل گیا پھر کہا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ اس نے واپس قادیان آنا ہے تو ایک گاڑی کا اور انتظام کیا جائے اور کچھ لوگ ان کے ساتھ آئیں اور سیدھی سڑک جو امرتسر کی ہے اس سے نہ آئیں ڈیرہ بابا نانک کے رستے سے آئیں کوئی نیا راستہ قادیان سے لاہور جانے کا اور لاہور سے قادیان آنے کا ہو تو اس کا پتہ کرنا ہے تو آپ ایسے آئیں کہ ایک تو امرتسر Avoid ہو جائے گا دوسرا نئے راستے کا علم ہو جائے گا تو مجھے یاد ہے کہ مستری حکیم صاحب لاہور مغلپورہ کے جو ہیں وہ ان کی گاڑی تھی انہوں نے گاڑی کا انتظام کیا تو ہم لاہور سے چلے جس گاڑی میں ہم سفر کر رہے تھے وہ پرانی جماعتی کار تھی جو چوہدری فتح محمد سیال صاحب کے استعمال میں ہوتی تھی لیکن اس کو باہر لے جانے کی اجازت حضور سے لینی ہوتی تھی اس لیے والدہ نے حضور سے اجازت لی تھی۔ مستری حکیم صاحب نے کہا مجھے ڈر ہے کہ یہ گاڑی اس سفر میں شاید نہ چل سکے (چوہدری فتح محمد صاحب کے استعمال والی گاڑی) تو ایک رسہ بھی ساتھ لے کر چلتے ہیں تاکہ اگر کہیں کوئی خرابی ہوگئی تو ساتھ باندھ کر لے جائیں گے ان ہی دنوں کلکتہ سے محترم سعدی صاحب لاہور آئے ہوئے تھے اور سعدی صاحب سے والدہ کے تعلقات مولانا عبدالرحیم درد صاحب کی وجہ سے تھے۔ ان کے ساتھ جو تعلق تھا چوہدری صاحب کا اور حضور کا اور والدہ کا وہ اپنی ذات میں ایک بہت عجیب رشتہ تھا۔ سعدی صاحب بھی ہمارے سفر میں شامل ہوگئے۔ یہ حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحب کے بھائی تھے کلکتہ میں ہوا کرتے تھے پھر Partition کے بعد بنگلہ دیش ایسٹ پاکستان چلے گئے تھے۔ مصلح الدین سعدی بہت بامذاق آدمی تھے مجھے یاد ہے کہ ان دنوں گاڑی کے باہر ایک بمپر لگا ہوتا تھا اس کے اوپر کھڑے ہو کر رات کو ڈرائیوروں کو بتاتے تھے کہ اس طرف جانا ہے یا اس طرف کرنا ہے۔ رستے میں گاڑی خراب ہوگئی اور اتفاق سے وہ گاڑی جس میں ہم تھے خراب نہیں ہوئی اور حکیم صاحب والی گاڑی خراب ہوگئی پھر اس گاڑی کو دوسری گاڑی کے پیچھے

باندھ کر ہم قادیان پہنچے اور حضور کو اطلاع کی کہ ہم لوگ پہنچ گئے ہیں۔

قادیان میں جو دو سال میں نے گذارے اس دوران شاید ہی کوئی مجلس عرفان ہوگی جس میں میں نہیں گیا جن لوگوں نے قادیان پہلے دیکھا ہے اور یا اب دیکھا ہے ان کے لئے عرض ہے کہ دار الانوار محلّہ میں تقریباً سب سے آخر میں ایک مکان تھا جہاں سے بھینی گاؤں کو ایک سڑک جاتی تھی وہ چوہدری فتح محمد سیال صاحب کا مکان تھا اس کے اردگرد ان کی زمین تھی باغ تھا وہاں ہماری رہائش ہوتی تھی۔ جب احمدیہ چوک سے سیدھا دار الانوار چوک کی طرف جائیں تو شروع میں اب تو بہت سے مکان بن چکے ہیں لیکن شروع میں نالے کے پل کے بعد زیادہ مکان بائیں طرف نہیں تھے دائیں طرف ہی ایک دو مکان آتے تھے۔ کھلا میدان تھا کھلے میدان کے بائیں طرف جو پہلی کوٹھی آتی تھی وہ بیت الظفر تھی اس کے بعد دار الحمد تھی جو حضرت خلیفہ ثانی کی کوٹھی تھی اس سے آگے جا کر سید ولی اللہ شاہ صاحب کی کوٹھی تھی اس سے آگے سیدھا چلے جائیں تو عبد الرحیم درد صاحب کی کوٹھی تھی۔ ولی اللہ شاہ صاحب کی کوٹھی کی سائیڈ میں سید عزیز اللہ شاہ صاحب اور محمود اللہ شاہ صاحب کے مکان تھے اور ان کے آگے ایک اور افریقی صاحب ہوا کرتے تھے ان کا مکان تھا پھر اس کے آگے راجہ غالب احمد صاحب کے والد راجہ محمد علی صاحب کا مکان تھا اور دائیں طرف ڈپٹی محمد شریف صاحب کا مکان تھا اس سے آگے ہمارا مکان تھا۔ مجلس عرفان مغرب کے بعد ہوا کرتی تھی فارغ ہوتے ہوتے کافی اندھیرا ہو جاتا تھا اور میری عمر چھوٹی ہوتی تھی اور اتفاق کچھ ایسا ہے کہ میں گھر میں سے شاید اکیلا ہی تھا جو جایا کرتا تھا مجلس عرفان میں کیونکہ مجھے یاد ہے کہ وہاں سے جب میں واپس آتا تھا رات کو ڈر کی وجہ سے میں دیکھتا تھا کہ کون لوگ جا رہے ہیں تو جو لوگ جا رہے ہوتے تھے تو ان کے پیچھے پیچھے ہو کر بالکل ان کے قریب ہو کر میں چلا کرتا تھا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ میں ان کے ساتھ ہی ہوں علیحدہ نہیں ہوں وہ اپنے اپنے گھر چلے جاتے تھے تو پھر میں آخر میں اکیلا رہ جاتا تھا تو جب اکیلا رہ جاتا تھا تو پھر اپنے آپ کو روکتا تھا کہ دوڑنا نہیں کیونکہ وہاں کتے وغیرہ بعض اوقات ہوا کرتے تھے لیکن مجلس عرفان چھوڑنا بہت مشکل تھی اس مجلس عرفان میں میری طبیعت پر اس وقت بچپن میں بھی یہی اثر ہوتا تھا کہ ذہن میں جو سوال حضور کی گفتگو کے نتیجہ میں اٹھتا تھا اس کا جواب بعد کی گفتگو میں آ جاتا تھا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جو بہت کم کسی اور مقرر میں دیکھی ہے لیکن حضرت خلیفہ ثانی کے ساتھ یہ بات تھی اور اس کے بعد میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ پارٹیشن کے بعد جب حضور یہاں تشریف لائے ہیں لاہور تو ہم لوگ بھی تانگر سے لاہور آ گئے تھے میں اور میری والدہ یعنی ہم بچے اور والدہ ہماری رہائش ماڈل ٹاؤن میں تھی تو وہاں سے روز صبح ہی تقریباً روزانہ کا طریق تھا کہ ہم رتن باغ آ جایا کرتے تھے سارا دن یا اکثر دن کا حصہ یہاں گذارتے تھے یا دوپہر تک کا یا دوپہر کو آ گئے تو شام تک کا سارا وقت یہیں گذرتا تھا اور اس میں اوپر کی منزل میں رتن باغ میں دائیں طرف جو آخری کمرہ تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اس میں قیام فرماتے یا ملنے کو جاؤ تو وہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ جب حضور ربوہ تشریف لے گئے تو وہ کمرہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب

کے استعمال میں آ گیا تو رتن باغ میں حضور کے ساتھ ملاقات اُس طرح تو نہیں ہوتی تھی وجہ بھی نہ تھی ۔ میں ساتویں آٹھویں میں تو پڑھتا تھا جب پارٹیشن ہوئی لیکن راستے چلتے گھر میں ملاقات کبھی کبھی ہو جایا کرتی تھی اس کے بعد حضور ربوہ تشریف لے آئے مجھے یاد ہے کہ ان دنوں میں میں آیا تو کچے مکان تھے جن میں حضور کی رہائش تھی میں اپنی والدہ کے ساتھ ملنے جایا کرتا تھا۔ ایک بات جو میرے ذہن میں ہے ایک گلی سی تھی وہاں سے آگے دائیں طرف جا کر، دائیں طرف گھر تھا جس میں حضور تشریف فرما ہوا کرتے تھے تو مٹی کی دیواریں اور مٹی کی چھت اور اس وقت بھی ذہن میں کبھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ جی یہ کیسی جگہ ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قادیان کے رہنے والے تھے گاؤں کا ماحول تھا اسی طرح رہا کرتے تھے تو تھی تو بہت تکلیف دہ بات کہ حضور اس طرح ربوہ میں قیام کر رہے ہیں لیکن خاکسار کی طبیعت پر اس کا کوئی بوجھ نہیں پڑا تھا کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ بھئی یہ کیا بات ہے ایسا کیوں ہوا ہے مقصد یہ صرف حضور کی ذات ہوا کرتی تھی اور کوئی چیز نہیں تھی پھر اس کے بعد جیسے جیسے ربوہ ترقی کرتا چلا گیا میں اکثر آیا کرتا تھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا دعا کے لئے درخواست کیا کرتا تھا حضور شفقت فرماتے تھے پیار کرتے تھے پھر جب حضور انگلستان تشریف لے گئے ہیں تو اس وقت میں کراچی نہیں جا سکتا تھا تعلیم کی وجہ سے مجبور تھا لیکن جب حضور واپس تشریف لائے ہیں تو اس وقت میں کراچی میں تھا حضور نے کچھ دن وہاں قیام فرمایا تو اس میں بھی حضور کے ساتھ ملاقات کا اکثر موقع ملتا تھا۔ پھر انگلستان جانے سے پہلے کی بات ہے ۱۹۵۳ء کے جو حالات ہیں ان میں مجھے یاد ہے کہ حضور نے جب یہ خطبہ دیا کہ تم مت ڈرو کہ میں خدا تعالیٰ کو دوڑتے ہوئے آتے دیکھتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کو آ رہا ہے تو اس سے کلیتاً میں اپنی ذات کے لئے کہہ رہا ہوں کہ پوری تسکین ہوگئی کہ اب کچھ نہ ہوگا۔ ۱۹۵۳ء میں ہم لاہور میں تھے اور ماڈل ٹاؤن میں رہتے تھے والدہ کو ہم چھاؤنی میں چھوڑ آئے تھے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب والی کوٹھی میں کیونکہ حالات ٹھیک نہیں تھے لیکن ہم نے فیصلہ کیا کہ یہاں پر ٹھہریں گے۔ 122C ماڈل ٹاؤن میں ہی اور کہیں نہیں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہماری اس رنگ میں حفاظت کی کہ تین بھائی تو ہم تھے دو ہمارے ماموں تھے منصور سیال اور مظفر سیال اور ایک ہمارے ماموں کے بیٹے تھے عبدالحی ان کا نام تھا اسی طرح ہم سات آٹھ تھے اور ہمارے پاس سات آٹھ ہی weapons جسے کہتے ہیں وہ تھے بندوقیں بھی تھیں اور رائفلیں بھی تھیں پستول بھی تھے تو ہم نے گولیاں خرید کر رکھی ہوئی تھیں اور منصور سیال صاحب ۱۹۵۳ء میں بھرتی ہونے کے لئے گئے تھے اور کچھ PMA کی ٹریننگ بھی انہوں نے کی تھی انہوں نے پلان کیا اور خوب ہدایات دیں اور کہا کہ دیکھو اس طرح کرنا ہے اس طرح کرنا ہے جب کوئی آئے گا اس پر گولی نہیں چلانی جب تک وہ ہمارے گھر کی حدود کے اندر نہ آ جائے سامنے کھلا باغ تھا تو جب یہ اندر آ جائے تو گولی چلانی ہے اور پھر چھوڑنا نہیں کسی کو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے فضل کیا کہ ہماری واقفیت ماڈل ٹاؤن میں اچھی تھی اور لوگ بھی شاید ہمیں اچھا سمجھتے تھے اور جب بھی کوئی جتھہ ہمارے گھر کی طرف آنے لگتا تو ایک سڑک پہلے انہیں کوئی نہ کوئی روک

دیتا تھا کہ اس طرف نہ جاؤ تو اس کے بعد بھی جب حضور کی طرف سے یہ ارشاد آیا تو بہت تسلی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نشان مل گیا کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے منجملہ جماعت جو ہے اس کی حفاظت کرے گا۔

پھر حضور کے ساتھ ملاقاتیں تو ہوتی رہیں چوہدری فتح محمد سیال کے ساتھ بھی والدہ کے ساتھ بھی لیکن کوئی ایسی ملاقات میں نہیں گنوا سکتا جس میں میں نے کوئی بیان کرنے والی بات کی، ہو ذاتی ہوا کرتی تھی۔ پھر حضور کی بیماری کے دوران بھی ملنے کے لیے جاتا رہتا اور ملنے گیا تو حضور کی طبیعت میں اس وقت بے چینی تھی یا چوٹ تھی کمر کی اس وجہ سے حضور کروٹ لیتے تھے ایک طرف بھی اور دوسری طرف بھی۔ اسی دوران والد صاحب کی وفات ہوگئی تھی۔ ۱۹۵۹ء میں حضور کو اس کے متعلق اطلاع نہ دی گئی اس خیال سے کہ حضور کو بہت صدمہ پہنچے گا تو والد صاحب کی وفات کے سال دو سال بعد حضور تشریف لے جا رہے تھے کراچی حضور (یہ مجھ سے اُم متین نے ذکر کیا) تو بار بار کہتے تھے کہ وہاں جائیں گے تو عبداللہ خان صاحب سے ملاقات ہوگی تو کہتیں کہ میں بہت گھبرائی کہ وہاں پہنچ گئے تو عبداللہ خان تو ہے نہیں پھر کیا بنے گا تو آپ نے مرزا منور احمد صاحب جو ساتھ تھے، اُن کو بلا کر بات کی کہ یہ بڑی مشکل ہے وہاں پہنچ کر کیا جواب دیں گے غالباً سکھر کا اسٹیشن تھا تو فیصلہ ہوا کہ حضور کو یہاں بتا دینا چاہئے تو کہتے ہیں کہ حضور کو بتلایا کہ آپ چوہدری صاحب کا کہتے ہیں وہ تو فوت ہو چکے ہیں اس پر حضور نے اظہار کیا کہ مجھے بتلایا کیوں نہیں اور کچھ ناراض بھی ہوئے اور کہا اچھا تو پھر سامان اتارو اور اگر عبداللہ خان نہیں ہے تو ہم نے وہاں جا کر کیا کرنا ہے واپس چلتے ہیں ربوہ کو۔ جذباتی کیفیت تھی حضور کی وہاں کچھ وقت لگا تو حضور کی خدمت میں باقی ساتھیوں نے عرض کیا باقی ساری جماعت کراچی کی انتظار کر رہی ہے اگر آپ نہ جائیں تو بہت دل شکنی ہوگی اور ساری بات کی تصدیق اس طرح بھی ہوئی میں جب حضور سے ملا اس کے بعد حضور کے سفر کے بعد ربوہ میں تو مجھ سے بات کرتے فرمایا دیکھو عبداللہ خان فوت ہوگیا اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں میں جی حضور کہہ کر چپ ہو جایا کرتا تھا۔ بار بار حضور نے دہرایا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس قدر حضور محبت کرتے تھے والد صاحب سے ایک اور واقعہ ہے اس میں میرا ذاتی تجربہ تو نہیں لیکن بیان کرتا ہوں صرف اس لئے کہ دوستوں کو پتہ لگ جائے گا کہ کام کرنے میں کیا طریق اختیار کرنا چاہئے یا کیا سوچ ہونی چاہئے۔

جب احرار نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم قادیان جائیں گے اور وہاں جلسہ کریں گے اور نعوذ باللہ حضرت مسیح موعودؑ کے مزار کو اکھیڑ یں گے تو اس وقت بہت جھگڑا چل رہا تھا گورنر پنجاب کے ساتھ جو کہ انگریز تھا ایک تو حضور نے یہ پیغام بھیجا جماعتوں کو کہ تاریخ کے مطابق جتنے لوگ قادیان آسکتے ہیں آ جائیں۔ خیال یہ تھا کہ حکومت بھی ساتھ نہیں میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر احرار کوئی شرارت کریں تو احمدیوں کی آبادی تھوڑی ہے قادیان میں والد صاحب ان دنوں میں قصور میں ہوا کرتے تھے قصور میں انہوں نے انتظام کیا ایک بس کا اور ۲۰، ۲۵، ۳۰ آدمی کو لے جانے کا انتظام کیا۔ قصور کے ساتھ ہی سارا علاقہ وہ تھا جو چوہدری فتح محمد سیال صاحب کا آبائی گاؤں تھا اور ان کے رشتہ دار تھے عزیز تھے اور تعلق

والے تھے آپ نے یہ پروگرام بنایا کہ ہم فلاں تاریخ کو قادیان جائیں گے اتنے میں حکومت نے پیغام بھیجا حضور کو کہ یہ جو آپ نے کیا ہے اس سے تو فساد بڑھے گا۔ آپ یہ اپنا پروگرام منسوخ کر دیں۔ اس پر حضور نے فرمایا یہ جو میں نے ہدایت کی تھی اس کو میں منسوخ کرتا ہوں تو میرے والد صاحب نے مجھے بتایا کہ جب حکم آگیا کہ میں منسوخ کرتا ہوں تو میں نے سب سے مشورہ کیا میں نے کہا کہ حضور نے یہ فرمایا ہے ہم نے انتظام کیا ہوا تھا کہ اگلے دن صبح جانے کا اس کے بعد میں تمہاری والدہ کے پاس اندر گیا یہ یہ ہم نے انتظام کیا تھا اب حضرت صاحب کا یہ حکم آگیا ہے کہ میں نے اس کو منسوخ کر دیا ہے اب یہ ہم سوچتے ہیں کہ جائیں یا نہ جائیں مجھ سے کہنے لگے کہ تمہاری والدہ نے مجھ سے کہا کہ حضور نے یہ تو نہیں کہا کہ قادیان مت آؤ والد صاحب نے کہا کہ یہ تو نہیں کہا۔ اس پر کہنے لگیں یہ تو نہیں کہا کہ قادیان مت آؤ۔ آپ تو جاتے ہی رہتے ہیں قادیان۔ والد صاحب کا یہ ہوتا تھا کہ اگر ہر ہفتے نہیں تو دوسرے ہفتے ضرور قادیان جایا کرتے تھے تو والد صاحب کہتے ہیں کہ ہم سب وہاں سے تیار ہو کر قادیان چلے تو راستے میں بٹالہ سے آگے کسی جگہ پولیس نے ناکہ بندی کی ہوئی تھی اور کسی کو قادیان جانے نہ دیتے تھے۔ کہتے ہیں ہم وہاں پہنچے تو انہوں نے کہا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ ہم نے کہا کہ قادیان جا رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ کو وہاں جانے نہ دیں گے تو والد صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں جانے دیں گے میں قادیان میں بیاہا ہوا ہوں میرے سسر وہاں ہیں، میرا سسرال ہے قادیان میں مَیں جاتا ہوں آپ کس قانون کے ماتحت مجھے روک سکتے ہیں۔ خود بھی افسر تھے حکومت کے تو اس آدمی نے کہا کہ اچھا تو پھر ہم تو نہیں روک سکتے۔ کہتے ہیں کہ یوں ہم تو وہاں پہنچ گئے حضور دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا تم نے بہت اچھا کیا آ گئے پھر والد صاحب نے بتایا کہ حضور نے میری اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی دونوں کی اکٹھی ڈیوٹی ایک جگہ پر لگائی۔

(مکرم محمود ایمن آبادی صاحب)

تیری تلاش ، ترا انتظار ہے اب بھی
کہ بے قرار دلِ بے قرار ہے اب بھی

وہ مے جو تُو نے پلائی تھی اپنے ہاتھوں سے
اُسی کا ذہن میں باقی خمار ہے اب بھی

ترے لبوں سے ہمیشہ جو پھول جھڑتے تھے
اُنہی سے اپنے چمن میں بہار ہے اب بھی

ترے ہی سوزِ دروں کا یہ اک کرشمہ ہے
کہ شمعِ دینِ ھدیٰ تابدار ہے اب بھی

ترا ہی منتظرِ دید اے شہِ خُوباں
ترا غُلام سرِ راہگذار ہے اب بھی

(مکرم عبدالحمید شوقؔ صاحب)

جان کی بازی لگا کر غیر ملکوں میں گئے
سینکڑوں رنج و مصائب ایک عرصے تک سہے

احمدیت کا پیامِ جانفزا سب کو دیا
ساری دُنیا کو خدا کے نور سے روشن کیا

زندہ باد اے ناخدائے کشتیٔ اسلامیاں
تو سلامت باکرامت اے امیرِ کارواں

کام تیرے تجھ کو زندہ تا قیامت کر گئے
تیرے ذمّے ساری دُنیا کی امامت کر گئے

نور سے معمور تھی تیری حیاتِ کامیاب
مرقدِ پُر نور بھی روشن ہے مثلِ ماہتاب

عظمتِ اسلام کی خورشید کی تابندگی
شوقؔ روشن کر گئی انسانیت کی زندگی

حضرت مصلح موعود کی سیرت طیبہ کے چند پہلو

واقعات کی روشنی میں

(مکرم مبشر احمد خالد صاحب مربی سلسلہ)

حضرت مصلح موعود کی ولادت باسعادت اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے نتیجہ میں ہوئی۔ جس میں خود اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کی باون صفات بتائی ہیں۔ جو آپ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلو اور عناوین بنتے ہیں۔

دراصل پیشگوئی مصلح موعود میں کسی انفرادی عظمت کے حامل ایک عظیم ہیرو کی پیدائش کا ذکر نہیں بلکہ اس میں ایک ایسے مذہبی راہنما کی پیدائش کی خبر دی گئی تھی جسے اس زمانہ کی ایک مذہبی و روحانی تحریک کا روح رواں بننا تھا اور جس کی تمام قوتیں اور فطری استعدادیں اُس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے وقف ہو جانا تھیں اور جس نے اپنی ہمعصر دُنیا میں ہی نہیں بلکہ بعد کی دنیا میں بھی ایک بُلند اور درخشندہ نام اور وسعت پذیر کام اپنے پیچھے چھوڑنا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو رہتی دنیا تک مشعلِ راہ کا کام دیں گے۔ پس ایسے انسان کی سیرتِ طیبہ کو صرف ایک مضمون میں بیان کرنا ناممکن امر ہے۔

حضرت فضلِ عمر جن بہترین اخلاق و عادات کے حامل اور جن اعلیٰ صفات اور فضائل ومحاسن کے مالک تھے وہ اتنے زیادہ اور اِس کثرت کے ساتھ ہیں کہ حضور کا سوانح نگار اُن کو اگر لکھنے بیٹھے تو اُس کے سامنے بلاشُبہ حالات و واقعات کا ایک انبارِ عظیم ہوگا جن کے انتخاب میں اُسے بہت زیادہ مشکل اور دقت پیش آئے گی۔

قدرت نے بہت ہی فیاضی کے ساتھ آپ کو مختلف استعدادیں عطا فرمائیں اور ایسی عظیم الشان قابلیتوں اور لیاقتوں سے نوازا تھا جو بے نظیر اور بے عدیل تھیں۔

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب حضورِ انور، مصلح موعود کی سیرتِ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ’’آپ کا خلق خلقِ محمدی کا ظلّ اور عکس تھا۔ اس لئے بھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ تھے اور اس لئے بھی کہ آپ مثیلِ مسیح موعود ہونے کے لحاظ سے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے تھے۔ خلقِ محمدیؐ کے بعض پہلوؤں کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

عزیزٌ علیه ما عنتم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤفٌ رحیم۔

یعنی بہت ہی شاق ہے اس ہمارے رسولؐ پر کہ تم لوگ کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔ یہ ہمارے رسولؐ تمہاری بھلائی اور بہتری کے حد درجہ خواہاں ہیں اور آرزومند ہیں اور ان کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور مومنوں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت شفقت اور رحمت کا ہے۔ اس خُلق کا وافر نمونہ ہم نے حضرت مثیلِ مسیح موعود میں دیکھا اور اس کے مورد رہے۔

''حضور ماں باپ سے بڑھ کر شفیق تھے۔ اس شفقت کا چشمہ ہر وقت اور ہر کس کے لئے جاری تھا لیکن جن لوگوں نے تقسیم ملک کے دوران میں اور پھر ۱۹۵۳ء کے ہنگامے کے دوران میں حضور کی بے چینی اور بے قراری کو دیکھا اور حضور کی شفقت اور غم خواری کا مشاہدہ کیا وہ اس چشمے کے جوش اور گہرائی کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔

''افراد کی بہتری اور بھلائی اور جماعت کی مضبوطی اور ترقی کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے اوجھل نہ تھا اور یہ سب امور دن رات آپ کی توجہ کے جاذب رہتے تھے۔

''آپ کی شفقت اور رحمت کے سمندر کا کنارا نہیں تھا۔ ایک طرف ان کا پیہم عملی اظہار اور دوسری طرف بارگاہِ ایزدی میں مسلسل فریاد اور التجا۔ اگر دن کا اکثر حصہ خدمت اور ترقی اور بہبودی کی تدبیروں اور منصوبوں میں گزرتا تو رات کا اکثر حصہ دعاؤں میں صرف ہوتا''۔

(روزنامہ الفضل مؤرخہ ۱۷ر جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۳)

اب ذیل میں حضرت مصلح موعود کی سیرتِ طیبہ پر مبنی چند واقعاتی نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

عشقِ الٰہی

دسمبر ۱۹۹۰ء کو مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان کے ساتھ ایک ملاقات میں محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے دوران گفتگو حضرت مصلح موعود کے دو ایمان افروز چشمدید واقعات سنائے۔

حضرت مصلح موعود کی حیاتِ مقدسہ کے یہ دو واقعات محض واقعات ہی نہیں ہمارے لئے ایک درس ہیں اور ایک قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔ ہم وہ واقعات اپنے الفاظ میں ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

حضرت مصلح موعود کے بارے میں صاحبزادہ صاحب نے اپنے ذاتی واقعات سناتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ

میں رات کو سویا ہوا تھا۔ حضرت مصلح موعود کی باری امّ ناصر کے ہاں تھی۔ آدھی رات کو اچانک بڑے ہی دردناک رونے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں خوف سے سہم گیا کہ خدایا کیا ہوا ہے؟ کیونکہ کسی کے رونے کی بڑی دردناک آواز آرہی تھی۔ کچھ دیر بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی آواز ہے۔ تب میں نے دیکھا کہ آپ تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے اور بڑے ہی کرب سے درد اور الحاح سے دعا کر رہے تھے اور ایسے رو رہے تھے جیسے ہنڈیا ابل رہی ہو۔

صاحبزادہ صاحب فرمانے لگے کہ بلا مبالغہ میں آدھ گھنٹہ تک جاگتا رہا اور حضور اتنے درد سے رو رو کر ایک ہی فقرہ ''اھدنا الصراط المستقیم'' بار بار دہرا رہے تھے۔ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۱)

عشقِ قرآن

صاحبزادہ صاحب نے حضرت مصلح موعود کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک روز حضرت مصلح موعود گھر کے دالان میں ٹہل رہے تھے اور ہم بچے بھی گھر میں موجود تھے۔ آپ نے ہمیں بلایا اور فرمانے لگے کہ قرآن ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ جیسے سمندر میں غوطہ خور غوطہ مارتا ہے تو جو بہت محنت کرتا ہے وہ موتی نکال کر لے آتا ہے اور جو تھوڑی محنت کرتا ہے وہ موتی نہیں تو سیپی ہی نکال لاتا ہے۔ اسی طرح تمہیں ابھی سے قرآن کریم پر غور و فکر اور تدبر کی عادت ڈالنی چاہئے اور موتی نہیں تو سیپی ہی نکال کے لے آؤ۔ مگر تدبر کی عادت ضرور ڈالو۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور کو قرآن سے کس قدر عشق تھا اور آپ کس طرح بچوں کی تربیت کا ہر وقت خیال رکھتے تھے اور بچپن میں ہی قرآن کی طرف توجہ دلائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

(ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۲)

عشقِ رسول

برصغیر کے ممتاز ادیب سیّد ابوظفر نازش صاحب رضوی نے حضرت مصلح موعود..... کے وصال پر اپنا یہ چشم دید واقعہ اخبار میں شائع کیا:

> ''۱۹۴۰ء میں مجھے ایک سیاسی مشن پر قادیان جانا پڑا۔ اُس زمانے میں ہندو اپنی سنگھٹی شرارتوں کا ایک خاص منصوبہ بنا رہے تھے۔ اُس موقع پر مرحوم و مغفور امام صاحب جامع مسجد دہلی اور سیّدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب اعلی اللہ مقامہٗ اور دیگر چوٹی کے مُسلم اکابر نے مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا کہ حضرت صاحب سے اس باب میں تفصیلی بات چیت کروں اور...... کے خلاف اس فتنے کے تدارک کے لئے اُن کی ہدایات حاصل کروں۔ یہ مشن بہت خفیہ تھا کیونکہ ہندوستان

کے چوٹی کے مسلمان اکابر جہاں یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کے اُس ناپاک منصوبے کا مؤثر جواب مسلمانوں کی طرف سے صرف حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ...... ہی دے سکتے ہیں۔ وہاں وہ عام مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ حضرت صاحب کو اپنا رہبر تسلیم کرتے ہیں۔

''میں اس سلسلے میں قادیان تین دن مقیم رہا اور حضرت صاحب سے کئی تفصیلی ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں دو باتیں مجھ پر واضح ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت صاحب کو...... اور حضور سرورِ کائنات علیہ السلام سے جو عشق ہے اُس کی مثال اس دور میں ملنا محال ہے۔ دوسرے یہ کہ تحفظ...... کے لئے جو اہم نکات حضرت صاحب کو سوجھتے ہیں وہ کسی دیگر مُسلم لیڈر کے ذہن سے مخفی رہتے ہیں۔ میرا یہ مشن بہت کامیاب رہا اور مَیں نے دہلی جا کر جو رپورٹ پیش کی اُس سے مُسلم زعماء کے حوصلے بلند سے بلندتر ہو گئے''۔ (روزنامہ الفضل ۱۴/اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۳)

تبلیغ کا ولولہ

مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور تحریر کرتے ہیں:

''جب شہزادہ ویلز ہندوستان آیا تو وائسرائے کی طرف سے مختلف رؤسا اور لیڈروں کو اس کی ملاقات کے لئے کہا گیا۔ اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے دو شرطوں کے ساتھ ملاقات کرنے پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔ ایک یہ کہ حضور اس کی بیوی کے ساتھ مصافحہ نہیں کریں گے۔ دوسرے یہ کہ حضور اسے ایک کتاب بطور تحفہ پیش کریں گے جس میں ...... کی تبلیغ ہوگی۔ چنانچہ شہزادہ ویلز کے مشورہ کے ساتھ یہ دونوں حضور کی باتیں مان لی گئیں اور حضور نے ایسے تنگ وقت میں ایسی ضخیم کتاب تحریر فرمائی۔ پھر اسے چھپوایا گیا اور چاندی کی طشتری میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ ایسے تھوڑے عرصہ میں اس قدر مدلل اور شاندار کتاب کی تصنیف حضور کی اولوالعزمی کا واضح ثبوت ہے''۔ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۵)

مکرم صوفی علی محمد صاحب حضور سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں احمدی ہو چکا تھا مگر ابھی تک حضور سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ستمبر ۱۹۵۸ء کو مجھے مکرمی مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب حضور سے ملانے کے لئے نخلہ لے گئے۔ اس ملاقات میں حضور نے جس شفقت سے مجھے نوازا وہ پیار اور محبت ابھی تک میرے ذہن پر نقش ہے اس موقع پر میں نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ایک پنجابی نظم پڑھ کر سنائی۔ نظم کا جب میں نے یہ

شعر پڑھا۔

اک دا نہیں کم سارے ہمتاں دکھا دیئے
اک اک بندہ سَو سَو احمدی بنا دیئے

تو حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اب یہ فقرہ ٹھیک نہیں رہا۔ جب میں نے یہ کہا تھا کہ ایک ایک احمدی سَو سَو احمدی بنائے تو اُس وقت جماعت عہد طفلی میں تھی اب خدا کے فضل سے جماعت شباب کی حالت میں ہے۔ اب میں احباب جماعت سے سَو کی بجائے ہزار کی توقع رکھتا ہوں اس لئے تم اپنے شعر میں سو کی بجائے ہزار لکھو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور ہزار لکھنے سے شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے ہنس کر فرمایا اچھا تم شعر میں سَو پڑھ لیا کرو مگر ساتھ ہی بتا دیا کرو کہ اب میرا ہزار احمدی بنانے کا مطالبہ ہے سَو کا مطالبہ تو ہماری ایک رشتہ دار عورت نے ہی پورا کر دکھایا تھا اس لئے اب مردوں سے میرا ہزار کا مطالبہ ہے۔ اس کے بعد میں نے درج ذیل اشعار پڑھے:

مصلح موعود دے کلیجے ٹھنڈ پا دیئے
بلھے شاہ دے وانگ نچ پیر نوں منا دیئے
ہو کے ضرور ذہنی فتح اسلام جے
مصلح موعود دا میں ادنیٰ غلام جے
صوفی علی محمد تے جنڈو وچہ مقام جے
وقف جدید وچ دتا ہویا نام جے

اس پر حضور نے فرمایا کہ دیہاتیوں میں پنجابی مادری زبان ہونے کی وجہ سے پسند کی جاتی ہے ان کی نظم اور نظم پڑھنا مجھے بہت پسند ہے اور فرمایا کہ یہ نظم چھپوا کر جلسہ سالانہ میں تقسیم کی جائے چنانچہ یہ نظم چھپوا کر جلسہ پر کافی تقسیم کی گئی اور حضور نے مجھے فرمایا کہ دیہاتی جماعتوں میں جا کر یہ ضرور سنایا کریں''۔ (سوانح فضل عمر جلد نمبر ۵ صفحہ ۴۲۳، ۴۲۴)

غیرت دین

مکرم محمد بشیر احمد آف بنگلہ دیش حضور کی غیرتِ دین کا ایک واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''ایک واقعہ حضور کی غیرت دینی کا میں بغیر ذکر کئے رہ نہیں سکتا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کو توحید اور اشاعت توحید کا کس قدر خیال تھا۔ ۲۲-۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے کہ حضور ...... شملہ

تشریف لے گئے حضور جب بھی شملہ تشریف لے جاتے تو چہل قدمی کے لئے اپنے خدام کے ساتھ تشریف لے جاتے ایک مرتبہ اسی طرح حضور سیر کے لئے تشریف لے جارہے تھے ساتھ حضور کے کئی خدام بھی تھے۔ میرے والد صاحب حضور کے ہمراہ تھے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ راستہ میں عیسائیوں کا بڑا گرجا بھی آیا حضور کے ایک ہمراہی نے اس گرجا کی طرف متوجہ کیا کہ اتنا صاف شہر ہے اور یہ گرجا انگریزوں کا کس قدر شکستہ ہے اگر انگریز اس کی مناسب مرمت کرلیں تو کتنا خوبصورت لگے گا والد صاحب کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا سننا تھا کہ حضور کا رنگ سُرخ ہوگیا اور مڑکر فرمانے لگے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ ہر جگہ خدائے واحد کا نام پھیلے اور...... نہیں اور تم یہ کہتے ہو کہ یہ گرجا نئے سرے سے تعمیر ہو۔ اللہ اللہ کتنی غیرت توحید کے لئے تھی''۔

(الفضل ۱۴؍اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۵)

اپنے تو کیا غیر بھی آپ کی غیرتِ دینی اور دینِ حق کے دفاع کرنے کے جذبہ کے قدر دان تھے۔ چنانچہ سیّد ابو ظفر نازش صاحب رضوی نے حضرت مصلح موعود کی وفات پر آپ کے اس وصف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:

''افسوس! کہ وہ وجود جو انسانیت کے لئے سراپا احسان و مروّت تھا آج اس دُنیا میں نہیں۔ وہ عظیم الشان سپر آج پیوندِ زمین ہے جس نے مخالفین...... کی ہر تلوار کا وار اپنے سینے پر برداشت کیا مگر یہ گوارا نہ کیا کہ......کو گزند پہنچے...... آپ نے دُنیا کے بے شمار ممالک میں چارسُو کے قریب ......تعمیر کرائیں۔ تبلیغ...... کے لئے تقریباً یکصد مشن قائم کئے جو عیسائیت کی بڑھتی ہوئی رَو کے سامنے ایک آہنی دیوار بن گئے۔ مختصر یہ کہ حضرت صاحب نے اپنی زندگی کا ایک ایک سانس اپنے مولیٰ کی رضا اور......کی سربلندی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ خدا اُن سے راضی ہوا وہ خدا سے راضی ہوئے''۔ (روزنامہ ''الفضل'' ربوہ مورخہ ۱۴؍اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۴، ۵)

حضرت شیخ غلام احمد واعظ......فرمایا کرتے تھے کہ

''ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ آج کی رات...... مبارک میں گزاروں گا اور تنہائی میں اپنے مولا سے جو چاہوں گا مانگوں گا۔ جب مَیں...... میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص سجدے میں پڑا ہوا ہے اور الحاح سے رو رہا ہے اس کے اس الحاح کی وجہ سے میں نماز بھی نہ پڑھ سکا اور اس شخص کا اثر مجھ پر بھی طاری ہوگیا اور میں بھی دُعا میں محو ہوگیا اور میں نے دعا کی کہ...... یہ شخص تیرے حضور سے جو کچھ بھی مانگ رہا ہے وہ اس کو دے دے اور کھڑا کھڑا تھک گیا کہ یہ شخص سر اٹھائے تو معلوم کروں کہ کون ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے پہلے وہ کتنی دیر سے آئے ہوئے

تھے مگر جب آپ نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ میں نے السلام علیکم کہا اور مصافحہ کیا اور پوچھا کہ آج اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ لے لیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہی مانگا کہ یا الٰہی! مجھے میری آنکھوں کے سامنے ......کو زندہ کر کے دکھا! اور یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے''۔ (الفضل ۱۶ر فروری ۱۹۶۸ء صفحہ ۷)

احکام شریعت کی پابندی

مولانا محمد احمد جلیل صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ اس تعلق میں یوں تحریر کرتے ہیں:

تقسیم ملک سے پہلے قادیان کے زمانے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی گرمیوں میں ڈلہوزی تشریف لے جایا کرتے تھے۔۱۹۳۲ء کی بات ہے حضور ڈلہوزی میں موتی ٹبہ نامی پہاڑی پر لارنس ہال کوٹھی میں مع اہل...... قیام فرما تھے۔ پرائیویٹ سیکریٹری کا عملہ اور دیگر کارکنان وغیرہ تھوڑے فاصلہ پر ٹیرہ ہال میں مقیم تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب اور میرے والد مولوی محمد اسماعیل صاحب بھی ان دنوں ٹیرہ ہال میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب انگریزی تفسیر کے لئے اور میرے والد صاحب تفسیر کبیر کے سلسلہ میں حضور کے ہمراہ گئے ہوئے تھے۔ میں نے ان دنوں مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ والد صاحب نے امتحان کے بعد مجھے بھی کچھ دنوں کے لئے وہاں بلالیا۔

''ٹیرہ ہال کے ساتھ میدان میں ایک بڑا خیمہ نصب تھا جس میں پانچوں نمازیں اور جمعہ ادا کیا جاتا تھا۔ برسات کا موسم تھا۔ نمازیں عموماً جمع ہوتی تھیں۔ ایک روز جب حضور مغرب کی نماز پڑھا چکے تو حضرت مولوی شیر علی صاحب نے حسب معمول عشاء کی اقامت شروع کی۔ حضور نے فرمایا کیا بارش ہو رہی ہے۔ جب باہر دیکھا گیا تو بارش نہیں ہو رہی تھی۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ نماز جمع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور حضور نصف گھنٹہ کے قریب بیٹھے احباب سے گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد دوبارہ اقامت کہی گئی اور عشاء کی نماز ادا کی گئی۔'' (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۶۲)

قبولیت دُعا

اللہ تعالیٰ سے زندہ تعلق کا ایک عملی ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے پیاروں کی بڑی کثرت سے دُعائیں قبول کرتا ہے۔ حضرت مصلح موعود کی قبولیت دعا کے ہزاروں واقعات میں سے نمونہ کے طور پر صرف چند ایک تحریر کئے جاتے ہیں۔

مکرم ملک حبیب الرحمٰن صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر لکھتے ہیں:

''۳۹-۱۹۳۸ء کی بات ہے کہ مجھے ہر ماہ معدہ میں درد کا شدید دورہ ہونا شروع ہوا۔ بہت علاج کئے مگر کوئی افاقہ نہ ہوا اور میں بالکل لاچار ہو گیا۔ آخر تنگ آ کر میں امرتسر میڈیکل ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ مختلف اقسام کے ٹیسٹ کئے جانے کے بعد ڈاکٹروں نے فیصلہ دیا کہ مجھے اپنڈے سائٹس ہے اور پتے میں پتھری بھی ہے لہٰذا دونوں آپریشن ہوں گے جس سے میں سخت گھبرا گیا اور موقع پا کر ہسپتال سے نکل کر سیدھا قادیان پہنچا اور اپنے آقا کے حضور تمام حالات عرض کئے۔ حضور نے ازراہ شفقت فرمایا کہ آپ کو اپنڈے سائٹس قطعاً نہیں ہے۔ ہاں پتے میں پتھری ہو سکتی ہے۔ میں دعا کروں گا۔ اس پر میں مطمئن ہو کر واپس اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا اور معمولی دیسی و ہومیو پیتھک علاج شروع کیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے تین ماہ کے اندر مجھے کافی افاقہ ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد بیماری کا نام و نشان نہ رہا اور باوجود سخت بد پرہیزی کے آج تک یہ تکلیف دوبارہ نہیں ہوئی۔ یہ سب حضور کی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ کا فضل تھا ورنہ یہ دوائیں تو میں پہلے بھی ایک عرصہ تک استعمال کرتا رہا تھا۔'' (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۵۲)

مکرم میاں روشن دین صاحب صراف آف اوکاڑہ لکھتے ہیں:

''۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ میرا لڑکا ضیاء الدین احمد ٹائیفائیڈ سے بیمار ہو گیا اور میں اسے لے کر قادیان چلا گیا۔ یہ وہ دن تھے جب حضور نے سورۃ یونس سے سورۃ کہف تک درس دیا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ دعا کے لئے یاد دہانی کرواتے رہنا۔ کئی ڈاکٹر صاحبان بھی درس کی وجہ سے آئے ہوئے تھے۔ مثلاً ڈاکٹر حاجی خان صاحب کراچی، ڈاکٹر حضرت سیّد عبدالستار شاہ صاحب، ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ صاحب اور ڈاکٹر محمد الدین صاحب یہ سب علاج بھی کرتے رہے۔ آخر سب نے مشورہ دیا کہ اسے لاہور لے جائیں۔ حضور کی خدمت میں ڈاکٹروں کا مشورہ رکھا گیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مجھے لا کر دکھا دیں۔ چنانچہ میں بچہ کو اٹھا کر لے گیا تو حضور نے دعا فرماتے ہوئے اجازت دی کہ لے جاویں اور فرمایا کہ میں دعا کرتا رہوں گا۔ وہاں لے جانے پر میو ہسپتال کے سرجن نے مایوس ہو کر کہہ دیا کہ یہ لڑکا نہیں بچے گا اسے واپس لے جاؤ۔ چنانچہ بچہ کو واپس لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کی دعاؤں سے یہ کرشمہ دکھایا کہ پیٹ میں جو غدودیں پیپ سے بھر گئی تھیں ان کی پیپ ناف کے ذریعہ خارج ہوتی گئی اور لڑکا خدا تعالیٰ کے فضل سے صحت یاب ہو گیا۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب امرتسر سے قادیان جا رہے تھے اور حضرت اماں جان بھی اسی گاڑی پر دہلی سے قادیان تشریف لے جا رہی تھیں۔ حضرت مولوی

صاحب نے ضیاء الدین کو حضرت اماں جان کے پاس بھجوا دیا اور فرمایا کہ یہ لڑکا حضرت خلیفۃ المسیح کی دعا کا زندہ معجزہ ہے''۔ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۵۲)

سیّد اعجاز احمد شاہ صاحب انسپکٹر بیت المال لکھتے ہیں:

''۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے کہ مَیں ربوہ تھا۔ مجھے برادر خورد عزیزم سیّد سجاد احمد صاحب کی طرف سے جڑانوالہ سے تار ملا۔ والد صاحب کی حالت نازک ہے جلدی پہنچو۔ نماز مغرب کے قریب مجھے تار ملا مغرب کی نماز میں حضور نماز پڑھا کر واپس تشریف لے جانے لگے تو مَیں نے عرض کیا۔ ''جڑانوالہ سے چھوٹے بھائی کا تار ملا ہے۔ اباجی کی حالت نازک ہے۔ کل صبح جاؤں گا حضور دعا فرماویں''۔ حضور نے فرمایا ''اچھا دعا کروں گا''۔ حضور پرنور کے ان چار لفظوں میں وہ سکینت تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اگلی صبح کو جڑانوالہ پہنچا۔ والد صاحب محترم چارپائی پر حسبِ معمول پان چبا رہے تھے۔ بھائی سے شکوہ کیا کہ تم نے خوانخواہ تار دے کر پریشان کیا تو اس نے کہا کہ کل مغرب کے بعد سے اباجی کی حالت معجزانہ طور پر اچھی ہوئی شروع ہوئی اور خطرہ سے باہر ہوئی ورنہ مغرب سے پہلے سب علاج بے کار ثابت ہو کر حالت خطرہ والی از حد تشویشناک تھی۔ پھر مَیں نے بتلایا کہ مَیں نے کل مغرب کے بعد حضور سے عرض کیا تھا۔''

(روزنامہ الفضل ۱۷/اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۴)

مکرم محمد عمر بشیر احمد صاحب بنگلہ دیش تحریر کرتے ہیں:

''۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے کہ حضور...... کراچی تشریف فرما تھے۔ ان دنوں میرے والدین بھی ڈھاکہ سے کراچی آئے ہوئے تھے۔ حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ میرے والد صاحب کو گلے میں کئی دنوں سے سخت تکلیف تھی وہاں کے احمدی اور غیر احمدی معروف ڈاکٹروں کو دکھایا گیا ہر ایک نے اس تکلیف پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اپریشن کے بغیر کوئی علاج نہیں ہے اور اپریشن بھی کم کامیاب ہوتا ہے۔ اس سے ہمیں سخت فکر لاحق ہوئی۔ ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی حضور نے فرمایا اچھا میں دعا کروں گا۔ والدہ صاحبہ نے اسی وقت حضور سے کہا کہ حضور ان کو یہاں تکلیف ہے۔ حضور نے جب نظر اٹھائی اور گلے کو دیکھا تو والدہ صاحبہ کہنے لگیں۔ حضور ابھی دعا فرما دیں حضور مسکرا دیئے اور دعا فرمائی۔ خدا شاہد ہے کہ اسی وقت حضور نے توجہ فرمائی اور ابھی والدہ صاحبہ اور والد صاحب حضور کی کوٹھی سے باہر گئے ہی تھے کہ والد صاحب کہنے لگے کہ مجھے آرام محسوس ہوتا ہے اور جب گلے پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو نہ وہاں گلٹی تھی اور

نہ ہی ورد تھا یہ تھا زندہ معجزہ حضور کا اللہ تعالیٰ سے تعلق کا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کی صداقت...... مصلح موعود اپنے مسیحی نفس سے بیماروں کو شفاء دے گا۔

”میری والدہ صاحبہ ڈھاکہ میں ۱۹۵۴ء میں سخت بیمار ہو گئیں۔ ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کر دیا۔ کرنل خلیفہ تقی الدین احمد صاحب جو اس وقت مشرقی پاکستان میں سرجن تھے ان کے مشورہ اور تعاون سے والدہ صاحبہ کو ڈھاکہ میڈیکل کالج ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ بظاہر بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ حضور کی خدمت میں برابر تاریں دینی شروع کیں۔ اگلی رات کو حالت اور نازک ہو گئی۔ ڈاکٹر جواب دے گئے ایک پروفیسر صاحب کہنے لگے اب دعا کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ آپ لوگ سورۃ یٰسین پڑھیں ربوہ سے جواب آیا کہ حضور دعا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمائے گا۔ حالت سنبھلنے لگی اور اگلی صبح جو ڈاکٹر صاحبان مایوس ہو کر چلے گئے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو یقین کر چکے تھے کہ آپ لوگ ہسپتال سے چلے گئے ہوں گے کیونکہ مریض کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی یہاں آ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ان کی شفایابی ایک معجزہ ہے معجزہ کیوں نہ ہوتا جبکہ مریض کے حق میں اس مسیحی نفس کی دعائیں ہیں جس نے بہتوں کو شفا دینی تھی۔

”ایک دوست کو اپنی ملازمت کا خطرہ پیدا ہو گیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ برطرف یا معطل کر دیا جائے گا۔ اس نے حضور...... کی خدمت میں جوابی تار کیا اور تار دیتے ہی بڑے پُر یقین انداز میں کہنے لگا کہ حضور سے اگر جواب آ گیا کہ حضور نے میرے لئے دعا فرمائی ہے تو یقیناً میرا خدا میری مدد کرے گا۔ ایک ہفتہ کے بعد جب اسی دوست سے ملاقات ہوئی اور دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اسی رات اسے حضور کی طرف سے جواب آ گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور...... کی دعاؤں کی برکت سے وہ ملازمت پر بحال ہے۔ خود میری اپنی زندگی میں ایسے کئی محیر العقول واقعات رونما ہوئے جو میرے لئے ازدیاد ایمان اور دوسروں کے لئے ہدایت کا موجب ہوئے“۔ (الفضل ۱۹؍اپریل ۱۹۶۶ء صفحہ ۵)

حضرت مصلح موعود...... فرمایا کرتے تھے:

”جب سعودی، عراقی، شامی اور لبنانی، ترک، مصری اور یمنی سو رہے ہوتے ہیں میں اُن کے لئے دُعا کر رہا ہوتا ہوں“۔ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء صفحہ ۹)

مکرم صفدر نذیر گولیکی صاحب قبولیت دعا کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''مکرم نصیر احمد نذیر میرا بڑا بھائی پیدائشی طور پر بیمار تھا اور سوکڑا کا مرض تھا۔ ۱۹۵۸ء میں میری والدہ محترمہ میرے بڑے بھائی کو لے کر حضور انور کے پاس ربوہ حاضر ہوئیں۔ بھائی کی حالت یہ تھی کہ چار پانچ سال کی عمر تھی مگر پانی روٹی بھگو کر منہ کو لگاتے تو پیتا۔ اس قدر کمزور کہ دیکھ کر ڈر آتا حضور انور نے میرے بھائی کو جھولی میں بٹھایا والدہ محترمہ نے ساری بات بتائی حضور نے پانی منگوایا، دعا کی اور فرمایا شاباش لو پیو۔ بھائی نے پانی پی لیا۔ حضور نے میرے بھائی کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔ پھر دیکھتے دیکھتے میرا بھائی اس قدر صحت مند ہوا کہ بیماری کا نشان ختم ہو گیا اور بڑا ہو کر ہاکی کا بہترین کھلاڑی بنا۔''

دوسروں کی تکلیف کا احساس

حضرت مصلح موعود نے ساری زندگی دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھا اور جب بھی جماعت کے کسی فرد کو تکلیف میں دیکھا اپنے آرام کو ترک کر دیا اور اس کی تکلیف کو دُور کرنے کی سعی دُعا اور دوا دونوں طرح سے کی۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے مندرجہ ذیل شعر میں اپنے بڑے بھائی جان پیارے بھائی حضرت مصلح موعود کی علالت کے دوران احباب جماعت کو دُعا کی یوں تحریک فرمائی: ؎

قوم احمد جاگ تُو بھی جاگ اُس کے واسطے
ان گنت راتیں جو تیرے درد سے سویا نہیں

حضرت مہر آپا صاحبہ نے بیان کیا:

''ایک گرم اور حبس والی رات، گیارہ بجے دروازہ کھٹکا، ان دنوں بجلی ابھی ربوہ میں نہیں آئی تھی۔ حضور لالٹین کی روشنی میں صحن میں لیٹے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ حضور نے مجھے کہا کہ دیکھو کون ہے؟ میں نے دریافت کیا اور آ کر حضور سے کہا: ''ایک عورت ہے وہ کہتی ہے کہ میرے خاوند کو حضور نے دوائی دی تھی اس سے بہت افاقہ ہو گیا تھا، مگر اب طبیعت پھر خراب ہو گئی ہے، دوائی لینے آئی ہوں''۔ آپ نے فرمایا! ''کمرہ میں جاؤ فلاں الماری کے فلاں خانے سے فلاں دوائی نکال لاؤ'' گرمی مجھے بہت محسوس ہوتی ہے اور یہ موسم میرے لئے ہمیشہ نا قابل برداشت رہا ہے۔ اپنی اس کمزوری کی بنا پر میں کہہ بیٹھی: ''یہ کوئی وقت ہے، میں اسے کہتی ہوں کہ صبح آ جائے اندر جا کر تو حبس سے میرا سانس نکل جائے گا''۔ اس پر حضور نے بڑے جلال سے فرمایا! ''تم اس اعزاز کو جو خدا نے مجھے دیا ہے چھیننا چاہتی ہو! ایک غرض مند میرے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے آتا ہے، یہ خدا کی دی ہوئی عزت ہے کہ مجھے خدمت کا موقع ملتا ہے، اسے میں

ضائع کردوں تو قیامت کے دن خدا کو کیا شکل دکھاؤں گا، میں خود جاتا ہوں" میں نے کہا: "آپ نہ جائیں، گرمی بہت ہے، میں چلی جاتی ہوں" حضور نہ مانے اور خود اندر گئے اور دوائی لا کر اسے دی اور ساتھ ہی اسے ہدایت کی کہ صبح آ کر اپنے خاوند کی خیریت کی خبر دے"۔

مکرم لطیف احمد خان دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ:

"۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے کہ حضور ڈلہوزی میں تھے وہاں سے ایک دن سیر کے لئے دیان کنڈ جو ایک اونچی پہاڑی تھی تشریف لے گئے۔ وہاں چائے کا بھی پروگرام تھا۔ مگر اتنے میں بارش ہونی شروع ہو گئی۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ میں اور خان میر خان صاحب اور نذیر احمد صاحب ڈرائیور آگ جلانے میں مصروف تھے مگر لکڑیوں کے گیلا ہونے کی وجہ سے بڑی دقت تھی اور پتھروں کے چولہے پر جھکے پھونکیں مار رہے تھے کہ اتنے میں حضور خود دو چار سوکھی لکڑیاں لئے ہوئے تشریف لے آئے اور ہمارے سروں پر چھتری کر دی۔ ہم نے وہ لکڑیاں رکھ کر آگ جلائی اور جب تک پانی ابل نہیں گیا حضور چھتری کا سایہ کئے دھوئیں میں ہمارے پاس ہی کھڑے رہے"۔

(ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۵۲)

سوانح فضل عمر میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ

"حضور کے کمرہ میں خاندان کے کسی فرد کی خواہش پر قالین بچھوایا گیا۔ اتفاق سے ایک دن کوئی دیہاتی خاتون حضور کی زیارت کے لئے حاضر ہوئیں ان کے گرد آلود پاؤں کی وجہ سے قالین پر نشان پڑ گئے۔ حضور نے محسوس فرمایا کہ آپ کے اس عزیز (جن کی خواہش پر یہ قالین بچھایا گیا تھا) کے چہرہ پر کچھ ناپسندیدگی کے آثار ہیں۔ اس خاتون کے جانے کے بعد حضور نے وہ قالین اسی وقت وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلوا دیا کہ میں اسے اپنے اور اپنی جماعت کے درمیان حائل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔ (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۱۲، ۴۱۳)

مکرم محمد عبداللہ صاحب آف قلعہ صوبہ سنگھ تحریر کرتے ہیں کہ:

"میں چھاؤنی نوشہرہ سے کچھ دنوں کی رخصت لے کر قادیان آیا تھا۔ میری بیوی کے گلے میں خنازیر کی گلٹیاں تھیں جن کا آپریشن کروا کر خارج بھی کروا دی گئیں تھیں مگر گلٹیاں پھر نمودار ہو گئیں۔ حضرت اُمّ طاہر صاحبہ کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات تھے میری بیوی جب ان سے ملیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب اس مرض کا علاج کرتے ہیں اور حضور کوئی مرہم استعمال کرنے کے لئے دیں گے۔ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے تو اس مرض کا

کبھی کوئی مرہم تیار نہیں کیا اور نہ ہی علاج کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کی معمولی سی توجہ سے شفاء ہو جائے گی۔ حضور کے پاس ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے یاد دلانا، ان کے واسطے دوائی تیار کر کے بذریعہ پارسل نوشہرہ بھیج دی جائے گی۔ چنانچہ جب ہم واپس نوشہرہ چھاؤنی پہنچے تو کچھ دنوں کے بعد ایک پارسل حضور کی جانب سے موصول ہوا جس میں ایک بند ڈبیا میں سفید رنگ کا پوڈر تھا۔ حسب ہدایت وہ کچھ دن استعمال کیا گیا جس کے استعمال سے گلٹیاں غائب ہو گئیں اور اب تک اس کا نام ونشان نہیں اور کبھی نہیں اُبھریں۔ الحمدللہ۔ یہ تھا حضور عالی کا اپنے ناچیز خادموں کے ساتھ مربیانہ سلوک''۔

(سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۰۹، ۴۱۰)

مکرم محمد عبداللہ صاحب ڈرائیور سعود آباد کراچی لکھتے ہیں:

''قادیان دارالامان کا ذکر ہے اس زمانہ میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے اور میں حضور کی کار کا ڈرائیور تھا۔ میاں نذیر احمد صاحب ڈرائیور ان دنوں لمبی چھٹی پر تھے۔ میں نے مولانا درد صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ مجھے اس وقت ایک سو روپے کی ضرورت ہے۔ آپ حضور سے بطور قرضہ دلا دیں اور پھر تنخواہ میں سے کاٹ لیں۔ درد صاحب نے فرمایا کہ تم سیّدہ اُمّ طاہرہ صاحبہ سے عرض کرو وہ بندوبست فرما دیں گی۔ سو میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ذکر کیا کہ آپ بطور قرضہ ایک سو روپیہ حضور سے دلا دیں میں تنخواہ سے وضع کرا دوں گا۔ انہوں نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ اچھا میں بندوبست کر دوں گی۔ دوسرے یا تیسرے دن مجھے دفتر سے مبلغ ۷۵ روپے ملے اور ساتھ ہی حضور کا یہ ارشاد موصول ہوا کہ یہ عطیہ ہے۔ قرضہ واپس کرنا تمہارے لئے مشکل ہوگا۔ گھر کے خرچ تو بدستور رہوں گے لہٰذا اسی رقم سے اپنی ضرورت پوری کرو۔

''حضور موٹر میں بیٹھے ہوئے اگر کچھ تناول فرماتے تو ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کو اس چیز کا ایک حصہ دے کر فرماتے کہ عبداللہ کے منہ میں ڈال دو کہ سٹیرنگ وہیل سے ہاتھ اٹھانا اس کے لئے مشکل ہوگا۔ (واضح رہے کہ کار میں ڈاکٹر صاحب ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا کرتے تھے)''۔ (الفضل مورخہ ۲۷ رمئی ۱۹۶۶ء صفحہ ۴)

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب (سابق ناظر دیوان) اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''۲۶ر جولائی ۱۹۳۱ء کو حضرت مصلح موعود نے قادیان سے شملہ تک وہ تاریخی سفر کیا جس

میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ جبکہ حضور کی شملہ میں قیام گاہ ’’فیئر ویو‘‘ کوٹھی میں ہندوستان کے تمام مسلم قابلِ ذکر لیڈر جمع ہوئے اور سر محمد اقبال صاحب کی تجویز اور تمام کے تمام جمع شدہ لیڈروں کی تائید اور اتفاق سے حضور اس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ راقم الحروف کو اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ جس روز ہم شملہ پہنچے تو سفر کی تھکان کی وجہ سے مجھے نیند آ گئی۔ ابھی کھانا نہیں کھایا تھا جب کھانے کا وقت ہوا حضور کھانے کے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ خاکسار وہاں نہ تھا حضور نے سید محمد یٰسین صاحب (حضور کے باورچی) کو بھجوایا کہ ظہور احمد نہیں ہے اسے ڈھونڈ کر لاؤ۔ وہ آئے مجھے جگایا کہ حضور انتظار فرما رہے ہیں جلدی چلو۔ میں نے جلدی ہاتھ منہ دھویا اور حاضر ہو گیا چھوٹی عمر تھی ناتجربہ کار تھا، ڈرتا ہوا گیا کہ حضور ناراض ہوں گے۔ میرے پہنچتے ہی حضور نے مسکراتے ہوئے سید محمد یٰسین صاحب کو فرمایا، سب آ گئے ہیں اب کھانا لے آؤ۔ بعد میں مَیں نے دیکھا کہ حضور کا یہ طریق تھا کہ سفر میں حضور اپنے تمام ہمراہیوں کے آرام کا چاہے وہ کسی درجہ کے ہوں ہر طرح سے خیال رکھتے۔ سب کا انتظار کر کے کھانا شروع فرماتے اور اگر کوئی ساتھی باہر کام پر گیا ہوتا تو خادم کو بار بار تاکید فرماتے کہ ان کا کھانا رکھ چھوڑنا تاکہ جب واپس آئیں تو کھا سکیں‘‘۔ (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵)

مکرم محمد عمر بشیر احمد صاحب آف بنگلہ دیش تحریر کرتے ہیں کہ:

’’حضور بلا لحاظ فرقہ و مذہب ہر ایک کا درد رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۵ء کے ہولناک سیلاب کے موقعہ پر جب کہ حضور لنڈن میں تھے۔ مرکز کو یہ حکم دیا کہ مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ایک گرانقدر رقم ارسال کی جائے اور ساتھ مکرم کیپٹن خورشید احمد صاحب جو اس وقت مشرقی پاکستان کے امیر تھے کو ارشاد فرمایا کہ فوری طور پر امدادی کام شروع کر دیا جائے اور ان تمام کاموں کی حضور کو باقاعدہ رپورٹیں بھجوائی جائیں۔ حضور کے ارشاد کے ماتحت فوری طور پر کام شروع کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے ان امدادی کاموں کا اچھا اثر ہوا۔ ہمارے ان امدادی کاموں کی نیک شہرت کی وجہ سے صوبائی ’’ریڈ کراس‘‘ نے بھی ہمیں دوائیاں دودھ وغیرہ مہیا کیا۔ ہمارے ان تمام امدادی کاموں کا ذکر مشرقی پاکستان کے اخباروں اور وہاں کے سیاسی لیڈروں نے علی الاعلان کیا۔ اس سلسلہ میں وہاں کے کئی سیاسی لیڈروں نے تعاون کیا۔ خصوصاً چوہدری غلام قادر صاحب مرحوم سابق ممبر صوبائی اسمبلی اور مکرم ابوحسین سرکار صاحب سابق وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان جناب سید عزیز الحق صاحب اور جناب ہاشم الدین احمد

صاحب سابق وزراء مشرقی پاکستان نے جماعت کے ان امدادی کاموں کو بہت سراہا۔ مکرم غلام قادر صاحب چوہدری ممبر اسمبلی نے اپنے کئی پبلک لیکچرز میں ان باتوں کا اعتراف کیا''۔

(الفضل مورخہ ۱۹؍اپریل ۱۹۶۶ء)

اپنے عقیدت مندوں سے حسنِ سلوک

حضرت مصلح موعود کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے ہزاروں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کا اپنے عقیدت مندوں سے حسنِ سلوک۔ اُن کی دلجوئی، قدر دانی اور ان کی خواہشات کا احترام اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ صرف چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

ایک خادم سلسلہ کی قدر دانی اور عزت افزائی کا نظارہ دیکھئے:

''جناب خانصاحب فرزند علی صاحب امام...... احمدیہ لندن مبلغ...... ۱۰؍اپریل ۱۹۳۳ء کو بارہ بجے کی ٹرین سے قریباً پانچ سال کے بعد تشریف لائے۔ اسٹیشن پر احباب کثیر تعداد میں اپنے مجاہد بھائی کے استقبال کے لئے جمع تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی باوجود ناسازی طبع اور بہت نقاہت کے اپنے خادم کی عزت افزائی کے لئے اسٹیشن پر تشریف لے گئے......''

''جب خان صاحب...... مبارک میں پہنچے تو شیخ یوسف علی صاحب پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کسی سے وضو کے لئے پانی لانے کو کہا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بنفس نفیس گھر کے اندر جا کر پانی کا لوٹا بھر لائے''۔ (الفضل صفحہ ۱، ۱۳؍اپریل ۱۹۳۳ء)

مکرم میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ امیر ضلع گوجرانوالہ تحریر کرتے ہیں:

''۱۹۴۶ء کا ذکر ہے کہ میں بعارضہ ٹائیفائیڈ بیمار ہو گیا۔ چار ہفتہ کے بعد بخار ٹوٹا لیکن اُس روز میرا ایک جوان لڑکا فوت ہو گیا۔ باوجود لوگوں کے منع کرنے کے میں اس کے جنازہ کے ہمراہ پیدل قبرستان تک چلا گیا۔ جو میرے مکان سے قریباً پون میل کے فاصلہ پر ہے۔ گھر واپس آ کر تکان کی وجہ سے ٹائیفائیڈ کا دوسرا حملہ ہو گیا جو کہ بہت شدید تھا بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ حضور کو جب میری بیماری کی خبر ملی تو میرے گھر والوں کو تحریر فرمایا کہ ہر روز میری حالت سے حضور کی خدمت میں اطلاع دی جاوے تا کہ حضور دعا کر سکیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری رہا اور اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعاؤں کی طفیل شفا عطا کی۔ مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرا حضور سے کوئی ایسا تعلق ہے یا کوئی

ایسی خدمت میں نے کی ہو جس کی وجہ سے حضور کو اس خادم کا اس قدر خیال ہو۔ حضور کے اس سلوک کی وجہ سے ہر شخص جس کو حضور کی خدمت کا موقعہ ملا وہ یہی سمجھتا ہے کہ جو تعلق حضور کا اس سے ہے اور کسی سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور اپنے ہر خادم سے ایسا تعلق رکھتے تھے کہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ تعلق حضور کا اور کسی سے نہیں اور یہ حضور کی ذرہ نوازی کا نتیجہ تھا‘‘۔

(الفضل ۱۲؍جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۵)

قادیان کے احمدیوں کی عید کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لئے حضور کے ارشاد پر ایک عام دعوت ہوئی۔ اخبار الفضل اس مبارک تقریب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’عید الفطر سے ایک روز قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ عید کے دن کوئی ایسی تقریب ہونی چاہیے جس کے ماتحت تمام مقامی احمدی مشترک کھانا کھائیں اور لنگر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جاری فرمودہ متبرک سلسلہ ہے وہاں سے غرباء اور مساکین کو کھانا دیا جائے اس کے علاوہ جو دوست اپنا خرچ دے کر اس دعوت میں شریک ہونا چاہیں انہیں بھی شامل کر لیا جائے۔ اس فہرست میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں جملہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی شامل کرنے کا اعلان فرمایا.....قریباً ساڑھے چار ہزار احمدیوں کو عید کے دن شام کے وقت پلاؤ، آلو گوشت اور روٹی پر مشتمل کھانا کھلایا گیا۔ جس میں قلیل حصہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے خرچ دیا تھا اور کثیر حصہ غرباء کا تھا..... اس انتظام کی وجہ سے یہ عید قادیان میں اپنی قسم کی پہلی عید تھی۔ آئندہ کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا خیال ہے کہ عید الفطر کے موقع پر اس قسم کی دعوت کا انتظام کیا جایا کرے اور بروقت انتظامات شروع کر کے یہ کوشش کی جائے کہ جملہ مقامی احمدی اور مہمان اس میں شامل ہوں‘‘۔

(الفضل ۲۱؍جنوری ۱۹۳۴ء صفحہ ۱)

حضرت حافظ روشن علی صاحب بہت ہی مخلص اور فدائی خادم اور خلافت ثانیہ میں ابتدائی علماء و مبلغین کے استاد تھے ۲۳؍جون ۱۹۲۹ء کو وفات پا گئے۔ حضور کو ان کی وفات کی اطلاع بذریعہ تار کشمیر میں ملی۔ حضور نے جوابی تار میں فرمایا:

’’مولوی شیر علی صاحب کا تار حافظ روشن علی صاحب کی وفات کے متعلق پہنچا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ میں وہاں موجود نہیں ہوں تا کہ اس قابل قدر دوست اور زبردست حامی.....کی نماز جنازہ خود پڑھا سکوں۔ حافظ صاحب مولوی عبدالکریم صاحب ثانی

تھے اور اس بات کے مستحق تھے کہ ہر ایک احمدی انہیں نہایت ہی عزت و توقیر کی نظر سے دیکھے انہوں نے ...... کی بڑی بھاری خدمت سر انجام دی ہے اور جب تک یہ مقدس سلسلہ دنیا میں قائم ہے انشاء اللہ ان کا کام کبھی نہ بھولے گا۔ ان کی وفات ہمارے سلسلہ اور ...... کے لئے ایک بڑا صدمہ ہے لیکن ہمیشہ ایسے ہی بڑے صدمے ہوتے ہیں جنہیں اگر صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے جاذب بن جاتے ہیں۔ ہم سب فانی ہیں لیکن جس کام کے لئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو موت و حیات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ غیر معلوم اسباب کے ذریعہ اپنے کام کی تائید کرے گا......

''میں احباب کے ساتھ سرینگر میں نماز جنازہ پڑھوں گا اگر لاش کے متغیر ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو التوائے تدفین کی ہدایت دیکر میں اس آخری فرض کو ادا کرنے کے لئے خود قادیان آتا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ہم سے رخصت ہو گئے ہیں اور ان پر جو زندہ ہیں اپنی رحمتیں نازل فرمائے'' (الفضل ۲۸ / جون ۱۹۲۹ء صفحہ ۱)

''جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی شادی ہوئی تو دعوت ولیمہ کے موقع پر قادیان کے سارے باشندے اپنا حق سمجھتے ہوئے از خود شامل ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ ہوا کہ حاضرین میں سے ایک تعداد آج رات کھانے میں شریک نہ ہو۔ بلکہ جو لوگ بغیر بلائے کے اپنا حق سمجھتے ہوئے آگئے ہیں ان کو بھی محروم نہ رکھا جائے اور یہ لوگ ان کو کھانا کھلانے کی ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لیں۔ چنانچہ اس طرح سے جس قدر کھانا تیار تھا وہ دوسرے لوگوں کو کھلا دیا گیا اور جس قدر کھانا بچ رہا اس کے متعلق حضور نے فیصلہ فرمایا کہ اب جو دوست کھانا کھلا رہے تھے وہ سب اکٹھے بیٹھ جائیں اور جس قدر بھی کھانا موجود ہے اس کو سب مل کر کھا لیں اور ان لوگوں کی کل پھر باقاعدہ دعوت ہوگی۔ چنانچہ حضور بھی بغیر کسی امتیاز کے ان احباب کے درمیان لائن میں بیٹھ گئے اور ایک ایک برتن میں دو دو تین تین احباب کو کھانے کا موقع ملا۔ حضور کے ساتھ بھی ایک اور دوست ایک ہی تھالی میں سے کھاتے رہے''۔ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۵)

خدام کے لئے تکریم:

حضرت مصلح موعود کا دستور یہی رہا ہے کہ اپنے خدام کو مخاطب کرتے وقت ''صاحب'' کا لفظ ضرور استعمال فرماتے۔ چنانچہ بیشتر دفعہ مکرم چوہدری برکت علی خان صاحب وکیل المال کے لئے جب لفافہ پر نوٹ لکھا تو ''چوہدری

برکت علی خان صاحب" پورا نام لکھ کر کوئی ہدایت دی اور ایک ادارہ کے افسر کو اس طور پر ہدایت دی کہ اپنے ماتحت کارکنوں کے نام کے ساتھ "صاحب" کا اعزازی لفظ ضرور استعمال کیا کریں۔ فرمایا دیکھیں میں نے آپ کا نام تین چار دفعہ لکھا ہے یا پکارا ہے۔ میرا بھلا کتنا وقت زیادہ لگ گیا ہوگا اور مجھے بھلا کتنی دقت ہوئی ہوگی۔ کچھ بھی نہیں۔

(الفضل ۱۶ فروری ۱۹۶۰ء صفحہ ۱۳)

حضور کی ذرّہ نوازی

مکرم محمد نصیب صاحب عارف حویلیاں ضلع ہزارہ تحریر کرتے ہیں کہ:

"گزشتہ جنگِ عظیم میں جاپان کی لڑائی میں جاپانیوں کی قید سے رہائی کے بعد جب خاکسار سنگاپور میں پونے پانچ سال رہنے کے بعد ہندوستان ۱۹۴۵ء کے آخر میں پہنچا تو حضور کی ملاقات سے مشرف ہونے کا موقع ملا۔ ملاقات کے لئے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے صرف پانچ منٹ ملے تھے اور یہ بھی بہت زیادہ سمجھ کے دیے گئے تھے کہ زندگی اور موت کی کشمکش کے بعد وطن کو واپسی کے بعد موقع ملا تھا۔ غرض حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قید کا عرصہ کچھ اس رنگ میں گزرا تھا کہ گویا یہ عاجز سنگاپور میں ایک مربی یا مبلغ کی صورت میں گیا تھا۔ وہاں جہاں قید کی سختیوں اور صعوبتوں میں وقت گزرا وہاں ساتھ ساتھ جماعتی کاموں کا موقع بھی میسّر آیا تھا۔ ان کاموں کی تفصیل مَیں نے حضور کی خدمت میں عرض کی تو حضور نے اس عاجز کو اسی شفقت اور محبت سے نوازا جیسے ایک کامیاب مبلغ کو جو بیرونی ممالک سے واپسی پر حضور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتا ہے تو حضور اس کو نوازتے ہیں۔ حضور نے کوائف کو بغور سُنا اور بہت سے مزید حالات جاپانیوں کی قید کے دریافت فرمائے۔ ادھر پانچ پانچ منٹ کے وقفہ کے بعد وقت کے ختم ہونے کی گھنٹی بجتی رہی۔ مگر حضور ان کوائف میں اتنے محو تھے کہ اجازت مرحمت نہ فرماتے اور خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء فرمایا اور رخصت کی اجازت فرمائی۔ ملاقات کے کمرہ سے باہر آنے پر کارکنان بہت حیران تھے کہ اتنا وقت کیوں لگ گیا مگر یہ عاجز حضور انور کی قدر دانی اور شفقت پر بے حد سرشار تھا جو اتنے عرصہ بعد ملاقات پر نصیب ہوئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔"

مکرم لطیف احمد خان صاحب دفتر پرائیویٹ سیکرٹری بیان کرتے ہیں:

"۱۹۴۲ء میں حضور پالم پور تشریف لے گئے۔ وہاں سے ایک دن حضور کا پروگرام بیج ناتھ

ٹرپ کا بنا۔ چونکہ کاروں میں جگہ کم تھی اس لئے حضور نے خاکسار اور مرزا فتح الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ کو فرمایا کہ آپ بس پر آ جائیں ہم وہاں انتظار کریں گے۔ پہلے تو ہمارا ارادہ نہ جانے کا ہوا کیونکہ بس کی آمد کی امید نہ تھی۔ سڑک ٹوٹی ہوئی تھی مگر پھر ہم دونوں اس وجہ سے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ کھانے پر انتظار کریں گے پیدل چل پڑے۔ ڈیڑھ بجے ڈاک بنگلہ میں پہنچے تو حضور کھانا تناول فرما رہے تھے ہمیں دیکھ کر مسکرا کر فرمایا کہ انتظار کر کے کھانا شروع کیا ہے۔ اتنی دیر کیوں ہوگئی۔ ہم نے عرض کیا کہ بس نہیں آئی ہم پیدل آئے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت حضور نے پیالوں میں کھانا ڈال کر اپنے ہاتھ سے ہمیں دیا۔ سبحان اللہ جب شفقت کے یہ نظارے آنکھوں کے سامنے آتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو آ جاتے ہیں کہ ہمارا آقا کتنا بلند اخلاق اور اپنے خدام پر کس قدر مہربان تھا۔‘‘ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۵۱)

بیمار پُرسی

حضرت منشی اروڑا خان صاحب کی عیادت کے لئے حضور ہسپتال تشریف لے گئے اور اخبار الفضل اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’جمعہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح مع ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب آپ کی کوٹھڑی میں گئے، نبض دیکھی گئی چمچے کے ذریعہ دودھ دیا گیا، آنکھیں کھلی تھیں بخار زور کا تھا ہوش بجا نہ تھے، سانس اُکھڑی ہوئی تھی، حضرت خلیفۃ المسیح جمعہ کے دن سے عصر کے وقت تک کوئی ڈیڑھ گھنٹہ منشی صاحب کے پاس اسی کوٹھڑی میں بیٹھے رہے۔‘‘ (الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۷)

ایسے بے شمار واقعات میں سے ایک اور درج ذیل ہے:

’’قادیان ۱۵ر جون۔ آج صبح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ابوعبید اللہ جناب حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی کی عیادت کے لئے نور ہسپتال میں تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب گزشتہ پانچ ماہ سے بعارضہ فالج بیمار ہیں اور نور ہسپتال میں دو ماہ سے بغرضِ علاج داخل ہیں لیکن ابھی تک بیماری میں کوئی نمایاں افاقہ نہیں ہوا..... قریباً نصف گھنٹہ تک حضور ازراہِ نوازی ہسپتال میں تشریف فرما رہے اور حافظ صاحب کے حالات بغور سُنتے رہے.....‘‘۔

(الفضل ۱۷ر جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۲)

مکرم ملک صلاح الدین صاحب قادیان لکھتے ہیں:

''۱۹۴۵ء میں ڈلہوزی ترجمۃ القرآن انگریزی کے کام کے لئے حضرت مولوی شیر علی صاحب اور مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم اے گئے ہوئے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کا غدہ وقد امیہ کی سوزش سے اچانک پیشاب بند ہو گیا۔ حضور نے خاص توجہ سے حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سے علاج کرایا اور خود بھی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور باقاعدہ اطلاع منگواتے رہے''۔

''بعض خاندانوں سے قدیم تعلقات ہونے کی وجہ سے حضور ان کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ شدید علالت کے باوجود حضور نے ان کے جذبات کا خیال رکھا۔ بعض جنازے (جنازہ گاہ تک چل کر نہ جاسکنے کی وجہ سے) قصر خلافت میں پڑھائے۔ ایک جنازہ کی نماز کے وقت تو حضور کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے اور پہرہ داروں نے حضور کو سہارا دیا ہوا تھا''۔

(سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۱۶، ۴۱۷)

غیروں سے حسنِ سلوک

حضرت مصلح موعود کے اعلیٰ اخلاق سے صرف آپ کے معتقدین نے ہی فیض نہیں اٹھایا بلکہ غیروں نے اور مخالفین سلسلہ نے بھی وافر حصہ پایا۔ اس تعلق میں صرف چند واقعات پیش ہیں:

''ایک موقع پر قادیان میں حضور کو علم ہوا کہ پنڈت ملا وامل صاحب کی دکان اچھی نہیں چل رہی اور ان کو مالی دقت درپیش ہے۔ اس پر حضور نے اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ہندو لوگ اور خصوصاً یہ خاندان بطور امداد مانگنے کو پسند نہیں کرتے۔ حضور نے مجھے ارشاد فرمایا کہ ان کی دکان پر جا کر جو عام استعمال ہونے والی دوائیں ان کے پاس تیار شدہ موجود ہوں اور فروخت نہ ہوتی ہوں وہ 300/400 روپے کی قیمت کی خرید لو۔ ان کے بتائے ہوئے نرخ کے متعلق ان سے کسی رعایت کا مطالبہ نہ کیا جاوے۔ اس طرح کسی حد تک ان کی امداد ہو جائے گی اور ان کو امداد کا احساس بھی نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس سے اس طور پر خفیہ احسان فرمایا کہ ان کو اپنے محسن کا پورے طور پر علم بھی نہ ہونے دیا''۔ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۵)

مکرم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی تحریر کرتے ہیں کہ:

''۱۹۲۴ء میں جب حضرت صاحب لندن تشریف لے گئے تو واپسی پر آپ پانی پت کی طرف سے گزرے۔ اس کا اعلان الفضل میں پہلے سے ہو گیا تھا۔ وقت مقررہ پر پانی پت کے احمدی حضور کو خوش آمدید کہنے کے لئے اسٹیشن پر آئے۔ شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی کے فرزند

جناب خان صاحب خواجہ سجاد حسین بھی آپ کی آمد کی خبر سُن کر اسٹیشن پر آپ سے ملنے آئے۔
جب گاڑی اسٹیشن پر آ کر رکی تو تمام احمدی احباب حضور سے شرف مصافحہ حاصل کرنے اور آپ کی زیارت کرنے کے لئے فوراً اُس درجہ میں چڑھ گئے جس میں حضور سوار تھے۔ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ مولانا حالی کے لڑکے خواجہ سجاد حسین صاحب بھی آپ سے ملنے اسٹیشن پر آئے ہوئے ہیں اور نیچے پلیٹ فارم پر کھڑے ہیں وہ غیر احمدی ہیں اگر آپ ان سے ملنا چاہیں تو میں ان کو اندر درجے میں بلالوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہیں میں خود نیچے اتر کر ان سے ملوں گا۔ یہ فرما کر فوراً حضور کھڑے ہوئے اور پلیٹ فارم پر اتر کے خواجہ صاحب سے نہایت تپاک کے ساتھ ملے اور گاڑی کے روانہ ہونے تک برابر ان سے باتیں کرتے رہے انہوں نے پانی پت کی بالائی تحفہ کے طور پر پیش کی جو حضور نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کی''۔ (ماہنامہ انصار اللہ جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۴)

امیر امان اللہ شاہ افغانستان جس کے عہد میں کئی احمدی شہید کئے گئے ۱۹۲۷ء میں ہندوستان کے دورہ پر آیا۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ کی طرف سے خیر مقدمی پیغام بھیجا گیا۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب نے تحریر فرمایا:

''جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس امام کی طرف سے میں ہز میجسٹی امیر کابل کی خدمت میں ان کے سر زمین ہند میں (جو کہ جماعت احمدیہ کے مقدس امام کی جائے پیدائش ہے) ورود کے موقع پر نہایت خلوص سے خیر مقدم کہتا ہوں۔

ہم ہز میجسٹی کی وفادار احمدی رعایا افغانستان کے ساتھ اس دعا میں متحد ہیں کہ ہز میجسٹی کا سفر یورپ نہایت کامیابی کے ساتھ سرانجام پائے اور آپ اپنی مملکت میں سالماً غانماً واپس تشریف لائیں۔

بہ سر رفتت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی''

(شیر علی سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اخبار انقلاب لاہور نے لکھا:

''ہمیں یہ معلوم کر کے بے انتہا مسرت ہوئی کہ جماعت احمدیہ قادیان کے امام صاحب نے اعلیٰ حضرت شہریار غازی افغانستان کے ورود ہند پر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں خیر مقدم کا محبت آمیز پیغام بھیج کر اپنی فراخدلی کا ثبوت دیا ہے اور قادیان کے جرائد نے اس پیغام کو نہایت نمایاں طور پر شائع کیا ہے۔

آج سے کچھ مدت پیشتر دو تین احمدیوں کے رجم پر جماعت احمدیہ اعلیٰ حضرت شہریار

افغانستان کی حکومت کی سخت مخالف ہوگئی تھی اور ان دنوں میں امام جماعت اور جرائد قادیان نے نہایت تلخ لہجے میں حکومت افغانستان کے خلاف احتجاج کیا تھا......

یہ نہایت قابل تعریف بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے اس ہنگامی وجہ اختلاف کو فراموش کر کے مہمان محترم کا خیر مقدم کیا۔ اس طرز عمل کا اثر ایک طرف عام مسلمانان ہند پر بہت اچھا ہو گا۔ دوسری طرف افغانستان میں رہنے والے احمدیوں کے تعلقات اپنے بادشاہ اور اس کی حکومت کے ساتھ زیادہ خوشگوار ہو جائیں گے......'' (الفضل ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۷ء)

''ایک دفعہ ایک سخت مخالف غیر از جماعت کسی کام کے سلسلہ میں حضرت مصلح موعود سے ملنے کے لئے ربوہ آئے۔ ان کی حضرت ام ناصر صاحبہ سے قریبی رشتہ داری بھی تھی اس لئے سیدھے وہاں پہنچے اور پیغام بھجوایا کہ میں نے حضرت صاحب سے ملنا ہے مجھے وقت لے دیں۔ مگر انہوں نے غیرت کی وجہ سے جواب دیا:

''یوں تو آپ میرے خاوند کو گالیاں دیتے ہیں مگر جب کام ہوتا ہے تو سفارش کروانے آجاتے ہیں۔ میں نہ صرف یہ کہ پیغام نہ دوں گی بلکہ آپ سے ملنا بھی پسند نہیں کرتی''۔

وہ صاحب ادھر سے مایوس ہو کر دفتر پرائیویٹ سیکرٹری گئے اور وہاں سے کوشش کر کے ملاقات کا وقت لے لیا۔ کچھ دیر بعد حضور حضرت اُمّ ناصر صاحبہ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ انہی صاحب کے لئے اکرام ضیف کے طور پر ایک دو ڈش مزید تیار کر دو۔ وہ کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔

حضرت اُمّ ناصر صاحبہ نے ان کا پیغام اور اپنا جواب بتایا تو حضور نے فرمایا تم نے تو اپنی غیرت کا اظہار کر دیا ہے مگر اب وہ میرے مہمان ہیں اور رسول اللہؐ نے مہمان کی بڑی عزت رکھی ہے۔ وہ گالیاں دے کر اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں اور میں نے سنت رسولؐ پر چل کر اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرنا ہے''۔ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۸۷ء صفحہ ۵۸)

''ایک شخص تھا ''فخر الدین ملتانی'' ایک فتنہ کا بانی مبانی۔ اس نے اپنی زبان سے، قلم سے حضرت محمود اور آپ کے اہل کے خلاف انتہائی سب وشتم اور بہتان طرازی سے کام لیا۔ اس کی اشتعال انگیزی حد سے بڑھی ہوئی تھی اور اس کا دل حضرت مسیح موعود کے خاندان اور حضرت مصلح موعود کے لئے بغض وعناد سے بھرا ہوا تھا لیکن جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی بیوی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی مالی تنگی اور سامان خورد ونوش سے تہی دستی کا ذکر کرتے ہوئے امداد کی درخواست

کی۔ باوجود اس کے کہ فخر الدین ملتانی اور اس کے ساتھیوں کے فعل سے احمدیوں اور حضور کے دل زخمی تھے اور اس کا پیدا کردہ فتنہ جاری تھا مگر یہ مجسم حلم وجود، شفقت ورأفت کا پیکر اس کنبے کی زبوں حالی کے درد سے بھر گیا اور ہمدردی خلق کا چشمہ آپ کے دل میں موجزن ہوا اور آپ نے ان کے لئے سامان خورد ونوش فراہم کرنے کا انتظام کیا جبکہ فخر الدین کے نام نہاد دوست اس کی کوئی بھی مالی مدد نہ کر سکے۔

''حضور نے اعلان فرمایا تھا کہ آپ سوائے اپنے رشتہ داروں یا واقفین کے دوسرے احباب جماعت کے نکاحوں کا اعلان کرنے کی فرصت نہ نکال سکیں گے لیکن جب فخر الدین ملتانی کے لڑکے نے کہا کہ اگر اس کی ہمشیرہ کا نکاح خود حضور پڑھانا منظور فرماویں تو تب ہی اس کا رشتہ احمدیوں میں ہوسکتا ہے ورنہ کوئی احمدی اس کا رشتہ قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا تو آپ نے یہ درخواست قبول کرتے ہوئے فخر الدین کی لڑکی کے نکاح کا اعلان خود فرمایا''۔

(مجلۃ الجامعہ مصلح موعود نمبر صفحہ ۱۵۴)

قادیان میں ایک ڈاکٹر گوربخش سنگھ تھے۔ وہ جماعت سے عناد رکھتے تھے بلکہ سرخیل معاندین تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ:

''میری بھانجی ایف اے میں تعلیم پاتی تھی اور اس نے فلاسفی کا مضمون لیا ہوا تھا۔ اس مضمون میں وہ کمزور تھی قادیان میں سوائے احمدیہ جماعت کے افراد کے اور کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مکرم عبدالسلام صاحب اختر فلاسفی میں ایم۔ اے ہیں۔ میرے ان کے والد ماسٹر علی محمد صاحب بی اے بی ٹی سے اچھے مراسم تھے۔ چنانچہ میں ان کے پاس حاضر ہوا اور اپنی بھانجی کے لئے عبدالسلام صاحب کو ٹیوشن پڑھانے کی اجازت دینے کی درخواست کی۔ ماسٹر صاحب فرمانے لگے میرا بیٹا عبدالسلام واقف زندگی ہے اور اس کے وقت کا ایک ایک منٹ حضرت صاحب کے حکم کے تحت ہے۔ اگر حضرت صاحب اجازت دے دیں تو وہ بخوشی یہ خدمت بجا لا سکتا ہے۔ ان دنوں میں میں نے حضرت صاحب اور جماعت کے خلاف کچھ مقدمات کئے ہوئے تھے اور میرے تعلقات حضور کے ساتھ کشیدہ تھے۔ لہٰذا میں حضرت صاحب کی خدمت میں مکرم عبدالسلام صاحب کو اجازت دینے کے لئے کہنا نہ چاہتا تھا لیکن جب پڑھانے کا کوئی اور انتظام نہ ہوسکا تو مجبوراً میں نے حضور کی خدمت میں اپنی غرض کے لئے ایک رقعہ لکھا۔ حضور نے اس پر بخوشی عبدالسلام صاحب کو جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مکرم عبدالسلام صاحب کئی ماہ تک میری بھانجی کو پڑھاتے رہے۔ میں نے ان کو ٹیوشن فیس دینا چاہی لیکن انہوں

نے کہا کہ میں حضرت صاحب کے حکم کے تحت بطور ڈیوٹی پڑھا رہا ہوں اس کا معاوضہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ نتیجہ نکلنے پر یہ لڑکی بہت اچھے نمبروں میں پاس ہوئی اور میں ایک تھال میں مٹھائی اور مبلغ دس روپے لے کے عبدالسلام صاحب کے گھر پہنچا۔ انہوں نے کہا میں یہ مٹھائی اور روپے نہیں لے سکتا۔ اگر آپ چاہیں تو حضرت صاحب کے پاس لے جائیں۔ میں نے وہ مٹھائی حضور کی خدمت میں بھجوائی۔ حضور نے بچی کو مبارکباد دی اور فرمایا کہ آپ ہمارے پڑوسی ہیں۔ میں نے جو بچی کی پڑھائی کا انتظام کیا ہے وہ کسی معاوضے کے لئے نہیں تھا۔ حضور نے مٹھائی دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ذریعہ تقسیم کرادی اور رقم مجھے واپس کردی''۔ (مجلۃ الجامعہ مصلح موعود نمبر صفحہ ۱۵۱)

''جماعت احمدیہ کے ایک دیرینہ معاند اور ایک بہت بڑے اخبار نویس بیمار ہو کر مری میں صاحب فراش تھے۔ وہ فالج کی بیماری میں مبتلا تھے اور نہایت کسمپرسی کے عالم میں اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہے تھے۔ حضرت مصلح موعود کو علم ہوا تو آپ برداشت نہ کر سکے اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کو بغرض علاج بھجوایا اور ادویہ کے لئے اپنی جیب خاص سے رقم مرحمت فرمائی۔ اس سلسلہ میں جناب عبدالحکیم صاحب عامر کا بیان ہے کہ:

''ایک سال پیشتر جب آغا صاحب (شورش کاشمیری صاحب مدیر چٹان۔ ناقل) سخت علیل تھے۔ قادیانیوں کے روحانی پیشوا (مراد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث) نے ایک پیغام کے ذریعے آپ کو غیر ملکی دوائیوں کی پیشکش کی۔ اس کے جواب میں آپ نے پیغام بھجوایا کہ آئندہ کسی قسم کی پیش کش کی کوشش نہ کی جائے اور اس کے بعد کہنے لگے کہ مولانا ظفر علی خان کی علالت کے دنوں میں جبکہ وہ مری میں مقیم تھے، قادیانیوں کے روحانی پیشوا کی طرف سے مولانا کو بھی اسی قسم کی پیشکش کی گئی تھی''۔ (لوائے وقت ۳۰ راکتوبر ۱۹۷۵ء)

پیشگوئی مصلح موعود میں آپ کی ایک علامت دل کے حلیم ہونے پر مذکورہ بالا واقعات شاہد ہیں۔ اس حوالہ سے ایک واقعہ مکرم مولانا محمد احمد جلیل صاحب یوں قلمبند کرتے ہیں:

''۱۹۳۳ء میں جب حضور ڈلہوزی میں قیام فرما تھے اور وہیں پر حضور کی ڈاک جایا کرتی تھی۔ وہاں پر ڈاکخانہ کا جو عملہ تھا ان میں سے بعض احراری مزاج کے تھے اور وہ پرائیویٹ سیکرٹری کی ڈاک میں کچھ گڑبڑ کرتے تھے۔ دفتر پرائیویٹ سیکریٹری کی طرف سے اعلیٰ حکام سے اس بات کی شکایت کی گئی۔ جس پر ان کی انکوائری ہوئی کچھ دنوں کے بعد ڈاکخانہ کے عملہ کے کچھ لوگ حضور سے ملنے آئے۔ آپ نے ان سے ملاقات کی اور انہیں چائے وغیرہ پیش کی۔ ہم کمرے

کے باہر سے دیکھ رہے تھے کہ دوران گفتگو وہ لوگ ناشائستگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور بلند آواز سے اور آداب کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ ہمیں باہر سے ان پر شدید غصہ آ رہا تھا کہ انہیں روکا کیوں نہیں جاتا مگر حضور پر نور کا یہ حال تھا کہ آپ بڑے پیار اور بڑے آرام سے ان کی باتوں کا جواب دے رہے تھے اور ان کی ناشائستہ گفتگو پر کسی رنگ میں ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا''۔ (ماہنامہ خالد فروری ۱۹۹۱ء صفحہ ۲۳)

غیر معمولی ذہانت

پیشگوئی مصلح موعود میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایک خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ ''وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا'' پیشگوئی کی یہ علامت بھی آپ کے اندر کمال درجے پر نظر آتی ہے۔ آپ کی نقطہ رسی، بصیرت افروزی اور عرفان کی نور افشانیوں کا یہ عالم تھا کہ آپ کی تصنیفات وتحقیقات کا قاری نہ صرف وجد کرنے لگتا تھا بلکہ خود اُس کی ذہنی بینائی اور فکری بصیرت بھی بڑھ جاتی ہے اور اُس کا ذہن اور دماغ نقطہ رس اور معنیٰ آفرین بن جاتا ہے حضور کی ان خوبیوں کا اعتراف غیر بھی کئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ اُردو کے مایہ ناز محقق جناب نیاز فتح پوری تفسیر کبیر کی جلد سوئم کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں:

''آپ کے تبحر علمی، آپ کی وسعت نظر، آپ کی غیر معمولی فکر وفراست، آپ کا حسنِ استدلال، آپ کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا۔ کاش! کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا''۔ (بحوالہ الفضل ۱۷ ارنومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳)

مکرم میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ ایک واقعہ یوں تحریر کرتے ہیں:

''غالباً ۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے۔ میں اپنے چند دوستوں کے ہمراہ ستمبر کی تعطیلات میں ڈلہوزی گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی...... بھی آرام کی خاطر اپنے چند احباب کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ میرے ہمراہیوں میں سے ایک صاحب چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب تھے۔ ایڈووکیٹ تھے جو کہ آجکل گوجرانوالہ پریکٹس کرتے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۲۵ء میں حضور اور ان کی پارٹی کو لنڈن میں کھانے پر مدعو کیا تھا۔ جب کہ حضور مذہبی کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے۔ جمعہ کے روز میں نے چوہدری صاحب اور اپنے دیگر ہمراہیوں کو کہا کہ وہ بھی ساتھ چلیں تا کہ حضور کی بابرکت صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔ جمعہ کی نماز ختم ہوجانے کے بعد میں نے اپنے ہمراہیوں کو کہا کہ وہ حضور کے قریب آجائیں تاکہ اُن کا تعارف کراسکوں۔ چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب جب قریب ہوئے اور میں نے ان کا تعارف حضور سے کرانا چاہا تو حضور نے فرمایا میں چوہدری

صاحب کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ انہوں نے ہمیں کھانے پر بلایا تھا۔ حالانکہ اس واقعہ کو قریباً ۱۹ سال ہو چکے تھے اور اُس وقت چوہدری صاحب کی عین جوانی کی عمر تھی اور طالب علمی کا زمانہ تھا اور اب بالوں میں کافی سفیدی آ چکی تھی لیکن حضور نے فوراً انہیں پہچان لیا اور ان کا نام بھی بتا دیا۔ حالانکہ وہ حضور کو ایک ہی دفعہ پہلے ملے تھے''۔ (الفضل ۱۱؍جون ۱۹۶۶ء صفحہ ۵)

مکرم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں:

''ہر معاملہ کو بڑے غور سے سننے اور ہر کاغذ کو نہایت احتیاط سے دیکھنے کی جو عجیب و غریب لیاقت اور قابلیت حضرت صاحب میں تھی اس کا ایک نمونہ ذیل کے واقعہ میں پڑھئے اور تعجب کیجئے۔

جب ۱۹۵۴ء میں میری عزیزہ حور بانو کا نکاح ربوہ میں مولوی قمر الدین صاحب انسپکٹر اصلاح و ارشاد نے پڑھا تو نکاح کے فارم میں ایک اندراج غلطی سے واقعہ کے خلاف ہو گیا۔ اس فارم پر حضرت میاں بشیر احمد صاحب جیسے محتاط بزرگ کے بھی تصدیق کے دستخط تھے اور یہ فارم درجہ بدرجہ مولوی قمر الدین صاحب کارکن صیغہ متعلقہ ناظر صاحب امور عامہ اور پرائیویٹ سیکرٹری کی نظروں سے گذرا مگر کسی ایک شخص کی بھی توجہ اس موٹی غلطی کی طرف مبذول نہ ہوئی جو اس فارم کی خانہ پری کرتے وقت سہواً ہو گئی تھی۔ مگر جس وقت آخر میں یہ فارم حضرت صاحب کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے پیش کیا گیا تو فوراً حضرت صاحب نے اس غلطی کو پکڑ لیا اور ان سب سے جواب طلب کیا جنہوں نے اس فارم کو دیکھنے اور پڑھنے اور دستخط کرنے کے بعد پاس کیا تھا۔ میں حضرت صاحب کے ہر معمولی سے معمولی کاغذ کو بھی اس قدر احتیاط کے ساتھ دیکھنے پر تعجب میں رہ گیا اور آج تک حیران ہوں''۔ (ماہنامہ انصار اللہ جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۸)

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ بیان کرتے ہیں:

''جولائی ۱۹۳۱ء میں شملہ کے مقام پر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام ہوا۔ مسلم اکابرین ہند کی درخواست پر حضرت امیر ...... خلیفۃ المسیح الثانی ...... کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ حضور ابھی شملہ میں مقیم تھے۔ (راقم الحروف کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں میں شامل تھا) کہ ایک روز گورنمنٹ آف انڈیا کے چند مسلم افسر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شملہ میں دو بڑی مساجد یعنی جامع مسجد اور کشمیری مسجد کے امام ایک دوسرے کے معاند بنے ہوئے ہیں اور سٹیج پر ایک دوسرے کے خلاف دشنام طرازی کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب ان کے مقتدیوں میں بھی اختلاف پیدا ہو رہا ہے۔ آپ مسلمانوں کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ اس معاملہ میں ضرور دخل

دیں اور علماء کی صلح کرادیں۔ حضور نے اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے کوشش کا وعدہ فرمایا۔

حضور نے ہر دو امام صاحبان کو مختلف اوقات میں اپنی قیامگاہ ''فیئر ویو'' میں مدعو کیا۔ ان کی باتیں سنیں۔ ایک دوسرے کے خلاف وہ جو الزامات لگا رہے تھے ان کا علم حاصل کر کے اپنا مقصد صلح بیان کیا۔ وہ حضرات جو ایک دوسرے کیخلاف نہ صرف یہ کہ کفر کے فتوے لگاتے تھے بلکہ ایک چھت کے نیچے جمع ہونا بھی کفر یقین کرتے تھے۔ ان کو حضور نے اپنی مخلصانہ مدلل گفتگو کے بعد اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ''فیئر ویو'' میں اکٹھے ہو کر بالمشافہ بات چیت کریں۔

اس کے بعد ہر دو علماء کو حضور نے ایک روز رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد گفتگو شروع ہوئی جس میں بعض اوقات شدید تلخی بھی پیدا ہوئی۔ یہ مجلس کئی گھنٹے جاری رہی۔ جب برخواست ہوئی تو صورت یہ تھی کہ دونوں امام صاحبان ایک دوسرے سے مصافحہ ہی نہیں بلکہ معانقہ کرنے کے بعد گھروں کو روانہ ہوئے اور مخالفانہ تقریروں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مسلم اکابرین نے حضور کا شکریہ ادا کیا کہ حضور کی کوشش سے مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو گیا۔'' (فضل عمر نمبر الفضل ۱۹۶۶ء صفحہ ۴۸)

ایک احراری لیڈر چوہدری افضل حق نے حضرت مصلح موعود کی ذہانت کے متعلق یوں گواہی دی:

''جس قدر روپے احرار کی مخالفت میں قادیان خرچ کر رہا ہے اور جو عظیم الشان دماغ اس کی پشت پر ہے وہ بڑی سے بڑی سلطنت کو پل بھر میں درہم برہم کرنے کے لئے کافی تھا''۔

(اخبار مجاہد ۱۰راگست ۱۹۳۵ء)

مکرم ملک حبیب الرحمان صاحب ڈپٹی انسپکٹر سکولز اس حوالہ سے ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ:

''شجاع آباد میں کئی دفعہ مشہور احراری لیڈر قاضی احسان احمد صاحب۔ میرے پاس آیا کرتے تھے دو تین دفعہ انہوں نے کہا کہ آپ کے خلیفہ صاحب اس قدر ذہین ہیں اور ان کا دماغ اتنا اعلیٰ ہے کہ ہماری سکیمیں فیل کر دیتے ہیں۔ میں انہیں کہتا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن تھوڑا سا آگے بڑھو اور یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کی امداد ان کے ساتھ ہے جو آپ کو کچھ کرنے ہی نہیں دیتی لیکن چونکہ انہیں اس امر سے اتفاق نہ تھا لہذا موضوع سخن بدل جاتا''۔ (الفضل ۲۰ر مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۵)

انکساری

مذکورہ بالا تمام صفات اور محاسن سے متصف ہونے کے باوجود حضرت مصلح موعود کی طبیعت میں عاجزی وانکساری اور تواضع کے اوصاف بھی نمایاں تھے جن کا درج ذیل واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''۲۷؍جنوری ۱۹۲۸ء چوہدری فتح محمد صاحب ایم اے کے ہاں دعوت ولیمہ تھی جس میں اکثر معززین جماعت اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مدعو تھے جس کمرہ میں نشست گاہ کا انتظام تھا۔ وہاں دو لکڑی کے تخت بچھے تھے جن پر حضرت اقدس کے لئے نشست گاہ بنائی گئی اور چونکہ وہ کافی لمبے چوڑے تھے اس لئے حضور کے ساتھ اور بھی کئی اصحاب بیٹھ سکتے تھے۔ باقی کمرہ میں دیگر اصحاب کے بیٹھنے کے لئے فرش کیا گیا لیکن جب حضور کمرہ میں تشریف لائے اور اس جگہ رونق افروز ہونے کی درخواست کی گئی تو حضور نے یہ دیکھ کر وہ جگہ کمرہ کے دوسرے فرش سے کسی قدر اونچی ہے وہاں بیٹھنا پسند نہ کیا اور فرمایا اور دوست نیچے بیٹھیں تو میں اوپر کس طرح بیٹھ سکتا ہوں اور نچلے فرش پر بیٹھ گئے''۔ (الفضل ۳۱؍جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۲)

مکرم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی رقم طراز ہیں:

''ایک دعوت میں جس میں مَیں بھی حاضر تھا منتظمین نے حضرت صاحب کے بیٹھنے کے لئے خاص الخاص اہتمام کیا۔ دری پر ایک قالین بچھائی۔ ایک بڑا گاؤ تکیہ لگایا۔ کھانے کی کئی پلیٹیں آپ کے آگے دستر خوان پر قرینے سے لا کر رکھیں۔ جب حضرت صاحب تشریف لائے تو آپ نے اس سازو سامان اور خاص انتظام و انصرام کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ تکیہ میرے لئے خاص طور پر کیوں لگایا گیا ہے اور یہ قالین خاص میرے لئے کیوں بچھائی گئی ہے؟ اٹھاؤ دونوں چیزوں کو جس طرح اور تمام احباب بیٹھے ہوئے ہیں میں بھی سب کے ساتھ اسی طرح بیٹھوں گا۔

''حکم کی تعمیل میں دونوں چیزیں فوراً اٹھائی گئیں اور حضور سب لوگوں کے ساتھ دری پر بیٹھ گئے اور بیٹھتے ہی اپنے دائیں بائیں بیٹھنے والے اصحاب سے فرمایا کہ آپ صاحبان اتنے الگ الگ اور دُور دُور کیوں بیٹھے ہیں۔ میرے پاس آ کر بیٹھیں۔ پھر فرمایا کہ یہ چار پانچ پلیٹیں میرے سامنے کیوں لا کر رکھی گئی ہیں جب کہ تمام حاضرین کے سامنے ایک ایک پلیٹ ہے یہ سب اٹھاؤ اور صرف ایک پلیٹ رہنے دو۔ میں کوئی دیو تو نہیں جو چار پانچ پلیٹیں بھر کر کھاؤں گا۔ اس کے بعد جب منتظمین نے کھانا تمام مہمانوں کے آگے رکھ دیا تو حضور نے بلند آواز سے فرمایا کہ کیا کھانا سب دوستوں کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس پر ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ ''حضور میرے آگے کھانا نہیں آیا'' اس پر حضور نے منتظمین کو ہدایت کی کہ ''ان صاحب کو فوراً کھانا پہنچاؤ'' ایک دومنٹ کے بعد حضور نے پھر ان صاحب کو مخاطب کر کے بلند آواز سے پوچھا کہ ''کیا آپ کو کھانا پہنچ گیا'' جب ان صاحب نے کہا کہ ''ہاں حضور پہنچ گیا ہے'' تب حضور نے احباب سے فرمایا کہ

الحمدللہ کہہ کر کھانا شروع فرمائیں''۔ (ماہنامہ انصاراللہ جنوری ۱۹۶۶ء صفحہ ۷)

حضور کی عاجزی اور انکساری کا ایک اور واقعہ روزنامہ الفضل میں اس طرح رقم کیا گیا ہے:

''......حضور......احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں تشریف لائے جہاں احمدیہ جماعت لاہور کے احباب کثیر تعداد اور بعض بیرونی احباب بھی حضور سے شرف نیاز حاصل کرنے کے لئے جمع تھے۔حضور نے سب کو مصافحہ کرنے کا موقع عطا فرمایا اور پھر فرش مسجد پر بیٹھ گئے۔چونکہ مجمع زیادہ تھا اور سب احباب حضور کی زیارت نہ کر سکتے تھے اس لئے یہ خواہش کی گئی کہ حضور کرسی پر رونق افروز ہوں لیکن جب کرسی لائی گئی اور حضور سے اس پر بیٹھنے کے لئے عرض کیا گیا تو حضور نے پسند نہ فرمایا۔احباب کے اشتیاق کو دیکھ کر جب پھر کرسی پر بیٹھنے کے لئے عرض کیا گیا تو حضور نے فرمایا میں یہ تو پسند نہیں کرتا کہ سب احباب فرش پر بیٹھے ہوں اور میں کرسی پر بیٹھوں لیکن چونکہ احباب کی خواہش ہے کہ مجھے دیکھ سکیں اس لئے میں کھڑا ہو جاتا ہوں اور باوجود اس کے کہ بیماری کی وجہ سے میری صحت کمزور ہے اور میرے لئے تقریر کرنا مشکل ہے مگر احباب کو کچھ سنا بھی دیتا ہوں۔چنانچہ حضور نے کھڑے ہو کر آیت لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرمائی''۔

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ ملّت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود کی یاد میں

(صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ)

عجب محبوب تھا سب کی محبت اس کو حاصل تھی
دلوں میں جڑ ہو جس کی وہ عقیدت اس کو حاصل تھی

ہیں سب یہ جانتے کہ کام معمولی نہ تھا اس کا
کہ مامورِ زمانہ کی نیابت اس کو حاصل تھی

اُسے قدرت نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے سنوارا تھا
تھا جس کا شاہکار اس کی ضمانت اس کو حاصل تھی

علومِ ظاہری اور باطنی سے پُر تھا گر سینہ
تو میدانِ عمل میں خاص شہرت اس کو حاصل تھی

اُولوالعزم و جواں ہمت تھا وہ عالی گہر ایسا
زمانے بھر سے ٹکرانے کی ہمت اس کو حاصل تھی

رضا کے عطر سے ممسوح کر کے اُس کو بھیجا تھا
وہ ایسا گُل تھا کہ ہر گُل کی نکہت اس کو حاصل تھی

اُسے ملتا تھا جو بھی وہ اسی کا ہو کے رہ جاتا
کہ دل تسخیر کر لینے کی قوت اس کو حاصل تھی

اُٹھاتا تھا نظر اور دل کے اندر جھانک لیتا تھا
خدا کے فضل سے ایسی بصیرت اس کو حاصل تھی

خدا نے خود اسے "فضلِ عمر" کہہ کے پکارا تھا
عمرؓ سا دبدبہ ویسی ہی شوکت اس کو حاصل تھی

وہ نور آسمانی تھا زمیں پہ جو اُتر آیا
کلمۃ اللہ ہونے کی سعادت اس کو حاصل تھی

وجیہہ و پاک لڑکے کی خدا نے خود خبر دی تھی
عجب رنگِ ذکاء شانِ وجاہت اس کو حاصل تھی

وہ! ذہن و فہم کی جس کے خدا نے خود گواہی دی
ذہانت اس کو حاصل تھی، فراست اس کو حاصل تھی

"یہ ممکن ہے اسیروں کے جہاں میں رستگار آئیں"
کہاں وہ بات لیکن جو فضیلت اس کو حاصل تھی

جو نظروں کو جکڑ لے ایسی صورت کا وہ مالک تھا
دلوں کو کھینچ لے جو ایسی سیرت اس کو حاصل تھی

تبسم زیرِ لب، روشن جبیں، روئے گلاب آسا
جو یوسف کو ملی تھی ایسی طلعت اس کو حاصل تھی

وہ اس کی زندگی کہ سعیِ پیہم سے عبارت تھی
نہ دن کا چین، نہ شب کی فراغت اس کو حاصل تھی

ہجوم افکار کا، جہدِ مسلسل اور کٹھن راہیں
مگر پھر بھی طبیعت کی بشاشت اس کو حاصل تھی

نظیرِ حسن و احسانِ مسیحؑ و مہدیؑ دوراں
تھا جس کی ذریّت اس کی شباہت اس کو حاصل تھی

مصائب سے وہ کھیلا اور طوفانوں سے ٹکرایا
نہ اس کے عزم میں اور حوصلے میں لیک فرق آیا

الٰہی روح پہ اس کی صدا نوروں کی بارش ہو
جماعت پہ بھی اس کی تیرے فضلوں کا رہے سایہ

سیرۃ حضرت مصلح موعود

(صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کی شخصیت کا خاکہ آپ کی ولادت سے تین سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے ذریعہ بیان فرما دیا تھا۔

”......اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت اور غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الاوّل والآخر۔ مظہر الحق والعلاء۔ کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وکان امراً مقضیا۔

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

سراپا:

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب آپ کی ظاہری شخصیت اور سراپا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ کا رنگ کھلا ہوا گندمی اور چہرہ مردانہ حسن کا مرقع تھا۔ کشادہ پیشانی، ستواں ناک، روشن بڑی آنکھیں جو عموماً نیم باز رہتی تھیں لیکن گردوپیش کے ہر اُونچ نیچ، ہر حرکت وسکون سے پوری طرح باخبر ہوتی تھیں۔ جب آنکھ اُٹھا کر بھرپور نگاہ سے دیکھتے تو وہ پُر تاثیر نظر بے روک ٹوک دل کی گہرائی تک اُتر جاتی تھی۔ ایسے مواقع پر بسا اوقات احساس ہوتا تھا جیسے اندھیرے میں راستہ چلتے اچانک کسی ٹارچ کی بھرپور روشنی چہرہ پر آپڑے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دل کے سب چھوٹے بڑے راز اس روشنی کے نیچے ننگے ہو رہے ہیں......

عموماً آپ بات بے بات روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔ مَیں نے کبھی آپ کو لفظوں کو چباتے ہوئے نہیں دیکھا۔ روزمرّہ کی گفتگو میں بھی تقریر کی سی روانی تھی۔ زبان صاف، شستہ اور شگفتہ تھی۔ آواز تمام مردانہ صفات سے آراستہ اور پُرجذب اور پُرکشش تھی۔ گفتگو میں تیزی کے وقت بھی بے وقر اپن کبھی نہیں آیا...... چہرے کے آثار جذبات اور گفتگو کا پورا پورا ساتھ دیتے تھے۔ اداس گفتگو کے وقت چہرہ ویسا ہی اداس اور پُرمزاح کلام کے وقت ویسا ہی شگفتہ ہو جاتا تھا...... اس چہرہ پر غصہ بھی بجتا تھا غم بھی بجتا تھا۔ خوشی بھی بجتی تھی۔ شدید ترین غصّے کی حالت میں بھی مَیں نے اس کے نقوش کو بگڑتے نہیں دیکھا۔ ہاں سورج کی طرح وہ تابناک ضرور ہو جاتا تھا۔ غم کے اثرات آپ کے چہرے کو بے رونق نہیں بلکہ عجیب پُرسوز و گداز بنا دیتے تھے جس کا نظارہ دیکھنے والے کے دل کو پگھلاتا تھا۔ خوشی کے موقع پر چہرے کی تازگی اور شگفتگی نظر کو خیرہ کرتی اور سینے کو مسرّت سے بھر دیتی تھی۔

آپ کا قد درمیانہ، چھاتی چوڑی اور جسم بھرا ہوا اور مضبوط تھا۔ رفتار تیز تھی...... حضور کی رفتار باوقار ہونے کے باوجود اس قدر تیز تھی کہ عام آدمی دوڑ دوڑ کر ساتھ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔''

(از مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء)

بچپن:

اُردو کا محاورہ ہے ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' یعنی بچپن سے ہی کسی بچے کی خوبیاں سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سوانحِ فضلِ عمر میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہر چند کہ بچہ اپنی جبلّی طاقتوں کے لحاظ سے کتنے ہی بڑے مقام پر پہنچنے والا کیوں نہ ہو اس کے بچپن کی معصومیت اور بے ساختہ پن بھی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بچپن ہی میں اس کے شاندار مستقبل کی جھلکیاں بھی وقتاً فوقتاً نظر آتی رہتی ہیں۔ صاحب فراست لوگ ایسے بچے کو دیکھ کر بخوبی پا جاتے ہیں کہ

بالائے سرش ز ہوش مندی

مے تافت ستارہ بلندی

اگر خدا کا فضل شاملِ حال رہے تو یہ بچہ ایک دن عظیم انسان بننے والا ہے۔''

(سوانح فضل عمر نمبر جلد اوّل صفحہ ۷۵)

سعادتمند فطرت کو اگر نیک تربیت حاصل ہو جائے تو اس کی خوبیاں پوری طرح اُبھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ آپ کی تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حضور اگرچہ بہت تحمل سے بچوں کی تربیت فرماتے تھے اور کبھی کسی بڑے نقصان پر بھی ان کو سختی سے نہ ڈانٹتے تھے لیکن جہاں محسوس فرماتے تھے کہ یہاں بچے کو ذرا سختی سے منع کرنا ہے وہاں سختی سے بھی تنبیہ فرماتے۔ حضرت مصلح موعود کا اپنا بیان ہے کہ:

''ایک دفعہ ایک کتا ہمارے دروازے پر آیا۔ مَیں وہاں کھڑا تھا۔ اندر کمرے میں صرف حضرت صاحب تھے۔ مَیں نے اس کتے کو اشارہ کیا اور کہا۔ ٹیپو! ٹیپو! ٹیپو! حضرت صاحب بڑے غصے سے باہر نکلے اور فرمایا:

تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریز نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھ دیا ہے اور تم ان کی نقل کر کے کتے کو ٹیپو کہتے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

میری عمر شاید آٹھ، نو سال کی تھی۔ وہ پہلا دن تھا جب سے میرے دل کے اندر سلطان ٹیپو کی محبت قائم ہوگئی۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۸۷، بحوالہ الفضل یکم اپریل ۱۹۵۹ء)

وہ بچہ جو آپ کے لکھے ہوئے قیمتی مسودات جلا دیتا ہے جن پر آپ نے جانے کتنے گھنٹوں یا راتوں محنت کی ہوگی اس پر آپ کچھ نہیں کہتے لیکن ایک مسلمان سلطان جو قومی حمیت میں شہید ہوا اور جس کے ساتھ آپ کا...... کے سوا کوئی رشتہ نہ تھا اس کی غیرت میں آپ نے بچے کو سختی سے تنبیہ کی اور اس کے دل میں بھی اس کی عزت اور محبت کا پودا لگا دیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کبھی پسند نہ فرماتے کہ بچہ دینی فرائض کے سرانجام دینے میں غفلت برتے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ بیماری کی وجہ سے جمعہ کے لئے ...... نہ جا سکے۔ حضرت مصلح موعود ابھی چھوٹے تھے اور آپ پر ابھی جمعہ فرض نہ ہوا تھا لیکن اس وقت بھی آپ جمعہ پڑھنے جا رہے تھے کہ ایک آدمی راستہ میں ملا اور کہنے لگا کہ بہت رش ہے...... میں جگہ نہیں یہ سُن کر آپ بھی واپس آگئے اور گھر آ کر نماز پڑھ لی۔ حضرت مسیح موعود نے دیکھ کر پوچھا کہ...... میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے؟ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں کہ یہ پوچھتے ہوئے آپ کے لہجہ میں کچھ سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ...... میں جگہ نہ تھی۔ یہ سُن کر حضرت مسیح موعودؑ خاموش ہو گئے لیکن جب اسی وقت مولوی عبدالکریم صاحب حضور کے پاس آئے تو حضور نے ان سے پہلا سوال یہی کیا کہ کیا آج لوگ...... میں زیادہ تھے؟ حضرت فضل عمر فرماتے ہیں کہ یہ سُن کر مجھے گھبراہٹ ہوئی کہ مولوی صاحب کا جواب کیا ہوگا کیونکہ میں خود تو ...... نہیں گیا تھا کسی آدمی سے سُن کر واپس آگیا تھا۔ ایسا نہ ہو مجھے سمجھنے میں غلطی لگی ہو یا بتانے والے کو غلط فہمی ہوئی۔ دونوں صورتوں میں مجھ پر الزام آئے گا کہ مَیں نے جھوٹ بولا ہے لیکن حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے جواب دیا کہ ہاں حضور آج لوگ بہت زیادہ تھے۔ حضرت فضل عمر فرماتے ہیں کہ ''بہرحال یہ ایک واقعہ ہے جس کا آج تک

میرے قلب پر گہرا اثر ہے۔ (سوانح فضل عمر نمبر جلد اول صفحہ ۷۹ بحوالہ الفضل ۱۸؍ جون ۱۹۲۵ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب حضور کے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تاریخ کا یہ دور جس حد تک بھی محفوظ ہے اسے دیکھ کر ایک قطعی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جس طرح مقناطیس اپنی قوت جاذبہ کو دوسرے لوہے کے ٹکڑے کی طرف منتقل کرتا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب علیہ السلام اپنی شخصیت کے تمام حسن کو حضرت صاحبزادہ صاحب کی شخصیت میں منتقل فرماتے رہے۔ بنی نوع انسان کی جو ہمدردی آپ کے دل میں تھی اس سے آپ اس بچے کے دل کو بھی بھرتے رہے۔ خدا کی دیگر مخلوق کے لئے جس جذبۂ رحم سے آپ کا سینہ بھرپور تھا وہی جذبۂ رحم آپ اپنے اس بچے کے سینہ میں بھی موجزن دیکھنا چاہتے تھے۔ باتیں چھوٹی چھوٹی اور انداز نصیحت نہایت سادہ اور پیارا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں ایک اثر قبول کرنے والا بچہ مخلوقِ خدا کے لئے ایک گداز دل کی نعمت پا جاتا ہے۔''

''ایک بار آپ دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے حضرت صاحب جمعہ کی نماز کے لئے باہر جاتے ہوئے وہاں سے گزرے تو دیکھ کر فرمایا ''میاں! گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں۔'' (سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۸۵)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب مزید لکھتے ہیں:

''آپ نے صرف اپنے اخلاق ہی سے حضرت صاحبزادہ صاحب کی شخصیت کو معمور نہیں کیا بلکہ جن اقدار کو آپ اوّلیت دیتے تھے ان اقدار کو اوّلیت دینا بھی اپنے اس پیارے بچے کو سکھایا۔

''ایک دفعہ تعلیم الاسلام سکول کے طلبہ کو مضمون دیا گیا کہ علم اور دولت کا مقابلہ کرو صاحبزادہ صاحب نے اس مضمون کے متعلق بہت سوچا لیکن فیصلہ نہ کر سکے کہ علم اور دولت میں سے کونسا اچھا ہے۔ کھانے پر جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت صاحبزادہ میاں مرزا بشیر احمد صاحب سے باتوں باتوں میں پوچھا۔ بشیر تم بتا سکتے ہو کہ علم اچھا ہے یا دولت؟ حضرت میاں بشیر احمد صاحب تو خاموش رہے البتہ خود حضور علیہ السلام نے یہ بات سن کر فرمایا: بیٹا محمود! توبہ کرو، توبہ کرو! نہ علم اچھا نہ دولت۔ خدا کا فضل اچھا ہے۔''

(سوانح فضل عمر نمبر جلد اول صفحہ ۸۶)

بچپن کی یہ تربیت تھی جس کا اثر آپ کی تمام آئندہ زندگی پر حاوی نظر آتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''اس لطیف اندازِ تربیت کا یہ اثر تھا کہ جس بے پناہ حسن اخلاق کے حضرت مرزا صاحب خود مالک تھے وہی حسن حضرت صاحبزادہ صاحب کے کردار میں بھی بدرجۂ اتم سرایت کر گیا اور بعد ازاں ہمیشہ آپ کے دیکھنے والوں کا ذہن خصوصاً ان دیکھنے والوں کا جنہوں نے آپ کے مقدس باپ کا چہرہ بھی دیکھا ہوا تھا اس الٰہی وعدے کی یاد دلاتا رہا کہ ''وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔'' (سوانح فضل عمر نمبر جلد اوّل صفحہ ۸۲)

آپ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ کی یہ خوبی کھل کر سامنے آتی ہے کہ اچھی باتوں کو قبول کرنے اور بری باتوں کو رد کرنے کی خصوصیت آپ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی تربیت کا فیض تھا کہ آپ ایسی نصیحت کو جو بظاہر کڑوی بھی لگے لیکن فی ذاتہٖ درست ہو فوراً قبول فرما لیتے تھے بلکہ نصیحت کرنے والے کے احسان کو ساری عمر یاد رکھتے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''مجھے ایک دوست کا احسان اپنی ساری زندگی میں نہیں بھول سکتا اور مَیں جب کبھی اس دوست کی اولاد پر کوئی مشکل پڑی دیکھتا ہوں تو میرے دل میں ٹیس اُٹھتی ہے اور ان کی بہبودی کے لئے دعائیں کیا کرتا ہوں...... ۱۹۰۳ء کی بات ہے...... وہ دوست جن کا مَیں ذکر کر رہا ہوں مراد آباد یوپی کے رہنے والے تھے اور فوج میں رسالدار میجر تھے۔ محمد ایوب ان کا نام تھا...... انہوں نے دو باتیں ایسی کیں جو میرے لئے ہدایت کا موجب ہوئیں۔ دلّی میں رواج تھا کہ بچے باپ کو تم کہہ کر خطاب کرتے...... گھر میں ہمیشہ تم کا لفظ سنتے رہنے سے میری عادت بھی تم کہنے کی ہو گئی...... مجھے اس دوست کی موجودگی میں آپؑ سے بات کرنی پڑی اور مَیں نے تم کا لفظ استعمال کیا۔ یہ لفظ سُن کر اس دوست نے مجھے بازو سے پکڑ لیا اور مجلس سے ایک طرف لے گئے اور کہا ''میرے دل میں آپ کا بڑا ادب ہے لیکن یہ ادب ہی چاہتا ہے آپ کو آپ کی غلطی سے آگاہ کروں اور وہ یہ کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے وقت کبھی بھی تم کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے بلکہ ''آپ'' کے لفظ سے مخاطب کریں ورنہ آپ نے پھر یہ لفظ بولا تو جان لے لوں گا۔'' مجھے تو تم کا لفظ استعمال کرنے رہنے کی وجہ سے ''تم'' اور ''آپ'' میں کوئی فرق محسوس نہ ہوتا تھا بلکہ...... آپ کا لفظ بولتے ہوئے مجھے بوجہ عادت نہ ہونے کے شرم سے پسینہ آجاتا تھا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ آپ کہنا جرم ہے۔ مگر اس دوست کے سمجھانے کے بعد مَیں آپ کہنے لگا اور ان کی اس نصیحت کا اثر اب تک میرے دل میں موجود ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ میں نے لاہور آنے پر یہاں بعض لڑکوں کو ٹکائی لگاتے دیکھا اور مَیں

نے بھی شوق سے ایک نکٹائی خرید لی اور پہننی شروع کر دی۔ گورداسپوری کا واقعہ ہے کہ وہی مرحوم دوست مجھے پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے ''آج آپ نے نکٹائی پہنی ہے تو ہم کل کنچنیوں کا تماشہ دیکھنے لگ جائیں گے۔ کیونکہ ہم نے تو آپ سے سبق سیکھنا ہے۔ جو قدم آپ اُٹھائیں گے ہم بھی آپ کے پیچھے چلیں گے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مجھ سے نکٹائی مانگی اور مَیں نے اُتار کر ان کو دے دی۔ پس ان کی یہ دو نصیحتیں مجھے کبھی نہیں بھول سکتیں۔''

(سوانح فضل عمر نمبر جلد اوّل صفحہ ۹۰ تا ۹۲ بحوالہ الفضل ۱۸ر فروری ۱۹۴۸ء)

اگر چہ.....کوئی ظاہری لباس مقرر نہیں کرتا کہ کسی اور لباس کے پہننے سے وہ قابلِ مواخذہ ہو جائے لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ آپ کی اولاد سے اتنی بلند توقعات رکھتے تھے کہ ان کے لئے کوئی چھوٹی سی لغزش بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح ایک اور واقعہ کا حضور ذکر کرتے ہیں کہ

''مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کی بچپن میں تربیت کا اب تک مجھ پر اثر ہے اور جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو بے اختیار ان کے لئے دل سے دُعا نکلتی ہے۔ ایک دفعہ ایک لڑکے کے کندھے پر کہنی ٹیک کر کھڑا تھا کہ ماسٹر قادر بخش صاحب نے جو مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ کے والد تھے اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ بُری بات ہے اس وقت میری عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگی لیکن وہ نقشہ جب بھی میرے سامنے آتا ہے ان کے لئے دل سے دُعا نکلتی ہے۔''

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۹۴ بحوالہ اخبار الفضل ۱۱ر مارچ ۱۹۳۹ء)

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ میں اچھی بات قبول کرنے کا کیسا مادہ پایا جاتا تھا اس کے ساتھ ہی آپ کی شکرگزاری اور احسان مندی کی صفت بھی سامنے آتی ہے کہ نہ صرف آپ نصیحت کو قبول فرماتے بلکہ نصیحت کرنے والے کے شکرگزار اور احسان مند بھی ہوتے کہ اس نے آپ کو ایک اچھی بات کی تلقین کی۔ اس ضمن میں آپ کی ایک خصوصیت جو اُبھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ نہ صرف آپ دوسروں کی نصیحت کو غور سے سنتے اور اس پر عمل کرتے بلکہ خود اپنے نفس کا محاسبہ اور تربیت بھی بچپن سے ہی کرتے رہتے تھے۔ آپ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ

''......مَیں نے حضرت صاحب کو والد ہونے کی وجہ سے نہیں مانا تھا بلکہ جب مَیں گیارہ سال کے قریب کا تھا تو مَیں نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ اگر میری تحقیقات میں وہ نعوذ باللہ جھوٹے نکلے تو مَیں گھر سے نکل جاؤں گا۔ مگر مَیں نے ان کی صداقت کو سمجھا اور میرا ایمان بڑھتا گیا حتّٰی کہ جب آپ فوت ہوئے تو میرا یقین اور بھی بڑھ گیا۔''

(سوانح فضل عمر حصہ اوّل صفحہ ۹۶ بحوالہ الفضل ۶ر جون ۱۹۴۴ء)

حضور اپنا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں:

''جب مَیں گیارہ سال کا ہوا اور ۱۹۰۰ء نے دنیا میں قدم رکھا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مَیں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں۔ اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے۔ مَیں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے۔ وہ گھڑی میرے لئے کیسی خوشی کی گھڑی تھی جس طرح ایک بچے کو اس کی ماں مل جائے تو خوشی ہوتی ہے اسی طرح مجھے خوشی تھی کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے مل گیا...... مَیں نے اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو۔ اس وقت مَیں گیارہ سال کا تھا...... آج بھی یہی کہتا ہوں ...... اب میں اس قدر زیادتی کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو۔''

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۹۷)

انہی دنوں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ سے ایک جبہ جو حضور کو کہیں سے تحفہ آیا تھا اس کے نقش اور رنگ پسند ہونے کی وجہ سے لے لیا تھا گو وہ اتنا بڑا تھا کہ آپ کے پاؤں سے نیچے لٹکتا تھا۔ حضور فرماتے ہیں:

''......ایک دن ضحیٰ کے وقت یا اشراق کے وقت مَیں نے وضو کیا اور وہ جبہ ...... اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے اور متبرک ہے یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا، پہن لیا۔ تب مَیں نے اس کوٹھڑی کا جس میں مَیں رہتا تھا دروازہ بند کر لیا اور کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کی اور مَیں اس میں خوب رویا، خوب رویا، خوب رویا اور اقرار کیا کہ اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا۔ اس اقرار کے بعد مَیں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی۔ گو اس نماز کے بعد کئی سال بچپن کے ابھی باقی تھے میرا وہ عزم میرے آج کے ارادوں کو شرماتا ہے......''

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۹۷ بحوالہ الحکم جوبلی نمبر ۱۹۳۹ء)

تعلیم:

جس بچے کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی کی گئی تھی وہ بظاہر ایک نحیف و ناتواں بچہ تھا جس کی صحت کسی بھی طرح قابل رشک نہ تھی۔ آپ کی آنکھوں کو ککروں کا عارضہ تھا جو نہ صرف جسمانی لحاظ سے تکلیف دہ تھا بلکہ آپ کی پڑھائی کی راہ میں بھی رکاوٹ تھا۔ اسی بیماری کی وجہ سے آپ بچپن میں سکول نہ جا سکتے اور آپ کی پڑھائی متاثر ہوتی۔

زمانے کے دستور کے مطابق صاحبزادہ صاحب کی تعلیم کا آغاز گھر پر ہی حروف کی سوجھ بوجھ پیدا کرنے اور

قرآن کریم ناظرہ پڑھنے سے ہوا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس غرض سے حضرت حافظ رحمت اللہ صاحب ناگپوری کو مقرر فرمایا۔ جب آپ نے ناظرہ قرآن کریم پڑھ لیا تو حضورؑ نے آمین کی بہت شاندار تقریب منعقد فرمائی اور قادیان کے علاوہ باہر سے بھی لوگ بلائے گئے۔ حافظ صاحب کو ڈیڑھ سو کی رقم جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی حضور نے اس خوشی کے موقع پر عطا فرمائی۔ اس موقع پر حضرت اماں جان نے ایک نظم منگوائی جو آمین کے موقع پر پڑھی جاتی تھی لیکن پھر حضور نے اس رات ایک نظم ''آمین'' کے حوالہ سے کہی جو ''محمود کی آمین'' کے عنوان سے درثمین میں درج ہے۔

ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد آپ کو باقاعدہ سکول میں داخل ہو کر مروّجہ دنیوی تعلیم پانے کا موقع ملا اور گھر پر بھی بعض اُستادوں سے اُردو اور انگریزی تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ حضرت پیر منظور محمد صاحب آپ کو اُردو پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں حضرت مولوی شیر علی صاحب نے آپ کو انگریزی پڑھائی۔ اگرچہ آپ اپنی صحت کی وجہ سے صحیح طریق پر تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن بچپن سے ہی آپ کو علم کی طرف جو رغبت تھی اور جس طرح آپ خود بھی حصول علم کے لئے کوشاں رہتے تھے اور آپ کے استاد بھی آپ کے ذہن میں علم کی پختہ بنیاد رکھنا چاہتے تھے وہ آپ کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے سامنے آتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں:

''میری تعلیم کے سلسلہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان حضرت خلیفہ اوّل کا ہے......

انہوں نے زور دے کر پہلے قرآن کریم پڑھایا پھر بخاری پڑھا دی۔''

حضرت صاحبزادہ صاحب حضرت خلیفہ اوّل کے طریقِ تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجھے سب سے بڑی تعلیم جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے دی وہ یہی تھی کہ جب میں پڑھتے ہوئے کوئی سوال کرتا تو آپ فرماتے میاں آگے چلو۔ اس سوال کے متعلق گھر جا کر خود سوچنا۔''
(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۰۹)

اگرچہ حضرت خلیفہ اوّل دوسرے لوگوں کے ہر سوال کا جواب دیتے لیکن آپ کو خود سوچنے کی ترغیب دیتے تاکہ آپ کی ذہنی صلاحیتیں خوب اُبھر کر سامنے آئیں اور یہ بات آپ کی تمام زندگی پر حاوی نظر آتی ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی طبیعت میں بچپن سے ہی کسی بات کو گہرائی تک جا کر سوچنے کا میلان نظر آتا ہے اور اس خصوصیت کو حضرت خلیفہ اوّل کے طریقِ تدریس نے اور زیادہ جلا بخشی اور پھر ایسے بچے کو جب آنکھ کھولتے ہی نبی کی صحبت میسر آ جائے تو اس کی خوبیاں فوراً نکھر کر سامنے آ جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''ہمارے کانوں میں ابھی تک وہ آوازیں گونج رہی ہیں جو ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سے براہ راست سنیں۔ مَیں چھوٹا تھا مگر میرا مشغلہ یہی تھا کہ مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھا رہتا اور آپ کی باتیں سُنتا۔''

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۱۳ بحوالہ الفضل ۳؍دسمبر ۱۹۳۸ء)

اسی طرح مزید فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی کہ آپ دن کو جو کچھ لکھتے شام کی مجلس میں آ کر بیان کر دیتے تھے۔ اس لئے آپ کی تمام باتیں ہم کو حفظ ہیں اور ہم ان مطالب کو خوب سمجھتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی منشاء اور آپ کی تعلیم کے مطابق ہیں۔''

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۱۳ بحوالہ الفضل ۳؍دسمبر ۱۹۳۸ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''سیرت کے مطالعہ کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ اُستاد کی آنکھ سے شاگرد کو دیکھا جائے۔''

حضرت مولوی شیر علی صاحب جو آپ کے انگریزی کے اُستاد تھے اور مدرسہ کے علاوہ آپ کو گھر میں بھی پڑھاتے تھے آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''......اس وقت جبکہ آپ کی عمر دس سال کی تھی بندہ کے پاس انگریزی پڑھنی شروع کی...... گویا حضور کا سارا بڑھنا اور پھولنا اور بابرگ وبار ہونا میری آنکھوں کے سامنے ہوا۔ آپ ایک نازک پتیوں والے چھوٹے پودے کی طرح تھے جبکہ مَیں نے پہلی دفعہ حضور کو دیکھا اور یہ پودا میرے دیکھتے دیکھتے جلد جلد بڑھا اور پھل پھول لایا...... مَیں نے بچپن سے ہی حضور میں سوائے اوصافِ حمیدہ اور خصائل محمودہ کے کچھ نہیں دیکھا۔ ابتداء میں ہی آپ میں نیکی کے انوار اور تقویٰ کے آثار پائے جاتے تھے جو آپ کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اور زیادہ نمایاں ہوتے گئے...... آپ کو بچپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہدایت فرمائی تھی کہ کسی کے ہاتھ سے کوئی کھانے کی چیز نہ لینا...... اب دیکھئے وہ خورد سالہ بچہ حضرت اقدس کی اس ہدایت کی کس طرح تعمیل کرتا ہے...... ابتداء میں حضور بندہ کے مکان پر پڑھنے کے لئے تشریف لاتے تھے اور وہ مکان...... حضور کے گھر کے ساتھ ملحق تھا...... جب کبھی آپ کو پیاس لگتی تو آپ اُٹھ کر اپنے گھر تشریف لے جاتے اور اپنے گھر سے پانی پی کر پھر واپس تشریف لاتے...... صرف اس لئے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف سے آپ کو ہدایت تھی کہ کسی کے ہاتھ سے کوئی کھانے پینے کی چیز نہ لینا۔ اب بظاہر تو یہ ایک چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک چھوٹا سا آئینہ

ہے جس میں ہمیں حضور کی اس وقت کی شکل صحیح رنگ میں نظر آ سکتی ہے۔

اوّل دیکھئے اس بچپن کے زمانہ میں بھی حضرت مسیح موعودؑ کی کیسی کامل اطاعت کرتے اور کبھی بھی اس کی خلاف ورزی نہ کرتے اور دوسرے دیکھئے کہ وہ اس اطاعت میں کس درجہ کی احتیاط سے کام لیتے ...... آپ کے اسی عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں ہی اطاعت اور تقویٰ کی باریک راہوں پر گامزن تھے اور یہی وہ بیج تھا جو آپ کی عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۱۳ بحوالہ الفضل ۵ر نومبر ۱۹۳۸ء)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی آپ کے بچپن کے اُستاد ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''چونکہ عاجز نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت ۱۸۹۰ء کے اخیر میں کر لی تھی ...... میں حضرت اولوالعزم مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کو ان کے بچپن سے دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح ہمیشہ ان کی عادت حیاء اور شرافت اور صداقت اور دین کی طرف متوجہ ہونے کی تھی اور حضرت مسیح موعودؑ کے دینی کاموں میں بچپن سے ہی ان کو شوق تھا۔ نمازوں میں اکثر حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ جامع ...... میں جاتے اور خطبہ سُنتے۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے جب آپ کی عمر دس سال کے قریب ہو گی آپ ...... میں حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ نماز میں کھڑے تھے اور پھر سجدہ میں بہت رو رہے تھے۔ بچپن سے ہی آپ کو فطرتاً اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ خاص تعلق محبت تھا۔'' (سوانح فضل عمر نمبر جلد اوّل صفحہ ۱۱۷ بحوالہ الفضل ۲۰ر جنوری ۱۹۲۸ء)

آپ کو بچپن سے ہی تقریر و تحریر کا ایک خداداد ملکہ حاصل تھا لیکن اس شعبہ میں بھی حضرت خلیفہ اوّل کی رہنمائی آپ کو حاصل رہی۔ حضرت مصلح موعود اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب آپ نے پہلا مضمون تشحیذ الاذہان میں لکھا تو اس کی بہت تعریف ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اسے پسند فرمایا لیکن حضرت خلیفہ اوّل فرمانے لگے کہ ''کبھی تم نے سُنا ہے کہا کرتے ہیں کہ اونٹ چالی تے ٹوڈا بتالی''۔ پھر فرمانے لگے اس کا کیا مطلب ہے۔ مَیں نے عرض کیا مجھے تو پتہ نہیں ''ٹوڈا'' کیا ہوتا ہے۔ فرمانے لگے! اس نے کہا کہ اونٹ کے تو میں چالیس لوں گا مگر اونٹ کے بچے کے بیالیس۔ اس نے کہا یہ کیوں؟ بیچنے والا کہنے لگ کہ اس لئے کہ یہ اونٹ بھی ہے اور اونٹ کا بچہ بھی ہے۔ پھر فرمانے لگے ہم تمہارے باپ کے مضمون دیکھتے رہتے ہیں۔ ابھی تک تمہارا یہ مضمون حضرت کے مقابل کا مضمون نہیں۔ ہمیں تو تب خوشی ہو کہ ان سے بھی اعلیٰ لکھو۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۱۸ بحوالہ ۲۶ر فروری ۱۹۳۱ء)

آپ کے بچپن کے ایک ہم جماعت مکرم شیخ عبدالعزیز صاحب اس بارہ میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولوی نور الدین صاحب اپنی خلافت کے زمانہ میں جمعہ پڑھانے کے بعد

01-04-2009

......اقصیٰ میں ہی تشریف فرما ہوتے اور چند ایک طلبا تھوڑے تھوڑے وقت میں اپنا اپنا مضمون یا لیکچر سناتے۔ آخر میں حضرت مولوی صاحب ہر ایک مضمون یا لیکچر پر ریمارکس کرتے لیکن حضرت میاں صاحب (مصلح موعود) کے مضمون کی زیادہ ہی غلطیاں نکالتے اور بتاتے کہ آپ کو یہ یہ باتیں بیان کرنی چاہیئے تھیں اور اصلاح فرماتے ہوئے نہایت محبت اور شفقت سے ان کی بعض خوبیاں بھی بیان کرتے جس سے کم از کم میں تو ضرور سمجھتا کہ میاں صاحب کا مضمون سب سے ''پھاڈی'' ہے جس میں بے شمار نقائص ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ دراصل آپ میاں صاحب کو ٹرینڈ کر رہے تھے۔ بعد میں مَیں نے خود انہیں ایسے لیکچر دیتے سنا کہ عقل حیران ہو جاتی تھی کہ یہ وہی شخص ہے جو سب سے ''پھاڈی'' تھا۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۱۹)

ایک دفعہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت مولوی صاحب مجھ پر زیادہ سختی کرتے ہیں۔ آپ نے ایک لڑکے کو جو تقریر کرنا نہیں جانتا تھا اپنا ایک مضمون پڑھنے کو دے دیا اور حضرت خلیفہ اوّل نے اس کی بہت تعریف کی۔ حضور فرماتے ہیں:

''تب میرے دل میں اور احساس ہوا کہ مولوی صاحب مجھ پر سختی کرتے ہیں۔''

آپ کے دینی جوش کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''میاں محمود میں اس قدر دینی جوش پایا جاتا ہے کہ میں بعض اوقات ان کے لئے خاص طور پر دُعا کرتا ہوں۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۲۴ بحوالہ الحکم جوبلی نمبر ۱۹۳۹ء)

حضرت صاحبزادہ صاحب کو خدا تعالیٰ کی عبادت کی طرف رغبت رہی اور ایسی رغبت کہ اس وقت کے لوگوں کو اس پر تعجب بھی ہوتا تھا۔ شیخ غلام احمد صاحب واعظ جو نومسلم تھے کے دل میں ایک رات ......میں گزارنے کا خیال پیدا ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک رات میں نے ارادہ کیا کہ آج کی رات ......مبارک میں گزاروں گا اور تنہائی میں اپنے مولا سے جو چاہوں گا مانگوں گا مگر جب میں...... میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص سجدے میں پڑا ہوا ہے اور الحاح سے دُعا کر رہا ہے ......وہ کہتے ہیں کہ وہ اس انتظار میں کھڑے رہے کہ دیکھیں کہ یہ شخص کون ہے جو اتنی دیر سے دعا کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ کھڑے کھڑے تھک گئے اور جب اس شخص نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ وہ حضرت میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ کہتے ہیں مَیں نے کہا میاں آج اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ لے لیا تو آپ نے فرمایا کہ مَیں نے تو یہی مانگا ہے کہ الٰہی مجھے میری آنکھوں سے ......کو زندہ کر کے دکھا۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۵۱)

ایک دن حضرت سید سرور شاہ صاحب نے جو حضرت صاحبزادہ صاحب کے اُستاد تھے آپ سے کہا کہ ”میاں آپ کے والد صاحب کو تو کثرت سے الہام ہوتے ہیں کیا آپ کو بھی الہام ہوتا ہے اور خوابیں وغیرہ آتی ہیں تو...... فرمایا کہ مولوی صاحب! خوابیں تو بہت آتی ہیں میں ایک خواب تو تقریباً روز ہی دیکھتا ہوں...... کہ ایک فوج ہے جس کی کمان کر رہا ہوں اور بعض اوقات ایسا دیکھتا ہوں کہ سمندروں سے گزر کر آگے جا کر حریف کا مقابلہ کر رہے ہیں اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اگر مَیں نے پار گزرنے کے لئے کوئی چیز نہیں پائی تو سرکنڈے وغیرہ سے کشتی بنا کر اور اس کے ذریعہ پار ہو کر حملہ آور ہو گیا ہوں۔ مَیں نے جس وقت یہ خواب آپ سے سُنا اسی وقت سے میرے دل میں یہ بات گڑی ہوئی ہے کہ یہ شخص کسی وقت یقیناً جماعت کی قیادت کرے گا۔“ (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۵۲)

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

”مجھے آج تک تین اہم معاملات میں خدا تعالیٰ کی رؤیت ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ اس وقت کہ ابھی میرا بچپن کا زمانہ تھا اس وقت میری توجہ کو دین کے سیکھنے اور دین کی خدمت کی طرف پھیرا گیا اس وقت مجھے خدا نظر آیا اور مجھے تمام نظارہ حشر و نشر کا دکھایا گیا۔ یہ میری زندگی میں بہت بڑا انقلاب تھا۔“ (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۵۳ بحوالہ الفضل ۲۲ رجنوری ۱۹۲۰ء)

بچپن میں آپ مختلف کھیلیں کھیلتے رہے...... طبیعت میں تجسس تھا اور نئی چیز دیکھنے پر اس کا ذاتی تجربہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کبھی فٹ بال کھیلتے اور کبھی کبڈی کے میدان میں نکل جاتے۔ کبھی میرو ڈبہ اور گلی ڈنڈا کھیلتے نظر آتے۔ کبھی قادیان کے اردگرد پھیلے جوہڑوں میں تیراکی اور کشتی رانی کا شوق پورا کرتے۔ کبھی غلیل یا ہوائی بندوق سے شکار کرتے نظر آتے۔

حکیم دین محمد صاحب آپ کے بچپن کے ساتھی تھے بیان کرتے ہیں:

”ایئر گن کا نشانہ آپ کا بڑا ہی صحیح تھا چنانچہ اس حد تک تھا کہ زنبور جو آم پر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے آپ ایک ایک کو نشانہ بنا کر گرا دیتے تھے۔ اکثر چھوٹی چڑیوں اور فاختہ کا شکار کرتے۔ ہم آپ کے ساتھ ہوتے اور ذبح کرتے جاتے۔ بڑے ہو کر آپ کے پاس بندوقیں تھیں...... دریائے بیاس پر مرغابی کا شکار کیا کرتے تھے۔“ (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۲۹)

ایک بار حضور بچپن میں ایک طوطا شکار کر لائے تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

”میاں! اللہ تعالیٰ نے سب جانور کھانے کے لئے ہی پیدا نہیں کئے بعض ان میں سے خوبصورتی کے لئے بھی پیدا کئے گئے ہیں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی کائنات کو زینت بخشنے کے لئے) طوطا انہی میں سے ایک ہے۔“ (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۳۰)

شکار کے علاوہ آپ کو گھوڑ سواری کا بھی شوق تھا اور یہ شوق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پیدا کیا تھا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ

''...... میں نے لڑکوں کو سائیکل پر سواری کرتے دیکھا تو میرے دل میں بھی سائیکل کی سواری کا شوق پیدا ہوا۔ مَیں نے اس کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے سائیکل کی سواری تو پسند نہیں میں تو گھوڑے کی سواری کو مردانہ سواری سمجھتا ہوں۔ مَیں نے کہا اچھا آپ مجھے گھوڑا ہی لے دیں......

آپ نے کپورتھلہ والے عبدالمجید خاں کو لکھا...... انہوں نے ایک گھوڑی خرید کر تحفۃً بھجوا دی...... حضرت مسیح موعودؑ جب فوت ہوئے تو چونکہ آپ کی وفات کا اثر لازمی طور پر ہمارے اخراجات پر بھی پڑنا تھا اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ اس گھوڑی کو فروخت کر دیا جائے تا کہ اس کے اخراجات کا بوجھ والدہ صاحبہ پر نہ پڑے۔ مجھے ایک دوست نے...... کہلا بھیجا کہ یہ گھوڑی حضرت مسیح موعودؑ کا تحفہ ہے اسے آپ بالکل فروخت نہ کریں...... جب مجھے یہ کہا گیا کہ یہ گھوڑی حضرت مسیح موعودؑ کا تحفہ ہے اس لئے اسے فروخت نہ کرنا چاہئے تو بغیر سوچے سمجھے معاً میرے منہ سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے کہ بے شک یہ تحفہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے...... مگر میں گھوڑی کی خاطر حضرت (اماں جان) کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ چنانچہ میں نے اس گھوڑی کو فروخت کر دیا۔''

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۳۰ بحوالہ الفضل ۱۸ر فروری ۱۹۴۸ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے دو باتیں سامنے لاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ

''...... آپ ایک مجاہدانہ روح رکھتے تھے اس لئے سائیکل کے بجائے گھوڑے کی مردانہ سواری کو ترجیح دی۔

دوسرے:

''...... باوجود اس کے کہ آپ کو گھوڑوں سے بہت پیار تھا اور تمام عمر آپ نے حسب توفیق متعدد گھوڑے رکھے...... گھوڑوں سے پیار اپنی جگہ لیکن اس سے بڑھ کر اس گھوڑی کی یہ حیثیت کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک یادگار عطیہ تھی اس شدید محبت کے پیش نظر جو آپ کو حضرت مسیح موعودؑ سے تھی یقیناً یہ گھوڑی بھی آپ کو اسی نسبت سے خاص طور پر پیاری ہوگی لیکن ذمہ داری کا احساس، ایک غیر مبہم اور روشن قوتِ فکر اور یہ ذہنی قابلیت کہ مختلف اقدار کو ان کے موقعہ اور محل پر رکھا جانا چاہئے۔ یہ تینوں صفات قطعی طور پر اس بات کی ضامن تھیں کہ آپ جذبات کے کسی ایک دھارے

میں بہہ کر کوئی یک طرفہ اور غیر متوازن فیصلہ نہ کر بیٹھیں۔ کتنا صحیح فیصلہ ہے کہ اپنے جذبات کی قربانی کو تو قبول کر لوں گا مگر یہ خطرہ مول نہیں لوں گا کہ میری ماں کو اس وجہ سے ادنیٰ سی تکلیف بھی پہنچے۔" (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۳۲)

حضرت اماں جان کو جو آپ سے تعلق تھا اور آپ کو حضرت اماں جان سے جو تعلق تھا اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی لکھتے ہیں:

"سیّدہ حضرت (اماں جان) نے جب حضور کو ایک بار اور ملاقات کی غرض سے مردوں کے جم غفیر سے اونچے چبوترے کے جانب شمال بلوا کر دیر تک گود میں لئے ہوئے دعائیں کی تھیں وہ نظارہ بھی آپ کو نہ بھولا ہوگا اور نہ ہی وہ دلچسپ منظر اس قابل ہے کہ کبھی بھولے۔ سیّدہ حضرت (اماں جان) کی آواز پر جس طرح سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لبیک کہتے ایک تیز تیر کی مانند حضرت (اماں جان) کی طرف بڑھے وہ نقشہ ماں کی آواز پر لبیک اور ماں کے حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری کے لئے ایک زرّیں مثال اور قابلِ تقلید اسوہ تھا۔"

(خط نمبر ا ازمقام عدن مورخہ ۲۳ / جولائی ۱۹۲۴ء از سفر یورپ صفحہ ا)

حضرت صاحبزادہ صاحب کی گھوڑی کا ذکر کرتے ہوئے محترمہ اللہ رکھی صاحبہ کا جو فضل دین صاحب قصاب کی بیوی تھیں ان کا خاندان احمدی نہیں تھا مگر پرانے خدمت گاروں میں تھا بیان کرتی ہیں:

"جب حضور سیر کے بعد گھوڑی پر سوار ہو کر گھر آیا کرتے تو ہم باوجود اس کے کہ غیر احمدی بچیاں تھیں باہم مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو جاتی تھیں اور آپ سے کہتیں

میاں محمود دی گھوڑی نوں چھٹے
میاں دی گھوڑی نوں اللہ رکھے
گھوڑی دی دم دا اک بال دے دے

حضور مسکرا کر فرماتے کہ تم بال لے کر کیا کرو گی؟ ہم کہتیں کہ ہم بھڑیں پکڑیں گی اور ہوائی جہاز بنا کر اڑائیں گی۔ حضور فرماتے کہ اس سے گھوڑی کو تکلیف ہوگی۔ روئے گی، پٹے گی، خون نکلے گا۔ لاؤ میں تمہیں خود اپنے ہاتھ سے بھڑ پکڑ دیتا ہوں۔ ایک دفعہ...... اپنے ہاتھ سے آہستہ آہستہ بھڑوں کے چھتے سے ایک دو بھڑ پکڑ لئے اور ہمیں کہا یہ لو بھڑیں۔ ایسا واقعہ کئی مرتبہ ہوا۔"

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۳۲)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی آپ کی طبیعت میں بے تکلفی، انکساری، زندہ دلی اور بچوں سے پیار

پایا جاتا ہے۔ بچوں سے اس پیار اور مخلوقِ خدا سے ہمدردی کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ بچپن کے ایام میں مَیں گھوڑے پر سوار ہوا۔ گھوڑا تھا منہ زور، قصبہ سے باہر نکلتے ہی وہ بے لگام ہو گیا۔ مَیں نے ہر چند اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا...... میں نے دیکھا کہ گھوڑا جس رُخ جا رہا ہے اس کے سامنے ایک غیر آباد بغیر منڈیر کے کنواں ہے اور اس کے پاس ہی دو چار قدم کے فاصلے پر چند بچے کھیل رہے ہیں۔ اس وقت میں نے سوچا اگر اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہوں تو میری ایک جان کے بدلے کئی جانیں (بچے) ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور اگر ان کو بچاتا ہوں تو دوسری طرف کنواں ہے جس میں گھوڑے کے گرنے کی وجہ سے اپنی جان جانے کا ڈر ہے۔ اس وقت میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میرا اخلاقی فرض ہے کہ میں اپنی جان کی پرواہ نہ کروں۔ چنانچہ میں نے گھوڑے کو سیدھا جانے دیا۔ خدا کی شان۔ گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ عین کنوئیں کی منڈیر کے پاس پہنچ کر یکدم رُک گیا۔''

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۳۳ بحوالہ الفضل ۴؍مارچ ۱۹۲۷ء)

اس واقعہ سے حضور کی سیرت کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ شروع سے حضور میں ہمدردیٔ خلائق کا جذبہ کس شدت سے پایا جاتا تھا کہ اس کے لئے وہ اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے بھی تیار رہتے اور دوسرے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب انسان خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی عظیم قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کر کے انسان کو تکلیف اور آزمائش سے بچا لیتا ہے۔

بہن بھائیوں کے دل میں بچپن کی یادیں:

بہن بھائیوں سے آپ کا جو سلوک تھا اس کی تصویر کشی حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم نے کئی جگہ کی ہے۔ ایک جگہ آپ فرماتی ہیں:

''آپ ہم بچوں سے بہت پیار کرنے والے، بے حد خیال رکھنے والے تھے۔ مجھ سے تو خاص طور پر بہت محبت کی۔ بہت ناز اُٹھائے کبھی خفا ہوا یاد میں نہیں۔ ایک بار لڑکیوں کے ساتھ میں کھیل رہی تھی۔ لڑکیوں نے کوئی کھیل تالی بجانے والا کھیلا۔ میں بھی بجانے لگی تو مجھے کہا کھیلو مگر تم نہ کبھی تالی بجانا یہ لوگ بجایا کریں۔

مبارک سے بھی بہت پیار کا سلوک تھا (ایک خط میں حضرت مسیح موعودؑ نے میرے میاں کو لکھا ہے۔ محمود اپنی والدہ سے بہت مانوس ہے اور مبارک سے بھی اب تک کھیلتا ہے ابھی بچہ ہی ہے)

دوسرے بھائیوں سے بھی کبھی میں نے سختی کا سلوک یا جھگڑا نہیں دیکھا۔ منجھلے بھائی صاحب سے تو اکثر لمبی باتیں کرتے مگر ہر وقت اچھے موضوع پر، میرے بھائی اور ماموں مل کر باتیں کرتے تھے۔ کبھی فضول بات میں نے نہیں سُنی کیونکہ جہاں یہ سب مل بیٹھتے میں ضرور جا پہنچتی تھی۔ کئی بار ہنس کر فرماتے تھے کہ:

"لڑکی وہ جو لڑکیوں میں کھیلے
نہ کہ لڑکوں میں ڈنڑ پیلے"

مجھ سے بچپن سے بے تکلف رہے۔ ہر بات مجھ سے کر لیتے اور میں ہر بات جو نئی سُنی یا مجھ سے باہر ہوئی ان سے پوچھتی۔ میری کھل کر بات یا حضرت مسیح موعودؑ سے ہوتی تھی یا بڑے بھائی حضرت مصلح موعود سے۔ حضرت مسیح موعود بھی جانتے تھے کہ ہم دونوں کا آپس میں زیادہ پیار اور بے تکلفی ہے تو آپ نے بھی تین چار بار کہا محمود کچھ چپ چپ ہے کبھی حاجت نہیں ظاہر کرتا نہ مانگتا ہے تم پوچھو تو سہی کہ کیا چاہیئے۔ میں نے پوچھا اور آپ نے بتا دیا...... ایک بار بخاری کی جلدوں کا پورا سیٹ منگانے کے لئے کہا تھا۔ ایک بار سول اخبار جاری کروانے کو۔ ایک دفعہ بھابھی جان کو لاہور گئے زیادہ دن ہو گئے تھے کہا میں ان کا لاہور زیادہ رہنا پسند نہیں کرتا بلوا لیں۔"

"ہم لوگ لڑتے نہیں تھے کم از کم بہنوں سے لڑنے کی تو قسم ہی ہمارے ہاں تھی۔ مبارک احمد اور میں چھوٹے تھے۔ تینوں بھائیوں نے کبھی کچھ نہیں کہا...... مگر میں نے تو بڑے بھائی کو حضرت مسیح موعودؑ کی مانند محبت کرنے والا پایا۔ ذرا بڑے ہو کر یہ محبت ایک دوستی کا رنگ بھی اختیار کر گئی۔"

ایک اور جگہ آپ لکھتی ہیں:

"......بچپن سے انہوں نے مجھ سے خاص محبت کی۔ ہمیشہ میرا خیال رکھا۔ کئی آڑے وقتوں میں میری مدد کی...... بچپن میں تو غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ کبھی بڑے بھائی بہنوں کو گھرک، جھڑک بھی لیتے ہوں گے مگر یہاں تو محض پیار اور نازبرداری ہی تھی۔ ایک دفعہ بھی کبھی ٹیڑھی نظر سے نہ دیکھا...... میں بہت چھوٹی تھی آپ باہر ڈھاب پر کشتی چلانے گئے ہوئے تھے۔ دوڑ کے آئے اور کہا میاں ٹب مانگ رہے ہیں۔ ٹب دے دیا گیا اور میں نے اس وقت اپنی زندگی کا پہلا شعر کہا۔ جب آئے تو خوشی سے لپٹ کر کہا۔ بڑے بھائی! میں نے تمہارے لئے شعر بنایا ہے...... فرمایا بتاؤ! بتاؤ کیا ہے۔ میں نے بڑے فخر سے سنایا۔

ٹب لیا تھا ٹب لے گئے
کشتی چلائی تھی کشتی چلا گئے

اس کو یاد کر کے اب تک ہنسا کرتے تھے۔

ایک دفعہ میرے استاد پیر منظور محمد صاحب مرزا افضل بیگ صاحب سے گرامو فون مانگ لائے..... میں چھوٹی تھی اور..... وہ اشعار میرے لئے نئی چیز تھے۔ میں نے کہا پیر جی! میری کاپی پر یہ شعر لکھ دو انہوں نے بے خیالی میں لکھ دیا۔ ایک مصرعہ مجھے یاد ہے ۔

ستم سے باز آ ظالم قیامت آنے والی ہے

میں فوراً بھاگی اور آ کر بڑے بھائی کو دکھایا کہ یہ پیر جی سے لکھوا کر لائی ہوں۔ میرے ہاتھ سے کاپی لی اور وہیں کھڑے کھڑے کاپی پر لکھ دیا۔

اگر لایا کئے ایسی گھروں میں کاپیاں بچے
تو حضرت آپ کی اک روز شامت آنے والی ہے

اور کہا اب جا کر یہ پیر جی کو دکھا دو..... میں نے جا کر دکھا دیا۔ پیر جی نے کہا۔ توبہ! توبہ! لاحول و لاقوۃ الا باللہ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی اور چاک کرنے لگے۔ میں نے ان کو کہا اپنے شعر کو پھاڑ دو پر میں بڑے بھائی کا شعر نہیں پھاڑنے دوں گی..... شادی کے بعد جب میں آتی، میری آواز سن کر یا معلوم کر کے کہ میں آئی ہوں فوراً تشریف لے آتے۔ جو بات نئی میری غیر حاضری میں ہوتی مجھے ضرور سناتے۔ اپنے اشعار بالعموم پہلے مجھے سناتے۔‘‘

(سوانح فضل عمر جلد اول صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۳)

حضرت مسیح موعودؑ سے آپ کی محبت اور حضور کی صداقت پر آپ کا ایمان:

آپ کو حضرت مسیح موعودؑ سے جو محبت تھی اور آپ کی صداقت پر آپ کو جو ایمان تھا اس کا اندازہ آپ کے بچپن کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے خود فرمایا کہ آپ حضورؑ پر اس لئے ایمان نہیں لائے تھے کہ وہ آپ کے والد تھے بلکہ باقاعدہ دُعا کے بعد شرح صدر ہونے کے بعد آپ کا ایمان پختہ ہوا اور واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ محض گیارہ سال کے کمسن بچے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں:

’’آپ اپنے والد کو گھر کے اندرونی مشاہدہ کے بعد اور لمبے عرصہ پر پھیلے ہوئے ظاہر و باطن

آثار کے مطالعہ کے نتیجہ میں مخلص، صادق القول اور حق پرست یقین کرتے تھے اور اس یقین کے نتیجہ میں جس قسم کے مثبت اثرات آپ کی شخصیت پر مترتب ہونے چاہئیں تھے وہ اسی طرح مترتب ہوئے۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۴۸)

آپ کو حضرت مسیح موعودؑ سے جو لگاؤ تھا اور جو محبت آپ کے دل میں حضور کی تھی اس کے متعلق خود حضور فرماتے ہیں:

''میری عمر جب نو یا دس برس کی تھی۔ میں اور ایک اور طالب علم گھر میں کھیل رہے تھے۔ وہیں الماری میں ایک کتاب پڑی ہوئی تھی جس پر نیلا جزدان تھا اور وہ ہمارے دادا صاحب کے وقت کی تھی۔ نئے نئے علوم ہم پڑھنے لگے تھے۔ اس کتاب کو جو کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ اب جبرئیل نازل نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ غلط ہے۔ میرے ابا پر تو نازل ہوتا ہے۔ اس لڑکے نے کہا جبرئیل نہیں آتا کتاب میں لکھا ہے۔ ہم میں بحث ہوگئی۔ آخر ہم دونوں حضرت صاحب کے پاس گئے اور دونوں نے اپنا اپنا بیان پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کتاب میں غلط لکھا ہے۔ جبرائیل اب بھی آتا ہے۔'' (سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ ۱۴۹ بحوالہ الحکم دسمبر ۱۹۳۹ء)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''......کئی دفعہ اس واقعہ کو یاد کر کے میں ہنسا بھی ہوں اور بسا اوقات میری آنکھوں میں آنسو بھی آگئے ہیں۔ مگر میں اسے بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا کرتا ہوں اور مجھے اپنی زندگی کے جن واقعات پر ناز ہے ان میں وہ ایک حماقت کا واقعہ بھی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ایک رات ہم سب صحن میں سو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا کہ آسمان پر بادل آیا اور زور سے گرجنے لگا۔ اسی دوران میں قادیان کے قریب ہی کہیں بجلی گر گئی مگر اس کی کڑک اس زور کی تھی کہ قادیان کے ہر گھر کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بجلی شاید ان کے گھر میں ہی گری ہے...... اس کڑک اور کچھ بادلوں کی وجہ سے تمام لوگ کمروں میں چلے گئے۔ مجھے آج تک وہ نظارہ یاد ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ جب اندر کی طرف جانے لگے تو میں نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت مسیح موعودؑ کے سر پر رکھ دیئے کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے ان پر نہ گرے۔ بعد میں جب میرے ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے اپنی اس حرکت پر ہنسی آئی کہ ان کی وجہ سے تو ہم نے بجلی سے بچنا تھا نہ یہ کہ ہماری وجہ سے وہ بجلی سے محفوظ رہتے۔

''میں سمجھتا ہوں میری وہ حرکت ایک مجنوں کی حرکت سے کم نہیں تھی مگر مجھے ہمیشہ خوشی ہوا کرتی ہے کہ اس واقعہ نے مجھ پر بھی اس محبت کو ظاہر کر دیا جو مجھے مسیح موعودؑ سے تھی۔''

اس گہرے ایمان اور محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ اسی راہ پر دلی وابستگی اور کامل خلوص کے ساتھ چل پڑے جو غلبۂ ...... کے جلد ظہور کے لئے حضرت مسیح موعودؑ نے اختیار فرمائی تھی۔

حضرت مسیح موعودؑ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف انیس سال کی تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے صبر اور راضی بہ رضا رہنے کا جو نمونہ دکھایا اس کا بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور کہتے ہیں:

> ''مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اپنا پورا صبر و استقلال کا نمونہ دکھایا اور ہر طرف سے سوائے حی و قیوم کے الفاظ کے اور کوئی آواز نہ آتی تھی۔ یہ سارا نقش حضرت اقدس کی قوتِ قدسی کا اندازہ کرنے کے لئے ایک انصاف پسند آدمی کے لئے کافی ہے۔ اس سے میرے اور دیگر حاضرین کے ایمان کو از حد تقویت ملی۔''

(تاریخ احمدیت نمبر ۴ صفحہ ۱۰۷ بحوالہ بدر ۲ ؍جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۴)

حضرت صاحبزادہ صاحب کو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے لئے تیار کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

> ''جس رات حضرت صاحب کی بیماری میں ترقی ہو کر دوسرے دن آپ نے فوت ہو جانا تھا میری طبیعت پر کچھ بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے میں گھوڑی پر سوار نہ ہوا ملک صاحب (ملک مبارک علی تاجر لاہور) نے کہا میری گاڑی میں آ جائیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا لیکن بیٹھتے ہی میرا دل افسردگی کے ایک گڑھے میں گر گیا اور یہ مصرعہ زبان پر جاری ہو گیا ۔
>
> ''راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو''
>
> ...... یہ بھی ایک تقدیر خاص تھی جس نے مجھے وقت سے پہلے اس ناقابل برداشت صدمہ کے برداشت کرنے کے لئے تیار کر دیا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۷ بحوالہ تقدیر الٰہی صفحہ ۱۸۹)

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

> ''جب حضرت مسیح موعودؑ فوت ہوئے تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب لوگ آپ پر طرح طرح کے اعتراض کریں گے اور بڑے زور کی مخالفت شروع ہو جائے گی۔ اس وقت میں نے سب سے پہلا کام جو حضرت مسیح موعودؑ کے سرہانے کھڑے ہو کر کیا وہ یہ عہد تھا کہ اگر سارے لوگ بھی آپ کو چھوڑ دیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا تو میں اکیلا ہی ساری دنیا کا مقابلہ کروں گا اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۷ بحوالہ الحکم دسمبر ۱۹۳۹ء)

حضرت صاحبزادہ صاحب کے دل میں حضور کی محبت اور فدائیت کا جو بے پناہ جذبہ تھا وہ حضورؑ کے نزع کے وقت

اورزیادہ اُبھر آیا اور آپ نے اس وقت یہ دعائیں شروع کر دی تھیں کہ خدا ہماری عمریں بھی آپ کو دے دے۔ آپ نے اس وقت یہ الفاظ بار بار فرمائے۔ (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۰۷ بحوالہ روایات صحابہ رجسٹر ۴ صفحہ ۹۰)

حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ آپ کی سیرت کے ایک پہلو کے متعلق لکھتی ہیں:

''ہوش آئی ایک بے انتہا محبت کرنے والا باپ دیکھا جو اپنی تمام مصروفیتوں، بے شمار کاموں اور لاتعداد ذمہ داریوں کے باوجود اپنا بے پناہ پیار اپنے بچوں کو دے رہا تھا۔ جس کے دن رات خدمتِ ...... خدمتِ قرآن اور خدمتِ انسان میں گذر رہے تھے۔ مگر وہ اپنے سب بچوں کے پیار خاص طور پر لڑکیوں کے پیار میں اسوۂ نبی کے مطابق کسی قسم کی کمی نہیں کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنے سارے بچوں کو وہ پیار دیا جو شاید ہی کسی باپ نے دیا ہو۔ میرے کئی بہن بھائی ایسے تھے جن کی والدہ ان کے بچپن میں ہی ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہوگئی تھیں مگر دل میں محبت و پیار کا خزانہ رکھنے والے ابا جان نے ان کو کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ باپ کے بے انتہا پیار کے ساتھ ماں کا بھی اتنا ہی پیار دیا۔ کبھی کبھی میں سوچا کرتی تھی کہ اتنی شفقت، اتنی محبت کے باوجود ہم میں سے کوئی یہ جرأت کرسکتا ہے کہ جماعت کے کسی معمولی فرد کے متعلق بھی کوئی بدالفاظ یا استہزاء آپ کے سامنے کرسکیں؟ اس کا جواب یہی ہوتا! نہیں ہرگز نہیں!۔ بے شک ہم ابا جان کے جسم کا حصہ ہیں ہم آپ کو بہت پیارے ہیں مگر جب جماعتی مقابلہ ہو تو وہ ہم سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ آپ کو اپنے مطاع و محبوب باپ حضرت مسیح موعودؑ کی قائم کردہ جماعت سے بہت زیادہ پیار تھا۔'' (ازمصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۸)

اسی محبت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا عبدالحق صاحب تحریر کرتے ہیں:

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو جماعت کے ساتھ بے حد محبت تھی اور آپ اپنے خدام کے ساتھ بہت شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ مذاہب کی کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان تشریف لے گئے ...... پورٹ سعید کی بندرگاہ سے آپ نے جماعت کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا جو الفضل میں شائع ہوا تھا۔ میں نے اس مکتوب کے اقتباس اس وقت اپنی ایک نوٹ بک میں لکھ لئے ...... اس خط کو میں نے کئی مرتبہ پڑھا اور لطف اُٹھایا۔ اس کے جو حصے میں نے نوٹ کئے وہ یہ ہیں:

''......اس وقت میری یہ حالت ہے

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانئے کیا یاد آئے

اے میری عزیز قوم! اور اے خدا کے فرستادہ کی مقدس جماعت تمہاری بہبودی اور بہتری کا خیال میرے دل کو ہر وقت فکر مند رکھتا ہے اور تمہاری محبت ہمیشہ مجھے بدگمانیوں میں مبتلا رکھتی ہے کہ عشق است و ہزار بدگمانی۔ اے کاش تمہارا ایمان اور تمہارا یقین اور تمہارے اخلاق اور تمہارا تمدن اور تمہارا علم اور تمہارے عمل اور تمہاری قربانیاں ایسی ہوں بلکہ اس سے بڑھ کر ہوں جو میں دیکھنی چاہتا ہوں۔ اے کاش تم زمانے کی دست برد سے محفوظ رہو۔ اے کاش تم ہر قسم کے فتنوں سے بچے رہو۔ خدا تعالیٰ تم میں ہمیشہ وہ لوگ پیدا کرتا رہے جن کے دل تمہاری خیر خواہی اور محبت کے جذبات سے پُر ہوں اور جن کے افکار تمہاری بہتری کی تجاویز میں مشغول۔ تم یتیموں کی طرح ہرگز نہ چھوڑے جاؤ اور سورج تم پر لاوارثی کی حالت میں کبھی نہ چڑھے۔ تم خدا کے پیارے ہو اور خدا تمہارا پیارا ہو۔ اے خدا تو ایسا ہی کر اور زندگی اور موت میں مجھے ایسا ہی دکھا۔

(خاکسار مرزا محمود احمد)

(مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۲،۱۱)

حضرت مرزا عبدالحق صاحب اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ کا اپنے خدام کے ساتھ بے حد شفقانہ سلوک ہوتا تھا۔ جب کسی کا ہاتھ پکڑا پھر چھوڑا نہیں ...... ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ مالیر کوٹلہ گیا۔ واپسی پر لدھیانہ تک اپنی کار میں لائے۔ اس سے آگے گورداسپور تک میں نے گاڑی پر جانا تھا۔ میں نے کار سے اُتر کر سٹیشن کے اندر جانے کی اجازت چاہی۔ فرمانے لگے ابھی پتہ منگواتے ہیں کہ گاڑی کس وقت روانہ ہوگی۔ معلوم ہوا گاڑی چلنے میں ابھی کافی وقت ہے۔ چنانچہ اتنی دیر کار میں وہیں تشریف فرما رہے۔ پھر میرے لئے ٹکٹ منگوایا اور فرمانے لگے اب آپ گاڑی میں سوار ہوں اور ہم چلتے ہیں......''

(مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳)

صاحبزادی امۃ الباسط بیگم صاحبہ فرماتی ہیں:

''پارٹیشن کے بعد رتن باغ میں طاری (حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب) نے دو آنے والی آئس کریم منگوائی۔ ابا جان نے پھینکوا دی یہ کہہ کر کہ معلوم نہیں قادیان والے پیٹ بھر کر روٹی بھی کھاتے ہیں یا نہیں اور تم لوگ آئس کریم کھاؤ گے۔

چوہدری شکر اللہ خان صاحب فوت ہوئے۔ان کا جنازہ رتن باغ میں آیا تو ہمارے گھر کے دو تین بچے...... جن کی عمریں بمشکل تین، چار سال کی ہوں گی نیچے کھیلتے ہوئے ہنس پڑے۔حضرت ابا جان اسی وقت بچوں کو پکڑ کر اوپر آئے اور سخت ناراض ہوئے کہ بچوں کو سمجھ نہیں تو ماؤں کو بھی ہوش نہیں کہ بچوں کو سنبھالیں۔دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے۔‘‘

(مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۲۶)

حضرت مصلح موعود کی زندگی کا ہر واقعہ ہمیں کوئی نہ کوئی سبق سکھا کر جاتا ہے۔جہاں بچوں سے بے حد پیار کرتے ہیں وہاں ان کی تربیت کی طرف بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔یہ جابہ کی بات ہے ایک دفعہ مکرم سیّد داؤد احمد صاحب کا بیٹا بٹّی (سیّد قمر سلیمان احمد) روتا ہوا اندر آیا۔پیچھے دوسرے بچے بھی ہنستے ہوئے آرہے تھے۔حضرت مصلح موعود نے پوچھا کیا بات ہے تو بچوں نے ہنستے ہوئے بتایا کہ جمعدار نے اس کے منہ پر پیار کر لیا ہے۔کوئی اور ہوتا تو کہتا کہ چلو منہ دھو لو منہ صاف ہو جائے گا۔حضور نے ایسا نہیں کیا بلکہ بٹّی سے پوچھ کر گلے پر جہاں جمعدار نے پیار کیا تھا وہاں خود پیار کر لیا اور بچوں اور بڑوں کو یہ سبق سکھایا کہ کسی انسان سے کراہت نہیں کرنی چاہیئے اور دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے۔حضور کے اس عمل سے اس جمعدار کی شرمندگی بھی مٹ گئی ہوگی جو بچے کے رونے کی وجہ سے اس کے دل میں پیدا ہوئی ہوگی۔

مکرم فضل الرحمٰن صاحب نعیم تحریر کرتے ہیں:

’’۱۹۴۷ء میں جب قادیان سے ہجرت ناگزیر ہوگئی تو والد محترم اور والدہ مرحومہ نے مجھے ٹرک میں سوار کرا دیا۔اس وقت میری عمر گیارہ سال کے لگ بھگ تھی۔میں جودھامل بلڈنگ میں اُتر کر ادھر اُدھر گھومتا رہا۔میرے پاس جو کپڑے تھے وہ بھی راستے میں ضائع ہوگئے تھے۔میں نے صرف ایک نیکر پہن رکھی تھی اور ایک قمیص۔میرے ایک عزیز محترم خالد ہدایت بھٹی مجھے ملے اور کہنے لگے کہ کہاں چلنا ہے۔میں نے کہا مجھے حضرت صاحب کے پاس لے چلیں۔چنانچہ وہ مجھے رتن باغ چھوڑ گئے۔میں...... اوپر گیا تو دیکھا کہ حضرت صاحب برآمدے میں ٹہل رہے ہیں...... آپ کے ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی حمائل تھی۔میں کچھ دیر ایک طرف کھڑا رہا کہ شاید حضور خود کچھ پوچھیں لیکن جب میں نے دیکھا کہ حضور بہت منہمک ہیں تو میں نے جرأت کی اور کہا۔حضور!

حضرت صاحب نے اپنی نیم وا خوبصورت آنکھیں اُٹھائیں اور نہایت پیار بھرے لہجے میں گویا ہوئے اچھا تم اکیلے آئے ہو۔گھبراؤ نہیں آؤ میرے ساتھ اور میرا بازو تھام لیا اور ساتھ والا کمرہ حضرت اُمّ ناصر کا تھا وہاں لے جا کر فرمانے لگے ’’یہ ماسٹر صاحب کا بیٹا فضل ہے اکیلا آیا

ہے۔ اسے رفیق کے ساتھ رکھیں اور ضروری کپڑے بھی دیں۔ خدا شاہد ہے میں نے حضور سے زیادہ کچھ نہیں کہا لیکن حضرت صاحب ساری حقیقت خود ہی سمجھ گئے۔''

(مصباح دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۴، ۳۵)

اس کے ساتھ مکرم فضل الرحمٰن صاحب جو اگلی بات لکھتے ہیں اس سے حضور کی سیرت کے ایک اور پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ حضور کسی احمدی بچے کا بھی بیکار بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے اور اسے کام کی طرف مائل کرتے تھے تا کہ اس کی عزت نفس قائم رہے اور اسے دوسروں سے مانگ کر کھانے کی عادت نہ پڑے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگلے روز مجھے حضرت صاحب نے بلایا اور فرمایا کہ بیکار رہنا ٹھیک نہیں۔ یہ لو ایک روپیہ اور کوئی کام کرو۔ میں نے روپیہ اُٹھا لیا اور سوچنے لگا یا اللہ اس ایک روپیہ سے کیا کروں۔ فرمانے لگے جاؤ اخبار بیچ لیا کرو۔ چنانچہ میں ہر روز صبح چار بجے گیلانی الیکٹرک پریس جو ہسپتال روڈ پر تھا چلا جاتا اور سارا دن اخبار بیچتا...... شام کو حضرت صاحب ایک منٹ میں میری سارے دن کی کارگزاری کی رپورٹ لیتے۔ ابتداء میں مجھے تکلیف اور دقت محسوس ہوئی لیکن چند ہی دنوں میں میں اس کا عادی ہوگیا۔

''چند دنوں بعد جب والد محترم، والدہ مرحومہ اور دیگر لوگ آئے تو معلوم ہوا کہ والدہ سخت بیمار ہیں۔ وہ تیسرے روز وفات پا گئیں...... حضور نے رتن باغ میں خود ان کا صندوق تیار کروایا اور آدھی رات کو ان کا جنازہ پڑھایا...... ہر قسم کے اخراجات حضور نے خود ادا کئے۔ میرا ننھا بھائی جس کی عمر صرف تین ہفتے تھی اسے دودھ کی ضرورت تھی۔ گلیکسو دودھ کا ڈبہ ان دنوں آٹھ، دس روپے میں ملتا تھا۔ والد محترم کے پاس کوئی رقم نہ تھی اور سوچ رہے تھے کہ کیا کیا جائے۔ اس وقت میں نے انہیں غالباً پندرہ یا سترہ روپے دیئے جو میں نے اخبار بیچ کر جمع کر رکھے تھے۔ تین چار ماہ بعد تک میں یہ کام کرتا رہا۔'' (مصباح دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۵)

حضور کی شفقت کا بیان کرتے ہوئے محترمہ سراج بی صاحبہ انچارج دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ تحریر کرتی ہیں:

''میرے والد صاحب کا جب انتقال ہوا اُس وقت میری عمر آٹھ سال کی تھی اور میری چھوٹی بہن عائشہ کی چھ سال۔ رشتہ داروں کے ناواجب سلوک سے زندگی سخت تنگ گزرنے لگی تھی...... آخر ایک نیک دل خاتون...... میری والدہ کو اور ہم دونوں بہنوں کو حضرت اُمّ طاہر کے ہاں چھوڑ آئی۔ آپ نے میری والدہ کو کھانا پکانے کے لئے رکھ لیا اس طرح ہم تینوں کو...... صرف خدمت کا ہی موقع نہیں بلکہ ہمیں ایک مشفق باپ مل گیا جو اپنے سگے باپ سے کہیں زیادہ بلکہ کروڑوں درجہ

بہتر باپ تھا جس سے ہم نے روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی غذائیں حاصل کیں ...... حضور کا سلوک ہمارے ساتھ بالکل اپنے بچوں کا سا تھا۔ آپ کی شفقت اور محبت بے مثال تھی ...... جس طرح صاحبزادی امۃ القیوم بیگم و صاحبزادی امۃ الرشید بیگم کے لئے ماسٹر رکھے جاتے تھے اسی طرح ہم دونوں بہنیں بھی ان سے فائدہ حاصل کرتی تھیں۔ جس طرح گھر میں اماں قدیراں نے دونوں صاحبزادیوں کو مشین چلانی سکھائی اسی طرح مجھے بھی سکھائی غرضیکہ حضور کی طرف سے ہم دونوں بہنوں کو ہر طرح کی سہولت حاصل تھی حتی کہ ہمیں اپنا گھر، اپنے رشتہ دار، اپنا باپ سب کچھ بھول گیا۔

''قادیان میں حضور کو متعدد مرتبہ اپنے رومال خود اپنے ہاتھ سے میں نے دھوتے دیکھا۔ سردیوں میں کمرے کی بڑی انگیٹھی جس کی آگ بجھنے کے قریب ہوتی خود کوئلے اور لکڑی وغیرہ ڈال لیتے۔ حضور کی خادمات سامنے کھڑی ہوتیں مگر حضور ان سے نہ کہتے ...... میں چھوٹی تھی اور ابھی پردہ نہ کرتی تھی حضور نے خاکسارہ کو یامین شاہ صاحب کے پاس کباب لینے بھیجا کہ تنور کی روٹی اور کباب لاؤ۔ عاجزہ کو دیر ہوگئی۔ اس دن کھانا سیدہ اُمّ طاہر صاحبہ کے ہاں تھا اور حضور کو خاصا انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران حضور نے کافی لمبی نظم بنا ڈالی جس کا صرف ایک شعر اب مجھے یاد ہے

نہیں آئی نہیں آئی ابھی تنور کی روٹی
سراجی آ تو لے اس کو لگاؤں گا میں اک سوٹی

جب میں واپس آئی تو حضور یہ نظم پڑھ رہے تھے۔ اللہ اللہ! وہ اتنی ہنسی اور خوشی کے دن تھے کہ بس سوائے خوشیوں کے کبھی اداس سا یہ بھی نہ دیکھا تھا۔'' (مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء)

جیسا کہ بار بار ہمارے سامنے آتا ہے کہ حضور تربیت کا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ محترمہ امۃ الرشید فرحت صاحبہ اہلیہ حبیب اللہ خاں صاحب بیان کرتی ہیں:

''قادیان میں شروع شروع میں حضور کا طریق یہ تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد سب احباب جماعت سے مصافحہ فرمایا کرتے تھے اور مصافحہ کے لئے پہلے ہی سے قطاریں باندھی جاتی تھیں۔ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ میں اپنے والد صاحب مرحوم کے ساتھ ...... آپ سے مصافحہ کیا کرتی تھی۔ ایک دن حضور نے مجھے دیکھ لیا اور ذرا آگے بڑھ کر فرمایا کہ بچیاں مصافحہ نہیں کیا کرتیں۔ اس کے بعد میں نے کبھی مصافحہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔'' (مصباح دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۴۷)

حضور کے مزاج کی شگفتگی اور شفقت کے نظارے قدم قدم پر ملتے ہیں۔ محترم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب اپنی

یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۴۳ء میں خاکسار نے ایم۔اے پاس کیا۔ اسی سال جولائی اگست کے مہینوں میں مجھے حضرت ...... خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ...... کے ہمراہ ڈلہوزی پہاڑ پر جانے کا شرف حاصل ہوا...... اکثر سیروں میں حضور کی معیت اور قرب سے لطف اندوز ہوتا یہ حضور کی ذرہ نوازی تھی کہ حضور ہر معاملے میں نوجوانوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ ان کے معاملات میں دلچسپی لیتے ...... ایک موقعہ پر علم النفس اور اس کے ماہرین کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ خاکسار کو چونکہ علم النفس سے دلچسپی رہی ہے۔ اس لئے حسب عادت سوالات کی بھرمار کردی۔ حضور اقدس ''ڈلہوزی'' کی ایک چوٹی ''دیان کنڈ'' کی طرف جاتے ہوئے قافلے سمیت چڑھائی پر چڑھ رہے تھے۔ سانس پھول رہا تھا مگر میں اپنے سوالات کا جواب حاصل کرنے میں اس قدر بے تاب تھا کہ سوالات پر سوالات کئے جاتا ...... کچھ عرصہ تو حضور باوجود ایسی حالت کے جواب دیتے رہے اور آخر جب چڑھائی زیادہ سخت ہوگئی اور خاکسار سوال سے باز نہ آیا تو فرمایا: ''بھاڑ میں جائے تمہارا ڈاکٹر فرائیڈ۔ میرا سانس تو ٹھیک ہو لینے دو۔'' بس کچھ اسی مفہوم کے الفاظ تھے...... تب مجھے اپنی گستاخی کا احساس ہوا مگر ساتھ ہی حضور کی شفقت کا بھی احساس ہوا کہ اتنی دیر تک حضور سانس پھولنے کی حالت میں بھی اس ذرہ ناچیز کے سوالات کے جواب دیتے رہے۔''

(خالد دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۴۳)

مکرم پروفیسر صاحب ایک اور دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک موقعہ پر ''کھجیار'' میں حضور نے رات کا قیام کیا۔ خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ میں خانساماں کو کھانا تیار کرنے کا آرڈر دوں اور فرمایا کہ مینو مجھے دکھالینا۔ میں نے خانساماں سے پوچھا کہ کیا مینو ہوگا۔ اس نے کئی چیزیں لکھوائیں اور آخر میں لکھوایا کہ ایک ڈش ''پوٹین'' کی ہوگی اس سے دراصل حلوہ (Pudding) مراد تھی۔ خاکسار نے سمجھا کہ پوٹین کوئی خاص قسم کی لذیذ ڈش ہوگی ...... خیر میں نے مینو میں پانچویں چھٹے نمبر پر پوٹین لکھدیا اور پوٹین شیشہ جوڑنے کے مصالحہ کو کہا جاتا ہے۔ جب میں نے وہ مینو حضور کے سامنے پیش کیا تو کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ فرمایا تو اچھا ہمیں پوٹین بھی کھلاؤ گے...... حضور نے سب کو یہ لطیفہ سنایا۔ کئی دن تک میرا خوب ہی مذاق بنارہا۔''

(خالد دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۴۴)

ایک بار حضور نے اپنے صاحبزادگان کو کھجیار کی سیر کی اجازت دی اور مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب کو قافلے

کا امیر مقرر کر کے سو روپے اخراجات کے لئے دیئے جسے مکرم پروفیسر صاحب بہت سنبھال کر خرچ کرتے رہے۔ اس سیر کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''......کھجیار سے واپسی پر ایک پستہ قد بونا بخشیش مانگتا ہوا ہمارے پیچھے دوڑا۔ میرے پاس ٹوٹے ہوئے نہ تھے۔ دس روپے کا نوٹ میں اس بونے کو دے نہ سکتا تھا۔ میں نے صاحبزادگان میں سے ایک سے انلباً میاں رفیع احمد صاحب سے ایک روپیہ قرض لے کر بونے کو دے دیا کہ وہ پیچھا چھوڑے......واپس آ کر جو میں نے حضور کی خدمت میں اخراجات کا حساب پیش کیا اس کے آخر میں بونے والے ایک روپیہ کا بھی تذکرہ تھا اور لکھا تھا کہ ''ایک روپیہ بونے کو دینا پڑا''۔ اب اس فقرہ پر حضور نے میر امذاق بنا لیا اور کئی مجلسوں میں اس کا تذکرہ فرمایا مثلاً فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بونے نے بشارت کو زمین پر گرا لیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور گلا دبا لیا اور جب تک ایک روپیہ نہ نکلوا لیا نہ چھوڑا۔

''حضور کی مجالس جہاں تقدس، روحانیت اور اخلاق کا مرقع ہوتی تھیں وہاں زندہ دلی کا رنگ بھی لئے ہوتیں۔ اپنے دوستوں اور خدام سے اکثر پاکیزہ مذاق فرماتے کہ مجلس کشت زعفران بن جاتی۔

''اس تھوڑے عرصہ میں جو میں حضور کے قریب رہا میں نے حضور کو بہترین مربی، معلم اور بہترین امام پایا جو اپنے خدام پر بے مثال رعب بھی رکھتا ہو اور ساتھ ہی اس نے بری طرح سے محبت کی زنجیروں میں بھی انہیں جکڑا ہوا ہو......بس وہی مثال صادق آتی ہے جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں یوں تذکرہ فرمایا ہے کہ......تمہارے بہترین امام وہی ہوں گے کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔'' (خالد دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۴۵، ۱۴۶)

محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضور کے متعلق ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

''میں بجا طور پر فخر کر سکتا ہوں کہ میرا آقا اس وقت روئے زمین کا بہترین انسان ہے۔ وہ نہ صرف دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں احمدیوں کا ہی محبوب ہے بلکہ ہزاروں لاکھوں دیگر اصحاب کی بھی عقیدت کا مرکز ہے......حضور خود بھی صاف گو ہیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اصلاح کرنے کے وعدے کرنے والے کو معاف کرنے میں بھی دل کے حلیم ہیں اور محبت کرنے والی ماں کی طرح اگر کبھی کسی پر اظہار ناراضگی بھی فرمایا ہے تو دوسرے موقعہ پر اس پر وہ مہربانی فرمائی ہے کہ اس کے لئے حضور کے کسی سزا کے فیصلہ کا خیال کرنا بھی اسے خود شرمندہ

کرنے کا موجب ہوتا ہے اور حضور کی تجویز کردہ سزا اگرچہ اس کا نام سزا ہی رکھا جا سکتا ہے لیکن حقیقت میں اصلاح نفس کی ایک اہم سیڑھی ہوتی ہے۔'' (خالد ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۵۴)

حوصلہ:

اللہ تعالیٰ نے حضور کو حوصلہ بھی اس قدر وسیع دیا تھا کہ حقیقت اور صحیح فیصلہ پر پہنچنے کے لئے ملزم کو آخری حد تک موقعہ عطا فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ایک دفعہ ایک نوجوان کے ذمہ حسابی طور پر کچھ رقم واجب الادا ثابت ہوئی تو حضور نے اس کے قریبی عزیز کو حسابات دیکھنے کا موقعہ دیا اور ہر ممکن سہولت پہنچائی اور یہ فیصلہ فرمایا کہ نوجوان کی اس غلطی میں اس کے قریبی عزیز بھی ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے اس کے حالات کا جائزہ نہیں لیا اور اس سے معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ اچانک ان کے عزیز کے اخراجات میں جو نمایاں اضافہ ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کو اچانک کہاں سے اتنی آمد ہوگئی ہے۔ اس لئے سلسلہ کی اس رقم میں ان کو بھی ذمہ دار قرار دیا لیکن اس کے باوجود جب حضور کو معلوم ہوا کہ اس نوجوان کے عزیزوں کی مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ سارا بوجھ برداشت کر سکیں تو ممکن وصولی کے بعد کچھ رقم کو حضور نے معاف بھی فرما دیا۔

ایک دوسرے موقعہ پر حضور نے ملزم کے والد کو ہی ثالث تسلیم کر لیا تا کہ اسے بھی تسلی ہو جائے کہ اس کے بیٹے پر الزام غلط نہیں ہے اور اس کے لئے بدظنی کا موقعہ نہ رہے...... (خالد دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۵۵)

محترمہ حیات بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری بیان کرتی ہیں:

''جن دنوں میری بیٹی امۃ الحفیظ اور داماد سید عباس علی شاہ سندھ رہتے تھے۔ حضرت اقدس ہر سال سندھ کی زمینوں پر تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کی کہ حضور امۃ الحفیظ کو ساتھ لے آنا۔ میرا دل اُداس ہے۔ فرمایا اچھا اس کو لکھ دو میں لے آؤں گا۔ ایسے ہی پھر ایک دفعہ میں نے عرض کی کہ حضور امۃ الحفیظ کو ساتھ لے آنا۔ ہنس کر فرمایا ہر دفعہ میں ہی لاؤں۔ میں نے کہا شاہ صاحب کو چھٹی نہیں ملتی اور کون لائے کس کو کہوں۔ میری طرف دیکھ کر فرمایا آپ فکر نہ کریں میں ساتھ لے آؤں گا۔ چنانچہ جب بھی موقعہ آیا حضور نے باپ کی طرح دلداری کی۔ سبحان اللہ کیسی حلیم و فہیم طبیعت تھی کسی کو ملول نہیں دیکھ سکتے تھے۔'' (مصباح نومبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۴۰)

محترم احمد منیر خواجہ صاحب فرینکفرٹ مغربی جرمنی لکھتے ہیں:

''حضور اقدس کی یتیموں اور لاوارثوں کی دلداریاں سلسلہ کے بزرگوں اور صحابہ کی خاطر داریاں سلسلہ کے ہر فرد سے محبت اور سلوک، مجاہدوں، مبلغوں، واعظوں اور نشر و اشاعت

کے محکمہ کی قدر دانیاں یہ سب ایسی باتیں ہیں جو کہ بہت کم ایک ساتھ کسی انسان میں پائی جاتی ہیں۔ ایک دفعہ جبکہ حضور اقدس نے ناصر آباد جاتے ہوئے کچھ دیر حیدر آباد میں قیام فرمایا...... تمام جماعت صبح ہی صبح سٹیشن پر پہنچی تو میں حضور اقدس کے ڈبے کے بالکل سامنے کھڑا تھا حضور اقدس ڈبہ سے باہر تشریف لائے اور پیدل چلنے لگے۔ میں بھی آپ کے بہت قریب ہوکر ساتھ ساتھ چلنے لگا...... جب میری باری آئی اور میں نے مصافحہ کیا تو مولوی برکت اللہ صاحب شاہد (جو اس وقت مربی سلسلہ حیدر آباد میں تھے) نے کہا یہ خواجہ غلام نبی مرحوم سابق ایڈیٹر الفضل کے لڑکے ہیں۔ حضور اقدس مسکرائے اور فرمایا اچھا جن کی شادی پچھلے سال ہوئی ہے۔ مَیں نے مؤدبانہ عرض کیا حضور شادی نہیں صرف نکاح ہوا ہے۔ اس پر حضور اقدس کھلکھلا کر ہنس پڑے اور پھر نہایت ہی شفقت سے فرمایا اسی کو شادی کہتے ہیں۔'' (مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۸)

حضور اپنے خدام پہ شفقت کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا بھی گہرا خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے تمام خدام کے بیان کردہ واقعات سے بخوبی ہوتا ہے۔ مکرم فضل الرحمٰن نعیم صاحب نخلہ (جابہ) کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''......نخلہ میں باغ کے علاوہ دودھ اور بعض دوسری اشیاء فراہم کرنے کا کام میرے سپرد تھا ایک بزرگ سید مہتاب شاہ صاحب میرے ساتھ تھے۔ نخلہ کی زمین ریتلی سی ہے اور وہاں جو پانی پودوں کو دیا جاتا تھا وہ شام تک بالکل خشک ہو جاتا۔ چار بجے جب حضور سیر کے لئے آتے تو ناراض ہوتے کہ تم لوگ کام بالکل نہیں کرتے اور ماشکی سے پانی نہیں ڈلواتے اس طرح تو پودے سوکھ جائیں گے...... آخر ایک روز میں نے ماشکی سے کہا کہ تم صبح ۹ بجے کی بجائے ۲ بجے دوپہر پانی دینا شروع کیا کرو تا کہ جب ۴ بجے حضور آئیں تو کہیں نہ کہیں تو پانی نظر آئے۔ دو چار روز ہم ایسا کرتے رہے...... تیسرے چوتھے روز فرمانے لگے تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے نہیں پتہ کہ پانی تو اتنا ہی ملتا ہے جتنا پہلے تھا اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس سے زیادہ پانی نہیں دیا جا سکتا لیکن میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم عقل سے کام لے سکتے ہو یا نہیں۔

''......ایک روز فرمانے لگے کہ تین چار سو گملے خوشاب سے لاؤ...... اگلے روز میں نے عرض کی کہ حضور چالیس پچاس گملے کافی ہیں۔ زیادہ لانے پر بہت خرچ اُٹھے گا۔ فرمانے لگے پہلا کام اطاعت ہے پہلے حکم مانو بعد میں دلیلیں دینا۔'' (مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۶)

محترمہ امۃ القیوم صاحبہ اہلیہ محترم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ سنگاپور لکھتی ہیں:

''ایک دفعہ میں اپنی بڑی بہن کے ساتھ حضور کی زیارت کے لئے گئی تو حضور نے آپا سے سوال کیا کہ تم احمدی کیوں ہو؟ آپا نے کہا میرے والدین جو احمدی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہی جواب دوسرے لوگ دیتے ہیں کہ ہم اپنے آباؤ واجداد کا دین کیوں ترک کریں اس لئے یہ جواب درست نہیں بلکہ ہر ایک کو اپنی جگہ سچائی کو پرکھنا چاہئے اور ساتھ ہی آپ نے دُعا کا طریق بھی بتایا۔ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نفل ادا کر کے اتنی دفعہ درود شریف، الحمد (کچھ اور بھی فرمایا جو یاد نہیں) پڑھیں اور یہ دُعا مانگیں کہ اے اللہ تعالیٰ اگر حضرت مسیح موعودؑ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو مجھے بتا دے اگر نہیں تو صحیح راستہ پر میری رہنمائی فرما۔'' (مصباح نومبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۸۴)

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب جو حضرت مصلح موعود کے ذاتی معالج تھے اور معالج بھی وہ جو آخر میں تو اپنا گھر چھوڑ کر سالہا سال مستقل حضرت مصلح موعود کے ہاں آپ کے برابر والے کمرے میں رہائش پذیر رہے لکھتے ہیں:

''میرا پچاس سالہ مشاہدہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے بیشتر حصہ کو حضرت ...... خلیفۃ المسیح الثانی سے انتہائی درجہ کی محبت ہے اور یہ ایسی محبت ہے کہ بجز جذب خاص، دوسروں کے دلوں میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ نیز جب تک محبوب کے دل میں اپنے محبوں کے ساتھ دلی محبت نہ ہو ایسا جذب پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس آپ کا حسن باطنی آپ کی قوت جاذبہ ہے اور آپ کی اپنی جانب سے محبت جماعت کے آپ کے لئے والہانہ محبت رکھنے سے بین طور پر ثابت ہے۔ ۱۹۴۴ء میں لاہور کے جلسہ مصلح موعود سے خطاب کرتے ہوئے حضور نے خود بھی فرمایا تھا کہ اگر میں اس وقت احباب جماعت کو اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے کہہ دوں تو بلا دریغ وہ ایسا کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔'' (خالد دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۳۶)

حضور چھوٹی چھوٹی باتوں کا جس طرح خیال رکھتے تھے مختلف لوگوں کے بیان کردہ واقعات ان باتوں سے پردہ ہٹاتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کا ہی بیان ہے:

''اسی سفر کا واقعہ ہے یعنی ۱۹۲۴ء کا سفر کہ جب ہم روم میں تین روز کے لئے رُکے تو حضور کے لئے نقاہت کے پیش نظر عام کھانے کے علاوہ ایک چوزہ کا سالن تیار کروایا گیا۔ حضور کے ساتھ خان صاحب ذوالفقار علی خان اور یہ عاجز بھی بیٹھے تھے کیونکہ حضور والے ہوٹل میں ہم دونوں ہی مقیم تھے۔ حضور نے چوزہ کے سالن والے ڈش سے کچھ حصہ اپنی پلیٹ میں لے کر ڈش ہماری طرف سرکا دی۔ ہم نے سوچا کہ یہ بقیہ چوزہ حضرت میاں شریف احمد صاحب کو بھیج دیں گے۔

اس لئے ہم نے اپنی پلیٹوں میں صرف عام سالن ہی ڈالا۔ حضور نے ابھی چند لقمے ہی کھائے تھے کہ کھانا چھوڑ دیا اور ہم سے اظہار ناراضگی فرمایا کہ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ اپنے ساتھ بیٹھ کر کھانے والوں سے امتیاز رکھوں کہ کوئی خاص کھانا صرف میں ہی کھاؤں دوسرا کوئی نہ کھائے۔‘‘

حضور قانون کی پابندی مکمل طور پر خود بھی کرتے تھے اور دوسروں سے بھی کرواتے تھے۔ مثلاً ریل پر سفر کرتے ہوئے اس امر کا خصوصی سے جائزہ لیتے کہ کرایہ پوری شرح سے ادا ہو۔ مثلاً اگر کسی بچہ کی عمر ساڑھے بارہ سال ہوگئی تو خواہ وہ بظاہر چھوٹا ہی نظر آئے اس کا پورا ٹکٹ خریدنے کو کہا۔ ۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے کہ آپ ڈاکٹری مشورہ کے مطابق تبدیلی آب وہوا کے لئے کشمیر تشریف لے گئے۔ وہاں سرینگر میں آپ نے ایک ہاؤس بوٹ میں رہائش رکھی اور اپنے لئے مچھلی کے شکار کا لائسنس بھی بنوالیا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب ایک سیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’...... مجھے اس نالہ میں جہاں ہماری کشتی ٹھہری تھی مچھلی بہت معلوم ہوئی۔ میں نے اس بناء پر کہ لائسنس تو ہمارے پاس ہے ہی مچھلی کے لئے کنڈی ڈال دی اور دو چھوٹی مچھلیاں پکڑ لیں۔ حضور نے مجھے تو کچھ نہ بتلایا مگر میرے نام لائسنس منگوا کر چپکے سے میرے کوٹ کی جیب میں رکھوا دیا۔ جب اگلے روز میں نے کنڈی ڈالی تو حضور نے میرے پاس سید محمود اللہ شاہ صاحب مرحوم کو جو اس سفر میں بطور پرائیویٹ سیکرٹری ہمراہ گئے تھے۔ بازپرس کے لئے بھیجا کہ آپ بغیر لائسنس کے مچھلی پکڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا حضور کا لائسنس جو ہے اور مچھلی بھی حضور کے لئے پکڑ رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ حضور کے لائسنس پر آپ کو مچھلی پکڑنے کا حق نہیں ہے۔ پر ذرا وقفہ سے کہا کہ آپ یونہی کہتے ہیں کہ آپ کا لائسنس نہیں ہے ذرا جیب میں تو دیکھیں۔ میں نے نہ معلوم کیوں جیب میں ہاتھ ڈالا اور میں حیران ہوا کہ جیب سے میرے نام کا لائسنس نکل آیا۔ اس وقت میں سمجھ گیا کہ میرے کنڈی ڈالنے کو حضور نے قانون کے خلاف جانا اور مخفی طور پر اسی وقت میرے نام کا لائسنس خرید کر لطیفہ............ کے لئے چپکے سے میرے کوٹ کی جیب میں ڈلوا دیا اور مجھ سے جواب طلبی شروع کر دی۔ غرض بڑے لطیف رنگ میں حضور نے مجھے قانون کی خلاف ورزی پر تنبیہہ فرما دی اور میرے احساسات کا پورا خیال رکھا۔‘‘ (خالد دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷)

حضور کے حلم کے بارہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

’’محمد آباد سٹیٹ سندھ میں ایک دفعہ ایک مقامی کارکن نے حضور کی خدمت میں لطیفہ کے رنگ میں بیان کیا کہ فلاں کارکن کہہ رہا تھا کہ ’یار و جب حضرت صاحب ناراض ہوتے ہیں تو مجھے بہت مزہ آتا ہے‘ یہ بظاہر بڑی نرالی بات ہے لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ حضور کے دل کا حلیم‘‘

ہونے کی بیّن دلیل ہے۔یعنی حضور خفا تو ہوتے ہیں اور غصہ کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن کوئی سخت سزا نہیں دیتے بلکہ جلد معاف کر دیتے ہیں اور دلجوئی کرنے لگتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ کرنے لگتے ہیں۔'' (خالد دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۳۷)

۱۹۴۷ء کے بعد حالات بہت تنگ تھے لیکن حضرت مصلح موعود کی نظریں صرف اپنے خدا کی طرف اٹھتی رہیں اور کسی انسانی وسیلہ کی طرف توجہ نہ گئی۔آپ فرماتے ہیں:

''ہم جب قادیان سے آئے اس وقت ہمارے خاندان کی تمام جائیدادیں پیچھے رہ گئی تھیں اور ہمارے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا۔بعض دوستوں کی امانتوں کا صرف نوسو روپیہ میرے پاس تھا۔ ادھر ہمارے سارے خاندان کے دوسو کے قریب افراد تھے اور ان میں سے کسی کے پاس روپیہ نہیں تھا۔اس حالت میں بھی میں نے یہ نہیں کیا کہ لنگر سے کھانا منگوانا شروع کردوں بلکہ میں نے سمجھا کہ وہ خدا جو پہلے دیتا رہا ہے اب بھی دے گا۔چنانچہ میں نے اپنے خاندان سے کہا کہ تم فکر مت کرو سب کا کھانا اکٹھا تیار ہوا کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔اپنے خاندان کے تمام افراد کے کھانے کا انتظام میں نے کیا اور برابر کئی ماہ تک اس بوجھ کو اٹھایا......اس عرصہ میں وہ لوگ جن کا روپیہ میرے پاس امانتاً پڑا ہوا تھا وہ بھی اپنا روپیہ لے گئے اور ہمیں بھی خدا نے اس طرح دیا کہ ہمیں بھی کبھی محسوس نہیں ہوا کہ ہم کوئی اور تدبیر ایسی اختیار کریں جس سے ہماری روٹی کا انتظام ہو۔میں جب تک لاہور نہیں پہنچا ہمارے خاندان کے لئے لنگر سے کھانا آتا رہا تھا مگر جہاں تک مجھے علم ہے اس کی بھی لنگر کو قیمت ادا کر دی گئی تھی اور اس کے بعد اپنے خاندان کے دوسو افراد کا بوجھ اٹھایا حالانکہ اس وقت ماہوار خرچ کھانے کا کئی ہزار روپیہ تھا۔خدا دیتا چلا گیا اور میں خرچ کرتا چلا گیا ......میں نے خدا تعالیٰ سے کبھی سوال نہیں کیا کہ تو مجھے کیا دے گا اور خدا تعالیٰ نے بھی میرے ساتھ کبھی سودا نہیں کیا۔میں نے خدا تعالیٰ سے یہی کہا کہ مجھے ملے نہ ملے میں تیرا بندہ ہوں اور میرا کام یہی ہے کہ میں تیرے دین کی خدمت کروں۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۲۷، ۲۸)

یہاں ایک لطیفہ یاد آرہا ہے کہ ان تنگی کے ایام میں وسائل کی کمی کی وجہ سے حضور نے سب کا راشن مقرر کردیا تھا کہ فی کس ایک روٹی ملے گی۔ایک بار صاحبزادی امۃ الباری بیگم بنت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب حضرت مصلح موعود کو دبا رہی تھیں تو حضور نے فرمایا ''باری ذرا زور سے دباؤ کیا جسم میں جان نہیں'' تو اپنی طبیعت کے مطابق بہت بے تکلفی سے کہنے لگیں چچا ابا! ایک روٹی کھا کے تو اتنی جان ہی ہوگی۔حضور یہ سُن کر ہنس پڑے اور راشن بڑھانے کا حکم دے دیا۔

صرف خاندان کا ہی اُن دنوں میں خیال نہیں رکھا بلکہ ساری جماعت اور عام مسلمانوں کا بھی بہت خیال رکھا۔
مولانا جلال الدین شمس صاحب نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی پہلی رپورٹ میں اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

''حضرت ...... نے اپنے خدام کی تکالیف کو دیکھا اور ان کے مصائب کو سُنا اور ہر ممکن ذریعہ سے نہ صرف سلسلہ کی طرف سے بلکہ ذاتی طور پر بھی ان کی دلجوئی کے سامان کئے ...... مخیّر اصحاب سے کپڑے مہیا کرائے اور سلسلہ کے اموال کو بے دریغ خرچ کر کے ان کو فقر و فاقہ کی حالت سے بچایا۔ بیماروں کے لئے ادویات اور ڈاکٹروں کا انتظام کروایا ...... غرض ہزاروں لاکھوں برکات اور افضال نازل ہوں اس محبوب اور مقدس آقا پر جس نے ایسے روح فرسا حالات میں اپنے خدام کی دستگیری فرمائی۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۲)

اسی طرح عام مسلمانوں کے لئے بھی یہ فیض جاری تھا ''فتح گڑھ چوڑیاں'' میں مسلمان محصور تھے اور خوراک کی کمی کی وجہ سے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے چنانچہ صدر انجمن احمدیہ کے ملکیتی طیارہ کے ذریعہ ان کو روٹیاں پہنچائی گئیں اور حوصلہ افزاء پیغام بھجوائے گئے۔ چنانچہ اخبار انقلاب نے خبر شائع کی۔ ''پناہ گزینوں پر روٹیوں کی بارش'' اور ''احمدی طیارے کا کارنامہ''۔ اسی طرح عام پناہ گزینوں کو سردیوں کے کپڑے اور بستر وغیرہ مہیا کرنے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''تمام جماعتوں اور پریذیڈنٹوں کو اپنی رپورٹ میں اس بات کا ذکر کرنا چاہیئے کہ انہوں نے اس ہفتہ یا اس مہینہ پناہ گزینوں کی کیا خدمت کی ہے۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۰)

حضور کی بلندیٔ کردار کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ۱۹۵۳ء کے فتنۂ احرار کے دنوں میں D.S.P صاحب ربوہ قصر خلافت کی تلاشی کے لئے بھیجے گئے لیکن ان کو قصر خلافت کی تلاشی لینے میں تأمل تھا لیکن حضور نے ان کو تلاشی کے لئے مجبور کیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

''انہی ایام میں ...... سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع جھنگ ڈی ایس پی کو ساتھ لے کر میرے مکان کی تلاشی کے لئے آئے ...... مجھے کہنے لگے ہمیں حکم تو یہ ہے کہ عورتوں والے حصہ کی بھی تلاشی لی جائے مگر مجھے کسی تلاشی کی ضرورت نہیں۔ میں گورنمنٹ کو لکھ دوں گا کہ میں نے تلاشی لے لی ہے۔ میں نے کہا اگر آپ ایسا کریں گے تو میں اخبار میں اعلان کر دوں گا یہ بالکل غلط ہے۔ انہوں نے کوئی تلاشی نہیں لی۔ آپ اندر چلیں اور ایک ایک چیز کو دیکھیں تاکہ آپ کے دل میں کوئی شبہ نہ رہے۔ چنانچہ وہ اندر گئے اور انہوں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کہا کہ وہ کاغذات دیکھ لیں۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۱۶ صفحہ ۲۵۰)

مکرم محترم حضرت مرزا عبدالحق صاحب حضور کی سیرت کے بارہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل اللہ کا خاص امتیاز ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے......عبادتِ الٰہی کی وجہ سے شروع سے ہی آپ کو پہلی مرتبہ ۱۹۱۳ء کی گرمیوں میں شملہ میں دیکھا......میری عمر اس وقت ۱۳ سال تھی......آپ میں ایک خاص کشش تھی جس نے اس زمانہ میں بھی مجھ پر بہت اثر کیا......غض بصر کی آپ کو یوں بھی بڑی شدت سے عادت تھی۔ میں نے آپ کی آنکھیں کبھی پوری کھلی ہوئی نہیں دیکھیں ہمیشہ نیم بند رہتی ہیں اور نگاہ نیچے رہتی ہے اور اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے اور اس کے ساتھ چہرے پر حیا اور حسن نمایاں ہوتا ہے گویا ایک کنواری والی کیفیت ہوتی ہے لیکن نمازوں میں آنکھیں اور بھی کم کھلی رہتی ہیں اور سجدہ گاہ کی طرف نگاہ رہتی ہے......آپ کی زندگی ایک مسلسل عبادت یا دعا ہی نظر آتی ہے۔آپ کے ہر کام کا احاطہ اسی نے کیا ہوتا ہے۔کیسی مبارک زندگی ہے اور کیا مبارک کام۔آپ کی سیرت کا ایک اور پہلو جو میں اس وقت اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔آپ کا جذبہ خدمتِ دین ہے۔ یہ جذبہ آپ میں نہایت درجہ غیر معمولی کیفیت رکھتا ہے۔ یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہوگا کہ آغاز جوانی سے ہی آپ اپنی ساری جان اور سارے دل اور ساری ہمت کے ساتھ خدمتِ دین کے لئے وقف ہوگئے......۱۹۱۴ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا۔پھر تو بس خدمت کا سیلاب اُمڈ آیا۔تحریروں سے،تقریروں سے، مبلغین کے تیار کرنے اور ان کے باہر بھیجنے سے، علمی کتب کی تصانیف سے، قرآنی علوم و معارف کے بکھیرنے سے جماعت کو ہر پہلو سے مضبوط کرنے سے، معاندین کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے سے، بیرونی خطرات کے وقت جماعت کی راہنمائی کرنے سے......کی سربلندی کے لئے ہر قدم اُٹھانے سے غرضیکہ ہر ممکن طریق سے آپ نے خدمتِ دین کے اس بے پناہ جذبہ کا ثبوت دیا جو خدا تعالیٰ کے نہایت درجہ فضل کے ساتھ ہی ملتا ہے......آپ کی سیرت کا ایک پہلو یہ بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا کھانا پینا، لباس اور طرزِ رہائش نہایت سادہ اور ہر قسم کے تکلف سے الگ ہوتے...... مجھے آپ کے ساتھ پچاسوں مرتبہ کھانا کھانے کا موقعہ ملا اس میں ہمیشہ سادگی پائی۔ مہمانوں کا اکرام ضرور مدنظر رکھا جاتا لیکن سادگی والا حصہ بھی قائم رہتا......یہ بھی میں نے ہمیشہ دیکھا کہ آپ کھانا بہت کم مقدار میں کھاتے......لباس میں بھی آپ سادگی رکھتے تھے اور کسی قسم کا تکلف پسند نہیں کرتے......آپ کی طرزِ رہائش بھی بہت سادی رہی۔آپ کے بیٹھنے اور سونے کا کمرہ آرائش اور زیبائش سے خالی ہوتا......آپ فرش پر بیٹھتے سوائے اس کے کہ مہمانوں سے

ملاقات کی خاطر صوفہ یا کرسی پر بیٹھیں خدام کے ساتھ نہایت بے تکلفی سے بیٹھتے اور گفتگو فرماتے۔ گفتگو میں لطائف کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ ربوہ آ کر آپ خاصہ عرصہ کچے مکانوں میں رہے جو آرام کے سامانوں سے قطعی خالی تھے لیکن آپ کی کسی بات سے معلوم نہ ہوتا کہ آپ کے نزدیک یہ بھی کوئی کمی ہے...... میں نے آپ کے چہرہ پر ہمیشہ عجز دیکھا۔ اگرچہ انتظامی معاملات میں آپ کو سختی بھی کرنی پڑتی ...... آپ عالی حوصلگی کی صفت پوری شان سے رکھتے ہیں۔ معاملہ کرتے وقت فراخدلانہ معاملہ کرنا، تعلق کو پالنا اور وفاداری آپ کے اخلاق میں داخل ہیں۔"

(خالد ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۳)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

"ایک شفیق مگر دور اندیش باپ تھے۔ لڑکوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ (لڑکیوں پر بظاہر زیادہ نرمی) لڑکوں کے اپنی آرزوؤں کے مطابق خادم دین بننے اور خدمت ...... کے لئے کمربستہ سپاہی بنا رہنے کی آپ کو دلی خواہش تھی۔" (خالد سیدنا محمود نمبر جون، جولائی ۲۰۰۸ء)

ایک اور جگہ آپ فرماتی ہیں:

"وہ عاشق رب کریم تھے۔ توحید کو مضبوطی سے پکڑنے والے ان کی زندگی موت سب کچھ اپنے مولا کے لئے تھا۔ غصہ آتا غلط کاموں پر اکثر بہت جھنجھلا جاتے مگر فوراً نرم پڑ جاتے۔ ان کا غصہ تادیبی رنگ رکھتا تھا۔ اس میں گہرائی بالکل نہیں تھی۔ دل کا حلیم اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرما دیا تھا کہ آخر وہ کام کرے گا۔ کام لے گا تو غصہ بھی آئے گا مگر یاد رکھنا کہ وہ "دل کا حلیم" ہوگا۔ مجھ پر تو ساری عمر میں ایک بار بھی خفا نہیں ہوئے ہیں۔ مَیں نے تو ان کو محبت کا چشمہ ہی پایا۔"

(خالد جون، جولائی ۲۰۰۸ء صفحہ ۹۵)

افراد جماعت سے محبت کے قصے تو حضور کی ساری زندگی میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ صرف محبت نہیں بلکہ ان کے لئے بہت گہرا دردمندی کا احساس رکھتے تھے۔ حضرت چھوٹی آپا صاحبہ بیان فرماتی ہیں:

"جس دن ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم کی وفات ہوئی اتفاق سے میرے گھر کوئی لجنہ کی تقریب تھی ...... چائے پی رہے تھے کہ اچانک تار کے ذریعہ خادم صاحب کی وفات کی اطلاع ملی۔ اوپر سے مجھے آواز دی اور بلوایا اور کہنے لگے کہ خادم صاحب کی وفات ہوگئی ہے۔ سلسلہ کے ایک دیرینہ خادم کا جنازہ آ رہا ہے اور تم سب نیچے چائے پی رہے ہو۔ سب کو رخصت کرو اور ساتھ ہی انتہائی غم کا اظہار کیا......" (الفضل ۲۵ / مارچ ۱۹۶۶ء)

حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے والے کمزور سے کمزور انسان کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ بیان کرتی ہیں:

''قادیان کا ذکر ہے۔ میری شادی کے شاید ایک سال بعد کا۔ حضور نماز پڑھ کر ......مبارک سے آ رہے تھے۔ حضرت اماں جان کے صحن میں کسی گاؤں کی ایک بوڑھی عورت آپ کے انتظار میں کھڑی تھی۔ آپ سے اس نے بات شروع کردی...... حضور کھڑے ہوئے توجہ سے سنتے رہے۔ میری طبیعت خراب تھی۔ میں کھڑی نہ رہ سکی پاس تخت پر بیٹھ گئی۔ جب وہ عورت بات ختم کر کے چلی گئی تو آپ نے فرمایا تم کیوں بیٹھ گئی تھیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے ابتدائی ماننے والوں اور قربانی کرنے والوں میں سے ہیں۔ میں تو اس کے احترام کے طور پر کھڑا ہوگیا اور تم بیٹھ گئیں۔ میں نے بتایا کہ میری طبیعت بہت خراب تھی۔ آپ نے فرمایا طبیعت خراب تھی تو تم چلی جاتیں۔ اس واقعہ سے بھی آپ کو جو جماعت کے لوگوں سے محبت تھی اس پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی کہ آپ اصلاح اور تربیت کے کسی موقعہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے......''

(الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۶۶ء)

دین کی غیرت اور محبت کی جو کیفیت تھی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ فرماتی ہیں:

حضور نے ۱۹۳۹ء میں ایک عہد کیا تھا جو حضور کی ایک نوٹ بک میں جو حضور عموماً اپنے کوٹ کے اندر کی جیب میں یادداشت وغیرہ لکھنے کے لئے رکھا کرتے تھے آپ کے قلم سے درج ہے اور وہ یہ ہے:

آج چودہ تاریخ (مئی ۱۹۳۹ء) کو میں مرزا بشیر الدین محمود احمد اللہ تعالیٰ کی قسم اس پر کھاتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سیّدہ میں سے جو بھی اپنی زندگی سلسلہ کی خدمت میں خرچ نہیں کر رہا میں اس کے گھر کھانا نہیں کھاؤں گا اور اگر مجبوری اور مصلحت کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے تو میں ایک روزہ بطور کفارہ رکھوں گا یا ۵ روپے بطور صدقہ ادا کروں گا۔ یہ عہد سر دست ایک سال کے لئے ہوگا۔ ''مرزا محمود احمد''

(خالد ۲۰۰۸ء جون، جولائی صفحہ ۱۱۴)

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ آپ حضرت اماں جان سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ حضرت سیّدہ چھوٹی آپا صاحبہ فرماتی ہیں:

''حضرت اماں جان کی عزت و احترام کا مشاہدہ تو اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے شکایت کی کہ میرا بیٹا میرا خیال نہیں رکھتا آپ سمجھائیں۔ آپ بے اختیار رو پڑے

اور کہنے لگے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کوئی بیٹا ماں سے بُرا سلوک کر ہی کیسے سکتا ہے (حضرت اماں جان) کا خود باوجود عدیم الفرصتی کے بہت خیال رکھتے تھے اور بیویوں سے بھی یہی امید رکھتے تھے کہ وہ حضرت اماں جان کا خیال رکھیں...... سفروں میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے جس موٹر میں خود بیٹھتے اس میں اماں جان کو اپنے ساتھ بٹھاتے۔ کہیں باہر سے آتے تو سب سے پہلے حضرت اماں جان سے ملتے اور آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کرتے۔'' (جون، جولائی ۲۰۰۸ء خالد صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳)

آپ کو قرآن مجید سے عشق تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جب بھی وقت ملا تلاوت کر لی۔ حضرت سیدہ اس بارہ میں فرماتی ہیں:

''عموماً یہ ہوتا تھا کہ صبح اُٹھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر ملاقاتوں کی اطلاع ہوتی۔ آپ انتظار میں ٹہل رہے ہیں۔ قرآن مجید ہاتھ میں ہے۔ لوگ ملنے آ گئے، قرآن مجید رکھ دیا۔ مل کر چلے گئے پڑھنا شروع کر دیا...... ایسا بھی ہوتا تھا کہ صبح سے قرآن مجید ہاتھ میں ہے ٹہل رہے ہیں اور ایک ورق بھی نہیں الٹا دوسرے دن دیکھا پھر وہی صفحہ میں نے کہا کہ آپ کے ہاتھ میں قرآن مجید ہے لیکن آپ پڑھ نہیں رہے تو فرماتے ''ایک آیت پر اٹک گیا ہوں جب تک اس کے مطالب حل نہیں ہوتے آگے کس طرح چلوں۔''

ایک دفعہ یونہی خدا جانے کیا خیال آیا میں نے پوچھا کہ آپ نے کبھی موٹر چلانی سیکھی؟ کہنے لگے ہاں ایک دفعہ کوشش کی تھی مگر اس خیال سے ارادہ ترک کر دیا کہ ٹکر نہ مار دوں۔ ہاتھ سٹیئرنگ پر تھے اور دماغ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں الجھا ہوا تھا۔ موٹر کیسے چلاتا۔''

(از خالد جون، جولائی ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۱۱)

آپ انتہائی شفیق باپ تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ بچوں کی اصلاح کے لئے ان پر وقتاً فوقتاً سختی بھی کرتے تھے لیکن اس میں بھی عام طور پر ان کی عزتِ نفس کا خیال رہتا تھا۔ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ بیان کرتی ہیں:

''مجھے یاد ہے کہ قادیان میں مجھے ان کی زور سے ڈانٹنے کی آواز آئی میں اندر کمرہ میں تھی۔ ایک دم اس خیال سے باہر نکلی کہ دیکھوں کیا بات ہے کسے ڈانٹ رہے ہیں۔ حضور کسی بچہ کو پڑھائی ٹھیک نہ کرنے پر ناراض ہو رہے تھے۔ میں اسی وقت واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب اندر کمرہ میں آئے تو کہنے لگے کہ میں جب اپنے بچہ کو ڈانٹ رہا تھا تو تمہیں وہاں نہیں آنا چاہئے تھا اس سے وہ شرمندہ ہوگا کہ مجھے تمہارے سامنے ڈانٹ پڑی۔'' (خالد جون، جولائی ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۱۴)

یہ محبت اور احساس اپنی جگہ لیکن اگر محسوس کرتے کہ جماعت کے مفاد میں اپنے بچہ کو سزا دینا بہتر ہوگا تو سب کے

سامنے بچوں کو سزا بھی دیتے تھے۔ مجھے اپنے بچپن کے دو واقعات یاد ہیں ایک تو ''ڈلہوزی'' میں نے اپنے ایک بیٹے کو بدنی سزا دی تھی اس وقت حضور اپنی کوٹھی کے کھلے برآمدے میں کھڑے تھے اور حضور کی ایک خادمہ کا بیٹا بھی پاس کھڑا تھا۔سزا دینے کی وجہ کیا تھی یہ تو میں نہیں جانتی لیکن اس وقت یہ احساس ضرور تھا کہ حضور اگر یہ سزا دے رہے ہیں تو کسی بُری بات پر دے رہے ہیں۔(یہ خادمہ بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے بچپن میں آپ کی آیا کے طور پر بھی ہمارے ہاں رہتی رہی ہیں)۔دوسرا واقعہ بھی بچپن کا ہے۔ربوہ میں کچے گھروں میں جب رہتے تھے تو قریب ہی ایک کچی...... تھی جہاں آپ کے ایک بیٹے کو...... میں بوجھ اُٹھا کر کھڑے ہونے کی سزا ملی ہوئی تھی۔حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحب (مہر آپا) آپ کی سیرت کے متعلق لکھتے ہوئے بیان کرتی ہیں:

''ایک دفعہ حضرت اقدس ہم لوگوں کو رامپورہ (قادیان) پکنک کیلئے لے گئے۔جتنی دیر ہم پکنک کے لئے ٹھہرے آپ نے نہ صرف اپنے گھر والوں کا ہی خیال رکھا بلکہ کام کرنے والوں کا اس حد تک خیال کرتے رہے کہ اپنے ہاتھ سے کھانے پینے کی اشیاء اُٹھا اُٹھا کر ان لوگوں کو دیتے اور ہمیں ساتھ ساتھ نصیحت فرماتے کہ ان کام کرنے والوں کا خاص خیال رکھا کرو اور انہیں پوری آزادی دو کہ یہ لوگ بھی پکنک ہماری طرح انجوائے کریں۔اسی پکنک کے ذکر میں آپ تحریر کرتی ہیں کہ ظہر کی نماز حضور نے مردوں کے ساتھ باجماعت پڑھی اور عورتوں نے انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ذرا فاصلے سے کھیتوں کی اوٹ میں۔عورتیں نماز سے جلد فارغ ہو گئیں اور کسی بات پر کسی کی ہنسی نکل گئی۔حضور تک اس ہنسی کی آواز پہنچ گئی۔حضرت سیدہ مہر آپا فرماتی ہیں:''......آپ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار۔اس حد تک کیا کہ کم از کم دو گھنٹے تک آپ ہم لوگوں سے ریزرو رہے جب آپ کی ناراضگی کی کیفیت دور ہوئی تو میں نے کہا اب کم از کم میں پکنک کے لئے پھر نہیں آؤں گی۔اگر تمام دن کی تفریح کے بعد اس طرح کی بدمزگی انجام میں ہو تو پھر کیا فائدہ؟ خواہ مخواہ آپ کو تکلیف ہوئی۔اس پر آپ ہنس پڑے اور فرمانے لگے تم بیسیوں دفعہ میرے ساتھ پکنک پر آؤ گے اور میں بیسیوں دفعہ تم لوگوں کو سیر و تفریح کے لئے لے کر جاؤں گا مگر جہاں عبادت کا سوال ہوگا وہاں عبادت کا احترام مقدم۔جہاں دین اور سلسلہ کا سوال ہوگا وہاں پوری سنجیدگی اور اس کا احترام سب سے افضل اور اس کے لئے حمیت اور اہمیت تمام باتوں پر سبقت لے جائے گی۔اس قسم کی کوتاہیاں میرے لئے حقیقت میں ناقابل برداشت ہیں۔'' (خالد جون، جولائی ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۲۷)

حضرت سیدہ مہر آپا آپ کے بارہ میں لکھتی ہیں:

''......گھر کے ان کاموں میں بھی دلچسپی لیتے تھے جو صرف عورتوں سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

ایک دفعہ حضور نے مجھے فرمایا کہ آج موسم خوشگوار ہے (ڈلہوزی کے قیام کا ذکر ہے) اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں اپنے ہاتھ سے بریانی پکا کر کھلاؤں میں نے اسے محض مذاق سمجھا اور پھر تعجب سے بار بار پوچھا کہ کیا واقعی آپ بریانی پکا سکتے ہیں۔ اس پر آپ نے اپنے کمرہ میں بریانی پکانے کے لئے تمام سامان منگوایا...... مجھے پاس بٹھا لیا اور فرمایا اب دیکھتی جاؤ ہمارا یہ کمال بھی۔ مگر مجھے اب بھی یہ یقین نہ تھا کہ آپ خود کچھ پکا سکیں گے۔ میرا غالب خیال یہی تھا کہ ہم میں سے کسی سے پکوائیں گے لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ آپ اس کھانے پکانے کا پورا اہتمام خود ہی کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈش نہایت لذیذ تیار ہو گیا۔ پھر ہنس ہنس کر مجھے بار بار مخاطب کرتے اور فرماتے کیوں اب میرے پکانے کا یقین آیا یا نہیں..... چند ایک خاص کھانے میں نے حضور سے ہی سیکھے تھے۔'' (خالد جون، جولائی ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۳۸)

حضرت مصلح موعود کی ہر محبت کے واقعہ میں خدا اور اس کے رسول اور اس کے مسیح اور اس کی جماعت کی محبت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

حضرت سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

''حضرت ابا جان جب ویمبلے کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے گئے تو آپ نے بحری جہاز سے جو پہلا خط بھیجا وہ مجھے ابھی تک نہیں بھولا اور اس کا اثر مجھ پر ہمیشہ رہا۔ آپ کے خط کی پوری تحریر تو یاد نہیں مگر آپ کے خط کے جو الفاظ میرے دل کو گرماتے رہے وہ یہ ہیں:

جانِ پدر! آج ہم بخیریت بحیرہ عرب سے گزر رہے ہیں۔ دیارِ محبوب کی ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوائیں میرے دل و جان کو معطر کر رہی ہیں اور میرا دل اپنے آقا اور مطاع کے مولد و مدفن کے دیکھنے کے لئے بیقرار ہے۔

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے میری زبان کے لئے

تمہارا چاہنے والا باپ''

(سوانح فضل عمر حصہ ۵ صفحہ ۹۲۷)

محترمہ صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ بچوں سے پیار و محبت اور ان کی دلجوئی اور دلداری کے متعلق ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے ہم پہلی مرتبہ کشمیر گئے تو آسنور سے کوثر ناگ برف دیکھنے گئے۔ امی جان

بیمار تھیں اور حضرت (اماں جان) گھوڑوں کے سفر کی وجہ سے نہ جا سکیں۔ حضرت ابا جان مجھے اور بھائی جان کو ساتھ لے گئے تھے کہ یہ بڑے بچے ہیں دیکھ آئیں۔ راستے میں سخت اولے اور بارش ہوگئی۔ بکریوں کے ریوڑ رکھنے کے دو کمروں میں رات گزارنے کا انتظام کیا گیا۔ کمروں میں لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلا دی گئی۔ سب اپنے اپنے کپڑے نچوڑ کر سکھانے لگے۔ میں گیلے کپڑوں میں ایک طرف کھڑی تھی۔ حضرت ابا جان باہر سے خوش خوش اندر آئے۔ اچانک آپ کی نظر مجھ پر پڑی تو چہرے پر رنج کے آثار پیدا ہوئے فرمانے لگے۔ ''بی بی کپڑے نہیں سکھائے''۔ پھر اپنا دھسّہ دیا کہ یہ اوپر لے لو اور مجھے اپنے کپڑے اتار دو میں سکھاتا ہوں۔ میں نے گرم جوڑا اُتار کر دھسّہ لے لیا۔ ابا جان میرے کپڑے نچوڑنے اور سکھانے لگے۔ آپ کو سکھاتے دیکھ کر دوسروں نے کوشش کی کہ ان کے ہاتھ سے کپڑے لے کر خود سکھا دیں۔ مگر ابا جان نے ایک طرف سے خود پکڑا اور ایک طرف سے مجھے پکڑوا دیا۔ اس طرح میرا گرم جوڑا سکھا کر پھیلا دیا اور میرا بستر خود بچھا کر مجھے لٹایا۔ یہ باپ کی محبت اور خبر گیری کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت ابا جان کو اس وقت یہ خیال تھا کہ اس کی اماں اس کے ساتھ نہیں ہیں اس لئے سب سے زیادہ اور پہلے اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ان بچوں کو جن کی مائیں بچپن میں چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے حضور چلی گئی تھیں کتنا خیال رکھتے ہوں گے۔'' (سوانح فضل عمر ۵ صفحہ ۳۸۲)

حضور کے انداز تربیت کے متعلق بھی صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ لکھتی ہیں:

''بچوں سے آپ کو بہت محبت تھی۔ لڑکیوں سے اس کا اظہار بہت ہوتا مگر لڑکوں سے ان کی تربیت کے پیش نظر محبت کا زیادہ اظہار نہیں فرماتے تھے لیکن لڑکیوں سے بڑا شفقت کا انداز تھا۔ ہمیں چھوٹے بچوں کی طرح پیار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابا جان کے سامنے ہمیں آخر تک اپنا آپ بچہ محسوس ہوتا رہا۔ لڑکیوں کو مارنا نہ باپ کے لئے نہ بھائیوں کے لئے اور نہ کسی اور کے لئے پسند فرماتے بلکہ جب کوئی ایسا واقعہ آپ کے سامنے آتا تو سخت کرب و غصہ کے آثار آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوتے اور آپ فرماتے لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہئے ایسا کیوں ہوا؟ لڑکی ہو یا عورت وہ تو محبت اور پیار کی مستحق ہوتی ہے۔'' (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۳۸۳)

لیکن تمام پیار محبت کے باوجود تربیت پر گہری نظر رکھتے تھے جیسا کہ صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ نے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کو مغرب کے بعد اور دوپہر کے وقت گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ مغرب کے بعد امی جان سے پوچھ کر حضرت اماں جان کے گھر جا سکتے تھے۔ (یہ گھر بھی ساتھ ساتھ تھے اور چند سیڑھیاں اُتر کر اُمّ ناصر کے حصہ سے اماں

جان کے گھر پہنچ جاتے تھے۔باقی گھر بھی اسی طرح ملے ہوئے تھے) صاحبزادی صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ

''دوسری والدہ کے گھر بھی ابا جان کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے تھے۔باوجودیکہ عمو صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) دار المسیح میں ہی رہتے تھے وہاں دن میں بھی پوچھ کر جانے کا حکم تھا۔لڑکوں کو بھی مغرب کے بعد گھر سے باہر ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی سکول کے علاوہ دوپہر کو باہر رہنے کی۔ہم اگر کسی بڑے کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے یا سر ننگا ہوتا تو نظریں جو ہمیشہ نیچی ہی رہتیں ہماری طرف اُٹھتیں۔ان نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوتا۔اسی طرح کہنی سے اوپر آستین چڑھانے کی اجازت نہ تھی۔ہم علیحدگی میں یا کام کرتے ہوئے تو ایسا کر لیتے اگر بڑوں کے سامنے جانا ہوتا تو فوراً آستین واپس لے آتے۔اگر بڑوں کی مجلس میں بیٹھے ہوں یا اگر وہ کھڑے ہوں اور ہم بھی ان کی باتوں کو سن رہے ہوں تو جب تک بڑے خود نہ جائیں ہم وہاں سے جا نہیں سکتے تھے۔'' (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۳۸۴)

حضور نے خود بھی ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی اور اپنے بچوں کو بھی قناعت کا درس دیتے رہے۔صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ لکھتی ہیں:

''خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کے پاس بہت کچھ آیا مگر کبھی اپنے بچوں اور بچیوں کو ضرورت سے زیادہ جس کی وجہ سے عیش و عشرت اور آرام طلبی کی عادت پڑے خرچ نہیں دیا۔بس اتنا خرچ دیا جو ضرورتوں کو پورا کر سکے۔اسی طرح اپنے کسی بچے کی مالی کمزوری دیکھ کر یہ خیال نہیں ہوا کہ دوسروں کے پاس ہے اور اسکے پاس نہیں۔ہاں اگر دوسروں کو مالی لحاظ سے اچھا دیکھا یا سنا تو خوش ہوئے۔کبھی دوسرے بچوں سے اپنے بچوں کا مقابلہ نہیں کیا۔'' (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۳۸۵)

یہ بات اگرچہ درست ہے کہ حضرت مصلح موعود نے اپنے بیوی بچوں کو بہت محدود خرچ دیا اور ان کو قناعت سے زندگی گزارنے کی تلقین کی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہمیشہ ان کی بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھا ربوہ آکر بھی جبکہ حالات بھی ایسے سازگار نہیں تھے۔حضور نے سب بیویوں اور بچوں کے لئے زمین کے قطعات خرید کر ان پر مکان تعمیر کروا کر دیئے کسی شخص کے لئے ایک دو بچوں کو بھی مکان بنا کر دینا مشکل ہوتا ہے حضور نے ۴ بیویوں اور ۲۲ بچوں کے لئے زمین خریدی اور مکان بنا کر دیئے یہ اور بات ہے کہ بالکل سادہ طرز تعمیر تھا لیکن مکمل بنیادی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے لئے یہ سہولتیں اس لئے فراہم کر رہا ہوں تاکہ وہ آرام سے دینی خدمات سر انجام دے سکیں۔حضور نے صرف اپنے بچوں کا خیال ہی نہیں رکھا بلکہ تمام خاندان کا خیال ہمیشہ رکھا۔مکان کے سلسلہ میں بھی حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے لئے بھی گھر بنوایا جو صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کے پلاٹ میں ہی بنوایا

گیا تا کہ ابا جان (حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب) اکیلے نہ رہیں اور ہمارے گھر کے ساتھ ہی ان کا علیحدہ گھر ہوتا کہ ان کو یہ احساس نہ ہو کہ بیٹے کے گھر میں رہ رہے ہیں لیکن اتنا قرب ہو کہ بچے آسانی سے ان کا خیال رکھ سکیں۔

تربیت کے سلسلہ میں ہی صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں:

''میری شادی سے چند روز قبل کی بات ہے میں ایک کمرے کے دروازے میں کھڑی تھی حضرت ابا جان صحن میں ٹہل رہے تھے اور مجھے سمجھاتے جا رہے تھے۔ دیکھو تمہاری عادت ہے تم کھانے پر بہت نخرے کرتی ہو اور اکثر چیزیں تم نہیں کھاتیں۔ ماں باپ کے گھر میں تو ایسی چیزوں کا گزارہ ہو جاتا ہے وہ اپنی اولاد کے ناز نخرے اُٹھا لیتے ہیں مگر سسرال میں جا کر ایسا نہیں کرنا۔ جو ملے خاموشی سے کھا لینا وغیرہ۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ میں قریباً چھ سال چچا جان کے ساتھ رہی کبھی ایک لفظ کھانے کے متعلق منہ سے نہیں نکلا۔ میری پسند ناپسند اس عرصہ میں ختم رہی۔ کبھی لڑکیوں سے سسرال کے متعلق بات نہ پوچھی۔ اگر کبھی کوئی بات دوسروں کے ذریعے پہنچی بھی تو سنی ان سنی کر گئے۔ ہمیں اس لئے کبھی خیال نہیں آیا کہ میکے میں سسرال کی بات بھی کرتے ہیں۔''

(سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۳۸۵)

صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ آپ کی سیرت کے متعلق تحریر فرماتی ہیں:

''حضور باوجود بے حد عدیم الفرصت ہونے کے اور باوجود اس کے کہ آپ کی اولاد خدا کے فضل سے بہت زیادہ ہے سب کی تربیت اور تعلیم کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ نہایت ہی شفیق اور رحیم واقع ہوئے ہیں...... حضور کی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ بچوں کو ہمیشہ سبق آموز کہانیوں اور لطائف سے محظوظ کرتے ہوئے ان کی تربیت فرماتے ہیں۔ خود خوش رہتے ہیں اور دوسروں کو خوش رکھتے ہیں لیکن خوشی کی گھڑیوں میں بھی حقیقی مقصد کبھی آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتا۔ حضور کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مقصد آپ کے بچوں کی نگاہوں سے بھی اوجھل نہ ہو۔ شادی کے موقعہ پر میری بڑی بہن امۃ القیوم بیگم صاحبہ کو قرآن کریم پر تحریر فرمایا:

''امۃ القیوم! یہ خدا کا کلام ہے۔ میں نے سب کچھ اس سے پایا۔ تم بھی سب کچھ اس سے ہی پاؤ۔ میرے اللہ! تیرا یہ کلام میری اس بچی اور اس کی اولاد کے دل میں دائمی طور پر جاگزیں ہو......''

(سوانح فضل عمر نمبر ۵ صفحہ ۳۸۶)

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ (چھوٹی آپا) فرماتی ہیں:

''میں نے متعدد بار انتہائی مصروفیت کے باوجود آپ کو بچوں کو گود میں اُٹھا کر بہلاتے دیکھا

اورلوریاں سناتے سُنا ہے۔ گلے سے لگا کر ٹہلتے ہوئے نہایت پیارے انداز میں نہایت خوبصورتی سے آپ یہ شعر پڑھتے:

بَلَغَ العُلٰی بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

یہ آپ کے محبوب اشعار تھے جو آپ گنگنایا کرتے تھے۔ آواز اتنی پیاری تھی کہ کیسا ہی بچہ رورہا ہو فوراً خاموش ہو جاتا تھا۔" (سوانح فضل عمر نمبر ۵ صفحہ ۳۹۱)

مکرم خلیفہ صباح الدین صاحب جو حضرت سیدہ اُمّ ناصر کے بھتیجے تھے آپ کی بچوں سے شفقت کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"حضور کا شروع سے ہی میرے ساتھ مشفقانہ سلوک رہا...... نویں جماعت سے تعلیمی ضروریات حضور کی طرف سے پوری کی جاتیں...... شکار پر جانا ہو، پکنک پر جانا ہو حضور سے اجازت لینا پھر جاتا۔ شکار پر جانے کے لئے کارتوس وغیرہ عطا فرما دیتے تھے...... وادیٔ سون میں حضور نے ایک پُر فضا مقام نخلہ جو کہ جابہ اور پیل کے قریب تھا وہاں ایک گرمیوں کا مستقر تعمیر کروایا۔ خاکسار نے ایف۔ایس۔سی کا امتحان دیا تھا۔ حضور جب نخلہ تشریف لے جانے لگے خاکسار کو بھی فرمایا تمہیں رخصتیں ہیں ساتھ چلو۔ وہاں حضرت امی جان کے ہاں حضور کے ساتھ کھانا ہوتا تھا۔ حضور اصرار سے کھلاتے اور پھر حضرت امی جان (اُمّ ناصر) سے فرماتے یہ تمہارا بھتیجا ہی نہیں میرا مہمان بھی ہے خاص خیال رکھنے کا فرماتے۔ حضور اتنا خیال رکھتے کہ میں شرمندگی محسوس کرتا۔" (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۳۹۶، ۳۹۷)

مکرم عبدالرحمٰن صاحب انور بچوں کی تربیت کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"قادیان میں حضور نے ایک بچے کے متعلق خاکسار کو...... مبارک میں بلا کر ارشاد فرمایا ان کو بورڈنگ تحریک جدید میں ابھی لے جا کر داخل کر دیا جائے اور ہدایت فرمائی کہ بغیر میری اجازت گھر نہ آئیں۔ حضور اس ہدایت کے دینے کے بعد مکان کے اندر تشریف لے گئے اور بچے کو میرے حوالے کیا۔ اسی وقت بچے نے مجھے کہا کہ اس کا بستر کھلا ہے وہ اسے سمیٹ کر آجاتے ہیں۔ وہ اندر گئے ہی تھے کہ حضور پھر باہر تشریف لائے کہ اب جو بچہ اندر آیا ہے تو کیا میری

اجازت سے آیا ہے؟ خاکسار کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو معافی مانگی حضور نے فرمایا کہ میرے حکم کے بعد خواہ ایک منٹ کے لئے بھی ضرورت ہو مجھ سے اجازت لے کر اندر بھجوانا چاہئے تھا۔‘‘

(سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۳۹۹)

حضور کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا اس کے متعلق صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

’’ایک واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولتا جب آپ بغرض علاج ۱۹۵۵ء میں یورپ تشریف لے گئے۔ واپسی کے قریب میں نے قصر خلافت کی صفائی کروائی۔ ایک کمرے میں حضرت ابا جان کا عطر کا سامان ہوتا تھا اس میں چار بڑی بڑی الماریاں بھی تھیں جو عطر کی شیشیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے کمرے اور الماریوں کی بھی صفائی کی۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ایک روز ابا جان فرمانے لگے ’’بی بی تم نے میری عطر کی شیشی گما دی ہے۔‘‘ میں نے پوچھا کونسی؟ فرمانے لگے فلاں کونے کی الماری کے فلاں خانے کے بائیں کونے میں کٹ ورک کی اس قسم کی شیشی تھی وہ اب وہاں نہیں۔ میں حیران کہ میں نے تو صفائی اس طرح کی کہ ایک شیشی اٹھائی اس کو جھاڑ پونچھ کر وہیں رکھا پھر دوسری اٹھائی اور اس کو بھی اسی طرح اسی جگہ رکھا...... میں اٹھی کہ میں خود دیکھتی ہوں۔ جس الماری کے جس کونے اور جس خانے اور جس شیشی کی آپ نے نشاندہی کی تھی میں وہ وہاں سے ہی اُٹھا لائی۔ دیکھ کر فرمانے لگے یہی شیشی تھی اور میں حیرت میں ڈوبی ہوئی یہ سوچتی رہی کہ اتنے عرصہ کی بات اور چیز بھی کوئی ایسی اہم نہیں تھی کہ نمایاں طور پر حافظہ میں محفوظ رہتی مگر یہ حافظہ خدا کا خاص انعام تھا۔‘‘

(سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۲۷۱)

حضور بہت بلند حوصلہ تھے اس کا ذکر حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ ایک واقعہ میں بیان کرتی ہیں کہ ایک بار سندھ کے سفر میں آپ کو نقرس کی تکلیف ہوگئی۔ حضرت سیّدہ مہر آپا کے ایک چچا غالباً سیّد عبد الرزاق شاہ صاحب آپ کے ساتھ تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ تقریباً تمام سٹیٹس کا دورہ مکمل ہو چکا ہے۔ اب حضور ناصر آباد جا کر آرام فرمائیں۔ حضور نے یہ تجویز مان لی اور مکرم شاہ صاحب کو کسی کام کے لئے قریب کی ایک اسٹیٹ میں بھجوا دیا اور فرمایا کہ آپ کے آنے تک ہم یہیں انتظار کریں گے۔ شاہ صاحب کو جب آنے میں تاخیر ہوگئی تو حضور باقی اہل خانہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ نقرس کی وجہ سے پاؤں پہ بہت ورم تھی اور سلیپر کے اوپر پاؤں رکھ کر پٹی باندھی ہوئی تھی کیونکہ سلیپر پہنا نہیں جا سکتا تھا۔ آپ اس تکلیف کی حالت میں جیپ میں بیٹھ گئے اور لوڈڈ شاٹ گن ہاتھ میں پکڑ لی۔ راستہ میں شاہ صاحب بھی مل گئے اور حضور کی بیماری کی وجہ سے فکر کا اظہار کیا کہ راستہ تسلی بخش نہیں۔ حضور بیمار بھی ہیں اور شام ہو رہی ہے اس طرح چلنا مناسب نہیں۔ حضرت اقدس بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا شاہ صاحب ہم مُغل ہیں۔ آپ نے کیا سمجھا۔ شاہ صاحب

کہتے ہیں کہ میں اس منظر کو نہیں بھول سکتا اور نہ ہی اس کی تعریف کیے بغیر رہ سکتا ہوں کہ حضور میں کس قدر حوصلہ وہمت تھی۔ بیمار تھے۔ بیماری بھی وہ جس سے انسان ایک حد تک معذور ہی ہو جاتا ہے۔ پاؤں پر ورم اس قدر ہے کہ جوتی تک پہنی نہ جاتی۔ حرارت بھی ہے۔ دن رات کام کی کوفت، سفر کی کوفت خراب راستہ، چوروں اور لٹیروں کا خطرہ شام کا وقت۔ آپ ہیں لوڈڈ شاٹ گن سنبھالے اسی حالت میں اس طرح شان سے بیٹھے ہیں۔ چہرے پر بشاشت اور ساتھ ہی غیر معمولی جلال اور دبدبہ بھی۔ (روزنامہ الفضل ۲۶؍دسمبر ۱۹۶۹ء)

حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

”حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی...... جب نماز پڑھاتے تھے تو عموماً جلد ختم کروا دیتے تھے کہ پیچھے نماز پڑھنے والوں میں بوڑھے اور کمزور بھی شامل ہوتے ہیں لیکن علیحدگی میں جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ کو عبادت الٰہی میں اس قدر انہماک ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والا محسوس کرتا کہ یہ شخص اس دنیا میں نہیں ہے...... آنکھوں سے رواں آنسو ہمیشہ نماز پڑھتے میں دیکھے۔ چہرہ کے جذبات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گویا اپنی جان اور اپنا دل ہتھیلی پر رکھے اللہ تعالیٰ کی نذر کر رہے ہیں۔ تہجد کی نماز بعض دفعہ اتنی لمبی ہو جاتی کہ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ اتنا لمبا وقت آپ کھڑے کس طرح رہتے ہیں...... نماز با جماعت کا اتنا خیال تھا کہ جب بیمار ہوتے اور...... نہ جا سکتے تو گھر ہی میں اپنے ساتھ عموماً مجھے کھڑا کر لیتے اور جماعت سے نماز پڑھا دیتے...... ذکر الٰہی کرنے کی اتنی عادت تھی کہ رات کو سوتے ہوئے جب کروٹ بدلتے اور ہلکی سی آنکھ کھلتی تو ہمیشہ میں نے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہتے ہوئے سنا ہے...... جمعہ کے دن خاص اہتمام فرماتے تھے۔ باقاعدگی سے نہانا، خوشبو لگانا...... ناک کی حس اتنی تیز تھی کہ معمولی سی بو برداشت نہ کر سکتے تھے...... خوشبو سونگھتے ہی بتا دیتے کہ کس قسم کی خوشبو ہے۔ مجھے یاد ہے قادیان میں ایک انگریز حضور کے پاس آیا۔ وہ خوشبوؤں اور عطریات کا خاص ماہر تھا۔ اسے اس سلسلہ میں اتنا بڑا دعویٰ تھا کہ اس نے اپنی ناک کئی ہزار پونڈ میں بیمہ کروائی ہوئی تھی۔ اس نے آکر بعض خوشبوئیں حضور کو سنگھائیں۔ آپ نے جب ایک ایک کر کے اجزاء بتانے شروع کر دیئے تو اسے بڑی حیرت ہوئی کہ مذہبی رہنما کو خوشبوؤں کے متعلق اتنا وسیع علم کیسے ہو گیا۔ کہنے لگا کہ میں تو اس علم کا ماہر ہوں لیکن آپ کو مجھ سے بھی زیادہ علم ہے۔

”یوں تو قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے فرماتے تھے اور عموماً زبانی بھی قرآنی دعائیں اور آیات بلند آواز سے پڑھتے رہتے تھے لیکن سب سے زیادہ...... یہ آیات......(سورۃ آل

عمران آخری رکوع)۔ سفر کو جاتے ہوئے آپ کا قادیان تک یہ طریق رہا کہ جب کبھی باہر جانا ہوتا تو جانے والے دن بہشتی مقبرہ ضرور تشریف لے جاتے اور جانے سے تھوڑی دیر قبل بیت الدعا میں جا کر دو نفل پڑھ کر سب سے مل کر سب سے آخر میں حضرت اماں جان سے مل کر روانہ ہوتے ...... جب قادیان واپسی ہوتی تب آپ گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے حضرت اماں جان سے ملتے پھر بیت الدعا میں نفل پڑھتے۔ قادیان سے ہجرت کے بعد بھی ......سفر پر جاتے ہوئے گھر میں ہی دو نفل پڑھ کر روانہ ہوتے ......سفر میں آپ کی جیب میں چھوٹی حمائل رہتی اور اکثر راستہ میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہتے .....طبیعت بے حد سادہ تھی۔ نمائش سے گھبراتے تھے لیکن سادگی کے ساتھ طبیعت میں نفاست بہت زیادہ تھی۔ کھانے پینے، لباس ہر چیز میں نفاست پسند تھی۔ گندگی سے نفرت تھی۔ ہم سب کو یہی تلقین تھی سادہ رہو لیکن صاف ستھرے رہو اور لباس سے خوش ذوقی کا اظہار ہو۔ کھانا سادہ پسند کرتے تھے مگر اچھا پکا ہوا۔ کھانا اکیلے بالکل نہیں کھا سکتے تھے۔ اولاد سے باوجود انتہائی محبت کے اگر کوئی ایسی بات ملاحظہ فرماتے جس میں احمدیت کی غیرت کا سوال ہوتا تو بے حد ناراض ہوتے۔"

اس سلسلے میں ایک واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت چھوٹی آپا فرماتی ہیں کہ

"ایک بچی نے اپنی شادی میں لڑکیوں سے سُن کر سہرا منگا لیا حضور کو علم ہوا تو فوراً وہ سہرا منگوایا اور جلانے کا ارادہ کیا کہ ہم نے تو دُنیا کے لئے نمونہ بننا ہے اور رسوم اور بدعتوں کو مٹانا ہے لیکن جب حضرت اماں جان کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ شادی کا سامان تو سہاگ کی نشانی ہوتا ہے جلاؤ نہ پھینک دو۔ چنانچہ حضور نے اسے قینچی سے کاٹ کر کوڑے میں پھینک دیا۔"

حضرت سیّدہ فرماتی ہیں:

"اس واقعہ میں دو بڑے سبق ہیں۔ ایک تو سہرا صرف گھر میں آیا لگایا نہیں گیا تھا لیکن آپ نے اس غرض سے کہ جماعت اور خاندان کی تربیت ہو وہ رسوم چھوڑیں۔ اسے جلانے کا ارادہ کیا لیکن اماں جان کا کتنا احترام تھا کہ جب آپ نے جلانے سے منع فرمایا تو آپ کے فرمانے کے مطابق عمل کیا۔

"اسی طرح ایک دفعہ ایک بچی نے دوکان سے بلاؤز خرید لیا یہ خیال نہ کیا کہ نیم آستین ہے۔ پہنا حضور نے دیکھ لیا۔ اسی وقت کہا کہ ابھی جا کر بدلو اور یہ میرے پاس لے کر آؤ۔ وہ بلاؤز لے کر قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تا پھر کسی کو اس کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہ ہو۔ جب

حضور نے تحریک جدید شروع کی تو شروع میں تحریک جدید کا اعلان صرف تین سال کے لئے فرمایا تھا۔ تین سال کے بعد آپ نے اسے دس سال کے لئے بڑھا دیا۔ میں نے کچھ حالات کی تنگی کے باعث اس سال کا وعدہ کم کر دیا۔ آپ نے مجھے لکھا کہ بے شک اجازت میں نے دی تھی لیکن تم سے میں یہ امید نہیں رکھتا تھا کہ کم کرو گی۔ جتنا میں تمہیں جیب خرچ دیتا ہوں اتنے میں بعض لوگ اپنے بیوی بچوں کا خرچ چلاتے ہیں۔ (اس زمانہ میں حضور ہمیں پندرہ روپے ماہوار بطور جیب خرچ دیتے تھے۔) ..... آپ کو خیال تھا کہ جس طرح آپ دین کی خاطر تن من دھن قربان کر رہے ہیں آپ کی بیویاں اور بچے بھی اسی طرح دین کی خاطر ہر ممکن قربانی کریں.....''

(رسالہ مصباح فروری ۱۹۹۵ء صفحہ ۱۱۲۷)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضور کی سیرت کے ذکر میں فرماتی ہیں:

''میرے پیارے بڑے بھائی حضرت خلیفۃ المسیح ..... کا مقام و درجہ آپ کے کام روز روشن کی طرح سب پر ظاہر ہیں..... آپ کی صفات میں ایک نہایت پیاری صفت نمایاں دیکھی کہ آپ کا دل بہت ہی صاف ہے اتنا صاف دل کہ غصہ، کینہ جس میں ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ کسی کی برائی آپ سوچ ہی نہیں سکتے۔ ہمیشہ دوسروں کے لئے خیر کے الفاظ ہی آپ زبان مبارک سے نکلے اور خیر ہی ہر ایک کی آپ نے چاہی۔ دل کے حلیم آپ سچے معنوں میں ہیں۔ بہت تنگ آ کر یا کاموں کے سلسلہ میں آپ کو غصہ آیا بھی تو اس غصہ کے بعد جس پر غصہ کیا گیا اس سے زیادہ آپ کو تکلیف ہوتی رہی ہے اور کسی نہ کسی طرح اس کے تدارک میں کوشاں رہے۔ کسی صورت میں جب تک نرمی کا اظہار نہ ہو جائے آپ کو خود چین نہ آتا تھا..... جیسے ماں تنگ آ کر اپنے پیارے بچے کو مار کر خود آنسو بہاتی ہے..... نرمی اور رحم وشفقت آپ میں اعلیٰ درجہ کا ہمیشہ پایا۔ ایک بار بہت عرصہ کی بات ہے ایک اخبار میں خبر آئی کہ ایک بچی (کوئی تین سال عمر کی) نے اپنے غریب باپ کی جمع پونجی سے نوٹ دو تین سو کے چولھے میں پھینک دیئے اور باپ نے فوری غیظ وغضب کے تحت اس معصوم کی ٹانگیں چیر کر مار ڈالا۔ مجھے یاد ہے اس خبر کو پڑھ کر جو آپ کی حالت ہوئی تھی سخت صدمہ تھا ٹہلتے تھے اور کہتے تھے کہ ''غربت کی وجہ سے جو باپ جوش میں ایسا فعل کر بیٹھا اب خود اس کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ جب تک زندہ رہا اس بچی کی موت اور اپنے ظالمانہ سلوک کو یاد کر کے تڑپتا ہی رہے گا۔ جو تکلیف اس وقت آپ کو تھی اور آپ کا کرب وہ مجھے ہمیشہ یاد آتا ہے۔

''ایک کنیز جو سیٹھ ابوبکر صاحب مرحوم نے حضرت (اماں جان) کو دی تھی اس کی بات کچھ

خادمہ عورتوں نے لطیفہ کے رنگ میں بتلائی کہ صبا کہتی ہے۔ دل چاہتا ہے صبح اُٹھوں اور کوئی میرے سرہانے چالیس روپے رکھ گیا ہو پھر میں اپنا گھر بناؤں میری شادی ہوجائے وغیرہ۔ یہ سُن کر بجائے اس کی سادہ باتیں سُن کر مسکرانے کے جیسا کہ سُنانے والوں کو امید تھی، آپ تڑپ اُٹھے۔ اتنا سخت دلی دُکھ اور صدمہ آپ کے چہرہ اور الفاظ سے ظاہر تھا کہ اس کا اثر میرے دل پر اب تک موجود ہے۔ کسی سے فرمایا اسکو فوراً چالیس روپے بھی دیئے جائیں اور اس کی شادی کا بندوبست کیا جائے۔ یہ غریب اپنے گھر کے لئے تڑپتی ہے اور سمجھتی ہے کہ میں لونڈی ہوں مجھے عمر بھر اپنا گھر نصیب نہ ہوگا۔ یہ ظلم ہوگا اگر اس کی خواہش نہ پوری کی گئی۔ میرے دل پر سخت چوٹ لگی ہے اس کی یہ بات سُن کر۔

''میں نے ایک بار بہت سی باتیں سُن کر مجبور ہوکر لکھا کہ اب تو یہ (ایک دو صاحبزادگان حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل) بہت حد سے بڑھ چلے۔ باتیں سُن سُن کر کان پک گئے، دل جل اُٹھا اب تو کچھ کرنا چاہیئے۔ آپ نے اس کا جواب مجھے دیا کہ اکبر نے اپنے کوکا کی شکایت سُن کر کہا تھا کہ اس کے اور میرے درمیان دودھ کا دریا بہتا ہے ان کے اور میرے درمیان تو سات دودھ کے دریا بہتے ہیں۔ جب تک مجھ میں طاقت ہے صبر ہی کرتا جاؤں گا اور یہاں تک کہ حالات مجھے مجبور نہ کردیں کوئی قدم ان کے خلاف نہ اُٹھاؤں گا۔

''غرض میں نے آپ کو بہت حلیم، بہت نرم دل اور بہت صاف دل اور بہت ہی زیادہ صابر پایا۔ کاموں کے عمر بھر کے بار بلکہ انبار کے علاوہ یہ صبر، یہ تیر و نشتر دل پر سہنا اور پھر ساتھ ہی نرمی اور محبت دوسروں کی تکلیف ذاتی تکلیف سے زیادہ محسوس کرنا یہ وجوہ بھی آپ کی آج کی بیماری اور کمزوری کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔'' (خالد دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸)

یہاں آپ کے حلم کا واقعہ مجھے یاد آیا۔ مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (پرائیویٹ سیکرٹری حضور) کی اہلیہ صاحبہ نے ایک دفعہ بیان کیا ربوہ میں بجلی کی صورتِ حال ہمیشہ کمزور رہی۔ ایک بار بہت بجلی بند ہوئی تو حضور نے انور صاحب کو سزا دی کہ ان کے گھر کی بجلی کاٹ دی جائے کیونکہ ان کی سُستی ہے یہ بجلی کے صحیح ہونے کے لئے واپڈا سے مل کر کوشش نہیں کرتے۔ کہتی ہیں خیر ہمارے گھر کی بجلی کاٹ دی گئی۔ مغرب کا وقت ہوگیا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جا کر دیکھا تو ایک کارکن ہاتھ میں مٹی کے تیل کا کنستر اور لالٹین لئے کھڑا ہے کہ وہ اندھیرے میں بیٹھے ہوں گے۔ یہ چیزیں ان کے گھر پہنچاؤ۔ اسی طرح کوئٹہ میں کسی کارکن سے ناراض ہوکر سزا دی کہ تین دن...... میں بیٹھ کر استغفار کرے۔ بعد میں خیال آیا بیچارہ اکیلا بیٹھا کیا کرے گا ساتھ ہی کچھ کتابیں بھی پڑھنے کو بھیج دیں اور کھانا وغیرہ بھی

گھر سے جاتا رہا۔ تو کسی نے یونہی نہیں کہا تھا کہ حضور جب سزا دیتے ہیں تو بڑا مزہ آتا ہے۔

حضرت فضل عمر کی سیرت میں یہ بات بہت نمایاں ہے کہ آپ کی طبیعت جلال و جمال کا ایک نہایت خوبصورت امتزاج تھی۔ ایک اچھے منتظم کے لئے یہ ضروری ہے کہ انتظامی امور کی اصلاح کے لئے نرمی اور سختی کو اپنے عمل اور موقعہ کے لحاظ سے استعمال کرنے اور حضور کی زندگی میں یہ صفت مکمل طور پر نظر آتی ہے۔

مکرم ڈاکٹر عبدالرحمٰن احمدی کامٹی حضور کا افراد جماعت سے تعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضور کو جماعت کے تمام افراد سے انتہائی محبت تھی اور کسی فرد کی تکلیف سے حضور بے قرار ہو جاتے۔ چنانچہ تقسیم ملک کے بعد جب حضور لاہور تشریف لے آئے تو ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے خاکسار کامٹی سے لاہور پہنچا۔ اس موقعہ پر حضور نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگ شادیاں کرتے ہیں اور ان کی اولاد بعض اوقات نیک اور فرمانبردار بھی نہیں ہوتی مگر وہ ان کے لئے دردر کھتے ہیں مگر میری دو لاکھ اولاد جو انتہائی طور پر فرمانبردار اور نیک ہے وہ متاثر ہوئی ہے تو میری کیا حالت ہوگی۔ یہ امر بیان کرتے ہوئے حضور کی آواز بھرّا گئی اور پھر جلد سنبھل گئے۔ اس سے حضور کے جماعت کے لئے درد کا اندازہ ہوسکتا ہے۔'' (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۲۴، ۴۲۵)

مکرم چوہدری ظفر اسلام صاحب حضور کے حسن و احسان کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جماعت بارہا مہیب خطرات کے نرغہ میں اپنوں اور دشمنوں کے نزدیک گھری ہوئی نظر آتی تھی مگر...... دشمن دنگ اور ششدر رہ گیا اور دانت پیسنے لگا۔ یہ دیکھ کر کہ اس کشتی کا ناخدا، خداداد قوتِ عزم و تدبر اور خدا کی طرف سے تائید و نصرت کے ساتھ اس شکستہ ناؤ کو صحیح سلامت لے کر ساحلِ مراد تک لے پہنچا...... ۱۹۴۷ء کے خونیں انقلاب کے پرسوز نظارے ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں...... وہ باوجود ہماری غفلت کیشیوں اور کوتاہیوں کے، باوجود ہمارے کئی دفعہ کے غلط اقدام کے کس حوصلہ، کس عزم آہنی اور کس حسن تدبر و تدبیر کے ساتھ اور کس رافت و شفقت بھری روح کے ساتھ ہمیں اپنے پروں کے نیچے سمیٹ رہا ہے...... ان قومی احسانات کے علاوہ جماعت کے ہزاروں افراد کی زندگیاں اس کی مرہون منت ہیں۔ آج ہزاروں خاندان اسی کی دعا اور توجہ اور راہنمائی کے طفیل دنیوی عزت و راحت کی زندگی بسر کر رہے ہیں...... ہزاروں افراد ذہنی اور اقتصادی پستی سے اُٹھ کر بلندی کی طرف پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔''

(سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۲۷ بحوالہ الفضل ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۰ء)

01-04-2009

مکرم میاں غلام محمد اختر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ مکرم چوہدری اسد اللہ خان صاحب نے میرے ذریعہ حضور سے عطر کی فرمائش کی۔ حضور نے آپ کو عطر کی شیشی دی۔ اس دوران حضور نے مجھے کسی کام سے باہر بھیج دیا تھا جب واپس آیا مکرم چوہدری صاحب کے ہاتھ میں عطر کی شیشی تھی۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی عطر دو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ تو حضور نے صرف مجھے دی ہے۔ یہ بات حضرت صاحب نے سُن لی اور فرمایا کہ اسی لئے تو میں نے تمہیں باہر بھیج دیا تھا۔

اختر صاحب کہتے ہیں کہ میں دل گرفتہ سا ہو گیا۔ حضرت صاحب نے میرا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ اگلے دن دفتری کاغذات دکھا کر واپس آنے لگا تو حضور نے فرمایا ذرا ٹھہرو اور پھر اندر سے ایک خوبصورت اور نفیس چھڑی لا کر میز پر رکھی اور فرمایا لو یہ چھڑی تمہارے لئے ہے۔ کہتے ہیں کہ ''عطر سے محرومی کا احساس تو مجھے تھا لیکن حضرت صاحب نے اس طور پر مجھے چھڑی کا تحفہ دے کر نوازا کہ میں مسرور بھی تھا اور ایک روز قبل کے جذبات پر نادم بھی۔'' (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۳۰)

مکرم شیخ خورشید احمد صاحب نائب مدیر الفضل جماعت سے حضور کے پیار و محبت کا مضمون بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضور ہمارے آقا اور مطاع بھی ہیں لیکن ساتھ ہی روحانی باپ بھی ہیں۔ ایسے باپ جن کو اپنی اولاد کا ہر ہر فرد عزیز ہے جو ہماری ہر پریشانی اور ہر مشکل کے وقت ہماری راہنمائی اور مدد کر کے مدد فرماتے ہیں۔ ہماری کمزوریوں اور کوتاہیوں سے ہر وقت آگاہ کرتے ہیں اور ان سے بچنے کی راہیں بتاتے ہیں۔ ہم آنیوالے خطرات و حوادث سے غافل ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں اپنی بالغ نظری سے بھانپ لیتے ہیں...... ہم رات کی تاریکیوں میں غافل سو رہے ہوتے ہیں اور وہ ہمارے لئے اور ہماری اولاد کے لئے ہماری دینی اور دنیوی ترقیوں کے لئے اور ہماری مشکلات کے لئے بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر دعاؤں میں مصروف ہوتے ہیں۔''

(سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۳۱، ۴۳۲)

مکرم مسعود احمد صاحب خورشید لکھتے ہیں:

''حضور پُرنور نے ۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو خاکسار کے نکاح کا اعلان فرمایا...... چونکہ میری اہلیہ کے والدین فوت ہو چکے تھے اس لئے حضور نے نکاح بھی خود ولی بن کر پڑھا تھا اور رخصتانہ کے وقت بھی تشریف لا کر ذرہ نوازی کا ثبوت دیا۔ میری اہلیہ چونکہ یتیم تھیں اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یتیموں کا بھی حضور بے حد خیال رکھتے تھے۔''

محترم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب جمونی نے خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی بہت سی خواتین کو پڑھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک بار وہ سیّدہ اُم متین صاحبہ سے ملنے ان کے گھر گئے تو اتفاق سے حضور بھی سیڑھیاں چڑھ کر دروازے پر آ گئے اور فرمانے لگے آپ یہاں کیسے؟ اس پر ماسٹر صاحب نے عرض کی حضور میں سیدہ اُم متین کو سلام کرنے آ گیا ہوں۔ حضور نے فرمایا پھر دستک دی ہے اس پر ماسٹر صاحب نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ کہتے ہیں:

''اس پر حضور نے دروازہ کھولتے ہی بلند آواز سے اندر کی طرف جھانکتے ہوئے فرمایا: صدیقہ! تمہیں معلوم نہیں تمہارے ماسٹر صاحب دروازے پر کھڑے ہیں فوراً آؤ'' ...... حضور نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ ناچیز اُستاد ملنے کے لئے دروازے پر کھڑا ہے تو ان کو ایسی آواز اور ایسے لہجہ میں دروازہ پر بلا تاخیر پہنچنے کی ہدایت فرمائی جو حضور کا معمول نہ تھا۔ اس سے میرے دل میں بات گڑ گئی کہ حضور کے نزدیک اور حضور کے اہل کے نزدیک اُستادوں کا مقام کس قدر بلند ہے اور حضور ان کو کس قدر عزت واحترام کا مستحق سمجھتے ہیں۔'' (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۴۵۸)

۱۹۲۸ء کی بات ہے کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے اساتذہ اور طلباء کی طرف سے حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد کے اعزاز میں ٹی پارٹی دی گئی۔ حضور نے بھی اس میں شمولیت فرمائی۔ جب بچے کمرہ میں داخل ہوئے تو ان کے بیٹھنے کے لئے انتظام ناکافی تھا اس وجہ سے بعض بچوں کو زمین پر بیٹھنا پڑا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی یہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے کہ جب تک ان بچوں کے فرش کا انتظام نہ کیا جائے گا میں بھی نہیں بیٹھوں گا۔ چنانچہ فوراً ٹاٹ مہیا کئے گئے اور جب بچے بیٹھ چکے تو حضور بھی بیٹھ گئے۔ (الفضل ۶ نومبر ۱۹۲۸ء)

حضرت فضل عمر کی دلنواز شخصیت، انتہائی پُرکشش مسکراہٹ، مخلوق خدا سے دلی محبت اور لگاؤ اور تعلق باللہ نے آپ میں غیر معمولی مقناطیسی کشش پیدا کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو غیر معمولی رعب ودبدبہ بھی حاصل تھا۔

بلند پایہ ادیب مکرم سیّد اختر اورینوی صاحب صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی تحریر کرتے ہیں:

''حضرت خلیفۃ المسیح زندگی کے نشیب وفراز اور پیچ وخم سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ وہ لطیفے بھی کہتے تھے۔ انہیں چٹکلے بھی یاد تھے۔ آپ شعر بھی پڑھتے تھے۔ مجلسوں میں خوش آوازی سے نرم ہنسی بھی ہنستے تھے اور ہمیشہ متبسم رہتے تھے۔ میں نے حضور کو قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا۔ ایک عجیب دمکتا ہوا وقار ہر وقت آپ پر طاری رہتا تھا لیکن خوبصورت پگڑی کے نیچے گورا چہرہ، خوبصورت ریش اور غلافی آنکھیں تبسم اور محبت کے انداز سے چمکتی تھیں۔ روحانیت پوری شخصیت سے مترشح ہوتی تھی...... میں نے حضور سے علمی مسائل کے بارے میں راہنمائی بھی حاصل کی ہے اور جماعت کے افراد کے ساتھ دربار خلافت میں بھی حاضر ہوا ہوں اور مجھ جیسے لاکھوں لوگوں نے حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی کو دیکھا ہے وہ سب گواہی دیں گے اور میرا دل بھی شاہد ہے کہ حضور کی شخصیت میں ایک عجیب روحانی مقناطیسیت پائی جاتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ذات میں قیادت کے سارے پہلو بحسن وخوبی جلوہ گر تھے۔ محبت اور رُعب کا ایسا امتزاج پایا جاتا تھا کہ دل گرویدہ ہو جاتا تھا......'' (سوانح فضل عمر جلد۵ صفحہ ۵۲۸)

یہاں غیروں کی آراء کا ذکر بھی ضروری ہے جن کو آپ سے کوئی روحانی عقیدت نہ تھی۔ طوالت کے خیال سے چند آراء پیش کی جاتی ہیں:

ایک معزز غلم دوست بزرگ جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے ایک اور بات جسے غور کے ساتھ دیکھا وہ یہ تھی کہ سارا گروہ، سارا سلسلہ، سارا ہجوم، سارا انبوہ اس پاک نفس خلیفہ کی ایک چھوٹی انگلی کے اشارہ پر چل رہا ہے...... حضرت امام جماعت احمدیہ کے متعلق اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ شخص قلم کا دھنی بھی ہے، تقریر کا اعلیٰ درجہ کا مالک بھی اور تنظیم کا اعلیٰ درجہ کا گورنر بھی۔'' (سوانح فضل عمر جلد۵ صفحہ ۵۳۸ بحوالہ الفضل ۳ رفروری ۱۹۲۹ء)

مکرم میاں سلطان احمد صاحب وجودی ممبر پراونشل کانگریس کمیٹی بہار لکھتے ہیں:

''مرزا بشیر الدین محمود احمد میں کام کرنے کی قوت حد سے زیادہ ہے وہ ایک غیر معمولی شخصیت کے انسان ہیں۔ وہ کئی گھنٹوں تک رکاوٹ کے بغیر تقریر کرتے ہیں۔ ان کی تقریروں میں روانی اور معلومات پائی جاتی ہیں...... ان کو مل کر ان کے اخلاق کا گہرا اثر ان کے ملنے والوں پر ہوتا ہے۔ تنظیم کا ملکہ ان میں موجود ہے۔ وہ پچاس کی عمر میں کام کرنے کے لحاظ سے نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اردو زبان کے ایک بڑے سرپرست ہیں۔'' (الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء)

۲ رمارچ ۱۹۲۷ء ''بریڈ لا ہال'' لاہور میں حضور نے ''ہندو مسلم فسادات، ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل'' عنوان پر تقریر کی اس کے متعلق ایک غیر احمدی رئیس کی رائے کے چند فقرات درج ذیل ہیں:

''ایک نہایت قابل قدر اور برجستہ تقریر موجودہ واقعات پر کی۔ جس کی دشمن بھی داد دینے لگے۔ دل میں اسلامی درد رکھنے والے حضرت نے اس خوش اسلوبی سے تقریر کی کہ دل پر وجد طاری ہو گیا۔'' (سوانح فضل عمر جلد۵ بحوالہ الفضل ۲۵ رمارچ ۱۹۲۷ء)

شیخ غلام محمد ایک لمبا عرصہ شدید مخالفت کرنے کے باوجود حضور کے احسانات اور بلند مقام کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔ لکھتے ہیں:

''میں نے سب سے بہادر جرنیل اور صاحب اخلاق وحلیم وجود اگر کسی کو پایا تو وہ آپ کا

موعود وجود ہے......(ہر طرح کی مخالفت کے باوجود) آپ نہ خود مشتعل ہوئے اور نہ اپنی کثیر منظم جماعت کو میرے خلاف مشتعل ہونے دیا۔ آپ نے متعدد بار مجھ سے حسنِ سلوک کا نمونہ دکھایا ......پس میرا دل آپ کی محبت واکرام اور احسان کے شکریہ سے بھرا ہوا ہے۔''

(سوانح فضل عمر جلد۵ صفحہ ۵۵۱)

ڈاکٹر لطیف احمد صاحب سرگودھا تحریر کرتے ہیں:

''ایک دفعہ ایک لیبر لیڈر میرے پاس آئے...... کہنے لگے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد سے زندگی میں ایک بار ملاقات ہوئی جس کو تا دمِ آخر نہ بھول سکوں گا۔ اس دماغ کا انسان روئے زمین پر نہ مل سکے گا۔ افسوس نادرِ روزگار ہستی بہت جلد ہم سے جدا ہوگئی۔'' (سوانح فضل عمر جلد۵ صفحہ ۵۵۲)

حضور کی سحر انگیز شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ مکرم قریشی عبدالرحمٰن صاحب سکھر بیان کرتے ہیں:

''حضور کے سکھر قیام کے دوران سب دوست اپنے غیر از جماعت دوستوں کو ملانے لاتے تھے۔ میں ایک دوست کو جو اکثر اپنے علم کی ڈینگ مارتے تھے ملانے لایا...... جب مجلس برخواست ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے کوئی سوال نہیں پوچھا۔ اس نے بھی بے ساختہ کہا کہ یہاں بولنا گویا اپنی پردہ دری کرانے والی بات تھی وہ شدید مخالف تھا مگر حضور کی گفتگو اتنی مؤثر تھی کہ اس نے کہا میں تو یہی سمجھتا رہا کہ میں یہاں سے اپنا ایمان سلامت لے جاؤں تو بڑی بات ہے۔'' (سوانح فضل عمر جلد۵ صفحہ ۵۵۳)

ایک دفعہ ہفتہ وار ''پارس'' کے ایڈیٹر لالہ کرم چند کچھ اخبار نویسوں کے ساتھ قادیان گئے اور حضور سے بہت متاثر ہو کر واپس آئے اور اپنے اخبار میں اس کے متعلق مضمون بھی لکھے۔ ان کا کہنا تھا کہ

''ہم تو ظفر اللہ خاں کو بڑا آدمی سمجھتے تھے (حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب) مگر بشیر الدین محمود احمد کے سامنے اس کی حیثیت ایک طفلِ مکتب کی ہے وہ ہر معاملہ میں ان سے بہتر رائے رکھتا ہے۔ اس میں بے پناہ تنظیمی قابلیت ہے۔ ایسا آدمی بآسانی کسی ریاست کو بامِ عروج تک لے جا سکتا ہے۔'' لالہ کرم چند کے مضامین پڑھ کر ایک آریہ سماجی شاعر نے جل کر اپنے اخبار میں لکھا:

ترے گیت گاتے ہوئے آرہے ہیں
عجب شے ہے مرزا تیری میہمانی
ظفر اللہ ہے قادیانی جنم کا
کرم چند دو روز کا قادیانی

لالہ کرم چند نے سن کر کہا:

''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' (سوانح فضل عمر جلد ۵ صفحہ ۵۵۷)

مضمون بہت طوالت اختیار کر گیا ہے لیکن بہت لحاظ سے تشنہ رہ گیا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع کا درج ذیل ارشاد حضور کی سیرت کو بہت حد تک واضح کر دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''میرے مقرب بارگاہ الٰہی آقا کی شخصیت ایک استثنائی رعب اور نرالی شان اپنے اندر رکھتی تھی۔ وہ ہر انسان پر سایہ ڈالتی تھی مگر اس پر خدا کے سوا اور کسی کا سایہ نہ تھا۔ وہ شخصیت محض ایک بلند و بالا چٹان کا رعب ہی نہیں بلکہ ایک شاداب جہان کی وسعت اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی ...... ایسی ہمہ گیر صفات کے حامل انسان شاذ شاذ ہی دنیا کے پردے پر ابھرتے ہیں۔ وہ ایک انسان نہیں ایک امت تھے۔ ایک پھول نہیں ایک گلدستۂ صفاتِ حسنہ تھے۔ پورے چمن کی زینت آپ کی تنہا ذات میں مضمر تھی۔ ہر گل کی بوئے خوش، ہر کلی کی دلآویزی، ہر لالہ کی رنگینی، ہر سرو صنوبر کا وقار، ہر نرگس و سوسن کا معصوم حسن، ہر قمری کا لحن، ہر بھونرے کی جستجو، ہر مرغ چمن کا سوز و ساز۔ بہار کی شگفتگی بھی تھی تو خزاں کی اداسی بھی۔ ہر صبح کی امید بھی تھی تو ہر شام کا تفکر بھی ...... آپ کوہ وقار تھے۔ وفا کے پتلے، جرأت کا ایک نشان، عدل و انصاف کے بے لاگ ترازو، لطیف احساسات کے آبگینے، سب زندہ لوگوں میں سب سے زیادہ شجاع، سب سے بڑھ کر حلیم، غیور، ہمدرد، شفیق و مہربان، قانع، متوکل، مہمان نواز، وسیع حوصلہ، وسیع خیال، مردم شناس، ہر صاحب فضیلت کا اکرام کرنے والے، ہر تہی دست پر لطف و عنایت کی نظر رکھنے والے، صاحب لطافت و ظرافت، نجیب و لطیف، علوم ظاہری و باطنی سے پُر، ایک باکمال ادیب اور بلند پایہ شاعر، ایک ماہر فن طبیب، تجربہ کار ہومیو پیتھ، ایک عظیم مصنف، ایک بے بدل مقرر، ایک لاجواب منتظم، مؤرخ، مدبّر، مفکر، عالمی سیاست کا گہرا ادراک رکھنے والے، صاحب جاہ و جلال، مظہر الحق و العلاء۔

''آپ کی جو صفات میں نے بیان کی ہیں ان میں ایک ذرہ بھر بھی مبالغے سے کام نہیں لیا ...... مبالغہ کیسا میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایسے پیارے وجود دنیا میں کم آتے ہیں۔ ذرا جاؤ اور چراغ لے کر ڈھونڈو۔ بستی بستی قریہ قریہ چھان مارو صفاتِ حسنہ میں ایک بھی ایسا قد آور جوان نظر نہ آئے گا ...... آقائے عربی کے حسن و احسان کا یہ خوشہ چین اپنے وقت کے ہر دوسرے انسان پر بازی لے گیا۔ احمد قادیانی کی دعاؤں کا یہ کرشمہ حسن و احسان میں خود اسی کی نظیر بنا۔ اس کے جوڑ کا کوئی

پہلوان زندگی بھر اس کے مقابل نہ آیا کیونکہ اس کے جوڑ کے کسی اور پہلوان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ وہ اوّل سے لے کر آخر تک اوّل رہا اور آخر جب اس کا وقت آیا تو لاکھوں دلوں کو حزیں چھوڑ کر اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔'' (از مصباح نومبر، دسمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۱۳،۱۲)

حضرت مصلح موعود خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

''جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، جب لوگ میرے کاموں کی نسبت ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں گے، جب سخت دل سے سخت دل انسان بھی جو اپنے دل میں شرافت کی گرمی محسوس کرتا ہوگا ماضی پر نگاہ ڈالے گا، جب وہ زندگی کی ناپائیداری کو دیکھے گا اور اس کا دل ایک نیک اور پاک افسردگی کی کیفیت سے لبریز ہو جائے گا اس وقت وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ مجھ پر ظلم پر ظلم کیا گیا اور میں نے صبر سے کام لیا۔ حملہ پر حملہ کیا گیا لیکن میں نے شرافت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا...... یہ بہترین بدلہ ہوگا جو آنے والا زمانہ اور جو آنے والی نسلیں میری طرف سے ان لوگوں کو دیں گی اور ایک قابلِ قدر انعام ہوگا جو اس صورت میں مجھے ملے گا۔''

(انوار العلوم جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۳)

؎ اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملّت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

(سیّدہ منیرہ بخاری صاحبہ لاہور)

تو فخرِ روزگار تھا ، تو قلبِ کائنات
تو قوم کا وقار تھا ، سرمایۂ حیات
یہ شام ، یہ سحر ، یہ شب و روز مہر و مہ
دنیائے دُوں میں ہے بھلا کس چیز کو ثبات

چمکے گا تا ابد تو یہاں بن کے آفتاب
یہ موت کھو سکے گی نہ کچھ تیری آب و تاب
ہم کو تمہارے نقشِ کفِ پائیں اس طرح
تاریکیوں میں جیسے نکل آئے آفتاب

کرتی ہے تجھ پہ ناز یوں ربوہ کی سرزمیں
اللہ کا شکر ہے کہ تو میرا نصیب تھا
تو رہبرِ عظیم تھا ، تو رہنمائے دیں
مقصد تری حیات کا کتنا عجیب تھا

مصلح موعود

(مکرم عبدالسلام اسلام صاحب)

جس کی منزل آسمانوں سے پرے مقصود ہے — جس کے بازو میں کوئی پرواز لامحدود ہے
بتکدہ جس کی نگاہوں نے کیا نابود ہے — غزنوی محمود سے بڑھ کر مرا محمود ہے

جس نے ہے یاجوج اور ماجوج کو پسپا کیا
ایستادہ اُس کی ہیں تائید میں ارض و سما

اَے بشیر الدین، تو محمود، تو فضل عمر! — تو ہے اسمِ بامسمّٰی اے ہمارے راہبر!
دشمنِ دیں کے مقابل تو ہے مثل شیرِ نر — ہو گئے ایوانِ باطل آج پھر زیروزبر

بُوم کتنی دیر ٹھہرے گا ہما کے سامنے
سر تُو جھکوا دے گا شیطاں کا خدا کے سامنے

سازِ فطرت تُو بجاتا ہے عجب انداز سے — زیروبم میں نے لئے ہیں تیرے سوزوساز سے!
ہائے دشمن آج تک آگہ نہیں اِس راز سے! — مُردے زندہ ہو گئے تیرے لبِ اعجاز سے!

نکتہ چیں کوتہ نظر دیکھے گا کیا پرواز کو
اہلِ دل ہی جانتے ہیں تیرے دِل کے راز کو!

کونسا عقدہ ہے جو تیرے لئے آساں نہیں! — درد وہ کیا ہے کہ تو جس درد کا درماں نہیں!
آنکھ وہ کیسی جو تجھ کو دیکھ کر حیراں نہیں! — تیرا ہمسر آج دُنیا میں کوئی انساں نہیں!

چشمۂ شیریں ہے کوئی تیرے "پاؤں" کے تلے!
تشنگی بجھتی ہے گویا تیری چھاؤں کے تلے!

جس نے کھولے صد ہزاروں بستہ وپوشیدہ راز — اک زمانہ کو بنایا پاک بین و پاکباز
عشق افزا، روح پرور، نغمہ ہائے سوز و ساز — جس کا انداز کہن لاریب ہے جدت طراز

جان و دل سے معتقد ہوں میرزا محمود کا
ہے یہی موعود بیٹا مہدیٔ مسعود کا

حضرت مصلح موعود
غیروں کی نظر میں

ایک علم دوست بزرگ

ایک غیراز جماعت بزرگ کے تاثرات

(مکرم حکیم یوسف حسن صاحب ایڈیٹر نیرنگ خیال لاہور)

۱۹۴۶ء کے آخری ایام تھے۔ ہندوستان کو آزادی ملنے والی تھی اور ملک تقسیم کئے جانے کا منصوبہ بنایا جارہا تھا۔ میں نے ایک رات ایک عجیب اور انوکھا خواب دیکھا۔

میں نے خواب میں کسی دیوار پر ایک اشتہار چسپاں دیکھا۔ یہ اشتہار ۳۰×۲۰ کے پورے صفحہ کا نصف ہوگا۔ اشتہار کا عنوان تھا ''جہلم چلو''۔ یہ عنوان جلی قلم سے لکھا ہوا تھا جو دور سے بھی دکھائی دیتا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر وہ اشتہار پڑھنے کی کوشش کی مگر اشتہار کا مضمون پڑھا نہ جاسکا۔ وہ گڈمڈ یا خلط ملط ہورہا تھا۔ چھپائی کی سیاہی ایسی پھیل رہی تھی کہ میں اسے پڑھنے سے معذور تھا۔ اس اشتہار یا پوسٹر کے نیچے لکھا تھا۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد

اس پوسٹر کی سرخی اور نیچے نام بخوبی روشن تھے اور خوب دور ونزدیک سے پڑھے جاتے تھے۔ مگر اصل مضمون پڑھا نہیں جاتا تھا۔

میری آنکھ کھل گئی اور میں حیران رہ گیا امام جماعت احمدیہ قادیان سے اس قسم کا پوسٹر کیوں شائع کررہے ہیں؟ اور جہلم چلنے کی کیوں ہدایت یا حکم کررہے ہیں؟ اور مجھے یہ خواب کیوں آیا؟ جب کہ میں جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتا!!

صبح میں نے اپنے اس خواب کا تذکرہ ڈاکٹر غلام حیدر صاحب سے کیا۔ وہ میرے مکان کی سامنے والی گلی میں رہتے تھے اور احمدی تھے بوجہ طبیب ہونے کے ان سے کبھی کبھی سرِ راہ میری بات چیت اور علیک سلیک ہوجاتی تھی اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے بھی خواب میں ایسا پوسٹر دیکھا ہے؟ اُنہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ تو میں ان سے مزاح کرتا رہا کہ دیکھئے آپ احمدی ہیں پھر بھی آپ کو ایسی ضروری بات کا علم نہیں اور میں غیر احمدی ہوں اور ایسا زبردست حکم میں نے خواب میں پڑھا اور آپ محروم ہیں۔

یہ بات ایک دودن کے بعد ذہن سے جاتی رہی۔ البتہ میں خود حیران تھا کہ جو پوسٹر امام جماعت احمدیہ کی طرف سے قادیان سے شائع ہوا ہو اور جماعت کے نام ایک پیغام ہو وہ مجھے کیوں دکھایا گیا ہے۔......

قادیان سے شائع شدہ جو پوسٹر میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس کی تعبیر اتنی جلدی سامنے آگئی کہ حیرت ہوتی ہے۔

اُس وقت کسے معلوم تھا کہ پاکستان کو گورداسپور اور قادیان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور احمدیوں کو قادیان سے ہجرت کرکے ایک نیا شہر ربوہ آباد کرنا پڑے گا۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ پوسٹر پر عنوان تھا ''جہلم چلو'' تو ربوہ میں کیوں

آئے۔ جہلم کیوں نہ گئے؟

ہوسکتا ہے کہ جہلم اور ربوہ کا فاصلہ زیادہ نہ ہو یا خطہ جہلم اور ربوہ ایک ہی ہوں یا امام جماعت احمدیہ نے بعد میں اپنے حکم یا فیصلہ میں ردوبدل کیا ہو۔ تاہم ایک بات تو واضح طور پر صحیح ہے کہ قادیان چھوڑنا پڑا۔ گورداسپور سے ہاتھ دھونے پڑے اور احمدیوں کی پوری جماعت پاکستان میں لوٹ آئی اور ربوہ میں آباد ہوگئی۔ جس وقت یہ خواب آیا تھا اس وقت کسی ایسی بات کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ میں میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے شاید ۳۰ سال قبل قادیان میں ملا تھا۔ ان دنوں مرزا صاحب نے نیرنگ خیال میں ایک دو علمی مضامین لکھے تھے اور آپ کی دختر نیک اختر اور آپ کے بھائی صاحب نے بھی نیرنگ خیال میں اعلیٰ پایہ کے علمی مضامین لکھے تھے۔ یہ مضمون بڑے پسند کئے گئے تھے اور ان کی علمی شان بڑی بلند تھی۔ میں ان سے مزید مضامین حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس غرض کے لئے قادیان گیا۔ میں قادیان کے مہمان خانہ میں ایک دن مقیم رہا۔ اس دن ملاقات نہ ہوسکی۔ دوسرے دن آپ نے بلوایا اور شرف باریابی بخشا جب میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا تو آپ سیڑھی کے سامنے کھڑے تھے۔ بڑی محبت سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھایا۔ خیر وعافیت پوچھی۔ نیرنگ خیال کے متعلق بہت سی باتیں پوچھیں اور رسالہ کی ادبی خدمات کو سراہا۔ پھر موضوع گفتگو بدل کر میری طب وحکمت پر باتیں کرتے رہے۔

آخری ملاقات ربوہ میں آج سے شاید پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ ہم لاہور سے سرگودہا جارہے تھے۔ سید نازش رضوی میرے ہمراہ تھے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب مدت سے علیل تھے۔ ان کی مزاج پرسی کے لئے ہم ایک دن ربوہ ٹھہر گئے۔ رات کو مہمان خانہ میں قیام کیا اور اپنی آمد کی انہیں اطلاع بھجوادی۔ صبح جمعہ کا دن تھا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ کی ملاقاتیں نہیں ہوتیں۔ پھر بھی ہم نے کوشش کی اور اپنی آمد کی اطلاع کرادی۔ شدید علالت کے باوجود آپ نے طلب فرمالیا۔ خدمت گاروں اور محافظوں نے ہمیں اشارۃً کہہ دیا کہ صرف دس منٹ آپ پاس بیٹھیں اور کم سے کم باتیں کریں۔ کیونکہ ڈاکٹروں کی ہدایت یہی ہے۔ ہم آپ کے پاس پہنچے تو آپ ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے نقاہت شدید تھی لیکن ہوش وحواس قائم تھے۔ آپ خندہ پیشانی سے مخاطب ہوئے۔ اس قلیل وقت میں آپ نے اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ کیا۔ اپنی صاحبزادی کے علاج کا بھی ذکر کیا۔ نیرنگ خیال کے متعلق پوچھا اور کئی پرانی باتیں یاد کرائیں۔ اس ملاقات سے ۲۵، ۳۰ سال قبل جو ملاقات ہوئی تھی اس کے کئی نشان ان کی زبان سے نکلے جس سے معلوم ہوا کہ انہیں سب کچھ یاد ہے اور یہ معمولی سا واقعہ انہیں خوب یاد ہے۔

اس کے بعد ہم رخصت ہوئے۔ نازش رضوی اور میں میرزا صاحب کے حافظہ اور اخلاق کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ مرزا صاحب یقیناً بڑے علم دوست، علم نواز اور صلح کل طبیعت کے مالک تھے۔ ہر شخص کی قابلیت اور خدمت کے مطابق اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور سرپرستی فرماتے تھے۔

اظہارِ حقیقت

ایک غیر از جماعت دوست کے تاثرات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی زندگی کا ایک ایک سانس دینِ حق کی سربلندی کے لئے وقف تھا

(مکرم سیّد ابوظفر نازش صاحب رضوی)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد......امام جماعت احمدیہ سے میری پہلی ملاقات دسمبر ۱۹۳۹ء کے پہلے ہفتہ میں بمقام قادیان ایک خاص صورتِ حال کے تحت ہوئی اور وہاں میرا قیام دسمبر کے اخیر تک رہا۔ اس عرصہ میں مجھے حضرت صاحب سے تین بار شرفِ ملاقات حاصل ہوا اور ہر بار مَیں اُن کی مقناطیسی کشش سے نہایت متاثر ہوا۔ میں ایک پشتینی پختہ کار شیعہ ہوں اس لئے بظاہر میرا قادیان جانا اور پھر مہینہ بھر وہاں قیام کرنا ایک عجیب سی بات تھی مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ میرا قادیان جانے کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔

مَیں اُس زمانہ میں دہلی میں مستقل طور سے مقیم تھا۔ بات یہ ہوئی کہ اُن دنوں میری کچھ نظمیں یکے بعد دیگرے اخبارات ورسائل میں شائع ہوئیں جن سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کا پہلو نکلتا تھا۔ اس پر حکومت کی طرف سے میرے خلاف خفیہ تفتیش ہونے لگی اور مقدمات مرتب کئے جانے لگے۔ اسی اثناء میرا ایک نہایت معزز غیر مسلم دوست اپنے بعض دیگر اسی نوعیت کے افعال پر حکومت کے زیرِ عتاب تھا۔ اُس سلسلہ میں میرا نام بھی خفیہ طور پر شاملِ تفتیش کرلیا گیا۔ چنانچہ میرے اُس غیر مسلم دوست کی گرفتاری عمل میں آئی مگر میری گرفتاری کسی وجہ سے چند گھنٹوں کے لئے ملتوی کردی گئی۔ اس پر میرے چند بااثر اور مخلص شیعی و سُنّی دوست جو ملکی حالات سے زیادہ باخبر اور جماعتِ احمدیہ سے حُسنِ ظن رکھتے تھے دہلی میں اکٹھے ہوئے اور میرے بچاؤ کی تدبیر پر بحث ہونے لگی۔ انہوں نے طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ حکومت کے اعلیٰ ارکان سے مل کر میرا معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش کریں۔ مگر مجھے فوراً دہلی کو چھوڑ دینا اور چند دن کسی ایسے مقام پر چلا جانا چاہئے جہاں کسی قسم کی چالاکی، شرارت اور جاسوسی کا امکان نہ ہو۔

اس سلسلے میں اُن کی نظر قادیان پر پڑی اور مجھے مشورہ دیا کہ میں چند دن کے لئے وہاں چلا جاؤں۔ چنانچہ میں کسی

دوسرے دوست یا عزیز کو بتائے بغیر قادیان پہنچ گیا اور وہاں مَیں نے یہ ظاہر کیا کہ وہاں کی عظیم الشان لائبریری سے علمی استفادہ کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ چونکہ اس مقصد کے لئے اکثر اہلِ علمی ذوق رکھنے والے افراد وہاں پہنچ جایا کرتے تھے اس لئے میری بات پر یقین کرلیا گیا اور پوچھ گچھ کسی نے زیادہ ٹوہ لگانے کی کوشش نہ کی۔

مَیں پہلے دن ہی بالکل مطمئن ہوگیا۔ میرا قیام مہمان خانے میں ہوا۔ وہاں مجھے پتہ چلا کہ امام صاحب جماعتِ احمدیہ کے پرائیویٹ سیکرٹری جناب چوہدری بشیر احمد خان بی۔اے۔ ایل ایل۔بی ہیں۔ (جو آجکل لاہور میں اوتھ کمشنر ہیں) وہ نہ صرف میرے شناسا تھے بلکہ میرے استاد بھی رہ چکے تھے۔ مَیں اُن سے ملا تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ میری خواہش پر انہوں نے حضرت صاحب سے میری ملاقات کا فوراً انتظام کردیا۔

ملاقات کا انتظام ہوتے ہی میں دارِ خلافت پہنچا اور جب چند سیڑھیاں طے کرکے اندر پہنچا تو حضرت صاحب گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے قالین سے مفروش کمرے میں تشریف فرما تھے۔ مَیں رسمِ سلام ادا کرکے جب مصافحہ کرچکا تو مختصر سے وقفہ کے بعد آپ نے فرمایا:

''قادیان دار الامان ہے یہاں آپ کو سو فیصد امن اور سکون میسر رہے گا''۔

حضرت صاحب کے اس فقرے پر مجھے بہت تعجب ہوا۔ قادیان کو دار الامان تسلیم کرکے ہی میرے شیعی اور سُنّی دوستوں نے مجھے وہاں بھیجا تھا مگر حضرت صاحب کا میرے حالات سے قطعاً ناواقف ہوتے ہوئے مجھے خاص طور پر ''امن'' کا یقین دلانا بڑی ہی استعجاب انگیز بات تھی۔

قادیان کے سالانہ جلسے تک میرا معاملہ سُلجھ چکا تھا مگر مَیں مزید چند روز قادیان میں قیام پذیر رہا۔ اس موقع پر میرے چند احمدی دوست بھی قادیان پہنچ گئے تو باقی دنوں کے لئے میری رہائش کا انتظام محترم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے دولت کدہ پر ہوگیا جہاں مَیں نے خلوص اور عقیدت کا بے نظیر نظارا دیکھا۔ اُن دنوں حضرت صاحب بے حد مصروف تھے پھر بھی میری ضروریات کے متعلق آپ دریافت فرماتے رہے۔

دوسری مرتبہ ۱۹۴۰ء میں مجھے ایک سیاسی مشن پر قادیان جانا پڑا۔ اس زمانے میں ہندو اپنی سنگھٹن کی شرارتوں کا ایک خاص منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس موقع پر مرحوم و مغفور امام صاحب جامع مسجد دہلی اور سیدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ اور دیگر چوٹی کے مسلم اکابر نے مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا کہ حضرت صاحب سے اس باب میں تفصیلی بات چیت کروں اور اسلام کے خلاف اس فتنے کے تدارک کے لئے اُن کی ہدایات حاصل کروں۔ یہ مشن بہت خفیہ تھا۔ کیونکہ ہندوستان کے چوٹی کے مسلمان اکابر جہاں یہ سمجھتے تھے کہ ہندوؤں کے اُس ناپاک منصوبے کا مؤثر جواب مسلمانوں کی طرف سے صرف حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد...... ہی دے سکتے ہیں۔ وہاں وہ عام مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ حضرت صاحب کو اپنا رہبر تسلیم کرتے ہیں۔

مُیں اس سلسلے میں قادیان تین دن مقیم رہا اور حضرت صاحب سے کئی تفصیلی ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں دو باتیں مجھ پر واضح ہو گئیں۔ ایک یہ کہ حضرت صاحب کو...... اور حضور سرور کائنات علیہ السلام سے جو عشق ہے اس کی مثال اس دَور میں ملنا محال ہے۔ دوسرے یہ کہ تحفظ ...... کے لئے جو اہم نکات حضرت صاحب کو سوجھتے ہیں وہ کسی دیگر مُسلم لیڈر کے ذہن سے مخفی رہتے ہیں۔ میرا یہ مشن بہت کامیاب رہا اور مُیں نے دہلی جا کر جو رپورٹ پیش کی اس سے مسلم زعماء کے حوصلے بلند سے بلندتر ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت صاحب سے میری ایک ملاقات شملہ میں ہوئی۔ اس ملاقات کے دوران میں نے محض اپنی ذاتی حیثیت سے یہ تجویز پیش کی کہ کوئی ایسا فارمولا تلاش کر لیا جائے جس سے شیعہ اور احمدی فرقوں کے درمیان اشتراکِ عمل کی کوئی راہ پیدا ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ اسلام کے دوسرے چھوٹے فرقوں کو شامل کر لیا جائے یہاں تک کہ بالآخر اختلافِ عقائد کے باوجود تمام مسلم فرقوں میں تعمیری کاموں کے لئے اتحاد و اتفاق ہو جائے۔ میرے نزدیک اس کے دو فائدے تھے۔ ایک یہ کہ اس طرح مسلمانانِ ہند بحیثیت مجموعی دشمنانِ اسلام کا ہر پہلو سے مؤثر اور نتیجہ خیز مقابلہ کر سکیں گے اور دوسرے یہ کہ اسلام کے مختلف فرقے خدا اور رسولؐ کا نام درمیان میں لا کر ایک دوسرے پر جو کیچڑ اُچھالتے ہیں وہ بند ہو جائے گا۔ حضرت صاحب نے اصولی طور پر میری یہ تجویز بہت پسند فرمائی لیکن وہ ان دنوں بہت مصروف تھے اور یہ مسئلہ وقت طلب تھا اس لئے آپ نے مجھے قادیان آنے کی دعوت دی تا کہ وہاں اطمینان سے اس تجویز کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کیا جا سکے۔ مُیں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ مگر میری مصروفیتوں نے بعد میں مجھے قادیان جانے کی اجازت نہ دی۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد مولانا عبدالرحیم صاحب درد مرحوم کی دعوت پر مُیں ربوہ میں ایک سالانہ جلسہ میں شریک ہوا اور کئی دوستوں سے ملاقی ہوا۔ اس موقع پر بھی حضرت صاحب سے میری ایک مختصر سی ملاقات ہوئی مگر کوئی خاص گفتگو نہ ہو سکی۔

فروری ۱۹۵۵ء کے پہلے ہفتے میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب موجودہ امام جماعتِ احمدیہ کے ارشاد پر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پروفیسر خان نصیر احمد خان لاہور تشریف لائے اور مولانا عبدالمجید سالک مرحوم مغفور چوہدری عبدالرشید تبسم ایم۔ اے اور مجھے موٹر کار میں ربوہ لے گئے کہ وہاں کالج میں ایک انعامی مقابلۂ تقاریر اور مشاعرہ کا انعقاد تھا جس میں ہماری شرکت ضروری سمجھی گئی۔ ربوہ میں اُس روز شام کو پہلے انعامی مقابلۂ تقاریر ہوا جس میں ہم تینوں نے جج کے فرائض انجام دیئے اور پھر رات کو مولانا عبدالمجید سالک مرحوم و مغفور کی زیرِ صدارت مشاعرہ ہوا۔ یہ دونوں تقریبیں بہت کامیاب رہیں۔

دوسرے دن حضرت صاحب نے بعد دوپہر ہم تینوں کو چائے پر یاد فرمایا۔ مُیں حضرت صاحب سے گزشتہ

ملاقاتوں میں اُن کی بے مثال سیاسی بصیرت اور اسلام سے متعلق انتہائی غیرت کا تہِ دل سے قائل ہو چکا تھا لیکن اس چائے پر اُن کی زندگی کا ایک اَور گوشہ میرے سامنے آیا جس سے مَیں ابھی تک قطعاً ناواقف تھا۔ اس گوشے کا تعلق لطافتِ طبع اور ذوقِ ادب سے تھا۔ چائے شروع ہوئی تو چند نوجوانوں نے مووی کیمرہ سے حضرت صاحب سمیت ہم سب کی تصاویر لیں اور چند منٹ تک یہ نوجوان اس کمرے میں موجود رہے پھر معلوم نہیں وہ از خود ہی چلے گئے یا حضرت صاحب نے اشارہ فرما دیا کہ وہ چلے جائیں۔ بہرحال اب ہم تینوں ادیب تھے اور حضرت صاحب اَور کوئی نہ تھا۔ باتوں باتوں میں گزشتہ رات کے انعامی مقابلۂ تقاریر اور مشاعرے کا ذکر آ گیا۔ مولانا سالک مرحوم نے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی غیر معمولی انتظامی قابلیت کو بہت سراہا اور کہا کہ ''اگر اسی قسم کی متانت اور شائستگی قائم رہے تو ایسے ادبی اجتماع اکثر منعقد ہوتے رہنے چاہئیں۔ ان کی افادیّت بہت ہے''۔ حضرت صاحب نے سالک صاحب مرحوم کی یہ تجویز پسند فرمائی۔ پھر ادبیات پر گفتگو شروع ہوگئی۔ مجھے اس بات سے سخت حیرت ہوئی کہ حضرت صاحب کا ادبی ذوق نہایت منجھا ہوا اور انتہائی دقیقہ رس ہے۔ ادب کی نازک لطافتوں کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت صاحب کو ان پر صرف عبور ہی حاصل نہیں بلکہ یہ خود اُن کی طبیعت کا حصہ ہیں۔ کسی نظام کا سربراہ یا کسی قوم کا پیشوا ہونا جدا بات ہے اور انتہائی لطیف ادبی ذوق کا حامل ہونا قطعی طور پر دوسری چیز ہے۔ پھر آپ کا اپنا کلام بھی بہت ہی بلند پایہ ہے۔

حضرت صاحب نے خواہش فرمائی کہ سالک صاحب اپنا کلام سُنائیں۔ سالک صاحب نے پہلے تو معذرت چاہی پھر امتثالِ امر کے طور پر انہوں نے اپنے بیش قیمت اور پاکیزہ اشعار سُنائے جو مکمل دو غزلوں پر مشتمل تھے۔ سالک صاحب کا کلام حضرت صاحب نے بہ دل پسند فرمایا۔ پھر مجھے ارشاد ہوا مَیں نے بھی دو غزلیں پیش کیں۔ حضرت صاحب نے ان پر بھی اپنی خاص پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

بعدہٗ تبسم صاحب کی باری آئی۔ اُنہوں نے اپنی ایک وہ غزل پیش کی جس کا مصرعۂ اُولیٰ سماعت فرماتے ہی حضرت صاحب نے پہلو بدلا اور بالخصوص توجہ مبذول فرمائی۔ غزل کا مطلع یہ تھا۔

اُسے کام کیا ہے سلوک سے کہ جو فیض یابِ شہود ہے
جو نگاہ جلوہ شناس ہو تو نفس دلیلِ صعود ہے

تبسم صاحب نے یہ مطلع پڑھا تو حضرت صاحب بہت محظوظ ہوئے اور مکرر پڑھنے کو فرمایا۔

پھر ہم نے حضرت صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنے کلام سے ہمیں مستفیض فرمائیں۔ اس پر حضور نے فرمایا:

''آپ حضرات شاعری کی نیت سے شعر کہتے ہیں۔ اس لئے آپ شاعر ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ تبلیغ کی خاطر ہوتا ہے۔ ہم اُسے شاعری نہیں سمجھتے''۔

سالک صاحب یہاں بھی مزاح سے نہ چُوکے فوراً بول اُٹھے:

''مَیں اور نازش غیر احمدی ہیں۔ آپ ہمیں تبلیغ فرمایئے''۔

اس پر حضرت صاحب مُسکرائے اور از راہِ کرم اپنے چند بلیغ اشعار فرمادیئے جنہیں سُن کر ہم سب بہت لطف اندوز ہوئے۔

میری درخواست پر حضرت صاحب نے اپنی چھوٹی تقطیع کی ایک کتاب ''کلام محمود'' اپنے دستخط ثبت فرما کر مجھے مرحمت فرمائی۔ جو اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد...... سے میری آخری ملاقات ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ اُس وقت محترم حکیم یوسف حسن صاحب ایڈیٹر نیرنگ خیال بھی میرے ہمراہ تھے۔ ہم محض حضرت صاحب سے ملاقی ہونے ربوہ گئے تھے۔ ربوہ میں داخل ہوتے ہی ہم نے حضرت صاحب کے سیکرٹری کو ٹیلیفون پر اپنی آمد کی اطلاع دی تو چند ہی منٹ میں شیخ روشن دین صاحب تنویر ایڈیٹر ''الفضل'' ہمارے پاس پہنچ گئے۔ شیخ صاحب انتہائی مخلص آدمی ہیں۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت صاحب کی طبیعت ناساز ہے آج ملاقات نہیں ہو سکے گی اور جمعہ کے دن ویسے ہی ملاقاتیں بند ہیں۔ ہم نے سیکرٹری صاحب سے عرض کیا کہ ہماری آمد کی اطلاع بہرحال حضرت صاحب تک پہنچادیں۔ انہوں نے ایسا کرنے کا وعدہ کرلیا۔ ہم نمازِ عصر سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ سیکرٹری صاحب نے آکر فرمایا کہ کل یعنی جمعہ کی صبح ہمیں حضرت صاحب نے چائے پر یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ جمعہ کی صبح آٹھ بجے ہم حضرت صاحب کی خدمت میں پہنچادئے گئے۔ اُس وقت حضرت صاحب علیل الطبع اور بہت کمزور تھے۔ آپ ایک بے بستر کی چارپائی پر استراحت فرما تھے۔ ہم کمرے میں داخل ہوئے تو آپ نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ یہ تکلیف نہ فرمائیں اور آرام فرمارہیں۔ اس پر آپ لیٹے رہے۔ ہم قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ مزاج پُرسی کے بعد آپ نے حکیم یوسف حسن صاحب سے فرمایا:

''آپ کا رسالہ نیرنگ خیال مدت سے ہمارے مطالعہ میں ہے آپ اسے زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے بڑے عزم واستقلال سے کام لے رہے ہیں جو قابلِ تعریف ہے''۔

حکیم صاحب نے حضور کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ آپ نیرنگ خیال میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ پھر حضور نے حکیم صاحب سے فرمایا:

''آپ نے ایک دفعہ قادیان آکر ہماری بچی کا علاج کیا تھا اُس وقت بڑے بڑے ڈاکٹر اور حکیم مرض کی تشخیص نہیں کر سکے تھے۔ ہم نے آپ کو لاہور سے بلوایا تو آپ کے علاج سے بچی تندرست ہوگئی۔ یہ سب خداوند تعالیٰ کا فضل تھا''۔

اب یہ اتنے لمبے عرصہ کا واقعہ تھا کہ اسے خود حکیم یوسف حسن صاحب بھی بھول چکے تھے۔ حضرت صاحب کے

ارشاد پر حکیم صاحب نے حافظے پر زور دیا تو انہیں یہ واقعہ بمشکل یاد آیا۔ حکیم صاحب اور مَیں حضرت صاحب کی غیر معمولی قوتِ حافظہ پر سخت حیران ہوئے بالخصوص اس لئے کہ اب حضرت صاحب بیمار بھی تھے۔ پھر حضرت صاحب میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور حکیم صاحب سے فرمایا:

''ناز ش صاحب احمدی شیعہ ہیں۔ یہ ہمارے پرانے مخلص دوستوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنا قلم ہمیشہ ہمارے حق میں استعمال کیا ہے اس لئے کہ ہمارے مخالف ہم سے مخالفت محض برائے مخالفت کرتے رہے ہیں اور ہم ہمیشہ حق پر ہوتے رہے ہیں۔ نازش صاحب نے حق کی حمایت میں کوتاہی نہیں کی''۔

حضرت صاحب اب مجھ سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا:

''آپ کے کتنے بچے ہیں؟ وہ کیا کیا کرتے ہیں؟ اگر وہ زیرِ تعلیم ہیں تو ان سب کو آپ ربوہ بھیج دیں ہمارے یہاں ان کی تعلیم، رہائش اور خوراک کا سب انتظام ہو جائے گا۔ وہ شیعہ رہتے ہوئے یہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکیں گے''۔

میں حضور کی اس انتہائی مخلصانہ پیشکش سے بے حد متاثر ہوا اور بصمیم قلب شکریہ بجالایا۔

افسوس کہ وہ وجود جو انسانیت کے لئے سراپا احسان و مروّت تھا آج اس دنیا میں نہیں۔ وہ عظیم الشان سپر آج پیوندِ زمین ہے جس نے مخالفین ...... کی ہر تلوار کا وار اپنے سینے پر برداشت کیا مگر یہ گوارا نہ کیا کہ ......کو گزند پہنچے۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ......کی وفات سے جماعت احمدیہ یقیناً بہت غمگین ہے کیونکہ اس کا وہ امام اور سربراہ رخصت ہوگیا۔ جس نے اس جماعت کو بنیان مرصوص بنا دیا لیکن اس جماعت سے باہر بھی ہزاروں ایسے افراد موجود ہیں جو اختلاف عقائد کے باوجود آپ کی وفات کو دنیائے ......کا ایک عظیم سانحہ سمجھ کر بے اختیار اشکبار ہیں۔ آپ نے دنیا کے بیشمار ممالک میں چارسو کے قریب ......تعمیر کرائیں۔ تبلیغ ...... کے لئے تقریباً یکصد مشن قائم کئے جو عیسائیت کی بڑھتی ہوئی رَو کے سامنے ایک آہنی دیوار بن گئے۔ مختصر یہ کہ حضرت صاحب نے اپنی زندگی کا ایک ایک سانس اپنے مولیٰ کی رضا اور ......کی سربلندی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔ اگر میں ایک شیعہ ہوتے ہوئے انہیں ......لکھتا ہوں تو یہ ایک حقیقت کا اظہار ہے۔ محض اخلاقی رسم نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وصال پر

”صدق جدید“ کا تعزیتی نوٹ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وصال پر مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے اپنے اخبار ”صدق جدید“ لکھنؤ کی ۱۸/نومبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں تعزیتی شذرہ سپردِ قلم فرمایا وہ ذیل میں درج ہے:

امام جماعت احمدیہ کا انتقال

کراچی سے خبر شائع ہوئی ہے کہ جماعت احمدی (قادیانی) کے امام مرزا بشیر الدین محمود کا ۸/نومبر کو ربوہ میں انتقال ہوگیا۔ مہینوں کیا برسوں سے سخت بیمار چلے آتے تھے اور یہ طویل اور شدید بیماری کلمہ گو کے لئے بجائے خود گناہوں کو دھونے والی اور ان کا کفارہ کر دینے والی ہے۔ دوسرے عقیدے اُن کے جیسے بھی ہوں قرآن وعلوم قرآنی کی عالمگیر اشاعت اور ..... کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں انہوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں ان کا صلہ اللہ انہیں عطا فرمائے اور ان خدمات کے طفیل میں ان کے ساتھ عام معاملہ درگذر کا فرمائے۔ علمی حیثیت سے قرآنی حقائق ومعارف کی جو تشریح تبیین وترجمانی وہ کر گئے ہیں اس کا بھی ایک بلند وممتاز مرتبہ ہے“۔

(اخبار صدق جدید۔ لکھنؤ جلد ۱۵ نمبر ۵۱۔ ۱۸/نومبر ۱۹۶۵ء)

سفر سندھ ۱۹۳۸ء اور

ایک ایمان افروز شہادت

(مکرم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب)

حسب سابق جب حضور اپریل ۱۹۳۸ء میں سندھ کے دورے پر تشریف لے گئے اور مئی کے آخر میں آپ کی واپسی ہوئی تو واپسی کے دوران سفر میں ایک نہایت ایمان افروز واقعہ پیش آیا اور احمدیت کی صداقت کا ایک عجیب آسمانی نشان ظاہر ہوا۔

سفر کے دوران جس سٹیشن پر بھی گاڑی ٹھہرتی احمدی احباب حضور کی زیارت کے لئے موجود پائے جاتے تھے جو نہایت اشتیاق کے ساتھ حضور سے مصافحہ و ملاقات کرتے۔ جب گاڑی لودھراں سٹیشن پر رکی تو خاکسار حضور کے کمپارٹمنٹ میں دریچے کے پاس کھڑا تھا۔ اسی اثناء میں ملتان کے ایک ہندو رئیس لالہ کلیان داس نے مجھ سے کہا کہ میں حضور سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں آپ اجازت لے دیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ حضور کو میں آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں لیکن میرے لئے حضور نئے نہیں۔ میں نے پہلے بھی حضور کو عرصہ ۴ سال کا ہوا بغداد میں دیکھا تھا جبکہ میں وہاں ایک زیارت پر تھا۔ میرے لئے ان کا یہ بیان کسی قدر تعجب کا باعث ہوا مگر فوراً سمجھ میں یہ بات آئی یہ کوئی کشف یا خواب کی بات ہے۔ بہرحال جب حضور سے ملاقات کی درخواست کی گئی تو حضور نے بخوشی اجازت دے دی اور وہ معزز دوست گاڑی کے اندر تشریف لائے اور گفتگو کرنے کی بجائے دیر تک خاموش کھڑے رہے اور اتنی دیر تک خاموش رہے کہ ہمیں تعجب ہونے لگا اور جب ان کے چہرے پر نظر پڑی تو دیکھا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور ہچکی سی بندھ رہی ہے۔ اس پر حضور نے ان کو اپنے پاس بلا کر سیٹ پر بٹھایا اور کچھ دیر بعد انہوں نے اپنا بیان شروع کیا اور اپنا ایک کشفی واقعہ بیان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

> ''میں عرصہ چار سال کا ہوا کہ کربلا معلی، نجف شریف، کوفہ، کاظمین اور بغداد شریف وغیرہ زیارتوں پر گیا تھا۔ بغداد شریف میں حضرت سلمان فارسی کی درگاہ شریف پر مجھے بہت شانتی نصیب ہوئی اور میں نے کھڑے ہو کر اپنی آنکھیں بند کر کے دُعا کی تو مجھے حضرت سلمان فارسی کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد میں نے ایران، بلوچستان اور ہندوستان کا چپہ چپہ دیکھا لیکن مجھے اس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کوئی شکل نظر نہیں آئی۔ مگر آج میں نے حضور کو خانپور سٹیشن پر جو دیکھا تو مجھے حضرت سلمان فارسی کی زیارت والا واقعہ یاد آ گیا۔ حضور کی شکل بالکل ویسی ہی ہے

جیسی کہ مجھے حضرت سلمان فارسی کے مزار پر نظر آئی تھی۔ اُس شکل اور حضور کی شکل میں ایک بال برابر کا بھی فرق نہیں۔ ان کے سامنے آنے سے حضرت سلمان فارسی کا نقشہ سامنے آ جانا ایک معجزہ ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل کا واقعہ ہے اور یہ وہی شکل ہے وہی شکل ہے اور یہ وہی شکل ہے''۔

اس کے بعد اس معزز رئیس نے اگلے سٹیشن پر حضور سے رخصت چاہی۔ حضور نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ مصافحہ کی بجائے پاؤں کی طرف جھکے اور حضور کے منع کرتے کرتے پاؤں چوم لئے اور کہا کہ ہاتھ تو اوروں کے لئے ہیں میرے لئے تو پاؤں ہیں۔ یہ کہہ کر گاڑی سے اتر گئے واپس جانے کے بعد جو اُن معزز ہندو رئیس نے شکریہ کا خط لکھا اور کافی تفصیل کے ساتھ اپنا بیان درج کیا اس کا کچھ حصہ مختصراً قارئین کرام کے پیش خدمت ہے۔

مکرم بندہ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

تسلیم!

میں آپ کی مہربانی اور عنایت کا از حد مشکور اور ممنون ہوں کہ آپ نے کل مورخہ ۳۰ مئی کو از راہ کرم حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہو کر عرض کرنے کا موقعہ مجھے لے کر دیا۔ اگر آپ مہربانی نہ فرماتے تو مجھے اس ٹرین سے قادیان جانا پڑتا کیونکہ میری اندرونی حالت بہت کشمکش میں تھی اور آپ سب صاحبان اس وقت میری طبیعت کا نقشہ دیکھ کر خود ہی حیران تھے کہ یہ کیا سین بن گیا ہے۔

مختصراً عرض یہ ہے کہ مجھے خانپور سٹیشن پر اطلاع ملی کہ حضرت صاحب میل ٹرین سے سفر کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے ایک مرید کے خلاف کچھ شکایت کرنے کی سوجھی اور میں اس جذبہ کے تحت ان کے سیکنڈ کلاس کے ڈبہ کے سامنے آموجود ہوا وہاں ایک شخص بنام مسٹر عمر علی ملے جو شاید مجھے جانتے تھے اور مجھے حضور کے پیش کیا (شکل دکھائی) وہاں ان کی طرف نظر کرتے ہی معاملہ اور ہو گیا۔ مجھے شکایت وغیرہ کرنی تو بھول گئی اور میری آنکھوں کے سامنے ایک حقیقت آشکار ہو گئی اور میں اسی طرح واپس اپنے ڈبہ میں چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر میں دیدہ دانستہ کئی قسم کے شکوک اُٹھاتا رہا اور پھر ڈیرہ نواب سٹیشن پر ان کے ڈبے کے سامنے موجود ہوا اس وقت میرے شکوک دور ہو گئے اور پھر میں واپس اپنے ڈبہ میں چلا گیا وہاں جا کر بہت سوچتا رہا لیکن دل و دماغ ہرگز نہ مانا کہ میں غلطی پر ہوں۔ آخر پھر سمہ سٹہ سٹیشن پر مزید تصدیق کے لئے ان کے ڈبہ کے سامنے آیا اور اسی طرح پھر بہاولپور اسٹیشن پر۔ مجھے حد درجہ بے چینی اور بے قراری تھی کیونکہ میں اس معاملہ کو حضرت صاحب کے سامنے پیش کر کے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔

آخر لودھراں سٹیشن پر آپ نے میری استدعا پر مہربانی فرمائی اور حضرت صاحب سے اجازت لے کر مجھے اس ڈبہ میں بیٹھنے دیا۔ جو نقشہ آپ نے میرا وہاں دیکھا وہ آپ پر بخوبی عیاں ہے کہ میرے آنسو جاری تھے اور ہچکی بندھ گئی تھی منہ سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ حضرت صاحب نے محبت سے مجھے اپنے پاس بٹھا کر تسکین دی اور پوچھنے کو فرمایا۔ یہ بھی

ایک معجزہ تھا۔ بھلا میرے جیسا نڈر آدمی اور ایک خدا پرست کے سامنے جھکے لیکن میری اندرونی حالت کا مجھے ہی علم تھا۔ اس وقت آپ لوگوں کو اس کا احساس نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ میں کسی مقدمہ میں بطور ملزم پیش نہیں تھا بلکہ میں سمجھتا تھا کہ میں ایک سچی سرکار کے سامنے ہوں، یہ ان کا جلال تھا جس کا مجھ پر اس قدر گہرا اثر تھا کیونکہ پچھلا گزرا ہوا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

وہ نقشہ کیا تھا جو کہ میں نے حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا کہ عرصہ چار سال کا ہوا ہے کہ میں کربلائے معلیٰ، نجف شریف، کوفہ، کاظمین اور بغداد شریف وغیرہ زیارتوں پر گیا تھا۔ ہر ایک درگاہ پر گھٹنوں بیٹھ کر استدعا کیا کرتا تھا کہ مجھے اندرونی تسکین ملنی چاہئے اور کاظمین میں ضرور میں نے اپنے اندر نورہی نور دیکھا۔ اس قدر شانتی مجھے زندگی بھر میں آج تک کسی جگہ محسوس نہیں ہوئی اور مجھے ڈیڑھ گھنٹہ اس قدر رونا آیا کہ میں خود حیران تھا کہ رونے کی بات تو کوئی نہیں۔ خواہ مخواہ کیوں! اس قدر بے ساختہ رونا آ رہا ہے۔ یہ بھی ان کا ایک معجزہ تھا۔ خیر میں تخت قیصر دیکھنے کے لئے بغداد شریف آ گیا اور وہاں جب میں سلمان فارسی کی درگاہ پہ گیا تو مجھے بہت شانتی نصیب ہوئی میں نے وہاں کھڑے ہو کر آنکھیں بند کر کے استدعا کی تو مجھے صاف زیارت نصیب ہوئی۔ یہ وہی شکل تھی جو چار سال بعد خانپور سٹیشن پر نظر پڑی جس وجہ سے مجھے سخت حیرانی ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ میں ہر سٹیشن پر ہوش و حواس میں تھا اور سلمان فارسی کی درگاہ پر بھی۔ مجھے شک کی گنجائش نہ تھی لیکن پھر بھی انسانی فطرت ہے۔ سلمان فارسی کی درگاہ سے واپس بغداد آ کر میں سوچتا رہا کہ کیا ماجرا ہے کیونکہ اس شکل کا کوئی انسان تمام عراق میں نہیں دیکھا پھر تصور کیسے ہو سکتا ہے۔

ان کے (حضرت صاحب) سامنے آ جانے سے سلمان فارسی والا نقشہ سامنے آ جانا بھی ایک معجزہ ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل کا معاملہ ہے۔ ایسی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ میں نے بہت خلاف سوچا لیکن دل و دماغ اور ضمیر نے یہی کہا کہ یہ وہی شکل ہے۔ اصل میں شکل تھی بھی وہی۔ وہاں سے ایران گیا اور بہت شہر دیکھے۔ بلوچستان وغیرہ۔ ہندوستان کا چپہ چپہ۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد لاکھوں انسانوں کو دیکھا لیکن کبھی محسوس نہ کیا کہ وہ شکل یا اس سے ملتی جلتی کوئی شکل نظر آئی ہو۔ صرف یہی شکل تھی جو بالکل وہی تھی جو سلمان فارسی کی درگاہ میں میں نے دیکھی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جس شخص کی میں نے شکایت کر دی تھی اُس کا نام تک نہ لیا تھا۔ بلکہ حضرت صاحب کے سامنے دُعا کی تھی کہ دن دُگنی رات چوگنی ترقی خداوند کریم اس کو دے جن کی بدولت میں آپ کی زیارت کر سکا۔

میری طرف سے حضرت صاحب کی خدمت میں دست بستہ نیاز کر دیں۔ پھر میں قادیان حاضر ہو کر نیاز حاصل کروں گا‘‘۔

بندہ کلیان داس ملتان

راقم امام جماعت احمدیہ سے ایک ملاقات کے دوران اُن کے بلند اخلاق سے بہت متاثر ہوا اور اُن کی بزرگانہ شخصیت کے ماتحت ان سے ایک دنیوی اُلجھن کے متعلق طالبِ دُعا ہوا۔ اُن کی دُعا سے وہ عقدۂ لاینحل سُلجھ گیا۔ ان کی وفات پر اس نظم میں اپنے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ (نذر حسین او۔ٹی۔ لالیاں)

کس لئے وقفِ الم ہے آج ربوہ کی زمیں — ناصبور و محوِ غم ہے آج ربوہ کی زمیں
کس لئے نالہ بدم ہے آج ربوہ کی زمیں — نوحہ خواں با چشمِ نم ہے آج ربوہ کی زمیں

ہیں زبانیں دم بخود اظہار کی طاقت نہیں
حکمِ قدرت سے مگر انکار کی طاقت نہیں

ہے کہاں جو سیرِ رُوحانی کراتا تھا ہمیں — اور معارف دین و دُنیا کے بتاتا تھا ہمیں
بہرِ تالیفِ قلوب اکثر بلاتا تھا ہمیں — نصرتِ اسلام کے خطبے سناتا تھا ہمیں

وادیٔ ارواح میں خود آج محوِ سیر ہے
ہر نشانِ زندگی جس کا نشانِ خیر ہے

تُو نے اے فضلِ عمر ہم کو دیا درسِ حیات — سیفِ حق تیری زباں تیرا قلم شاخِ نبات
جُوئے کوثر ہر سخن، سِلکِ دُرر ہر ایک بات — تھی سراپا تیری ہستی پیکرِ عزم و ثبات

فیضِ صحبت سے تری کُھلتے تھے اسرارِ نہاں
تھی گریزاں تیرے دم سے جہل کی تاریکیاں

جب تلک ہو گی صدا تہلیل اور تکبیر کی — جب تلک محتاج ہو گی ہر دُعا تاثیر کی
جب تلک سنّت ادا ہو گی یہاں شبیر کی — اور محوِ سجدہ پیشانی جوان و پیر کی

کارنامے تیرے پائندہ رہیں گے دہر میں
تیرے فرمودات بھی زندہ رہیں گے دہر میں

خوشا اس جماعت کا رہبر ہے تو

صہبا اختر

ثریا جناب و فلک بارگاہ   تجلی نژاد و تجلی پناہ
مسیحائے موعودؑ کے جانشین   سراپا عقیدت ، مجسم یقیں
ہمہ عاشقی و ہمہ آرزو   مثال صبائے چمن مشکبو
مبارک ہے تفسیر اس خواب کی   کہ جس میں تجلی تھی مہتاب کی
مبارک تھا وہ سبز رنگ اشتہار   کہ جس سے تھی آمد تری آشکار
کہ جس میں تھے روشن ترے خدو خال   یہ شوکت یہ عظمت یہ جاہ و جلال
یہ گیسو یہ خوشرنگ چہرے کا روپ   چھنے جس طرح سنبلستاں سے دھوپ
یہ خوددار آنکھوں کے روشن کنول   یہ ہمت شجاعت تجسس عمل
یہ علم و صداقت یہ جود و سخا   یہ تاب و تحمل یہ صبر و رضا
یہ عدل و اخوت یہ منصف مزاج   مسیحا نفس بن کے سب کا علاج
تجھے برگ و گل گا ہے ماہ و نجوم   مسیحائے انفاس کا یہ ہجوم
غنی ہو گئے کتنے نادار لوگ   شفا پا گئے کتنے بیمار لوگ
نگاہِ پیمبر میں خورسند تو
اولوالعزم فرزند دلبند تو
جو مشہور و معروف ہے کوبہ کو   اسی پیشگوئی کا حاصل ہے تو
اسی پیشگوئی کا فیضان ہے   کہ تو صاحب جذب و عرفان ہے
کہ تو کاشف راز و اسرار ہے   ہیک رنگ کردار و گفتار ہے
مبارک جہاں کو قیادت تری   مبارک دلوں پہ حکومت تری
افق تا افق شان و عظمت تری   زمیں کے کناروں پہ شہرت تری
کمال و محمدؐ علی ، مستری   گئی اور اس طرح کے سازشی
کئی دشمنانِ تب و تاب دیں   چھپائے ہوئے دل میں صد بغض و کیں
کئی خانۂ چشم و دل کے مکیں   کئی مار پوشیدہ در آستیں
بڑھے تیری عظمت کو للکارنے   بڑھے دوست بن کر تجھے مارنے
تجھے دشمن دیں نے زخمی کیا
زمیں نے ترا خون بھی چکھ لیا
بلائیں ترے حوصلوں نے سہیں   اٹھیں آندھیاں خاک ہو کر رہیں
ترے ساتھ مرضی مولیٰ رہی   طویل عمری فضل عمر سے ملی
یہ تیری ہی صحبت کا فیضان ہے   یہ تیرا ہی ملت پہ احسان ہے

کہ تیرے رفیق اور تیرے جانشیں
جنہیں مال و دولت کا لالچ نہیں
جنہیں خدمت دیں کے الزام میں
اُلجھنا پڑا ظلم کے دام میں
جنہیں جیل کی ظلمتیں بھی ملیں
جنہیں کفر کی وحشتیں بھی ملیں
جنہیں نذر زنداں بھی ہونا پڑا
جنہیں جاں سی شے کو بھی کھونا پڑا
بصارت چھنی اور زباں بھی سِلی
سزا سنگساری کی جن کو ملی
رہے جن کے قلب و جگر پاش پاش
کفن کو ترستی رہی جن کی لاش
شہیدوں کا خوں رنگ لا کے رہا
ہر اک دل میں شوقِ شہادت رہا
جلی شمعِ حق انجمن انجمن
مہک پھیلی دیں کی چمن در چمن
محبت کے شعلے بھڑکتے رہے
تشدد اندھیروں کے گھٹتے رہے
محبت کے پروانے کس شان سے
محمدؐ کے دیوانے کس شان سے

ز امریکہ و مصر تا خاکِ چیں
لئے پھر رہے ہیں محمدؐ کا دیں

قدم رکھ دیئے خانۂ غیر میں
تراشے حرم ایک اک دَیر میں
جہاں آج تک تھا ہجوم بتاں
وہاں اُٹھ رہی ہے صدائے اذاں
کبھی ''ماکانہ'' کے ویرانوں میں
کبھی مصر کے آئینہ خانوں میں
گئے روس کے قلبِ فولاد میں
گھسے افریقہ غیرآباد میں
کئے نقش تحریر اسلام کے
تصدق محمدؐ کے اسلام کے
جہاں اجتماعِ مذاہب ہوا
وہاں تو نے پیغامِ حق کا دیا
اسی شوق میں بحر و انبیاء
سفر تو نے برطانیہ کا کیا
در و بام گونج اُٹھے تقریر سے
محبت کی پاکیزہ تحریر سے
وہ ''بیت الدعا'' کی دعائیں لئے
مسیحِ دگر کی صدائیں لئے
جہاں مختلف دیں کی تصویر تھی
وہاں تو نے مسجد بھی تعمیر کی
یہ تیری مساعی کا انعام ہے
جہاں واقفِ دینِ اسلام ہے

نہ میں احمدی ہوں نہ غیر احمدی
کہ ایماں ہے میرا بشر دوستی

میں اک شاعرِ بے نوا ہوں جسے
زمانہ غلامِ محبت کہے
''بہ عشقِ محمدؐ مخمر ہوں میں
جو یہ کفر ہے سخت کافر ہوں میں''
تکلف سے خاموش ہرگز نہیں
میں احساں فراموش ہرگز نہیں
مجھے اعترافِ حقیقت میں ڈر؟
خدا کی قسم میں نہیں کم نظر
اندھیروں سے جب تھے مرے دن ملے
مجھے اس جماعت میں محسن ملے
وہ محسن جنہیں عین انساں کہیں
محبت کا بے تاب طوفاں کہیں
کسی بھی عوض کے جو خواہاں نہیں
جنہیں یاد خود اپنے احساں نہیں

غریبانِ دیں کا مقدر ہے تو
خوشا اس جماعت کا رہبر ہے تو

ایک نئے دور کا وہ بانی تھا

محترم جناب تنویر صاحب!

حضرت بشیر الدین محمود احمد صاحب کا سانحہ ارتحال صرف جماعت احمدیہ کے جگر خراش نہیں ہے۔ بلکہ ان بے شمار ارباب نظر کے لئے بھی پیغام درد ہے۔ جو ان کے افکار و اعمال سے ذہنی و روحانی فیضان حاصل کرتے تھے۔

یقین کیجئے میں ایک غیر احمدی ہوں۔ مگر ریڈیو پر حضور کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر چونک پڑا۔ فرط جذبات سے فراموشی کا عالم طاری ہو گیا۔ اس وقت ایک شاعر پر کیا گزرتی ہے اسے آپ کا دل جانتا ہو گا۔ ساز روح کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ ڈوبی ہوئی لَے میں ایک ٹوٹا پھوٹا نغمہ اُبھرا۔ نذر عقیدت کے طور پر ارسال کر رہا ہوں۔

میں اس حادثہ میں آپ کے غم کا برابر شریک ہوں۔ خدا سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

(نیاز آگیں دامن لاسیکی گلار چی براستہ بدین ضلع حیدرآباد)

ذرّے ذرّے میں انتشار ہے آج — روح کونین بے قرار ہے آج
چھن گئی کیا امانتِ کبریٰ — قوم کی قوم سوگوار ہے آج

گیسوئے روزگار برہم ہیں؟ — گُل کی آنکھوں میں اشکِ شبنم ہیں
آسماں تک اُداس ہیں، گویا — چاند تارے شریکِ ماتم ہیں

شور ہے، میر کارواں اُٹھا؟ — محرمِ رازِ کُن فکاں اُٹھا
محفلِ ذکر و فکر ویراں ہے — دینِ فطرت کا ترجماں اُٹھا

مئے عشقِ رسولؐ رکھتا تھا؟ — میکشی کے اُصول رکھتا تھا
چشمِ اہلِ نظر کا تارا تھا — جامِ حُسنِ قبول رکھتا تھا

جانشینِ مسیحؑ ثانی تھا حُجتِ پاک کی نشانی تھا
روحِ عزم و عمل کا فتویٰ ہے اک نئے دور کا وہ بانی تھا

ایک دانا فقیر تھا ، نہ رہا
ایک روشن ضمیر تھا ، نہ رہا
کارواں کو خدا پہ چھوڑ گیا
کارواں کا امیر تھا ، نہ رہا

جماعت احمدیہ کی آئندہ نسلوں کی حفاظت کے لئے
حضرت مصلح موعود کی
احباب جماعت کو تلقین

فرمایا:

''یہ بڑے خطرات کے دن ہیں اس لئے سنبھلو اور اپنے نفسوں سے دنیا کی محبت سرد کر دو اور اپنے دین کی خدمت کے لئے آگے آؤ اور ان لوگوں کے علوم کے وارث بنو جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت پائی۔ تا تم آئندہ نسلوں کو سنبھال سکو۔ تم لوگ تھوڑے تھے اور تمہارے لئے تھوڑے مدرّس کافی تھے مگر آئندہ آنے والی نسلوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور ان کے لئے بہت زیادہ مدرّس درکار ہیں۔ پس اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کردو اور یہ نہ دیکھو کہ اس کے عوض تمہیں کیا ملتا ہے۔ جو شخص یہ دیکھتا ہے کہ اسے کتنے پیسے ملتے ہیں وہ کبھی خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسی کو ملتی ہے جو اس کا نام لے کر سمندر میں کود پڑتا ہے چاہے موتی اس کے ہاتھ آجائے چاہے وہ مچھلیوں کی خوراک بن جائے۔'' (الفضل یکم اپریل ۱۹۴۴ء)

''میں کہتا ہوں کہ اپنی اولاد کے اندر یہ آگ لگادو کہ وہ کسی کو آگے نہ بڑھنے دیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں سب سے آگے نکل جاویں علم میں، اخلاق میں، اقتصادی حالت میں، سیاست میں، مذہب میں۔ غرض کسی چیز میں کسی سے پیچھے نہ رہیں مگر یادرکھو کہ یہ مقابلہ امن اور اخلاق کا مقابلہ ہے۔ دوسروں سے آگے بڑھنے میں کبھی تمہاری اخلاقی کمزوری ظاہر نہ ہو بلکہ اخلاقی فتح کے ساتھ، امن کو قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھو۔'' (لیکچر شملہ صفحہ ۲۲)